ڈائجسٹ کا تہلکہ خیز سلسلہ
آتش فشاں
حصہ 2

آتش فشاں

ظلم وستم کے شعلوں میں جلنے والے ایک معصوم ذہن کی لرزہ خیز سرگزشت

وہ اپنے ماں باپ کے بہیمانہ قتل کا عینی شاہد تھا۔ اس کے سینے میں ایک قبرستان آباد تھا اور اس کا دماغ کسی آتش فشاں کی طرح ابل رہا تھا۔ اس کے شب و روز کی ہر کروٹ اس کے لئے نت نئے ہنگاموں کی پیامبر تھی۔ بے رحم و سفاک قاتل اسے بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے۔ وہ اپنے دشمنوں کو خوب جانتا پہچانتا تھا لیکن ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ اس کو ایسی پناہ گاہ کی تلاش تھی۔ جہاں وہ ان درندوں سے محفوظ رہ کر خود کو اتنا توانا و طاقت ور بنا سکے کہ وہ اس کا بال بھی بیکا نہ کرسکیں۔ بالآخر قدرت اسے ایک ایسی جگہ لے گئی جہاں اس کی زندگی ایک نئے سانچے میں ڈھلنے والی تھی۔

اس ٹمٹماتے چراغ کا احوال جو اچانک ہی آندھیوں کی زد پر آگیا تھا

یہ وہ علاقہ تھا جہاں چرسی موالی قسم کے لوگ بھرے رہتے تھے۔ ناکس اسنیچو والے چوک کے چبوترے پر بھی تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔ نشے کے عادی بے گھر موالی دنیا و مافیہا سے بے خبر ایک دوسرے پر لدے ہوئے سو رہے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جو اس وقت بھی کوئی نہ کوئی نشہ کرنے میں مصروف تھے۔

میں اور سکھدرچورا ہا پار کرکے دوسری سڑک پر آگئے۔ وہاں ایک پولیس والا کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے سرسری سے انداز میں ہماری طرف دیکھا اور پھر دائیں طرف سے آنے والی ایک سفید کار کی طرف متوجہ ہوگیا اور سڑک کے بیچ میں آکر کار کو رکنے کا اشارہ کرنے لگا۔ ہم دونوں قریب سے گزرتے ہوئے سڑک پار کرکے ایک سائڈ اسٹریٹ میں داخل ہوگئے اور پھر مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے ہم اس گلی میں پہنچ گئے جہاں جانکی کا بنگلا تھا۔

گلی میں سناٹا تھا۔ ہمارے قدموں کی آواز بھی اس سناٹے میں دور تک گونج رہی تھی۔ ہم دونوں خاموشی سے چل رہے تھے۔ ہم میں سے کسی نے بھی اب تک ایک دوسرے سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

جانکی والے بنگلے کے سامنے پہنچ کر ہم رک گئے۔ بنگلے کے اندر روشنی تھی لیکن برآمدے والی بتی بجھی ہوئی تھی۔ میں نے کال بیل کا بٹن دبا کر گیٹ کے اوپر سے اندر جھانکا تو مجھے تاریک برآمدے میں ایک ہیولا سا متحرک دکھائی دیا اور پھر وہ ہیولا برآمدے سے نکل کر تیزی سے گیٹ کی طرف آتا ہوا نظر آیا۔ میں نے چال سے پہچان لیا۔ وہ تھائی وانگ تھی۔ گیٹ کھلتے ہی ہم اندر داخل ہوگئے۔ تھائی نے گیٹ بند کردیا اور میرا بازو پکڑلیا۔

"میں ٹھیک ہوں تھائی۔" میں نے سرگوشی کی اور اس کے ساتھ ہی میں نے تھائی کے منہ سے نکلنے والا گہرا سانس بھی سنا تھا۔

ہم اندر آگئے۔ گانگ اور نوتا ہال میں صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ پرساد اور جانکی مجھے نظر نہیں آئے۔

"پرساد کہاں ہے؟" میں نے اندر داخل ہوتے ہی پوچھا۔

"اس کمرے میں۔" گانگ نے صوفے سے اٹھتے ہوئے اشارہ کیا۔

اور پھر وہ میرے ساتھ ہی اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔ پرساد بیڈ پر پڑا تھا۔ اس کے جسم پر لباس نام کی صرف ایک انڈرویئر تھی۔ اس کا برہنہ جسم دیکھ کر میں کانپ اٹھا۔ وہ کئی دن تک وارا اور پیڈرو جیسے دنیا کے سفاک ترین انسان نما بھیڑیوں کی قید میں رہا تھا۔ انہوں نے اسے مہمان بنا کر نہیں رکھا تھا۔ میرے بارے میں پوچھنے کے لیے اسے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اگر وہ میرے بارے میں بتا دیتا تو اس کی یہ حالت نہ ہوتی لیکن تشدد کے یہ نشان ظاہر کرتے تھے کہ اس نے زبان نہیں کھولی تھی۔ اس کے پیٹ، سینے اور بازوؤں پر جلنے کے بے شمار نشان تھے۔ لگتا تھا جیسے

دہکتی ہوئی سلاخ سے اس کے جسم کو داغا گیا ہو۔ اس کا پیر بھی خطرناک حد تک سوجا ہوا تھا۔

پرساد ہوش میں تھا اور جاگ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر زخمی مسکراہٹ آگئی۔ میری حالت غیر ہو رہی تھی۔ میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر آگے جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ ثبت کردیا۔

"میں تمہارا انتقام لوں گا پرساد۔" میں نے سرگوشی کی "جس نے بھی تمہیں اس حالت کو پہنچایا ہے اس کے جسم پر اتنے نشانات لگاؤں گا کہ گنے بھی نہیں جاسکیں گے۔ مجھے بتاؤ کون تھا وہ..... دارا یا.....؟" میں خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"پیڈرو۔" پرساد نے کمزور سی آواز میں جواب دیا "اس کا خیال ہے کہ ہم دونوں نے مل کر ٹائیگر کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ وہ تمہارے بارے میں مجھ سے پوچھتا رہا اور الیکٹرک سولڈرنگ آئرن (کاویہ) سے میرے جسم کو داغتا رہا لیکن میری زبان کھلوانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔"

"پیڈرو....." میرے حلق سے غرّاہٹ سی نکلی "کاش! میں اسے زندہ نہ چھوڑتا۔"

"پیڈرو سے یہ ہماری پہلی اور آخری ملاقات نہیں تھی۔" میرے قریب کھڑے ہوئے گانگ نے کہا "بہت جلد ہمارا اور اس کا پھر آمنا سامنا ہوگا اور اس مرتبہ وہ زندہ بچ کر نہیں جائے گا۔"

"ابھی نہیں۔" پرساد نے کہا "مجھے ٹھیک ہوجانے دو۔ اپنا انتقام میں اس سے خود لوں گا۔"

پرساد کی اس بات پر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس حالت میں بھی اس کا حوصلہ پست نہیں ہوا تھا۔

"گانگ۔" قریب کھڑی ہوئی جانکی نے کہا "اب تم جاؤ۔ تمہیں واپسی میں ڈیڑھ دو گھنٹے لگ جائیں گے۔ اب زیادہ دیر کرنا مناسب نہیں ہے۔"

"کہاں جارہا ہے یہ؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے اسے کچھ دوائیں لکھ کر دی ہیں۔" جانکی نے کہا "یوں تو یہ دوائیں کسی بھی اسپتال سے مل سکتی ہیں لیکن اس وقت اسپتال والے کسی قسم کا شبہ کرسکتے ہیں۔ مشن اسپتال کا ڈرگ اسٹور میری ایک دوست کی ملکیت ہے۔ وہاں اس سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں۔" گانگ کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھ گیا۔ جانکی بتا رہی تھی کہ یہاں آکر جب اس نے پرساد کو بیڈ پر لٹایا تو اس کی قمیص کے کھلے ہوئے گریبان سے اس کے سینے پر داغے جانے کے ایک دو نشان دیکھ کر جب اس نے قمیص ہٹائی تو سینے اور پیٹ پر ایسے بے شمار داغ نظر آئے۔ اس نے قمیص اتار دی اور پھر انکشاف ہوا کہ پورا جسم اسی طرح داغا گیا تھا۔ جانکی کے خیال میں زخم زیادہ گہرے نہیں تھے لیکن انہیں ٹھیک ہونے میں چند روز تو ضرور لگتے۔

"اس کے پیر کا کیا ہوگا۔ یہ تو بہت زیادہ سوج گیا ہے۔" میں نے پرساد کے پھولے ہوئے پیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تھائی وانگ بہت تجربہ کار مساجر ہے۔" جانکی نے کہا "وہ صبح اس کے پیر کا علاج بھی شروع کردے گی۔"

میں کچھ دیر وہاں کھڑا پرساد سے باتیں کرتا رہا اور پھر کمرے سے باہر آگیا۔ نوپتا اسی طرح صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی اور سکھدر سامنے والے صوفے پر بیٹھا اسے گھور رہا تھا۔

سکھدر جب مہاراج کے حکم پر یہاں آیا تھا تو میں نے اسی روز محسوس کرلیا تھا کہ وہ تھائی کو عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا تھا اور اب وہ نوپتا کو بھی ایسی ہی کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس سے میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ سکھدر پر اور معاملات میں تو اعتماد کیا جاسکتا تھا مگر عورت کے معاملے میں وہ بھروسے کے قابل نہیں تھا۔

تھائی وانگ کچن میں تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک ٹرے میں کافی کے مگ اٹھائے ہوئے لے آئی۔ اس نے ایک ایک مگ ہم تینوں کو دیا۔ اپنا مگ سینٹر ٹیبل پر رکھا اور دودھ لے کر پرساد والے کمرے میں چلی گئی لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہ جانکی کے ساتھ واپس آگئی۔ ایک مگ جانکی کے ہاتھ میں تھا اور دو سرا ٹرے میں رکھا ہوا تھا۔

"پرساد سوگیا ہے۔" جانکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "وہ شاید تمہارا ہی انتظار کررہا تھا۔ تمہیں دیکھ کر اسے تسلی ہوگئی اور وہ سوگیا۔"

وہ دونوں بھی ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔ تھائی کو ابھی تک انہوں نے شاید کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ بار بار میری طرف دیکھ رہی تھی۔ شاید وہ منتظر تھی کہ میں اس واقعے کی تفصیل بتاؤں۔ میں نے اسے زیادہ انتظار کرانا مناسب نہیں سمجھا اور اسے سارے واقعات تفصیل سے بتانے لگا۔

"اگر مجھے پہلے پتا چل جاتا کہ پیڈرو نے پرساد کی یہ حالت کی ہے تو میں اسے کبھی بھی زندہ نہ چھوڑتا۔" میں نے آخر میں کہا "لیکن بہرحال' اب سب سے پہلے اسی سے نمٹنا ہے۔ جب تک اس سے پرساد پر تشدد کا بدلہ نہیں لے لوں گا کسی اور کام پر توجہ نہیں دوں گا۔"

جانکی اور نوپتا خاموش بیٹھی ہوئی تھیں اور میں دیکھ رہا تھا کہ سکھدر گھورتی ہوئی نظروں سے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ کافی ختم کرچکا تو میں نے اسے حکم دیا کہ وہ برآمدے کے ساتھ دائیں طرف والے کمرے میں جاکر بیٹھ جائے۔ اس کمرے کا

ایک دروازہ باہر کی طرف بھی کھلتا تھا اور وہاں سے گیٹ پر نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔ سکھدر خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔

"نوپتا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم ایک خوفناک تجربے سے گزری ہو۔ جاؤ۔ تم اپنے کمرے میں جاکر سوجاؤ۔"

"جاتی ہوں۔" نوپتا نے کہا "لیکن وہ پرساد....."

"وہ ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "گانگ تھوڑی دیر میں آجائے ہوگا۔ اس کے زخموں پر دوا لگا دی جائے گی تو وہ دو چار روز میں بالکل ٹھیک ہوجائے گا۔"

مجھے نوپتا کی دلی کیفیت کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب فیملی ممبروں کی طرح تھے۔ دلوں میں ایک دوسرے سے لگاؤ تھا لیکن نوپتا کی یہ حالت دیکھ کر مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ ان دونوں میں کوئی جذباتی لگاؤ بھی پیدا ہوچکا تھا۔ وہ کئی روز سے اکٹھے گھوم پھر رہے تھے۔ اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ تو برآمد ہونا ہی تھا۔

پانچ بجے کے قریب گانگ ڈاکٹر جانکی کی لکھی ہوئی دوائیں لے کر آگیا۔ دواؤں کے ساتھ وہ ایک خبر یہ بھی لایا تھا کہ اب پورے شہر میں ہماری تلاش ہو رہی تھی۔ گاڑیوں کو روک کر چیک کیا جارہا تھا۔ پولیس نے صرف مجھے اور سکھدر کو دیکھا تھا۔ میرا اور سکھدر کا حلیہ ریڈیو ٹرانس میٹر کے ذریعے نشر کردیا گیا تھا اور شہر بھر کی پولیس ہمیں تلاش کررہی تھی۔

میں پولیس سے کسی قسم کا پنگا نہیں لینا چاہتا تھا لیکن یہ اتفاق تھا کہ ہم پولیس کی نظروں میں آگئے تھے۔ اس پر پولیس آفیسر کو ہم پر شبہ غالباً گاڑی کے کاغذات کی وجہ سے ہوا تھا اور پھر سکھدر کے پاس ڈرائیونگ لائسنس بھی نہیں تھا۔ اگر ہم گاڑی سے اتر جاتے تو شاید سکھدر کسی طرح معاملات نپٹا لیتا لیکن یہ امکان بھی تھا کہ پولیس آفیسر کی جرح سے معاملہ کچھ اور گمبھیر ہوجاتا اور ہم پھنس جاتے۔ بہرحال اب جو صورتِ حال تھی وہ کوئی زیادہ قابلِ تعریف نہیں تھی۔ اب ہمیں پولیس سے بھی بچنا تھا۔

جانکی' گانگ کے ساتھ پرساد والے کمرے میں چلی گئی تھی۔ نوپتا بھی ان کے ساتھ ہی تھی۔ تھائی اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آگئی۔ پیڈرو سے لڑائی کے دوران میں' میں زمین پر بھی لوٹا تھا۔ کپڑے گرد آلود تھے اور بال بھی الجھے ہوئے تھے۔ تھائی حسب معمول مجھے ٹٹول کر دیکھنے لگی کہ کوئی ٹوٹ پھوٹ تو نہیں ہوئی۔ اس نے جیسے ہی میرے بائیں بازو پر ہاتھ رکھا' میرے منہ سے سسکاری نکل گئی۔

"کیا ہوا؟" تھائی نے چونک کر میری طرف دیکھا۔

"پیڈرو کی کک لگی تھی۔ معمولی سی تکلیف ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"معمولی سی تکلیف ہوتی تو تم اس طرح نہ کراہتے۔" تھائی

مشہور ماہرین نفسیات کی آرا پر مشتمل کتاب

احساس کمتری

اسباب تدارک علاج

اس کتاب کا مطالعہ آپ کو بتائے گا کہ

- احساس کمتری سے کس طرح نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔
- کامیاب زندگی گزارنے کے اصول کیا ہیں۔

قیمت 25 روپے
ڈاک خرچ 23 روپے

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ منسلکہ
پیشگی منی آرڈر ارسال کریں

kitabiat@hotmail.com
kitabiat1970@yahoo.com

نے مجھے گھورا "اٹھو۔ چلو میرے ساتھ۔"

اس نے مجھے دوسرے بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور اپنے کمرے میں لے آئی اور میری قمیض اتار دی۔ سب سے پہلے اس نے میرے بازو کا معائنہ کیا۔ بازو سوج گیا تھا۔ وہ اسے ٹٹول ٹٹول کر دیکھنے لگی۔ اس کے انگوٹھے کے دباؤ سے مجھے تکلیف ہو رہی تھی اور میرے منہ سے ہلکی ہلکی سسکاریاں نکل رہی تھیں۔ اس نے میرا بازو چھوڑ دیا اور باقی جسم کا معائنہ کرنے لگی۔ وہ جسم کے ہر حصے کو ٹٹول کر دیکھ رہی تھی۔

"یہاں بیٹھو۔ میں تمہارے بازو پر کریم مل دوں۔" اس نے مجھے پکڑ کر بیڈ کی پٹی پر بٹھا دیا اور الماری میں سے کریم کی ڈبیا نکال لائی۔

وہ مٹیالے رنگ کی کریم میرے مجروح بازو پر ملنے لگی۔ اس نے اگرچہ ہاتھ ہلکا ہی رکھا تھا مگر میرے منہ سے سسکاریاں نکل رہی تھیں۔

"اندر سے گوشت پھٹ گیا ہے۔ اب تمہیں دو چار روز اس بازو کو آرام دینا ہوگا۔" تھائی نے کریم کی ڈبیا بند کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ ہاتھ دھونے کے لیے باتھ روم میں چلی گئی۔

میں قمیض پہنے بغیر بیڈ پر لیٹ گیا تھا۔ اب مجھے بازو میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ ہلکا سا درد تھا جو بے چین کیے ہوئے تھا۔ تھائی باتھ روم سے نکلی تو اس نے چادر میرے اوپر ڈال دی اور اس بازو کو ڈھکے رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

میں آنکھ بند کیے صورتِ حال کا جائزہ لینے لگا۔ ایک رات میں دو معرکے ہوئے تھے اور دونوں مرتبہ میں موت کے جبڑوں سے نکلا تھا اور مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ میں دونوں مرتبہ بالادست ہی رہا تھا۔ پیراڈائز ریسٹورنٹ سے فرار کے بعد دریا کے کنارے چی فانگ سے ہونے والی جھڑپ میں بھی مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا بلکہ خبر یہ تھی کہ میں نے چی فانگ کی کوئی ہڈی توڑ دی تھی اور وہ اسپتال میں پڑا تھا۔

دوسری جھڑپ دارا اور پیڈرو سے ہوئی تھی۔ دارا بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھاگ نکلا تھا۔ شاید میں پہلے بھی کسی موقع پر اس خیال کا اظہار کر چکا ہوں کہ دارا جیسے یہ بدمعاشوں کی اصل قوت ان کے گرگوں میں ہوتی ہے۔ وہ خود لڑنے کے بجائے اپنے مہروں سے کام لیتے ہیں اور جب خود دشمنوں میں گھر جاتے ہیں تو فرار کے راستے تلاش کرتے ہیں۔ ون ٹو ون مقابلے میں اگر حریف حاوی ہو جائے تو بھی مقابلہ کرنے کے بجائے دُم دبا کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ تیسرا موقع تھا کہ میں نے دارا کو اس طرح راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ البتہ پیڈرو دلیر آدمی ثابت ہوا تھا۔ اس نے آخر تک مقابلہ کیا تھا۔ اگر میں اور سکھدر وہاں سے راہِ فرار اختیار نہ کرتے تو پیڈرو زندگی کے آخری لمحوں تک مقابلہ جاری رکھتا۔ وہ یا تو مجھے ختم کر دیتا یا خود ختم ہو جاتا۔ اس کے لڑنے کے انداز سے بھی مجھے پتا چل گیا تھا کہ وہ کسی موقع پر بھی میدان چھوڑ کر بھاگنے والا نہیں تھا اور میں نے یہ بات بھی محسوس کر لی تھی کہ میں زیادہ دیر تک اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں بھی کوئی باک نہیں کہ اس کا گیم (مارشل آرٹ) مجھ سے بہت زیادہ سپیریئر تھا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے مجھے ابھی کچھ اور پریکٹس کی ضرورت تھی لیکن میرے پاس پریکٹس کے لیے وقت نہیں تھا۔ مجھے تو جلد سے جلد انتقام لینا تھا۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

میری آنکھ کھلی تو دوپہر کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ تھائی کمرے میں نہیں تھی۔ میں اٹھ کر کمرے سے باہر آگیا۔ تھائی اور جانگی دیوی ہال میں صوفوں پر آڑی ترچھی پڑی سو رہی تھیں۔ میں دبے قدموں چلتا ہوا راہداری میں آگیا۔ پرساد والے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ نوتیا کرسی پر بیٹھی سو رہی تھی۔ اس کا سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ پرساد جاگ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بھی مسکرا دیا۔ میں بیڈ کے قریب کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر سرگوشیوں میں باتیں کرتا رہا پھر نوتیا کی طرف دیکھتا ہوا باہر آگیا۔ پہلے تو میں نے یہ سوچا تھا کہ اسے اٹھا کر دوسرے کمرے میں بھیج دوں تاکہ وہ بستر پر آرام سے سو جائے لیکن اس طرح اس کی نیند اچاٹ ہو جاتی اس لیے میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر باہر آگیا۔

میرا بایاں بازو اکڑا ہوا تھا۔ ہلکا ہلکا درد بھی ہو رہا تھا لیکن بہرحال یہ تکلیف تو مجھے برداشت کرنی تھی۔ میں اس وقت چائے یا کافی کی طلب محسوس کر رہا تھا۔ تھائی کو یا جانگی کو جگانا مناسب نہیں سمجھا اور کچن میں آکر میں خود ہی کافی بنانے لگا۔

اپنے کمرے میں آکر میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ کافی کا پہلا گھونٹ بھرتے ہی مجھے یوں لگا جیسے آنتوں میں لاوا انڈیل دیا گیا ہو۔ خالی پیٹ بلیک کافی نے میری آنتوں میں انگارے سے بھر دیے تھے۔ میں ابھی کافی پی رہا تھا کہ تھائی کمرے میں داخل ہوئی۔ مجھے کافی پیتے دیکھ کر اس کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"بڑے خود غرض ہو تم؟" اس نے مجھے گھورا "اکیلے ہی اکیلے کافی اڑا رہے ہو۔"

"تم لوگ تو سو رہے تھے۔" میں نے جواب دیا "بہرحال، آج میں تم لوگوں کو کافی بنا کر پلاؤں گا۔"

تھائی نے میرے ہاتھ سے مگ لے لیا۔ چند گھونٹ بھرے اور مگ میری طرف بڑھا دیا۔

"تم تو کافی بھی بہت مزے کی بنا لیتے ہو۔" وہ مسکرائی۔

"زندگی میں پہلی مرتبہ بنائی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اب تم جا کر کچن سنبھالو۔ میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔" تھائی یہ کہتے ہوئے باتھ روم میں گھس گئی۔

میں کچن میں آگیا اور الیکٹرک ہیٹر پر کافی کے لیے پانی چڑھا کر

اپنے مگ سے کافی کی چسکیاں بھی لیتا رہا۔

جانگی اور نوتیا بھی اٹھ گئی تھیں۔ میں نے سب کے لیے کافی بنالی تھی۔ سکھدر بھی اندر آگیا تھا۔ نوتیا دو مگ لے کر پرساد والے کمرے میں چلی گئی تھی۔ ہم ہال میں بیٹھ کر کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے گزشتہ رات کے واقعات پر تبصرے کرنے لگے۔ جانگی اٹھ کر کچن میں چلی گئی اور دوپہر کے کھانے کا بندوبست کرنے لگی۔

چار بجے کے قریب دوپہر کا کھانا کھایا گیا اور پھر تھائی اپنا سامان لے کر پرساد کے کمرے میں آگئی۔ پرساد کا رنگ فق ہو گیا۔ تھائی نے اس کے پیر کو ہاتھ لگایا تو وہ سسک کر اٹھ بیٹھا۔ تھائی نے پروا کیے بغیر اس کے پیر کو ہلا جلا کر دیکھا۔

"ہڈی کا جوڑ محفوظ ہے۔" وہ بولی "دو چار دن ہلکی مالش سے یہ سوجن ختم ہو جائے گی۔" اور پھر واقعی اس نے مالش کرتے ہوئے ہاتھ ہلکا ہی رکھا تھا۔

ہم پھر ہال میں آگئے۔ فی الحال ہمارے باہر نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت صورتِ حال ایسی نہیں تھی کہ ہم پہلے کی طرح نائٹ کلبوں یا ریستورانوں میں گھوم پھر سکیں۔ میرے تمام ساتھی دشمنوں کی نظروں میں آچکے تھے۔ نوتیا، ڈاکٹر جانگی اور گانگ۔ پرساد ویسے ہی اس قابل نہیں تھا کہ چند روز تک بستر سے اٹھ سکے۔

مجھے زیادہ افسوس اس بات کا بھی تھا کہ نوتیا اور ڈاکٹر جانگی دشمنوں کی نظروں میں آگئی تھیں۔ گزشتہ رات ان دونوں کو بڑی خوب صورتی سے جال میں پھانسنے کی کوشش کی گئی تھی اور اگر عین وقت پر دارا کو چی فانگ کے میرے ہاتھوں زخمی ہونے کی اطلاع نہ ملتی تو گزشتہ رات ان کے ساتھ نہ صرف "زرامار" ہو چکا ہوتا بلکہ میرے بارے میں پوچھنے کے لیے انہیں تشدد کا نشانہ بھی بنایا جاتا۔

بنکاک میں شانگ کی موجودگی نے بھی مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پہلی مرتبہ کوسا روڈ والے بنگلے میں زخمی ہونے کے بعد وہ چیانگ رائے بھاگ گیا تھا۔ اس کے دوبارہ بنکاک آنے کا مطلب یہ تھا کہ ان میں ابھی تک کوئی ڈیل چل رہی تھی اور ظاہر ہے یہ ڈیل ہیروئن کے حوالے سے ہی ہو سکتی تھی۔ گزشتہ رات جب ہم پرساد کو چھڑانے کے لیے اس بنگلے پر پہنچے تھے تو شانگ نوتیا کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے جسم پر صرف انڈرویئر تھا اور میں نے اسے باتھ روم میں بند کر دیا تھا۔ شانگ اور اس کے دوسرے ساتھی کو جسے ہم نے باندھ دیا تھا، پیڈرو ہی نے نجات دلائی ہوگی کیونکہ دارا تو وہاں سے فرار ہو چکا تھا۔ میرے لیے یہ معلوم کرنا بہت ضروری تھا کہ دارا کہاں گیا تھا لیکن فی الحال میرے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ معلوم کر سکوں، دارا اور پیڈرو کہاں تھے اور کیا کر رہے تھے۔ ماسٹر کے آدمیوں کو اب میں زیادہ استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن پھر اچانک میرے ذہن میں ایک اور نام ابھرا۔ پاتھم۔ یہ وہی نوجوان تھا جس نے پرساد کی دوستی کا دعویٰ کرتے ہوئے رات کو پیراڈائز ریسٹورنٹ سے فرار ہونے میں ہماری مدد کی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ پاتھم نے مجھے اپنا کارڈ بھی دیا تھا۔ وہ کارڈ میں نے جینز کی پچھلی جیب میں رکھا تھا اور اس وقت وہ جینز میرے جسم پر نہیں تھی۔ میں نے باتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ وہ پتلون دروازے کے پیچھے کھونٹی پر ٹنگی ہوئی تھی۔

پتلون کی جیب میں کچھ کرنسی نوٹوں کے ساتھ پاتھم کا وہ کارڈ بھی موجود تھا۔ میں کارڈ لے کر پرساد والے کمرے میں آگیا۔ نوتیا اور جانگی بھی وہاں موجود تھیں۔

"تم پاتھم نام کے کسی آدمی کو جانتے ہو؟" میں نے بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے پرساد کی طرف دیکھا۔

"پاتھم....!" پرساد کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ "تم اسے کیسے جانتے ہو باس؟"

"میری بات کا جواب دو۔" میں نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا "اس سے تمہاری دوستی کب سے ہے اور وہ کیسا آدمی ہے؟"

"وہ ہیرو ہے باس، ہیرو۔" پرساد نے جواب دیا "پتایا میں ہم دونوں نے ایک ہی استاد سے موٹر مکینک کا کام سیکھا تھا۔ میں تو بیچ میں بھاگ گیا تھا لیکن اس نے اپنا کام جاری رکھا۔ ایک سال کے بعد جب میں دوبارہ استاد کے پاس گیا تو پتا چلا کہ پاتھم بنکاک جا چکا ہے۔ جب میں کام کی تلاش کے سلسلے میں یہاں آیا تھا تو اسے بھی تلاش کرتا رہا تھا لیکن اس کا پتا نہیں چلا اور پھر چند روز پہلے اتفاقاً اس سے سوکھم وٹ روڈ کے ایک ریسٹورنٹ میں ملاقات ہو گئی تھی۔ سوکھم وٹ روڈ ایک ایسا علاقہ ہے جہاں باہر سے آنے والے ہر شخص سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ اس وقت نوتیا بھی میرے ساتھ تھی۔ وہ بہت اچھا آدمی ہے باس۔ دوستی کے لیے اپنی جان دے دینے والا۔ اس کے بعد بھی ایک دو مرتبہ ہماری ملاقات ہوئی تھی لیکن تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

"کل رات اگر وہ پیراڈائز ریسٹورنٹ میں موجود نہ ہوتا تو شاید میں اور تھائی وہاں سے زندہ نہ نکل سکتے۔ دریا کے راستے ریسٹورنٹ سے فرار ہونے میں اس نے ہماری مدد کی تھی۔" میں نے کہا اور پھر اسے اس سارے واقعے کی تفصیل بتانے لگا۔

"وہ یاروں کا یار ہے باس۔" پرساد نے کہا "مجھے خوشی ہے کہ میں نہیں تھا تو میرا دوست پاتھم تمہارے کام آگیا۔"

"ہاں۔ میں واقعی اس کا بہت شکر گزار ہوں۔" میں نے کہا۔ "لیکن کیا اس پر بھروسا کیا جا سکتا ہے؟"

"بھروسا!" پرساد نے حیرت سے میری طرف دیکھا "تم جانتے ہو باس کہ پیڈرو نے تمہارے لیے دو ملین بھات کا انعام مقرر کر رکھا ہے۔ پاتھم تمہیں اور تھائی کو پہچان چکا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو بڑے اطمینان سے تم دونوں کو اس کے حوالے کر کے انعام کی خطیر رقم حاصل کر سکتا تھا لیکن اس نے دولت پر دوستی کو ترجیح دی۔

اس نے میری دوستی کا حق ادا کیا اور تمہیں نہ صرف خطرے سے آگاہ کیا بلکہ اپنی جان خطرے میں ڈال کر تم دونوں کو وہاں سے نکلنے میں مدد بھی دی۔"

کہا۔ "اس کا مطلب ہے اس سے کام لیا جاسکتا ہے۔" میں نے

"بالکل باس۔" پرساد بولا "میں نے تو سوچا تھا کہ کسی دن تم سے اس کا ذکر کروں گا لیکن بیچ میں معاملہ گڑبڑ ہوگیا۔ مجھے ٹھیک ہولینے دو۔ میں اسے تمہارے پاس لے کر آؤں گا۔"

"تمہارے ٹھیک ہونے میں ابھی کئی روز لگیں گے اور میں اتنا طویل انتظار نہیں کرسکتا۔ تم ابھی اس سے بات کرو۔" میں نے کہا۔

"ابھی!" پرساد نے حیرت سے میری طرف دیکھا "یہ کیسے ہوسکتا ہے باس؟"

"میرے پاس اس کا فون نمبر ہے۔" میں نے اسے پاتھم کا کارڈ دکھایا "یہ کارڈ اس نے کل رات مجھے دیا تھا۔ میں ابھی نمبر ملاتا ہوں۔" میں نے نوتا کو اشارہ کیا۔ وہ ہال سے ٹیلی فون اٹھا لائی۔ اس نے پلگ دیوار میں لگے ہوئے ساکٹ میں لگا کر فون میرے سامنے بیڈ پر رکھ دیا۔

میں نے ریسیور اٹھالیا اور کارڈ کی طرف دیکھتے ہوئے نمبر ملانے لگا۔ اس وقت شام کے سات بجے تھے اور میرے خیال میں پاتھم کو موجود ہونا چاہیے تھا۔ جیسے ہی ریسیور پر گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی' میں نے ریسیور پرساد کی طرف بڑھا دیا۔

دوسری طرف سے کال ریسیو ہونے پر اس نے ایک منٹ کسی سے بات کی اور پھر خاموش ہوگیا۔ یہ خاموشی بھی ایک منٹ سے زیادہ طویل ثابت نہیں ہوئی تھی۔ پہلے کال شاید کسی اور نے ریسیو کی تھی اور اب وہ پاتھم سے بات کررہا تھا۔

"تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا "گزشتہ رات تم نے باس اور اس کی دوست کی مدد کرکے ان پر نہیں مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میں زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر تمہارے اس احسان کا بدلہ چکانے کی کوشش کروں گا۔ ہاں ہاں... نہیں۔ گزشتہ رات ہی باس مجھے ان کی قید سے چھڑا لایا تھا۔ ہاں ہاں.... باس بھی تم سے ملنا چاہتا ہے۔ ایک منٹ ہولڈ رکھو۔" اس نے ریسیور پر ہاتھ رکھ دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "ملاقات کہاں ہوگی باس؟"

"اسے یہیں بلالو۔ پتا سمجھا دو اسے۔" میں نے کہا "اس سے یہ بھی پوچھ لو کہ وہ کس وقت یہاں پہنچے گا۔"

پرساد نے ماؤتھ پیس پر سے ہاتھ ہٹالیا اور پاتھم سے بات کرنے لگا پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "وہ ساڑھے نو بجے تک یہاں پہنچ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں یہ کہہ کر کمرے سے باہر آگیا۔

اس وقت شام کے سات بجے تھے۔ میں اپنے کمرے میں آگیا اور بیڈ کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوگیا۔ میری وجہ سے کتنے لوگ اس خونیں کھیل میں INVOLVE ہوچکے تھے۔ بنیادی طور پر ان میں سے کسی کا بھی اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مجھے پناہ تو مہاراج نے دی تھی۔ اس نے مجھے اس قابل بنادیا تھا کہ دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ سکوں۔ یہ لوگ تو محض ہمدردی اور سچائی کی خاطر میرا ساتھ دے رہے تھے اور انہوں نے اپنا سب کچھ برباد کرلیا تھا۔ نوتا اور ڈاکٹر جانکی بھی دشمنوں کی نظروں میں آچکی تھیں۔ جانکی کو انہوں نے ابھی صرف چہرے سے ہی پہچانا تھا کہ وہ میرا ساتھ دے رہی ہے لیکن جب انہیں پتا چلے گا کہ وہ کون ہے تو وہ اسے بھی ہر ممکن طریقے سے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے جیسے انہوں نے تھائی کا بنگلا جلا کر راکھ کر ڈالا تھا۔

اور اب پاتھم.... پرساد کا دوست..... جو ایک مکینک تھا اور شاید ایک ورکشاپ کا مالک بھی۔ میں نے وہ ورکشاپ نہیں دیکھا تھا لیکن گزشتہ رات پاتھم کو پیراڈائز میں دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اسے اس ورکشاپ سے نہایت معقول آمدنی ہوتی ہوگی۔ پیراڈائز جیسی جگہوں پر صرف وہی لوگ جاسکتے ہیں جن کی آمدنی معقول بلکہ نہایت معقول ہو۔ پاتھم میرا ساتھ دینے پر آمادہ تھا۔ اگر پیڈرو یا دارا کو اس کے بارے میں پتا چل گیا تو... میں اس سے آگے نہیں سوچنا چاہتا تھا۔

ٹھیک ساڑھے نو بجے پہلے گلی میں کسی گاڑی کے رکنے کی اور پھر کال بیل کی آواز سنائی دی۔ میں برآمدے میں آگیا۔ سکھدر نے جاکر گیٹ کھولا۔ ہم اسے پاتھم کے بارے میں بتانا بھول گئے تھے۔ پاتھم شاید اس سے پرساد کے بارے میں پوچھ رہا تھا اور سکھدر بڑے کرخت لہجے میں بتا رہا تھا کہ یہاں کوئی پرساد نہیں رہتا۔

پاتھم نے گیٹ کے اوپر سے مجھے برآمدے میں دیکھ لیا تھا۔ میں نے بھی اس کی ایک جھلک دیکھ لی اور سکھدر کو آواز دے کر کہا کہ وہ اسے اندر لے آئے۔

تین منٹ بعد پاتھم ہمارے ساتھ پرساد والے کمرے میں موجود تھا۔ پرساد کی حالت دیکھ کر وہ اس قدر جذباتی ہوگیا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور پھر اسی وقت انکشاف ہوا کہ وہ دونوں آپس میں دور کے رشتے دار بھی تھے۔

"تم نے پرساد کو ان درندوں سے بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے باس۔" پاتھم میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "تم نے مجھے بے مول خرید لیا ہے۔ پرساد نے مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید اب میں پرساد کو کبھی نہیں دیکھ سکوں گا لیکن....."

"میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا پاتھم۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "پرساد میرا دوست ہے۔ میں نے تو صرف دوستی کا رشتہ نبھایا ہے۔ پرساد نے کئی مرتبہ اپنی جان کی بازی لگا کر میری جان بچائی تھی۔ اس مرتبہ میں اور میرے یہ دوست اس کے کام

آگئے۔"

پاتھم دیر تک کچھ نہیں بول سکا۔ وہ باری باری سب کی طرف دیکھتا رہا۔ نوتا کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر بہت خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔ وہ نوتا کو کئی مرتبہ پرساد کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔

پاتھم کی باتوں سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ بھی پرساد کی طرح وفادار اور جان کی بازی لگا دینے والا ہے۔ اس کی ایک مثال میں گزشتہ رات بھی دیکھ چکا تھا۔ اس نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر مجھے اور تھائی کو وہاں سے بھاگنے میں مدد دی تھی۔ اگر وہ پکڑا جاتا یا گزشتہ رات دشمنوں کی نظروں میں آچکا ہوتا تو اب تک شاید وہ زندہ نہ ہوتا۔

"مجھے بتاؤ باس۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "مجھے کیا کرنا ہے۔ تم مجھے حکم دو تو میں پیڈرو کے تمام اڈوں کو آگ لگا کر راکھ کرڈالوں۔"

"ابھی نہیں۔" میں نے کہا "ابھی تمہیں پیڈرو کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہیں۔ یہ سوچنا ہے کہ اسے کس طرح گھیرا جاسکتا ہے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "دارا تو حسب معمول دو چار روز غائب رہے گا لیکن ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ دارا اور شانگ کے درمیان کس قسم کی ڈیل ہوئی ہے یا ہونے والی ہے۔ میں تمہیں یہ بتادوں کہ دارا' چی فانگ اور کم کے ساتھ مل کر منشیات کی اسمگلنگ کا سینڈیکیٹ قائم کرنا چاہتا تھا اور اسے اندیشہ تھا کہ میرا باپ اس کے راستے کی رکاوٹ بنے گا۔ اس نے میرے باپ اور میری ماں کو قتل کردیا اور اب میں نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ دارا کو اس کے اس گھناؤنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ کچھ عرصہ پہلے میں نے سنگاپور میں اس کے سینڈیکیٹ کو ابتدائی مرحلے میں ہی اکھاڑ پھینکا تھا۔ یہ درست ہے کہ ہم دو چار آدمی پوری دنیا سے اس برائی کو ختم نہیں کرسکتے لیکن اسے ختم کرنے میں اپنا کردار تو ادا کرسکتے ہیں۔ یہ تھائی واقعہ۔" میں نے تھائی کی طرف اشارہ کیا "میرا ساتھ دینے کے چکر میں اپنا سب کچھ تباہ کرچکی ہے۔ اس کے بنگلے کو جلا کر راکھ کردیا گیا۔ یہ جانکی دیوی ایک معزز پیشے سے وابستہ ہے۔ اس نے اپنے آپ کو داؤ پر لگا رکھا ہے اور یہ نوتا۔ اسے مجھ سے کیا لالچ ہوسکتا ہے۔ یہ اگر چاہتی تو پہلے ہی روز چیانگ رائے واپس چلی جاتی اور اطمینان اور سکون کی زندگی گزارتی لیکن اب یہ بھی چاروں طرف سے خطرات میں گھر چکی ہے۔ ان سب کی زندگیاں داؤ پر لگی ہوئی ہیں لیکن یہ لوگ خوف زدہ نہیں ہیں۔ پرساد کی حالت تم دیکھ رہے ہو۔ یہ سب کچھ کس لیے ہوا۔ ٹائیگر دارا یا پیڈرو سے تو اس کی کوئی دشمنی نہیں تھی۔ یہ میری وجہ سے اس معاملے میں کودا اور اپنی زندگی داؤ پر لگادی۔ اپنا یہ حشر ہونے کے بعد تو اسے چاہیے تھا کہ میری طرف سے منہ پھیر لیتا اور کہیں اور جاکر محفوظ زندگی گزارتا لیکن اس کے ارادے اب بھی وہی ہیں جو پہلے روز تھے۔ میں یہ سب کچھ تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ میرا ساتھ دوگے تو تمہارے ساتھ بھی یہ سب کچھ ہوسکتا ہے۔ میں تمہیں سوچنے کا موقع دینا چاہتا ہوں۔" میں خاموش ہوکر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"سوچنے کا موقع تو نکل چکا۔" پاتھم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اگر کوئی سوچنے والی بات ہوتی تو کل رات تمہیں چی فانگ کے خطرے سے آگاہ نہ کرتا اور تم دونوں کو وہاں سے نکلنے میں مدد نہ دیتا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "اب تم بتاؤ۔ تمہارے خیال میں پیڈرو کو کیسے گھیرا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلے میں پیڈرو سے اس لیے بھی نمٹنا چاہتا ہوں کہ اس طرح دارا کا زور ٹوٹ جائے گا۔"

"پیڈرو کو گھیرنے کا ایک بہت آسان طریقہ ہے۔" پاتھم نے کہا "اس کی ایک محبوبہ ہے۔ لی وان۔ بہت حسین' بڑے غضب کی چیز ہے۔ اگر اسے اپنے قابو میں کرلیا جائے تو پیڈرو بلا چون وچرا ہتھیار ڈال دے گا۔"

"نہیں۔" میں نے فوراً ہی انکار کردیا "اس میں شبہ نہیں کہ وہ لوگ ایسی حرکتیں کرچکے ہیں لیکن میں ان تک پہنچنے کے لیے کسی عورت پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتا۔ تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ پیڈرو کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھو۔ اس کے معمولات کو چیک کرو اور یہ پتا چلاؤ کہ وہ اپنا زیادہ وقت کہاں گزارتا ہے۔ اس کے بعد ہم کوئی کارروائی کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" پاتھم نے کہا "میں یہ کام آج ہی سے شروع کردیتا ہوں۔ پیراڈائز ریسٹورنٹ یہاں سے بہت قریب ہے۔ میں سیدھا وہیں جاؤں گا اور اگر پیڈرو وہاں نہ ہوا تو یہ پتا چل جائے گا کہ وہ کہاں مل سکتا ہے۔"

"یہاں کا فون نمبر ذہن نشین کرلو۔ کوئی غیر معمولی بات ہو تو فوراً اطلاع دے دینا۔ ایک بات اور....." میں نے کہا "مجھے ایک گاڑی بھی چاہیے۔"

"گاڑی مل جائے گی۔ باہر کھڑی ہے۔" پاتھم نے جواب دیا "یہ گاڑی دراصل ایک کمپنی کی تھی جو ایک حادثے کے بعد میرے ورکشاپ پہنچ گئی۔ لمبا خرچا تھا۔ گاڑی کئی مہینوں سے میرے ورکشاپ میں کھڑی رہی۔ اس دوران میں وہ کمپنی بھی ختم ہوگئی۔ کچھ عرصہ پہلے میں نے اس گاڑی کو ٹھیک کرلیا۔ اس کا رجسٹریشن اب بھی اس کمپنی ہی کے نام پر ہے۔ تم لوگ اسے آزادی سے استعمال کرسکتے ہو۔ یہ چابی سنبھال لو۔ میں یہ گاڑی یہیں چھوڑ جاؤں گا۔" اس نے جیب سے ایک کی رنگ نکال کر میز پر رکھ دیا۔ اس میں تین چابیاں تھیں۔ ایک اگنیشن کی' ایک دروازے کی اور ایک ڈکی کی۔

ساڑھے دس بجے کے قریب پاتھم چلا گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد

میں نے محسوس کیا کہ پر سادہ پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ جانکی نے اسے پینے کی جو دوا دی تھی اس میں نیند کا بھی اثر تھا اور وہ دوا پینے کے بعد سو جایا کرتا تھا۔ ہم اس کے کمرے سے اٹھ کر ہال میں آگئے۔ ابھی وہاں بیٹھے ہوئے دو تین منٹ ہی گزرے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ تھائی دانگ نے ریسیور اٹھالیا۔ کچھ دیر وہ "یس یس" کرتی رہی پھر ایک دم اچھل پڑی۔

"کیا....؟" اس کا انداز ایسا تھا جیسے اسے مخاطب کی بات کا یقین نہ آیا ہو "یہ کب کی بات ہے۔ تمہیں کیسے پتا چلا؟" وہ کچھ دیر ریسیور سے کان لگائے رہی پھر اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا "گانگ کے پاس ایک دلچسپ اطلاع ہے۔"

"یس گانگ۔" میں نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

"ایک اہم اطلاع ہے باس۔" گانگ نے کہا "آج شام چھ بجے کے قریب شورانی نے دارا پر قاتلانہ حملہ کرکے اسے شدید زخمی کردیا ہے۔ دارا روپوش ہوگیا ہے اور شورانی کو پولیس نے حراست میں لے لیا ہے۔"

"کیا تم اس واقعے کی تفصیل بتانا پسند کروگے گانگ؟" میں نے کہا۔

"دارا کل رات تمہارے ساتھ ہونے والی جھڑپ میں فرار ہونے کے بعد علی بابا پہنچ گیا تھا۔ یہ بہت بڑا انڈین ریسٹورنٹ ہے اور یہاں خاص خاص لوگوں کے لیے رہائش کا بندوبست ہے۔ اس ریسٹورنٹ کی مالک سیتا نام کی ایک ہندو عورت ہے۔ اس نے بنکاک' پٹایا اور بیانگ رائے میں بھی اس نام سے ریسٹورنٹ کھول رکھے ہیں۔ ان ریسٹورانوں میں غیر ملکی مہمانوں کو ہندوستانی عورتیں بھی سپلائی کی جاتی ہیں۔ دارا نے کسی طرح سیتا کو اپنے قبضے میں کرلیا تھا۔ وہ وقتاً فوقتاً یہاں آتا رہتا تھا۔ یہ ایک طرح سے اس کا خفیہ ٹھکانا تھا جس کا اس کے ساتھیوں کو علم نہیں تھا۔ کل رات بھی وہ بھاگ کر یہیں آیا تھا۔ آج شام اس نے فون کرکے شورانی کو یہاں بلالیا۔ شورانی کے آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اس کمرے سے شور کی آوازیں سنائی دینے لگیں جیسے وہ لڑ رہے ہوں پھر فائر کی آواز سنائی دی۔ دو گولیاں چلی تھیں۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد دارا کمرے سے نکل کر دوڑتا ہوا نظر آیا۔ وہ ریسٹورنٹ کی عمارت کی عقبی سمت گیا تھا۔ اس کے بائیں بازو اور ایک ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا۔ شورانی بھی کمرے سے نکل کر اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ ریسٹورنٹ کی عمارت کی عقبی سمت سے بھی فائر کی آواز سنائی دی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد شورانی دوڑتی ہوئی واپس آئی۔ وہ شاید سامنے والے گیٹ سے باہر جانا چاہتی تھی جہاں سڑک پر اس کی کار کھڑی تھی لیکن ٹھیک اسی لمحے دو پولیس والے گیٹ سے اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے شورانی پر ریوالور تان لیے۔ شورانی نے مزاحمت کیے بغیر اپنے آپ کو ان کے حوالے کردیا لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ آج رات ہی کسی وقت پولیس کے شکنجے سے چھوٹ جائے گی۔ اس کے چاہنے والے بہت ہیں اور ان کی پہنچ بھی بہت اوپر تک ہے۔"

"تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"ایک ویٹریس سے جو مہاراج کے جمنازیم سے بلیک بیلٹ حاصل کرچکی ہے۔" گانگ نے جواب دیا۔

"تم نے یہ بھی معلوم کرلیا ہوگا کہ شورانی نے دارا پر گولی کیوں چلائی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"یس باس۔" گانگ نے جواب دیا "شورانی کو اس بات پر غصہ تھا کہ دارا کل رات اسے زخمی حالت میں دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ کیوں گیا تھا۔ پولیس والوں کے سامنے بھی وہ چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ وہ دارا کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔ وہ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ دارا اس کے چالیس لاکھ بھات کھا گیا ہے۔ وہ اس سے ایک ایک بھات وصول کرلے گی۔ وہ بڑی خطرناک عورت ہے باس۔ اس نے بنکاک کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کو اپنی انگلیوں پر نچا رکھا ہے۔ بہت حسین ہے اور وہ اپنے حسن و شباب سے پورا پورا فائدہ اٹھا رہی ہے۔"

"تم اس وقت کہاں سے بول رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"پولیس اسٹیشن کے سامنے ایک ریسٹورنٹ ہے۔ وہیں پر پبلک ٹیلی فون بوتھ سے بول رہا ہوں۔ پولیس اسٹیشن میں اس وقت بڑی رونق ہو رہی ہے۔ بڑے بڑے معزز اور باعزت لوگ شورانی کی مدد کے لیے آنا شروع ہوگئے ہیں۔ ابھی دو آدمی آئے ہیں۔ ان میں سے ایک کو تو میں جانتا ہوں۔ وہ شہر کا بہت بڑا جوہری ہے۔ ابھی اور لوگ بھی آئیں گے۔ میں نے کہا تھا نا کہ شورانی بہت اونچی شے ہے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ قرعۂ فال کس کے نام نکلتا ہے اور کون خوش نصیب اسے اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہوتا ہے۔"

"کیا تمہارے خیال میں پولیس اسے چھوڑ دے گی؟" میں نے پوچھا۔

"بڑے بڑے لوگ اس کی سفارش بن کر آئیں گے تو پولیس کو اسے چھوڑنا ہی پڑے گا۔ ویسے ہمارا قانون بڑا عجیب ہے۔ بڑی لچک ہے اس میں۔ یہ بظاہر اقدامِ قتل کا کیس ہے لیکن جس شخص پر قاتلانہ حملہ کیا گیا وہ موجود نہیں ہے۔ پولیس اپنے طور پر اقدامِ قتل کا کیس درج کرسکتی ہے لیکن اتنے معززین کے ہوتے ہوئے یہ کیس درج نہیں ہوسکتا۔"

"ٹھیک ہے گانگ۔" میں نے کہا "وہاں کی صورتِ حال کا جائزہ لیتے رہو۔ کوئی اور اہم بات معلوم ہو تو مجھے بتانا۔"

"ضرور اطلاع دوں گا کنٹل ماسٹر۔" گانگ نے کہا اور فون بند کردیا۔

میں نے بھی ریسیور رکھ دیا اور تھائی وغیرہ کو گانگ سے ہونے

والی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں میں نے کہا۔

"یہ ہمارے لیے ایک اچھی خبر ہے۔ دارا خود ہی اپنے دوستوں سے محروم ہو رہا ہے۔ گولڈن ٹرائی اینگل سے تعلقات استوار کرنے کے چکر میں وہ چی فانگ اور کم کو بھی نظر انداز کر رہا ہے اور مجھے یقین ہے وہ پیڈرو کو بھی دھوکا دے گا۔ پیڈرو کل رات مجھے گولی مار دیتا مگر دارا نے تیس پینتیس لاکھ ڈالر مالیت کے سونے کا لالچ دے کر اسے ڈانواں ڈول کردیا اور میرا خیال ہے اب ان دونوں میں بھی کھٹ پٹ ہونے والی ہے اور اس کھٹ پٹ کا فائدہ ہم اٹھائیں گے۔"

"شورانی بہت حرافہ عورت ہے۔" تھائی دانگ نے کہا "اس کے بارے میں تمہیں پاتھم نے بتایا تھا اور میں نے بھی۔ اگر وہ پولیس کے چنگل سے نکل آئی تو واقعی دارا کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔"

"لیکن کیا اس طرح وہ پیڈرو سے ٹکر نہیں لے لے گی؟" میں نے کہا "دارا پیڈرو کا پارٹنر ہے۔ گولڈن ٹرائی اینگل والا منصوبہ ٹائیگر اور دارا نے بنایا تھا۔ ٹائیگر تو اپنے انجام کو پہنچ چکا۔ پیڈرو اس کا جانشین ہے۔ کیا وہ اس منصوبے سے دستکش ہوجائے گا جبکہ دارا نے اسے تیس پینتیس لاکھ ڈالر مالیت سونے کا لالچ بھی دیا ہے۔ اگرچہ دارا اس سونے تک کبھی نہیں پہنچ سکے گا لیکن اس نے بہرحال پیڈرو کو اس جال میں پھنسا تو لیا ہے اور میرا خیال ہے' پیڈرو بھی ہرگز یہ نہیں چاہے گا کہ دارا کو کوئی نقصان پہنچے۔ وہ ہر قیمت پر اس کی حفاظت کرے گا۔"

"یہ تو وقت بتائے گا کہ کیا صورتِ حال سامنے آتی ہے۔ ہمیں تو صرف انتظار کرنا ہے۔" یہ بات جانکی نے کہی تھی۔

اس وقت سوا گیارہ بج رہے تھے۔ نوتا جماہیاں لیتی ہوئی اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ ڈاکٹر جانکی بھی اٹھنے کی تیاری کر رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس مرتبہ ریسیور میں نے ہی اٹھایا تھا۔ ہیلو کے جواب میں گانگ کی آواز سن کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ یقیناً کوئی اہم بات تھی۔

"گانگ بول رہا ہوں کنٹل ماسٹر۔"

"یس گانگ۔ کوئی خاص بات؟" میں نے پوچھا۔

"بہت ہی خاص بات ہے۔" گانگ نے کہا "شورانی کو گولیوں سے چھلنی کردیا گیا ہے باس۔"

"کیا....؟" میں اچھل پڑا "تفصیل بتاؤ۔ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟" میں نے کہا اور سامنے بیٹھی ہوئی جانکی اور تھائی کی طرف دیکھنے لگا۔ میرے اس طرح اچھلنے پر ان دونوں کے چہروں پر بھی تجسس کے آثار ابھر آئے تھے۔ میں نے ٹیلی فون سیٹ پر سفید رنگ کا وہ بٹن دبا دیا جس سے سیٹ میں لگے ہوئے اسپیکر کا سسٹم آن ہوگیا۔ اب اس فون پر ہونے والی دونوں طرف کی گفتگو کمرے میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ بھی سن سکتے تھے۔

"یہ صرف پندرہ منٹ پہلے کی بات ہے باس۔" ٹیلی فون کے اسپیکر پر گانگ کی آواز ابھری "پہلے جب میں نے تمہیں فون کیا تھا' اس کے بعد شہر کے تین اور معززین شورانی کی سفارش بن کر پولیس اسٹیشن آئے تھے۔ شورانی کی اہمیت کا اندازہ تم اس بات سے بھی لگا سکتے ہو کہ ان لوگوں کو آدھی رات کے وقت خود پولیس اسٹیشن آنا پڑا۔ حالانکہ ٹیلی فون پر بھی ان کی بات نہیں ٹالی جاسکتی تھی۔ بہرحال پندرہ منٹ پہلے وہ لوگ ایک ایک کرکے تھانے سے چلے گئے۔ آخر میں شورانی اس جوہری کے ساتھ پولیس اسٹیشن سے باہر نکلی جس کا ذکر میں پہلے بھی کرچکا ہوں۔ شورانی کے ہونٹوں پر بڑی دل فریب مسکراہٹ تھی اور وہ جوہری بھی یوں گردن تانے چل رہا تھا جیسے اس نے بہت بڑا معرکہ سر کیا ہو۔ وہ دونوں پولیس اسٹیشن سے نکل کر گیٹ سے چند گز آگے جوہری کی کار کی طرف بڑھ گئے۔ ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑے ہوئے بہت سے لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے اور پھر لوگوں نے وہ خوف ناک اور دل ہلا دینے والا منظر بھی دیکھا۔" گانگ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "شورانی اور وہ جوہری کار میں بیٹھنے ہی جا رہے تھے کہ پیچھے سے آنے والی سیاہ رنگ کی کار ان کے قریب آکر رک گئی۔ سیاہ رنگ کی اس کار سے دو آدمی اترے۔ ان دونوں کے چہروں پر نقاب تھے اور ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفلیں۔ انہوں نے اپنی کار سے اترتے ہی جوہری کی کار پر فائر کھول دیا۔ حملہ آوروں نے شورانی اور جوہری پر پورے میگزین خالی کردیے اور اپنی کار میں بیٹھ کر فرار ہوگئے۔ یہ ساری کارروائی ایک منٹ میں مکمل ہوگئی تھی۔ ایک لمحے کو تو لوگ کچھ نہیں سمجھ سکے۔ مجھ پر بھی کچھ کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی اور جب ہوش آیا تو سب سے پہلے دوسروں کی طرح میں بھی دوڑ کر جوہری کی کار کے قریب پہنچا تھا۔ کار تو چھلنی ہوئی ہی تھی' وہ دونوں بھی چھلنی ہوگئے تھے۔ شورانی کے جسم میں تو اتنے سوراخ ہوئے تھے کہ انہیں گننا بھی شاید ممکن نہ ہو۔"

"اوہ۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا "تمہارے خیال میں حملہ آور کون ہوسکتے ہیں؟"

"پیڈرو کے آدمی۔" گانگ نے بلا جھجک جواب دیا "شورانی نے علی بابا ریسٹورنٹ میں کھل کر دھمکیاں دی تھیں کہ وہ دارا کو زندہ نہیں چھوڑے گی۔ اس نے پیڈرو کو بھی گالیاں دی تھیں۔ پیڈرو اپنے کسی دشمن کو زندہ نہیں چھوڑتا اور ویسے بھی دارا آج کل اس کا دستِ راست بنا ہوا ہے۔ وہ دونوں آج کل کسی بہت بڑے پروجیکٹ پر کام کر رہے ہیں۔ پیڈرو کس طرح برداشت کرسکتا ہے کہ دارا کو کوئی نقصان پہنچے۔"

گانگ نے وہی بات کہی تھی جس پر ہم کچھ دیر پہلے تبصرہ کر رہے تھے۔

"پولیس کا کیا خیال ہے؟" میں نے پوچھا "کیا پولیس بھی یہ

سمجھتی ہے کہ قاتلوں کا تعلق پیڈرو کے گروپ سے ہے؟"

"پولیس نے ابھی کوئی تبصرہ نہیں کیا۔" گانگ نے جواب دیا "ابھی تو ان دونوں کی لاشیں کار میں پڑی ہیں۔ پولیس اس علاقے کو گھیرے میں لے رہی ہے۔ بڑی کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ افسرانِ اعلیٰ کو اس واقعے کی اطلاع دے دی گئی ہے اور میرا خیال ہے کہ کچھ ہی دیر میں شہر کی ناکا بندی کرکے تمام سڑکوں پر چیکنگ شروع ہوجائے گی۔"

"کیا پولیس ان لوگوں کو پکڑ سکے گی؟" میں نے پوچھا۔

"ناممکن ہاں۔" گانگ نے جواب دیا "عملہ آوروں نے جس طرح یہ کارروائی کی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ تربیت یافتہ تھے۔ ایسی کارروائیاں بڑی پلاننگ سے کی جاتی ہیں۔ پولیس اب ان لوگوں کی گرد کو بھی نہیں پاسکے گی۔ اب تک تو وہ لوگ اپنے محفوظ ٹھکانوں تک پہنچ چکے ہوں گے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ پولیس اس دہرے قتل کا الزام دارا اور پیڈرو پر لگانے میں دیر نہیں لگائے گی۔"

"ٹھیک ہے گانگ۔" میں نے کہا "اگر تمہیں کوئی دشواری پیش نہ آئے تو مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اگر کوئی پرابلم ہو تو اس علاقے سے نکل جاؤ۔"

"یس باس۔" گانگ نے کہا اور فون بند کردیا۔

میں نے بھی ریسیور رکھ دیا اور جانگی اور تھائی کی طرف دیکھنے لگا۔ انہوں نے بھی ساری باتیں سنی تھیں لیکن کوئی تبصرہ کرنے کے بجائے خاموش بیٹھی میری شکل دیکھتی رہیں۔

مجھے شورانی یا اس کے عاشقِ جوہری کے قتل کا کوئی افسوس نہیں تھا۔ ایک رات پہلے ہی تو میں نے اس کے بارے میں سنا تھا۔ سب سے پہلے پاتھم نے بتایا تھا کہ وہ ایک مسافر تھی۔ بے پناہ حسین اور جوان تھی اور اس نے اپنے حسن و شباب سے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا اور بڑے بڑے لوگوں کو اپنے حسن کے جال میں پھانس کر دولت سمیٹنا شروع کردی تھی۔ دولت مندوں میں وہ جوہری اس کا پہلا شکار تھا جس نے اسے بہت شان دار بنگلا بھی خرید کردیا تھا۔ اسی دوران میں شورانی کے دوسرے لوگوں سے بھی تعلقات ہوگئے تھے اور اس نے جوہری کو ٹھینگا دکھا دیا تھا اور اب وہی جوہری اس کے ساتھ جہنم کے سفر پر روانہ ہوگیا تھا۔

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ شورانی اور دارا میں اس حد تک اَن بن ہوگئی ہے کہ شورانی اسے موت کے گھاٹ اتارنے پر تیار ہوگئی تھی، میں نے ایک منصوبہ بھی بنالیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں شورانی کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کروں گا اور اس طرح دارا اور پیڈرو کے خلاف ایک نیا محاذ بن جائے گا لیکن شورانی کے قتل سے میرا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا تھا۔

گانگ نے بتایا تھا کہ علی بابا ریسٹورنٹ میں دارا کو کم از کم دو گولیاں لگی تھیں۔ ایک بازو میں اور ایک ٹانگ میں۔ وہ وہاں سے بھاگ کر سیدھا پیڈرو کے پاس ہی پہنچا ہوگا۔ اس صورتِ حال نے پیڈرو کو بھی ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ شورانی کے بارے میں وہ بھی اچھی طرح جانتا تھا۔ اسے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ شورانی نے چلا چلا کر جو دھمکیاں دی تھیں، وہ محض دھمکیاں نہیں ہوں گی۔ ان دھمکیوں پر عمل کرنے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اس کے لیے ایک اشارہ ہی کردینا کافی ہوگا۔ پیڈرو نے ان دھمکیوں سے صرف دارا کے لیے ہی نہیں اپنے لیے بھی خطرہ محسوس کیا ہوگا۔ وہ دارا کے ساتھ مل کر کسی بڑے پروجیکٹ پر کام کررہا تھا اور روپے بھی دارا نے اسے تیس پینتیس لاکھ ڈالر مالیت کے سونے کی امید دلائی تھی۔ وہ کس طرح برداشت کرسکتا تھا کہ دارا اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اس نے دارا کو شورانی کی کسی ممکنہ انتقامی کارروائی سے بچانے کے لیے شورانی کو ہی ٹھکانے لگا دیا تھا۔ شورانی کو قتل کرنے کے لیے وہ کسی اور وقت اور جگہ کا انتخاب بھی کرسکتا تھا لیکن پولیس اسٹیشن کے سامنے اس نے یہ کارروائی اس لیے کی تھی کہ شاید وہ پولیس کو بھی یہ پیغام دینا چاہتا تھا کہ وہ اپنے خلاف کوئی کارروائی برداشت نہیں کرے گا۔

"میرا خیال تھا کہ ہم شورانی کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں گے۔" میں نے تھائی اور جانگی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لیکن سارا معاملہ ہی گڑبڑ ہوگیا۔"

"شورانی کا انجام تو یہی ہونا تھا۔" تھائی نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "وہ بہت لالچی عورت تھی۔ اگر وہ عقل مند ہوتی تو اس جوہری کے ساتھ رہ کر ساری زندگی آرام و سکون سے گزار سکتی تھی لیکن لالچ اور حرص نے بالآخر اسے بھیانک انجام تک پہنچا دیا۔"

"شورانی بہت دنوں سے دارا کے ساتھ تھی۔ دارا اس کے گھر بھی آتا رہا ہوگا اور میرا خیال ہے کہ اس کے گھر سے بھی دارا کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکتا ہے۔" جانگی نے کہا۔

"اس وقت شورانی کے گھر کا رخ کرنا خطرناک ہوگا۔" میں نے کہا "ایک طرف پولیس نے مکان کی نگرانی شروع کردی ہوگی اور دوسری طرف پیڈرو اور دارا بھی اسی تاک میں ہوں گے۔ نہیں جانگی۔ فی الحال ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ سوائے اس کے کہ خاموش بیٹھے صورتِ حال کا جائزہ لیتے رہیں۔"

میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا۔ میرے بائیں بازو میں اب بھی تکلیف تھی۔ تھائی اگرچہ صبح و شام اپنی مخصوص دوا سے میرے بازو کی مالش کیا کرتی تھی لیکن یہ بات بھی میں اچھی طرح جانتا تھا کہ کوئی تکلیف فوری طور پر رفع نہیں ہوجاتی۔ اس میں دو چار دن تو لگتے ہی ہیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد تھائی بھی کمرے میں آگئی۔ جانگی اپنے کمرے میں جاچکی تھی۔ تھائی نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند

کرکے بولٹ چڑھایا تو میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ رات کو سوتے وقت اگرچہ دروازہ بند کردیا جاتا تھا لیکن بولٹ کبھی نہیں چڑھایا جاتا تھا اور آج جب میں نے تھائی کو دیکھا تو مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ معاملہ کیا ہے۔

تھائی کے چہرے پر ہلکی ہلکی سرخی تو میں صبح ہی سے دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے کی سرخی اس بات کی علامت تھی کہ تھائی کی پیٹھ کھجلانے لگی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ میری شامت آنے والی تھی۔

تھائی نے کھڑکیوں کے سامنے پردے بھی کھینچ دیے اور میرے پاس آکر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ اس نے پشت پر سے قمیص اوپر کھینچ لی۔

"ذرا میری پیٹھ کھجا دو۔ بہت جلن سی ہورہی ہے۔"

مجھے تھائی کے ساتھ رہتے ہوئے عرصہ ہوچکا تھا۔ اسے میں نے بالکل برہنہ حالت میں بھی دیکھا تھا۔ اس نے مجھ سے کبھی حجاب نہیں رکھا تھا۔ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ میرے سامنے ہی کھڑے ہو کر کپڑے بدلنے لگتی لیکن تھائی کے بارے میں میرے ذہن میں کبھی ایسا کوئی خیال نہیں آیا تھا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے میری آنکھوں میں کبھی میل نہیں آیا تھا۔ تھائی میرے ساتھ سویا کرتی تھی۔ وہ اکثر مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا کرتی تھی لیکن میں نے کبھی اسے آپے سے باہر ہوتے نہیں دیکھا تھا اور اس روز مہاراج نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ میں واقعی بڑا خوش قسمت ہوں کہ مجھے جانگی اور تھائی جیسی عورتیں ملی تھیں جن کی نظروں میں میل نہیں جن کی نیتوں میں فتور نہیں جن کے دلوں میں ہوس نہیں ہے۔

جانگی سے بھی اگرچہ بڑی حد تک بے تکلفی تھی لیکن ایسا کوئی وقت نہیں آیا تھا کہ اسے پرکھنے کا موقع ملتا۔ البتہ آشرم والی وہ رات مجھے اب بھی یاد تھی جب جانگی نے مجھے اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا اور میرے رخساروں پر بوسے دینے لگی تھی۔ وہ سب کچھ ماحول اور ضرورت کے تحت ہوا تھا۔ اس میں کسی سفلی ارادے کو دخل نہیں تھا۔ ویسے میں جانگی کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہے۔

تھائی میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اکثر اسے اس سے بھی عجیب تر حالت میں دیکھا تھا لیکن کبھی کوئی ایسی بات ذہن میں نہیں آئی تھی مگر اس وقت اس کا سرخی مائل گداز بدن دیکھ کر نجانے کیوں مجھے اپنے سینے میں گدگدی سی محسوس ہونے لگی۔ میرا دایاں ہاتھ غیر ارادی طور پر حرکت میں آگیا اور میں آہستہ آہستہ اس کی گداز پیٹھ کو سہلانے لگا۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے میں ریشم پر ہاتھ پھیر رہا ہوں۔

"ناخنوں سے کھجاؤ اور ذرا زور سے...." تھائی نے کہا۔

لیکن شاید اس کی آواز سنائی نہیں دی تھی یا میں اس کا مفہوم نہیں سمجھا تھا۔ میں آہستہ آہستہ اس کی پیٹھ سہلاتا رہا۔ تھائی چند لمحے تو اسی پوزیشن میں آگے کو جھکی بیٹھی رہی پھر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"کیا بات ہے وجدان۔ کیا ہورہا ہے تمہیں؟"

"اوہ.... کچھ نہیں۔" میں چونک گیا۔ بلکہ یوں لگا جیسے نیند سے بیدار ہوا ہوں "کچھ نہیں.... کچھ نہیں۔"

میں واقعی گڑبڑا گیا تھا اور پھر اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے میں نے ناخنوں سے اس کی گداز جلد کو نوچنا شروع کردیا۔ تھائی کے منہ سے ہلکی ہلکی سسکاریاں نکلنے لگیں۔ میرا ہاتھ تیزی سے اس کی جلد کو نوچتا رہا۔ اس کے جسم پر میرے ناخنوں سے لمبی لمبی خراشیں سی پڑگئیں اور پھر میں نے محسوس کیا کہ تھائی کے منہ سے سسکاریوں کے بجائے کراہیں خارج ہونے لگی تھیں۔ تھائی نے ایک بار پھر گردن گھما کر میری طرف دیکھا تھا۔ اس نے کراہتے ہوئے کہا بھی تھا لیکن میرا ہاتھ نہیں رکا۔ تھائی ایک دم بیڈ پر اوندھی ہوگئی۔ میرا ہاتھ ایک جھٹکے سے رک گیا۔ میں نے پہلی مرتبہ آنکھیں کھول کر دیکھا۔ میرے ناخنوں سے اس کے جسم پر لمبی لمبی خراشیں پڑگئی تھیں جن سے خون بھی رسنے لگا تھا۔ میری انگلیاں بھی خون آلود تھیں۔

میں ایک جھٹکے سے بیڈ سے نیچے اتر گیا اور دروازہ کھول کر کمرے سے نکل گیا اور ہال میں رکنے کے بجائے برآمدے والا دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ چند سیکنڈ برآمدے میں کھڑا رہا اور پھر لان میں آگیا۔ وہاں بانس کی کھپچیوں کی ایک میز اور چند گارڈن چیئرز پڑی ہوئی تھیں۔ میں ایک کرسی پر ڈھیر ہوگیا اور دونوں پیر سامنے میز پر پھیلا لیے۔ ٹھنڈی اور تازہ ہوا سے میرے دماغ کی تپش کم ہونے لگی اور میں گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

کئی منٹ گزر گئے۔ میرے حواس آہستہ آہستہ بحال ہورہے تھے۔ میں کرسی پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور تاریکی میں اِدھر اُدھر گھورنے لگا۔ برآمدے کے ساتھ والے کمرے کی بتی جل رہی تھی اور اندر کرسی پر بیٹھا ہوا سکندر میری طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ میں اٹھ کر بھیگی ہوئی گھاس پر ٹہلنے لگا۔ میرے حواس اب پوری طرح بحال ہوچکے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا ہوگیا تھا۔ نہ تو تھائی میرے لیے اجنبی تھی نہ ہی اس کا بدن۔ میں بیسیوں مرتبہ اسے اپنے سامنے بے لباس دیکھ چکا تھا۔ اس سے لپٹ کر سویا تھا۔ کبھی میرے دل میں ایسا کوئی خیال نہیں آیا تھا لیکن آج یکایک مجھ پر وحشت کیوں طاری ہوگئی تھی؟ میرا ذہن پراگندہ نہیں تھا۔ کوئی شیطانی خیال نہیں تھا لیکن یہ سب کچھ کیوں ہوا تھا۔

میں دیر تک بھیگی ہوئی گھاس پر ٹہلتا رہا اور پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔ مجھے وقت گزرنے کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ شاید رات کا آخری پہر تھا۔ گرتی ہوئی شبنم سے میری قمیص بھیگ گئی تھی۔ دماغ اس طرح ٹھنڈا ہورہا تھا جیسے برف جم گئی ہو۔ میں نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔

اور پھر اپنے کندھے پر ہلکا سا بوجھ محسوس کرکے میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میرے ذہن میں سکھدر کا خیال اُبھرا تھا۔ میں نے سوچا شاید وہ بھی مجھے دیکھ کر باہر آگیا ہے۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو چونک گیا۔ وہ تھائی وانگ تھی۔

"شبنم پڑ رہی ہے۔ طبیعت خراب ہوجائے گی۔ چلو۔ اندر آجاؤ۔"

میں کچھ کہے بغیر اُٹھ گیا۔ باہر ٹھنڈ میں بیٹھے رہنے سے میرے بازو میں درد شروع ہوگیا تھا۔ تھائی مجھے کمرے میں لے آئی۔ میں نے سامنے لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے تین بج رہے تھے۔ تھائی نے پھر دروازہ بند کردیا۔ میری شرٹ بالکل بھیگی ہوئی تھی۔ تھائی نے بچوں کی طرح مجھے اپنے سامنے کھڑے کرکے میری قمیص اتار دی اور الماری سے دوسری قمیص نکال کر پہنائی اور پینٹ باتھ روم میں لے جاکر ٹانگ دی۔

"تمہاری یہ پینٹ بھی بھیگی ہوئی ہے۔ جاؤ۔ بدل کر آؤ۔" اس نے باتھ روم کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے باتھ روم میں جاکر پینٹ تبدیل کی اور باہر آگیا۔ تھائی گہری نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور پھر اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھ دیے۔ میں نے تھائی کی طرف دیکھا اور پھر بے اختیار ہوکر اس سے لپٹ گیا۔ میرے منہ سے سسکی نکل گئی تھی۔

تھائی مجھے لے کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ میں اب بھی تھائی سے لپٹا ہوا تھا۔ میں نے اپنا چہرہ تھائی کے سینے میں چھپالیا۔ تھائی میرے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ میرے ذہن پر غنودگی سی طاری ہورہی تھی اور پھر میں گہری نیند سوگیا۔

○☆○

صورتِ حال سنگین سے سنگین تر ہوتی جارہی تھی۔ دارا روپوش تھا۔ شاید کسی پناہ گاہ میں دبکا اپنا علاج کرا رہا ہوگا۔ پیڈرو نے قیامت برپا کر رکھی تھی۔ میرا ساتھی ہونے کے شک میں وہ اب تک کئی لوگوں کی ہڈیاں توڑ کر انہیں اپاہج بنا چکا تھا۔ اس کے آدمی بڑی سرگرمی سے مجھے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

پیڈرو اپنے آپ کو زیرِ زمین دنیا کا بے تاج بادشاہ سمجھتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس شہر کا کوئی بڑے سے بڑا بدمعاش بھی اس کے سامنے آنکھیں نہیں اٹھا سکتا تھا' اونچی آواز میں بات نہیں کرسکتا تھا۔ چہ جائیکہ کوئی اس کے سامنے خم ٹھونک کر کھڑا ہوجائے اور اسے للکارے۔ اس کی حالت اس شیر جیسی تھی جس کے منہ سے اس کا شکار چھین لیا گیا ہو اور حقیقت بھی یہی تھی۔ میں پرساد کو اس کے بنگلے سے اٹھالایا تھا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کا مقابلہ بھی کیا تھا اور اسے ایک دو ایسی چوٹیں بھی لگائی تھیں جنہیں وہ اب تک سہلا رہا ہوگا۔

میرا بازو ٹھیک ہوچکا تھا۔ میں باہر نکلنا چاہتا تھا مگر تھائی مجھے اس کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ابھی باہر نکلنا مناسب نہیں تھا۔ پرساد کے زخم بھی مندمل ہوچکے تھے لیکن ابھی وہ بھی اس قابل نہیں تھا کہ دارا یا پیڈرو کے غنڈوں کا مقابلہ کرسکے۔ گانگ وقتاً فوقتاً مجھے باہر کی اطلاعات فراہم کرتا رہتا تھا لیکن وہ بھی پیڈرو کے اندرونی حلقوں میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔

پھر ایک روز گانگ نے مجھے جو اطلاع دی وہ بڑی تشویش ناک تھی۔ اس رات گانگ اور جانگی وغیرہ تو زخمی پرساد کو ٹنک ٹنک میں لے کر گئے تھے جبکہ میں اور سکھدر پیڈرو کی کار پر وہاں سے فرار ہوئے تھے۔ راستے میں ہمیں پولیس نے روکا تھا اور ہم پولیس کو بھی بھگا دے کر بھاگ نکلے تھے۔ پولیس اگرچہ اس رات سے ہماری تلاش میں تھی لیکن انہیں ہمارے بارے میں ٹھیک سے معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ ہم کون ہیں۔ وہ پولیس آفیسر سکھدر سے ہی باتیں کرتا رہا تھا اور اب گانگ کی طرف سے اطلاع یہ تھی کہ اس پولیس آفیسر نے سکھدر کو ایک مفرور مجرم کی حیثیت سے شناخت کرلیا تھا۔ وہ تقریباً تین سال پہلے ایک قتل کرکے بھاگا تھا۔ پولیس ریکارڈ میں اس کی تصویر موجود تھی اور پولیس آفیسر نے اسے تصویر سے ہی پہچانا تھا۔ ہم جس گاڑی میں فرار ہوئے تھے' وہ پیڈرو کی ملکیت تھی۔ بعد میں وہ گاڑی پولیس کو تھورٹ تھائی روڈ پر ریلوے لائن کے قریب کھڑی مل گئی تھی۔ اس سے اگلے ہی روز تو شورانی کو پولیس اسٹیشن سے نکلتے ہوئے گولیوں سے بھون دیا گیا تھا۔ پولیس نے یہ بھی معلوم کرلیا تھا کہ شورانی کے قتل سے ایک رات پہلے سوئے یودی پر کوئی ہنگامہ ہوا تھا جس میں شورانی زخمی ہوگئی تھی۔ اس ساری صورتِ حال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پولیس نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اس رات جو دو آدمی پیڈرو کی گاڑی لے کر بھاگے تھے انہوں نے ہی اگلے دن شورانی کو قتل کردیا تھا' انہیں ان دو آدمیوں کی تلاش تھی جو اس رات پولیس کو دھوکا دے کر بھاگے تھے۔ یہ صورتِ حال خاصی تشویش ناک تھی۔ اگر سکھدر پکڑا گیا تو معاملہ گڑبڑ ہوسکتا تھا۔

"تمہیں پولیس نے شناخت کرلیا ہے سکھدر۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری تصویر پولیس ریکارڈ میں موجود ہے۔ اب تمہیں تلاش کرنے میں انہیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

"تین سال میں یہ پہلا موقع ہے کہ کسی پولیس والے نے مجھے شناخت کیا ہے۔ حالانکہ میں ان تین برسوں کے دوران میں پولیس والوں کے آس پاس پھرتا رہا ہوں لیکن بہرحال' کل صبح جب وہ پولیس آفیسر مجھے اپنے سامنے بھی دیکھے گا تو..... شناخت نہیں کرسکے گا۔"

"وہ کیسے.....؟" میں نے پوچھا۔

"تین سال پہلے مجھے بال بڑھانے اور داڑھی رکھنے کا شوق ہوا تھا لیکن میری محبوبہ کو میرا یہ شوق پسند نہیں آیا۔ اس بات پر

ایک روز ہم دونوں میں جھگڑا ہوا اور میں نے اس کا گلا کاٹ دیا۔ اس کے بعد میں چند ہفتوں کے لیے بنکاک سے باہر چلا گیا تھا اور جب واپس آیا تو میں نے سر کے بال بھی منڈوا دیے تھے اور داڑھی بھی صاف کردی تھی۔ اس کے بعد میں آزادی سے شہر میں گھومتا رہا۔ کوئی مجھے شناخت نہیں کرسکا۔ کئی مرتبہ ان پولیس والوں سے بھی آمنا سامنا ہوا جو قتل کے اس کیس کی تفتیش کرتے رہے تھے لیکن وہ بھی مجھے نہیں پہچان سکے۔ چند مہینے پہلے میں مہاراج کے پاس آگیا۔ مجھے پھر شوق ہوا اور میں نے داڑھی رکھ لی اور بال بڑھالیے۔ میں زیادہ تر وائٹ ڈوسٹ میں رہا تھا اور باہر نکلنے کا موقع بھی بہت کم ملتا تھا پھر مہاراج نے مجھے وائٹ ٹریکٹ بلالیا اور تمہارے ساتھ بھیج دیا۔ میرا خیال تھا پولیس مجھے بھول چکی ہوگی۔"

"پولیس کسی کو نہیں بھولتی۔ وہ تو اپنے مطلوب کو قبر سے بھی نکال لیتی ہے۔" میں نے کہا "بہرحال' اب چونکہ تم نظروں میں آچکے ہو اس لیے تمہیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"اطمینان رکھو ٹسل ماسٹر۔" سکھدر نے کہا "اب پولیس مجھے نہیں پہچان سکے گی۔"

سکھدر نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ دوسرے دن صبح جب وہ میرے سامنے آیا تو میں بھی اسے نہیں پہچان سکا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل بدلا ہوا تھا۔ داڑھی کے ساتھ اس نے باریک مونچھیں بھی صاف کردی تھیں اور سر کے بال بھی غائب تھے۔

وہ کئی روز سے میرے ساتھ تھا اور اس روز پہلی مرتبہ میں نے بھرپور نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ عام تھائی باشندے پستہ قامت یا درمیانے قد کے ہوتے ہیں لیکن سکھدر کا قد چھ فٹ کے لگ بھگ تھا۔ کسرتی بدن اور بازوؤں کے مسل ابھرے ہوئے۔ اس کا چہرہ بھی قدرے بھاری تھا۔ ٹھوڑی پر بائیں طرف جبڑے تک پرانے زخم کا تقریباً تین انچ لمبا نشان تھا۔ زخم کا یہ نشان اب تک داڑھی میں چھپا رہا تھا۔ اس کی یہ ہیئت دیکھ کر کوئی بھی شریف آدمی اس کے قریب آنا پسند نہ کرتا۔

"گڈ۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا "اب واقعی تمہیں کوئی نہیں پہچان سکے گا۔"

"بتاؤ۔ اب مجھے کیا کرنا ہے ٹسل ماسٹر۔" سکھدر نے کہا۔

"تم پاتھم کے پاس چلے جاؤ۔ وہ اس وقت اپنے ورکشاپ میں ہوگا۔ اس سے کہو' مجھے شام چھ بجے فون کرلے۔" میں نے کہا۔

"تم اس سے یہ بات فون پر بھی کہہ سکتے ہو ٹسل ماسٹر لیکن میں سمجھ گیا تم مجھے وہاں کیوں بھیجنا چاہتے ہو۔" سکھدر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تھائی نے اسے کچھ چیزیں لانے کے لیے بھی کہہ دیا۔ سکھدر' پاتھم والی گاڑی لے کر چلا گیا۔ پاتھم اس روز یہ گاڑی یہاں چھوڑ گیا تھا لیکن آج اسے پہلی مرتبہ استعمال کے لیے باہر نکالا گیا تھا۔

پاتھم کا ورکشاپ شہر کے شمال میں واقع بس ٹرمینل کے قریب تھا۔ پورے شہر سے گزر کر وہاں تک جانا پڑتا۔ میں نے سکھدر کو وہاں بھیجا ہی اس لیے تھا کہ اس حلیے میں وہ کسی کی نظروں میں آسکتا ہے یا نہیں۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور میں نے ہی اٹھایا۔

"میں پاتھم بول رہا ہوں باس۔" میرے ہیلو کے جواب میں آواز سنائی دی "میرے پاس تھوڑی دیر پہلے ایک آدمی آیا ہے جس نے مجھے تمہارا پیغام دیا ہے۔ ایک تو مجھے اس پیغام پر حیرت ہورہی ہے اور دوسرے وہ آدمی وہ نہیں جو وہ اپنے آپ کو بتا رہا ہے۔"

"اسے میں نے اس لیے بھیجا تھا کہ تم اسے پہچانتے ہو یا نہیں۔" میں نے جواب دیا "وہ سکھدر ہی ہے اور تمہاری ہی گاڑی لے کر آیا ہے۔"

"گاڑی تو میں نے دیکھ لی تھی۔" پاتھم نے کہا "سکھدر کو اس روز میں نے ایک ہی مرتبہ تمہارے گھر پر دیکھا تھا۔ داڑھی' مونچھیں اور بڑے بڑے بال لیکن اب....."

"وہ سکھدر ہی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "مزید تسلی کرنا چاہتے ہو تو اس سے میری بات کرادو اور اسے واپس بھیج دو۔"

"ہولڈ کرو۔ میں اسے بلاتا ہوں۔" پاتھم نے کہا۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر ریسیور پر سکھدر کی آواز سنائی دی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ واپسی پر شہر میں گھومتا پھرتا ہوا آئے پھر میں نے پاتھم سے بات کی اور فون بند کردیا۔

یہ میرے لیے بڑی خوش آئند بات تھی کہ سکھدر کو بدلے ہوئے حلیے میں وہ شخص بھی نہیں پہچان سکا تھا جس نے صرف تین چار روز پہلے اسے دیکھا تھا۔

سکھدر دوپہر دو بجے کے قریب واپس آیا۔ اس نے تین شاپنگ بیگ تھائی کے حوالے کردیے اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تمہیں حیرت ہوگی باس۔ آج دوپہر کا کھانا میں نے اس پولیس آفیسر کے ساتھ بیٹھ کر کھایا تھا جس نے اس رات ہمیں روکا تھا۔"

"کیا.....؟" میں اچھل پڑا "تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں باس۔" سکھدر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "مجھے بڑے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ میں ایک ریسٹورنٹ میں گھس گیا۔ اتفاق سے جس ٹیبل پر مجھے جگہ ملی وہاں وہ پولیس آفیسر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ یونی فارم میں نہیں تھا۔ اس کا ایک دوست بھی اس کے ساتھ تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے ہم نے دو تین مرتبہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔ اگر اس نے مجھے پہچان

لیا ہوتا تو وہیں پر مجھے دھر لیتا لیکن اس نے تو شاید سوچا بھی نہیں ہوگا کہ جس شخص کی اسے تلاش ہے وہ اس کے ساتھ میز پر بیٹھا کھانا کھا رہا ہے۔"

"بہت بڑا رسک لیا تھا تم نے۔" میں نے اسے گھورا "اگر تم دھر لیے جاتے تو ہمارا سارا منصوبہ خاک میں مل جاتا۔"

"رسک تو لینا ہی تھا باس۔" سکھدر نے جواب دیا "بہرحال' یہ اطمینان تو ہوگیا کہ اب نہ تو پولیس مجھے شناخت کرسکتی ہے اور نہ ہی پیڈرو کے آدمی۔"

"چلو۔ یہ اطمینان تو ہوگیا۔" میں نے کہا۔

سکھدر باتیں تو مجھ سے کررہا تھا لیکن اس کی نظریں اِدھر اُدھر گردش کررہی تھیں۔ اتفاق سے اس وقت ہال میں میرے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ تھائی کچن میں تھی۔ نوپتا پرساد کے پاس تھی اور جانگی اپنے کمرے میں تھی۔ میں سمجھ گیا کہ سکھدر کی نظریں کیا تلاش کررہی تھیں۔ کچھ دیر بعد وہ مایوس ہو کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

تین بجے کے قریب تھائی نے میز پر کھانا لگا دیا۔ جانگی' نوپتا اور پرساد بھی وہیں آگئے۔ پرساد کی حالت اب کافی بہتر تھی۔ سکھدر کو بھی کھانے کے لیے کہا گیا لیکن اس نے منع کردیا۔ وہ تو کھانا کسی ریسٹورنٹ سے کھا کر آیا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد تھائی اپنے کمرے میں جا کر سوگئی۔ نوپتا بھی پرساد کے ساتھ کمرے میں چلی گئی تھی۔ جانگی میرے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ میں نے پہلی مرتبہ یہ بات خاص طور سے نوٹ کی کہ جانگی جب میری طرف دیکھتی تھی تو اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اُبھر آتی تھی۔

ٹھیک چھ بجے پاتھم کا فون آگیا۔

"یس باس۔ کیا حکم ہے؟" اس نے پوچھا۔

"پیڈرو یا دارا میں سے کسی کا پتا چلا۔ وہ دونوں کہاں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"دارا تو کسی بل میں گھسا ہوا ہے۔ پیڈرو پولیس سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو متحرک رکھے ہوئے ہے۔ ویسے آج کل وہ سیام اسکوائر پر واقع سن شائن کلب میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ دراصل ایک چھوٹا سا کیسینو ہے جہاں بڑے پیمانے پر جوا ہوتا ہے۔ سنا ہے کوئی باہر کا آدمی یہاں سے کبھی جیت کر نہیں گیا۔ وہاں حسین اور نوعمر لڑکیاں ہیں جو بازی پلٹنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ پیڈرو کو زیادہ آمدنی ایسے ہی اڈوں سے ہوتی ہے اس لیے وہ ان اڈوں کا دورہ کرتا رہتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے وہ آج رات بھی وہاں آئے گا۔" میں نے کہا۔

"اسے آنا چاہیے۔" پاتھم نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم تو بجے سن شائن پہنچ جاؤ۔ سکھدر بھی وہاں ہوگا مگر تم دونوں ایک دوسرے سے شناسائی ظاہر نہیں کروگے اور اب میری بات توجہ سے سنو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔" میں نے کہا۔ اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے سمجھانے لگا۔

میں نے فون بند کردیا اور پھر سات بجے کے قریب میں نے سکھدر کو بھی سب کچھ سمجھا کر سن شائن بھیج دیا۔

رات دس بجے کے قریب ہم کھانا کھا رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی۔ جانگی نے اٹھ کر ریسیور اٹھالیا۔ بات کرتے ہوئے اس کا چہرہ ایک دم پیلا پڑگیا۔ میں جلدی سے اٹھ کر اس کے قریب آگیا اور اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔ دوسری طرف پاتھم تھا جو تیز تیز لہجے میں کچھ بتا رہا تھا۔

"پاتھم میں وجدان بول رہا ہوں۔ شروع سے بتاؤ کیا بات ہے۔ تم گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟" میں نے کہا۔

"بہت گڑبڑ ہوگئی ہے باس۔" پاتھم نے کہا "آدھا گھنٹا پہلے پیڈرو کا چھوٹا بھائی سامی کیسینو میں داخل ہوا تھا۔ اس کے پیچھے ہی میں نے مہاراج کے ایک آدمی گانگ کو بھی اندر داخل ہوتے دیکھا۔ وہ کچھ دیر تک اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر اوپر والے ہال کی طرف چلا گیا۔"

"گانگ کو تم جانتے ہو؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"بہت اچھی طرح۔ وہ ٹک ٹک چلاتا ہے۔" پاتھم نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "گانگ کے اوپر جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد اوپر سے فائرنگ کی آواز سنائی دی اور اس کے فوراً ہی بعد گانگ کی لاش سیڑھیوں پر لڑھکتی ہوئی نیچے آگئی۔ اسے تین گولیاں لگی تھیں۔ ایک پیشانی میں اور دو سینے پر۔ وہ سیڑھیوں سے نیچے پہنچنے سے پہلے ہی ختم ہوچکا تھا۔"

"کیا....؟" میں اچھل پڑا۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے "کیا وہ گانگ ہی ہے؟"

"یس باس۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ دو سال پہلے میں نے جمنازیم میں اس سے موئے تھائی کی ٹریننگ بھی لی تھی۔" پاتھم نے جواب دیا۔

"سکھدر کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"زینے پر گانگ کی لاش گرنے کے بعد وہ اوپر چلا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ نظر نہیں آیا۔" پاتھم نے کہا "فائرنگ سے کیسینو میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ لوگ خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلے۔ چند منٹ میں ہی سناٹا چھاگیا۔ پورا بازار بند ہوچکا ہے۔ کیسینو والی عمارت سے ملحق سیام شاپنگ سینٹر کے تمام گیٹ بھی بند کردیے گئے ہیں۔ پولیس ابھی تک نہیں پہنچی۔ گانگ کی لاش اندر ہی پڑی ہے۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"سیام اسکوائر سے آگے راماون روڈ کے چوراہے پر ایک پبلک فون بوتھ ہے۔" پاتھم نے جواب دیا۔

"تم وہیں آس پاس انتظار کرو۔ میں آرہا ہوں۔" میں نے کہتے ہوئے فون بند کردیا اور کریڈل ٹیپ کر کے ماسٹر ہوچن کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے فوراً ہی کال ریسیو کرلی گئی۔ کال' ماسٹر کے ایک شاگرد نے ریسیو کی تھی۔

جمنازیم میں گانگ کے قتل کی اطلاع پہنچ گئی تھی اور ماسٹر ہوچن اپنے چند آدمیوں کے ساتھ سیام اسکوائر کی طرف جاچکا تھا۔ میں نے ریسیور رکھ دیا۔ تھائی اور جانگی میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ انہیں اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے اور جب میں نے انہیں بتایا کہ گانگ کو قتل کردیا گیا ہے تو ان دونوں کے چہرے دھواں ہوگئے۔

"میں سیام اسکوائر جارہا ہوں۔ ماسٹر ہوچن بھی وہاں پہنچ چکا ہوگا۔" میں نے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" تھائی یہ کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔

"نہیں تھائی۔ ہوسکتا ہے وہاں مزید کوئی گڑبڑ ہو۔ میں اکیلا ہی جاؤں گا۔" میں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

لیکن میں جانتا تھا کہ ایسی نازک اور سنگین صورتِ حال میں تھائی مجھے اکیلے نہیں جانے دے گی۔ اس کی وجہ سے اگرچہ مجھے کچھ الجھن پیش آسکتی تھی لیکن میں اسے روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

میں نے خنجر والا اسٹریپ اپنی دائیں پنڈلی پر باندھ لیا اور جوتے پہننے لگا۔ جب میں تیار ہو کر اٹھا تو وہ مجھ سے پہلے ہی تیار ہوچکی تھی۔ اس نے پستول اپنی پتلون کی جیب میں ڈال لیا تھا۔ ہم دونوں کمرے سے نکل آئے۔ جانگی گیٹ تک ہمیں چھوڑنے آئی تھی۔ ہم جیسے ہی باہر نکلے' اس نے گیٹ بند کردیا۔

میں اور تھائی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ناکسن روڈ والے چوراہے پر آگئے۔ جہاں سے ہمیں فوراً ہی ٹیکسی مل گئی۔ ہم جس انداز میں ٹیکسی میں بیٹھے' ڈرائیور سمجھ گیا کہ ہم جلدی میں ہیں۔ اس نے ٹیکسی ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی اور رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ میں نے اسے سیام اسکوائر چلنے کا کہہ دیا تھا۔ مزید کچھ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔

ہم تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہاں پہنچے تھے۔ پولیس نے اس علاقے کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ہماری ٹیکسی کو بھی راماون روڈ والے چوراہے پر روک لیا گیا۔ میں نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا اور نیچے اتر گیا۔ تھائی بھی دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئی تھی۔ چوراہے پر بہت سے لوگ جمع تھے۔ پولیس انہیں سیام اسکوائر کی طرف جانے سے روک رہی تھی۔ پولیس کو پتا چل گیا تھا کہ مہاراج کا ایک آدمی مارا گیا ہے اس لیے صورتِ حال کو مزید بگڑنے سے روکنے کے لیے کچھ اقدامات کیے گئے تھے۔

لوگوں کے ہجوم میں پاتھم موجود تھا۔ وہ ہمارے پاس آگیا۔ میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ مہاراج کے آدمی ابھی نہیں پہنچے تھے اور پھر ٹھیک اسی وقت دو چھوٹے پک اپ ٹرک وہاں پہنچ گئے۔ ان دونوں میں مہاراج کے آدمی بھرے ہوئے تھے۔ اگلے ٹرک پر ماسٹر ہوچن کھڑا تھا۔ پولیس نے دونوں ٹرکوں کو روک لیا۔ میں نے تھائی کو پاتھم کے پاس رکنے کو کہا اور دوڑ کر اگلے ٹرک پر سوار ہوگیا۔ ماسٹر ہوچن نے مجھے دیکھ لیا۔ وہ چیخ چیخ کر پولیس والوں سے بحث کررہا تھا لیکن پولیس والے راستہ دینے کو تیار نہیں تھے۔ وہ ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ڈنڈوں سے ٹرک کو پیچھے لے جانے کا اشارہ کررہے تھے۔

ماسٹر ہوچن ٹرک سے نیچے کود گیا اور پھر اس نے دونوں ٹرکوں کے ڈرائیوروں سے چیخ کر ٹرک آگے لے جانے کو کہا۔ ٹرک ایک جھٹکے سے حرکت میں آئے۔ پولیس والے اچھل کر ایک طرف ہٹ گئے۔ ماسٹر ہوچن دوڑ کر ٹرک کے پائیدان پر سوار ہوگیا۔ پولیس والے بھی ٹرک کے پیچھے بھاگے۔

سیام اسکوائر سے ملحق بلڈنگ کے سامنے بھی پولیس والے کھڑے تھے۔ ٹرک رکتے ہی لڑکے کود کر نیچے اتر آئے۔ کسی کے ہاتھ میں ہاکی تھی' کسی کے پاس تلوار' کوئی خنجر بدست تھا اور کچھ لڑکوں کے پاس ریوالور یا پستول وغیرہ بھی تھے۔ پولیس پارٹی کے انچارج انسپکٹر نے انہیں روکنے کی کوشش کی تو ماسٹر ہوچن چیخ کر بولا۔

"آفیسر۔ ہم پولیس سے نہیں الجھنا چاہتے۔ ہم اپنے آدمی کی لاش لینے آئے ہیں۔ اگر ہمیں روکنے کی کوشش کی گئی تو ہم زبردستی کریں گے اور پورے شہر کی پولیس بھی ہمیں نہیں روک سکے گی۔"

پولیس آفیسر ماسٹر ہوچن کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ مہاراج کی طاقت سے بھی واقف تھا لیکن اسے اپنی ڈیوٹی بھی دینی تھی۔ اس نے برائے نام مزاحمت کی۔ لڑکے پولیس والوں کو دھکے دیتے ہوئے کیسینو کی عمارت میں داخل ہوگئے۔ میں بھی ماسٹر ہوچن کے ساتھ عمارت میں گھس گیا۔

گانگ کی لاش اوپر والے ہال کو جانے والے زینے کے قریب فرش پر پڑی تھی۔ اس کا چہرہ خون سے تر تھا۔ ایک گولی پیشانی میں اور دو سینے میں لگی تھیں۔ لاش کے قریب قالین پر خون جما ہوا تھا۔ اس کی بے نور آنکھیں چھت کو گھور رہی تھیں۔ میں لاش پر جھک گیا۔ دو آنسو میری آنکھوں سے نکل کر لاش پر گرے۔

ماسٹر ہوچن اور بہت سے لڑکے لاش کے گرد جمع ہوچکے تھے۔ کچھ لڑکے اوپر چلے گئے تھے۔ چند منٹ بعد ہی اوپر سے توڑ پھوڑ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ نیچے کھڑے ہوئے لڑکوں نے بھی کارروائی شروع کردی۔ فرنیچر اور رولٹ (جوا کھیلنے کے لیے استعمال ہونے والی مشین ROULETTE) مشینیں وغیرہ توڑی جانے لگیں۔ چند پولیس والے بھی اندر گھس آئے تھے جو ان لڑکوں کو توڑ پھوڑ سے روکنے کی کوشش کرنے لگے لیکن لڑکے

بپھرے ہوئے تھے۔ بعض لڑکوں کی پولیس والوں سے ہاتھا پائی بھی ہو رہی تھی۔ ماسٹر ہوچن اور میں نے گائنگ کی لاش اٹھائی اور باہر کی طرف لپکے۔ اس وقت چند اور پولیس والے اندر گھس رہے تھے۔

لاش کو ایک پک اپ ٹرک کے فرش پر لٹا دیا گیا۔ پولیس آفیسر چیخ چیخ کر ماسٹر ہوچن سے کہہ رہا تھا کہ وہ اپنے لڑکوں کو تخریب کاری سے روکے بصورتِ دیگر اسے بھی کوئی سخت قدم اٹھانا پڑے گا۔ ماسٹر ہوچن نے ہونٹوں میں انگلیاں دبا کر سیٹی بجائی۔ عمارت میں موجود لڑکے دوڑتے اور چیختے چلاتے ہوئے باہر آگئے اور ٹرکوں پر چڑھنے لگے۔ میں بھی ایک ٹرک پر لٹک گیا۔ ماسٹر ہوچن بھی اسی ٹرک پر تھا۔ دونوں ٹرک حرکت میں آگئے۔ موڑ پر پہنچ کر میں نے ماسٹر ہوچن کو اشارہ کیا اور ٹرک سے اتر گیا۔ تھائی اور پاتھم سامنے ہی کھڑے تھے۔ میں دوڑ کر ان کے قریب پہنچ گیا۔

"تمہاری گاڑی کہاں ہے؟" میں نے پاتھم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس کے جواب دینے سے پہلے ہی سیام اسکوائر سے آگے وٹن چیٹ روڈ کی طرف سے شور سنائی دیا۔ سرخ رنگ کا ایک پک اپ ٹرک اور تین کاریں اس گلی سے سیام اسکوائر کی طرف مڑی تھیں۔ ان میں پیڈرو کے آدمی بھرے ہوئے تھے۔ مجھے صورتِ حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی۔ پولیس والے ان غنڈوں کو آگے بڑھنے سے روکنے کی کوشش کرنے لگے۔ میں نے تھائی اور پاتھم کو اشارہ کیا۔ پاتھم نے تھائی کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے ایک طرف کھینچنے لگا۔ میں بھی ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اس جگہ پر بہت ہجوم تھا لیکن اب لوگ اِدھر اُدھر کھسکنے لگے تھے۔

ہم بپھایا تھائی روڈ پر ہوٹل ایشیا کی طرف جا رہے تھے۔ چند گز کا فاصلہ طے کر کے پاتھم ایک تنگ سی گلی میں مڑ گیا اور پھر کچھ دور کھڑی ہوئی پیلے رنگ کی ایک ٹیکسی کے قریب رک گیا۔ اس نے تھائی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور جیب سے چابی نکال کر ٹیکسی کا دروازہ کھولنے لگا۔

ٹیکسی جس وقت حرکت میں آئی، اس وقت سیام اسکوائر کی طرف سے پہلی گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ چند سیکنڈ تک فضا پر سکوت سا طاری رہا اور پھر یوں لگا جیسے وہاں محاذ کھل گیا ہو۔ یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ پیڈرو کے غنڈے پولیس والوں سے بھڑ گئے تھے۔

وہ تنگ سی گلی تھی جس کے دونوں طرف اس علاقے میں رہنے والے لوگوں کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ کار اس گلی سے نکل کر کشادہ سڑک پر آگئی۔ تقریباً ایک فرلانگ آگے نہر کا پل تھا اور اس سے آگے یہ سڑک ہوٹل ایشیا کے سامنے سے گزرتی ہوئی نیو پھٹ بوری روڈ سے جا ملتی تھی۔

"کہاں جانا ہے باس؟" پاتھم نے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وائٹ ٹریمٹ۔ وہ لوگ وہیں گئے ہوں گے۔" میں نے جواب دیا "لیکن ہم شاید مخالف سمت میں نکل آئے ہیں۔" میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم سوئے بھایا نیک سے ہوتے ہوئے بنقا روڈ کی طرف نکل جائیں گے۔" پاتھم نے جواب دیا۔

"یہ ٹیکسی کس کی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مرمت کے لیے آئی ہوئی تھی۔ کوئی اور گاڑی تھی نہیں۔ میں نے سوچا چلو اس سے کام نکال لو۔" پاتھم نے جواب دیا۔

ہماری ٹیکسی ابھی نہر کے پل سے چند گز دور ہی تھی کہ پیچھے سے آنے والی ایک کار تیزی سے آگے نکل گئی اور پھر عین پل کے اوپر وہ کار سڑک پر اس طرح آڑی ترچھی ہو کر رک گئی کہ راستہ بند ہو گیا۔ پاتھم نے پوری قوت سے بریک لگا دیا۔ ٹیکسی بریک کی تیز... چرچراہٹ کے ساتھ لہراتی ہوئی پل کی ریلنگ سے ٹکرا کر رک گئی۔

اس سے پہلے کہ میں صورتِ حال سمجھ سکتا، دوسری کار سے دو آدمی اتر آئے۔ ان دونوں کے پاس آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔ انہوں نے ایک طرف سے مجھے اور دوسری طرف سے تھائی کو رائفلوں کی زد پر لے لیا۔

"تم دونوں خاموشی سے نیچے اتر آؤ۔ اگر کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو گولیوں سے بھون دیے جاؤ گے۔" ایک نے غرا کر کہا۔

میں نے تھائی کی طرف دیکھا اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ تھائی بھی دوسری طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گئی تھی۔ وہ دونوں ہمیں اپنی کار کے قریب لے آئے۔ ان میں سے ایک نے ہم دونوں کے لباس تھپتھپا کر دیکھے اور تھائی کی پتلون کی جیب سے پستول نکال لیا۔ میرا لباس بھی اس نے پتلون کی جیبوں تک ہی تھپتھپایا تھا۔ اگر وہ ذرا نیچے تک کی تلاشی لیتا تو میرا خنجر بھی مجھ سے جدا ہو چکا ہوتا مگر بنڈلی سے بندھا ہوا خنجر محفوظ ہی رہا تھا۔

پاتھم پر انہوں نے توجہ نہیں دی تھی۔ وہ اسے ٹیکسی ڈرائیور ہی سمجھے تھے اور ظاہر ہے کسی ٹیکسی ڈرائیور سے انہیں کیا دشمنی ہو سکتی تھی۔ پاتھم بھی اپنی سیٹ پر سہما ہوا سا بیٹھا رہا تھا۔

ہمیں اس کار کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ ایک آدمی میرے ساتھ دروازے کی طرف بیٹھ گیا۔ اس نے رائفل اس طرح رکھی تھی کہ اس کی نال میری پسلیوں میں چبھ رہی تھی۔ دوسرا آدمی تھائی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ دروازہ بند کرنے سے پہلے اس نے ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے پاتھم کی طرف دیکھا اور رائفل تان کر ٹریگر دبا دیا۔ ٹریگر دباتے ہوئے اس نے رائفل کی نال ذرا نیچے کی طرف جھکا لی تھی۔ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ تھائی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اس آدمی کو پاتھم پر رائفل تانتے دیکھ کر میں نے بھی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ پاتھم کی چیخ کے بجائے دھماکے کی

آواز سن کر میں نے آنکھیں کھول دیں اور میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے گولی پاتھم پر نہیں ٹیکسی کے اگلے ٹائر پر چلائی تھی اور ٹائر ایک دھماکے سے پھٹ گیا تھا۔

کار کا انجن اسٹارٹ ہی تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے کار کا رخ سیدھا کر کے اسے ایک زوردار جھٹکے سے آگے بڑھا دیا۔ کار تیزی سے سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ میں اور تھائی ان دونوں آدمیوں کے بیچ میں دبے بیٹھے تھے۔ ایک رائفل میری پسلیوں سے لگی ہوئی تھی اور دوسری طرف تھائی بھی رائفل کی زد میں تھی۔ ہم دونوں کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ صورتِ حال اگرچہ ہمارے لیے بے حد سنگین تھی لیکن میں ان لوگوں کی حماقت پر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ پاتھم کو انہوں نے ٹیکسی ڈرائیور سمجھ کر چھوڑ دیا تھا اور میں مطمئن بھی تھا کہ پاتھم ہمارا سراغ لگا لے گا۔

کار وکٹر مونومنٹ سے ڈن ڈانگ روڈ پر مڑ گئی اور ایکسپریس وے عبور کرتی ہوئی اسوک روڈ پر آگئی اور کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک کشادہ گلی میں مڑ گئی۔ گلی کے موڑ پر سوئے تلاد نام کا بورڈ میں نے دیکھ لیا تھا۔ کار ایک شان دار کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ گیٹ کھلا اور کار اندر داخل ہو گئی۔

میرا خیال تھا کہ ہمیں اغوا کرنے والوں کا تعلق پیڈرو یا دارا کے گروہ سے ہوگا اور ظاہر ہے ان کے سوا ہمارا کوئی دشمن بھی نہیں تھا۔ ہمیں کار سے اتار کر دھکے دیتے ہوئے اندر لے آیا گیا اور پھر جیسے ہی ہم ایک کمرے میں داخل ہوئے سامنے تخت پر بیٹھے ہوئے ایک شخص کو دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ وہ سوامی رگوناتھ تھا۔

وہ تخت پر اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے کوئی مہاراجا اپنی راج دھانی کے سنگھاسن پر براجمان ہو۔ اسے دیکھ کر میری گردن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ اس رات آشرم میں، میں نے اسے دور ہی سے دیکھا تھا لیکن آج میرے اور اس کے درمیان صرف چند فٹ کا فاصلہ تھا۔

سوامی رگوناتھ کو آشرم میں دیکھ کر میں نے فوراً ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ دنیا کا بدہیئت ترین آدمی تھا اور اب تو اس کی ہیئت کچھ اور بھی بھیانک ہو گئی تھی۔ چہرے پر دائیں طرف رخسار کا گوشت جل گیا تھا جس سے اس کی آنکھ بھی کھنچی کھنچی سی لگ رہی تھی۔ سر کے بال بھی سامنے سے جل چکے تھے۔ کھوپڑی کے پیچھے کی طرف جو بال بچے تھے، ان کی اس نے چٹیا سی بنائی تھی۔ ہندو پنڈتوں اور سادھوؤں میں عام طور پر گنجے سر پر اس قسم کی چوٹیاں دیکھنے میں آتی ہیں۔ اس کا بایاں بازو بھی کندھے کے قریب سے جلا ہوا تھا اور ایک ٹانگ پر بھی جلنے کا نشان نظر آ رہا تھا۔ آشرم میں آتشزدگی والے واقعے کے بعد سے اس کے بارے میں کبھی کچھ نہیں سنا گیا تھا۔ عام خیال تھا کہ وہ بھی اس آگ میں جل کر راکھ ہو چکا ہے۔ اخبارات نے بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

"مجھے پہچانا بالک!" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کی سرخ آنکھیں حلقوں میں سے ابلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"تمہیں پہچاننے کے لیے ذہن پر زور دینے کی ضرورت نہیں۔ تم جیسے شیطان تو پہلی ہی نظر میں پہچان لیے جاتے ہیں لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم اس آگ سے کیسے بچ گئے تھے!" میں نے کہا۔

"شیطان کبھی نہیں مرتا اور بھلا آگ شیطان کو کیسے جلا سکتی ہے۔" رگوناتھ نے کہا "اس رات اور اس کے بعد یہاں جو کچھ بھی ہوا اس کے پیشِ نظر مجھے یہ شہر تو کیا، یہ ملک ہی چھوڑ کر بھاگ جانا چاہیے تھا لیکن میں اس شخص کو نرک میں پہنچائے بغیر یہاں سے کیسے جا سکتا تھا جس نے میرے سنسار کو جلا کر راکھ کر ڈالا تھا۔ میں تو بہت دنوں سے تمہاری تلاش میں تھا مورکھ۔ میں نے بڑی مشکل سے تمہیں ڈھونڈا ہے۔ اب میں تم سے اپنی بربادی کا انتقام لے سکوں گا۔"

"یہ بھول ہے تمہاری رگوناتھ۔" میں نے کہا "تمہارے آدمی ایک ایسی غلطی کر چکے ہیں جس کا انجام تمہارے حق میں بہت بھیانک ہوگا۔ پہلے تو تم بچ گئے تھے لیکن اب نہیں بچ سکو گے۔"

"میرے ان چیلوں نے تمہیں یہاں لانے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ مجھے تلاش تو تمہاری تھی لیکن تمہارے ساتھ یہ ناری..... اسے میں بونس سمجھوں گا۔ میں تو بہت دنوں سے کسی حسین عورت کو دیکھنے کو ترس گیا تھا۔ میرے چیلوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ میں ان سے بہت خوش ہوں۔"

"جس شخص کو یہ ٹیکسی ڈرائیور سمجھ کر چھوڑ آئے ہیں، وہ میرا ساتھی ہے۔ جو کسی بھی وقت یہاں آسکتا ہے اور پھر تم لوگوں کو بھاگنے کا راستہ بھی نہیں ملے گا۔" میں نے کہا۔

رگوناتھ ایک لمحے کو چونکا۔ اس نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھا پھر ایک خوف ناک قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

"شاید تم مجھے بہکانے کی کوشش کر رہے ہو لیکن میں کسی جھانسے میں نہیں آؤں گا۔ آج یہاں ایسا کوئی چمتکار نہیں ہوگا۔ تمہیں بچانے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ تمہیں تو میں ایسی بھیانک سزا دوں گا کہ دیکھنے والے بھی تھرا اٹھیں گے۔ تمہارے جسم کے ٹکڑے پورے شہر میں پھیلا دیے جائیں گے جنہیں سمیٹنا بھی مشکل ہو جائے گا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور ہاتھی کی طرح جھولتا ہوا میری طرف بڑھا "دارا بے وقوف ہے۔ کم عقل اور بزدل بھی۔ اپنے ساتھ اتنی شکتی ہونے کے باوجود وہ اب تک تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکا لیکن میری شکتی دیکھی تم نے؟ کتنی آسانی سے تم میرے قبضے میں آگئے۔ دنیا کی کوئی طاقت اب تمہیں مجھ سے نہیں بچا سکے گی۔ پہلے میں تمہارے کان کاٹوں گا پھر ناک پھر ہونٹ۔ اس کے بعد ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کی باری آئے گی۔ میں ایک ایک انگلی کاٹوں گا جس طرح قسائی بکرے کا ماس کاٹتا ہے۔ بڑا مزہ آئے گا لیکن پہلے میں اس ناری کا گھونٹ تو بھر لوں۔

بڑے دنوں سے پیاسا ہوں۔ آج میری پیاس بھی بجھ جائے گی۔" وہ تھائی کی طرف مڑا۔

تھائی کے چہرے پر خوف کے تاثرات نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے تھے۔ جب سے وہ میرے ساتھ تھی، ہم بڑے بڑے کٹھن مراحل سے گزرے تھے۔ ہم نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا تھا لیکن یہ صورتِ حال بڑی خوف ناک تھی۔ دو آدمی ہم پر رائفلیں تانے کھڑے تھے۔ کچھ کرنے کی کوشش کی جاتی تو وہ کم از کم مجھے گولیوں سے بھون دیتے۔

"یہ تو واقعی بہت سُندر ہے۔" رگوناتھ دو انگلیوں سے تھائی کی ٹھوڑی کو چھوتے ہوئے بولا۔ تھائی ایک قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"اسے ہاتھ مت لگانا راکھشس۔" میں چیخا۔

"ہاں، میں راکھشس ہوں اور کسی راکھشس کو برے کام سے نہیں روکا جاسکتا۔" رگوناتھ نے کہا اور ایک بار پھر تھائی کی طرف توجہ ہوگیا۔

تھائی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہی تھی۔ رگوناتھ نے اچانک ہی اس کی قمیص پر ہاتھ ڈال کر زوردار جھٹکا دیا۔ قمیص پھٹ گئی۔ تھائی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ میں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو ایک گن مین نے رائفل کی نال میرے پہلو سے لگا دی۔

"اگر تم نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو بھون کر رکھ دوں گا۔" وہ غرایا۔

میری مٹھیاں بھنچ گئیں۔ رگوناتھ نے تھائی کی پھٹی ہوئی قمیص کھینچ کر اس کے جسم سے الگ کردی اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے مکروہ ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ تھائی پیچھے ہٹتی ہوئی دیوار سے جا لگی تھی۔ رگوناتھ آگے بڑھا اور تھائی کو دبوچ لیا۔ تھائی اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی اور اسی جدوجہد میں اس نے رگوناتھ کی کلائی پر دانت گاڑ دیے۔ رگوناتھ بلبلا اٹھا اور تھائی کو اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑانے کا موقع مل گیا۔ رگوناتھ پھر اس کی طرف لپکا۔

میں نے ایک بار پھر اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی مگر گن مین نے رائفل سے میرے پہلو میں کچوکا دیا۔ میں بے بس ہو کر رہ گیا۔ میری مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ غصے کی شدت سے دانت بھی اس طرح بھینچ گئے تھے کہ جبڑوں میں درد ہونے لگا تھا۔

تھائی اپنے آپ کو بچانے کے لیے کمرے میں اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی اور رگوناتھ دونوں ہاتھ پھیلائے اس طرح بار بار اس کی طرف لپک رہا تھا جیسے مرغی پکڑنے کی کوشش کررہا ہو۔ دونوں گن مین قہقہے لگا رہے تھے اور میرا خون کھول رہا تھا۔

بالآخر تھائی رگوناتھ کی گرفت میں آگئی۔ میں نے ایک مرتبہ پھر آگے بڑھنے کی کوشش کی تو سامنے کھڑے ہوئے گن مین نے رائفل کی نال جھکا کر ٹریگر دبا دیا۔ کمرا "تڑتڑاہٹ" کی آواز سے گونج اٹھا۔ کئی گولیاں میرے پیروں کے قریب فرش پر لگی تھیں۔ میں اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"اب اگر کوئی حرکت کی تو گولیاں تمہارے جسم میں لگیں گی۔" گن مین غرایا۔

میں غصے میں کانپ رہا تھا۔ تھائی کی چیخیں میری سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ میری قوتِ برداشت جواب دے رہی تھی۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو قریب کھڑے ہوئے گن مین نے میرے کولھے پر اس زور سے لات ماری کہ میں لڑکھڑا کر رگوناتھ کے قریب فرش پر گرا۔ میری دائیں ٹانگ مڑگئی تھی۔ رگوناتھ کسی خوں خوار بھیڑیے کی طرح تھائی کو بھنبھوڑ رہا تھا اور تھائی چیخ رہی تھی۔

فرش سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے میری نظر اپنی مڑی ہوئی ٹانگ پر پڑی اور اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ میں نے اس طرح پنڈلی پر ہاتھ رکھ لیا جیسے ٹانگ سیدھی کرنا چاہتا ہوں اور پھر بڑی صفائی سے میں نے پتلون کے پائنچے میں ہاتھ ڈال کر پنڈلی پر فیتے سے بندھا ہوا خنجر کھینچ لیا۔

خنجر ہاتھ میں آتے ہی میں کسی طاقت ور اسپرنگ کی طرح اچھل کر رگوناتھ کی پشت پر پہنچ گیا اور بائیں بازو سے اس کی گردن پر نیک لاک لگا کر خنجر اس کے نرخرے پر رکھ دیا۔

"اب اگر تم میں سے کسی نے حرکت کی تو اس کا گلا کاٹ دوں گا۔" میں چیخا "تم دونوں اپنی رائفلیں پھینک دو۔"

یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ وہ دونوں گن مین کچھ بھی نہیں سمجھ سکے تھے۔ انہیں شاید اس کی توقع بھی نہیں تھی کہ دو رائفلوں کی زد پر ہونے کے باوجود میں کوئی ایسی خطرناک حرکت کروں گا لیکن رگوناتھ کو میری گرفت میں دیکھ کر وہ دونوں بدحواس ہوگئے۔ ایک نے تو رائفل کا رخ میری کھوپڑی کی طرف کردیا تھا۔

"ان سے کہو ہتھیار پھینک دیں ورنہ میں تمہارا گلا کاٹ دوں گا۔" میں رگوناتھ کے کان کے قریب چیخا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے خنجر کی نوک سے اس کے سینے پر تقریباً چار انچ لمبی لکیر کھینچ دی اور خنجر کی دھار دوبارہ اس کے نرخرے پر رکھ دی۔ سینے پر اس کی موٹی کھال پر صرف خراش آئی تھی جس سے خون رسنے لگا تھا۔ وہ بُری طرح چیخنے لگا۔

"میں تمہارا گلا کاٹ دوں گا۔ ان سے کہو ہتھیار پھینک دیں۔" میں ایک بار پھر چیخا۔

"پھینک دو۔ پھینک دو..... بندوقیں پھینک دو۔" رگوناتھ کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

انہوں نے رائفلیں پھینک دیں۔

"تم دونوں اس دیوار کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوجاؤ۔ دونوں ہاتھ سر سے اوپر دیوار پر ہونے چاہئیں لیکن اس سے پہلے تم اپنی قمیصیں اتار کر اس طرف پھینک دو۔ جلدی کرو۔" میں نے کہا۔

میں نے قمیص اتارنے کے لیے لمبے قد والے کو آنکھوں سے اشارہ کیا تھا۔

میں نے تھائی کی طرف دیکھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ اس نے اپنے دونوں بازو برہنہ سینے پر لپیٹ رکھے تھے۔ لمبے قد والے نے قمیص اتار کر ایک طرف پھینک دی۔ وہ دونوں دیوار کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے ہاتھ دیوار پر ٹکا دیے تھے۔ میں نے تھائی کو اشارہ کیا۔ اس نے اس آدمی کی قمیص اٹھا کر پہن لی اور دونوں رائفلیں اٹھالیں۔ ایک رائفل اس نے کندھے پر لٹکالی تھی اور دوسری دونوں ہاتھوں میں سنبھال لی تھی۔

"اب کہاں گئی تمہاری شکتی رگوناتھ؟" میں نے اس کی گردن پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

"تم یہ مت سمجھو کہ یہاں سے بچ کر جاسکو گے۔" رگوناتھ نے کہا اور اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

میں نے خنجر اس کے گلے سے ہٹالیا تھا۔ اسے پلٹتے دیکھ کر میں نے خنجر کی نوک اس کے دائیں بازو کے مسل پر کھینچ دی۔ اس مرتبہ میں نے پوری قوت استعمال کی تھی۔ تقریباً نصف انچ گہرے اور پانچ انچ لمبے گھاؤ نے اسے چیخنے پر مجبور کردیا تھا۔ وہ بُری طرح مچل رہا تھا۔ میں نے بایاں بازو اب بھی اس کی گردن میں لپیٹا ہوا تھا۔ میرے بازو کی تکلیف ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔ قوت آزمائی سے بازو میں درد شروع ہوگیا تھا۔

سوامی رگوناتھ گینڈے کی طرح طاقت ور تھا۔ اپنے بازو پر گھاؤ کی تکلیف سے وہ بری طرح اچھل رہا تھا اور ایک مرتبہ جب وہ آگے کو جھکا تو میں اس کے اوپر سے الٹی قلابازی کھاتا ہوا پشت کے بل آگے کو جا گرا۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا کمرا "تڑتڑاہٹ" کی آواز سے گونج اٹھا۔

رگوناتھ مجھے گرفت میں لینے کے لیے لپکا تھا مگر تھائی نے فائر کھول دیا تھا۔ اس کی دونوں ٹانگوں پر کئی گولیاں لگیں اور وہ فرش پر مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ میں نے تھائی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نفرت کا طوفان امڈ رہا تھا۔

"میں چاہوں تو تمہارا پورا جسم گولیوں سے چھلنی کردوں۔" تھائی کے لہجے میں بھی بے پناہ نفرت تھی "لیکن موت کے گھاٹ اتار دینا کوئی سزا نہیں۔ سزا تو ایسی ہو جیسے آدمی زندگی بھر یاد رکھے اور میں تمہیں ایسی ہی سزا دوں گی۔" اس نے ایک بار پھر رائفل کا ٹریگر دبا دیا۔ اس مرتبہ گولیوں نے رگوناتھ کا دایاں بازو چھلنی کردیا۔ "تم مروگے نہیں۔" وہ غرائی "تمہارے یہ غلیظ ہاتھ آئندہ کسی عورت کو نہیں چھو سکیں گے۔" اس نے دوسرا برسٹ رگوناتھ کے بائیں بازو پر مارا۔

رگوناتھ کی چیخوں سے کمرا گونج رہا تھا۔ اس کے دونوں بازوؤں اور دونوں ٹانگوں سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ فرش پر بچھا ہوا قالین اس کے خون سے تر ہورہا تھا۔

اس وسیع و عریض کمرے میں تقریباً آدھے گھنٹے سے ہنگامہ جاری تھا۔ پہلے تھائی چیخ رہی تھی، پھر اس گن مین نے میرے پیروں کے قریب رائفل کا برسٹ مارا تھا۔ ان دونوں گن مینوں کے قہقہے گونج رہے تھے پھر تھائی نے رائفل کے تین برسٹ چلائے تھے اور اب رگوناتھ کی چیخیں گونج رہی تھیں لیکن باہر سے کسی قسم کی مداخلت نہیں ہوئی تھی۔ میرے اندازے کے مطابق باہر کم از کم دو آدمی موجود تھے۔ ایک وہ جو ہمارے ساتھ کار ڈرائیو کرکے یہاں لایا تھا اور دوسرا وہ جس نے گیٹ کھولا تھا لیکن ان میں سے کسی نے بھی دروازے سے جھانک کر صورتِ حال معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی تھی کہ وہ لوگ غالباً مطمئن تھے کہ میں اور تھائی نہتے تھے اور کچھ نہیں کرسکتے تھے یا پھر یہ کمرا ساؤنڈ پروف تھا اور اندر کی کوئی آواز باہر نہیں جاسکتی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی تو میرے دوسرے خیال کی تصدیق ہوگئی۔ اس کمرے میں کوئی روشن دان یا کھڑکی وغیرہ نہیں تھی صرف وہی ایک دروازہ تھا جس سے ہم اندر آئے تھے اور وہ دروازہ بند تھا۔

وہ دونوں آدمی اب بھی دیوار پر ہاتھ ٹکائے کھڑے تھے لیکن وہ دونوں پیچھے مڑکر دیکھ رہے تھے۔ سوامی رگوناتھ کا حشر دیکھ کر ان کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔ میرا اشارہ پاکر وہ دونوں سیدھے ہوگئے۔

"تم میں سے کوئی بتا سکتا ہے، دارا کہاں چھپا ہوا ہے؟" میں نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

"وہ پیڈرو کے پاس ہے۔" یہ جواب اس شخص نے دیا تھا جس کی شرٹ اب تھائی نے پہن رکھی تھی "سوامی جی اپنی تباہی کا ذمے دار اسی کو سمجھتے ہیں۔ اس سے پہلے سارے معاملات ٹھیک ٹھاک چل رہے تھے۔ وہ لوگوں کو دھمکیاں دینے لگا تھا اور انہیں کھل کر بلیک میل کرنے لگا تھا۔ وہ تو شاید سوامی جی کو بھی بلیک میل کررہا تھا۔ کیونکہ سوامی جی بلاچون و چرا اس کی ہر بات مانتے تھے۔ آشرم میں بڑے بڑے لوگ آتے تھے۔ کسی نے کبھی سوامی جی سے اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی لیکن دارا تو سوامی جی کو گالیاں بھی دیتا تھا تو وہ خاموش رہتے تھے اور پھر اس رات تم لوگوں نے وہاں ہنگامہ کردیا۔ سوامی جی کا خیال تھا کہ نہ دارا وہاں آتا اور نہ تم لوگ وہاں آکر ہنگامہ کرتے۔ ہم سوامی جی کو بڑی مشکل سے وہاں سے نکال لانے میں کامیاب ہوسکے تھے۔ کئی روز تک تو ہم لوگ وہاں سے آگے بہت دور قدیم شہر کے کھنڈروں میں پڑے رہے اور پھر ہم یہاں آگئے۔ ہم شہر میں تمہیں اور دارا کو تلاش کرتے رہے۔ دارا کو تو پیڈرو نے کہیں چھپا رکھا ہے۔ اور آج اتفاق سے ہم نے تمہیں اس ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ دیکھ لیا اور پھر تم لوگوں پر قابو پانے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔"

"اور اب تم لوگ ہمارے قابو میں ہو۔" میں نے کہا "اب تم

دونوں ایک بار پھر اس دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ ہم یہ دروازہ باہر سے بند کردیں گے۔ بعد میں تمہارے ساتھی تمہیں اس قید سے نجات دلا دیں گے۔"

میں نے تھائی سے ایک رائفل لے لی اور دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ راہداری میں کوئی نہیں تھا۔ میں اس دروازے سے باہر نکلا ہی تھا کہ کمرے کے اندر سے پستول کے سنگل شاٹ کی آواز سنائی دی اور پھر دوسرے ہی لمحے تھائی کی رائفل شعلے اگلنے لگی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہی آدمی ڈھیر ہو چکا تھا جس کے بدن پر قمیص نہیں تھی۔ اس کے بدن پر کئی جگہوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تھائی کا پستول تھا۔ ہم سے غلطی یہ ہوئی کہ ان کی تلاشی نہیں لی تھی اور موقع پا کر اس نے تھائی پر گولی چلا دی تھی۔ تھائی تو بچ گئی تھی لیکن وہ خود اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔

دوسرا آدمی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ تھائی نے دوڑ کر مرنے والے کے ہاتھ سے اپنا پستول جھپٹا اور دروازے کی طرف بھاگی۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس مرتبہ فائرنگ کی آواز باہر بھی سنائی دی تھی۔ ایک آدمی ہال کی طرف سے دوڑتا ہوا راہداری کے سامنے آگیا۔ یہ وہی آدمی تھا جس نے کار ڈرائیو کے فرائض انجام دیے تھے۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ میں نے اس کے پیروں کے قریب زمین پر برسٹ مارا۔ وہ چیختا ہوا اچھل پڑا۔ پستول پھینک دیا اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔

تھائی نے کمرے سے باہر آکر دروازہ بند کر کے کنڈا لگا دیا اور ہم دونوں اس آدمی کو رائفلوں کی زد میں لے کر ہال میں آگئے۔

"تمہارا وہ ساتھی کہاں ہے جس نے گیٹ کھولا تھا۔" میں نے رائفل کی نال اس شخص کے سینے کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا۔

"وہ ہمارے آنے کے تھوڑی دیر بعد چلا گیا تھا۔ یہاں اب میرے سوا اور کوئی نہیں ہے اور وہ لوگ....." وہ راہداری کی طرف دیکھنے لگا۔ میں سمجھ گیا اس کا اشارہ کس طرف تھا۔

"ایک مر چکا ہے۔ دوسرا زندہ ہے اور تمہارا سوامی بے ہوش پڑا ہے۔ ہمارے جانے کے بعد اسپتال پہنچا دینا۔ وہ مرے گا نہیں لیکن اسے ٹریٹ منٹ کی ضرورت ہے۔ گاڑی کی چابی کہاں ہے؟" میں نے کھلے ہوئے دروازے سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔ گاڑی پورچ میں کھڑی نظر آرہی تھی۔

"چابی گاڑی ہی میں لگی ہوئی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"چلو۔ باہر کا گیٹ کھولو۔" میں نے حکم دیا۔

وہ بلا چون و چرا ہمارے آگے چل پڑا۔ ہم اب جلد سے جلد یہ اس سے نکل جانا چاہتے تھے۔ آخری مرتبہ میں نے راہداری میں اس شخص کے پیروں کے قریب فائرنگ کی تھی اور فائرنگ کی آواز دور تک سنی گئی ہوگی۔

تھائی گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی اور میں رائفل سنبھالے گیٹ کے قریب آگیا تھا تاکہ وہ شخص کوئی شرارت نہ کرسکے۔ تھائی گاڑی کو ریورس گیئر میں گیٹ سے نکال کر گلی میں لے آئی۔ میں جلدی سے پسنجرز سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور تھائی نے گاڑی کا رخ سیدھا کر کے اسے تیزی سے دوڑا دیا۔

ہم واٹ ٹریمٹ پہنچے تو وہاں سے پتا چلا کہ سب لوگ چاٹا ٹاؤن والے جمنازیم میں ہیں۔ مہاراج بھی وہیں گئے ہیں۔ یہ بدھ عبادت گاہ بھی چاٹا ٹاؤن ہی کے علاقے میں تھی اور جمنازیم وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہمیں وہاں پہنچنے میں سات آٹھ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

اس وقت اگرچہ رات کا ایک بج چکا تھا۔ اس کے باوجود جمنازیم والی گلی میں بڑا ہجوم لگا ہوا تھا۔ گانگ کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی تھی اور پورے شہر سے مہاراج کے کیمپ سے تعلق رکھنے والے لوگ وہاں جمع ہو رہے تھے۔ گاڑی کو جمنازیم کے گیٹ تک لے جانا ممکن نہیں تھا۔ ہم نے گاڑی ایک طرف روک لی اور رائفلیں اٹھا کر پیدل ہی آگے چلنے لگے۔ لوگ ہمیں خود بخود راستہ دیتے جا رہے تھے۔

ماسٹر ہوچن ہمیں دیکھ کر اچھل پڑا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اسے ہمارے اغوا کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ مجھے فوراً ہی مہاراج کے پاس لے گیا۔ مہاراج بھی مجھے دیکھ کر چونک گئے۔ میں نے مہاراج کو بو (مارشل آرٹس میں تعظیم دینا) کیا اور دونوں ہاتھ پہلوؤں میں لٹکا کر کھڑا ہو گیا۔ اپنی رائفل میں نے تھائی کو دے دی تھی۔

"میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ تم اپنے دشمنوں کو شکست دے کر آئے ہو۔ کون تھے وہ لوگ؟" مہاراج نے پوچھا۔

"سوامی رگوناتھ کے آدمی تھے۔" میں نے جواب دیا "وہ لوگ ہمیں سوئے تلاد کے ایک عالی شان بنگلے میں لے گئے تھے جہاں سوامی رگوناتھ بھی موجود تھا۔ وہ مجھے اپنے آشرم کی تباہی اور اپنی بربادی کا ذمے دار سمجھتا تھا اور مجھے قتل کرنا چاہتا تھا۔ میرے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے اس نے تھائی پر دست درازی کی۔ اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی۔ اس دوران میں مجھے موقع مل گیا۔ تھائی نے رگوناتھ کی ٹانگیں اور بازو چھلی کر دیے لیکن جب ہم وہاں سے نکلے تو وہ اس وقت تک زندہ تھا۔ تاہم ہم ایک لاش بھی وہاں چھوڑ کر آئے ہیں۔"

"تمہارے اغوا کی اطلاع ملتے ہی تین چار پارٹیاں تم لوگوں کی تلاش میں روانہ ہو گئی تھیں۔ ٹیکسی ڈرائیور نے اس کار کا نمبر بتا دیا تھا جس میں تم لوگوں کو اغوا کر کے لے جایا گیا تھا لیکن میرا خیال ہے وہ کار کئی روز تک سڑکوں پر نظر نہیں آئے گی۔" مہاراج نے کہا۔

"وہ کار اس وقت ہمارے قبضے میں ہے مہاراج۔" میں نے کہا۔

"وہاں سے نکلنے کے لیے ہمیں یہی ایک سواری مل سکی تھی۔ وہ کار گلی کے موڑ پر کھڑی ہے۔"

"اوہ۔" مہاراج کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ چند لمحے میری طرف دیکھتے رہے پھر ماسٹر ہوچن کو اشارہ کیا۔ ماسٹر ہوچن نے ایک اور لڑکے کو اشارہ کردیا۔ وہ سر ہلاتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔

"مجھے گانگ کی موت کا افسوس ہے مہاراج۔" میں نے کہا "میں نے سنا ہے کہ اسے پیڈرو کے بھائی سامی نے قتل کیا ہے۔ میں جب تک سامی کو تڑپا تڑپا کر نہیں ماروں گا، مجھے چین نہیں آئے گا۔"

"یہاں پر موجود ہر لڑکے نے یہی عہد کیا ہے کہ وہ گانگ کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لے گا لیکن تمہیں کس نے بتایا کہ گانگ کو سامی نے قتل کیا ہے؟" مہاراج نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"اسی ٹیکسی ڈرائیور نے۔" میں نے جواب دیا "وہ ٹیکسی ڈرائیور نہیں ہے مہاراج، وہ دراصل رامن پرساد کا دوست ہے۔ اسی کی طرح قابلِ اعتماد اور وفادار۔ وہ میرے لیے کام کر رہا ہے۔ وہ دارا اور پیڈرو کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے سن شائن کیسینو گیا تھا۔ اس نے مجھے فون پر اطلاع دی تھی اور میں وہاں پہنچ گیا تھا۔ کھدر بھی وہاں گیا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں مجھے کوئی اطلاع نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے؟"

"وہ تمہارے بنگلے پر پہنچ چکا ہے۔ اب تم بھی جاؤ اور اپنا خیال رکھو۔ تمہارے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔" مہاراج نے کہا۔

"گانگ کی آخری رسومات مہاراج ....." میں نے کہا "میں اس کی آخری رسومات میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔"

"تمہاری طرف سے پھول چڑھا دیے جائیں گے۔" مہاراج نے کہا۔

میں سمجھ گیا کہ مہاراج اب نہیں چاہتے تھے کہ میں زیادہ دیر وہاں رکوں۔ انہوں نے ماسٹر ہوچن کو اشارہ بھی کردیا تھا۔ ماسٹر ہوچن نے میرے بازو کو پکڑ کر ہلکا سا جھٹکا دیا۔ میں نے مہاراج کو بو کیا اور تھائی کو اشارہ کرتا ہوا ماسٹر ہوچن کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔

جمنازیم کے اندر اور باہر گلی میں جمع لڑکوں میں بڑا جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ ہر ایک کے پاس کوئی نہ کوئی ایسی چیز تھی جسے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔

گلی کے موڑ پر وہ کار موجود نہیں تھی۔ ماسٹر ہوچن ہمیں لے کر پچھلی گلی میں آگیا۔ وہاں تین چار گاڑیاں کھڑی تھیں اور کئی لڑکے بھی موجود تھے۔ ماسٹر ہوچن نے ایک لڑکے کو بلا کر کچھ کہا اور میری طرف مڑ کر بولا۔

"دو تین دن تمہیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ تم لوگ اپنے بنگلے سے باہر نہیں نکلو گے۔ تمہیں خبریں ملتی رہیں گی۔"

میں نے ماسٹر ہوچن کو بو کیا اور اس لڑکے کے ساتھ ایک وین میں بیٹھ گیا۔ چار اور لڑکے بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے تھے۔ وین حرکت میں آئی اور گلی سے نکل کر مختلف سڑکوں پر دوڑنے لگی۔

وین نے پھر اپوک کلاڈ برج سے دریا پار کیا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر یہ سڑک میموریل برج والی سڑک سے مل گئی۔ یہاں دراصل دریا پر دو پل تھے جو اس کنارے سے انگریزی کے حرف "وی" کی شکل میں دوسرے کنارے پر مختلف سمتوں کی طرف جانے والی سڑکوں سے مل جاتے تھے۔

ہمیں ٹاکسن اسکوائر کی طرف نہیں جانا پڑا اور پھر مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وین ایک گلی میں داخل ہو کر ڈاکٹر جانکی والے بنگلے کے سامنے ہی رکی تھی۔

"تمہیں کیسے پتا کہ ہماری منزل یہ بنگلا ہی ہے؟" میں نے وین ڈرائیو کرنے والے لڑکے سے پوچھا۔

"مہاراج نے تمہاری حفاظت کا بہت معقول بندوبست کر رکھا ہے ٹسٹل ماسٹر۔" لڑکے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ہمارے کیمپ کی ایک مخصوص پارٹی کا کوئی نہ کوئی لڑکا چوبیس گھنٹے بنگلے کے آس پاس موجود رہتا ہے۔"

یہ میرے لیے واقعی ایک دلچسپ انکشاف تھا۔

بنگلے کا گیٹ سکھدر نے کھولا تھا۔ ہم اندر داخل ہوئے تو ہماری آواز سن کر پرساد نوتیا اور جانکی بھی برآمدے میں آگئے تھے۔ ہمارے ہاتھوں میں رائفلیں دیکھ کر ان تینوں کے چہروں پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"تم لوگوں کے اغوا کی خبر سن کر تو ہم پریشان ہو گئے تھے۔" جانکی نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تھوڑی دیر پہلے ماسٹر ہوچن نے خیریت کی اطلاع دی تو ہمیں سکون ملا۔"

"اوہ۔" میں نے کہا "تم لوگوں کو ہماری واپسی کی خبر مل گئی تھی اسی لیے اطمینان سے کھڑے ہو۔"

"واہ۔" جانکی نے اٹھلا کر کہا "اتنی دیر تک جو سولی پر ٹنگے رہے وہ کسی شمار میں ہی نہیں۔ یہ پرساد تو تم لوگوں کی تلاش میں نکل رہا تھا، ہم نے بڑی مشکل سے اسے روکا تھا۔"

"اچھا۔ ہم سب سے پہلے تو کافی پینا پسند کریں گے۔ اس کے بعد کوئی اور بات ہوگی۔" میں نے ہال میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ رائفل میں نے دیوار کے ساتھ ٹکا دی تھی۔

تھائی وہاں رکے بغیر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ وہ تقریباً بیس منٹ بعد باہر نکلی۔ اس نے نہا کر کپڑے بدل لیے تھے۔ جب سے رگوناتھ نے اس کے بدن کو چھوا تھا وہ ایک عجیب سی گھن محسوس کرتی رہی تھی۔ اس بنگلے سے واٹ ٹریمٹ کی طرف جاتے ہوئے وہ راستے میں کئی بار اس کراہت کا اظہار کر چکی تھی۔

اس دوران میں جانکی کافی بنا کر لے آئی اور تھائی وانگ انہیں انغوا اور وہاں سے فرار کی تفصیل بتانے لگی۔ اس وقت سکھدر بھی ہمارے پاس موجود تھا اور وہ بڑی توجہ سے باتیں سن رہا تھا۔ تھائی نے جب رگوناتھ کی دست درازی کا ذکر کیا تو اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر اس وقت رگوناتھ کہیں سامنے ہوتا تو سکھدر اس کی گردن مروڑ دیتا۔

"وہ راکھشس ابھی زندہ ہے۔ میں تو سمجھتی تھی کہ شاید وہ اپنے آشرم کی آگ میں جل کر راکھ ہوگیا ہوگا۔" جانکی تھائی کے خاموش ہونے پر بولی۔

"ایسے لوگ آسانی سے نہیں مرتے۔" تھائی نے جواب دیا "وہ زندہ تو اب بھی رہے گا لیکن اب وہ کسی عورت کو ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔"

اور اس کی تفصیل میں نے بتائی تھی کہ رگوناتھ اب کسی عورت کو ہاتھ کیوں نہیں لگا سکے گا۔

"اوہ۔" جانکی بولی "تو گویا تم میں اتنا حوصلہ پیدا ہوگیا ہے کہ کسی کو خاک و خون میں لوٹا سکو؟"

"میں بزدل کب تھی؟" تھائی نے اسے گھورا۔

"ہاں۔ یہ بات تو درست ہے کہ اگر تم بزدل ہوتیں تو آج زندہ بھی نہ ہوتیں۔" جانکی نے کہا۔

نوینا اور پرساد بھی خاموشی سے ہماری باتیں سن رہے تھے۔ جب تھائی اور جانکی کی نوک جھوک ختم ہوگئی تو پرساد نے سکھدر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"سکھدر کے پاس ایک دلچسپ اطلاع ہے۔ میرا خیال ہے اگر ہم کل کسی طرح اس کی تصدیق کرلیں تو پرسوں یا اس سے اگلے روز ایکشن کرسکتے ہیں۔"

"اور وہ اطلاع شاید یہ ہے کہ گانگ کو پیڈرو کے بھائی سوامی نے قتل کیا ہے۔" میں نے یہ کہتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے سکھدر کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" سکھدر نے اثبات میں سر ہلایا "سن شائن کیسینو میں داخل ہونے کے چند منٹ بعد میں نے پیڈرو کے چھوٹے بھائی کو داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اس کے دو منٹ بعد گانگ بھی کیسینو میں داخل ہوا اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد اوپر والے ہال میں چلا گیا۔ مجھے کسی گڑبڑ کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ میں کسی ہنگامے کا مختصر تھا اور اپنے آپ کو صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے بالکل تیار کرلیا تھا۔ تقریباً تین منٹ بعد اوپر والے ہال سے گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی اور اس کے فوراً ہی بعد کوئی شخص میڑھیوں پر لڑھکتا ہوا نیچے آن گرا۔ اس کے جسم کے مختلف حصوں سے خون بہہ رہا تھا۔ میں زینے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ زینے سے گرنے والے شخص کا چہرہ دیکھتے ہی میں چونک گیا۔ وہ گانگ تھا۔

اسے تین گولیاں لگی تھیں۔ ایک پیشانی پر اور دو سینے پر۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "میں نے فوراً ہی زینے کی طرف چھلانگ لگا دی اور اوپر والے ہال میں پہنچ گیا۔ وہاں بھی رولٹ مشینیں وغیرہ لگی ہوئی تھیں لیکن اس وقت وہاں بھگدڑ سی مچی ہوئی تھی۔ عورتیں بری طرح چیخ رہی تھیں۔ کچھ لوگ زیریں ہال کی طرف دوڑنے لگے اور کچھ عقبی زینے کی طرف۔

"اس ہال کے ایک حصے میں کیسینو کا دفتر بھی ہے۔ میں نے سامی کو دفتر والی راہداری کی طرف بھاگتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ گانگ کو اسی نے قتل کیا تھا۔ میں سامی کے پیچھے لپکا لیکن اس دوران میں وہ منیجر کے دفتر میں گھس چکا تھا۔ اس نے دروازہ اندر سے بولٹ کرلیا تھا۔ میں دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا لیکن کامیاب نہیں ہوسکا اور بالآخر میں نے کندھے سے ٹکریں مار کر دروازہ توڑ دیا لیکن کمرا خالی تھا۔ دوسری طرف ایک اور دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اس طرف لپکا۔

"وہ تنگ سا زینہ تھا۔ میں سیڑھیوں پر دوڑتا ہوا عقبی گلی میں پہنچ گیا۔ سامی تقریباً پچاس گز آگے ایک کار میں بیٹھ رہا تھا۔ میں کار کی طرف دوڑا لیکن وہ کار بڑی تیزی سے وہاں سے روانہ ہوچکی تھی۔ میری کار دوسری طرف کھڑی تھی۔ میں دوڑتا ہوا اپنی کار تک پہنچ گیا اور جب میں کار ڈرائیو کرتے ہوئے اوپر سے گھوم کر مین روڈ پر آیا تو سامی کی کار غائب ہوچکی تھی۔ مجھے بہرحال اندازہ تھا کہ وہ کہاں گیا ہوگا۔ میں نے اپنی کار سوکھم واٹ روڈ کی طرف دوڑا دی۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ سامی کی کار سوکھم وٹ سوئے ٹونی سکس پر واقع کلب ٹونی سکس کے پارکنگ لاٹ پر موجود تھی۔ میں اپنی کار سے اتر کر کلب میں داخل ہوگیا۔ وہاں صورت حال معمول کے مطابق تھی۔ لوگ انجوائے کررہے تھے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہاں کھلبلی سی مچ گئی۔ پیڈرو کے گرگے اِدھر اُدھر پوزیشن سنبھال رہے تھے۔ مجھے یقین ہوگیا کہ پیڈرو بھی وہیں پر موجود تھا۔ سامی نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا اور پیڈرو نے کسی ناخوشگوار صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے انتظامات شروع کردیے تھے۔

"میں تقریباً ایک گھنٹا وہاں رہا اور پھر مجھے پتا چلا کہ سامی کو پچھلے دروازے سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا گیا ہے۔ میں نے کلب کے باہر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے مہاراج کو فون کیا۔ انہوں نے بتایا کہ انہیں گانگ کے قتل کی اطلاع مل چکی ہے۔ مجھے دو تین سے دور ہی رہنے کے لیے کہا گیا تھا۔ میں نے یہاں فون کیا تو پتا چلا کہ تم بھی میڈم تھائی کے ساتھ سن شائن کیسینو کی طرف جاچکے ہو۔ میں نے کیسینو کی طرف دوڑ لگا دی اور پھر تمہیں ماسٹر ہوچن کے ساتھ دیکھ کر میں مطمئن ہوگیا۔ بعد میں، میں نے تم دونوں کو پاتھم کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ اب تم

لوگ واپس گھر ہی جاؤ گے۔ میں ایک مرتبہ پھر کلب ٹونی سکس پہنچ گیا لیکن وہاں کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔ میں تقریباً ایک گھنٹا وہاں رہا پھر واپس آگیا۔ یہاں آکر پتا چلا کہ تم دونوں کو اغوا کرلیا گیا ہے۔ پاتھم واپس آگیا۔ وہاں بھی رولٹ مشینیں وغیرہ لگی ہوئی تھیں لیکن اس وقت وہاں بھگدڑ سی مچی ہوئی تھی۔ عورتیں بری طرح چیخ رہی تھیں۔ کچھ لوگ زیریں ہال کی طرف دوڑنے لگے اور کچھ عقبی زینے کی طرف۔

"اس ہال کے ایک حصے میں کیسینو کا دفتر بھی ہے۔ میں نے سامی کو دفتر والی راہداری کی طرف بھاگتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ گانگ کو اسی نے قتل کیا تھا۔ میں سامی کے پیچھے لپکا لیکن اس دوران میں وہ منیجر کے دفتر میں گھس چکا تھا۔ اس نے دروازہ اندر سے بولٹ کرلیا تھا۔ میں دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا لیکن کامیاب نہیں ہوسکا اور بالآخر میں نے کندھے سے ٹکریں مار کر دروازہ توڑ دیا لیکن کمرا خالی تھا۔ دوسری طرف ایک اور دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اس طرف لپکا۔

"وہ تنگ سا زینہ تھا۔ میں سیڑھیوں پر دوڑتا ہوا عقبی گلی میں پہنچ گیا۔ سامی تقریباً پچاس گز آگے ایک کار میں بیٹھ رہا تھا۔ میں کار کی طرف دوڑا لیکن وہ کار بڑی تیزی سے وہاں سے روانہ ہوچکی تھی۔ میری کار دوسری طرف کھڑی تھی۔ میں دوڑتا ہوا اپنی کار تک پہنچ گیا اور جب میں کار ڈرائیو کرتے ہوئے اوپر سے گھوم کر مین روڈ پر آیا تو سامی کی کار غائب ہوچکی تھی۔ مجھے بہرحال اندازہ تھا کہ وہ کہاں گیا ہوگا۔ میں نے اپنی کار سوکھم واٹ روڈ کی طرف دوڑا دی۔ میرا اندازہ درست نکلا۔ سامی کی کار سوکھم وٹ سوئے ٹونی سکس پر واقع کلب ٹونی سکس کے پارکنگ لاٹ پر موجود تھی۔ میں اپنی کار سے اتر کر کلب میں داخل ہوگیا۔ وہاں صورت حال معمول کے مطابق تھی۔ لوگ انجوائے کررہے تھے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہاں کھلبلی سی مچ گئی۔ پیڈرو کے گرگے اِدھر اُدھر پوزیشن سنبھال رہے تھے۔ مجھے یقین ہوگیا کہ پیڈرو بھی وہیں پر موجود تھا۔ سامی نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا اور پیڈرو نے کسی ناخوشگوار صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے انتظامات شروع کردیے تھے۔

"میں تقریباً ایک گھنٹا وہاں رہا اور پھر مجھے پتا چلا کہ سامی کو پچھلے دروازے سے نکال کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا گیا ہے۔ میں نے کلب کے باہر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے مہاراج کو فون کیا۔ انہوں نے بتایا کہ انہیں گانگ کے قتل کی اطلاع مل چکی ہے۔ مجھے دو تین سے دور ہی رہنے کے لیے کہا گیا تھا۔ میں نے یہاں فون کیا تو پتا چلا کہ تم بھی میڈم تھائی کے ساتھ سن شائن کیسینو کی طرف جاچکے ہو۔ میں نے کیسینو کی طرف دوڑ لگا دی اور پھر تمہیں ماسٹر ہوچن کے ساتھ دیکھ کر میں مطمئن ہوگیا۔ بعد میں، میں نے تم دونوں کو پاتھم کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ اب تم

میں اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب سی مسکراہٹ آگئی۔ میں ایک جھٹکے سے سیدھا ہوگیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا برآمدے والا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

باہر کی ٹھنڈی اور خنک فضا میں شبنم آلود گھاس پر ٹہلتے ہوئے بھی میری کنپٹیاں سلگ رہی تھیں۔ میں بار بار دونوں ہتھیلیوں سے کنپٹیاں سہلا رہا تھا۔ پتا نہیں مجھے کیا ہوگیا تھا۔ پچھلے چند روز سے میں اپنے آپ میں ایک عجیب سی تبدیلی محسوس کرنے لگا تھا۔ کبھی کبھی مجھے یوں لگتا جیسے میرے اندر کوئی ہلچل سی مچ رہی ہو۔ کوئی طوفان سر اٹھانے کی کوشش کررہا ہو۔ ایسے موقع پر میری سانس بے قابو ہوجاتی۔ کنپٹیاں سلگنے لگتیں اور دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگتیں اور پھر ایک میٹھا سا درد میرے پورے جسم میں پھیلتا چلا جاتا۔

تھائی وانگ، جانکی اور نوینا کو کئی مرتبہ میں نے ایسی حالت میں دیکھا تھا لیکن میرے سینے میں کوئی امنگ نہیں مچلی تھی۔ سانس بے قابو نہیں ہوئی تھی۔ سینے میں ایسا میٹھا میٹھا سا درد نہیں جاگا تھا لیکن چند روز سے یہ تبدیلی میرے لیے پریشان کن تھی۔

میں دیر تک لان میں ٹہلتا رہا۔ اس دوران میں، میں نے جانکی کے کمرے کی بتی جلتے ہوئے دیکھی۔ وہ ہال سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ باہر گلی میں لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوچکی تھی۔ ایک دو گاڑیوں کے گزرنے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ میں لان سے نکل کر برآمدے میں آگیا۔ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ اپنے کمرے میں کھڑکی کے قریب کرسی پر بیٹھا ہوا سکھدر مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اندر داخل ہو کر دروازہ بولٹ کردیا۔ راہداری کی طرف بڑھتے ہوئے میری نظریں بے اختیار ہال کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ صوفہ خالی تھا جہاں ایک گھنٹا پہلے میں نے جانکی کو سوئے ہوئے دیکھا تھا۔

میں اپنے کمرے میں آگیا۔ تھائی گہری نیند سو رہی تھی۔ میں بیڈ کے بجائے سیدھی پرلیٹ گیا اور پھر پتا نہیں کب میری آنکھ لگی تھی۔

میں سو کر اٹھا تو دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ میں صبح ناشتا کیے بغیر سوگیا تھا اور اب بھوک سے پیٹ میں اینٹھن سی ہو رہی تھی اور میرا خیال ہے میری آنکھ بھی بھوک ہی کی وجہ سے کھلی تھی۔ سر بھی بوجھل سا ہو رہا تھا۔ میں باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے اگرچہ میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا لیکن پیٹ میں اینٹھن اپنی جگہ پر موجود تھی۔

میں کمرے سے باہر نکلا تو کھانے کی اشتہا آمیز خوشبو میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔ جانکی اور نوینا میز پر کھانا لگا رہی تھیں۔ تھائی کچن میں تھی۔ ہال میں ایک صوفے پر پرساد اور پاتھم بیٹھے باتیں کررہے تھے۔

"تم کہاں غائب تھے۔ کل رات میں نے فون بھی کیا تھا۔" میں نے پاتھم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور صوفے کے بجائے ڈائننگ ٹیبل کی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"صبح میں نے فون کیا تھا تو تم سو رہے تھے۔" پاتھم نے جواب دیا۔

میں نے کچن کی طرف دیکھا۔ اس مرتبہ جانکی کے ساتھ تھائی بھی باہر آگئی تھی اور پھر سب لوگ ڈائننگ میز کے گرد جمع ہوگئے۔ سکھدر کو بھی بلا لیا گیا۔

"کل رات۔" پاتھم نے بات شروع کرتے ہوئے کہا "میں تم لوگوں کے بارے میں خاصا پریشان تھا لیکن ڈیڑھ گھنٹے بعد مجھے جب پتا چل گیا کہ تم لوگ واپس آگئے ہو تو میں کلب ٹونی سکس کی طرف چلا گیا۔ اس وقت تک بھاگ دوڑ سے مجھے پتا چل گیا تھا کہ پیڈرو کلب ٹونی سکس میں ہی ہے اور مجھے یقین تھا کہ سامی بھی وہیں پہنچا ہوگا۔

"اس وقت رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ میں نے گاڑی پارکنگ میں روکی ہی تھی کہ پارکنگ کی عقبی سمت سے ایک کار نکلتی ہوئی نظر آئی۔ اس طرف اگرچہ روشنی ہلکی تھی لیکن میں نے کار کی پسنجرز سیٹ پر سامی کو بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ڈرائیور کے علاوہ پچھلی سیٹ پر دو آدمی اور بھی بیٹھے ہوئے تھے اور میرا خیال ہے وہ اس کے باڈی گارڈز تھے۔

"میں نے اپنی گاڑی دوبارہ پارکنگ سے نکال لی اور ان کا تعاقب شروع کردیا۔ میرے پاس چونکہ ٹیکسی تھی اس لیے انہیں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔ ایک موقع پر میں اپنی ٹیکسی اس کار کے برابر سے آگے نکال لے گیا تھا۔ میں نے ڈرائیور کو پہچان لیا اور پھر اپنی گاڑی کو سائڈ پر لیتا چلا گیا اور انہیں آگے نکل جانے کا موقع دے دیا۔

"نیران گرینڈ ہوٹل والے چوراہے پر ایک حادثہ ہوا تھا جس کی وجہ سے روڈ بلاک ہورہی تھی۔ سامی کی گاڑی تو نکل گئی لیکن میری گاڑی پھنس گئی۔ کئی منٹ بعد جب مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع ملا تو سامی کی گاڑی غائب ہوچکی تھی۔ میں نے مختلف سڑکوں پر اسے تلاش کیا لیکن کوئی سراغ نہیں ملا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ سوامی رگوناتھ کے آشرم والی سڑک پر گئے ہوں گے۔"

"لیکن وہ آشرم تو جل کر راکھ ہوچکا ہے اور وہاں اب کچھ نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"اس طرف کا کچھ علاقہ پہاڑیوں پر مشتمل ہے اور ان پہاڑیوں میں ایسے غار ہیں جنہیں پناہ گاہ کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ پیڈرو نے اپنے بھائی کو کسی ایسی ہی محفوظ جگہ پر بھیج دیا ہے جس کے بارے میں کسی کو شبہ نہ ہوسکے۔" پاتھم نے بتایا۔

"لیکن ان پہاڑیوں میں کسی کو تلاش کرلینا آسان نہیں ہے۔" سکھدر نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "وہ علاقہ میرا دیکھا ہوا ہے۔ وہاں لاتعداد غار ہیں اور بعض غار تو ایسے ہیں جن کا سراغ نہیں لگایا جاسکتا۔ اگر ہم انہیں پہاڑیوں میں تلاش کرنے کی کوشش بھی کریں تو کامیاب نہیں ہوسکتے۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کوشش میں ہم ان کی نظروں میں آجائیں۔ اس طرح وہ تو ہمیں آسانی سے ختم کردیں گے لیکن ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

"سکھدر ٹھیک کہتا ہے۔" میں نے کہا "اس طرح بھٹکنے سے بہتر ہے کہ پہلے ان کا صحیح ٹھکانا معلوم کیا جائے۔ تم نے کہا تھا کہ تم نے سامی کے ڈرائیور کو پہچان لیا تھا۔ اگر وہ ہماری گرفت میں آجائے تو اس سے سامی کی خفیہ پناہ گاہ کا پتا معلوم کیا جاسکتا ہے۔"

"وہ میری ورکشاپ کے قریب ہی ایک اور ورکشاپ میں دو تین مرتبہ اپنی گاڑی ٹھیک کرانے کے لیے آچکا ہے۔ اب یہ تو پتا چل گیا ہے کہ اس کا تعلق پیڈرو کے گروہ سے ہے۔ میں ایک دو روز میں اس کا پتا چلالوں گا اور پھر اس سے زبان کھلوانا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔"

"تم اسے تلاش کرلو۔ اس کی زبان میں کھلوالوں گا۔" سکھدر نے کہا۔

"میں ایک دو دن میں اسے تلاش کرلوں گا۔" پاتھم نے کہا۔

"ماسٹر ہوچن کی طرف سے کوئی اطلاع؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے تھائی اور جانکی کی طرف دیکھا۔

"ماسٹر ہوچن کا فون آیا تھا۔" تھائی نے جواب دیا "گانگ کی آخری رسومات آج صبح دس بجے انجام دی جاچکی ہیں۔ لوگ ہنگامہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ مہاراج نے بڑی مشکل سے انہیں روکا تھا۔ وہ کوئی ہنگامہ نہیں چاہتے۔ وہ صرف اس شخص کو سزا دینا چاہتے ہیں جو گانگ کے قتل کا ذمے دار ہے۔"

"میرا خیال ہے مہاراج ٹھیک ہی کہتے ہیں۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

کھانے کے بعد بھی ہم دیر تک وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ چھ بجے کے قریب پاتھم جانے لگا تو سکھدر بھی اس کے ساتھ ہولیا۔

"باس۔" پرساد نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "جانکی دیوی کے علاج نوتا کی دیکھ بھال اور تم دونوں کی دعاؤں سے اب میں بالکل ٹھیک ہوگیا ہوں اور میرا خیال ہے اب میں مفت کی روٹیاں توڑ رہا ہوں۔ مجھے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔"

"ہاں۔" میں نے اثبات میں سر ہلایا "اور اب وقت آگیا ہے کہ مجھے تمہاری ضرورت پڑسکتی ہے لیکن اب تم اکیلے باہر نہیں نکل سکتے۔"

"نکل سکتا ہوں باس۔" پرساد نے جواب دیا "اتنے دن گھر میں قید ہوکر بیٹھا رہا ہوں تو وہ میری مجبوری تھی لیکن اب چھپ کر نہیں بیٹھ سکتا۔ میں آج رات ہی باہر نکلوں گا اور ان تمام جگہوں کا

چکر لگا کر آؤں گا جہاں جہاں پیڈرو سے سامنا ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے اور تم مجھے جانے سے نہیں روکو گے۔"

میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ میں پرساد کو نہیں روک سکتا تھا۔ روکنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ میرا بھی یہی خیال تھا کہ چھپ کر بیٹھے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ سوائے وقت ضائع کرنے کے۔ میں نے بھی یہ طے کرلیا تھا کہ ضرورت پڑی تو میں بھی باہر ضرور نکلوں گا۔

رات آٹھ بجے کے قریب پرساد چلا گیا۔ اس وقت تھائی اور نوتا لان میں بیٹھی ہوئی تھیں اور جانکی اندر کی مختلف کاموں میں مصروف تھی۔ وہ کبھی کچن میں جاتی، کبھی اپنے کمرے میں اور کبھی میرے کمرے میں۔ اس دوران میں وہ کئی مرتبہ میرے سامنے سے گزری تھی اور میں نے محسوس کیا تھا کہ اس کی نظریں کچھ بدلی بدلی سی تھیں۔ میری طرف دیکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آجاتی۔ وہ اپنے لباس کی طرف سے بھی بے پروا نظر آرہی تھی۔ اس کی ساڑی کا پلو نیچے لٹک رہا تھا اور اس نے ایک مرتبہ بھی اسے درست کرنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن جب تھائی اور نوتا اندر آگئیں تو جانکی نے ساڑی کا پلو کندھے پر ڈال لیا تھا۔

تین دن گزر گئے۔ حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ گویا ایک جمود سا طاری تھا۔ پیڈرو کے کیمپ میں بھی خاموشی تھی اور مہاراج کے کیمپ میں بھی لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ دونوں طرف اندر ہی اندر کوئی کھچڑی ضرور پک رہی تھی اور یہ خاموشی اپنے اندر کوئی ایسا زبردست طوفان چھپائے ہوئے تھی جو کسی وقت اچانک ہی پھٹ پڑے گا۔

چوتھے روز ایک معمولی سا ہنگامہ ہوا۔ ماسٹر ہوچن کے لڑکوں اور پیڈرو کے غنڈوں میں تصادم ہوگیا تھا۔ دونوں طرف کے دو دو، تین تین آدمی زخمی ہوئے تھے۔ پولیس اسٹیشن وہاں سے قریب ہی تھا۔ پولیس ہنگامے کی اطلاع ملتے ہی پہنچ گئی تھی۔ دونوں طرف کے لوگ بھاگ گئے تھے۔ اس طرح ہنگامہ زیادہ نہیں بڑھ سکا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ اب کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔

اور پھر اسی رات گیارہ بجے کے قریب پاتھم نے ٹیلی فون پر اطلاع دی کہ اس نے مطلوبہ ڈرائیور کا پتا چلالیا ہے اور میں فوراً "وائی ایم سی اے" بلڈنگ کے سامنے پہنچ جاؤں۔ یہ اطلاع ملتے ہی میں تیار ہوگیا۔ اس وقت سکھدر بھی گھر پر موجود تھا۔ میں نے اسے بھی تیار ہونے کو کہا اور مجھے حیرت ہوئی تھی کہ تھائی نے میرے ساتھ جانے کے لیے ضد نہیں کی تھی اور پھر اس کی وجہ بھی میری سمجھ میں آگئی۔ وہ بار بار اپنی پیٹھ کھجا رہی تھی۔

میں نے اپنا خنجر بھی پنڈلی سے باندھ لیا تھا اور تھائی کا پستول بھی پتلون کی جیب میں رکھ لیا۔ پرساد بھی اس وقت گھر میں نہیں تھا۔ تھائی اور جانکی نے رائفلیں تیار کرکے رکھ لیں تاکہ ہماری عدم موجودگی میں کوئی گڑبڑ ہو تو وہ اپنا دفاع کرسکیں۔

پاتھم والی گاڑی موجود تھی۔ سکھدر نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور میں پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس وقت مجھے بڑی شدت سے احساس ہوا تھا کہ مجھے ڈرائیونگ سیکھ لینی چاہیے۔ میں اس معاملے میں دوسروں کا محتاج تھا۔

وراپک روڈ پر "وائی ایم سی اے" تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ عمارت سے ذرا آگے ایک گلی کے موڑ پر ٹیکسی کے قریب ہی پاتھم بھی موجود تھا۔ سکھدر نے ٹیکسی کے قریب ہی گاڑی روک لی۔ اس نے انجن بند کردیا اور ہم دونوں نیچے اتر آئے۔

"کہاں ہے وہ؟" میں نے پاتھم کا سامنا ہوتے ہی پوچھا۔

"وہ اس طرف ایک بلڈنگ کے فلیٹ میں ہے۔" پاتھم نے گلی کی طرف اشارہ کیا "وہ گاڑی گیراج میں بند کرکے آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کی ڈیوٹی ختم ہوچکی ہے اور وہ رات کو اس فلیٹ میں ہی رہے گا۔ اس کا نام تھونگ ہے اور وہ فلیٹ میں اکیلا ہی ہے۔"

ہم تینوں گلی میں چل پڑے اور چند گز کے بعد دائیں طرف مڑ گئے۔ یہ تقریباً بیس فٹ چوڑی سڑک تھی۔ ایک طرف پارک تھا اور دوسری طرف ایک دوسرے سے ملی ہوئی بلند و بالا رہائشی عمارتیں تھیں۔ پاتھم تیسری عمارت کے گیٹ میں گھس گیا۔ عمارت بہت پرانی تھی۔ لوہے کے جنگلے والا گیٹ ٹوٹا ہوا تھا۔ کوئی چوکیدار وغیرہ نہیں تھا۔ کافی کشادہ لابی تھی۔ ایک دیوار پر لاتعداد لیٹر بکس لگے ہوئے تھے۔ ہر لیٹر بکس پر متعلقہ فلیٹ کا نمبر لکھا ہوا تھا اور ہر بکس کے ساتھ کال بیل کا بٹن بھی لگا ہوا تھا۔

سیڑھیاں ٹوٹی پھوٹی سی تھیں۔ لابی اور سیڑھیوں پر بکھری ہوئی گندگی اور کوڑے سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ نہ تو اس عمارت کی مناسب دیکھ بھال ہوتی تھی اور نہ ہی مکینوں کو صفائی وغیرہ سے کوئی دلچسپی تھی۔ صرف لابی میں ایک بلب روشن تھا جبکہ سیڑھیوں پر تاریکی تھی۔

پاتھم تیسری منزل کی راہداری میں مڑ گیا۔ راہداری کے آخری سرے پر مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ وہ ایک دروازے کے سامنے رک گیا۔ میں نے پاتھم اور سکھدر کو اشارہ کیا۔ وہ دائیں بائیں دیوار کے ساتھ چپک گئے۔ میں نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ ایک منٹ کے انتظار کے بعد میں نے دوبارہ دستک دی۔ اس مرتبہ اندر سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"دروازہ کھولو تھونگ۔ تمہارے لیے پیڈرو کا ایک پیغام ہے۔" میں نے کہا۔

اندر سے کچھ بڑبڑانے کی آواز سنائی دی پھر بولٹ ہٹایا گیا اور دروازہ ایک بالشت کے قریب کھل گیا۔ کمرے میں بلب جل رہا

تھا۔ اس کی روشنی میرے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ درمیانے قد کے بھاری بھرکم تھونگ نامی اس شخص نے جسم کے نچلے حصے پر تولیا لپیٹ رکھا تھا۔ اس کے علاوہ لباس نام کی کوئی چیز اس کے جسم پر نہیں تھی۔ تھونگ کی نظریں میرے چہرے پر گھمیں اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے غالباً مجھے پہلے بھی دیکھا ہوا تھا اور وہ مجھے پہچان گیا تھا۔ اس نے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی مگر میں نے پیر پھنسا دیا۔

"ٹک..... کون ہو تم اور..... یہاں کیوں آئے ہو؟" وہ ہکلایا۔

"تم سے ملنے۔" میں نے دھکا دے کر دروازہ کھول دیا اور اندر داخل ہوتے ہوئے اس کے چہرے پر ہتھیلی سے زوردار ضرب لگائی۔ وہ کراہتا ہوا لڑکھڑا گیا۔ پاتھم اور سکھدر بھی اندر آ گئے۔ پاتھم نے دروازہ بند کر دیا تھا۔

"یہاں اور کون ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔ اس کے جسم پر صرف تولیا تھا اور دائیں گال پر لپ اسٹک سے بنا ہوا ہونٹوں کا نشان دیکھ کر میں سمجھ گیا تھا کہ اندر اس کے علاوہ اور کون ہے اور وہ کیا کر رہا تھا۔

"ٹک..... ٹک..... کوئی نہیں..... اندر کوئی نہیں ہے۔ تم..... تم یہاں کیوں آئے ہو؟" وہ خوف سے ہولے ہولے کانپنے لگا۔

"تھونگ..... تم وہاں کیا کر رہے ہو۔ باہر کون ہے؟" اندر سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

میں نے تھونگ کے منہ پر زوردار گھونسا مار دیا۔ وہ چیخ کر گرا۔ اٹھتے ہوئے وہ ایک ہاتھ سے تولیا سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا اور دوسرے ہاتھ سے ہونٹ پونچھ رہا تھا جہاں سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ جیسے ہی اٹھا' میں نے ایک زوردار ٹھوکر لگائی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دائیں طرف کے ایک دروازے میں گرا اور میں جیسے ہی آگے بڑھا' میری نظر اس لڑکی پر پڑی جو بیڈ سے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ پہلے تھونگ کو اندر کی طرف گرتے اور پھر مجھے دروازے میں دیکھ کر اس لڑکی کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ بدحواسی میں بیڈ کے قریب کرسی پر پڑے ہوئے اپنے لباس کی طرف لپکی لیکن سکھدر نے بڑی تیزی سے کمرے میں داخل ہو کر اسے دبوچ لیا۔ لڑکی کے منہ سے نکلنے والی چیخ ادھوری رہ گئی۔ سکھدر نے ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبا لیا تھا۔

"اسے چھوڑ دو اور اگر یہ دوبارہ چیخنے کی کوشش کرے تو بے شک اس کا گلا گھونٹ دینا۔" میں نے سکھدر سے کہا اور پھر لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "لباس پہن کر خاموشی سے بیڈ پر بیٹھ جاؤ۔ اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو یہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

سکھدر نے لڑکی کو چھوڑ دیا۔ وہ خوف سے بری طرح کانپ رہی تھی۔ اس نے الٹا سیدھا لباس پہنا اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ وہ اب بھی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"تم بھی کپڑے پہنو۔" میں نے تھونگ کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

تھونگ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تولیا اس کے جسم سے الگ ہو گیا تھا۔ وہ بھی تھر تھر کانپ رہا تھا۔ وہ بیڈ کے قریب فرش پر پڑی ہوئی پتلون اٹھا کر پہننے لگا۔ دراصل میں اس لڑکی کی موجودگی میں تھونگ سے سامی کے بارے میں کچھ پوچھنا نہیں چاہتا تھا اور نہ ہی میں لڑکی کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔

"بس۔ یہ پتلون ہی کافی ہے۔ تمہیں مزید لباس کی ضرورت نہیں۔" میں نے کہا اور پھر سکھدر کی طرف متوجہ ہو گیا "اس لڑکی کے ہاتھ پیر باندھ کر یہاں ڈال دو۔ صبح کوئی نہ کوئی فلیٹ میں آ کر اسے کھول دے گا۔"

سکھدر نے حکم کی تعمیل میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ لڑکی کے ہاتھ پیر باندھ کر اس کے منہ میں کپڑا بھی ٹھونس دیا تھا۔ میں نے جیب سے پستول نکال لیا اور تھونگ کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ پاتھم نے باہر کا دروازہ کھول کر راہداری میں جھانکا اور ہمیں اشارہ کر دیا۔ ہم فلیٹ سے باہر آ گئے۔ پاتھم نے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔

پاتھم کے ورکشاپ تک پہنچنے میں بھی ہمیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ پاتھم کی ٹیکسی آگے تھی اور میں دوسری گاڑی میں تھونگ کو پستول کی زد میں لیے بیٹھا تھا جبکہ سکھدر ڈرائیو کر رہا تھا۔

تھونگ کو ہم ورکشاپ کے پچھلے حصے میں ایک کمرے میں لے آئے۔ یہاں مدھم روشنی کا ایک بلب جل رہا تھا۔ کمرے میں گاڑیوں کے ناکارہ پرزے بکھرے ہوئے تھے۔

"ہم تم سے صرف ایک بات پوچھنے کے لیے یہاں لائے ہیں۔" میں نے تھونگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پستول جیب میں رکھ کر پنڈلی سے بندھا ہوا خنجر نکال لیا "پیڈرو کا بھائی سامی کہاں ہے؟"

"مم..... میں نہیں جانتا....." تھونگ ہکلایا "میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تم اسے چار دن پہلے رات کے وقت کہیں چھوڑ کر آئے تھے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "کہاں لے کر گئے تھے اسے۔ کہاں چھپا ہوا ہے وہ؟"

"مم۔ مجھے نہیں معلوم....." خوف کی شدت سے اس کے منہ سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔

میں نے خنجر کی نوک سے اس کے سینے پر ایک لمبی سی لکیر کھینچ دی۔ وہ چیخنے لگا تو سکھدر نے جلدی سے اس کا منہ دبا دیا۔

"میں تمہارے جسم پر اس طرح سرخ لکیروں کا جال بنا دوں گا۔ تمہارا سارا خون بہہ جائے گا اور تم ختم ہو جاؤ گے۔" میں نے ایک اور لکیر کھینچ دی۔

وہ بری طرح مچلنے لگا۔ میرے اشارے پر سکھدر نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"مم۔ میں نہیں جانتا..... پپ..... پیڈرو مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔" تھونگ نے کہا۔

"زندہ تو تمہیں میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے سکھدر کو اشارہ کیا اور اس مرتبہ میں نے تھونگ کے پیٹ پر ایک گہری لکیر کھینچ دی۔ وہ بری طرح تڑپا۔ میں نے دو تین لکیریں اور کھینچ دیں۔ وہ ٹانگیں جھٹک رہا تھا اور اس کے پیروں کی رگڑ سے مٹی اڑ رہی تھی۔ مجھے اس پر ذرا بھی رحم نہیں آ رہا تھا۔ میری نظروں کے سامنے گانگ کا چہرہ گھوم رہا تھا۔ تھونگ پر رحم کر کے میں گانگ کے قاتل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

سکھدر نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا لیکن اس مرتبہ بھی اس کا جواب وہی تھا۔ میرے ہاتھ کو حرکت کرتے دیکھ کر سکھدر نے ایک بار پھر اس کا منہ دبا دیا اور اس مرتبہ میں نے اس کے دونوں بازوؤں پر سرخ لکیروں کے جال بنا دیے۔ اگر اس کا منہ بند نہ ہوتا تو اس کی چیخیں آسمان کی خبر لا رہی ہوتیں۔ تھوڑی دیر بعد سکھدر نے پھر اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔

"اب میں آخری مرتبہ پوچھ رہا ہوں۔" میں نے تھونگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب اگر تم نے جواب نہ دیا تو یہ خنجر تمہارے نرخرے پر چلے گا۔"

"ہب..... بتاتا ہوں۔" اس کے منہ سے آواز بڑی مشکل سے نکل رہی تھی۔ "س..... سس..... سامی قدیم شہر کے..... کھنڈروں میں..... وا..... واٹ..... چیانگ..... سین کے..... تہ خانے میں..... چھپا ہوا ہے....."

"اس کے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"دو..... دو....." اس نے جواب دیا۔

میں نے سکھدر کو اشارہ کیا۔ اس نے ایک بار پھر تھونگ کا منہ دبا دیا اور میں نے بڑی بے رحمی سے خنجر کی دھار اس کے نرخرے پر پھیر دی اور ہاتھ اس وقت تک نہیں روکا جب تک اس کی شہ رگ کٹ نہیں گئی۔

سکھدر نے اسے چھوڑ دیا۔ تھونگ کچے فرش پر تڑپنے لگا۔ اس کے منہ سے عجیب سی خرخراہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

اس کے ڈیڑھ گھنٹے بعد ہم نے تھونگ کی لاش کلب ٹونٹی سکس کی عقبی گلی میں پھینک دی۔ پاتھم ہمارے ساتھ تھا۔ وہ اپنی ٹیکسی ورکشاپ میں ہی چھوڑ آیا تھا۔

ہم جب بنگلے پر پہنچے تو ڈھائی بج رہے تھے۔

"کیا ہوا..... کچھ معلوم ہوا؟" تھائی نے پوچھا۔

"ہاں۔ سامی کا پتا چل گیا ہے۔" میں نے مختصر سا جواب دیا اور تفصیل بتانا مناسب نہیں سمجھا۔

اس رات میں اپنے آپ میں ایک عجیب سنسنی کی سی کیفیت محسوس کرتا رہا۔ میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے کئی قتل ہوتے دیکھے تھے۔ خون میں لت پت کئی لاشیں دیکھی تھیں۔ پہلے میں ان لاشوں کو دیکھ کر ڈر جایا کرتا تھا۔ کسی کو قتل ہوتے دیکھ کر میرے اوپر عجیب سی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی اور پھر ایک مرتبہ میں نے پامیلا کو دارا کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھا تھا۔ وہ اس کے خوب صورت جسم پر خنجر چلاتے ہوئے کتنا لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس وقت تو پامیلا کو خون میں لت پت تڑپتے ہوئے دیکھ کر میں کانپ اٹھا تھا لیکن آج مجھے کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ تھونگ کے جسم پر خنجر کی نوک سے لکیریں کھینچتے ہوئے مجھے عجیب سا مزہ محسوس ہوتا رہا تھا۔ میں رات بھر عجیب سی کیفیت میں مبتلا رہا۔ کبھی پورے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑنے لگتیں اور کبھی میرا دماغ بالکل سن ہو جاتا۔

پاتھم اور سکھدر صبح ناشتا کرتے ہی نکل گئے تھے۔ پاتھم کو تو اپنے ورکشاپ کا وہ کمرا صاف کرنا تھا جہاں تھونگ کو ذبح کیا گیا تھا اور سکھدر کو تھونگ کے قتل کا ردِعمل معلوم کرنا تھا۔

چھٹی کا دن تھا۔ شہر کے ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں رات دیر تک ہنگامے جاری رہتے تھے اور سنڈے نائٹ کو تو کلبوں سے لوگوں کی واپسی رات کو آخری پہر ہی ہوا کرتی تھی۔ سکھدر تین گھنٹے بعد واپس آ گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ تھونگ کی لاش صبح چار بجے کے قریب مل گئی تھی۔ اس کے قتل کا انکشاف ہوتے ہی اس علاقے میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ کلب ٹونٹی سکس اور آس پاس کے ہوٹلوں سے نکلنے والے لوگ بڑی عجلت میں وہاں سے چلے گئے تھے۔

پیڈرو بھی اس وقت کلب میں موجود تھا۔ وہ زخمی ناگ کی طرح پھنکارتا پھر رہا تھا۔ اس نے پولیس کو اطلاع دینے کے بجائے تھونگ کی لاش غائب کروا دی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ کس کی حرکت ہے۔ اس نے کھل کر کہا تھا کہ وہ تھونگ کے قاتل کو معاف نہیں کرے گا۔

اور پھر سہ پہر تین بجے کے قریب پاتھم بھی آ گیا اور ہم پیڈرو کے بھائی سامی کو گھیرنے کا پروگرام بنانے لگے۔

قدیم شہر ایوتھایا کے کھنڈرات بنکاک کے مشرق میں چھہتر کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھے۔ یہ شہر چار سو سال تک سیام (تھائی لینڈ) کا دارالحکومت رہا تھا۔ ان چار صدیوں میں اس شہر نے بڑے عروج و زوال دیکھے تھے۔ برما کے حکمران اس شہر پر قبضہ کرنے کے لیے بار بار حملہ آور ہوتے رہے تھے۔ ایوتھایا نے ہر مرتبہ ڈٹ کر بری حملہ آوروں کا مقابلہ کیا تھا لیکن بالآخر ۱۷۶۷ء میں بری حملہ آور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے اس خوب صورت شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

ایوتھایا کی تباہی کے بعد شہنشاہ ٹاکسن نے دریائے چاؤ فرایا کے مغربی کنارے پر واقع تھان بوری نامی گاؤں کو اپنا دارالحکومت

بنالیا اور اپنی بکھری ہوئی قوت مجتمع کرکے نہ صرف برمیوں کو ایوتھایا سے مار بھگایا بلکہ لاؤس اور کمبوڈیا کے بہت سے علاقے... اپنی سلطنت میں شامل کرلیے تھے لیکن صرف پندرہ سال بعد شہنشاہ ٹاکسن کا انتقال ہوتے ہی اس کے سب سے قریبی دوست اور فوج کے جنرل چاؤ نے ملک پر قبضہ کرلیا اور دارالحکومت کو دریائے چاؤ فریا کے دوسرے کنارے پر منتقل کردیا۔ اس علاقے کو پہلے کروننگ تھیپ اور پھر بنکاک کا نام دیا گیا جو ترقی کرتا ہوا دریا کے دونوں طرف میلوں دور تک پھیل چکا ہے۔

قدیم شہر ایوتھایا کے میلوں دور تک پھیلے ہوئے کھنڈرات آج بھی اپنے اندر ماضی کی عظمتوں کو چھپائے ہوئے ہیں۔ بنکاک آنے والے غیر ملکی سیاح اور آثارِ قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والے لوگ یہ کھنڈرات دیکھنے کے لیے ضرور جاتے ہیں۔

چھٹی کے روز وہاں کچھ زیادہ رونق ہوتی تھی اور میرا خیال تھا کہ ہم بھی شام سے پہلے پہلے وہاں پہنچ جائیں اور پھر موقع ملتے ہی واٹ چیانگ سین والے کھنڈر کے تہ خانے پر ہلہ بول دیں۔

"مناسب خیال ہے۔" پاتھم نے کہا "میں نے وہ کھنڈرات دیکھے ہوئے ہیں۔ ہم کسی دشواری کے بغیر واٹ چیانگ سین تک پہنچ جائیں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ روانگی کے لیے تیار ہوجاؤ۔" میں یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

پرساد بھی ہمارے ساتھ جانے کو تیار تھا لیکن میں نے اسے منع کردیا۔ ایک آدمی کا یہاں خواتین کے پاس رہنا ضروری تھا۔ اپنی "پرابلم" ہونے کے باوجود تھائی بھی ساتھ جانے کو تیار تھی لیکن میں نے اسے سختی سے منع کردیا۔ اگر وہاں عین وقت پر اس کی پیٹھ سہلانے لگی تو میں اسے سنبھالتا... یا صورتِ حال کا مقابلہ کرتا۔

"کھنڈرات کی سیر کو جانے والے ٹورسٹوں کی پارٹیوں میں کوئی نہ کوئی عورت ضرور شامل ہوتی ہے۔" قریب کھڑی ہوئی جانگی نے کہا "میرا خیال ہے اگر میں ساتھ جانا چاہوں تو کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میں کوئی پرابلم کری ایٹ نہیں کروں گی بلکہ ہوسکتا ہے کہ میری وجہ سے کوئی آسانی پیدا ہوجائے۔"

چند لمحوں تک میں سوچتا رہا۔ اگر سامی کو بھاننے کے لیے چارے کی ضرورت پڑ جائے.... تو ایسی صورت میں جانگی اس جیسے عیاش شخص کے لیے بہترین چارا ثابت ہوسکتی تھی۔ جانگی اپنے کمرے میں گھس گئی اور چند منٹ میں تیار ہوکر آگئی۔ میں اسے دیکھ کر پلک جھپکنا بھول گیا۔ وہ نیلے رنگ کی مختصر سی نیکر اور سلیولیس بلاؤز میں تھی۔ اس نے بالوں کو سمیٹ کر سر کے اوپر جوڑا بنالیا تھا۔ ہلکے سے میک اپ سے اس کا حسن کچھ اور بھی نکھر آیا تھا۔ دائیں کندھے پر گلابی کپڑے کا ایک تھیلا لٹکا ہوا تھا۔ میں نے ہوٹلوں، نائٹ کلبوں میں اور سڑکوں پر گھومتے ہوئے غیر ملکی سیاحوں کو دیکھا تھا۔ ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی حسین اور جوان عورت ضرور ہوتی تھی۔ وہ لوگ تھیلے کندھوں پر لٹکائے دنیا بھر کی سیاحت کرتے پھرتے تھے اور ان کے اخراجات وہی خوب صورت عورت پورے کرتی تھی جسے عام طور پر "بیریر چیک" کہا جاتا تھا کہ جب چاہا کیش کروالیا۔

میں نے بھی اپنے حلیے میں تھوڑی بہت تبدیلی کرلی تھی اور روانگی سے پہلے ہم نے تھائی وغیرہ کو بتادیا تھا کہ ہم رات کھنڈروں ہی میں رہیں گے اس لیے ہم نے کھانے پینے کا کچھ سامان بھی گاڑی میں رکھ لیا تھا۔

ہمیں زیادہ وقت شہر سے نکلنے میں لگا تھا۔ قدیم شہر ایوتھایا کی طرف جانے والی سڑک پر اِکا دُکا گاڑیوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ ہم پاتھم کی ٹیکسی میں تھے۔ وہ ڈرائیو کررہا تھا۔ سکھدر اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور میں جانگی کے ساتھ پچھلی سیٹ پر تھا۔ اس ٹیکسی کی وجہ سے ہم پر کسی قسم کا شبہ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

ہم جب قدیم شہر پہنچے تو سوا چھ بج رہے تھے۔ میلوں دور تک کھنڈرات پھیلے ہوئے تھے اور ان کھنڈرات کو دیکھ کر ماضی میں اس شہر کی خوب صورتی اور عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ زرعی علاقہ ہونے کی وجہ سے اس شہر نے خوب ترقی کی تھی لیکن بالآخر اس کا عروج بھی زوال کی پستیوں میں کھو گیا۔

پاتھم نے ٹیکسی بینگ پائین پلیس سے ذرا آگے لے جاکر روک لی۔ اس محل کے کھنڈرات کئی ایکڑ رقبے پر پھیلے ہوئے تھے اور غالباً یہ اس تباہ شدہ شہر کی واحد عمارت تھی جو اب بھی کسی حد تک اپنی شان و شوکت برقرار رکھے ہوئے تھی۔ بینگ پائین پلیس دراصل کئی چھوٹی بڑی عمارتوں پر مشتمل تھا اور یہ عمارتیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس محل کے قریب ہی ایک اور عمارت میں بینگ سالی آرٹ گیلری بھی قائم تھی اور زیادہ تر سیاحوں کی توجہ اسی محل اور آرٹ گیلری پر مرکوز تھی۔ اس طرف کھانے پینے کی اشیا کے کچھ اسٹال وغیرہ بھی تھے۔

ہم لوگ ٹیکسی سے اتر کر بینگ پائین پلیس کے سامنے سے گزرتے ہوئے پچھلی طرف چلے گئے۔ کشادہ گلیوں اور سڑکوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اونچے نیچے ٹیلوں پر یہ شہر بڑے سلیقے سے آباد کیا گیا تھا۔

پاتھم آگے آگے چل رہا تھا۔ وہ ایک ماہر گائیڈ کی طرح ہمیں ان کھنڈرات کے بارے میں بتا رہا تھا۔ آس پاس کچھ اور سیاح بھی گھوم رہے تھے۔ جانگی میرے ساتھ تھی اور قریب سے گزرنے والے لوگ مڑ مڑ کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

پاتھم ایک ٹیلے پر رک گیا۔ آس پاس کے علاقے کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ یہاں کی آبادی گنجان تھی۔ چھوٹے چھوٹے مکانوں کے کھنڈر چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔

"وہ واٹ چیانگ سین کے کھنڈر ہیں۔" پاتھم نے ایک طرف اشارہ کیا۔

وہاں سے تقریباً نصف میل دور نشیب میں مندروں سے ملتی جلتی دو بہت بڑی عمارتوں کے کھنڈر نظر آرہے تھے۔ دونوں عمارتیں ایک دوسرے سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھیں۔ ان میں سے ایک عمارت بڑی تھی۔ اس کی بلندی سوفٹ سے کم کسی طرح نہیں ہوسکتی تھی اور وہ وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔ دوسری عمارت بلندی میں اس سے پندرہ بیس فٹ کم تھی۔ اس عمارت نے بھی بہت لمبا چوڑا رقبہ گھیر رکھا تھا۔ ان کے آس پاس اور بھی چھوٹی چھوٹی بہت سی عمارتیں تھیں جو مکمل طور پر تباہ ہوچکی تھیں۔ ان دونوں بڑی عمارتوں کے سامنے تقریباً سو گز کے فاصلے پر ایک بہت بڑا چبوترا تھا جس کے اوپر قبر نما ایک اور کشادہ چبوترہ بنا ہوا تھا۔ اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ کسی زمانے میں اس اوپر والے چبوترے پر کوئی مجسمہ نصب رہا ہوگا۔

واٹ چیانگ سین کے وہ کھنڈرات ہم سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر تھے اور رخصت ہوتی ہوئی دھوپ براہِ راست ان کھنڈروں پر پڑ رہی تھی۔ پانچ چھ سیاحوں پر مشتمل ایک پارٹی ان کھنڈروں سے نکل کر ہماری طرف آرہی تھی۔ ان میں دو عورتیں تھیں۔ ایک نے تو جانگی کی طرح مختصر سی نیکر اور بغیر آستین کی دھاری دار ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کیمرا بھی تھا جبکہ دوسری عورت نے جینز اور اوپن شرٹ پہن رکھی تھی۔ مردوں کے حلیے بھی کچھ ایسے ہی تھے۔ ان کے ساتھ ایک گائیڈ بھی تھا۔ ہمارے قریب پہنچ کر وہ تھوڑی دیر کو رکے اور پھر آگے بڑھ گئے۔

ہم چیانگ سین کے کھنڈروں میں پہنچ گئے۔ ان کھنڈروں کو دیکھ کر اس عبادت گاہ کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ ہم بڑی عمارت میں داخل ہوگئے۔ ایک بہت وسیع و عریض ہال تھا جس کے وسط میں تقریباً آٹھ فٹ اونچا ایک وسیع چبوترا بنا ہوا تھا۔ یہ چبوترا بھی ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ ہال کے اطراف میں کئی راہداریاں اور کمرے تھے۔ کمروں کے دروازے اور چوکھٹیں غائب تھیں۔ دیواریں ادھڑی ہوئی تھیں۔ کئی جگہوں سے اینٹیں بھی اکھڑی ہوئی تھیں۔

تھونگ نے بتایا تھا کہ سامی اور اس کے ساتھی اس واٹ (WAT یعنی بدھ عبادت گاہ) کے نیچے تہ خانے میں چھپے ہوئے تھے جس کا مطلب تھا کہ یہ تہ خانہ بہت پہلے سے استعمال میں تھا۔ میں نے واٹ نمبر ۱ کا تہ خانہ دیکھا تھا۔ کسی اجنبی کے لیے اس قسم کے تہ خانوں کا سراغ لگانا آسان نہیں ہوتا۔

ہم سب اِدھر اُدھر پھیل کر تہ خانے کا راستہ تلاش کرنے لگے۔ یہ بھی اندازہ لگانا دشوار تھا کہ تہ خانے کا راستہ اسی عمارت میں تھا یا دوسری عمارت میں۔ ہم فرش اور دیواروں کو ٹھونک بجا کر دیکھتے رہے۔ دوسری عمارت میں بھی جاکر دیکھا لیکن اس طرح راستہ تلاش کرلینا آسان نہیں تھا۔ یہ بھی اندیشہ تھا کہ تہ خانے میں موجود سامی اور اس کے ساتھیوں کو ہماری موجودگی کا پتا چل گیا تو وہ ہوشیار ہوجائیں گے۔

"ایک طریقہ ہے۔" جانی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہم مختلف جگہوں پر چھپ کر انتظار کریں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ رات کو کسی نہ کسی وقت باہر ضرور نکلیں گے اور اس وقت...."

"میرا خیال ہے یہی مناسب رہے گا۔" میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی فیصلہ سنا دیا۔

ہم واٹ کی عمارت سے باہر آگئے اور واپس جانے والے راستے پر کھنڈروں کی آڑ میں چلتے ہوئے مختلف سمتوں میں پھیل گئے۔ پاتھم مغرب کی طرف چلا گیا تھا اور سکھدر دوسری طرف نکل گیا۔ پاتھم کے پاس اپنا پستول موجود تھا۔ رائفل میں نے سکھدر کو دے دی تھی۔ تھائی والا پستول جانگی کے تھیلے میں تھا جبکہ میری پنڈلی سے خنجر بندھا ہوا تھا۔

میں اور جانگی واٹ کی پچھلی طرف تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر ایک اور عمارت کے کھنڈر میں آگئے۔ یہاں سے ہم واٹ کے کھنڈروں پر پوری طرح نگاہ رکھ سکتے تھے۔

یہ عمارت بھی گنبد نما قسم کی تھی جس کی چھت غائب تھی اور دیواریں بھی ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔ ایک بہت بڑا ہال تھا اور اس کے اطراف میں کمرے بھی تھے۔ ہم ایک ایسی جگہ پر آگئے جہاں سے ہم تو چاروں طرف نگاہ رکھ سکتے تھے لیکن ہمیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ سناٹے میں جھینگروں کی آوازیں بڑا خوف ناک تاثر دے رہی تھیں۔ ایسی جگہوں پر سانپوں، بچھوؤں اور زہریلے کیڑے مکوڑوں کا بھی اندیشہ رہتا تھا۔

آدھی رات بیت چکی تھی۔ چاند بھی نکل آیا تھا۔ مدھم سی چاندنی میں کھنڈرات کا منظر دل دہلا دینے والا تھا۔ اچانک ہی ایک طرف سے کسی پتھر کے لڑھکنے کی آواز سن کر میں چونک گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آواز کی سمت دیکھنے لگا۔ جانگی بھی میرے ساتھ چپک گئی تھی۔ وہ بھی اِدھر اُدھر گھور رہی تھی اور پھر اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ اس طرف دیکھتے ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ شاید کوئی کتا تھا یا اسی قدوقامت کا کوئی اور جانور تھا جو واٹ والے کھنڈروں سے نکل کر دائیں طرف جارہا تھا۔

میں ایک بار پھر سنبھل کر بیٹھ گیا اور اس کے ساتھ ہی مجھے یوں لگا جیسے میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکل رہی ہو۔ میں سمجھا شاید مجھے چکر آرہا ہے۔ میں سنبھلنے کی کوشش کرنے لگا لیکن زمین تیزی سے میرے پیروں کے نیچے سے نکل رہی تھی اور میں نیچے ہی نیچے دھنستا جارہا تھا۔ میں نے جانگی کا ہاتھ پکڑلیا۔ وہ بھی میرے ساتھ زمین میں دھنسنے لگی۔

ہم دونوں بڑی تیزی سے کسی ڈھلان پر لڑھک رہے تھے۔

جانکی میرے ساتھ لپٹ گئی تھی۔ مٹی اور چھوٹے چھوٹے پتھر بھی ہمارے ساتھ لڑھک رہے تھے اور بالآخر ہم ایک جگہ پر رک گئے۔ میں نے اپنے آپ کو جانکی کی گرفت سے چھڑایا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ گہری تاریکی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ جانکی ایک بار پھر میرے ساتھ لپٹ گئی۔

مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہم اس پگوڈا کے کھنڈر کے تہ خانے میں پہنچ گئے تھے لیکن حیرت کی بات تھی کہ مجھے گھٹن کا کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ کسی طرف سے تازہ ہوا میرے چہرے سے ٹکرا رہی تھی۔ میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ ہمارے گرنے سے جو خلا سا بن گیا تھا وہاں سے آسمان پر تارے چمکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ وہ خلا کوئی پندرہ فٹ اونچا تھا اور اس تک پہنچنا ممکن نہیں تھا۔

"یہ تہ خانہ ہے۔ یہاں سے کسی اور طرف نکلنے کا راستہ بھی ہوگا۔ آؤ۔ اس طرف دیکھتے ہیں۔" میں نے جانکی کا ہاتھ پکڑ لیا اور ٹٹول ٹٹول کر ایک طرف قدم اٹھانے لگا۔ جانکی میرے ساتھ چپکی ہوئی چل رہی تھی۔

میں نے ایک ہاتھ سے جانکی کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ سے دیوار کو ٹٹولتا ہوا چل رہا تھا۔ تقریباً پچیس منٹ کے بعد دیوار بائیں طرف مڑ گئی اور اس کے ساتھ ہی میں چونک گیا۔ سامنے ہی ایک تنگ سے خلا سے بہت مدھم سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ میں جیسے ہی آگے بڑھا، کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچا۔ آگے مٹی کا ڈھیر لگا ہوا تھا میں نے جانکی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور جھک کر دونوں ہاتھ ٹکاتے ہوئے مٹی کے اس ڈھیر پر چڑھنے لگا۔ جانکی میرے ساتھ ساتھ آ رہی تھی۔

وہ کوئی دیوار تھی جس سے چند اینٹیں اکھڑی ہوئی تھیں اور باہر چاند کی مدھم سی روشنی اس خلا سے نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس خلا سے جھانک کر دیکھا تو چونک گیا۔ چیانگ سین عبادت گاہ کے کھنڈر کسی اور زاویے سے ہمارے سامنے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ پگوڈا کے تہ خانے میں گرنے کے بعد بھی ہم بھٹکے نہیں تھے۔ جانکی بھی اسی خلا سے باہر دیکھ رہی تھی۔

دیوار کی پانچ چھ اینٹیں اکھڑی ہوئی تھیں اور وہ خلا اتنا بڑا نہیں تھا کہ میں یا جانکی اس میں سے گزر سکتے۔ میں خلا میں ہاتھ ڈال کر اینٹیں اکھاڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ دیوار بہت موٹی تھی اور اینٹیں بہت مضبوطی سے جمی ہوئی تھیں۔ جانکی بھی میرے ساتھ اینٹیں اکھاڑنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ہم ایک اینٹ بھی نہیں اکھاڑ سکے۔

میں نے کوشش ترک کر دی اور مٹی کے ڈھیر پر پشت کے بل لیٹ کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ میرے خیال میں یہاں سے بھی واٹ پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی لیکن ہمارے لیے ضروری تھا کہ ایمرجنسی کے وقت باہر نکلنے کے لیے راستہ تیار رکھیں۔

میں مٹی کے ڈھیر پر پشت کے بل لیٹا ہوا تھا اور جانکی ایک بار پھر کوئی اینٹ اکھاڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اچانک اینٹ پر سے اس کا ہاتھ چھوٹ گیا اور وہ جھٹکا کھا کر میرے اوپر گری۔ اس کا چہرہ میرے چہرے کے بالکل قریب تھا اور اس کی گرم گرم سانسیں میرے چہرے سے ٹکرا رہی تھیں۔

میں جانکی کو اپنے اوپر سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگا لیکن وہ پوری طرح میرے اوپر لد گئی اور پھر میں اس کے تپتے ہوئے ہونٹوں کا لمس اپنے ہونٹوں پر محسوس کرنے لگا۔ میرے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ کنپٹیاں سلگ اٹھیں اور دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں لیکن اس سے پہلے کہ میرے حواس میرا ساتھ چھوڑ دیتے، میں نے جانکی کو اپنے اوپر سے دھکیل دیا۔ وہ مٹی کے ڈھیر پر لڑھکتی چلی گئی۔ نیچے گرتے ہوئے میرا پیر اس کی گرفت میں آ گیا اور میں بھی مٹی کے اس ڈھیر پر لڑھکنے لگا۔

ہم دوبارہ مٹی کے ڈھیر کے اوپر آ گئے۔ میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ اس رات جب میں نے جانکی کو صوفے پر سوتے دیکھا تھا تو اس وقت بھی میں نے اپنے اندر کچھ ایسی ہی کیفیت محسوس کی تھی اور اب تو معاملہ اس سے ایک قدم آگے کا تھا لیکن میں لڑکھڑانے سے پہلے ہی سنبھل گیا تھا۔

میں اپنی جگہ پر پڑا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا کہ جانکی نے مجھے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا۔

"وجدان! وہ دیکھو۔ میرا خیال ہے، ہم نے سامی کی خفیہ پناہ گاہ کا سراغ لگا لیا ہے۔" جانکی کے لہجے میں عجیب سی سنسنی تھی۔

میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جانکی نے خلا سے ہاتھ باہر نکال کر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"وہ دیکھو۔ واٹ کی بڑی عمارت کے چبوترے میں نیچے کی طرف روشنی نظر آ رہی ہے۔"

میں غور سے اس طرف دیکھنے لگا۔ واٹ کی وہ عمارت ایک بہت وسیع و عریض چبوترے پر تعمیر کی گئی تھی یا عمارت بنانے کے بعد اس کے چاروں طرف یہ چبوترا تعمیر کیا گیا تھا۔ زمین سے اس چبوترے کی بلندی تقریباً چھ فٹ تھی۔ چبوترے کے دائیں کونے کی طرف نیچے روشنی کی پانچ چھ انچ لمبی ایک متوازی لکیر سی نظر آ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے، چاند کی روشنی میں کوئی چیز چمک رہی ہے۔ شاید کوئی شیشہ وغیرہ ہو۔" میں نے سرگوشی کی۔

"شیشے کی چمک ایسی نہیں ہوتی۔" جانکی نے کہا "وہ بلب کی یا پیٹرومیکس کی روشنی ہے۔ اس چبوترے کے نیچے تہ خانہ ہے۔ اب ہمیں تہ خانے کا راستہ تلاش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی لیکن پہلے یہ اینٹیں اکھاڑو۔ یہاں سے نکلنے کا راستہ تو بناؤ۔"

سنبھل کر بیٹھ گیا اور دیوار کی ایک اینٹ اکھاڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس اینٹ پر میں پہلے بھی زور آزمائی کر چکا تھا۔ کوشش مضبوطی سے جمی ہوئی تھی۔ اس واٹ کی تعمیر میں نجانے کون سا مسالا استعمال کیا گیا تھا کہ تقریباً چھ سو سال گزرنے کے بعد بھی اینٹیں اپنی جگہ پر جمی ہوئی تھیں۔

میں اینٹ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر زور آزمائی کرنے لگا۔ اس مرتبہ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ اینٹ آہستہ آہستہ ہلنے لگی۔ میں اسے جھٹکے دیتا رہا اور بالآخر ایک زوردار جھٹکا دیتے ہی وہ اینٹ اپنی جگہ سے اکھڑ گئی اور میں اپنی جھونک میں پیچھے گر کر جانکی سے ٹکرا گیا جو میرے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

ایک اینٹ اکھڑ جانے کے بعد کوئی مشکل نہیں رہی تھی۔ باقی اینٹیں آسانی سے اکھڑتی چلی گئیں۔ جانکی بھی میری مدد کر رہی تھی۔ آدھے گھنٹے کی لگاتار کوشش کے بعد ہم اس خلا کو اتنا کشادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ ایک آدمی آسانی سے گزر سکتا تھا۔

پہلے جانکی اس ٹوٹی ہوئی دیوار سے باہر نکلی اور پھر میں بھی باہر آ گیا۔ چاند ہمارے دائیں طرف بہت نیچے جھک گیا تھا اور اس کی روشنی چبوترے پر نہیں پڑ رہی تھی جبکہ چبوترے میں روشنی کی وہ پتلی سی متوازی لکیر بدستور نظر آ رہی تھی۔

جانکی نے میرا بازو پکڑ لیا۔ میں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ چاندنی میں اس کے چہرے کے تاثرات بڑے عجیب سے تھے۔ ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"وجدان۔" اس کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی "ابھی تھوڑی دیر پہلے جو کچھ ہوا اس کے لیے مجھے معاف کر دو۔"

"بہت دنوں سے شاید تم کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھیں جانکی لیکن بہرحال۔" میں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹاتے ہوئے کہا "جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔ میں اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

میں چبوترے کی طرف دیکھنے لگا۔ جانکی کا خیال ٹھیک ہی لگتا تھا۔ اس واٹ کے نیچے تہ خانہ تھا۔ جس میں غالباً پیٹرومیکس جل رہا تھا اور اس کی روشنی چبوترے کی اس دراڑ میں سے نظر آ رہی تھی "تمہارا پستول کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

جانکی نے کندھے پر لٹکے ہوئے تھیلے میں سے پستول نکال لیا۔

"ٹھیک ہے۔ اسے اپنے پاس ہی رکھو اور آہستہ آہستہ میرے ساتھ چلتی رہو۔ کوئی آواز پیدا نہ ہو۔" میں نے کہا۔

ہم دونوں دبے قدموں چلنے لگے۔ واٹ کی عمارت والا وہ چبوترا تقریباً پچاس گز آگے تھا۔ میرے پیروں سے ایک پتھر ٹکرا کر دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ سناٹے میں پتھر کے لڑھکنے کی آواز بھی دور تک سنی جا سکتی تھی۔ میں مزید احتیاط سے چلنے لگا۔

چبوترے کے قریب پہنچ کر میں رک گیا۔ جانکی پستول ہاتھ میں پکڑے محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ چبوترے میں نصف انچ چوڑی اور آٹھ دس انچ لمبی وہ متوازی دراڑ زمین کی سطح سے تقریباً ڈیڑھ فٹ اونچی تھی۔ میں زمین پر اکڑوں بیٹھ گیا اور اس دراڑ سے اندر جھانکنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے میں اچھل پڑا۔

جانکی کا خیال درست ثابت ہوا تھا۔ واٹ کے اس چبوترے کے نیچے تہ خانہ ہی تھا۔ بہت وسیع و عریض ہال تھا۔ وسط میں فرش پر پیٹرومیکس جل رہا تھا۔ اس کی دوسری طرف کرسی پر بیٹھا ایک آدمی اونگھ رہا تھا۔ اس کا سر کرسی کی پشت سے ٹکا ہوا تھا۔ گود میں رائفل رکھی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھ رائفل پر تھے۔ اس شخص کا رخ دائیں طرف والی دیوار کی طرف تھا۔ گرد آلود فرش پر اس دیوار تک قدموں کے نشان تھے۔ لگتا تھا جیسے اس جگہ کو دیوار تک آنے جانے کے لیے راستے کے طور پر استعمال کیا گیا ہو۔ قدموں کے نشان پورے ہال میں بھی پھیلے ہوئے تھے۔

دائیں طرف ایک کمرا تھا۔ اس کمرے کا دروازہ اور چوکھٹ تو نہیں تھی لیکن قدموں کے نشان وہاں تک بھی تھے۔ جس کا مطلب تھا کہ اس کمرے میں بھی کوئی موجود تھا۔ تھونگ کے کہنے کے مطابق سامی کے ساتھ دو محافظ تھے۔ ایک تو میری نظروں کے سامنے تھا البتہ سامی اور دوسرا محافظ نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید وہ دونوں کمرے میں تھے۔

اچانک کرسی پر اونگھتا ہوا وہ محافظ ہڑبڑا کر اٹھ گیا اور اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے کسی بات کا شبہ ہو گیا ہو۔ اس نے ایک ہاتھ میں رائفل سنبھالی اور کمرے کے دروازے پر رک کر اندر جھانکنے لگا پھر اس سے آگے ایک راہداری میں مڑ کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا مگر اس کی واپسی میں دو منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ وہ اس دیوار کے قریب جا کر رک گیا جہاں تک قدموں کے نشان تھے۔ اس نے دیوار کے ایک حصے پر ہاتھ رکھ کر ٹٹولا یا دباؤ ڈالا تو دائیں طرف تین فٹ کے فاصلے پر دیوار کا ایک حصہ شق ہو گیا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ شق ہونے والی اس دیوار کی دوسری طرف اوپر جانے کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کر سیڑھیوں پر دیکھا اور پھر دیوار کے اس حصے کو دوبارہ دبا دیا۔ دیوار کے دونوں حصے آپس میں مل گئے۔

میں سیدھا ہو گیا۔ جانکی بھی اس وقت چبوترے کی اس دراڑ سے آنکھ لگائے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی سیدھی ہو گئی۔

"راستہ اس دیوار میں ہے۔" جانکی نے سرگوشی کی۔

میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور سیدھا ہو کر چبوترے کے اوپر واٹ کی عمارت کی طرف دیکھنے لگا۔ دراصل میں یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ تہ خانے میں سیڑھیوں کا راستہ عمارت کے کس حصے میں ہو سکتا تھا اور پھر میں نے دوبارہ چبوترے کی اس دراڑ سے جھانک کر دیکھا۔ تہ خانے میں وہ محافظ اب نظر نہیں آ رہا تھا۔ شاید کمرے میں یا راہداری میں چلا گیا تھا۔

میں نے سیدھا ہو کر جانکی کو اشارہ کیا اور ہم وہاں سے دور رہتے چلے گئے اور پھر ایک طویل چکر کاٹ کر واٹ کے سامنے والے رخ پر آگئے۔ میں واٹ کے مرکزی دروازے کی طرف جانا چاہتا تھا مگر جانکی نے مجھے روک لیا۔

"اکیلے اندر جانا درست نہیں ہے۔" اس نے سرگوشی کی "ان کے پاس آٹومیٹک رائفلیں ہیں اور ہمارے پاس صرف یہ پستول۔" اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کی طرف اشارہ کیا "بہتر ہے کہ ہم سکھدر اور پاتھم کو بھی بلالیں۔"

جانکی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر اس طرف چل پڑا جہاں پہلے میں نے پاتھم کو جاتے ہوئے دیکھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ کسی ایسی جگہ پر بیٹھا ہوگا جہاں سے واٹ پر نگاہ رکھ سکے۔ میں واٹ کے سامنے کھلی جگہ پر کھڑے ہو کر ایسی حرکتیں کرنے لگا کہ پاتھم میری طرف متوجہ ہوسکے۔

چاند کی مدھم روشنی میں کھلی جگہ پر میں بڑی آسانی سے کسی کی نظروں میں آسکتا تھا اور پھر میری یہ کوشش رائگاں نہیں گئی تھی۔ چند منٹ بعد ہی پاتھم اور سکھدر مختلف سمتوں سے نکل کر وہاں آگئے۔

"ہم نے تہ خانہ دریافت کرلیا ہے۔ اب صرف راستہ تلاش کرنا ہے۔" میں نے سرگوشی میں ان دونوں کو بتایا اور پھر تفصیل سے آگاہ کرنے لگا۔ آخر میں' میں نے واٹ کی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "تہ خانے کا راستہ اس طرف ہونا چاہیے۔"

ہم لوگ چبوترے پر چڑھ کر واٹ کے مرکزی دروازے میں داخل ہوگئے۔ سامنے ہال تھا جو ہم دن کی روشنی میں بھی دیکھ چکے تھے۔ ہال کے چاروں طرف کمرے تھے۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا مرکزی دروازے کی دائیں طرف ایک کمرے میں داخل ہوگیا۔ یہ بہت وسیع کمرا تھا۔ سامنے ہی دیوار کے ساتھ ایک چبوترا تھا۔ اس کی چوڑائی اور موٹائی دو دو فٹ رہی ہوگی۔ بلندی میں یہ چار فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔

"میرے خیال میں تہ خانے کا راستہ اسی کمرے میں ہونا چاہیے۔" میں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

پاتھم نے ٹارچ روشن کرلی۔ ہم تقریباً پندرہ منٹ تک ٹارچ کی روشنی میں اِدھر اُدھر دیکھتے رہے مگر کوئی مشتبہ جگہ نظر نہیں آئی۔ میرے خیال میں جو کچھ بھی تھا اس کا تعلق اس چبوترے ہی میں ہوسکتا تھا۔ اس چبوترے پر کسی زمانے میں مہاتما بدھ کا کوئی مجسمہ رکھا رہتا ہوگا لیکن اب تو وہ محض ایک چبوترا تھا۔ پچھلی دیوار اور اس چبوترے کے درمیان تقریباً چھ انچ کا خلا تھا۔ میں ٹارچ کی روشنی میں اس خلا کے اندر جھانکنے لگا اور پھر میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اس خلا میں دیوار کے ساتھ ایک کنڈا سا لگا ہوا تھا۔ میں نے پاتھم کو اشارہ کیا۔ وہ اس خلا میں ہاتھ ڈال کر اس آہنی کنڈے کو حرکت دینے لگا۔

نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ چبوترے کی دائیں طرف دیوار کا ایک حصہ شق ہونے لگا۔ سکھدر رائفل تان کر کھڑا ہوگیا۔ ہم تینوں حفظ ماتقدم کے طور پر چبوترے کی آڑ میں ہوگئے۔

سکھدر کا اشارہ پاکر ہم سامنے آگئے۔ دیوار میں پیدا ہونے والے اس خلا میں نیچے جانے کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ سیڑھیوں کے اختتام پر دیوار نے راستہ بند کر رکھا تھا۔ میں نے گھوم کر چبوترے کی طرف دیکھا۔ اصل میکنزم تو دیوار ہی میں تھا اور اسے چھپانے کے لیے سامنے چبوترا بنا دیا گیا تھا۔ کون سوچ سکتا تھا کہ اس چبوترے کے پیچھے کوئی راز پوشیدہ ہوگا۔ طویل عرصے سے یہاں سیاحوں کی آمدورفت بھی تھی۔ سیاح عام طور پر سرسری سی نگاہوں سے دیکھ کر گزر جاتے ہیں۔ کوئی ایسی باتوں پر توجہ نہیں دیتا۔ پیڈرو کے کسی آدمی نے یہ راز دریافت کرلیا تھا اور وہ کھنڈروں میں اس تہ خانے کو پناہ گاہ کے طور پر استعمال کررہے تھے اور ہوسکتا ہے یہاں کئی اور دھندے بھی ہوتے ہوں۔ ایسی جگہوں پر تو منشیات کا بزنس بھی ہوتا تھا۔

جانکی کو چبوترے کے قریب روک دیا گیا اور ہم تینوں بہت احتیاط سے سیڑھیوں پر اترنے لگے۔ آگے سکھدر تھا۔ اس کے پاس رائفل تھی۔ اس کے پیچھے میں اور میرے پیچھے پاتھم۔ میں نے اپنا خنجر نکال لیا تھا اور پاتھم کے ہاتھ میں پستول۔

میں ٹارچ کی روشنی میں دیوار کا جائزہ لینے لگا۔ ایک جگہ قدرے ابھری ہوئی تھی۔ میں نے ہاتھ رکھ کر اس جگہ کو دبایا تو دیوار میں اوپر سے نیچے ایک لکیر سی بن گئی جو لحہ بہ لحہ کشادہ ہوتی چلی گئی۔ پاتھم اور سکھدر جلدی سے دیوار کے ساتھ دائیں بائیں ہوگئے۔ دیوار شق ہوتی چلی گئی۔ میں نے ٹارچ بجھادی تھی اور خنجر ہاتھ میں لیے تیار کھڑا تھا۔

وہ خلا ایک عام دروازے کے برابر تھا۔ دوسری طرف سے قدموں کی آواز سن کر ہم سب محتاط ہوگئے۔ اندر سے آنے والی روشنی سیڑھیوں تک پہنچ رہی تھی۔ چند سیکنڈ بعد قدموں کی وہ آہٹ رک گئی اور ایک آدمی گردن نکال کر سیڑھیوں پر جھانکنے لگا۔ سکھدر نے بڑی تیزی سے سامنے آکر رائفل کا بٹ اس کے منہ پر مار دیا۔

یہ وہی محافظ تھا جسے میں نے چبوترے کی دراڑ سے تہ خانے میں دیکھا تھا۔ منہ پر ضرب لگتے ہی وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی تھی۔

وہ شخص زمین پر گرتے ہی سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنی رائفل کی طرف لپکا لیکن اسی لمحے سکھدر نے رائفل کا ٹریگر دبا دیا۔ تہ خانہ فائرنگ اور اس شخص کی چیخوں سے گونج اٹھا تھا۔ اس شخص کا جسم گولیوں سے چھلنی ہوگیا تھا اور زخموں سے بہنے والا خون فرش پر جمی ہوئی گرد پر پھیلنے لگا تھا۔

میں فرش پر گری ہوئی رائفل اٹھا کر راہداری کی طرف لپکا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے سکھدر کو اس کمرے کی طرف اشارہ کردیا تھا۔

راہداری خاصی طویل تھی لیکن مجھے زیادہ آگے نہیں جانا پڑا۔ دائیں طرف والے کمرے سے ایک آدمی باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی گولی چلا دی۔ میں اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اپنی ٹانگ کو اس طرح حرکت دی تھی کہ میرے پیر کی ٹھوکر اس کے پستول والے ہاتھ پر لگی۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جاگرا اور پھرو شخص میری رائفل کی زد میں تھا۔

ٹھیک اسی لمحے دوسری طرف سے فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ پورا برسٹ مارا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی کسی آدمی کے چیخنے کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

میں اپنے شکار کو رائفل کی زد پر لے کر ہال میں آگیا۔ وہ پیڈرو کا چھوٹا بھائی سامی تھا۔ اس کی عمر ستائیس اٹھائیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ قدرے دراز قامت اور کسرتی بدن کا مالک تھا۔ گلے میں سونے کی ایک موٹی سی چین تھی جس کے لاکٹ میں جڑا ہوا ہیرا پیٹرومیکس کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ اس کا سامنے کا ایک دانت بھی سونے کا تھا۔ اس کے جسم پر صرف پاجامہ تھا جو غالباً بڑی عجلت میں پہنا گیا تھا۔

سامی کا چہرہ خوف سے پیلا ہورہا تھا۔ وہ وحشت زدہ سی نظروں سے ہال میں پڑی ہوئی اپنے دونوں محافظوں کی لاشوں کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے سامی کو سکھدر اور پاتھم کے حوالے کردیا اور گھوم پھر کر تہ خانے کا جائزہ لینے لگا۔ راہداری میں سامی والے کمرے میں شان دار بیڈ لگا ہوا تھا۔ دیوار کے ساتھ ایک میز پر شراب کی بوتلیں اور سگریٹ کے پیکٹ رکھے ہوئے تھے اور پھر بیڈ پر زنانہ کپڑے دیکھ کر میں چونک گیا۔

میں محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کمرے میں پچھلی طرف ایک اور راستہ تھا میں نے اس طرف جھانک کر دیکھا مگر تاریکی میں کچھ نظر نہیں آیا اور پھر ایک آواز سن کر میں چونک گیا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے کسی نے سسکی بھری ہو۔ میں نے پلنگ کے نیچے جھانکا اور ساری بات میری سمجھ میں آگئی۔

"تم جو کوئی بھی ہو' باہر آجاؤ... ورنہ بیڈ کے نیچے فائرنگ کردوں گا۔" میں نے اونچی آواز میں کہا۔

چند سیکنڈ بعد ہی ایک جوان اور خوب صورت لڑکی بیڈ کے نیچے سے نکل آئی۔ اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"کپڑے پہنو۔" میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

اس لڑکی کی عمر میں اکیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ بڑی حسین تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے کپڑے پہنے اور میں اسے کمرے سے باہر لے آیا۔ ہال کا منظر دیکھ کر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

پاتھم نے عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سامی کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے تھے۔ اس لڑکی اور سامی کو رائفلوں کی زد پر لے کر ہم تہ خانے کے باہر آگئے۔ تہ خانے کا راستہ بند کردیا گیا۔ جانکی چبوترے کی آڑ سے نکل کر سامنے آئی۔

ہمیں اپنی گاڑی تک پہنچنے میں تقریباً آدھا گھنٹا لگا تھا۔ سیاحوں کی سہولت کے لیے بیگ پائپر پیلس کے قریب کھانے پینے کی چیزوں کے کچھ اسٹال تھے۔ چند اسٹال سونیئرز کے بھی تھے اور محکمۂ سیاحت کا ایک مختصر سا دفتر بھی تھا جہاں سے سیاحوں کی رہنمائی اور انہیں اس قدیم شہر کے بارے میں معلومات فراہم کی جاتی تھیں لیکن رات کے آخری پہر وہاں سناٹا تھا۔ ہماری ٹیکسی کے علاوہ دو کاریں اور بھی وہاں کھڑی تھیں۔ سکھدر تو پاتھم کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سامی اور اس لڑکی کو پچھلی سیٹ پر بٹھا کر اس کی ایک طرف میں اور دوسری طرف جانکی بیٹھ گئی۔

ٹیکسی کھنڈروں سے نکل کر تیز رفتاری سے بنکاک کی طرف جانے والی سڑک پر دوڑنے لگی۔ واپسی کے لیے دوسرا راستہ اختیار کیا گیا تھا۔ جب ہم شہری حدود میں داخل ہوئے تو دن طلوع ہونے والا تھا۔ اس لڑکی کو سوکھم وٹ سکسٹی ٹو اور ایکسپریس وے کے انٹرسیکشن پر گاڑی سے اتار دیا گیا۔ وہ بے چاری خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ شاید اسے بھی ان دو محافظوں کی طرح مار دیا جائے گا جن کی لاشیں وہ واٹ چیانگ سین کے تہ خانے میں دیکھ چکی تھی۔

ہم ایکسپریس وے' رامانور روڈ اور سائی فریا روڈ سے ہوتے ہوئے دریا پار کرکے جانکی والے بنگلے میں پہنچ گئے۔ کال بیل کے جواب میں گیٹ پر سادنے کھولا تھا۔ گاڑی میں ہمارے ساتھ سامی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔

سامی کو ایک خالی کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے نہ صرف پیر بھی باندھ دیے گئے بلکہ منہ میں بھی کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا تاکہ وہ شور نہ مچا سکے۔ اس کے علاوہ اس کے ہونٹوں پر ٹیپ بھی چپکا دیا۔ جب میں اس کمرے سے باہر نکلا تو ہال میں تھائی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ جانکی بھی اس کے قریب کھڑی تھی۔ تھائی نے مجھے اندر آتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اب وہ گھورتی ہوئی نظروں سے کبھی مجھے اور کبھی جانکی کو دیکھ رہی تھی۔ میرے اور جانکی کے حلیے بڑے ابتر تھے۔ پگوڈا کے تہ خانے میں مٹی کے ڈھیر پر لوٹ پلٹ سے ہم دونوں کے حلیے بگاڑ دیے تھے۔

"یہ۔ تم دونوں کی کیا حالت ہورہی ہے۔ لگتا ہے جیسے مٹی میں لوٹتے رہے ہو۔" تھائی نے یہ کہتے ہوئے ایک بار پھر ہم دونوں کو گھورا۔

"سامی چیانگ سین واٹ کے کھنڈروں میں روپوش تھا اور ہم چاروں طرف سے اس کھنڈر کی نگرانی کررہے تھے۔" مجھ سے پہلے جانکی بول پڑی تھی "ہم دونوں ایک جگہ مٹی کے ڈھیر پر بیٹھے ہوئے

تھے۔ ڈھیر کی مٹی سرکی تو ہم بھی لڑھکتے چلے گئے۔"

میں نے جانگی کی طرف دیکھا اور میری نظریں خود بخود جھک گئیں جبکہ جانگی مسکرا رہی تھی۔

میں اپنے کمرے میں آکر باتھ روم میں گھس گیا۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر دیکھا تو میرا حلیہ واقعی بہت برا ہو رہا تھا۔ بال بھی مٹی میں اٹے ہوئے تھے۔ میں نے نہا کر کپڑے تبدیل کیے اور باہر آگیا۔

پاتھم ناشتا کر کے چلا گیا۔ میں اور پرساد اس کمرے میں آگئے جہاں سامی کو قید کیا گیا تھا۔ میں نے خنجر نکال لیا اور سامی کے ہونٹوں سے ٹیپ اتار دیا۔

"اگر تم نے چیخنے چلانے کی کوشش کی تو بلاد ریغ تمہارا گلا کاٹ دوں گا۔" میں نے سامی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "تم نے میرے بہترین دوست گانگ کو سن شائن کیسینو میں گولیاں مار کر ہلاک کروایا تھا۔ تم شاید یہ سمجھتے تھے کہ کوئی تم تک نہیں پہنچ سکے گا۔ پیڈرو کی وجہ سے کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ پیڈرو نے تمہیں چھپانے کے لیے شہر سے کتنا دور بھیج دیا تھا لیکن چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ہم نے تمہیں ڈھونڈ نکالا۔ اب تم مکمل طور پر میرے رحم و کرم پر ہو۔ تمہیں گانگ کے قتل کی سزا تو ملے گی ہی لیکن اس سے پہلے تم میرے ایک دو سوالوں کے جواب دو گے۔ انکار کی صورت میں تمہاری موت کہیں زیادہ اذیت ناک ہوگی۔ دارا کہاں ہے؟"

"میں نہیں جانتا دارا کہاں ہے۔" سامی نے جواب دیا "میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ مجھے کوئی نقصان پہنچائے بغیر چھوڑ دو۔ پیڈرو تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ تمہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ... نکالے گا۔"

"پیڈرو بزدل ہے۔" میں نے کہا "اگر وہ مرد ہوتا تو چھپ کر نہ بیٹھتا۔ وہ اب تک اپنے سے کمزور، کمتر اور بے گناہ لوگوں کو ظلم کا نشانہ بناتا رہا ہے۔ اس ظلم کی بنا پر وہ انڈورلڈ کا بے تاج بادشاہ بن گیا ہے لیکن اب بہت جلد میں اسے سڑکوں پر بھیک مانگنے پر مجبور کردوں گا۔ پیڈرو کو تو میں تلاش کر ہی لوں گا لیکن تم اگر اپنی موت کو آسان بنانا چاہتے ہو تو دارا کا پتا بتاؤ۔ وہ کہاں چھپا ہوا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" سامی نے جواب دیا۔

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، پرساد نے اس کے منہ پر زوردار گھونسا رسید کردیا۔ سامی چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ اس کے ہونٹوں سے خون بہہ نکلا تھا۔ پرساد نے اسے پکڑ کر بٹھادیا۔ ایک ہاتھ سے اس نے سامی کے بالوں کو مٹھی میں جکڑلیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے منہ پر تھپڑوں کی بارش کردی پھر اس نے میرے ہاتھ سے خنجر لے لیا۔

"تمہارے بھائی نے میرے اوپر جو تشدد کیا تھا اس کے نشانات ہمیشہ کے لیے میرے جسم پر ثبت ہوگئے ہیں۔ میرا داغ دار جسم مجھے وہ رات یاد دلاتا رہے گا۔ میں نے تو وہ تشدد برداشت کرلیا تھا مگر تم برداشت نہیں کرسکو گے۔ باس کی بات کا جواب دو اور یا تمہارا یہ بازو یہاں سے کاٹ دوں گا۔" اس نے خنجر سامی کے دائیں بازو اور کندھے کے جوڑ پر رکھ دیا۔

سامی نے پھر بھی زبان نہیں کھولی تو اس نے خنجر کو ذرا سی حرکت دی۔ کھال کٹ گئی اور اس کے ساتھ ہی سامی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ پرساد نے خنجر ہٹا کر بائیں ہاتھ سے زوردار گھونسا اس کے جبڑے پر رسید کردیا۔

"اگر اب تمہارے منہ سے آواز نکلی تو گلا ہی کاٹ دوں گا۔" پرساد بھیڑیے کی طرح غرایا "بتاؤ۔ دارا کہاں ہے؟"

"ب... بتاتا ہوں۔" سامی ہکلایا۔

وہ واقعی بزدل نکلا تھا۔ چند جاندار ہاتھ پڑے تھے اور وہ زبان کھولنے پر آمادہ ہوگیا تھا۔

"کہاں ہے وہ؟" اس مرتبہ میں نے پوچھا۔

"کنچن پوری میں۔" سامی نے جواب دیا "دریائے کوائے پر بنے ہوئے تاریخی پل سے دریا کے بہاؤ کی طرف ٹھیک ڈیڑھ میل کے فاصلے پر دریا کے کنارے پر ایک چھوٹا سا پگوڈا ہے۔ اس پگوڈا کی عقبی سمت میں تقریباً پانچ سو گز کے فاصلے پر پہاڑیوں میں ایک بہت بڑا بنگلا نما کاٹیج ہے۔ دارا وہیں ہے۔ اس کے ساتھ شانگ بھی ہے۔"

"شانگ، پیڈرو اور دارا میں کیا ڈیل ہوئی ہے؟" میں نے ایک اور سوال کیا۔

"ان میں ابھی تک کوئی بات فائنل نہیں ہوئی۔" سامی نے جواب دیا "تین دن پہلے انہیں ڈیل فائنل کرنے کے لیے چیانگ رائے جانا تھا لیکن دارا کے زخمی ہونے کی وجہ سے یہ پروگرام ملتوی... ہوگیا۔ اس کے بعد کوئی نئی تاریخ طے نہیں ہوئی۔"

"ڈیل کیا ہے۔ وہ لوگ کیا منصوبہ بنا رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"منصوبہ دارا نے بنایا تھا۔" سامی نے جواب دیا "اس نے ٹائیگر کے ساتھ ہیروئن کی اسمگلنگ کا پروگرام بنایا تھا۔ شانگ کے ذریعے دس ہزار امریکی ڈالر ایڈوانس دیے جاچکے ہیں۔ ان دونوں میں طے یہ ہوا تھا کہ سرمایہ ٹائیگر لگائے گا اور باقی سارا کام دارا کرے گا۔ ٹائیگر کے تمہارے ہاتھوں قتل کے بعد پیڈرو نے اس منصوبے کو جاری رکھا۔ وہ فائنل ڈیل کے لیے گولڈن ٹرائی اینگل جانے والے تھے مگر میاں بھی تمہاری وجہ سے گڑبڑ ہوگئی۔ اب تم نے مجھے اغوا کیا ہے۔ پیڈرو تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"زندہ چھوڑنے کا سوال تو اس وقت پیدا ہوگا جب وہ مجھے پکڑلے گا۔ بہرحال۔" میں نے کہا "تمہارے بارے میں رات کو فیصلہ کیا جائے گا۔ تمہارا منہ بند نہیں کیا جائے گا لیکن اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو انجام بہت برا ہوگا۔ پرساد!" میں نے اٹھ کر پرساد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اسے ناشتا کروادو۔"

پرساد نے وہاں سے ہٹتے ہوئے بھی سامی کو ایک زوردار

گھونسا رسید کردیا تھا۔

میرا وہ دن بڑی بے چینی میں گزرا تھا۔ رات آٹھ بجے کے قریب پاتھم بھی آگیا۔ اس کے پاس بڑی دلچسپ خبریں تھیں۔ پیڈرو کو آج صبح دس بجے کے قریب سامی کے اغوا کی اطلاع مل گئی تھی۔ وہ لڑکی جسے ہم نے رات کو چھوڑ دیا تھا، پیڈرو کے پاس پہنچ گئی تھی اور اس نے پیڈرو کو محافظوں کے قتل اور سامی کے اغوا کے بارے میں بتایا تھا۔ اس نے پیڈرو کو ہم سب کے حلیے بتائے تھے اور پیڈرو نے مجھے پہچان لیا تھا۔ اس کے آدمی شکاری کتوں کی طرح پورے شہر میں مجھے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔

رات دس بجے کے قریب میں نے فیصلہ کرلیا کہ سامی کا کیا کرنا ہے۔ پرساد کو خود پیڈرو نے تشدد کا نشانہ بنایا تھا اور گانگ کو سامی نے قتل کیا تھا۔ میں گانگ کی موت کو نہیں بھول سکتا تھا۔

میں ٹیلی فون اٹھا کر سامی والے کمرے میں آگیا۔ پرساد بھی میرے ساتھ تھا۔ میں نے ساکٹ میں ٹیلی فون کا پلگ لگا کر سامی کی طرف دیکھا۔

"پیڈرو اس وقت کہاں ملے گا۔ نمبر بتاؤ؟" میں نے کہا۔

سامی نے ایک نمبر بتایا۔ پیڈرو وہاں نہیں تھا پھر سامی کا بتایا ہوا دوسرا اور پھر تیسرا نمبر بھی ٹرائی کیا گیا مگر کسی نمبر پر پیڈرو سے رابطہ نہیں ہوسکا۔ بالآخر چوتھے نمبر پر اس سے بات ہوگئی۔

"تم اپنے بھائی کے لیے پریشان ہو رہے ہو۔ وہ ابھی تک تو محفوظ ہے لیکن...."

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا وجدان۔" پیڈرو نے غراتے ہوئے میری بات کاٹ دی "کسی میں آج تک یہ ہمت نہیں ہوسکی کہ پیڈرو کا راستہ کاٹ سکے۔ اگر سامی کو کوئی نقصان پہنچا تو میں تمہارے ٹکڑے کردوں گا۔"

"تمہاری یہ حسرت پوری نہیں ہوسکے گی۔" میں نے جواب دیا "لو۔ پہلے سامی سے بات کرلو۔ تاکہ تمہیں یقین ہوجائے کہ وہ میرے ہی قبضے میں ہے اور ابھی تک زندہ ہے۔"

میں نے فون کا ریسیور سامی کے کان سے لگادیا۔

"پیڈرو۔ مجھے بچالو پیڈرو۔" سامی نے ماؤتھ پیس میں کہا "ان کا اگر کوئی مطالبہ ہے تو وہ مان لو۔ مجھے بچالو پیڈرو۔ پلیز...."

میں نے ریسیور اس سے دور ہٹالیا۔

"تمہیں یقین آگیا پیڈرو۔" میں نے کہا۔

"کیا چاہتے ہو؟" پیڈرو بولا۔

"گانگ.... مجھے گانگ چاہیے جسے سامی نے قتل کردیا تھا۔" میں نے کہا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔" پیڈرو چیخا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "تم گانگ کو نہیں لوٹا سکتے لیکن میں تمہارا بھائی تمہیں لوٹادوں گا۔ آج رات ایک اور دو بجے کے درمیان تمہارا بھائی تمہیں مل جائے گا۔" میں نے ریسیور رکھ دیا اور فون کا پلگ نکال لیا۔

مقناطیسیت

اس کتاب کے مطالعے سے اپنی شخصیت کی مقناطیسی قوت کو اجاگر کریں اور کامیابی کی منزلیں

قیمت 25 روپے

ڈاک خرچ 23 روپے

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ

منی آرڈر

منگوانے کا پتہ

kitablat@hotmail.com

kitablat1970@yahoo.com

سامی کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ابھر آئے۔ اسے شاید یہ امید ہو رہی تھی کہ میں اسے چھوڑ دوں گا۔

رات ساڑھے گیارہ بجے کے قریب میں اور پرساد ایک بار پھر سامی والے کمرے میں موجود تھے۔ ہال میں پاتھم نے ٹی وی فل آواز سے کھول دیا تھا۔ اسٹار اسپورٹس پر کرکٹ کے کسی میچ کی ریکارڈنگ دکھائی جا رہی تھی۔ تماشائیوں کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

پرساد سامی کو گھسیٹتا ہوا باتھ روم میں لے گیا۔ میں نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور باتھ روم کے دروازے پر آگیا۔ سامی باتھ روم کے فرش پر پڑا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا اور پھر میرے ہاتھ میں پستول دیکھ کر اس کی آنکھوں میں دہشت بھر گئی۔

"میرے دوست گانگ کے نام پر!"

میں نے یہ کہتے ہوئے ٹریگر دبا دیا۔ پہلی گولی اس کی پیشانی میں لگی اور باقی دو گولیاں سینے پر۔ میں نے دروازہ بند کر دیا۔ مجھے امید تھی کہ ٹی وی کے شور کی وجہ سے گولیوں کی آواز باہر کہیں نہیں سنی گئی ہوگی۔

ایک بجے کے قریب سامی کی لاش کو بوری میں بند کر کے کار کی ڈکی میں ڈال دیا گیا۔ کار میں میرے ساتھ پرساد اور پاتھم بھی تھے۔ پاتھم نے تو ڈرائیونگ سنبھال لی تھی۔ میں اور پرساد پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے تھے۔

میرا خیال تھا کہ ہم سامی کی لاش کو چاؤ فرایا پیراڈائز ریسٹورنٹ کے آس پاس کسی جگہ پر ڈال دیں گے تاکہ وہ کلب میں آنے جانے والے لوگوں میں سے کسی کی نظروں میں آجائے اور پیڈرو کو بھی اس کی اطلاع مل جائے۔

کار سڑک پر متوسط رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ سڑک پر سناٹا تھا۔ پاتھم نے کار وانگ ڈنگ روڈ پر موڑ لی۔ وہاں سے کچھ آگے ہمیں اروِن امارند روڈ کی طرف مڑ جانا تھا۔

کار وانگ ڈنگ روڈ پر مڑ رہی تھی کہ اچانک ہی اروِن امارند روڈ کی طرف سے ایک تیز رفتار کار آتی ہوئی دکھائی دی۔ ہماری کار سڑک کے وسط میں تھی اور مخالف سمت سے آنے والی کار بھی سڑک کے وسط میں آرہی تھی۔ پاتھم نے اپنی کار کو سائڈ میں لیتے ہوئے پوری قوت سے بریک لگا دیے۔ دوسری کار کے ڈرائیور نے بھی بریک لگائے تھے لیکن وہ کار ٹائروں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ لہراتی ہوئی ہماری کار سے ٹکرا گئی۔

تصادم اگرچہ زیادہ زوردار نہیں تھا لیکن سنسنی خیزیات یہ تھی کہ وہ پولیس کی کار تھی۔ چھت پر فلیشر چمک رہا تھا۔

تصادم ہوتے ہی تین پولیس والے کار سے اتر کر بڑی تیزی سے ہماری کار کی طرف بڑھے تھے۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں گردن گھما کر پرساد کی طرف دیکھنے لگا۔ ان تینوں پولیس والوں نے ہماری کار کو گھیر لیا تھا۔

میرا دماغ سُن ہو گیا۔ ایک لمحے کو تو یوں محسوس ہوا جیسے میرے حواسِ خمسہ میرا ساتھ چھوڑ گئے ہوں۔ میں پتھر کے بے جان بت کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا اس پولیس والے کی طرف دیکھ رہا تھا جو کار کے میری طرف والے دروازے سے دو فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ اس کے بیلٹ ہولسٹر میں ریوالور تھا اور اس کا سیدھا ہاتھ ریوالور کے دستے پر پہنچ چکا تھا۔

اپنے ہاتھ کی پشت پر چبھن سی محسوس کر کے میں جیسے ہوش میں آگیا۔ میرے ساتھ بیٹھے ہوئے پرساد نے میرے ہاتھ پر چٹکی کاٹی تھی۔ میں سنبھل کر بیٹھ گیا اور گردن گھما کر دوسرے پولیس والے کی طرف دیکھنے لگا جو پرساد کی طرف کھڑا تھا۔ اس کا ہاتھ بھی ریوالور کے دستے پر تھا جبکہ تیسرا پولیس والا ڈرائیونگ سائڈ ونڈو پر جھکے ہوئے تیز لہجے میں پاتھم سے کچھ کہہ رہا تھا۔ میرا ذہن اس وقت بھی ماؤف تھا۔ اب میں اگرچہ تھائی زبان بہت اچھی طرح سمجھ اور بول لیتا تھا لیکن اس وقت میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہا تھا کہ وہ پولیس والا پاتھم سے کیا کہہ رہا تھا۔ تاہم اس کے چہرے کے تاثرات اور لہجے کی تیزی سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ پاتھم کو سرزنش کر رہا تھا۔ جواب میں پاتھم نے کچھ کہا تو اس پولیس والے نے بڑی پھرتی سے ریوالور نکال لیا اور بائیں ہاتھ سے ایک جھٹکے سے کار کا دروازہ کھول دیا۔

صورتِ حال خاصی سنگین تھی۔ وہ حادثہ بہت معمولی تھا۔ پولیس کار کا دائیں طرف کا ہیڈ لیمپ ٹوٹا تھا جبکہ ہماری کار کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ پاتھم اگر ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی کار کو سائڈ میں لیتے ہوئے بریک نہ لگاتا تو حادثہ سنگین ہو سکتا تھا۔ اس معمولی ٹکر میں بھی قصور پولیس کار کے ڈرائیور ہی کا تھا مگر یہ پولیس والے الٹا ہم پر ہی چڑھ دوڑے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ شاید پولیس والے کبھی کوئی غلطی نہیں کرتے۔ وہ اپنا گناہ ہم پر تھوپنے کی کوشش کر رہے تھے اور ہمارے لیے صورتِ حال اس طرح سنگین ہو گئی تھی کہ ہماری کار کی ڈکی میں ایک عدد لاش موجود تھی۔ پیڈرو کے بھائی سامی کی لاش جس کی تلاش میں اس کے آدمی پورے شہر میں باؤلے کتوں کی طرح پھر رہے تھے اور ستم ظریفی تو یہ تھی کہ پیراڈائز ریسٹورنٹ وہاں سے صرف ڈیڑھ دو فرلانگ کے فاصلے پر تھا اور یہ ریسٹورنٹ پیڈرو کے چند ایسے ترین اڈوں میں سے ایک تھا۔ اگر پیڈرو کا کوئی آدمی اس طرف آنکلتا تو مجھے یا پرساد کو شناخت کرنے میں اسے زیادہ دشواری پیش نہ آتی۔

اس سے پہلے کہ وہ پولیس والا پاتھم کے گریبان پر ہاتھ ڈالتا، پاتھم خود ہی کار سے اتر آیا۔ وہ اس پولیس والے کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ قصور خود اس کا ہے لیکن وہ پولیس والا اپنی غلطی تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ میں بھی کار کا دروازہ کھول

نیچے اتر آیا۔ میری طرف کھڑے ہوئے پولیس والے نے بھی ریوالور نکال لیا۔ میں کار کے اوپر سے گھوم کر ڈرائیونگ سائڈ پر پاتھم اور اس پولیس والے کے قریب پہنچ گیا۔ دوسری طرف سے پرساد بھی اتر آیا۔ وہ بھی اس پولیس والے کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگا کہ غلطی اسی کی تھی لیکن اس کے باوجود ہم ان کی گاڑی کا نقصان پورا کرنے کو تیار ہیں مگر وہ پولیس والا بقول شخصے 'پروں پر پانی نہیں پڑنے دے رہا تھا جبکہ دوسرے پولیس والے خاموش کھڑے تھے۔ البتہ انہوں نے اپنے ریوالور تیار رکھے تھے تاکہ اگر ہم کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کریں تو ہمیں سبق سکھا سکیں۔

وہ ضدی پولیس والا غالباً اس پارٹی کا انچارج تھا۔ اس نے غالباً یہ مان لیا تھا کہ غلطی اسی کی تھی لیکن وہ ہر صورت میں ہمیں کسی چکر میں پھنسانا چاہتا تھا۔

"پولیس والوں کے ساتھ منہ ماری کر کے تم لوگ اپنے آپ کو مصیبت میں پھنسا رہے ہو۔" وہ پاتھم کی طرف دیکھتے ہوئے غرایا۔ "اور میں تم لوگوں کو چھوڑوں گا نہیں۔ اے جیکی۔" اس نے اپنے ایک ساتھی کو مخاطب کیا "تلاشی لو ان کی گاڑی کی اور ہر جگہ چیک کرو۔ ان کی گاڑی میں یقیناً کوئی نہ کوئی ایسی چیز ضرور ہوگی جو انہیں سلاخوں کے پیچھے بند کرانے میں مددگار ثابت ہو سکے۔"

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ میں نے کن انکھیوں سے پرساد اور پاتھم کی طرف دیکھا۔ ان کے چہروں پر بھی عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ جیکی نامی وہ پولیس والا پہلے دروازے میں جھک کر گاڑی کی پچھلی سیٹ اور اس کے نیچے فٹ میٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ وہ ضدی پولیس والا خود بھی گاڑی کو چیک کرنے کے لیے ڈرائیونگ سیٹ کے کھلے ہوئے دروازے کے اندر جھکنے لگا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کا چہرہ میرے چہرے کے بالکل قریب آگیا اور اس کے ساتھ ہی میرے دماغ میں ایک دھماکا سا ہوا۔ اس کے منہ سے شراب کی ہلکی سی بو آرہی تھی۔

"آفیسر!" میں نے اسے بازو سے پکڑ کر پیچھے کھینچ لیا۔ اس وقت میرے لہجے میں کسی قدر درشتی تھی "تم شراب کے نشے میں ہو اور تم جانتے ہو شراب پی کر گاڑی چلانا سنگین جرم ہے اور تم تو ویسے بھی ڈیوٹی پر ہو۔ اس طرح تمہارا جرم مزید سنگین ہو جاتا ہے۔ تم نے شراب کے نشے میں گاڑی چلاتے ہوئے ہماری گاڑی کو ٹکر ماری اور الٹا ہمیں پریشان کر رہے ہو۔ ہم تمہارے خلاف رپورٹ کریں گے اور تم جانتے ہو اس طرح نہ صرف تمہاری نوکری ختم ہو جائے گی بلکہ تمہیں جیل کی ہوا بھی کھانی پڑے گی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوا "تم اس بات کی گواہی دو گے کہ یہ ڈیوٹی پر شراب پی کر گاڑی چلا رہا تھا اور اس نے ہماری گاڑی کو ٹکر ماری تھی۔"

ان دونوں کے چہرے دھواں ہو گئے۔ وہ ہوش و حواس میں تھے اور بات کی تہ تک پہنچ گئے تھے۔ وہ دونوں پہلے آپس میں تیز لہجے میں باتیں کرتے رہے پھر اپنے ضدی ساتھی کو پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور اسے صورتِ حال سمجھانے کی کوشش کرنے لگے۔ ان کی باتوں میں تلخی صاف محسوس ہو رہی تھی پھر جیکی نامی پولیس والا ہمارے قریب آگیا۔

"سوری سر!" وہ پاتھم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "ہمارا ساتھی آفیسر اپنی اس غیر ذمے دارانہ حرکت پر نادم ہے۔ آپ کو جو زحمت ہوئی اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ آپ لوگ جا سکتے ہیں اور پلیز۔ اس واقعے کو بھول جائیے۔"

"اور ہمارا جو نقصان ہوا ہے۔" اس مرتبہ پاتھم اکڑ گیا "یہ دیکھو۔ ہماری گاڑی کا فینڈر ٹیڑھا ہو گیا ہے۔ اس کی مرمت کے پیسے کون دے گا؟"

"میں آپ کا نقصان پورا کر دوں گا سر۔" جیکی نے پتلون کی جیب سے والٹ نکالا اور چند نوٹ نکال کر پاتھم کی مٹھی میں دبا دیے۔

پاتھم نے نوٹ گنے پھر گاڑی کے فینڈر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اتنی رقم میں تو کوئی ڈینٹر اس کی مرمت نہیں کرے گا...."

اب مجھے پاتھم پر غصہ آرہا تھا۔ ایک مصیبت ٹل رہی تھی لیکن وہ خود اسے گلے لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جیکی والٹ (WALLET) میں سے کچھ اور نوٹ نکالنے لگا۔ میں نے پاتھم کا ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی کی طرف کھینچا۔

"اب رہنے بھی دو۔ اس کی جیب خالی کراؤ گے کیا؟" میں نے پاتھم کو گھورتے ہوئے کہا۔ یہاں کھڑے کھڑے خاصا وقت گزر گیا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ کوئی تیسری پارٹی اس طرف نہ آنکلے۔ اس طرح ہم پھر مصیبت میں پھنس سکتے تھے۔

پاتھم نے جیکی نامی پولیس والے سے نوٹ لے کر پتلون کی جیب میں ٹھونسے اور اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرنے لگا۔ میں اور پرساد بھی بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ پاتھم گاڑی کو چند گز پیچھے ہٹا لے گیا اور پھر اسے پولیس کار کے قریب سے نکالتا ہوا آگے لے جانے لگا۔ وہ تینوں پولیس والے وہاں کھڑے حسرت بھری نظروں سے ہماری گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے اور پھر اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ انہوں نے ہماری گاڑی کا نمبر ضرور دیکھ لیا ہوگا اور یہ بات ہمارے لیے آگے چل کر خطرناک ہو سکتی تھی۔

پاتھم نے وہاں سے نکلتے ہی گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ پیراڈائز ریسٹورنٹ اب وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اگلے موڑ سے پہلے ہی اس نے کار کی رفتار کم کر دی اور پھر اسے اس سڑک پر موڑ دیا جو دریا کے کنارے پر واقع ریسٹورنٹ کی طرف چلی گئی تھی۔ یہ سڑک کافی کشادہ تھی۔ اس کے دونوں طرف پھولوں کی کیاریاں اور ان کے ساتھ ساتھ پام کے درختوں کی قطاریں تھیں۔ سامنے ہی

پیراڈائز ریسٹورنٹ کا گیٹ نظر آرہا تھا۔

"کیا کررہے ہو تم۔ کہاں جارہے ہو؟" پرساد نے پاتھم کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ہم لاش کو ایسی جگہ چھوڑیں گے جہاں سے ان لوگوں کی نظروں میں تو آجائے۔" پاتھم نے جواب دیا اور گاڑی کو گیٹ میں لے جاکر پارکنگ ایریا کی طرف موڑ دیا۔

اس وقت اگرچہ دو بجنے والے تھے لیکن پارکنگ میں بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں جس کا مطلب تھا کہ ریسٹورنٹ کی رونق میں ابھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ پارکنگ لاٹ میں سامنے کے رخ پر جگہ نہیں تھی۔ پاتھم گاڑی کو پچھلی طرف لے گیا اور ایک خالی جگہ پر روک دیا۔

پاتھم کی یہ حرکت خودکشی کے مترادف تھی۔ ہمارا پروگرام تو یہ تھا کہ سامی کی لاش کو ریسٹورنٹ والی سڑک کے آس پاس کسی جگہ ڈال دیا جائے گا جہاں وہ کسی کی نظروں میں آجائے گی۔ ہم صرف یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ ہم بزدل نہیں ہیں لیکن پاتھم کچھ زیادہ ہی فری ہوگیا تھا۔ وہ گاڑی کو ریسٹورنٹ کے پارکنگ لاٹ پر لے آیا تھا۔ یہ ریسٹورنٹ پیڈرو کے چند بڑے اڈوں میں سے ایک تھا۔ وہ خود نہیں تو اس کے آدمی تو ہر وقت یہاں موجود رہتے ہوں گے۔ اس کے کچھ آدمی مجھے بھی پہچانتے تھے اور پرساد کو بھی۔ اگر ہمیں دیکھ لیا جاتا تو وہ لوگ ہمیں یہاں سے زندہ واپس نہیں جانے دیتے۔ میں بزدل نہیں تھا لیکن بے موقع بہادری کا مظاہرہ ہماری زندگیوں کا خاتمہ کرسکتا تھا یا ہمیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا تھا جبکہ ہم یہ بھی جانتے تھے کہ پیڈرو اس وقت پاگل ہوا پھر رہا تھا اور اس کے بھائی کی لاش ہماری کار کی ڈکی میں رکھی ہوئی تھی۔ اس صورت حال میں کوئی فاتر العقل شخص ہی جان بوجھ کر اس قسم کی کوئی حرکت کرسکتا تھا۔

"پرساد۔" پاتھم نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر کہا "تم باس کے ساتھ مل کر بوری کو ڈکی میں سے نکالو اور اسے اس نیلی کار کے قریب ڈال دو۔ یہ مسز تھاٹ کی کار ہے۔ ایک دو مرتبہ میرے ورکشاپ میں مرمت کے لیے آچکی ہے۔ تین بجے کے لگ بھگ لوگ واپس جانا شروع ہوں گے تو یہ بوری ان کی نظروں میں آجائے گی۔"

میں اور پرساد کار سے اتر آئے۔ پاتھم نے اندر سے ایک بٹن دبا کر ڈکی کا لاک کھول دیا۔ میں جیسے ہی پچھلی طرف ڈکی کے قریب پہنچا تو چونک گیا۔ ڈکی کے ایک کونے سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ ہمیں یہاں کھڑے ہوئے زیادہ سے زیادہ دو منٹ ہوئے تھے لیکن اتنی سی دیر میں ہی ڈکی کے نیچے پختہ فرش پر تقریباً تین انچ چوڑا خون کا ایک تالاب سا بن گیا تھا جو ڈکی سے گرنے والے خون کے ہر قطرے کے ساتھ پھیل رہا تھا۔

سامی کو تقریباً تین گھنٹے پہلے گولی ماری گئی تھی اور اس کی لاش دو گھنٹوں تک باتھ روم میں پڑی رہی تھی لیکن وہ صحت مند آدمی تھا اور گولیاں لگنے کے تین گھنٹوں بعد بھی اس کی لاش سے خون ٹپک رہا تھا۔

اچانک ایک اور خیال ذہن میں آتے ہی میں کانپ اٹھا۔ پولیس کار سے تصادم کے بعد ہم دس بارہ منٹ تک وہاں کھڑے رہے تھے اور یقیناً وہاں بھی خون ٹپکا ہوگا۔ جس انداز سے خون ٹپک رہا تھا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس جگہ سڑک پر خون کا کتنا بڑا تالاب بن گیا ہوگا اور اگر ان پولیس والوں نے وہ خون دیکھ لیا ہوگا تو اس سے قطع نظر کہ ان کا ایک ساتھی ڈیوٹی پر اور ڈرائیونگ کرتے ہوئے شراب نوشی کے جرم کا مرتکب ہوا تھا وہ ہماری تلاش شروع کردیں گے۔

پرساد نے بھی ڈکی سے ٹپکتا ہوا خون دیکھ لیا تھا اور پھر اس نے جیسے ہی ڈکی کا ڈھکنا اوپر اٹھایا، ہم دونوں چونک گئے۔ ڈکی میں بچھا ہوا میٹ خون سے تر ہورہا تھا۔

"بوری اٹھاؤ اور یہ میٹ بھی اٹھا کر نیچے ڈال دو۔" میں نے بوری کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

پرساد نے بھی بوری کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور پھر ٹھیک اسی لمحے ایک کار گیٹ میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ اچھل پڑا۔

"یہ پیڈرو کی کار ہے۔" اس نے میری طرف دیکھ کر سرگوشی کی۔

میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ سفید رنگ کی وہ لمبی سی کار پارکنگ لاٹ کی طرف آنے کے بجائے ریسٹورنٹ کی مرکزی عمارت کے پورچ میں رک گئی۔ کار سے تین آدمی اترے تھے۔ ان میں ایک پیڈرو تھا اور دو اس کے محافظ۔ ان دونوں کے پاس آٹو میٹک رائفلیں تھیں۔ پیڈرو کی کار رکتے ہی عمارت کے اندر سے دو تین آدمی اور بھی برآمدے میں آگئے تھے۔ پیڈرو بپھرا ہوا تھا۔ وہ ان لوگوں سے تیز تیز لہجے میں باتیں کررہا تھا۔

پیڈرو کو دیکھ کر پرساد کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ اس کے جبڑے بھنچ گئے۔

"اپنے حواس قابو میں رکھو پرساد۔" میں نے سرگوشی کی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ جذبات میں آکر وہ کوئی ایسی حرکت نہ کر گزرے جو ہم سب کے لیے نقصان دہ ثابت ہو۔

ہم دونوں نیچے جھک گئے تھے۔ کاروں کی آڑ کی وجہ سے وہ لوگ تو ہمیں نہیں دیکھ سکتے تھے لیکن ہم انہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ لوگ چند منٹ وہیں کھڑے رہے پھر اندر چلے گئے۔

"بوری نکالو۔ جلدی۔ ہم زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے۔" میں نے ایک بار پھر سرگوشی کی۔

ہم دونوں محتاط انداز میں ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور بوری کو اٹھا کر باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ سامی کی لاش خاصی وزنی تھی۔ بوری نکالتے ہوئے پرساد کی گرفت چھوٹ

گئی اور لاش "بھد" کی آواز سے نیچے پختہ فرش پر گری۔ ہم دونوں نے بوری کو گھسیٹ کر مسز تھاٹ کی نیلی کار کے قریب پہنچا دیا۔ پرساد نے ڈکی کے فرش پر پڑا ہوا ربر میٹ بھی اٹھا کر بوری کے قریب ڈال دیا۔ اس نے اگرچہ میٹ اٹھانے میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا لیکن میٹ پر جمع ہونے والا خون فرش پر پھیل گیا تھا۔

ہم دونوں کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ پاتھم نے کار کا انجن بند کر رکھا تھا اور اب اس نے جیسے ہی انجن اسٹارٹ کیا، ایک اور کار گیٹ میں داخل ہوئی اور اس کار کی چھت پر نیلی اور سرخ روشنی چمکتے دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ میرے بدترین خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔ اس پولیس کار کا ایک ہیڈلیمپ ٹوٹا ہوا تھا اور یہ وہی کار تھی جس سے ہماری کار کی ٹکر ہوئی تھی۔

پاتھم نے انجن بند کردیا اور ہماری طرف گھوم گیا۔

"گڑبڑ ہوگئی باس۔" اس کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" میں نے جواب دیا "کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی۔ اب ہم باہر بھی نہیں نکل سکتے۔ پولیس کار گیٹ کے قریب ہی رکی ہے۔"

"ہمیں باہر نکلنے سے تو کوئی طاقت نہیں روک سکتی البتہ اب اس کار سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔" پاتھم نے جواب دیا۔

"جو کچھ کرنا ہے، جلدی کرو۔ ایک پولیس والا کار سے اتر کر اندر جارہا ہے۔" میں نے کہا "راستے میں بھی خون ٹپکتا رہا ہے اور وہ لوگ یقیناً سڑک پر خون کے دھبے دیکھتے ہوئے اس طرف آئے ہیں۔ وہ پارکنگ میں کھڑی ہوئی گاڑیوں کو چیک کریں گے اور پھر... بہرحال اب اترو اس کار سے۔"

ہم تینوں کار سے اُتر آئے۔ کھڑے ہونے کی حماقت نہیں کرسکتے تھے۔ جھک کر چلتے ہوئے پارکنگ کے پچھلی طرف جانے لگے جہاں چند گز آگے گنجان درخت تھے اور ان کے پیچھے باؤنڈری وال تھی۔

ہم ابھی درختوں میں پہنچے ہی تھے کہ وہ پولیس والا عمارت سے باہر آگیا۔ اس کے ساتھ دو آدمی تھے۔ ان میں ایک ریسٹورنٹ کا اسسٹنٹ منیجر تھا۔ ان کا رخ پارکنگ لاٹ کی طرف تھا۔ پولیس کار کے قریب کھڑے ہوئے دوسرے پولیس والے بھی اب پارکنگ کی طرف آرہے تھے۔

درختوں کے پیچھے باؤنڈری وال تقریباً دس فٹ اونچی اور بالکل سپاٹ تھی۔ اس پر چڑھنا آسان نہیں تھا۔ ہم درختوں کی آڑ میں چلتے رہے۔ ہمیں کسی ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں سے دیوار پر چڑھ سکیں۔

اور پھر میری توقع کے عین مطابق پولیس والوں نے پارکنگ میں وہ کار بھی تلاش کرلی اور بوری بھی۔ میں ایک درخت کے پیچھے رک کر اس طرف دیکھنے لگا۔ ایک پولیس والا جھکا ہوا تھا۔ غالباً بوری کھول رہا تھا پھر دوسرا پولیس والا بھی جھک گیا۔ اس کے فوراً ہی بعد میں نے اسسٹنٹ منیجر کو بھی جھکتے ہوئے دیکھا۔

اور پھر دوسرے ہی لمحے اسسٹنٹ منیجر چیختا ہوا برآمدے کی طرف دوڑا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ لاش بوری سے نکال کر شناخت کرلی گئی تھی اور اسسٹنٹ منیجر پیڈرو کو اطلاع دینے کے لیے دوڑا تھا۔

اب یہاں رک کر ایک بھی لمحہ ضائع کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ میں نے پاتھم اور پرساد کو اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگے اور بالآخر ایک درخت کے قریب رک گئے۔ اس درخت کی دو موٹی شاخیں دیوار کے اوپر سے باہر کی طرف چلی گئی تھیں۔

"اس درخت پر چڑھ کر دیوار کے باہر کود جاؤ۔ جلدی کرو۔" میری آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

پہلے پرساد درخت پر چڑھا۔ اس کے بعد پاتھم اور جب میں درخت پر چڑھ رہا تھا تو ٹھیک اسی وقت پیڈرو اور کئی افراد برآمدے والے دروازے سے نکل کر پارکنگ کی طرف دوڑتے ہوئے نظر آئے۔

اور پھر وہاں اچھا خاصا ہنگامہ مچ گیا۔ سامی کی لاش ملنے کی اطلاع ریسٹورنٹ کے اندر پہنچ چکی تھی اور سب ہی جانتے تھے کہ سامی پیڈرو کا بھائی تھا۔ پیڈرو کے بھائی کا قتل کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ لوگ وہاں سے بھاگنے کی سوچ رہے تھے لیکن پولیس والوں نے کسی کو بھی پارکنگ لاٹ کی طرف نہیں جانے دیا۔ ایک پولیس والا گیٹ کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

"کوئی بھی شخص گیٹ سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ آپ لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ قاتلوں کو ہم پہچانتے ہیں۔ ان کے سوا کسی اور سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ آپ لوگ شانت رہیے۔ تھوڑی دیر بعد آپ لوگوں کو جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔"

جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ یہ چاؤ فریا پیراڈائز ریسٹورنٹ عام ریسٹورانوں سے بہت مختلف تھا۔ یہ بہت بڑے رقبے میں پھیلا ہوا تھا اور بہت بڑے باغ کے ساتھ تین چار عمارتوں پر مشتمل تھا جو ایک دوسرے سے الگ اور فاصلے پر تھیں لیکن سامی کے قتل اور لاش کی دریافت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ کیسینو، کلب اور ریسٹوران کی تمام عمارتیں خالی ہوچکی تھیں اور لوگ باہر جمع ہورہے تھے۔ پریشانی اور خوف ہر چہرے سے مترشح تھا۔

میں درخت کے تنے پر چڑھ کر اس موٹی شاخ پر پہنچ گیا جو دیوار کے اوپر سے ہوتی ہوئی باہر کی طرف چلی گئی تھی۔ پاتھم مجھ سے آگے، ابھی اس شاخ پر ہی تھا۔ میں چند فٹ آگے بڑھا تو ہم دونوں کے بوجھ سے شاخ جھکنے لگی۔ مجھے معلوم نہیں وہ کون سا درخت تھا مگر یہ اندازہ فوراً ہی ہوگیا کہ اس کی لکڑی کچی تھی۔ ہم

دونوں کے بوجھ سے شاخ نہ صرف جھکتی چلی گئی بلکہ چرچراہٹ کی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں جس سے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ شاخ ٹوٹ رہی تھی۔

شاخ بدستور جھکتی جارہی تھی۔ چھوٹی شاخیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں جن سے اچھی خاصی آواز پیدا ہورہی تھی اور اس آواز نے پارکنگ میں کھڑے ہوئے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا۔

"اے۔ کون ہے ادھر۔ دیکھو کون ہے؟" ایک آدمی کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"وہ لوگ کار لے کر چند منٹ پہلے ہی یہاں آئے ہوں گے۔" یہ ایک پولیس والے کی آواز تھی "جیکی۔ دیکھو۔ وہی لوگ ہوں گے جو بھاگنے کی کوشش کررہے ہیں۔"

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ شاخ دیوار سے تقریباً تین فٹ اوپر تھی جو جھک کر دیوار پر ٹک گئی تھی۔ پاتھم دیوار پر ٹک گیا تھا۔ اس نے مجھے بھی ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا۔

"باہر چھلانگ لگادو۔" میں نے سرگوشی کی "ایک لمحے کی تاخیر بھی ہماری موت کا باعث بن سکتی ہے۔" پرساد ہم سے پہلے ہی باہر پہنچ چکا تھا۔

پاتھم دیوار کے ساتھ باہر کی طرف لٹک گیا اور دوسرے ہی لمحے بھد کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ میں نے بھی اس کی تقلید کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ دوسری طرف کچی زمین تھی۔ میں نیچے کودتے ہی سنبھل گیا۔

یہ تقریباً چالیس پچاس فٹ چوڑا کچا راستہ تھا جہاں خودرو جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس سے آگے کسی اور عمارت کی باؤنڈری وال تھی۔ یہ کچا راستہ ایک طرف تو سڑک تک چلا گیا تھا اور دوسری طرف دریا کے کنارے تک۔

ریسٹورنٹ کی طرف سے شور سنائی دے رہا تھا۔ ہم نے دریا کی طرف دوڑ لگادی۔ میں نے پتلون کی جیب سے تھائی وانگ کا دیا ہوا پستول نکال لیا تھا تاکہ کسی ہنگامی صورتِ حال میں اسے فوری طور پر استعمال کیا جاسکے۔

صورتِ حال بڑی خوفناک تھی۔ پولیس والوں نے پیڈرو کو بتا دیا تھا کہ ہماری کار چند منٹ پہلے ہی یہاں آئی تھی۔ اس نے دیوار کے قریب درخت کی شاخ کے ٹوٹنے کی آواز بھی سُن لی تھی اور ممکن ہے ہمارے کودنے کی آوازیں بھی سن لی ہوں۔ اسے یقین ہوگا کہ ہم زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ وہ اپنے آدمیوں کے ذریعے اس پورے علاقے کو گھیرے میں لے لے گا۔ بات اب صرف پیڈرو کی نہیں تھی۔ پولیس بھی بیچ میں کود پڑی تھی۔ پولیس والے کار کے ریڈیو پر اپنے ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دے دیں گے اور چند منٹ کے اندر اندر اس علاقے کو گھیرے میں لے لیا جائے گا۔

دریا کے کنارے پر پہنچ کر ہم رک گئے۔ دائیں طرف تو پیراڈائز ریسٹورنٹ ہی کا حصہ تھا۔ البتہ بائیں طرف سناٹا تھا لیکن میرے خیال میں اس طرف سے بھی ہمارے بچ نکلنے کے امکانات بہت کم تھے۔ اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا اور جب میں نے پرساد اور پاتھم کو اپنے اس خیال سے آگاہ کیا تو وہ دونوں اچھل پڑے۔

"موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کی سوچ رہے ہو؟" پرساد نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"اس میں اگرچہ رسک تو ہے لیکن زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ ہم محفوظ رہیں گے۔" میں نے کہا "یہ ایک نفسیاتی چال بھی ہے اور ایسے حربے عام طور پر کامیاب رہتے ہیں۔ وہ ہماری تلاش میں اس علاقے کو دور دور تک گھیر لیں گے۔ پولیس بھی ان کے ساتھ ہماری تلاش میں شامل ہوجائے گی۔ تمام راستوں کی ناکا بندی کردی جائے گی۔ ہوسکتا ہے آس پاس کی عمارتوں کی تلاشی بھی لی جائے لیکن یہ بات ان کے ذہن میں کبھی نہیں آئے گی کہ ہم ان کے آس پاس ہی موجود ہیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" پاتھم بولا "تو پھر دیر مت کرو۔ ہمارے لیے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ میرا خیال ہے ان کے ایک دو آدمی دیوار سے کود چکے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت اس طرف آسکتے ہیں۔"

اور پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ میں نے پیچھے مڑکر دیکھا۔ تاریکی میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا لیکن قدموں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ پانچ چھ آدمی تھے۔ کچھ مخالف سمت میں دوڑ رہے تھے اور کچھ آوازیں قریب آرہی تھیں۔

ہم جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے دائیں طرف چلنے لگے۔ پیراڈائز ریسٹورنٹ کی باؤنڈری وال دریا کے کنارے سے دس بارہ فٹ پہلے ختم ہوگئی تھی۔ اس سے آگے دریا کے کنارے تک تاروں کا جنگلا لگا ہوا تھا۔ تار خاردار نہیں تھے۔ اگرچہ قریب قریب تھے لیکن کچھ تار ڈھیلے ہورہے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ پہلے بھی لوگ اس جنگلے سے گزرتے رہے ہیں۔

میں نے پہلے جھانک کر دوسری طرف دیکھا اور پھر جھک کر جنگلے میں سے گزرتا ہوا دوسری طرف پہنچ گیا۔ میرے پیچھے ہی پاتھم اور پرساد بھی آگئے۔ تقریباً پچاس گز آگے وہ جیٹی تھی جہاں تیز روشنی ہورہی تھی لیکن اس وقت وہاں سناٹا تھا اور کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں سے ایک رات پاتھم نے مجھے اور تھائی کو فرار ہونے میں مدد دی تھی۔

دوسری طرف بھی سناٹا تھا۔ غالباً سب لوگ پارکنگ ایریا کی طرف جمع تھے۔ پاتھم نے اشارہ کیا اور ہم ان درختوں کے نیچے پہنچ گئے جہاں اس سے میری اور تھائی کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

"اوپر رہائشی کمرے ہیں۔" پاتھم نے ریسٹورنٹ کی مرکزی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرگوشی کی "تم لوگ یہیں ٹھہرو۔ میں آگے جاکر دیکھتا ہوں۔ راستہ صاف ہوا تو میں بلی کی آواز

نکال کر سگنل دوں گا۔ تم لوگ چلے آنا۔"

وہ ہمیں چھوڑ کر دبے قدموں چلتا ہوا عمارت کے عقبی دروازے میں داخل ہوگیا۔ یہ دروازہ ملازمین کی آمدورفت کے لیے مخصوص تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی اوپر جانے کے لیے تنگ سا زینہ تھا۔ اس رات پاتھم کا پیغام ملنے کے بعد میں اور تھائی بھی اسی دروازے سے باہر آئے تھے۔

ہم دونوں دم سادھے درختوں کی آڑ میں کھڑے تھے۔ میرے ہاتھ میں پستول تھا اور پرساد نے بھی پستول نکال لیا تھا۔ ہم یہاں آ تو گئے تھے لیکن اب میں محسوس کررہا تھا کہ ہم واقعی موت کے حصار میں آگئے تھے۔ اگر پیڈرو وغیرہ کو پتا چل جائے کہ ہم یہاں موجود ہیں تو ہمارے یہاں سے زندہ واپس چلے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

پارکنگ والی طرف سے اب بھی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ غالباً اس ریسٹورنٹ میں موجود ہر شخص اس طرف چلا گیا تھا۔

تقریباً پانچ منٹ گزر گئے اور پھر بلی کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ میں نے پرساد کو اشارہ کیا اور ہم دونوں درختوں سے نکل کر دبے قدموں چلتے ہوئے اس دروازے میں داخل ہوگئے۔ یہ تنگ سی راہداری تھی جس کا اختتام ڈائننگ ہال پر ہوتا تھا۔ وہاں اگرچہ روشنی تھی لیکن ہال میں کسی کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی اوپر جانے کے لیے تنگ سی سیڑھیاں تھیں۔ پاتھم انہی سیڑھیوں پر کھڑا تھا۔ ہم اس کے پیچھے پیچھے سیڑھیوں پر چڑھنے لگے۔

اوپر کشادہ راہداری تھی۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ دونوں طرف کمرے تھے۔ یہاں کی رہائش کسی طرح بھی فائیو اسٹار ہوٹل سے کم نہیں تھی۔

"آخری کمرا خالی ہے اور میرا خیال ہے' وہی کمرا ہمارے لیے محفوظ اور مناسب رہے گا۔" پاتھم نے سرگوشی کی۔

ہم چند ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ دائیں طرف ایک کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر یورپین عورت تھی جس نے شب خوابی کا باریک سا لباس پہن رکھا تھا۔ بال الجھے ہوئے اور آنکھوں میں نیند بھری ہوئی تھی۔ میرے خیال میں اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی اور وہ خاصی حسین عورت تھی۔ اس وقت رات کا آخری پہر تھا۔ تین بجنے والے تھے اور میں نہیں سمجھ سکا تھا کہ وہ عورت اس وقت کمرے سے باہر کیوں نکلی تھی۔

ہمارے ہاتھوں میں پستول دیکھ کر اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں اور شاید اس نے چیخنے کے لیے منہ کھولا تھا لیکن پرساد بڑی تیزی سے اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس نے ایک ہاتھ سے عورت کا منہ دبا دیا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا پستول اس کی کنپٹی سے لگا دیا۔

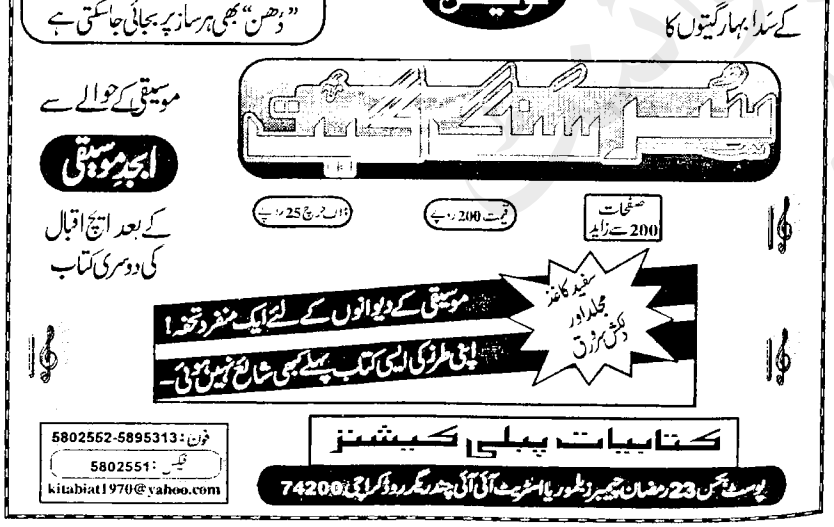
نوٹیشن
برصغیر کے نام ور گلوکاروں
کے سدا بہار گیتوں کا
اس نوٹیشن کی مدد سے ان گیتوں کی صرف
"دھن" بھی ہر ساز پر بجائی جاسکتی ہے
موسیقی کے حوالے سے
ایجِ موسیقی
کے بعد ایچ اقبال
کی دوسری کتاب
صفحات 200 سے زاید
قیمت 200 روپے
ڈاک خرچ 25 روپے
سفید کاغذ
مجلد اور
دلکش کوَر
موسیقی کے دیوانوں کے لئے ایک منفرد تحفہ!
اپنی طرز کی ایسی کتاب پہلے کبھی شائع نہیں ہوئی۔
کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبرز ملیر سٹی اسٹریٹ 2 آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200
فون: 5802552-5895313
فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com

"کوئی گڑبڑ کی تو کھوپڑی اڑا دوں گا۔" پرساد غرایا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس عورت کو دھکیلتا ہوا دروازے کے اندر لے گیا۔

میں اور پاتھم بھی اندر گھس گئے۔ پاتھم نے آہستگی سے دروازہ بند کردیا۔ میں متجسس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ یہ نشست گاہ تھی۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ شان دار صوفہ سیٹ تھا اور ہر وہ چیز موجود تھی جو کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ہونی چاہیے تھی۔ سامنے کارنس پر مہاتما بدھ کا لکڑی کا ایک چھ انچ اونچا مجسمہ بھی رکھا ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی کارنس پر کچھ کارڈز رکھے ہوئے تھے۔ یہ کارڈز کمرے کے دروازے پر لگانے کے لیے تھے۔ پاتھم نے "DO NOT DISTURB" کا کارڈ اٹھایا اور دروازہ کھول کر اسے باہر کے ہینڈل پر لٹکا کر دروازہ پھر بند کردیا۔

اس نشست گاہ سے آگے بیڈ روم تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں محتاط انداز میں قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا اور اس دروازے سے جھانک کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ بیڈ روم خالی تھا۔ بیڈ پر بچھی ہوئی چادر پر سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں اور اوڑھنے والی چادر بھی بکھری ہوئی تھی۔ میں نے اندر داخل ہو کر اشارہ کیا۔ پاتھم اور پرساد اس عورت کو لے کر اندر آگئے۔ پرساد نے ابھی تک اس کا منہ دبایا ہوا تھا۔

"میں تمہارے منہ سے ہاتھ ہٹا رہا ہوں۔ اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو بھیجا اڑا دوں گا۔" پرساد کے حلق سے غراہٹ سی نکلی اور پھر اس نے عورت کو چھوڑ دیا۔

اس عورت کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا۔ آنکھوں میں دہشت سی بھری ہوئی تھی اور وہ ہولے ہولے کانپ رہی تھی۔

"ڈرو نہیں۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔" میں نے اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھا دیا "اکیلی ہو یا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟"

"اکے.... لی.... ہوں۔" اس عورت کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی اور پھر اس نے ایک ہاتھ سے اپنا منہ دبالیا۔ اسے شاید ڈر تھا کہ اس کے منہ سے چیخ نکل جائے گی۔

پاتھم اس دوران میں باتھ روم چیک کرچکا تھا۔ میں بھی کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بہت شان دار کمرا تھا۔ ایک طرف سے آوازیں سن کر میں چونک سا گیا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ کھڑکی کے سامنے نیلے رنگ کا دبیز پردہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے پردے کا کونا ذرا سا سرکایا تو میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ یہ کھڑکی عمارت کے سامنے کے رخ پر تھی اور یہاں سے مرکزی گیٹ اور پارکنگ ایریا صاف نظر آرہا تھا۔ پارکنگ ائیریا کے سامنے کچھ درخت حائل تھے تاہم وہاں لوگوں کی سرگرمیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

میں نے پردہ چھوڑ دیا۔ اب ساری بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔ شور کی آواز سن کر اس عورت کی آنکھ کھل گئی ہوگی اور اس نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکا ہوگا اور شاید پھر صورت حال معلوم کرنے کے لیے کمرے سے باہر نکلی تھی کہ ہمارے ہاتھ لگ گئی اور اب یقیناً پچھتا رہی ہوگی کہ وہ کمرے سے باہر کیوں نکلی تھی۔

"ہم ڈاکو یا لٹیرے نہیں ہیں۔" میں نے اس عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آرام سے بیٹھو۔ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔" میں نے کرسی پر پڑا ہوا نائٹ گاؤن اٹھا کر اس کی طرف پھینک دیا۔ باریک نائٹی میں وہ تقریباً عریاں نظر آرہی تھی اور پھر خوف سے اس پر کپکپی سی طاری تھی "یہ پہن لو۔" میں نے کہا "ہم صرف چند گھنٹے یہاں گزارنا چاہتے ہیں۔ یہ ہنگامہ ختم ہوجائے تو ہم چلے جائیں گے۔ اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کروگی تو تمہیں ہم سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن اگر شور مچانے یا کوئی اور چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

"تت.... تم لوگ کون ہو اور.... یہ ہنگامہ کیسا ہے؟" اس عورت نے گاؤن پہنتے ہوئے خوف زدہ سی آواز میں پوچھا۔

"اس ریسٹورنٹ پر بدمعاشوں کا قبضہ ہے اور یہاں ایک قتل ہوگیا ہے۔" میں نے جواب دیا "ہمارا تعلق چونکہ مخالف گروہ سے ہے اس لیے ہمیں شبہ تھا کہ ہمیں اس واقعے میں پھنسانے کی کوشش کی جائے گی۔ ہم اپنے آپ کو بچانے کے لیے اوپر آگئے تھے۔ اتفاق سے تم ہمارے ہاتھ لگ گئیں۔ یقین کرو ہم بہت شریف آدمی ہیں۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ جیسے ہی باہر کا ہنگامہ ختم ہوگا، ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"

میری باتوں سے اس عورت کو کچھ حوصلہ ملا اور وہ بتدریج اپنی کیفیت پر قابو پاتی چلی گئی۔

"یہ ریسٹورنٹ تو پیڈرو کی نگرانی میں ہے۔ یہاں کون ہنگامہ کرسکتا ہے؟" اس عورت نے کہا۔ اس بات سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ یہاں کے بارے میں کچھ معلومات بھی رکھتی ہے "ویسے سنا ہے کہ کسی نے اس کے چھوٹے بھائی کو اغوا کر رکھا ہے۔" اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

"پیڈرو ہی سب سے بڑا بدمعاش ہے۔" میں نے کہا "اس کے بھائی نے مخالف گروہ کے ایک آدمی کو قتل کردیا تھا۔ مقتول کے ساتھیوں نے پیڈرو کے بھائی کو اغوا کرکے قتل کردیا اور اس کی لاش یہاں لاکر پارکنگ میں پھینک دی۔ اتفاق سے پیڈرو بھی یہاں پہنچ گیا اور یہ سارا ہنگامہ اسی لاش کا ہے۔"

"اوہ۔" وہ عورت چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی "پیڈرو بہت خطرناک آدمی ہے۔ وہ تو پورے شہر میں قیامت برپا کردے گا۔"

"اس شہر میں اس سے بھی زیادہ خطرناک لوگ موجود ہیں جو خون کا بدلہ خون کے قائل ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ پیڈرو اپنے بھائی کے قتل پر خاموش نہیں بیٹھے گا مگر وہ گھاٹے میں رہے گا۔ اس کے مخالفین اب خاموش بیٹھنے والے نہیں ہیں۔"

اسی لمحے پولیس سائرن کی آواز سنائی دی۔ میں نے پرساد کو اشارہ کیا۔ وہ اس عورت کو پستول کی زد پر لے کر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں ایک بار پھر کھڑکی کے قریب پہنچ گیا اور ذرا سا پردہ ہٹا کر باہر دیکھنے لگا۔ کمرے میں اگرچہ نائٹ بلب جل رہا تھا اور باہر سے ہمارے چہرے واضح طور پر نہیں دیکھے جاسکتے تھے لیکن میں کھڑکی کا پردہ پوری طرح ہٹا کر کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔

پولیس کی تین گاڑیاں گیٹ میں داخل ہو کر رکیں اور کئی پولیس والے نیچے اتر کر اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ کچھ دیر بعد دو گاڑیاں اور آگئیں۔ ان گاڑیوں میں پولیس کے دو بڑے افسران آئے تھے اور پھر کچھ ہی دیر بعد پیڈرو کے چیخنے چلانے کی آواز سنائی دینے لگی۔

"اگر چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر میرے بھائی کے قاتلوں کو گرفتار نہ کیا گیا تو میں اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔" وہ ایک پولیس آفیسر کو دھمکی دے رہا تھا "میں نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ سامی کو کس نے اغوا کیا ہے لیکن تم لوگوں نے کچھ نہیں کیا۔ تم لوگ مہاراج سے ڈرتے ہو۔ تم لوگ میرے بھائی کو نہیں بچاسکے اور اس کے قاتل پر بھی ہاتھ نہیں ڈال سکو گے۔ اب میں خود....."

وہ خاموش ہوگیا یا اسے خاموش کرا دیا گیا۔ پولیس نے پورا کنٹرول سنبھال لیا تھا۔ اس دوران میں ایک ایمبولینس بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔ چند منٹ بعد لوگوں کو وہاں سے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ وہ تینوں پولیس والے جن کی گاڑی سے ہمارا تصادم ہوا تھا، گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ باہر جانے والی ہر گاڑی کو چیک کررہے تھے۔ ہر شخص کے چہرے کو بغور دیکھ رہے تھے۔

بالآخر پورا کمپاؤنڈ خالی ہوگیا۔ اب صرف پولیس والے اور ریسٹورنٹ کے ملازمین رہ گئے تھے۔ پیڈرو بپھرا ہوا سا پھر رہا تھا۔ پولیس اپنی کارروائی مکمل کرچکی تھی اور اب لاش اٹھانے کی تیاری کی جارہی تھی۔

ساڑھے چار بجے کے قریب لاش ایمبولینس پر بھجوا دی گئی اور پولیس بھی رخصت ہوگئی۔ پیڈرو بھی اپنے محافظوں کے ساتھ اپنی کار میں بیٹھ کر روانہ ہوگیا اور اس کے کچھ ہی دیر بعد سناٹا چھا گیا۔ پارکنگ لاٹ پر اب بھی تین گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ان میں دو کاریں تھیں اور ایک اسٹیشن ویگن۔ یہ غالباً وہ گاڑیاں تھیں جو ریسٹورنٹ کے ملازمین کے استعمال میں رہتی تھیں۔

"کیا خیال ہے باس۔" پرساد نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب چلا جائے یا کچھ اور انتظار کیا جائے؟"

"ابھی یہاں سے نکلنا مناسب نہیں ہوگا۔" میں نے کہا "پیڈرو کے آدمی پورے علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہم دن کی روشنی پھیلنے کے بعد یہاں سے نکلیں گے۔"

پرساد کی بات سن کر وہ عورت ضرور خوش ہوئی ہوگی لیکن میرے جواب سے اس کے چہرے پر ایک بار پھر مایوسی چھا گئی۔

پاتھم نشست گاہ میں جاکر ایک صوفے پر لیٹ گیا۔ میں پرساد کے قریب دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ عورت بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ وہ اپنے حواس پر پوری طرح قابو پاچکی تھی۔ اب تک اگرچہ ہم نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا لیکن اسے مطمئن نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے ہلکے سے تاثرات اب بھی تھے۔ تین خطرناک آدمی ہاتھوں میں پستول لیے ایک تنہا عورت کے کمرے میں موجود تھے پھر وہ مطمئن کس طرح ہوسکتی تھی۔

اس عورت کا نام تھریسا تھا۔ وہ نسلاً انگریز لیکن ہانگ کانگ کی رہنے والی تھی۔ اس کی باتوں سے انکشاف ہوا کہ وہ ادویات تیار کرنے والی لندن کی ایک بین الاقوامی کمپنی میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے۔ اس کا ہیڈ کوارٹر اگرچہ ہانگ کانگ میں تھا مگر ایسٹ ایشیا اور ساؤتھ ایشیا کے کئی ممالک اس کے حلقے میں شامل تھے اور وہ ان ممالک کے دوروں پر جاتی رہتی تھی۔ دو دن پہلے بنکاک آئی تھی۔ اس سے پہلے بھی وہ بنکاک آتی رہتی تھی اور ہمیشہ پیراڈائز میں قیام کرتی تھی اور یہیں سے اس نے ٹائیگر اور پیڈرو کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔

تھریسا سے باتیں کرتے ہوئے میں محسوس کررہا تھا کہ اسے نیند آرہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں لیکن ہماری موجودگی میں وہ سونا نہیں چاہتی تھی۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میں بار بار تھائی اور جاپانی وغیرہ کے بارے میں سوچنے لگتا۔ میں نے تھائی سے کہا تھا کہ ہم زیادہ سے زیادہ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں واپس آجائیں گے لیکن ہمیں گھر سے نکلے ہوئے کئی گھنٹے ہوچکے تھے۔ ہم انہیں کوئی اطلاع بھی نہیں دے سکے تھے۔ وہ یقیناً پریشان ہوں گی۔

رات بیت گئی۔ باہر دن کی روشنی پھیل رہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد کھڑکی کے پردے پر دھوپ بھی نظر آنے لگی۔ میں نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ سڑک پر سے گاڑیوں کے گزرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں لیکن پیراڈائز کے کمپاؤنڈ میں سناٹا تھا۔ ایسی جگہوں پر دن کے وقت تو سناٹا ہی رہتا ہے البتہ راتیں جاگتی ہیں۔

آٹھ بجے کے قریب میں نے پاتھم اور پرساد کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔

"میڈم تھریسا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب تمہیں تھوڑی سی زحمت کرنی ہوگی۔"

"کیا مطلب! کیسی زحمت؟" اس کی سرخ آنکھوں میں خوف کے ہلکے سے تاثرات ابھر آئے۔

"ہم تمہیں اس کمرے میں چھوڑ کر جانے کا رسک نہیں لے سکتے۔" میں نے کہا "تمہیں ہمارے ساتھ باہر سڑک تک جانا

ہوگا۔"

اس کا خوف زدہ ہونا فطری بات تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید ہم اسے یرغمال بنا کر اپنے ساتھ لے جارہے ہیں لیکن میں نے اسے یقین دلادیا کہ ہم اسے صرف سڑک تک لے جائیں گے۔

اس کے آدھے گھنٹے بعد ہم کمرے سے نکل آئے۔ اتفاق سے اس وقت راہداری میں کوئی نہیں تھا۔ زینے پر ایک عورت اور ایک مرد سے آمنا سامنا ہوا۔ وہ نیچے سے اوپر آرہے تھے لیکن ہم پر توجہ دیے بغیر قریب سے گزر گئے۔

تھریسا میرے اور پرساد کے بیچ میں تھی۔ ہم دونوں کے ہاتھ جیبوں میں رکھے ہوئے پستولوں پر تھے۔ پاتھم ہم سے دو قدم آگے تھا۔ لابی میں دو عورتیں اور ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بھی یورپین تھے اور غالباً یہاں قیام پذیر تھے۔ وہ مرد تھریسا کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔ جواب میں تھریسا کے ہونٹوں پر بھی پھیکی سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

لابی میں واقع استقبالیہ کاؤنٹر پر ایک خوب صورت تھائی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ تھریسا کی طرف دیکھ کر مسکرا دی لیکن ہماری شکلیں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی لیکن ہم اس کی طرف توجہ دیے بغیر تھریسا کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے دروازے سے باہر آگئے۔

باہر والا گیٹ بند تھا۔ لوہے کے جنگلے کا بنا ہوا خوب صورت گیٹ تھا۔ بند ہونے کے بعد پیدل آمدورفت کے لیے اطراف میں راستے موجود تھے۔ باہر نکل کر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ گیٹ کے جنگلے پر ایک گتا لٹکا ہوا تھا جس پر "CLOSED" لکھا ہوا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ سامی کے سوگ میں آج یہ ریسٹورنٹ بند کردیا گیا تھا۔

تھریسا اب بھی ہمارے بیچ میں چل رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اب خوف کے تاثرات بڑھ گئے تھے۔ ہم چند ہی قدم چلے تھے کہ عقب سے آوازیں سن کر میں چونک گیا۔ اسی لمحے پاتھم کی آواز سنائی دی۔

"باس۔ ہوشیار۔ وہ لوگ آرہے ہیں۔"

میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ تین آدمی تھے جو برآمدے سے نکل کر ہماری طرف دوڑے آرہے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں سورائی تلوار تھی، دوسرے کے ہاتھ میں خنجر اور تیسرے کے ہاتھ میں پستول تھا۔ مجھے ایک دم استقبالیہ کاؤنٹر والی لڑکی کا چہرہ یاد آگیا۔ تھریسا کے ساتھ ہمیں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی تھی۔ یقیناً اس نے اندر جاکر ان لوگوں کو ہمارے بارے میں بتایا ہوگا۔

میں نے تھریسا کا بازو پکڑلیا اور سڑک کی طرف دوڑنے لگا۔ سڑک وہاں سے تقریباً سو گز دور تھی۔ پرساد اور پاتھم ہم سے پیچھے تھے۔ میں نے ایک بار پھر مڑ کر دیکھا۔ سورائی تلوار والا سب سے آگے تھا۔ وہ تلوار لہراتے ہوئے حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔

ہمارے اور اس کے درمیان تقریباً چالیس گز کا فاصلہ تھا۔ اس دوران میں اس کے دو سرے ساتھی بھی گیٹ سے باہر آگئے تھے۔ پستول والے نے فائر کردیا۔

پاتھم اور پرساد دو ڈگر درختوں کی آڑ میں چلے گئے۔ میں تھریسا کا ہاتھ پکڑے راستے کے عین بیچ میں دوڑ رہا تھا۔ فائر کی آواز سے تھریسا چیخ اٹھی تھی۔ وہ ہیل والی سینڈل پہنے ہوئے تھی۔ اس کے ایک سینڈل مڑ گئی۔ وہ لڑکھڑا گئی۔ اگر میں اسے سنبھال نہ لیتا تو یقیناً گر پڑتی۔

ایک اور فائر ہوا۔ اس مرتبہ گولی ہم پر چلائی گئی تھی لیکن ہم دونوں بچ گئے۔ میں نے تھریسا کا ہاتھ پکڑ کر راستے کے کنارے پام کے درختوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ ٹھیک اسی لمحے ایک اور فائر ہوا اور اس کے ساتھ ہی تھریسا کے حلق سے خوف ناک چیخ نکلی۔ گولی اس کی گردن میں لگی تھی۔ وہ لہرا گئی۔ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور ایک درخت کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔ اسی لمحے یکے بعد دیگرے کئی فائر ہوئے اور اس کے ساتھ ہی دو بھیانک چیخیں بھی سنائی دی تھیں۔ اس دوران میں، میں بھی جیب سے اپنا پستول نکال چکا تھا لیکن اسے استعمال کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

پاتھم اور پرساد کی فائرنگ سے دو حملہ آور ڈھیر ہوچکے تھے۔ ایک تو وہ تھا جس نے پستول سے ہم پر فائرنگ کی تھی اور دوسرا سورائی تلوار والا تھا۔ تلوار اس کی لاش کے قریب ہی پڑی ہوئی تھی۔ تیسرا آدمی چیختا ہوا واپس بھاگ گیا تھا۔ پرساد نے اس پر بھی دو گولیاں چلائی تھیں مگر وہ بچ نکلا تھا۔ میں نے تھریسا کی طرف دیکھا۔ وہ ختم ہوچکی تھی۔ اس کی گردن سے بہنے والا خون کیاری کی مٹی میں جذب ہورہا تھا۔

پرساد اور پاتھم دوڑتے ہوئے میرے قریب پہنچ گئے اور پھر ہم تینوں نے سڑک کی طرف دوڑ لگادی۔ ہم سڑک پر پہنچے ہی تھے کہ ایک کار سڑک سے اس طرف مڑتی ہوئی نظر آئی۔ کار کی رفتار بہت کم تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک ادھیڑ عمر عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سوا کار میں اور کوئی نہیں تھا۔ پاتھم ایک دم کار کے سامنے آگیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر عورت نے ایک دم کار روک لی۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں۔

"کک..... کون ہو تم لوگ.....؟" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"انجن چلتا چھوڑ دو اور نیچے اتر آؤ۔" پاتھم اسے پستول کی زد پر لیتے ہوئے غرایا "جلدی کرو۔ نیچے اترو۔"

عورت دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ پاتھم بڑی پھرتی سے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس دوران میں، میں اور پرساد بھی پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ چکے تھے۔ پاتھم نے ایک زوردار جھٹکے سے کار آگے بڑھادی۔

وہ کار ہم نے بنگاک نوئے ریلوے اسٹیشن کے قریب چھوڑ دی۔ وہاں سے ایک ٹک ٹک پر بیٹھ کر کلاوڈ وے دریا پار کرکے اگلے

چوراہے پر ٹک ٹک چھوڑ دیا اور ایک ٹیکسی پر بیٹھ کر میموریل برج سے ذرا پہلے کنگ راما ون اسٹیچو والے چوراہے پر اترگئے۔ وہاں سے "سی تھری" روٹ کی بس مل گئی جس نے ہمیں کنگ ناکسن اسٹیچو والے چوراہے پر پہنچا دیا۔ اگر ہم پیراڈائز سے سیدھا اس طرف آتے تو زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ میں پہنچ سکتے تھے لیکن کئی میل کا یہ طویل چکر اس لیے کاٹا تھا کہ ہمارا سراغ نہ لگایا جاسکے۔ کنگ ناکسن والے چوراہے سے پیدل چلتے ہوئے ہم جانگی والے بنگلے پر پہنچے تو دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی تھائی اور جانگی نے ہمیں آڑے ہاتھوں لیا۔

میں بڑی مشکل سے ان دونوں کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہوسکا تھا۔ میرے خیال میں ان کا غصہ بجا تھا۔ گزشتہ رات جب ہم سامی کی لاش لے کر نکلے تھے تو میں نے یہ کہا تھا کہ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے تک واپس آجائیں گے۔ ہمارا پروگرام یہی تھا کہ بوری میں بند لاش کو پیراڈائز کے آس پاس کہیں پھینک کر واپس آجائیں گے لیکن پاتھم کی حماقت کی وجہ سے نہ صرف کار ہمارے ہاتھ سے نکل گئی تھی بلکہ ہم خود بھی مصیبت میں پھنس گئے تھے اور بڑی مشکل سے اپنے آپ کو بچا کر وہاں سے نکلے تھے۔

"یہاں ہماری جان سولی پر ٹنگی رہی۔" میرے خاموش ہونے پر تھائی نے کہا "صبح پانچ بجے سے تم لوگوں کی تلاش میں نکلا تھا۔ چھ بجے اس نے فون پر اطلاع دی کہ پیراڈائز کے پارکنگ میں جب سامی کی لاش دریافت ہوئی تو اس وقت پیڈرو بھی وہاں موجود تھا۔ تم لوگ اگر چہ بروقت وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے لیکن پیڈرو کے آدمی پورے شہر میں تم لوگوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ میں نے فوراً ہی ماسٹر ہوچن کو صورتِ حال سے آگاہ کردیا۔ ماسٹر کے کئی آدمی بھی اب تمہاری تلاش میں نکلے ہوئے ہیں لیکن تم لوگ تھے کہاں؟"

"پیراڈائز ریسٹورنٹ کے ایک کمرے میں۔ ہم صبح آٹھ بجے تک وہاں رہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا.....؟" تھائی اچھل پڑی۔

"ہم جس صورتِ حال سے دوچار تھے اس کے پیشِ نظر محفوظ ترین جگہ وہی تھی۔" میں نے کہا "اگر ہم کسی اور طرف نکلنے کی کوشش کرتے تو شاید ہم میں سے کوئی ایک پکڑا جاتا یا نقصان اٹھاتا۔ یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہاں سے فرار ہونے کے بعد ہم دوبارہ اسی عمارت میں آگئے ہوں گے۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اسے پورا واقعہ بتانے لگا۔ آخر میں، میں کہہ رہا تھا "ہم صبح آٹھ بجے وہاں سے نکلے تو ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آگیا جس میں تھریسا نام کی وہ عورت ماری گئی جس کے کمرے میں ہم نے پناہ لی تھی۔"

"ماسٹر ہوچن کو اپنی آمد کی اطلاع دے دو۔ وہ پریشان ہوگا۔" جانگی نے میری بات ختم ہونے پر کہا۔

میں نے قریب رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا کر ماسٹر ہوچن کا نمبر ملایا۔ میری آواز سنتے ہی وہ بولا۔

"مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ تم تینوں خیریت سے پہنچ گئے ہو لیکن رات ایک بجے کے بعد سے اب تک جو کچھ بھی ہوا اس کی تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔ پیڈرو کے بارے میں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ سامی کی لاش ملنے کے بعد اس نے جس ردعمل کا اظہار کیا ہے، اس کا بھی مجھے پتا چل گیا ہے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم لوگ کہاں تھے؟"

"سب سے پہلے تو مجھے یہ بتائیے کہ آپ کو ہماری واپسی کی اطلاع کیسے ملی؟" میں نے پوچھا۔

"میرے کئی آدمی صبح چھ بجے سے تمہاری تلاش میں نکلے ہوئے تھے جو ہر آدھے گھنٹے بعد مجھے صورتِ حال سے آگاہ کررہے تھے۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "ساڑھے دس بجے کے قریب میرے ایک آدمی نے تم لوگوں کو کنگ راما ون اسٹیچو والے چوراہے پر بس میں سوار ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ بھی اسی بس میں سوار ہوگیا اور تم لوگوں کے خیریت سے گھر پہنچ جانے کے بعد اس نے مجھے فون پر اطلاع دے دی۔ اب تم اپنی رام کہانی سناؤ۔"

میں اسے بتانے لگا کہ پیڈرو کے آدمیوں سے بچنے کے لیے ہم نے کہاں پناہ لی تھی۔

"اس میں شبہ نہیں کہ تم نے بہت ذہانت کا ثبوت دیا لیکن یہ بہت بڑا رسک تھا۔ اگر انہیں شبہ بھی ہوجاتا کہ تم لوگ پیراڈائز کی حدود میں موجود ہو تو تم لوگ زندہ وہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔"

"اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا ماسٹر۔ ویسے اب مجھے خطرات سے کھیلتے ہوئے مزہ آنے لگا ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "رات کو تو میں پیڈرو کی حالت دیکھ چکا ہوں۔ اس کے بعد کا مجھے علم نہیں۔ اب کیا صورتِ حال ہے!"

"ابھی تک تو خاموشی ہے۔ دو بجے سامی کی آخری رسومات ہونے والی ہیں۔ جو کچھ بھی ہونا ہے اس کے بعد ہی ہوگا۔ ویسے پیڈرو کے حلقے میں تمام ہوٹل، نائٹ کلب اور کیسینو سامی کے سوگ میں بند ہیں۔ دو بجے کے بعد ہنگاموں کی توقع ہے۔ تم تینوں کسی صورت بھی دو تین دن تک باہر نہیں نکلو گے۔ پیڈرو کے علاوہ پولیس بھی تم لوگوں کی تلاش میں ہے۔"

"ٹھیک ہے ماسٹر۔ ہم محتاط رہیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

ہم کچھ دیر اور باتیں کرتے رہے پھر میں نے فون بند کردیا۔ نوبتا اس دوران میں کافی بنا کر لے آئی۔ گرم اور تلخ کافی کا پہلا گھونٹ بھرتے ہی مجھے یوں لگا جیسے سینے میں آگ سی بھر گئی ہو۔ اس وقت دوپہر کے بارہ بجنے والے تھے۔ ناشتا تو کیا، ابھی تک پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں بھرا تھا۔ خالی پیٹ تلخ کافی نے سینے اور پیٹ میں شدید جلن پیدا کردی تھی۔

"اگر تم گاڑی پیراڈائز نہ لے جاتے تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔"

میں نے پاتھم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اب نہ صرف ہمیں اس گاڑی سے ہاتھ دھونے پڑے بلکہ پولیس اس گاڑی کے ذریعے تمہارے ورکشاپ تک پہنچ جائے گی۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ پولیس سے پہلے پیڈرو کے آدمی وہاں پہنچیں گے۔"

"گاڑی کی تم فکر مت کرو باس۔" پاتھم نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں ندامت بھی تھی "میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ یہ گاڑی کسی کمپنی کی ملکیت تھی۔ جو ایک حادثے کے بعد ورکشاپ لائی گئی تھی۔ یہ گاڑی کئی مہینوں تک ورکشاپ میں پڑی رہی۔ اس دوران وہ کمپنی بھی بند ہوگئی۔ میں نے اس گاڑی کو مرمت کرکے استعمال کے قابل بنالیا۔ تقریباً دو سال سے تو اسے چلا رہا ہوں۔ کبھی چیکنگ کی زد میں بھی نہیں آئی اور مزید یہ بتاؤں کہ اس گاڑی کی نمبر پلیٹس بھی اصلی نہیں ہیں۔ اب اس گاڑی کے بارے میں تحقیقات ضرور کی جائیں گی لیکن پولیس یا پیڈرو کے آدمی کسی طرح بھی میرے ورکشاپ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ نمبر پلیٹس کے ذریعے وہ نجانے کہاں پہنچیں۔ اگر چیسیز اور انجن نمبر سے چیک کیا گیا تو شاید وہ اس کمپنی کے ایڈریس تک پہنچ جائیں مگر وہاں کے لوگ بھی اس بات کو بھول گئے ہوں گے کہ وہاں کوئی اس نام کی کمپنی ہوا کرتی تھی۔ وہ اس گاڑی کے ذریعے تو ہمارا سراغ نہیں لگا سکتے البتہ یہ افسوس ضرور ہے کہ ایک سہولت ختم ہوگئی لیکن اس کے لیے بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کسی اور گاڑی کا بندوبست کرلوں گا۔"

"ہمیں بہرحال محتاط تو رہنا پڑے گا۔" میں نے کہا اور پھر تھائی وغیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "میرا خیال ہے تم میں سے کسی کو احساس نہیں ہے کہ ہم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ اس کافی نے تو پیٹ کی آگ کچھ اور بھی بھڑکا دی ہے۔"

"غیر زمتے داری کی تھوڑی بہت سزا تو ملنی چاہیے نا۔" جانکی نے مسکراتے ہوئے کہا "ہم تو رات بھر انتظار کی سولی پر ٹنگے رہے اور تم لوگ تھوڑی دیر تک بھوک برداشت نہیں کرسکتے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "تمہارے رحم و کرم پر ہیں' جو چاہو سزا دو۔"

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ایک ایک کپ چائے کے علاوہ ہم لوگوں نے بھی صبح سے کچھ نہیں کھایا پیا۔" جانکی نے کہا "بہرحال' کھانا تیار کرنے میں تو دیر لگے گی لیکن ابھی کچھ نہ کچھ تو مل ہی جائے گا جس سے انتظار کا حوصلہ پیدا ہو۔"

وہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔ نوتا بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔ پرساد اور پاتھم برآمدے کے ساتھ والے کمرے میں چلے گئے اور میں وہیں بیٹھا تھائی سے باتیں کرنے لگا۔ تھائی کرید کرید کر مجھ سے سب کچھ دوبارہ پوچھ رہی تھی۔

چار بجے جب ہم سب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے تو سکھدر بھی آگیا۔ وہ دوپہر ایک بجے ماسٹر ہوچن کے پاس پہنچ گیا تھا اور اسے وہاں سے ہماری باخیریت واپسی کی اطلاع مل گئی تھی اور اب وہ شہر کے حالات کا جائزہ لیتا ہوا آیا تھا۔

"بہت گڑبڑ ہے۔" اس نے کہا "سامی کی تدفین کے فوراً ہی بعد ان لوگوں نے ہنگامہ شروع کردیا تھا۔ پولیس نے ہنگامے پر قابو پانے کی کوشش کی مگر پیڈرو کے آدمی تو طے کرکے آئے تھے کہ کچھ نہ کچھ کرنا ہے۔ انہوں نے توڑ پھوڑ اور لوٹ مار شروع کردی۔ جنازے کے جلوس کے راستے میں تمام دکانیں بند تھیں مگر ان لوگوں نے دکانوں کے شٹر توڑ دیے اور سامان لوٹ لیا۔ ہنگامہ اب شہر کے بہت سے علاقوں میں پھیل چکا ہے اور میرا خیال ہے پولیس کے لیے فوری طور پر اس پر قابو پانا آسان نہیں ہوگا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "پیڈرو انڈر ورلڈ کا کنگ ہے۔ اس کے بھائی کا قتل کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ تمام شرپسند اور غنڈا عناصر اس کا ساتھ دے رہے ہیں۔"

"اس قسم کے لوگوں کو تو موقع ملنا چاہیے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "لیکن میں تم لوگوں سے وعدہ کرتا ہوں کہ پیڈرو کی یہ بادشاہت زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہے گی۔ وہ انہی لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگے گا جو آج اس کے نام سے تھر تھر کانپنے لگتے ہیں۔ بہرحال' کیا تم بتاسکتے ہو کہ پیڈرو اس وقت کہاں ہوگا؟" میں سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اسے پیراڈائز ہی میں ہونا چاہیے۔" سکھدر نے جواب دیا۔ "صبح جب تم لوگ ایک عورت کو یرغمال بنا کر نکلے تھے تو اس وقت بھی ہنگامے میں تین افراد مارے گئے تھے۔ ایک وہ عورت جو پیڈرو کے آدمیوں کے ہاتھوں مری تھی اور دو پیڈرو کے آدمی جو تم لوگوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ پیڈرو اس واقعے کی اطلاع ملنے کے تھوڑی دیر بعد وہاں پہنچ گیا تھا۔ وہ اس بات پر بھی بھڑک اٹھا تھا کہ تم لوگ رات بھر وہاں رہے اور کسی کو پتا نہیں چل سکا۔ اس نے اپنے کچھ آدمیوں کو مارا پیٹا بھی تھا کہ وہ لوگ اتنے غیر محتاط اور بے پروا کیوں ہوگئے ہیں۔ ان واقعات کی تفتیش کے لیے پولیس کے بعض افسران بار بار وہاں جارہے ہیں اور میرا خیال ہے' سامی کی تدفین کے بعد پیڈرو بھی وہیں گیا ہوگا۔"

"میں سمجھ رہی ہوں کہ تم پیڈرو کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو۔" تھائی گھورتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "اس وقت اسے فون کرکے مزید طیش دلانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ ہنگامے ختم ہولینے دو۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔"

میں واقعی پیڈرو کو فون کرنا چاہتا تھا لیکن تھائی کے کہنے پر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور پاتھم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا ورکشاپ بند ہوگیا' کسی اور نے کھولا ہوگا؟"

"میرے ایک اسسٹنٹ کے پاس بھی چابیاں موجود ہیں۔ میں جب موجود نہیں ہوتا تو وہی ورکشاپ کھولتا ہے۔" پاتھم نے جواب دیا۔

"اسے فون کرکے بتا دو کہ تم اس وقت شہر سے باہر ہو اور دو تین دن تک واپس نہیں آؤ گے۔ باتوں ہی باتوں میں اس سے یہ بھی معلوم کرو کہ صورتِ حال کیا ہے۔" میں نے کہا۔

پاتھم نے فون کا ریسیور اٹھا کر ورکشاپ کا نمبر ملایا۔ اس کا اسسٹنٹ شاید کسی کام میں مصروف تھا۔ کال چار گھنٹیوں کے بعد ریسیور کی گئی تھی۔ پاتھم تقریباً دس منٹ تک اس سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے اپنے اسسٹنٹ کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ گزشتہ رات وہ اپنے چند دوستوں کے ساتھ سیرو تفریح کے لیے سارا بوری آگیا ہے۔ اس کی واپسی دو چار روز بعد ہوگی۔ اس دوران میں وہ ورکشاپ کی ذمے داریاں سنبھالے رکھے پھر اس نے ریسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ کوئی وہاں مجھے یا اس گاڑی کے بارے میں پوچھنے نہیں آیا اور میرا خیال ہے وہاں کوئی پہنچے گا بھی نہیں۔ ہمیں کسی خوف کو دل میں جگہ نہیں دینی چاہیے۔"

ہم شام تک لاؤنج ہی میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ تھائی نے کچھ چیزیں منگوانے کے لیے سکھدر کو بازار بھیج دیا تھا۔ وہی ایک ایسا آدمی تھا جو فی الحال محفوظ تھا۔ ہم میں سے کوئی اور تو باہر نکل نہیں سکتا تھا۔

آٹھ بجے کے قریب ماسٹر ہوچن کا فون آگیا۔ اس نے ایک بار پھر ہمیں خبردار کیا تھا کہ گھر سے باہر نہ نکلیں کیونکہ ہنگامے پھیل گئے تھے۔ ان ہنگاموں میں اب تک ایک آدمی پولیس کا اور دو آدمی پیڈرو کے مارے گئے تھے۔ پولیس کمشنر نے فورس کو حکم دے دیا تھا کہ وہ شرپسندوں کو دیکھتے ہی گولی مار دے۔

اور پھر رات گیارہ بجے ماسٹر ہوچن ہی نے ایک اور دلچسپ خبر سنائی۔ پولیس کی بھاری نفری نے پیراڈائز کو گھیرے میں لے کر پیڈرو کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ دریا کے راستے فرار ہوگیا۔ البتہ اس کے کئی قریبی ساتھیوں کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اس ہنگامے میں ایک آدمی پیراڈائز میں بھی پولیس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

رات گیارہ بجے تک اسی قسم کی مزید خبریں ملتی رہیں۔ ہم سب اسی صورتِ حال پر تبصرہ کررہے تھے کہ فائرنگ کی آوازیں سن کر اچھل پڑے۔ فائرنگ کی یہ آوازیں ٹاکسن اسکوائر کی طرف سے سنائی دی تھیں۔ سکھدر صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے باہر چلا گیا لیکن اس کی واپسی جلدی ہوگئی تھی۔

"ٹاکسن اسکوائر اور وانگ ونگ پائے ریلوے اسٹیشن کے سامنے دو بسوں کو آگ لگا دی گئی ہے۔ اسکوائر پر کئی دکانوں کو بھی لوٹ لیا گیا ہے۔ پولیس اور شرپسندوں میں زبردست مقابلہ ہورہا ہے۔" سکھدر نے بتایا۔

"اس کا اندازہ یہاں تک پہنچنے والی آوازوں سے بھی ہورہا ہے۔" میں نے کہا "اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم بھی ذرا محتاط رہیں۔ ہماری یہ گلی ٹاکسن اسکوائر سے زیادہ دور تو نہیں۔ پولیس سے بچنے کے بعد شرپسند ان گلیوں ہی کا رخ کریں گے۔"

ہمارے پاس سامی کے محافظوں سے چھینی ہوئی دو آٹومیٹک رائفلیں اور تین پستول تھے۔ سکھدر ایک آٹومیٹک رائفل لے کر برآمدے میں بیٹھ گیا اور دوسری رائفل پاتھم نے سنبھال لی تھی۔ وہ چھت پر چلا گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ چھت سے گلی کے دونوں طرف خاصی دور تک دیکھا جاسکتا تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے میں نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی کہ اس گلی میں تمام ہی بنگلوں کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ اسکوائر کی طرف سے فائرنگ کی آوازیں مسلسل سنائی دے رہی تھیں۔ فاصلہ اگرچہ زیادہ تھا مگر حالات کا کوئی بھروسا نہیں تھا۔ آس پاس کے علاقوں کے لوگ بتیاں بجھا کر گھروں میں بند ہوگئے تھے۔

میں پاتھم کو چھت پر چھوڑ کر نیچے آگیا۔ ایک پستول پرساد کے پاس تھا۔ پاتھم والا پستول میں نے لے لیا تھا جو جانکی کے حوالے کردیا گیا۔ تیسرا پستول میرے پاس تھا۔

فضا مسلسل فائرنگ کی آوازوں سے گونج رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے وہاں کوئی محاذ کھل گیا ہو لیکن پھر بتدریج ان آوازوں میں کمی آتی گئی اور بالآخر ایک بجے کے قریب سناٹا چھا گیا۔ فضا میں بارود کی بُو کے ساتھ آنسو گیس کی آمیزش بھی تھی جس سے آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں۔

ڈیڑھ بجے کے قریب تھائی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ نوتا پہلے ہی اپنے کمرے میں جاچکی تھی۔ میں' جانکی اور پرساد ہال میں بیٹھے رہے پھر پرساد بھی اٹھ کر باہر برآمدے میں سکھدر کے پاس چلا گیا۔ میں اور جانکی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

تین بج گئے۔ جانکی بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگی تھی۔ وہ پچھلی رات جاگتی رہی تھی۔ جاگتے تو ہم بھی رہے تھے لیکن اس وقت بھی ہمارے لیے جاگنا ہماری مجبوری تھی۔ جانکی کو صوفے پر اونگھتے چھوڑ کر میں باہر آگیا۔ سکھدر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ پرساد بھی برآمدے کے ساتھ والے کمرے میں کھڑکی کے قریب کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں برآمدے سے نکل کر سیڑھیاں چڑھتا ہوا چھت پر پہنچ گیا۔ پاتھم بھی منڈیر کے قریب کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ان لوگوں کا احساس ذمے داری دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ حالانکہ سب ہی رات بھر جاگتے رہے تھے۔ کوئی اور ہوتا تو شاید یہ صورتِ حال دیکھنے میں نہ آتی۔

میں نے نیچے آکر تھائی اور نوتا کے کمروں میں جھانکا۔ وہ دونوں گہری نیند سو رہی تھیں۔ میں دوبارہ لاؤنج میں آکر صوفے پر بیٹھ گیا۔ جانکی سامنے والے صوفے پر آڑھی ترچھی پڑی ہوئی تھی۔ سانس کی آمدورفت سے اس کے سینے کا زیر و بم میرے سینے میں ارتعاش سا پیدا کررہا تھا۔ میں نے اس کی طرف سے نظریں ہٹالیں۔ میرے قویٰ بھی اب مضمحل سے ہونے لگے تھے۔ آنکھوں

میں شدید جلن ہورہی تھی اور پلکیں نیند کے بوجھ سے جھکی جارہی تھیں۔ میں جاگتے رہنے کی کوشش کررہا تھا اور نیند مجھے پچھاڑنے کی کوشش میں تھی۔

میری آنکھیں بند ہورہی تھیں کہ قریب پڑے ہوئے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں اس طرح اچھلا جیسے میرے سر پر بم پھٹا ہو۔ سناٹے میں ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ جانکی بھی ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ اس نے صوفے پر پڑا ہوا پستول فوراً ہی ہاتھ میں لے لیا تھا۔ وہ شاید سمجھی تھی کہ کسی نے مکان پر حملہ کردیا ہے لیکن پھر بات اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ متوحش نظروں سے ٹیلی فون کی طرف دیکھنے لگی۔

ٹیلی فون کی گھنٹی دو مرتبہ بج چکی تھی۔ میں نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا لیکن خود کچھ بولنے کے بجائے دوسری طرف سے کسی کے بولنے کا انتظار کرنے لگا اور میرا یہ انتظار زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا۔ صرف ایک سیکنڈ بعد ماسٹر ہوچن کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"ہیلو وجدان۔ میں ماسٹر ہوچن بول رہا ہوں۔"

"یس ماسٹر۔ خیریت؟" میں نے پوچھا۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی تھی۔ اس وقت ساڑھے تین بجے تھے اور مجھے کسی گڑبڑ کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

"خیریت ہوتی تو اس وقت تمہیں فون نہ کرتا۔" ماسٹر ہوچن کی آواز سنائی دی "تم لوگ اپنی ضروری چیزیں سمیٹو اور وہ بنگلا چھوڑنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر وین تم لوگوں کو لینے کے لیے پہنچ جائے گی۔"

"معاملہ کیا ہے ماسٹر؟" میں نے پوچھا۔

"پیڈرو کے آدمیوں نے مہاراج کے جمنازیم پر حملہ کردیا تھا۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "یہ تقریباً دو گھنٹے پہلے کی بات ہے۔ میں اس وقت جمنازیم میں موجود نہیں تھا۔ جتنے بھی لڑکے وہاں موجود تھے انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن پیڈرو کے آدمیوں کی تعداد زیادہ تھی اور وہ آتشیں اسلحے سے لیس تھے۔ ہمارا ایک لڑکا مارا گیا ہے اور تین زخمی ہوئے ہیں۔ میں اطلاع ملتے ہی کچھ اور لڑکوں کو لے کر یہاں پہنچ گیا۔ پیڈرو کے آدمی میرے پہنچنے سے پہلے بھاگ چکے تھے اور وہ نگم کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ نگم ان چند لڑکوں میں سے ایک ہے جو تمہاری موجودہ پناہ گاہ سے واقف ہیں۔ نگم بہت مضبوط اعصاب کا مالک ہے لیکن پیڈرو تشدد کے ایسے طریقوں سے واقف ہے کہ پتھر بھی بول اٹھتے ہیں۔ ممکن ہے نگم....."

"میں سمجھ گیا ماسٹر۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ تم لوگوں کو وہاں سے ہٹا دیا جائے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "تیار رہو۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر وین پہنچ جائے گی۔"

"اوکے ماسٹر۔ ہم تیار ہیں۔" میں نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

میں ریسیور رکھ کر جیسے ہی گھوما' میری نظریں تھائی اور نوپتا پر پڑ گئیں۔

وہ دونوں اگرچہ گہری نیند سو رہی تھیں لیکن فون کی گھنٹی کی آواز نے انہیں بھی جگا دیا تھا۔ ان دونوں کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ میری نیند کافور ہوچکی تھی۔

"پیڈرو کے آدمی مہاراج کے جمنازیم پر حملہ کرکے نگم نامی ایک لڑکے کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ نگم ہماری اس پناہ گاہ سے واقف ہے۔ ماسٹر ہوچن کو اندیشہ ہے کہ وہ تشدد سے زبان نہ کھول دے۔ اس لیے ہمیں یہ بنگلا چھوڑ دینے کو کہا گیا ہے۔ ایک گھنٹے میں وین یہاں پہنچنے والی ہے۔ تم لوگ اپنی ضروری چیزیں سمیٹ لو اور روانگی کے لیے تیار ہوجاؤ۔" میں نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جانکی بھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دروازہ کھول کر باہر آگیا۔ سکھدر کو چھت پر بھیج دیا کہ وہ پاتھم کو بلا لائے اور پھر پرساد کو بھی اندر بلا لیا۔ دو منٹ بعد سکھدر اور پاتھم بھی اندر آگئے۔ میں نے انہیں صورتِ حال سے آگاہ کردیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کمرے میں آگیا جہاں تھائی کچھ ضروری چیزیں اور میرے اور اپنے کپڑے کینوس کے ایک بڑے بیگ میں ٹھونس رہی تھی۔

جانکی اور نوپتا بھی اپنی ضروری چیزیں سمیٹنے میں لگی ہوئی تھیں۔ میں اور پرساد گھوم پھر کر کمروں کا جائزہ لینے لگے۔ ہم لوگ کئی مہینوں سے اس بنگلے میں رہ رہے تھے اور یہاں اپنی موجودگی کے نشان مٹانا آسان نہیں تھا اور میرا خیال ہے کہ اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اگر نگم نے پیڈرو کو ہماری اس پناہ گاہ کے بارے میں بتا بھی دیا تو سراغ مٹانا یا نہ مٹانا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔

سیاہ وین ایک گھنٹے سے بھی پہلے پہنچ گئی۔ ہم تیار ہی تھے۔ سکھدر نے گیٹ پر جاکر اطمینان کرلیا کہ وہ ماسٹر ہوچن ہی کے آدمی تھے۔ اس کا اشارہ پاکر ہم باہر آگئے۔ جانکی نے تمام بتیاں بجھا کر دروازے لاک کردیے۔ وین میں بیٹھنے سے پہلے اس نے باہر کا گیٹ بھی مقفل کردیا اور چابیوں کا گچھا بیگ میں ڈال لیا۔

ہم سات آدمی تھے۔ دو گن مین پہلے ہی سے وین میں موجود تھے۔ وین گلیوں سے نکل کر جیسے ہی ٹاکس اسکوائر پر پہنچی' دائیں طرف کھڑی ہوئی پولیس کی ایک کھلی جیپ ہمارے تعاقب میں لگ گئی۔ جیپ کے پچھلے حصے میں آمنے سامنے کی سیٹوں پر تین تین مسلح پولیس والے بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر تھا۔ میں نے اپنے ساتھ وین میں بیٹھے ہوئے ایک گن مین کو پولیس جیپ کی طرف متوجہ کیا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"وہ ہمارے ہی آدمی ہیں' مسٹر ماسٹر۔" گن مین نے جواب دیا

"رات ایک ڈیڑھ بجے تک پورا شہر ہنگاموں کی زد میں رہا ہے۔ پولیس ہر طرف گشت کررہی ہے۔ گاڑیوں کو جگہ جگہ روک کر چیک کیا جارہا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں تم لوگوں کو کسی دوسری جگہ منتقل کرنے کا یہی ایک محفوظ طریقہ تھا۔ ہمارے ساتھ ساتھ پولیس کی اس جیپ کی موجودگی سے کوئی اور پولیس پارٹی وین کو چیک کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔"

"کیا وہ واقعی پولیس کے آدمی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس مرتبہ گن مین نے مختصر سا جواب دیا۔

میں باہر دیکھنے لگا۔ ایک جگہ سڑک کے عین وسط میں ایک جلی ہوئی بس کھڑی تھی۔ چوراہے کے دوسری طرف پولیس کا ایک ٹرک کھڑا تھا اور متعدد مسلح پولیس والے اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے۔ سڑک پر لاتعداد پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ دو تین گھنٹے پہلے یہاں کیا ہوا ہوگا۔

وین ٹاکسن اسکوائر اور وانگ ونگ ریلوے اسٹیشن کو کراس کرتی ہوئی ٹاکسن روڈ پر آگئی اور کچھ فاصلہ طے کرکے بائیں طرف مڑ گئی۔ کرونگ تھیپ برج سے دریا پار کرکے وین ایک بار پھر بائیں طرف نیو روڈ پر مڑ گئی۔ پولیس کی جیپ بھی ہمارے پیچھے پیچھے چلی آرہی تھی۔ کرونگ تھیپ برج پر ایک پولیس پارٹی نے ہماری وین کو روکا تھا لیکن ہمارے ساتھ آنے والی جیپ کی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے انسپکٹر کی وردی میں ملبوس ایک آدمی نے ان پولیس والوں سے سخت لہجے میں کوئی بات کی اور اس کے فوراً ہی بعد ہماری وین کو آگے جانے کا اشارہ کردیا گیا تھا۔

نیو روڈ سے وین ایک تنگ سی سڑک پر مڑ گئی۔ یہ سڑک دریا تک چلی گئی تھی۔ اس کے دونوں طرف بکھری نما رہائشی عمارتیں تھیں۔ سڑک کے اختتام پر دریا کے کنارے ایک خوب صورت بدھ عبادت گاہ بنی ہوئی تھی۔ اس عبادت گاہ کا کچھ حصہ کنارے پر تھا اور کچھ دریا کے اندر ستونوں پر تعمیر کیا گیا تھا۔ وین عبادت گاہ کے مرکزی گیٹ کے سامنے سے دائیں طرف مڑ گئی اور تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے کرکے سڑک پر لگے ہوئے بیریئر کے سامنے رک گئی۔ اس بیریئر کے ساتھ ہی ایک طرف دو کمرے بنے ہوئے تھے جن میں سے ایک پر "بکنگ" لکھا ہوا تھا۔

یہ بوٹ لینڈنگ تھی۔ دریائے چاؤ فرایا پر جگہ جگہ اس قسم کی بوٹ لینڈنگ بنی ہوئی تھیں۔ دریا میں چلنے والی بوٹس اور لانچیں کچھ تو پرائیویٹ کمپنیوں کی ملکیت تھیں اور کچھ ہاربر اتھارٹی کی نگرانی میں چلتی تھیں۔

ہم وین سے اتر آئے۔ پولیس کی وردی میں ملبوس آدمی وہیں رک گئے اور ہم اپنے ساتھ وین میں آنے والے دو گن مینوں کے ساتھ بیریئر (بنگلا BARRIER.....) کے دوسری طرف آگئے۔ آگے ایک پختہ پلیٹ فارم سا بنا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک جیٹی تھی جو ذرا سی دریا کے اندر کو نکلی ہوئی تھی۔ جیٹی سے ایک کشتی لگی ہوئی تھی جس پر تقریباً بیس آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ دو آدمی پہلے ہی سے کشتی پر موجود تھے۔ ہمارے ساتھ وہ دونوں گن مین بھی کشتی پر سوار ہوگئے اور کشتی حرکت میں آگئی۔

رات کے آخری پہر کی خاموشی میں چپوؤں کی ٹرپ ٹرپ کی آواز بڑا پُراسرار تاثر دے رہی تھی۔ تقریباً تیس گز کا فاصلہ طے کرکے کشتی دریا میں لنگر انداز ایک لانچ کے قریب رک گئی۔ کشتی رکتے ہی اوپر سے کچھ پوچھا گیا اور پھر جواب ملنے پر اوپر سے رسی کی ایک سیڑھی لٹکا دی گئی۔ یہ سیڑھی خطرناک نہیں تھی۔ اس پر قدموں کی طرح لکڑی کے تختے لگے ہوئے تھے۔ پہلے تھائی' جانکی اور نوپتا کو اوپر بھیجا گیا اور پھر ہم بھی باری باری اوپر آگئے۔ ہمارے بیگ گن مینوں نے اوپر پہنچائے تھے اور پھر لانچ پر ایک آدمی کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ وہ ماسٹر ہوچن تھا۔

"یہ لانچ تم لوگوں کے لیے محفوظ ہے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا۔ "جب تک حالات سکون پذیر نہیں ہوجاتے' تم لوگ یہیں رہو گے۔ کسی کو شبہ بھی نہیں ہوگا۔"

یہ مسافروں کو سیر کرانے والی لانچ تھی۔ اس میں زیادہ سے زیادہ پچاس مسافر بیٹھ سکتے تھے۔ عرشے پر سیٹیں لگی ہوئی تھیں۔ ایک طرف کیپٹن کا کیبن تھا اور اس کے ساتھ دو کیبن اور تھے۔ تین چار کیبن نیچے بھی بنے ہوئے تھے۔ کیپٹن کے علاوہ لانچ پر عملے کے چار آدمی تھے۔

ماسٹر ہوچن کچھ دیر ہمارے پاس رہا پھر کشتی پر بیٹھ کر واپس چلا گیا۔ وہ دونوں گن مین لانچ پر ہی رہ گئے تھے۔ ماسٹر ہوچن کے جانے کے بعد ہم یہ طے کرنے لگے کہ کس کو کہاں سونا ہے۔ نیچے والا ایک کیبن جانکی اور نوپتا کو دے دیا گیا۔ دوسرے کیبن پر تھائی نے قبضہ کرلیا۔ میں' پرساد وغیرہ اوپر آگئے۔ اوپر بھی دو کیبن تھے اور عرشے پر سیٹیں بھی لگی ہوئی تھیں۔ سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اس لانچ میں ٹیلی فون بھی موجود تھا۔

رات کا آخری پہر گزر رہا تھا۔ نیند ایک بار پھر غالب آنے لگی تھی۔ محافظوں کی موجودگی میں اب ہمیں جاگنے کی ضرورت نہیں تھی۔ پرساد اور سکھدر وغیرہ اوپر والے کیبنوں میں گھس کر سو گئے اور میں نیچے تھائی والے کیبن میں آگیا۔ اس کیبن میں دو آرام دہ برتھ لگے ہوئے تھے۔ ایک برتھ پر تھائی سو رہی تھی۔ میں دوسرے برتھ پر لیٹ گیا۔ نیند کے بوجھ سے میری پلکیں جھکی جارہی تھیں اور پھر کچھ ہی دیر بعد میں بھی نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

○☆○

تین دن گزر گئے۔ ہم لانچ کے قیدی بن کر رہ گئے تھے۔ لانچ زیادہ تر دریا میں تیرتی رہتی تھی۔ کبھی کچھ دیر کے لیے کسی ایسی جگہ لنگر انداز ہوجاتی کہ دوسروں کو شبہ نہ ہوسکے۔ ان تین دنوں کے دوران میں یہ لانچ کناروں سے دور ہی رہی تھی اور ان تین دنوں میں اس لانچ نے اپنی لینڈنگ سے ساتھی بوٹ لینڈنگ تک

درجنوں چکر لگا لیے تھے۔ ان دونوں بوٹ لینڈنگز کے درمیان کئی میل کا فاصلہ تھا اور دریا انگریزی کے حرف ایس (S) کی طرح بل کھاتا ہوا پھیلا ہوا تھا۔

دریا سے دونوں کناروں پر آباد شہر کا نظارہ بڑا دلکش تھا۔ شام کے بعد جب دونوں کناروں پر عمارتوں کی روشنیاں جگمگا اٹھتیں تو یہ نظارہ کچھ اور بھی دل فریب ہو جاتا۔

دن کے وقت تو ہم اپنے کیبنوں تک ہی محدود رہتے البتہ رات کو عرشے پر آجاتے۔ ان تین دنوں کے دوران میں ماسٹر ہوچن نے صرف ایک مرتبہ ٹیلی فون پر رابطہ کیا تھا اور اس کے کہنے کے مطابق صورتِ حال بتدریج نارمل ہو رہی تھی۔

لانچ پر ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ ایک چھوٹا سا کچن بھی تھا۔ لانچ کا ایک ملازم کک کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ تھائی کھانوں کے علاوہ وہ انڈین اور یورپین کھانے بھی بہت اچھے بنا لیتا تھا۔ کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو ہم فلوٹنگ مارکیٹ سے خرید لیتے۔ بنکاک کی فلوٹنگ مارکیٹ بھی ایک دلچسپ جگہ تھی۔ یہاں کشتیوں پر دکانیں سجی ہوئی تھیں۔ ان دکانوں پر ہر چیز دستیاب تھی۔ لوگ بھی کشتیوں پر بیٹھ کر ہی خریداری کرتے تھے۔ گاہکوں میں زیادہ تعداد غیر ملکی سیاحوں یا ان لوگوں کی تھی جو تھائی لینڈ کے دوسرے شہروں سے آتے تھے۔ اس طرح کشتیوں پر بیٹھ کر خریداری بھی ہو جاتی اور تفریح بھی۔

وہ چوتھا دن تھا۔ تھائی وغیرہ اکتا گئی تھیں۔ وہ یہاں سے جانا چاہتی تھیں لیکن ہماری مجبوری یہ تھی کہ ماسٹر ہوچن سے کلیئرنس ملے بغیر ہم لانچ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ ہمیں تو ابھی تک یہ بھی پتا نہیں چلا تھا کہ جانکی والا بنگلا اب بھی محفوظ تھا یا نہیں نے پیڈرو کو اس کے بارے میں بتا دیا تھا۔ میں نے کئی مرتبہ ٹیلی فون پر ماسٹر ہوچن اور مہاراج سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

وہ شام کا وقت تھا۔ لانچ اس وقت فلوٹنگ مارکیٹ کے علاقے میں لنگر انداز تھی۔ میں اور تھائی عرشے کی ریلنگ پر جھکے دریا کی پُرسکون سطح پر ہلکورے لیتی ہوئی کشتیوں کو دیکھ رہے تھے اور کشتیوں پر سجی ہوئی ان دکانوں کے بارے میں تبصرے بھی کر رہے تھے۔ تھائی بات کرتے کرتے رک گئی۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات اور آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی تھی۔

"کیا ہوا؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا "کیا بات ہے۔ تم اس طرح سہم کیوں گئی ہو؟"

"ایک دم سے مڑ کر سمت دیکھنا۔" تھائی نے کہا "دائیں طرف سرخ رنگ کی ربر بوٹ پر بیٹھا ہوا آدمی..... اسے میں نے ٹائیگر کے ساتھ دیکھا تھا۔ اندرا ریجنٹ ہوٹل میں۔ مجھے شبہ ہے اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے اور ہماری نگرانی کر رہا ہے۔ اس نے نیلی ڈینم کی شرٹ پہن رکھی ہے۔ اس طرح مڑ کر دیکھنا کہ اسے شبہ نہ ہو۔"

میں تھائی سے باتیں کرتا رہا اور پھر غیر محسوس انداز میں گردن گھما کر اس طرف دیکھنے لگا اور پھر اس شخص کو دیکھتے ہی میں چونک گیا۔ اس چہرے کو تو میں کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے اندرا ریجنٹ ہوٹل کے سامنے ماسٹر پھو کو اپنی گرفت میں لیا تھا اور جی فانگ نے خنجروں کے وار کر کے ماسٹر کو قتل کر دیا تھا۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔" میں نے تھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ وہی ہے۔ اپنی کسی حرکت سے یہ ظاہر مت ہونے دو کہ ہم نے اسے دیکھ لیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس نے محض اتفاق سے ہمیں لانچ پر دیکھ لیا ہے اور ہماری نگرانی کر رہا ہے کہ کہاں پر اتریں گے۔ اگر اس نے واپس جا کر بتا دیا تو....."

"یہ واپس نہیں جا سکے گا۔" میں نے جواب دیا۔ اسی دوران میں جانکی بھی وہاں آگئی۔ اسے ہم نے اس شخص کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اور پھر جانکی اور تھائی کو باتیں کرتے چھوڑ کر میں وہاں سے ہٹ گیا۔

یہ تو میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا کہ اس لانچ کے ساتھ چار چھوٹی لائف سیونگ بوٹس بھی تھیں۔ اس دریا میں اگرچہ لانچ کو کسی خطرناک حادثے کا اندیشہ نہیں تھا لیکن قانونی خانہ پری تو کرنی ہی تھی۔ دو بوٹس لانچ کے ایک طرف لگی ہوئی تھیں اور دو دوسری طرف۔

میں نے پرساد کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ اس نے لانچ کے کیپٹن کو بلا لیا اور پھر کچھ ہی دیر بعد اس کے آدمی لانچ کے دوسری طرف کی ایک بوٹ دریا میں اتار رہے تھے۔ بوٹ زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اس میں آٹھ دس آدمی ہی آسکتے تھے۔ میں، پرساد اور سکھدر رسی کی سیڑھی سے کشتی میں آگئے۔ سکھدر نے چپو سنبھال لیے اور کشتی کو آہستہ آہستہ کھینے لگا۔ لانچ کے اس طرف کوئی اور کشتی نہیں تھی۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ کناروں پر عمارتوں کی بتیاں جل گئی تھیں لیکن اس جگہ اندھیارا سا تھا۔

کشتی لانچ کے اوپر سے ایک لمبا چکر لگاتی ہوئی دوسری طرف آگئی۔ دکانوں والی کشتیوں پر بھی اب بتیاں جل گئی تھیں۔ کسی کشتی پر جنریٹر سے بلب اور ٹیوب لائٹس روشن تھیں اور کسی پر کاربائیڈ اور پیٹرومیکس لیمپ جل رہے تھے۔ خریداروں کی کئی کشتیاں بھی موجود تھیں۔ سرخ رنگ کی وہ بوٹ تلاش کرنے میں ہمیں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔

سکھدر نے کشتی روک لی۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں اس شخص پر ہاتھ ڈالنا مناسب نہیں تھا۔ ہم اس انتظار میں رہے کہ وہ اپنی کشتی وہاں سے ہٹائے تو ہم اس پر ہاتھ ڈالیں۔

دس منٹ گزر گئے اور پھر سرخ رنگ کی وہ بوٹ حرکت میں آگئی۔ اس شخص نے چپو چلاتے ہوئے ایک بار پھر لانچ کی طرف دیکھا تھا۔ دوسری کشتیوں سے تقریباً بیس گز دور جانے کے بعد

کشتی رک گئی اور کچھ ہی دیر بعد میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ وہ واکی ٹاکی پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ میں نے سکھدر کو اشارہ کیا۔ وہ بڑی تیزی سے چپو چلاتے ہوئے کشتی کو کھینے لگا۔

سرخ کشتی پر بیٹھے ہوئے شخص نے ہماری کشتی کو اپنی طرف آتے دیکھا تھا لیکن چونکہ اندھیرے میں وہ ہماری شکلیں نہیں دیکھ سکا تھا اس لیے اس نے ہماری کشتی پر زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔

ہماری کشتی اس کے برابر پہنچ گئی۔ تب وہ شخص اپنی جگہ سے اچھل پڑا تھا۔ اس نے واکی ٹاکی چھوڑ کر جیب سے شاید پستول وغیرہ نکالنے کی کوشش کی تھی لیکن میں اور پرساد چھلانگ لگا کر اس کی کشتی پر پہنچ گئے اور اسے حرکت کرنے کا موقع دیے بغیر دبوچ لیا۔ میں نے بڑی پھرتی سے اپنا خنجر نکال لیا تھا۔

"کس سے بات کر رہے تھے واکی ٹاکی پر؟" میں نے خنجر کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی۔

"تم لوگ اب بچ نہیں سکو گے۔" اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا "پیڈرو کے آدمی جلد ہی تمہاری لانچ کو تلاش کر لیں گے اور پھر تم لوگوں کو سانس لینے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔"

"اسے لانچ پر لے چلو باس۔" پرساد نے کہا "وہیں چل کر اس سے سب کچھ پوچھیں گے۔"

اپنی کشتی پر منتقل کرتے ہوئے اس شخص نے دریا میں چھلانگ لگانے کی کوشش کی تھی لیکن پرساد نے اسے دبوچ لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ پر دو تین بھرپور تھپڑ بھی رسید کر دیے تھے۔ اس کے ہونٹوں سے خون بہہ نکلا۔

سکھدر کشتی کو کھیتا ہوا لانچ کے دوسری طرف لے آیا۔ اس شخص کو رسی کی سیڑھی کے ذریعے لانچ تک پہنچانے میں بھی خاصی دشواری پیش آئی تھی۔ ہم اسے نیچے کے ایک کیبن میں لے آئے۔ میری ہدایت پر کیپٹن نے لنگر اٹھا دیا تھا اور لانچ حرکت میں آگئی تھی۔

میں اور پرساد اس شخص سے پوچھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس نے واکی ٹاکی پر پیڈرو یا اس کے آدمیوں کو ہمارے بارے میں کیا بتایا تھا لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ اب ہم بچ کر نہیں جا سکیں گے۔ میں نے اور پرساد نے اس کی اچھی خاصی ٹھکائی بھی کر ڈالی تھی لیکن وہ بہت سخت جان ثابت ہوا تھا اور میں جانتا تھا کہ ایسے لوگ آسانی سے زبان نہیں کھولتے۔ میں نے خنجر کی نوک سے اس کے دائیں رخسار پر ایک لمبا چرکہ لگا دیا۔ اس کا چہرہ خون سے تر ہو گیا لیکن وہ اب بھی زبان کھولنے کو تیار نہیں تھا۔ اس دوران میں ہمارا ایک گن مین دوڑتا ہوا کیبن میں پہنچ گیا۔

"ماسٹر ہوچن کا فون ہے۔ اس نے فوراً ہمیں یہ لانچ چھوڑ دینے کو کہا ہے۔ تم خود اس سے بات کر لو۔ وہ لائن پر ہے۔" گن مین نے چیختے ہوئے کہا۔

میں نے کیبن کے فرش پر پڑے ہوئے اس شخص کی طرف دیکھا۔ اس کی وجہ سے ہماری یہ پناہ گاہ بھی ہم سے چھن رہی تھی اور پھر دوسرے ہی لمحے میرا خنجر اس کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر پیوست ہو چکا تھا۔ اس کے حلق سے بڑی بھیانک چیخ نکلی تھی۔ میں نے خنجر اس کے سینے سے نکال لیا۔ وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ میں نے اس کی ڈینم کی شرٹ سے خنجر صاف کیا اور اسے تڑپتا ہوا چھوڑ کر دروازے کی طرف لپکا۔ پرساد بھی میرے ساتھ ہی دوڑا تھا۔

ٹیلی فون کیپٹن کے کیبن میں تھا۔ کیپٹن فون پر بات کر رہا تھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"یس ماسٹر۔" میں نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے کہا۔

"پیڈرو کو کسی طرح پتا چل گیا ہے کہ تم لوگ "جل پری" نامی اس لانچ پر ہو۔ وہ اس وقت پیراڈائز ریسٹورنٹ میں موجود ہے اور اس کے آدمی خطرناک اسلحے سے لیس ہو کر جل پری کی تلاش میں نکلنے والے ہیں۔ دو موٹر بوٹس پیراڈائز کی جیٹی پر تیار کھڑی ہیں۔ میری اطلاع کے مطابق ان کے پاس راکٹ بھی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ تم لوگوں کو پکڑنے کی کوشش کرنے کے بجائے لانچ کو راکٹوں سے اڑا دیں۔ اس لیے تم لوگ فوراً وہ لانچ چھوڑ دو۔"

"یس ماسٹر۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "تمہیں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ جس شخص نے پیڈرو کو لانچ پر ہماری موجودگی کے بارے میں اطلاع دی تھی، اسے ہم نے ٹھکانے لگا دیا ہے۔"

"اوہ..... کون تھا وہ۔ کیا لانچ کے عملے کا کوئی غدار؟" ماسٹر نے چونک کر پوچھا۔

"نو ماسٹر۔" میں نے کہا اور اسے اس شخص کے بارے میں بتانے لگا پھر بولا "لیکن ہم کہاں جائیں گے؟ وائٹ ٹریمٹ یا کسی اور جگہ؟"

"جانکی کے بنگلے پر۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "وہ لوگ تم سے تمہارے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں کر سکے تھے اور ویسے بھی تقریباً دو گھنٹے بعد میرے آدمیوں نے تم کو ان کے قبضے سے چھڑا لیا تھا۔ اس طرح وہ بنگلا اب بھی محفوظ ہے۔ ویسے تم لوگ اس وقت کہاں ہو؟"

"فلوٹنگ مارکیٹ کے قریب۔" میں نے جواب دیا۔

"پیراڈائز وہاں سے کافی دور ہے۔ انہیں جل پری تلاش کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔ تم لوگ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور کنارے پر پہنچ کر جس طرح بھی ممکن ہو، اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ۔" ماسٹر نے کہا۔

"آپ کو کیسے پتا چلا کہ پیڈرو کو ہمارے بارے میں اطلاع مل گئی ہے اور اس کے آدمی ہماری تلاش میں نکلنے والے ہیں؟" میں نے آخری سوال کیا۔

"تمہارے لیے ہمارا پورا نیٹ ورک کام کر رہا ہے۔ تفصیل

بعد میں کسی وقت بتاؤں گا۔ اس وقت تم لوگ وہاں سے نکل لو۔ وش یو گڈ لک۔" ماسٹر ہوچن نے کہا اور اس کے ساتھ ہی لائن منقطع ہوگئی۔

میں نے ریسیور رکھ دیا۔ کیپٹن اس وقت کیبن میں نہیں تھا۔ جب میں باہر نکلا تو کیپٹن اپنے آدمیوں سے لائف بوٹس اتروا رہا تھا۔ سکھدر اور پاتھم وغیرہ بھی ان کے ساتھ کام کررہے تھے۔ تھائی وغیرہ اپنے بیگ اٹھائے تیار کھڑی تھیں۔

میرے کہنے پر صرف ایک ہی لائف بوٹ اتاری گئی کیونکہ ایک تو پہلے ہی نیچے موجود تھی۔ پہلے تھائی وغیرہ کو اتارا گیا پھر ہم لوگ نیچے اتر آئے۔ ہم ایک کشتی میں تھے۔ کیپٹن کے آدمی دوسری کشتی پر سوار ہوگئے۔ کیپٹن ابھی اوپر ہی تھا۔ اس نے لنگر اٹھا دیا اور لانچ کا رخ موڑ کر اسے حرکت میں لے آیا اور اس کے بعد رسی کی سیڑھی پر لٹک کر اپنی کشتی میں کود گیا۔ لانچ رفتہ رفتہ ہم سے دور ہوتی جارہی تھی۔

کیپٹن نے ہماری طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور اپنی کشتی کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ ہماری کشتی کے چپو پاتھم اور سکھدر نے سنبھال رکھے تھے اور اس کشتی کا رخ دوسرے کنارے کی طرف تھا۔ ہمارے دونوں گن مین پوزیشن لیے بیٹھے تھے اور ان کی نظریں سرچ لائٹس کی طرح دریا کی سطح پر بھٹک رہی تھیں۔

ہماری کشتی بنکاک نوئے بوٹ لینڈنگ سے ابھی دور تھی کہ فضا میں موٹر بوٹ کے انجن کی آواز سنائی دینے لگی۔ میں نے بھی گردن گھما کر دیکھا۔ دریا کے وسط میں دو موٹر بوٹس بڑی تیزی سے اس طرف آرہی تھیں۔ لانچ دریا کی پُرسکون سطح پر تیرتی ہوئی فلوٹنگ مارکیٹ سے کافی آگے نکل چکی تھی۔ وہ دونوں بوٹس لانچ کے قریب پہنچ گئیں۔ انہوں نے لانچ کے گرد ایک چکر لگایا۔ وہ شاید یہ اطمینان کرلینا چاہتے تھے کہ یہی ان کی مطلوبہ لانچ تھی پھر دونوں بوٹس لانچ سے کافی فاصلے پر آگئیں اور پھر اچانک ہی فضا زوردار دھماکوں سے گونج اٹھی۔

دونوں بوٹس سے دو دو راکٹ برسائے گئے جو سب کے سب ٹھیک نشانے پر لگے۔ لانچ زوردار دھماکے سے پھٹی۔ اس کے پرخچے اڑ گئے۔ جلتے ہوئے ٹکڑے چاروں طرف پھیل گئے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دریا میں آگ لگ گئی ہو۔

دونوں موٹر بوٹس چند لمحے وہاں رکیں اور پھر تیز رفتاری سے اسی طرف چلی گئیں جس طرف سے آئی تھیں۔

ہماری کشتی بنکاک نوئے بوٹ لینڈنگ پر پہنچ گئی۔ بوٹ لینڈنگ پر لوگ جمع ہونا شروع ہوگئے تھے۔ سب لوگ شور مچاتے ہوئے دریا کے وسط میں جلتی ہوئی لانچ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ہماری طرف کسی نے توجہ نہیں دی۔ ہم نے بھی اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور کشتی کو جیٹی پر چھوڑ کر اوپر آگئے۔ کشتی پر بھی جل پری کا نام لکھا ہوا تھا۔ اگر کسی نے وہ نام دیکھا بھی ہوگا تو توجہ نہیں دی ہوگی۔ کسی کو کیا پتا کہ دریا میں تباہ ہونے والی وہ لانچ جل پری تھی۔

ہم بوٹ لینڈنگ سے نکل کر باہر آگئے۔ راکٹوں کی فائرنگ اور لانچ کے تباہ ہونے کا دھماکا دور تک دکھائی اور سنائی دیا تھا اور لوگ صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے دریا کی طرف دوڑ رہے تھے۔ اس صورتِ حال کا فائدہ ہم نے اٹھایا۔

بنکاک نوئے ریلوے اسٹیشن وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ دونوں گن مین ہمارے ساتھ ہی جانا چاہتے تھے لیکن میں نے انہیں زبردستی رخصت کردیا۔ ایک ٹیکسی پر پرساد' پاتھم' نویتا اور سکھدر سوار ہوگئے اور دوسری ٹیکسی پر میں' تھائی اور جانکی کے ساتھ بیٹھ گیا۔

ٹیکسیاں ہم نے دور ہی چھوڑ دیں اور مختلف گلیوں میں گھومتے ہوئے بنگلے پر پہنچ گئے۔ اندر داخل ہوتے ہی سب نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔

"بھئی میں تو کافی بنانے جارہی ہوں۔ دماغ گھوم رہا ہے۔ ویسے تم میں سے کون کون کافی پیئے گا؟" جانکی نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا۔

سب ہی نے اثبات میں سر ہلا دیے تھے۔ جانکی کے ساتھ نویتا بھی کچن میں چلی گئی تھی۔ میں اٹھ کر ٹیلی فون کے قریب آگیا اور ریسیور اٹھا کر پیراڈائز کا نمبر ملانے لگا۔ کال فوراً ہی ریسیو کرلی گئی اور آپریٹر کی سریلی آواز سنائی دی۔

"چاؤ فرایا پیراڈائز۔"

"مسٹر پیڈرو سے بات کرنی ہے۔ مجھے معلوم ہے وہ اس وقت یہاں موجود ہے۔" میں نے کہا۔

"کون صاحب بات کریں گے؟" آپریٹر نے پوچھا۔

"میں اس کا ایک پرانا دوست ہوں۔ اسے میری کال کی توقع تو نہیں ہوگی لیکن مجھ سے بات کرکے وہ بہت خوش ہوگا۔" میں نے کہا۔

آپریٹر نے مجھے ہولڈ کرنے کو کہا اور پھر تقریباً ایک منٹ بعد پیڈرو کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔

"ہیلو۔ کون؟"

"اگر میں اپنا نام بتادوں تو تم سب لوگوں کی موجودگی میں اپنے بال نوچنے پر مجبور ہوجاؤ گے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ "لیکن تم نام بتائے بغیر بھی سمجھ جاؤ گے کہ میں کون ہوں۔ تمہارے آدمیوں کا نشانہ واقعی بہت اچھا ہے۔ انہوں نے راکٹوں سے جل پری کے پرخچے اڑا دیے لیکن تمہیں یہ جان کر افسوس ہوگا کہ اس لانچ میں تمہارا ہی ایک آدمی موجود تھا۔ وہی جس نے تمہیں لانچ پر ہماری موجودگی کی اطلاع دی تھی۔ لانچ کے ساتھ اس کی لاش کے ٹکڑے بھی دریا میں تیر رہے ہوں گے لیکن تمہیں شاید....."

"تت.... تت.... تم...." پیڈرو کی آواز حلق سے اٹک اٹک

کر نکل رہی تھی "تت.... تم زندہ ہو۔" اس مرتبہ وہ دہاڑا "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"یہ گھسا پٹا جملہ تم کئی بار کہہ چکے ہو پیڈرو لیکن آج تک میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے۔" میں نے کہا "میں نے تمہیں اپنے زندہ ہونے کی اطلاع اس لیے دی ہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان زندگی اور موت کا یہ دلچسپ کھیل جاری رہے۔ بہت جلد تم سے ملاقات ہوگی۔"

میں نے فون بند کردیا۔ میں چشم تصور سے دیکھ رہا تھا کہ پیڈرو کس طرح اپنے بال نوچ رہا ہوگا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے ماسٹر ہوچن کو بھی اپنے پہنچنے کی اطلاع دے دی۔

"گڈ۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "میں رات کو کسی وقت آؤں گا اور پھر تفصیل سے باتیں ہوں گی۔"

"ہمارے لیے کھانے پینے کا کچھ سامان لیتے آنا ماسٹر۔ ہمارے پاس یہاں کچھ نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ لیتا آؤں گا۔" ماسٹر نے جواب دیا اور ریسیور رکھ دیا۔

جانکی کافی بنا کر لے آئی تھی۔ ہم کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے صورتِ حال پر تبصرہ کرنے لگے۔ اس مرتبہ بھی ہم بال بال بچ گئے تھے۔ اگر ہم لانچ میں ہوتے تو اس وقت ہمارے نوچے پھوٹے اعضا بھی دریا میں تیر رہے ہوتے۔ جانکی وغیرہ کے چہروں پر تو اب بھی خوف کے تاثرات موجود تھے۔

دس بجے کے قریب ماسٹر ہوچن آگیا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور تھا۔ ماسٹر ہوچن پہلی مرتبہ یہاں آیا تھا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہماری یہ پناہ گاہ بہت پہلے سے اس کے علم میں تھی اور وہ ہماری حفاظت کے خیال سے چوبیس گھنٹے اس کی نگرانی بھی کروا رہا تھا۔

ماسٹر ہوچن جس گاڑی پر آیا تھا' اسے گیٹ کے اندر لے آیا گیا تھا۔ کار کی ڈکی میں اور پچھلی سیٹ پر کھانے پینے کی چیزیں بھری ہوئی تھیں جن میں تازہ پھل' سبزیاں' مصر بند خوراک کے ڈبے اور کولڈ ڈرنکس کے کئی ڈبے بھی شامل تھے۔ سکھدر اور دوسرا آدمی مل کر کار سے وہ سامان اتارنے لگے جبکہ ہم ماسٹر کے ساتھ ہال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ماسٹر مہاراج کے جمنازیم پر پیڈرو کے آدمیوں کے حملے کی تفصیل بتا رہا تھا۔

"میں اس وقت مہاراج کے پاس تھا۔" وہ کہہ رہا تھا "جمنازیم میں پانچ چھ لڑکے تھے۔ مہاراج ان ہنگاموں میں ملوث نہیں ہونا چاہتا تھا اس لیے زیادہ لڑکوں کو جمنازیم میں جمع بھی نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ اس رات پیڈرو کے تقریباً دو درجن آدمیوں نے جمنازیم میں داخل ہو کر توڑ پھوڑ شروع کردی۔ انہیں روکنے کی کوشش کی گئی تو انہوں نے ہمارے لڑکوں پر فائر کھول دیا جس سے ایک لڑکا تو گولی لگنے سے موقع پر ہی چل بسا اور تین زخمی ہوئے۔ ان زخمیوں میں سے ایک نے کسی طرح ٹیلی فون تک پہنچ کر مجھے اطلاع کردی۔ میں کچھ اور لڑکوں کو لے کر وہاں پہنچا تو پتا چلا کہ حملہ آور تو گم کو اٹھا کر فرار ہوچکے ہیں۔

"مجھے اندازہ تھا وہ کہاں گئے ہوں گے۔ میں نے چند لڑکوں کو ساتھ لے کر پیڈرو کے ایک ٹھکانے پر حملہ کردیا۔ گم کو وہیں لے جایا گیا تھا اور پیڈرو کو اس کے بارے میں خبر کردی گئی تھی لیکن ہم پیڈرو کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی گم کو چھڑا لائے۔"

"لیکن ماسٹر۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ پیڈرو کو لانچ پر ہماری موجودگی کی اطلاع مل چکی ہے اور اس کے آدمی لانچ پر حملہ کرنے والے ہیں۔" میں نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

"مہاراج تمہاری طرف سے کبھی ایک لمحے کو بھی غافل نہیں ہوتے۔" ماسٹر ہوچن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "انہوں نے تمہاری حفاظت کے لیے ایک مکمل نیٹ ورک قائم کر رکھا ہے۔ ہر اس جگہ پر مہاراج کا ایک آدمی موجود ہے جہاں سے تمہارے حوالے سے کسی سازش کی اطلاع مل سکتی ہو۔ ہمارا ایک آدمی پیراڈائز میں بھی موجود ہے۔ اس نے مجھے فون پر اطلاع دی تھی کہ پیڈرو کو اس کے کسی مخبر نے خبر دی ہے کہ تم لوگ جل پری پر موجود ہو اور یہ کہ اس کے کچھ آدمی اس لانچ کو تباہ کرنے کے لیے موٹر بوٹس پر روانہ ہونے والے ہیں۔ میں نے یہ اطلاع ملتے ہی تمہیں لانچ پر فون کردیا۔"

"اور یہ اطلاع ہمیں بروقت مل گئی تھی ورنہ اس لانچ کے ساتھ ہمارے بھی ٹکڑے ہوچکے ہوتے۔" میں نے جواب دیا "اور اتفاق سے ہم نے پیڈرو کے اس مخبر کو بھی پکڑ لیا تھا جس نے پیڈرو کو ہمارے بارے میں اطلاع دی تھی۔ اگر وہ چند منٹ پہلے ہماری نظروں میں آجاتا تو اسے پیڈرو کو اطلاع دینے کا موقع نہ ملتا۔"

"بات دراصل یہ ہے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "مہاراج تم سے کوئی بڑا کام لینا چاہتے ہیں۔ پیڈرو تو ایک بہت معمولی سا بدمعاش ہے۔ وہ جب چاہیں اسے مچھر کی طرح چٹکی میں مسل سکتے ہیں۔ وہ تمہیں اس کے ساتھ الجھا کر تمہاری توانائی ضائع نہیں کرنا چاہتے لیکن وہ تمہیں روک بھی نہیں رہے۔ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ تمہیں اس ٹائپ کے لوگوں سے نمٹنے کا کچھ تجربہ بھی ہوتا رہے۔"

"مہاراج مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"وقت آنے پر بتا دیا جائے گا لیکن....."

"لیکن کیا....؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے ماسٹر کی طرف دیکھا۔

"سامی کے قتل کے بعد جو صورت حال سامنے آئی ہے اس سے اندیشہ ہے کہ تم پیڈرو ہی کے چکر میں الجھ کر نہ رہ جاؤ۔ اس لیے مہاراج چاہتے ہیں کہ تمہیں چند روز کے لیے باہر بھیج دیا جائے۔" ماسٹر نے کہا۔

"کہاں....؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔" ماسٹر نے جواب دیا۔

"کیوں نہ ہمیں کنچن بوری بھیج دیا جائے۔" میرے قریب بیٹھا ہوا پرساد بول پڑا "بڑی اچھی جگہ ہے۔ آج کل تو وہاں کا موسم بھی بہت اچھا ہے۔ وہاں ہم کچھ ریسٹ کر سکتے ہیں۔"

"کنچن بوری۔" ماسٹر ہوچن بڑبڑایا "وہاں واقعی تم لوگوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ بہرحال' میں مہاراج سے بات کروں گا۔ اگر انہوں نے کنچن بوری کے نام پر اتفاق کیا تو دو چار دن بعد تم لوگوں کو وہیں بھیج دیا جائے گا۔ بصورت دیگر تم لوگ وہاں جاؤ گے جہاں مہاراج چاہیں گے۔"

ہم ہال میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ جانکی اور تھائی کچن میں کھانا تیار کر رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد انہوں نے کھانا میز پر لگا دیا۔

ماسٹر ہوچن نے کھانا کھانے کے بعد کافی بھی ہمارے ساتھ ہی پی تھی اور بالآخر جب وہ رخصت ہوا تو رات کا ایک بج چکا تھا۔

"تم نے کنچن بوری کا نام کیوں لیا تھا؟" ماسٹر ہوچن کے جانے کے بعد میں نے پرساد کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تم بھی تو وہاں جانا چاہتے ہو باس۔" پرساد مسکرایا "ہمارے اصل شکار تو وہیں ہیں۔"

"اگر مہاراج یا ماسٹر ہوچن کو شبہ بھی ہو گیا کہ دارا اور کم وغیرہ کنچن بوری میں ہیں تو وہ ہمیں اس طرف جانے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے۔" میں نے کہا۔

"تم لوگوں کا سونے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟" جانکی نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ڈیڑھ بج رہا ہے۔ مجھے تو نیند آ رہی ہے۔"

"ہاں واقعی اب سو جانا چاہیے۔" میں نے بھی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

اب اگرچہ ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن ہم پہرے داری کے نظام کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ طے یہ ہوا کہ پرساد اور پاتھم صبح پانچ بجے تک ڈیوٹی دیں گے۔ اس کے بعد میں اور سکھدر جاگ جائیں گے۔ یہ طے ہوتے ہی ہم لوگ اٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

○☆○

تین چار دن اور گزر گئے۔ یوں تو حالات پُرسکون تھے لیکن پیڈرو اب بھی سانڈ کی طرح بپھرا ہوا تھا۔ مجھے ماسٹر ہوچن سے اس کے بارے میں اطلاعات مل رہی تھیں۔ سکھدر بھی باہر کے ایک دو چکر لگا لیتا تھا۔ وہ بھی اکثر دلچسپ خبریں لے کر آتا تھا۔ پیڈرو میری تلاش میں تھا۔ اس کے آدمی شکاری کتوں کی طرح پورے شہر میں میری بو سونگھتے پھر رہے تھے۔

چوتھے روز پاتھم ایک دلچسپ خبر لے کر آیا کہ پولیس نے تھریسا کے قتل کے الزام میں اب باقاعدہ مقدمہ درج کر لیا تھا اور پیڈرو کو بھی ایک ملزم نامزد کر دیا گیا تھا۔ اس روز ہم پر حملہ کرنے والوں میں سے ایک آدمی زندہ بچ کر بھاگ نکلا تھا اور اب پولیس نے اسے اسی کیس میں گرفتار کر لیا تھا جبکہ پیڈرو کے دو آدمیوں کے قتل کے الزام میں نامعلوم افراد کے خلاف اور سامی کے قتل کے الزام میں بھی نامعلوم افراد کے خلاف مقدمہ درج کیا گیا تھا۔ پولیس نے ابھی تک پیڈرو پر ہاتھ نہیں ڈالا تھا شہر میں ہونے والے ہنگاموں توڑ پھوڑ اور قتل و غارت کے الزام میں بھی اگرچہ پیڈرو کے خلاف مقدمہ درج ہو چکا تھا۔ ان مقدمات میں بھی پیڈرو کے گروہ کے کئی لوگوں کو گرفتار کیا گیا تھا لیکن وہ سب چھوٹی مچھلیاں تھیں جبکہ مگرمچھ پر ہاتھ ڈالنے کے سلسلے میں پولیس مصلحت سے کام لے رہی تھی۔ پیڈرو کوئی معمولی غنڈا تو نہیں تھا۔ وہ زیرِ زمین دنیا کا بادشاہ تھا۔ جرائم پیشہ ہونے کے باوجود اس کے تعلقات بھی اوپر تک تھے اور اس پولیس فی الحال اس پر ہاتھ ڈالنے کے سلسلے میں ہچکچا رہی تھی۔ دوسری طرف پیڈرو نے یہ بھی شور مچا رکھا تھا کہ اس نے سامی کے اغوا اور قتل کے حوالے سے پولیس کو میرا نام دیا تھا مگر پولیس نے ایف آئی آر میں میرا نام شامل کرنے کے بجائے نامعلوم افراد کے خلاف مقدمہ درج کیا تھا۔

اسی شام ماسٹر ہوچن سے فون پر بات ہوئی۔ اس کی باتوں سے انکشاف ہوا کہ مہاراج کی مہربانی سے کسی رپورٹ میں میرا نام نہیں آ سکا۔

"اور ہاں۔ جس مقصد کے لیے میں نے تمہیں فون کیا ہے' وہ یہ ہے کہ صبح تم لوگ کنچن بوری کے لیے روانہ ہو رہے ہو۔" ماسٹر ہوچن کہہ رہا تھا "صبح چھ بجے گاڑی تم لوگوں کو لینے کے لیے پہنچ جائے گی جو تم لوگوں کو بس اسٹیشن پر پہنچا دے گی۔ میرے دو آدمی عام مسافروں کے بھیس میں اس بس میں موجود ہوں گے۔ بے جو ناکھن پاتھن تک تم لوگوں کے ساتھ جائیں گے۔ اگر انہوں نے کوئی گڑبڑ محسوس کی تو کنچن بوری تک چلے جائیں گے اور وہاں بھی تم لوگوں کے آس پاس ہی رہیں گے اور اگر صورتِ حال معمول کے مطابق ہوئی تو وہ ناکھن پاتھن سے واپس آ جائیں گے۔ اس کے بعد اپنا خیال تم لوگ خود رکھو گے۔"

"سمجھ گیا ماسٹر۔" میں نے کہا۔

"کنچن بوری بس اسٹیشن پر پرسی نام کا ایک آدمی تم لوگوں کے استقبال کے لیے موجود ہو گا۔ اس کی شناخت یہ ہے کہ اس کے دائیں رخسار پر انگوٹھے کے ناخن کے برابر سیاہ دھبا ہے۔ وہ میرا شاگرد ہے اور تم لوگوں کی رہائش کا بندوبست بھی وہی کرے گا اور کوئی بھی ضرورت ہو تو تم لوگ بلا تکلف اس سے کہہ سکتے ہو۔ اوکے! ٹھیک چھ بجے گاڑی تمہارے دروازے پر پہنچ جائے گی۔"

"یس ماسٹر۔" میں نے کہا اور پھر دوسری طرف سے فون بند ہونے کے بعد میں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

ماسٹر ہوچن کے اس فون کے بعد ہم دیر تک پروگرام بناتے رہے۔ میں نے باتوں ہی باتوں میں یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ نوپا ہمارے ساتھ نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس کے بارے میں یہ طے ہوا کہ اسے

صبح وائرلیس بھیج دیا جائے گا یا میں خود ماسٹر ہوچن سے بات کروں گا۔ وہ اسے چند روز کے لیے چیانگ رائے بھجوا دے گا۔ سکھدر کو ہم ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے۔ اس لیے اسے بتا دیا گیا کہ وہ صبح مہاراج کے پاس واپس چلا جائے۔ میرا تو خیال تھا کہ پاتھم کو بھی ساتھ نہ لے جایا جائے لیکن وہ ہمارے ساتھ جانے پر بضد تھا۔

تھائی اور جانکی رات کے کھانے سے فارغ ہوتے ہی روانگی کی تیاری کرنے لگیں۔ اس مرتبہ کوئی افراتفری نہیں تھی۔ خاصا وقت تھا۔ وہ اطمینان سے اپنی چیزیں پیک کرتی رہیں۔ بعض ایسی چیزیں الماریوں میں منتقل کر دی گئیں جو ہم ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے۔ ان میں سامی کے ملبوسات سے چھینی ہوئی رائفلیں بھی شامل تھیں۔

ہم رات کو تقریباً دو بجے تک جاگتے رہے تھے لیکن صبح پانچ بجے تھائی نہ صرف خود اٹھ گئی بلکہ اس نے ہم سب کو بھی جگا دیا اور خود کچن میں گھس کر ناشتا تیار کرنے لگی۔

پونے چھ بجے کے قریب میں نے ماسٹر ہوچن سے فون پر بات کرتے ہوئے اسے نوپا کے بارے میں بتا دیا کہ اسے آج یا کل چیانگ رائے بھجوا دیا جائے۔

ٹھیک چھ بجے وہی سیاہ وین پہنچ گئی جو اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ ہمارے استعمال میں آ چکی تھی۔ جانکی نے احتیاط سے بنگلے کے تمام دروازے لاک کر دیے اور ہم وین میں سوار ہو گئے۔ وین میں وہی دو گن مین بھی بیٹھے ہوئے تھے جو لانچ میں قیام کے دوران ہمارے ساتھ تھے۔ ان میں سے ایک نے ائرکنڈیشنڈ بس کے ٹکٹ ہمارے حوالے کر دیے۔ بس پر سیٹیں کل ہی بک کروالی گئی تھیں۔ سکھدر اور نوپا کے ٹکٹ بھی تھے جو میں نے اسے واپس کر دیے۔

بس پونے سات بجے روانہ ہونے والی تھی۔ ہم روانگی سے صرف پانچ منٹ پہلے پہنچے تھے اور پھر ٹھیک پونے سات بجے بس حرکت میں آ گئی۔ روانگی سے پہلے میں نے نوپا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر اداسی تھی۔ شاید اسے ہمارے ساتھ نہ جانے کا افسوس ہو رہا تھا۔

بس شہر کے مضافاتی علاقوں سے نکل کر شمال مغرب کی طرف جانے والی ہائی وے تین سو تیس پر آ گئی۔ چار لین کی یہ کشادہ ہائی وے بہت شان دار تھی۔ ہائی وے کے دونوں طرف تا حدِ نگاہ سبزہ ہی سبزہ دکھائی دے رہا تھا۔ دھان کی کھیت تھے۔ سڑک کے قریب کھیتوں میں کئی جگہوں پر تنکوں کی چوڑے چھجے والی ٹوپیاں پہنے کسان کام کرتے نظر آ رہے تھے۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔

کنچن بوری بنکاک سے ایک سو انتیس کلومیٹر کے فاصلے پر برما کی سرحد پر واقع ہے۔ کنچن بوری کے لیے اگرچہ ٹرین سروس بھی موجود ہے لیکن میرے خیال میں جو مزہ بس وغیرہ سے سفر کرنے میں ہے وہ ٹرین کے سفر میں نہیں۔

بس میں پاتھم ہم سے الگ بیٹھا تھا۔ ایک سیٹ پر جانکی اور پرساد بیٹھے ہوئے تھے اور ان سے پیچھے والی سیٹ پر میں اور تھائی۔ سکھدر اور نوپا کے ٹکٹ واپس کر دیے گئے تھے۔ ان کی سیٹیں دو یورپین ٹورسٹ لیڈیز کو دے دی گئی تھیں۔ بس کی تمام سیٹیں بھری ہوئی تھیں اور میں مسافروں کو گھورتے ہوئے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ دو آدمی کون ہو سکتے تھے جو ہماری حفاظت کے لیے اس بس میں سفر کر رہے تھے۔ لیکن مجھے ایسا کوئی شخص نظر نہیں آیا جس پر اس قسم کا گمان ہو سکے۔

تقریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد بس ناکھن پاتھن کی حدود میں داخل ہو گئی۔ یہ شہر زیادہ بڑا نہیں تھا۔ صاف ستھری کشادہ سڑکیں' خوب صورت عمارتیں۔ اس وقت صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ سڑکوں پر رونق نظر آ رہی تھی۔ بازار پوری طرح کھل چکے تھے۔ ہر طرف زندگی رواں دواں دکھائی دے رہی تھی۔

بس اپنے اسٹیشن پر رکی تو مختلف سیٹوں سے دو نوجوان اٹھ گئے۔ ان کے پاس سامان نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ ان میں ایک آگے والی سیٹ سے اٹھا تھا اور دوسرا پیچھے والی سیٹ سے۔ تھائی باشندوں کی عمروں کا اندازہ لگانا کافی دشوار ہوتا ہے لیکن میرے خیال میں ان میں کوئی بھی بیس سے کم اور تیس سے زیادہ کا نہیں تھا۔ ان میں سے ایک نے بس کے آگے والے دروازے سے اترتے ہوئے میری طرف دیکھا بھی تھا۔ یہاں صرف وہی دو مسافر اترے تھے اس لیے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہی دو ہمارے محافظ تھے۔ اگر وہ کوئی گڑبڑ محسوس کرتے تو آگے تک ہمارے ساتھ ہی جاتے لیکن وہ یہاں اتر گئے تھے جس کا مطلب تھا کہ انہیں بس میں کوئی ایسا مشتبہ شخص نظر نہیں آیا تھا جس سے ہمیں کوئی خطرہ ہو سکتا۔

بس وہاں صرف پانچ منٹ رکی تھی۔ خالی ہونے والی سیٹوں پر دو نئے مسافر بیٹھ چکے تھے۔ میں نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ وہ دونوں نوجوان اس وقت تک قریب ہی کھڑے رہے تھے جب تک بس وہاں سے روانہ نہیں ہو گئی تھی۔

میدانی علاقہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا۔ اس سے آگے پہاڑی علاقہ شروع ہو رہا تھا۔ سڑک بدستور بلندی کی طرف جا رہی تھی۔ میں مسلسل کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ مجھے سرسبز پہاڑی مناظر بہت اچھے لگ رہے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ میں اس سفر سے پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا۔ پہلی مرتبہ اس طرح آزادی سے سفر کرنے کا موقع ملا تھا اور میں بار بار اپنے ساتھ بیٹھی ہوئی تھائی کو بھی اطراف میں پھیلے ہوئے خوب صورت قدرتی مناظر کی طرف متوجہ کر رہا تھا۔ مجھے خوش دیکھ کر تھائی بھی خوش ہو رہی تھی۔

بس اب پہاڑوں کے بیچ میں بل کھاتی ہوئی سڑک پر سفر کررہی تھی۔ جگہ جگہ خطرناک موڑ تھے۔ بعض موڑ تو اتنے خطرناک تھے کہ ذرا سپور کی ذرا سی غفلت مسافروں کی اندوہناک موت کا باعث بن سکتی تھی۔

کنچن بوری واقعی خوب صورت شہر تھا۔ چاروں طرف سبزہ اور پھول۔ تازہ اور خوشگوار ہوا سے فضا مہک رہی تھی۔

شہر کی مختلف سڑکوں سے گزرتی ہوئی بس سوا دس بجے کے قریب ٹرمینل پر رکی تو مسافر سیٹیں چھوڑنے لگے۔ ہم اپنی سیٹوں پر بیٹھے رہے۔ تمام مسافروں کے اترنے کے بعد ہی ہم نے اپنی سیٹیں چھوڑی تھیں۔

بس سے اترتے ہی میں نے پرسی نامی ایک شخص کو پہچان لیا۔ اگر ماسٹر ہوچن اس کے بارے میں اتنی تفصیل سے نہ بھی بتاتا تو میں اسے پہچان لیتا۔ میں بنکاک میں مہاراج کے جمنازیم میں اسے دیکھ چکا تھا۔ اس کے دائیں رخسار پر انگوٹھے کے ناخن کے برابر سیاہ دھبا قدرتی تھا اور یہ سیاہ دھبا ہی اس کی سب سے بڑی شناخت تھا۔

وہ مجھے دیکھتے ہی میری طرف بڑھا اور سب سے پہلے اس نے مجھے بو کیا۔ جواب میں' میں نے بھی اسے بو (مارشل آرٹس میں جھک کر تعظیم دینا) کیا اور پھر ہم نے بڑی گرم جوشی سے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔ اس نے تھائی' جاپانی اور پرساد سے بھی ہاتھ ملایا۔ یاتھم دور ہی رہا تھا۔ دراصل ہمارا پہلے ہی سے یہ منصوبہ تھا کہ یاتھم ہم سے الگ اور دور رہے گا۔ ایسا ہم نے احتیاطاً کیا تھا تاکہ اگر ہم سب کسی مصیبت میں پھنس جائیں تو وہ الگ رہ کر ہماری مدد کرسکے۔

بس ٹرمینل کے باہر پبلک پارکنگ ایریا میں پرسی کی اسٹیشن ویگن موجود تھی۔ وین میں بیٹھتے ہوئے میں نے مڑ کر دیکھا۔ یاتھم ایک ٹک ٹک میں بیٹھ رہا تھا۔

کنچن بوری سیاحت کا مرکز اور بڑا خوب صورت شہر ہے۔ پرسی اسٹیشن ویگن چلاتے ہوئے ہمیں اس شہر کے بارے میں بھی بتا رہا تھا۔ یہ خوب صورت شہر گیارہ ایم فوز (ڈسٹرکٹ) میں تقسیم ہے جن میں سے پانچ ایم فوز حسین قدرتی مناظر اور تاریخی اہمیت کے حوالے سے سیاحوں کی توجہ کا مرکز تھے۔

اسٹیشن ویگن ایم فو موانگ کنچن بوری کے علاقے میں درختوں میں ڈھکے ہوئے ایک خوب صورت کاٹیج کے سامنے رک گئی۔ میں نیچے اتر کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین چار کاٹیج اور تھے۔ آس پاس سبزے سے ڈھکی ہوئی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں جن کے پیچھے کی پہاڑیاں بتدریج بلند ہوتی چلی گئی تھیں۔ پرسی نے ہماری رہائش کے لیے اس کاٹیج کا انتظام خاص طور پر کیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں تھا کہ یہ بڑی خوب صورت جگہ تھی لیکن سیکورٹی کے نقطۂ نگاہ سے قطعی مناسب نہیں تھی۔

یہاں تو ہمیں نہایت آسانی سے چاروں طرف سے گھیرا جاسکتا تھا۔

پرسی بتا رہا تھا کہ ریور کوائے کا وہ تاریخی پل بھی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے جو جاپانیوں نے دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں بنایا تھا۔ جاپانی فوج کی نگرانی میں تعمیر ہونے والے اس پل سے ہزاروں جنگی قیدیوں کی جانوں کی بھینٹ لی تھی۔ اتحادی فوجیوں کے ہزاروں جنگی قیدیوں کو اس پل کی تعمیر پر لگایا گیا تھا جن میں کچھ تعمیر کے دوران میں پل سے گر کر ہلاک ہوئے۔ کچھ جاپانی فوجیوں کے ظلم و تشدد کا شکار ہوئے اور بہت سے کالی دکھانے والے قیدیوں کو گولیوں سے اڑا دیا گیا تھا۔ پل پر سے گزرنے والی ریلوے لائن کو آج بھی "ڈیتھ ریلوے" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ریلوے اسٹیشن کے ایک طرف وہ تاریخی قبرستان ہے جہاں پل کی تعمیر کے دوران ہلاک ہونے والے یا گولیوں سے اڑا دیے جانے والے ۶۹۸۲ جنگی قیدیوں کو دفن کیا گیا تھا۔ دوسرا تاریخی قبرستان چونگ کائی میں ہے جہاں پونے دو ہزار جنگی قیدیوں کی قبریں ہیں۔

میں بڑی دلچسپی سے پرسی کی باتیں سن رہا تھا۔ بالآخر ہم انور آگئے۔ یہ کاٹیج چار کمروں پر مشتمل تھا۔ تین بیڈ رومز تھے اور ایک سٹنگ روم۔ اندر داخل ہونے کے بعد انکشاف ہوا کہ یہاں ایک ادھیڑ عمر ملازمہ بھی موجود تھی جو کچن میں ہمارے لیے ناشتا تیار کرنے میں مصروف تھی۔

پرسی سے بھی ہمارے ساتھ ہی ناشتا کیا تھا۔ تقریباً دو گھنٹوں بعد جب وہ واپس جانے لگا تو اس نے اسٹیشن ویگن کی چابی میرے حوالے کردی۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ ہم سیر و تفریح کے لیے یہاں آئے ہیں اور ہمیں گاڑی کی ضرورت پڑے گی۔

"یہ گاڑی صرف شہر کی سڑکوں پر چلانے کے لیے ہے۔ پہاڑوں میں تفریحی مقامات پر جانے کے لیے مناسب نہیں ہے۔ کل میں دوسری گاڑی کا بندوبست کردوں گا اور....." اس نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر میری طرف بڑھا دیا "جب بھی میری ضرورت ہو' فون کردینا۔ اس کارڈ پر میرے جمنازیم کا بھی نمبر ہے اور گھر کا بھی۔"

"کیا اس کاٹیج میں ٹیلی فون بھی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ تم نے شاید دیکھا نہیں۔ لونگ روم میں صوفے کے ساتھ سائڈ ٹیبل پر رکھا ہوا ہے۔" اس نے بتایا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "ہم تو ایک لمبا چکر لگا کر آئے ہیں لیکن بازار جانے کے لیے پیدل کا راستہ یہاں سے بہت قریب ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

پرسی کے جانے کے بعد ہم برآمدے میں بچھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ دوسرا کاٹیج وہاں سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھا۔ دوسرے کاٹیج بھی زیادہ فاصلے پر نہیں تھے۔ ایک کاٹیج کے برآمدے میں کرسیوں پر ایک یورپی مرد اور دو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ تمام کاٹیج کا طرزِ تعمیر ایک ہی جیسا تھا اور مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ کاٹیج کسی ایک ہی شخص یا کمپنی کی ملکیت تھے جو سیاحوں کو کرائے پر دیتے تھے۔

"ہمارے لیے یہ کاٹیج بالکل مناسب نہیں ہے۔" میں نے پرساد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہمیں کسی اور کاٹیج کا بندوبست کرنا پڑے گا جو محفوظ ہو۔ یہاں تو ہم آسانی سے گھیرے میں آسکتے ہیں۔"

"میرا ایک دوست بھی کنچن بوری میں رہتا ہے۔ اسے تلاش کروں گا۔ اگر اس سے ملاقات ہوگئی تو شاید وہ کوئی بندوبست کرسکے۔" پرساد نے جواب دیا۔

وارایا چی فانگ کے بارے میں ہم نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی تھی۔ ہمیں کوئی جلدی بھی نہیں تھی۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہاں ہم انہی سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے آئے تھے لیکن ہمارے پاس بہت وقت تھا۔ ہم اطمینان سے بہت سوچ سمجھ کر اگلا قدم اٹھانا چاہتے تھے۔

رات کو ہم نے صرف ڈھائی تین گھنٹوں کی نیند لی تھی اور اب میں کچھ سستی اور تھکن سی محسوس کرنے لگا تھا۔ دو سروں کے چہروں پر بھی کچھ ایسے ہی آثار نظر آرہے تھے۔ پچھلے چند روز ہمارے لیے بڑے ہنگامہ خیز ثابت ہوئے تھے اور میرے خیال میں کم از کم آج کا دن اس پُرسکون جگہ پر آرام کرلینا چاہیے تھا۔ میں اٹھ کر ایک بیڈ روم میں آگیا اور جوتے اتار کر بستر پر لیٹ گیا۔

تین بجے دوپہر کے کھانے کے بعد ہم گھومنے کے لیے نکل گئے۔ ہم نے گاڑی ایک بہت بڑے شاپنگ سینٹر کے پارکنگ لاٹ پر چھوڑ دی اور پیدل ہی گھومنے لگے۔ وارا' کم اور چی فانگ اس شہر میں موجود تھے۔ وارا اور چی فانگ اگرچہ زخمی تھے لیکن کم یا اس کے کسی آدمی سے آمنا سامنا ہونے کا امکان تھا اس لیے شہر کی سیر و تفریح کے لیے بھی ہم نے دو سرا طریقہ اختیار کیا تھا۔ میں اور تھائی الگ تھے اور جاپانی پرساد کے ساتھ ہم سے الگ تقریباً بیس گز کے فاصلے پر تھی۔ اس طرح دو پارٹیوں میں بٹنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر ایک پارٹی نظروں میں آجائے تو دوسری محفوظ رہے اور پھر یاتھم بھی تھا جو ہم سے بالکل الگ تھلگ تھا۔ وہ بس سے اترتے ہی کسی دوسری جگہ پر چلا گیا تھا اور ابھی تک اس سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ بازار میں گھومتے پھرتے کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔

پانچ بجے کے قریب میں اور تھائی ایک کافی ہاؤس میں گھس گئے۔ ان دو گھنٹوں کے دوران میں تھائی نے کچھ شاپنگ بھی کرلی تھی۔ ہم کافی کی چسکیاں لے رہے تھے کہ ایک فربہ اندام آدمی کو کافی ہاؤس میں داخل ہوتے دیکھ کر تھائی چونک سی گئی۔ اس شخص کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ تھی۔ اس نے نیلے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ تھائی باشندہ تھا۔ اس کے ہاتھ میں شاپنگ بیگ تھا۔ وہ کافی ہاؤس میں داخل ہونے کے بعد اِدھر اُدھر دیکھے بغیر ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہوگیا جو اس وقت خالی پڑا ہوا تھا۔ تھائی بڑی توجہ سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس شخص نے بک پر ٹنگا ہوا ریسیور اٹھایا اور جیب سے سکے نکال کر سلاٹ میں ڈالنے کے بعد نمبر ملانے لگا۔ چند سیکنڈ بعد اس نے دوسرے ہاتھ کی انگلی سے بک کو دبایا تو سکے نیچے والے خانے سے باہر آگئے۔ اس نے دو تین مرتبہ کوشش کی مگر غالباً فون خراب تھا۔ کال نہیں ہوسکی۔

"کیا بات ہے۔ تم اس شخص کو دیکھ کر چونک سی گئی تھیں۔ یہ کون ہے؟" میں نے تھائی کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔ ہم جس میز پر بیٹھے ہوئے تھے وہ کاؤنٹر کے بالکل ساتھ تھی لیکن کاؤنٹر کے ہمارے سامنے والے حصے پر ٹافی' چیونگ گم' چاکلیٹ اور اس قسم کی چیزوں سے بھرے ہوئے جار رکھے ہوئے تھے اور کاؤنٹر کے سامنے کھڑا ہوا شخص ہمیں دیکھ نہیں سکتا تھا۔

"یہ شخص سرجن ہے اور بنکاک کا رہنے والا ہے۔" تھائی نے بھی سرگوشی میں جواب دیا "میں اسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ اسے زیرِ زمین دنیا کا ڈاکٹر بھی کہا جاتا ہے۔ جرائم پیشہ لوگ آپس کے لڑائی جھگڑوں یا پولیس مقابلوں میں زخمی ہوتے رہتے ہیں۔ ظاہر ہے وہ علاج کے لیے کسی اسپتال کا رخ نہیں کرسکتے۔ اس جیسے ڈاکٹر ہی بھاری رقم کے لالچ میں ان کا چوری چھپے علاج کرتے ہیں۔"

"تم یہ سب کچھ کیسے جانتی ہو؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بنکاک کی جس گلی میں میرا ایک مساج پارلر تھا اسی گلی میں اس کا کلینک بھی تھا۔" تھائی نے بتایا "یہ بہت عرصے پہلے کی بات ہے۔ اس زمانے میں ایک دو مرتبہ پولیس نے اس کے کلینک پر چھاپے بھی مارے تھے لیکن یہ ہر مرتبہ بچتا رہا تھا اور بالآخر یہ وہاں سے کلینک فروخت کرکے کہیں اور چلا گیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی "تمہیں یاد ہے' سای نے بتایا تھا کہ وہ ماہر ڈاکٹر بھی وارا اور چی فانگ کے علاج کے لیے ان کے ساتھ موجود ہیں۔ کیا یہ ان دونوں میں سے ایک نہیں ہوسکتا۔ یہ پیسے کے لالچ میں کہیں بھی جاسکتا ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" میں نے کہا "اس کا مطلب ہے کہ ان لوگوں کی تلاش کے لیے زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرنی پڑے گی۔ اس کا پیچھا کرکے ہم آسانی سے ان کے ٹھکانے پر پہنچ سکتے ہیں۔"

وہ شخص اب بھی بار بار سلاٹ میں سکے ڈال کر نمبر ملانے کی کوشش کررہا تھا مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ بالآخر اس نے جھنجلائے ہوئے انداز میں ریسیور ہک پر لٹکا دیا اور بوتھ سے نکل کر کاؤنٹر کے سامنے آگیا۔

"وہ ٹیلی فون خراب ہے۔ مجھے ایک ضروری کال کرنی ہے پلیز!"..... اس نے کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے شخص کی طرف دیکھتے ہوئے التجائی لہجے میں کہا۔

کاؤنٹر مین نے ٹیلی فون سیٹ اس کی طرف سرکا دیا۔ میں اپنے سامنے رکھے ہوئے شیشے کے مرتبانوں کی آڑ سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ قریب سے اس کا چہرہ کسی بل ڈاگ کی طرح کا لگ رہا تھا۔ وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ملا رہا تھا۔

"او.... یس باس.... میں ڈاکٹر فان بول رہا ہوں۔" وہ لائن ملنے پر بولا "تمہارے لیے ایک اہم اطلاع ہے...." وہ چند لمحے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میں نے ڈاکٹر جانگی کو یہاں دیکھا ہے.... ہاں ہاں۔ وہ کنچن بوری میں ہے۔ اس کے ساتھ ایک آدمی بھی ہے۔ نہیں باس۔ میری نظریں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ یہ وہی آدمی ہے جسے پیڈرو نے سولڈر نگ آئرن سے داغا تھا۔ یس.... یس باس۔ میں محتاط رہوں گا۔ تم فکر مت کرو باس۔ وہ مجھے جانتے ہی نہیں تو مجھ پر شبہ کیسے کریں گے۔ میں ان کے ٹھکانے کا پتا لگا کر واپس آجاؤں گا۔" وہ خاموش ہو کر کچھ دیر دوسری طرف کی بات سنتا رہا پھر "یس باس" کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

میں اور تھائی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ تھائی کی آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی تھی۔ اس موٹے کا نام ڈاکٹر فان تھا اور اس کے بارے میں تھائی کا شبہ درست نکلا تھا۔ اس نے جانگی اور پرساد کو دیکھ کر پہچان لیا تھا اور فون پر دارا یا کم کو خبر کردی تھی اور غالباً اسے جانگی اور پرساد کی نگرانی کرکے ان کا ٹھکانا معلوم کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

جانگی اور پرساد کہاں تھے؟ وہ دونوں ہم سے زیادہ دور نہیں تھے اور میرا اندازہ تھا کہ ہمیں کافی ہاؤس میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ بھی کسی ریسٹورنٹ یا کافی ہاؤس میں چلے گئے تھے اور ڈاکٹر فان نے انہیں دیکھ لیا تھا۔

ڈاکٹر فان کافی ہاؤس سے باہر جا چکا تھا۔

"اسے اب واپس نہیں جانا چاہیے تھائی۔" میں نے تھائی کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی "اگر یہ واپس چلا گیا تو ہمارے لیے یہاں ایک دن بھی ٹکنا مشکل ہو جائے گا۔"

ہم نے بھی فوراً ہی کرسیاں چھوڑ دیں۔ میں نے کاؤنٹر پر بل ادا کیا اور باہر ہم آگئے۔

ڈاکٹر فان دائیں طرف فٹ پاتھ پر کھڑا سڑک کے دوسری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے بھی سڑک کے دوسری طرف دیکھا تو بات میری سمجھ میں آگئی۔ سامنے بھی ایک کافی ہاؤس تھا۔ میں اور تھائی اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے چند گز آگے ایک نیوز اسٹینڈ کے قریب رک گئے۔

"میرا خیال ہے وہ مجھے اور تمہیں نہیں جانتا۔ ورنہ ہمیں دیکھ کر چونک جاتا۔" میں نے نیوز اسٹینڈ سے ایک میگزین اٹھاتے ہوئے تھائی کی طرف دیکھے بغیر سرگوشی کی۔

"میرا خیال ہے جانگی اور پرساد سامنے والے کافی ہاؤس میں ہیں۔" تھائی نے بھی سرگوشی میں کہا "تم یہیں رکو۔ میں جا کر اس صورتِ حال سے آگاہ کردیتی ہوں۔ اس کے بعد ہی اس مخمصے سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔"

"ان سے کہو وہ پندرہ منٹ بعد کافی ہاؤس سے نکل کر شاپنگ سینٹر کی طرف چلتے رہیں جس کے سامنے والے پارکنگ لاٹ پر ہماری گاڑی کھڑی ہے۔ یہ یقیناً ان کے پیچھے جائے گا اور اس کا پیچھا کرتے رہیں گے۔" میں نے کہا۔

تھائی اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سڑک پار کرکے دوسری طرف گئی۔ میں بھی محتاط نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ دارا کا کوئی ایسا آدمی اس طرف نہ آجائے جو ہمیں پہچانتا ہو۔

تھائی سامنے والے کافی ہاؤس کے سامنے رک کر اس طرح اِدھر اُدھر دیکھنے لگی جیسے اسے کسی کی تلاش ہو پھر وہ کافی ہاؤس میں اندر گھس گئی لیکن اس کی واپسی میں تین منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

"میں نے انہیں سمجھا دیا ہے۔" اس نے میرے ہاتھ سے میگزین لیتے ہوئے سرگوشی کی "وہ دونوں ٹھیک پندرہ منٹ بعد کافی ہاؤس سے نکل جائیں گے۔"

وہ کھڑے کھڑے میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی۔ انگریزی زبان میں بنکاک سے شائع ہونے والے اس میگزین میں مختلف موضوعات پر مضامین کے علاوہ عریاں تصاویر اور اشتہارات بھی تھے اور پھر ایک رنگین اشتہار دیکھ کر وہ چونک سی گئی۔ یہ کنچن بوری کے کسی مساج پارلر کا اشتہار تھا اور اس کے ساتھ ایک حسین لڑکی کی نیم عریاں تصویر بھی تھی۔

"او ہ! یہ تو لیزا ہے۔" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"لیزا کون؟" میں نے پوچھا۔

"میری دوست۔" تھائی نے کہا "یہ کچھ عرصہ پہلے بنکاک میں تھی۔ اس نے مساج کا کام مجھ سے ہی سیکھا تھا پھر اپنا پارلر کھول لیا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے وہ پارلر بیچ کر کہیں چلی گئی تھی۔ اس نے کنچن بوری میں مساج پارلر کھول رکھا ہے۔ یہ ہمارے کام آسکتی ہے۔" اس نے اسٹال والے کو میگزین کی قیمت ادا کردی اور میگزین شاپنگ بیگ میں ڈال لیا۔

"وہ لوگ کافی ہاؤس سے نکل رہے ہیں۔" میں نے پرساد اور جانگی کو سامنے والے کافی ہاؤس سے نکلتے دیکھ کر سرگوشی کی۔

وہ دونوں کافی ہاؤس سے نکل کر اِدھر اُدھر دیکھے بغیر بائیں طرف مڑ گئے تھے۔ جانگی کے ہاتھ میں بھی ایک شاپنگ بیگ تھا اور پرساد نے جوتے کے ڈبے کے برابر ایک ڈبا اٹھا رکھا تھا۔

ڈاکٹر فان بھی ہمارے قریب سے گزر کر اس طرف چلنے لگا۔ کسی کا تعاقب یا نگرانی کرنے کا یہ بہترین طریقہ تھا۔ جانگی اور پرساد کو اگر پتا نہ دیا جاتا تو انہیں شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ وہ سڑک کے ایک طرف تھے اور نگرانی کرنے والا سڑک کے دوسری طرف ان کے متوازی چل رہا تھا۔

جانگی اور پرساد راستے میں کئی جگہ تھوڑی دیر کے لیے رکے تھے۔ ان کی وجہ سے ڈاکٹر فان کو اور پھر ہمیں بھی رکنا پڑا تھا۔ بالآخر وہ دونوں شاپنگ سینٹر کے سامنے والے اس پارکنگ لاٹ کے قریب پہنچ گئے جہاں ہماری اسٹیشن ویگن کھڑی تھی۔

ڈاکٹر فان کو ابھی تک شبہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کی بھی نگرانی ہو رہی ہے۔ وہ ایک جگہ کھڑا ہو کر سامنے دیکھنے لگا۔ اس وقت سوا چھ بج رہے تھے۔ سورج بلند پہاڑوں کے پیچھے جھک رہا تھا۔ پہاڑی علاقوں میں سورج عام طور پر جلدی غروب ہو جاتا ہے۔ اسٹریٹ لائٹیں اور دکانوں کی بتیاں جل گئی تھیں۔ اس شاپنگ سینٹر میں اور اس کے سامنے بڑی رونق تھی۔ زیادہ تعداد غیر ملکی سیاحوں کی تھی جو خریداری کر رہے تھے۔ لوگوں کے اس ہجوم میں ایک آدمی کو دیکھ کر میں چونک گیا۔

وہ پاتھم تھا جو ایک دکان کے سامنے کھڑا پارکنگ لاٹ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس طرف سے گزرتے ہوئے اس نے ہماری گاڑی دیکھ لی تھی اور وہیں کھڑا ہماری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ میں اور تھائی ٹہلتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گئے۔

"ہیلو باس۔ میں نے پارکنگ میں وہ گاڑی...."

"میں سمجھ گیا ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "ہمارے بائیں طرف فٹ پاتھ کے کنارے پر ایک موٹا سا آدمی کھڑا ہے۔ نیلے سوٹ والا اس کے ہاتھ میں پیلے اور سرخ رنگوں والا شاپنگ بیگ ہے۔ اسے لے کر پارکنگ میں گاڑی کے پاس پہنچ جاؤ۔ کسی کو شبہ نہ ہونے پائے کہ تم اسے زبردستی لے جا رہے ہو۔"

"کون ہے وہ؟" پاتھم نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دارا اور چی فانگ کا معالج ڈاکٹر فان۔" میں نے جواب دیا "اس نے جانگی اور پرساد کو پہچان لیا ہے اور ٹیلی فون پر دارا وغیرہ کو اطلاع بھی دے دی ہے اور اب یہ ان دونوں کا پیچھا کرکے ہمارا ٹھکانا معلوم کرنا چاہتا ہے۔"

"میں سمجھ گیا باس۔" پاتھم نے کہا "تم فکر مت کرو۔ اس کا بندوبست ہو جائے گا۔"

میں تھائی کو اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا اور زیبرا کراسنگ سے سڑک پار کرکے ہم دونوں پارکنگ لاٹ میں آگئے۔ جانگی اور پرساد بھی اسٹیشن ویگن کے قریب پہنچ چکے تھے۔ چابی پرساد ہی کے پاس تھی۔ میں نے دور ہی رک کر اشارہ کیا اور وہ گاڑی کا تالا کھولنے لگا۔ میں نے مڑ کر دوسری طرف دیکھا تو میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ پاتھم ڈاکٹر فان کو لے کر آرہا تھا۔ پاتھم ڈاکٹر فان کے بالکل ساتھ مل کر چل رہا تھا اس کا دایاں ہاتھ جیکٹ کی جیب میں تھا۔ ڈاکٹر فان کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔

پرساد ڈرائیونگ سیٹ پر اور جانگی اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔ پاتھم نے اسٹیشن ویگن کا پچھلا دروازہ کھولا اور ڈاکٹر فان کو اندر دھکا دے دیا۔ ڈاکٹر فان کے منہ سے کراہ سی نکل گئی تھی۔ ان کے اندر بیٹھتے ہی میں اور تھائی بھی اندر گھس گئے اور دروازہ بند کرلیا۔ ہمیں دیکھ کر ڈاکٹر فان کا چہرہ خوف سے اس طرح پیلا پڑ گیا جیسے سارا خون نچڑ گیا ہو۔ وہ راستے میں ہمیں دو تین مرتبہ دیکھ چکا تھا لیکن اس وقت اسے ہم پر ذرا سا بھی شبہ نہیں ہوا تھا اور اب ہمیں دیکھ کر اس پر دہشت سی طاری ہو گئی تھی۔

"کک..... کون ہو تم لوگ؟" وہ باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے ہکلایا "تم لوگ مجھے اغوا کرکے لے جا رہے ہو اور یہ ایک سنگین جرم ہے۔"

"ہمیں معلوم ہے کہ ہم ایک سنگین جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔" میں نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"مم..... میں ایک معزز ڈاکٹر ہوں۔" وہ پھر ہکلایا۔ اب پاتھم کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر اس پر ہلکی سی کپکپی بھی طاری ہو رہی تھی۔ "میرے پاس زیادہ رقم نہیں ہے۔ اگر تم لوگ...."

"ہمیں تمہاری رقم کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اب تم خاموشی سے بیٹھے رہو اور اگر تم نے کوئی... گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو یہ مخلص تمہیں بلا دریغ گولی مار دے گا۔ اسے گولیاں چلانے کا بہت شوق ہے۔" میں نے پاتھم کی طرف اشارہ کیا۔

"رقم کی ضرورت نہیں تو پھر مجھے اس طرح اغوا کرکے کیوں لے جا رہے ہو؟" ڈاکٹر فان باقاعدہ کانپنے لگا تھا۔

"اس لیے کہ تم ڈاکٹر جانگی اور پرساد کا پیچھا کر رہے تھے۔" میں نے کہا۔ "کسی کا تعاقب کرنا بھی ایک جرم ہے اور پھر تم نے دارا اور چی فانگ کو بھی ان کے بارے میں اطلاع دے دی تھی۔ ایسی صورت میں ہم تمہیں کس طرح چھوڑ سکتے تھے۔"

"مم..... میں کسی جانگی یا دارا کو نہیں جانتا۔" ڈاکٹر فان کا چہرہ کچھ اور سفید پڑ گیا۔

"اب خاموش بیٹھے رہو۔ زبان کھولی تو دل میں سوراخ کردوں گا۔" پاتھم نے غراتے ہوئے پستول کی نال اس کے پہلو سے لگا دی۔

اس دوران میں اسٹیشن ویگن پارکنگ لاٹ سے نکل کر سڑک پر دوڑنے لگی تھی۔ یہ سیاحت کا سیزن تھا۔ شہر کی ہر سڑک پر رونق اور چہل پہل تھی۔ اسٹیشن ویگن مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی اس راستے پر آگئی جو پہاڑیوں کی طرف چلا گیا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم اپنے کاٹیج میں پہنچ گئے۔ دور کے ایک کاٹیج میں روشنی نظر آرہی تھی جبکہ باقی کاٹیج تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

ڈاکٹر فان نے یہ اعتراف کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی

کہ اس نے چی فانگ کو جانکی اور پرساد کے بارے میں اطلاع دی تھی اور اس کی ہدایت پر وہ ان کا تعاقب کرکے ان کے ٹھکانے کا پتا چلانا چاہتا تھا۔ اگر وہ یہ اعتراف نہ بھی کرتا تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ میں اپنے کانوں سے اس کی باتیں سن چکا تھا۔

ڈاکٹر فان نے صرف میرا نام سن رکھا تھا۔ مجھے کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اگر کبھی دیکھا ہوتا تو اس طرح آسانی سے ہمارے جال میں نہ پھنس جاتا لیکن اب اسے پتا چل گیا تھا کہ میں کون ہوں۔ میرے بارے میں جانتے ہی اس کی حالت غیر ہوگئی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بھی وقت بے ہوش ہوکر گر پڑے گا۔

میں دیر تک اس سے دارا اور چی فانگ وغیرہ کے بارے میں پوچھتا رہا۔

"اگر برج کی طرف سے جائیں تو راستہ خاصا طویل ہے۔" وہ بتا رہا تھا "لیکن پہاڑیوں کے اندر کا راستہ ایک میل سے زیادہ نہیں ہے۔"

گیارہ بجے کے قریب میں اور پرساد ڈاکٹر فان کو لے کر کاٹیج سے نکل آئے۔ ہمارے ساتھ پاتھم بھی تھا لیکن وہ کئی گز پیچھے تھا۔ ڈاکٹر فان چلتے ہوئے بار بار لڑکھڑا رہا تھا۔ وہ شاید سمجھ گیا تھا کہ اب اس کا آخری وقت آن پہنچا ہے اور ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ بار بار زندگی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ وہ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ اگر اسے معاف کردیا جائے تو وہ اسی وقت یہ شہر چھوڑ کر چلا جائے گا لیکن ہم کوئی رسک لینے کو تیار نہیں تھے۔ ڈاکٹر فان جیسے آدمیوں پر کسی بھی طرح بھروسا نہیں کیا جاسکتا تھا۔

پہاڑیوں میں راستہ خاصا دشوار تھا۔ تاریکی کی وجہ سے بھی چلنے میں دشواری پیش آرہی تھی۔ ڈاکٹر فان نے ایک مرتبہ پھر رک کر میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیے اور گھگیا کر معافی مانگنے لگا۔ پرساد نے اسے زوردار ٹھوکر رسید کردی۔

"خاموشی سے چلتے رہو ورنہ وقت سے پہلے ہی تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گا۔" اس نے غراتے ہوئے ایک اور ٹھوکر ماری۔

کچھ آگے چلنے کے بعد صاف راستہ مل گیا۔ یہی وہ اصل راستہ تھا جو پہاڑیوں سے شہر کی طرف چلا گیا تھا۔ اس راستے پر تقریباً نصف میل چلنے کے بعد ڈاکٹر فان ایک پگڈنڈی پر چڑھنے لگا۔ اس طرح ہم ایک چٹان پر پہنچ گئے۔ اس چٹان کے دوسری طرف تقریباً سو گز کے فاصلے پر ایک اور مسطح چٹان تھی جس پر قریب قریب دو مختصر عمارتیں بنی ہوئی تھیں اور ان کی کھڑکیوں میں روشنی نظر آرہی تھی۔ ایک تنگ سی پگڈنڈی دوسری چٹان تک چلی گئی تھی۔ اس طرف درختوں کی بھی بہتات تھی۔ ڈاکٹر فان ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر ہانپنے لگا۔

"وہ.... وہ سامنے...." وہ ہکلاتے ہوئے بولا "دو کاٹیج ہیں۔ وہ دونوں کاٹیج دارا اور اس کے ساتھیوں کے استعمال میں ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اچانک ہی میرے قدموں پر گر پڑا "پلیز! مجھے چھوڑ دو۔ میں انہیں تمہارے بارے میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"یہ کام تو تم پہلے ہی کرچکے ہو۔" میں نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا "تم نے انہیں جانکی اور پرساد کے بارے میں اطلاع دی تھی اور وہ لوگ اتنے بے وقوف نہیں ہیں کہ صورت حال کا اندازہ نہ لگا سکیں۔ وہ فوراً ہی سمجھ گئے ہوں گے کہ میں بھی کچھ بلوری میں موجود ہوں اور ممکن ہے یہ اطلاع ملنے کے بعد انہوں نے شہر میں میری تلاش شروع کردی ہو۔ تم نے ہمیں جو نقصان پہنچایا ہے اس کی تلافی ممکن نہیں اور تمہیں اس کی سزا ضرور ملے گی۔"

میں نے پرساد کو اشارہ کیا۔ وہ ڈاکٹر فان کو گھسیٹتا ہوا چٹان کے دوسرے کنارے پر لے گیا۔ اس طرف عمودی ڈھلان تھی جو سات سترفٹ نیچے تک چلی گئی تھی۔

"تمہیں ایک شرط پر معاف کیا جاسکتا ہے۔" پرساد نے کہا۔

"میں ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔" ڈاکٹر فان جلدی سے بولا۔ اس کی آنکھوں میں امید کی کرن ابھر آئی تھی۔

"اس راستے سے اتر کر اس کاٹیج تک جاؤ اور دارا کو بتاؤ کہ وجدان نے اس ٹھکانے کا پتا چلالیا ہے اور وہ بہت جلد ان سے دو دو ہاتھ کرنے والا ہے۔"

"مم.... میں جاتا ہوں.... ابھی جاتا ہوں۔" ڈاکٹر فان جلدی سے بولا۔

وہ عمودی راستہ بہت خطرناک تھا۔ ذرا سی غلطی موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی۔ اگر وہ مرنے سے بچ بھی گیا تو ایک دو ہڈیاں ضرور ٹوٹ ہی سکتی تھیں مگر ڈاکٹر فان نے اس شرط کو غنیمت سمجھا تھا۔ اس نے ڈھلان پر پہلا قدم رکھا ہی تھا کہ پرساد نے اس کا نام پکار کر پکارا۔ ڈاکٹر فان نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا اور عین اسی لمحے پرساد کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول نے شعلہ اگلا۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی خاموش فضا میں ڈاکٹر فان کی چیخ بھی گونجی تھی۔ میں پرساد کے نشانے کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ تاریکی کے باوجود گولی ڈاکٹر کی پیشانی میں لگی تھی۔ وہ نیچے گرا اور عمودی ڈھلان پر لڑھکتا چلا گیا۔

وہ کاٹیج وہاں سے سو گز سے زیادہ دور نہیں تھا۔ سناٹے میں فائر کی آواز وہاں ضرور سنی گئی ہوگی۔

"چلو باس۔" پرساد نے پستول جیب میں ڈالتے ہوئے کہا "رات میں نہیں تو صبح انہیں ڈاکٹر فان کی لاش مل جائے گی اور لاش ہمارا پیغام دارا تک پہنچادے گی۔"

ہم دونوں چٹان سے اترنے لگے۔ مجھے ڈاکٹر فان کی موت کا کوئی افسوس نہیں ہوا تھا۔ اگر وہ ہماری نظروں میں نہ آتا تو چی فانگ وغیرہ کو ہمارے ٹھکانے کے بارے میں بتا دیتا اور وہ ہمیں زندہ نہ چھوڑتے۔ ڈاکٹر فان سے تو ہم نے نجات حاصل کرلی تھی لیکن دارا اور اس کے ساتھیوں کو یہ خبر بہرحال مل چکی تھی کہ ہم کنچن بوری میں موجود ہیں۔ ڈاکٹر فان سے ہمیں یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ دارا کا زخم تو ٹھیک ہوچکا تھا البتہ چی فانگ کی پسلی میں اب بھی تکلیف تھی اور وہ زیادہ نقل و حرکت نہیں کرسکتا تھا اور ان لوگوں کا ارادہ ابھی چند روز اور یہاں رہنے کا تھا۔

کچھ ہی دور پاتھم ہمیں مل گیا۔

"تم لوگ جاؤ باس۔" اس نے کہا "میں اس فائر کے بعد ان لوگوں کا ری ایکشن دیکھنا چاہتا ہوں اور اب میں تمہاری طرف واپس نہیں آؤں گا۔ صبح ملاقات ہوگی لیکن اگر کوئی ایمرجنسی ہوگئی تو میں رابطہ کروں گا۔ میں نے تمہارا فون نمبر نوٹ کرلیا ہے۔"

"اپنا خیال رکھنا۔ وش یو گڈ لک!" میں نے کہا۔

پاتھم چٹانوں کی طرف چلا گیا اور میں اور پرساد اپنے کاٹیج کی طرف چلنے لگے۔

○☆○

لیزا واقعی بڑے کام کی عورت ثابت ہوئی تھی۔ صبح گیارہ بجے کے قریب تھائی نے اسے فون کیا تھا اور وہ ایک گھنٹے کے اندر اندر ہمارے کاٹیج میں پہنچ گئی تھی۔ گزشتہ رات میں نے میگزین میں اس کی تصویر دیکھی تھی لیکن اس وقت اسے اپنے سامنے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ وہ اپنی تصویر سے کہیں زیادہ حسین تھی۔ دراز قامت، گداز جسم اور غزالی آنکھیں۔ اس کی چال بھی ہرنی جیسی تھی۔ اس نے لباس بھی ایسا پہن رکھا تھا جس سے اس کے جسم کے مختلف اعضا نمایاں ہورہے تھے۔ وہ بڑی گرم جوشی سے تھائی سے ملی تھی اور اتفاق کی بات یہ تھی کہ وہ جانکی کو بھی جانتی تھی۔

لیزا کی داستان بڑی دلچسپ تھی۔ کئی سال پہلے بنکاک میں تھائی سے مساج کی ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد اس نے شہر کے ایک پوش علاقے میں اپنا مساج پارلر کھول لیا تھا۔ اس کے حسن و شباب کی وجہ سے پارلر خوب چل نکلا تھا۔ اپنی مدد کے لیے اس نے چند اور حسین لڑکیاں بھی رکھ لی تھیں۔

لیزا کے مساج پارلر میں آنے والے گاہکوں کی زیادہ تعداد اس علاقے کے رئیس زادوں کی تھی۔ ہر نوجوان لیزا ہی سے مساج کروانا چاہتا تھا۔ بعض تو دن میں دو دو مرتبہ آتے تھے۔ بہت سے بگڑے ہوئے رئیس زادے تو ایسے تھے جو لیزا کو صرف اپنے لیے مخصوص رکھنا چاہتے تھے اور اس کے لیے منہ مانگی فیس ادا کرنے کو تیار تھے لیکن لیزا اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ دولت مند نوجوانوں میں جذبۂ رقابت بڑھ رہا تھا اور پھر ان میں لیزا کے لیے لڑائیاں بھی شروع ہوگئیں۔

وہ علاقہ زیرِ زمین دنیا کے بے تاج بادشاہ ٹائیگر کے زیرِ اثر تھا۔ ٹائیگر کے آدمی اس علاقے میں دکانوں اور کاروباری لوگوں سے بھتہ وصول کرتے رہتے تھے۔ تقریباً ایک سال بعد لیزا بھی ان کی نظروں میں آگئی۔ دو مرتبہ تو ٹائیگر کے آدمی بھتہ لینے آئے تھے۔ تیسری مرتبہ ٹائیگر خود پہنچ گیا۔ وہ اپنے آدمیوں سے اس کے حسن و شباب کی تعریف سن کر آیا تھا۔ وہ لیزا کے حسن و شباب سے بے حد متاثر ہوا تھا۔ اس نے لیزا کو پیشکش کی کہ وہ اس کے ساتھ رہے۔ لیزا نے اس وقت تو اسے ٹال دیا اور پھر چند روز بعد اس نے چوری چھپے اپنا مساج پارلر فروخت کردیا اور چیانگ مائے چلی گئی۔ وہ تقریباً ڈیڑھ سال وہاں رہی۔ وہاں بھی کچھ ایسی ہی صورت حال پیش آئی تو لیزا وہاں سے بھی بھاگ نکلی اور برما پہنچ گئی۔ دو سال پہلے وہ برما سے واپس آئی اور اس مرتبہ اس نے کنچن بوری میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ یہاں مساج پارلر کھولنے کے لیے اسے ایک بڑے ہوٹل کے قریب بنگلا مل گیا۔ اس کا کاروبار خوب چل نکلا۔ یہاں بھی اپنے حسن کی وجہ سے اسے چھوٹے موٹے مسائل پیش آتے رہتے تھے لیکن اب اس میں اتنا حوصلہ پیدا ہوچکا تھا کہ ایسے مسائل کا سامنا کرسکے۔ وہ خوب کما رہی تھی۔ اس نے ریور کوائے برج سے تقریباً نصف میل آگے ایک خوب صورت کاٹیج بھی خرید لیا تھا جسے وہ صرف اپنے کاروباری مقاصد کے لیے استعمال کرتی تھی۔ بعض لوگ مساج کرانے کے لیے تنہائی اور پُرسکون جگہ چاہتے تھے اور لیزا انہیں اس کاٹیج میں لے کر آتی تھی۔ ایسے گاہکوں سے وہ مساج کی فیس کے علاوہ کاٹیج کا کرایہ بھی وصول کرلیتی تھی۔

تھائی نے اسے اپنے پرابلم سے آگاہ کیا تو لیزا کسی ہچکچاہٹ کے بغیر اپنا وہ کاٹیج ہمارے حوالے کرنے کو تیار ہوگئی۔

"تم چاہو تو آج شام کو وہ کاٹیج دیکھ لو۔" اس نے کہا "میں ضرورت کی چیزیں وہاں پہنچا دوں گی۔ کل صبح تم لوگ وہاں منتقل ہوجانا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم شام کو تمہارے ساتھ چلیں گے۔" تھائی نے کہا۔

"ساتھ نہیں۔" لیزا نے جواب دیا "میں ٹھیک سات بجے وہاں پہنچ جاؤں گی۔ تم لوگ وہاں آجانا۔ کاٹیج تلاش کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ تم لوگ آسانی سے پہنچ جاؤ گے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر پتا سمجھانے لگی۔

"ٹھیک ہے۔ ہم پہنچ جائیں گے۔" اس مرتبہ تھائی کے بجائے میں نے جواب دیا۔

لیزا کچھ دیر اور وہاں رکنے کے بعد چلی گئی۔

"تم نے لیزا کو یہاں بلا تو لیا تھا لیکن کیا اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟" میں نے لیزا کے جانے کے بعد تھائی سے پوچھا۔

"اگر مجھے اعتماد نہ ہوتا تو اسے یہاں بلاتا تو دور کی بات ہے، میں اسے کنچن بوری میں اپنی موجودگی کی ہوا بھی نہ لگنے دیتی۔" تھائی نے جواب دیا۔

ہمارا خیال تھا کہ ہم چھ بجے شام نکل جائیں گے لیکن دوپہر کو اچانک ہی تھائی کو بخار ہوگیا۔ بخار کے ساتھ ہی وہ سردی سے کپکپانے لگی۔ کاٹیج میں تین چار کمبل تھے جو سب کے سب اس

کے اوپر ڈال دیے گئے لیکن اس کے باوجود وہ سردی سے ٹھٹھرتی رہی۔

"ملیریا ہوگیا ہے۔" جانکی نے اسے دیکھ کر بتایا "دوا منگوانی ہوگی لیکن....."

"تم لکھ کر دے دو۔ میں جاکر لے آتا ہوں۔" میں بیچ میں بول پڑا۔

"تم کیسے جاؤ گے۔" جانکی نے کہا "صبح فون پر پاتھم نے بتایا بھی تھا۔ دارا کے آدمی ہم سب کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ اگر ہم میں سے کوئی بھی ان کی نظروں میں آگیا تو سب مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اگر لیزا کو فون پر دواؤں کے نام لکھوا دیے جائیں تو وہ پہنچا دے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے میز پر پڑا ہوا میگزین اٹھاتے ہوئے کہا "اشتہار میں اس کا فون نمبر لکھا ہوا ہے۔ تم فون کرکے اسے بتا دینا۔" میں نے میگزین کھول کر اشتہار والا صفحہ اس کے سامنے کردیا۔

جانکی نے فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ملایا۔ کال کسی اور نے ریسیو کی تھی لیکن ایک منٹ بعد لیزا لائن پر آگئی۔ جانکی نے اسے صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے دواؤں کے نام بتا دیے اور یہ بھی تاکید کردی کہ وہ کسی اور کو بھیجنے کے بجائے دوائیں لے کر خود آئے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد لیزا مطلوبہ دوائیں لے کر آگئی۔ جانکی نے پہلی خوراک اپنے ہاتھ سے تھائی کو کھلا دی۔

"ٹھیک ہوجاؤ گی۔" وہ تھائی کو تسلی دیتے ہوئے بولی۔

میں نے تھائی کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ بخار واقعی بہت تیز تھا۔ پیشانی انگارے کی طرح تپ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی سُرخی بھر گئی تھی۔

لیزا سے بنا ہوا آج شام کا پروگرام منسوخ کردیا گیا۔

"اب ہم دو تین دن تک تو یہیں رہیں گے۔" میں نے لیزا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ویسے ہوسکتا ہے کہ اس دوران میں کسی وقت جاکر میں تمہارا وہ کانیچ دیکھ آؤں۔"

"جب بھی جانا چاہو، مجھے فون کردینا۔" لیزا نے مسکراتے ہوئے کہا اور تھوڑی دیر بعد رخصت ہوگئی۔

پرسادبر آمدے میں تھا اور میں اور جانکی، تھائی والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد تھائی سوگئی تو ہم دونوں بھی اٹھ کر برآمدے میں آگئے اور وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

ملیریا کا بخار ایک دن میں پیچھا نہیں چھوڑتا۔ تھائی کو بھی تین چار دن بعد ہی بخار سے مکمل طور پر نجات مل سکی تھی لیکن بخار کے نتیجے میں پیدا ہونے والی کمزوری کی وجہ سے وہ اس قابل نہیں تھی کہ ہم کہیں آجاسکتے۔ تھائی کی وجہ سے ہم بھی کہیں نہیں نکلے تھے۔ اسی دوران میں لیزا بھی باقاعدگی سے چکر لگاتی رہی تھی اور پرسی بھی آتا رہا تھا۔ کانیچ میں آنے کے تیسرے دن اس نے ہمیں ایک کارڈ دے دی تھی اور اسٹیشن ویگن لے گیا تھا۔ اس نے ہمارے ہر ضرورت کا خیال رکھا تھا۔ کانیچ کی ملازمہ بھی ہر صبح ناشتا دینے کے بعد ضرورت کی چیزیں لینے کے لیے مارکیٹ چلی جاتی تھی۔

ہم میں پاتھم ہی ایک ایسا آدمی تھا جسے دارا اور اس کے ساتھی نہیں پہچان سکتے تھے اور وہ آزادی سے گھوم پھر سکتا تھا۔ اس سے ہمیں رپورٹ ملتی رہتی تھی۔ دارا کے آدمی اب بھی ہمیں تلاش کررہے تھے۔

ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس روز میں اور پرساد برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ پاتھم آگیا۔ وہ کچھ گھبرایا ہوا سا تھا۔

"کیا ہوا پاتھم۔ تمہاری شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" پرساد نے پوچھا۔

"دارا کے آدمی پرسی کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔" پاتھم نے جواب دیا "وہ چونکہ مہاراج کے کیمپ کا آدمی ہے اس لیے اگر شبہ ہے کہ وہ ہمارے بارے میں جانتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ اس تشدد کرکے ہمارے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کریں۔"

"اوہ!" میں اچھل پڑا۔ بڑی تشویش ناک خبر تھی۔

"ایک اور پریشان کن خبر یہ ہے کہ دارا اور اس کے ساتھی اپنا ٹھکانا بدل چکے ہیں۔ میں آج گھومتا ہوا اس طرف نکل گیا تو وہ دونوں کانیچ خالی پڑے ہیں۔ کل تک وہ لوگ وہیں تھے۔ میرا خیال ہے، رات کو کسی وقت کانیچ خالی کرکے گئے ہیں۔"

"یہ اور بھی زیادہ تشویش ناک خبر ہے۔" میں نے کہا "اس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پرسی پر اعتماد کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں کہ وہ زبان کھول دے۔ وہ تو یہی سمجھ رہا ہوگا کہ ہم یہاں پر تفریح کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ اصل معاملے سے تو ہم نے اسے آگاہ ہی نہیں کیا تھا۔"

"وہ مہاراج کا آدمی ہے باس۔" پرساد نے کہا "اور مہاراج کے آدمیوں کا تجربہ ہمیں ہوچکا ہے۔ پرسی کو میں جانتا تو نہیں لیکن مجھے اس پر پورا بھروسا ہے۔ جس طرح اسے اٹھایا گیا ہے اس سے وہ معاملے کی تہ تک پہنچ جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی جان دے دے گا لیکن تمہارے بارے میں زبان نہیں کھولے گا۔"

"کیا تمہارے خیال میں ماسٹر ہوچن کو اس صورت حال سے آگاہ کردینا چاہیے۔" میں نے سوالیہ نگاہوں سے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

"سوچ لو باس۔" پرساد نے کہا "اگر ماسٹر ہوچن کو پتا چل گیا کہ ہم دارا وغیرہ کے چکر میں یہاں آئے تھے تو وہ ناراض ہوگا۔"

"پرسی کو کس وقت اٹھایا گیا تھا؟" میں نے پاتھم سے پوچھا۔

"آج صبح پانچ بجے کے قریب۔" پاتھم نے جواب دیا "تقریباً دس بجے اس کے جنازیم کی طرف گیا تھا۔ وہیں سے پتا چلا تھا۔

"ہوسکتا ہے وہ دارا کے آدمی نہ ہوں، کوئی اور ہوں۔

مطلب ہے اس کا کوئی ذاتی معاملہ ہو۔" میں نے کہا۔

"نہیں باس۔" پاتھم نے جواب دیا "وہ صبح سویرے اپنے ایک شاگرد کے ساتھ جمنازیم میں ایکسرسائز کررہا تھا کہ دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ وہ پہلے پرسی سے تمہارے اور جانکی دیوی کے بارے میں پوچھتے رہے۔ پرسی لاعلمی کا اظہار کرتا رہا پھر وہ دونوں آدمی اسلحے کے زور پر اسے گاڑی میں ڈال کر لے گئے۔"

"اس کا مطلب ہے پرسی کو اغوا کیے ہوئے تیرہ گھنٹے ہوچکے ہیں۔" میں نے برآمدے والے کھلے ہوئے دروازے سے اندر دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے "ظاہر ہے انہوں نے اسے مہمان بنا کر نہیں رکھا ہوگا۔ اس سے پوچھ گچھ کی گئی ہوگی۔ تشدد بھی کیا گیا ہوگا۔ اگر وہ ہمارے بارے میں بتا دیتا تو دارا کے آدمی یہاں پہنچ چکے ہوتے۔ بہرحال، ہمیں آج کی رات محتاط رہنا پڑے گا اور میرے خیال میں کل ہمیں یہ ٹھکانا بدل لینا چاہیے۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو باس۔" پاتھم نے کہا "ویسے میں آج رات یہیں رہوں گا۔ تم لوگوں کے ساتھ۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

رات کے کھانے کے بعد ہم نے پہرے داری کی ڈیوٹیاں بانٹ لیں۔ طے یہ ہوا کہ رات ایک بجے تک پاتھم ڈیوٹی دے گا۔ ایک سے تین بجے تک پرساد اور تین بجے سے صبح تک میری ڈیوٹی ہوگی۔

رات کے کھانے کے تھوڑی ہی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی تو جانکی نے ریسیور اٹھالیا۔ اس کا خیال تھا کہ لیزا کا فون ہوگا لیکن نجانے میرے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا کہ یہ پرسی کی کال ہوگی۔ ہوسکتا ہے وہ ان کی قید سے بھاگ نکلا ہو اور ہمیں خبردار کرنے کے لیے فون کیا ہو لیکن جانکی نے جب ماسٹر ہوچن کا نام لیا تو میں اچھل پڑا اور لپک کر جانکی کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔

"یس ماسٹر۔" میں نے مؤدبانہ لہجے میں کہا "آپ کو شاید یہاں کے بارے میں اطلاع مل چکی ہے۔"

"ہاں۔ میں وہاں کے حالات سے پہلے بھی باخبر تھا اور اب بھی سب کچھ میرے علم میں ہے۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "مجھے پرسی کے اغوا کی اطلاع مل چکی ہے لیکن مطمئن رہو۔ وہ مرجائے گا مگر تم لوگوں کے بارے میں زبان نہیں کھولے گا۔ پرسی کے آدمی اسے تلاش کررہے ہیں۔ وہ جلد ہی اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"مجھے افسوس ہے ماسٹر۔" میں نے کہا "یہ سب کچھ میری وجہ سے....."

"ایک منٹ!" ماسٹر نے مجھے ٹوک دیا "کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم دارا اور اس کے ساتھیوں کی کنچن بوری میں موجودگی سے لاعلم تھے۔ ہمیں معلوم ہوچکا تھا کہ وہ لوگ کنچن بوری میں چھپے ہوئے ہیں۔ ہم دارا، چی فائنگ اور کم کو ان کے بل سے نکالنا چاہتے تھے اور اس کے لیے تمہیں وہاں بھیجنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ تمہیں کہیں بھیجنے کی بات ہوئی تو تم نے بھی کنچن بوری ہی کا نام لیا۔ تمہاری اس خواہش سے ہمیں پتا چل گیا کہ تم بھی واقف ہو کہ دارا وغیرہ کنچن بوری میں ہیں۔ اس لیے مہاراج نے تمہیں وہاں جانے کی اجازت دے دی لیکن اس سے پہلے تمہاری حفاظت کے انتظامات کرلیے گئے تھے لیکن تم نے وہاں جاتے ہی کارروائی شروع کردی اور ان کے ایک آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جس سے وہ لوگ ہوشیار ہوگئے۔"

"وہ ڈاکٹر فان تھا باس۔" میں نے جواب دیا "اس نے جانکی اور پرساد کو بازار میں دیکھ لیا تھا اور دارا کو ٹیلی فون پر ان کے بارے میں اطلاع دے دی تھی۔ وہ ان دونوں کی نگرانی کررہا تھا۔ اگر وہ واپس چلا جاتا تو دارا کو ہمارے ٹھکانے کا پتا چل جاتا۔ اس لیے ڈاکٹر فان کو ٹھکانے لگانا پڑا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ لوگ پرسی پر ہاتھ ڈال دیں گے۔"

"پرسی کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ بہت مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "اس کے آدمی اسے ڈھونڈ نکالیں گے۔ تم لوگ اپنا خیال رکھنا۔"

"یس ماسٹر۔" میں نے جواب دیا اور دوسری طرف سے لائن منقطع ہونے پر میں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔

اس وقت ماسٹر سے بات کرتے ہوئے مجھے پسینہ آگیا تھا۔ میں اپنا جھوٹ پکڑے جانے پر بڑی شرمندگی محسوس کررہا تھا۔ میں نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ ماسٹر اور مہاراج کو [illegible] پروگرام سے لاعلم رکھا تھا۔ اصل بات ان سے چھپانے کی کوشش کی تھی۔ میں یہ بھول گیا تھا کہ وہ میرے استاد تھے اور اب اصلیت کھل جانے پر میں شرمندگی سے اپنے آپ میں کٹا جارہا تھا اور یہ شرمندگی ہی تھی کہ فون بند کرنے کے بعد دیر تک میں اپنے ساتھیوں سے بھی بات نہیں کرسکا تھا۔

"کیا ہوا؟" جانکی نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا "ماسٹر ہوچن نے کیا ایسی بات کہہ دی۔ تم چپ کیوں ہوگئے؟"

"ماسٹر ہوچن اور مہاراج کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ دارا اور اس کے ساتھی یہاں موجود ہیں۔ وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ میں نے انہیں لاعلم رکھ کر بے وقوف بنانے کی کوشش کی تھی۔"

"اوہ!" تھائی کے منہ سے بے اختیار نکلا "اسی لیے میں نے کہا تھا کہ انہیں اصل بات بتا دی جائے۔"

"جو ہونا تھا ہوچکا۔" میں نے کہا "ماسٹر ہوچن کو پرسی کے اغوا کا علم ہوچکا ہے۔ بقول اس کے، ہمارے لیے فی الحال کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پرسی ہمارے بارے میں اپنی زبان نہیں کھولے گا۔"

"اس کے باوجود ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔" پرساد نے کہا۔

پاتھم اپنی ڈیوٹی دینے کے لیے پہلے ہی باہر جاچکا تھا۔ ایک بجے

تک تو ہم لوگ روم ہی میں بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر پرسادبا ہر چلا گیا اور پانچ منٹ اندر آگیا۔

"تم سو جاؤ باس۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "کوئی ایسی خطرناک صورت حال تو ہے نہیں۔ میں تھوڑی نیند لے لیتا ہوں اور تین بجے اٹھ جاؤں گا۔ تم اپنی نیند کیوں خراب کرتے ہو۔ اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔"

"یا تھم ٹھیک کہہ رہا ہے۔ سب کو رات کالی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" جانگی نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

اور پھر تھائی بھی مجھے اشارہ کرتی ہوئی اٹھ گئی۔ جانگی اپنے کمرے میں چلی گئی اور میں تھائی کے ساتھ دوسرے کمرے میں آگیا۔ تھائی تو بستر پر لیٹ گئی اور میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ میں یہی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ ماسٹر ہوچن اور مہاراج میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے۔ میں نے ان کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی اور کچن بوری آنے کے لیے اصل بات ان سے چھپائی تھی جبکہ وہ سب کچھ پہلے سے جانتے تھے۔

میں کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی سو گیا تھا۔ صبح چھ بجے مجھے تھائی نے جگایا اور بستر پر لٹا دیا۔ دوسری مرتبہ میری آنکھ نو بجے کے قریب کھلی تھی۔ ہم دس بجے تک ناشتے سے فارغ ہوئے تو لیزا آگئی۔

"میں ایک ضروری کام سے بان پونگ جا رہی ہوں۔" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہی کہا "ہو سکتا ہے کل شام تک واپسی نہ ہو سکے اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تم میں سے کوئی اس وقت میرے ساتھ چل کر وہ کانچ دیکھ لے تاکہ کسی ایمرجنسی کی صورت میں تم لوگ فوری طور پر وہاں شفٹ ہو سکو۔"

"میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ ہو سکتا ہے ہم آج ہی وہاں شفٹ ہو جائیں۔" میں نے کہا۔

"میں بھی چلوں گی۔" جانگی نے کہا۔

تھائی بھی جانا چاہتی تھی مگر میں نے اسے روک دیا۔ اس میں ابھی کمزوری باقی تھی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ تھکن سے اسے بخار نہ ہو جائے۔

لیزا اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ میں اور جانگی' پرسی والی گاڑی میں اور ظاہر ہے ڈرائیونگ جانگی نے ہی سنبھالا تھا۔ دونوں گاڑیاں آگے پیچھے چلتی ہوئی ریلوے اسٹیشن کے قریب سے ہوتی ہوئی ڈیتھ ریلوے کے تاریخی پل کی طرف مڑ گئیں۔ پل ریلوے لائن سے زیادہ دور نہیں تھا۔ اس پر سے گزرنے والی ڈیتھ ریلوے اسٹیشن کچھ آگے جا کر برما کی سرحد میں داخل ہو جاتی تھی۔

لیزا کی گاڑی برج کے قریب سے دائیں طرف مڑ گئی اور دوار میوزیم کے سامنے سے ہوتی ہوئی کچھ آگے جا کر ایک اور ذیلی سڑک پر مڑ گئی۔ جانگی گاڑی چلاتی رہی اور میں متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ اس ذیلی سڑک پر دونوں طرف درختوں کی بہتات تھی جن کے پیچھے کانچ بنے ہوئے تھے۔ ہر کانچ کا راستہ الگ اور ہر راستے پر پرائیویٹ کے بورڈ لگے ہوئے تھے۔ لیزا کی گاڑی بھی ایک ایسے راستے پر مڑ گئی جس پر بجری بچھی ہوئی تھی۔ راستے پر بھی پرائیویٹ کا بورڈ لگا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی کانچ کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔ اس راستے کے دونوں طرف درخت اور ان کے پیچھے دور دور تک گنجان جھاڑیاں تھیں جن پر رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔ اس راستے کے اختتام پر تار کے جنگلے والا گیٹ لگا ہوا تھا۔ لیزا نے گاڑی روک کر گیٹ کھولا اور پھر گاڑی کو اندر لے گئی۔

گیٹ سے تقریباً پچاس گز آگے چٹان کے دامن میں پتھریلا چبوترہ بڑا خوب صورت کانچ بنا ہوا تھا۔ کانچ تعمیر کرنے کے لیے چٹان کا کچھ حصہ کاٹ کر جگہ ہموار کی گئی تھی۔ کانچ کے آگے بھی وسیع چبوترا تھا۔

لیزا کار سے اتر کر کسی کو آوازیں دینے لگی۔ دو منٹ بعد ہی ایک ادھیڑ عمر آدمی درختوں سے نکل کر سامنے آگیا۔ اس نے کچھ کہے بغیر جیب سے چابیاں نکال کر کانچ کے دروازے کھول دیے۔

تین بیڈ روم اور ایک لونگ روم تھا۔ تمام کمرے ضروری فرنیچر سے آراستہ تھے۔ فرش پر قالین بچھے ہوئے تھے اور دیواروں پر خوب صورت فریموں میں حسین عورتوں کی نیم عریاں تصویریں آویزاں تھیں۔ ان میں دو تصویریں تو لیزا کی تھیں۔ میں نے میگزین کے اشتہار میں اس کی تصویر دیکھی تھی لیکن یہ تصویریں تو اس سے بھی زیادہ عریاں اور توبہ شکن تھیں۔

لیزا ہمیں کانچ کے کمرے دکھاتی رہی۔ پچھلی طرف کچن بھی تھا جس میں ضروری برتن وغیرہ موجود تھے۔ کانچ سے تقریباً بیس گز آگے ایک چٹان کی دس بارہ فٹ کی بلندی سے ایک چھوٹا سا آبشار گر رہا تھا۔ نیچے ایک چھوٹی سی جھیل بن گئی تھی جس میں جمع ہونے والا پانی ایک چھوٹی سی ندی کی صورت میں نشیب کی طرف بہہ رہا تھا۔

تقریباً دو ایکڑ کا علاقہ خاردار تاروں سے گھرا ہوا تھا اور یہ سارا علاقہ کانچ کی حدود میں شامل تھا۔

"یہ سکھم ہے۔" لیزا نے کانچ کی طرف واپس آتے ہوئے ادھیڑ عمر ملازم کی طرف اشارہ کیا "تم لوگوں کو مارکیٹ سے کوئی چیز منگوانی ہو تو اس سے کہہ دینا۔ یہ جا کر لے آئے گا۔"

"ایسا کرو۔" جانگی نے کہا "اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ یہ ہماری گاڑی لے جائے گا۔ جاتے ہوئے تم خود ہی تھائی سے کہہ دو کہ وہ لوگ اس کے ساتھ یہاں آجائیں۔"

"ٹھیک ہے.... تو پھر میں چلتی ہوں۔" لیزا نے کہا۔

جانگی نے گاڑی کی چابی سکھم کو دے دی۔ ان کے جانے کے بعد میں نے باہر کے گیٹ کا کنڈا لگا دیا اور دوبارہ کانچ میں آگیا۔ ہم نے ایک بار پھر کمروں کو گھوم پھر کر دیکھا اور کانچ سے نکل کر آبشار

کے قریب آگئے۔ جانگی چھوٹی سی جھیل کے کنارے پر بیٹھ گئی اور جوتے اتار کر پیر پانی میں لٹکا لیے۔ اوپر سے گرنے والی پانی کی چادر سے اڑنے والے چھینٹے ہلکی پھوار کی طرح ہمارے اوپر پڑ رہے تھے اور پانی کی یہ پھوار بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ میں نے بھی جوتے اتار دیے اور جانگی کے قریب ہی پانی میں پیر لٹکا کر بیٹھ گیا۔

چند سیکنڈ بعد میں نے جانگی کی طرف دیکھا تو مجھے اپنے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ جانگی نے فلیسپن پہن رکھا تھا اور وہ دونوں پائنچے آہستہ آہستہ اوپر اٹھا رہی تھی۔ گھٹنوں سے اوپر تک اس کی ٹانگیں برہنہ ہو چکی تھیں اور وہ پائنچوں کو مزید اوپر کھینچ رہی تھی۔

میرا سانس بے ربط ہونے لگا۔ میں نے اس کی طرف سے نظریں ہٹالیں لیکن اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ میں نے محسوس کیا کہ جانگی بھی کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

"موسم خوشگوار ہونے کے باوجود یہاں کتنی گھٹن ہو رہی ہے۔ اگر اس ٹھنڈے پانی میں ایک غوطہ لگا لیا جائے تو گرمی سے نجات مل جائے۔" اس نے یہ کہتے ہوئے بلاؤز کے بٹن کھولنا شروع کر دیے۔ اس کے ارادے خاصے خطرناک دکھائی دے رہے تھے۔

میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی۔ کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ پورے بدن میں سنسنی کی لہریں سی دوڑنے لگیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سینے میں لاوا کھولنے لگا ہو۔ یہ سب کچھ میرے لیے ناقابل برداشت تھا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھا اور تیز تیز قدموں سے کانچ کی طرف جانے لگا۔ مجھے اپنے عقب میں جانگی کا کھنکھناتا ہوا قہقہہ سنائی دیا لیکن میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ میں جانگی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اب مجھے اسی حوالے سے پچھلی کچھ باتیں یاد آرہی تھیں۔ میں کئی مرتبہ جانگی کے ساتھ اس سے ملتی جلتی صورت حال سے دوچار ہو چکا تھا اور اب مجھے خیال آرہا تھا کہ وہ محض اتفاقات نہیں تھے۔ جانگی دانستہ طور پر ایسی حرکتیں کرتی رہی تھی۔ مجھے قدیم شہر کے کھنڈروں کا وہ واقعہ بھی یاد آگیا جب جانگی میرے اوپر گری تھی اور وہ اتفاق نہیں تھا اور آج.... آج تو شک والی کوئی بات ہی نہیں رہی تھی۔ اب میں اس کے ارادوں کو سمجھ گیا تھا۔ اب یہ بات بھی میری سمجھ میں آگئی تھی کہ جانگی نے کانچ کے ملازم سکھم کو لیزا کے ساتھ کیوں بھیج دیا تھا۔ وہ کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھی۔

جانگی بے حد حسین تھی' جوان تھی اور وہ مجھے اچھی بھی لگتی تھی لیکن میں اپنے آپ کو اس کی خواہشات کی بھینٹ نہیں چڑھانا چاہتا تھا۔ برہادی کے راستے پر نہیں چلنا چاہتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس راستے پر پہلا قدم اٹھانے کے بعد واپسی مشکل ہو جائے گی۔

میں نے اپنی زندگی کا ایک مقصد متعین کر لیا تھا۔ ایک راستے کا انتخاب کر لیا تھا۔ وہ راستہ اگرچہ خطرناک اور دشوار ضرور تھا مگر میں اس سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اپنے ماں باپ کی لاشوں پر کھڑے ہو کر قسم کھائی تھی کہ ان کے خون کا بدلہ لوں گا۔ اس برائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا جس کی وجہ سے نہ صرف ان کی زندگیوں کے چراغ گل ہوئے تھے بلکہ اور بھی درجنوں بے گناہ مارے گئے تھے اور مارے جا رہے تھے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے میں دربدر پھر رہا تھا اور چاروں طرف سے خطرناک دشمنوں سے گھرا ہوا تھا اور میری معمولی سی لغزش مجھے موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی۔

میں آنکھیں بند کیے یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ اپنے کندھوں پر ہلکا سا بوجھ محسوس کر کے میں نے آنکھیں کھول دیں۔ گردن گھما کر دیکھا۔ جانگی کرسی کی پشت پر کھڑی تھی اور قدرے آگے کو جھک کر دونوں ہاتھ میرے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔ میں نے اٹھنا چاہا مگر جانگی نے کندھوں پر ہاتھوں کا دباؤ ڈال کر مجھے بیٹھے رہنے پر مجبور کر دیا۔

"مجھے معاف کر دو وجدان۔" وہ میرے اوپر جھکتے ہوئے بولی۔ "پتا نہیں تمہیں دیکھ کر بعض اوقات مجھے کیا ہو جاتا ہے اور میں کوشش کے باوجود اپنے آپ پر قابو نہیں پا سکتی۔ بس اب غصہ تھوک دو۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"یہ تم پہلے بھی کہہ چکی ہو۔" میں نے جواب دیا "تم جانتی ہو ہم کس قسم کے حالات سے دوچار ہیں۔ ہماری جان کے دشمن گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ ہماری کوئی معمولی سی غلطی یا غفلت ہمیں تباہی کے غار میں دھکیل سکتی ہے۔ میں جس راستے پر چل رہا ہوں' چلنے دو۔ جس مقصد کے لیے میں لڑ رہا ہوں اس کے لیے تم نے بھی اپنا سب کچھ تباہ کر دیا ہے۔ اس قربانی کو اس طرح ضائع کرنے کی کوشش مت کرو جانگی۔ جب تک میں وہ مقصد حاصل نہ کر لوں' اور کچھ نہیں سوچ سکتا۔ ہمیں اس برائی کو جڑ سے اکھاڑنا ہے جو ہزاروں بے گناہوں کی موت کا باعث بن رہی ہے۔ اس دنیا کو ان لوگوں کے بوجھ سے نجات دلانی ہے جو چند سکوں کی خاطر دوسروں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں۔ ان کے خون میں زہر پھیلا رہے ہیں۔ تم بھی تو اسی مقصد کے حصول کے لیے میرا ساتھ دے رہی ہو پھر یہ سب کچھ کیوں؟ اور ویسے بھی میں تمہیں...."

"ماں یا بہن سمجھتا ہوں۔" جانگی نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا "میرا تم سے جو رشتہ ہے اسے میں کوئی نام نہیں دے سکتا۔ محبت اور دوستی کا رشتہ تو بڑا ہی پوتر ہوتا ہے۔ اس میں ایسی خرافات کی گنجائش کہاں؟"

"تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟" جانگی کی آواز میں عجیب سی سرخوشی تھی۔ وہ کچھ اور آگے جھک گئی اور اپنا رخسار میرے رخسار

پر رگڑنے لگی "میرے لیے اب یہی بہت ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ اب تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

اس وقت جانگی کے رخسار کا لمس مجھے بُرا نہیں لگا۔ نہ ہی میرے خون کی گردش تیز ہوئی اور نہ ہی میں نے اپنے جسم کے کسی حصے میں سنسناہٹ محسوس کی۔ میں نے اس کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیے اور وہ میری کرسی کے پیچھے سے گھوم کر میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی اور اس وقت وہ مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ یہاں آنے سے پہلے وہ بلاؤز پہن چکی تھی لیکن اوپر کے دو بٹن اب بھی کھلے ہوئے تھے۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے بٹن بند کرلیے۔

جانگی نے خود ہی گفتگو کا موضوع بدل دیا۔ ہم ایک بار پھر اس کانیج کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد بجری والے راستے پر گاڑی کو آتے دیکھ کر میں نے آگے جاکر گیٹ کھول دیا۔

○☆○

یہ کانیج سب کو پسند آیا تھا۔ سیکیورٹی کے نقطۂ نگاہ سے بھی یہ ہماری منشا کے مطابق تھا۔

تھائی نے ایک ایسے کمرے پر قبضہ کرلیا تھا جس کی ایک کھڑکی پچھلی طرف تھی اور ایک سامنے کی طرف۔ یہاں آنے کے آدھے گھنٹے بعد ہی اس نے ایک لمبی چوڑی لسٹ تیار کرکے سکھم کو تھما دی تھی۔ سکھم لسٹ اور رقم لے کر سامان لینے کے لیے مارکیٹ چلا گیا۔ تھائی دوسرے کانیج سے کچھ سامان بھی لے آئی تھی جس میں چائے اور کافی وغیرہ کی چیزیں شامل تھیں۔ یہ چیزیں کچن میں رکھوا دی گئی تھیں۔ تھائی خود کافی بنانا چاہتی تھی لیکن جانگی نے اسے روک دیا اور خود کچن میں گھس گئی۔

کافی پینے کے بعد پاکھم چلا گیا۔ اس نے یہاں کا فون نمبر ذہن نشین کرلیا تھا تاکہ اگر کوئی غیر معمولی بات ہو تو ہمیں اطلاع دے سکے۔ ہم کانیج کے سامنے والے چبوترے پر کرسیوں پر بیٹھے رہے۔ یہ جگہ اس حد تک محفوظ تھی کہ ہم دور دور تک کسی کی نظروں میں بھی نہیں آسکتے تھے۔

میں کچھ دیر بعد اٹھ کر کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔ میں رات کو دیر تک جاگا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی سوگیا اور جب میری آنکھ کھلی تو تھائی کو اپنے ساتھ بستر پر دیکھ کر میں اٹھ گیا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں کمرے سے باہر آگیا۔ جانگی سکھم کے ساتھ کچن میں کھانا تیار کرنے میں مصروف تھی۔ اشتہا آمیز خوشبو سے میری بھوک چمک اٹھی۔ اس وقت دو بج رہے تھے اور جانگی نے بتایا کہ کھانا تیار ہونے میں ابھی کچھ دیر لگے گی۔ میں برآمدے میں آکر پرساد کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

ہمارے پاس کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا سوائے باتوں کے۔ یہاں جس مقصد کے لیے آئے تھے وہ فی الحال پورا ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔ یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ جانگی اور پرساد پہلے ہی روز دارا کے ایک آدمی کی نظروں میں آگئے تھے۔ ڈاکٹر فان کو اگرچہ ہم نے ٹھکانے لگا دیا تھا لیکن وہ لوگ سمجھ گئے تھے کہ اس کا قصہ بھی ہم نے ہی تمام کیا ہے۔ وہ یقیناً ہمیں تلاش کرتے رہے ہوں گے لیکن ہم تک تو نہ پہنچ سکے۔ بستہ پر ہی پر انہیں شبہ ہوگیا اور وہ اسے اٹھا کر لے گئے۔ پرسی کے بارے میں ابھی تک مزید کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اگرچہ ماسٹر ہوچن نے بھی یہی کہا تھا کہ پرسی قابل اعتماد اور مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔ وہ مرجائے گا لیکن ہمارے بارے میں کچھ نہیں بتائے گا۔ مجھے ماسٹر پر پورا بھروسا تھا لیکن نجانے کیا بات تھی کہ اس کانیج میں مطمئن نہیں تھا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں منتقل ہوگیا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ کیا ہم یہاں پکنک منانے آئے ہیں۔ پاکھم کے کہنے کے مطابق پرسی کو اغوا کرنے کے ساتھ ہی انہوں نے اپنا ٹھکانا بھی بدل لیا تھا اور اب ہمیں ان لوگوں کو تلاش کرنا تھا لیکن کنچن بوری جیسے شہر میں انہیں تلاش کرلینا آسان نہیں تھا۔ اگر شہر میں ہوتے تو کسی طرح ان کا سراغ لگایا جاسکتا تھا مگر شہر کے اطراف میں پہاڑیوں پر لاتعداد کانیج اور گیسٹ ہاؤسز بنے ہوئے تھے۔ ایسی صورت میں انہیں تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔

میں اور پرساد اس وقت اسی موضوع پر بات کررہے تھے۔ پرساد کا خیال تھا کہ تھائی کو ایک دو دن اور آرام کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس کے بعد ہم ان کی تلاش شروع کردیں گے۔

وہ دن بھی گزر گیا۔ رات کو بھی ہم دیر تک جاگتے رہے۔ پاکھم نہ تو واپس آیا تھا اور نہ ہی اس کی طرف سے کوئی اطلاع ملی تھی لیکن میں اس کے لیے زیادہ پریشان نہیں تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ذہین آدمی تھا اور اپنی حفاظت کرنا جانتا تھا اور دوسری سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں کنچن بوری میں دارا اور اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اسے نہیں پہچانتا تھا۔

رات دو بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو میں اچھل پڑا۔ اس وقت میں اور پرساد لونگ روم میں بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ جانگی اور تھائی اپنے اپنے کمروں میں سو رہی تھیں۔ ٹیلی فون کی گھنٹی دوسری مرتبہ بجی۔ میں نے اور پرساد نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر میں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا مگر کچھ بولنے کے بجائے دوسری طرف سے کسی آواز کا منتظر رہا۔

"ہیلو۔ میں پاکھم بول رہا ہوں۔"

"ہیلو پاکھم!" میں اس کی آواز سن کر اچھل پڑا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کوئی بہت ہی غیر معمولی بات ہوگئی ہوگی جو اس نے اس وقت فون کیا ہے "کیا بات ہے پاکھم۔ خیریت.... تم اس وقت کہاں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"بالکل خیریت ہے باس۔ ایک شکار ہاتھ لگ گیا ہے لیکن میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ اسے کانیج تک لاسکوں۔" پاکھم نے کہا۔

"وہ! کون ہے وہ اور تم اس وقت کہاں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"چونگ کائی کے قریب پرانے جنگی قبرستان میں۔" پاکھم نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟ کیا یہاں قبرستان میں بھی ٹیلی فون لگے ہوئے ہیں۔" میرے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں باس۔ میں قبرستان کے قریب سڑک پر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے بات کررہا ہوں۔ اس شکار کو میں نے باندھ کر قبروں میں ڈال رکھا ہے۔ میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے لیکن اگر اس شکار کو کانیج تک لے آیا جائے تو ہمارے بہت سے مسئلے حل ہوسکتے ہیں۔"

"ہوکیشن بتاؤ۔" میں نے کہا۔

دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی پھر پاکھم پتا سمجھانے لگا۔ میں ریسیور رکھ کر مڑا تو تھائی اور جانگی کو دیکھ کر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"کھیل شروع ہونے والا ہے۔" میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "پاکھم نے غالباً دارا کے کسی آدمی کو پکڑ رکھا ہے۔ ہم اسے لینے کے لیے جارہے ہیں۔ تم لوگ محتاط رہنا۔ یہ پستول اپنے پاس رکھ لو۔" میں نے جیب سے پستول نکال کر تھائی کی طرف بڑھا دیا۔

اس کے کچھ ہی دیر بعد ہماری گاڑی تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ پرساد نے اسٹیئرنگ سنبھال رکھا تھا اور میں اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ پرساد کو میں نے پاکھم کا بتایا ہوا پتا سمجھا دیا تھا۔ سڑکوں پر اِکا دُکا گاڑیوں کے سوا کوئی ٹریفک نہیں تھا۔

چونگ کائی کے قبرستان تک پہنچنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ قبرستان کے سامنے کی طرف کچھ کانیج وغیرہ تھے لیکن اس وقت ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ پرساد نے کار قبرستان کے مرکزی گیٹ سے ذرا آگے نکال کر روک لی۔

یہ وہ قبرستان تھا جہاں دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں دریائے کوائے پر پل کی تعمیر کے موقع پر جاپانی فوجیوں کے ہاتھوں لاتعداد اتحادی جنگی قیدی ہلاک ہوئے تھے۔ ان میں سے سترہ سو کے لگ بھگ لاشوں کو اس علاقے میں گڑھے کھود کر دبا دیا گیا تھا۔ جنگ کے خاتمے کے بعد اسے باقاعدہ قبرستان کی شکل دے کر اس کے اطراف میں باؤنڈری وال تعمیر کردی گئی تھی۔ پچیس تیس سال تک تو اس قبرستان کی مناسب دیکھ بھال ہوتی رہی پھر بے پروائی برتی جانے لگی۔ چار دیواری کئی جگہوں سے مسمار ہوگئی تھی اور کئی قبریں بھی ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔

چند سیکنڈ بعد ہی ایک ہیولا تاریکی سے نکل کر ہماری طرف آگیا۔ وہ پاکھم تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک آٹومیٹک رائفل بھی تھی۔

"پرساد۔ تم میرے ساتھ آؤ۔" اس نے کھڑکی پر جھکتے ہوئے کہا۔

پرساد کے ساتھ میں بھی کار سے اتر گیا۔ ہم تینوں قبرستان کے ٹوٹے ہوئے گیٹ میں داخل ہوگئے۔ وہاں گہری تاریکی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ پاکھم چند گز کا فاصلہ طے کرکے ایک جگہ رک گیا۔ وہ ایک ٹوٹی ہوئی قبر تھی جس کے اندر ایک آدمی پڑا ہوا تھا۔ پرساد اور پاکھم نے مل کر اسے قبر سے باہر نکالا۔

اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ منہ میں کپڑے کا گولا ٹھنسا ہوا تھا اور دونوں پیر بھی بندھے ہوئے تھے۔ پاکھم نے اس کے پیر کھول دیے اور اسے دھکا دیتے ہوئے غرایا۔

"چلو۔ تمہارے حساب کتاب کا وقت بھی آن پہنچا ہے۔ اگر کسی طرف بھاگنے کی کوشش کی تو تمہاری ہی رائفل کی گولیوں سے بھون ڈالوں گا۔"

وہ شخص لڑکھڑاتا ہوا ہمارے آگے آگے چلنے لگا۔

کار کی پچھلی سیٹ پر وہ میرے اور پاکھم کے درمیان سینڈوچ بنا بیٹھا تھا اور پرساد نے حسبِ معمول اسٹیئرنگ سنبھال رکھا تھا۔ اگر قبرستان کے سامنے والے کانیج کے پچھلی طرف پہاڑیوں میں کار کا راستہ ہوتا تو ہم صرف پانچ منٹ میں اپنے پہلے والے کانیج تک پہنچ سکتے تھے لیکن پہاڑیوں میں پیدل چلنے کے لیے تو پگڈنڈیاں تھیں مگر کار وغیرہ کے لیے کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہم جس راستے سے آئے تھے اس راستے سے ہوتے ہوئے اپنے کانیج میں پہنچ گئے۔ راستے میں خاموشی ہی رہی تھی۔ پاکھم نے بھی ابھی تک زبان نہیں کھولی تھی کہ یہ شخص کون ہے اور اسے کہاں سے پکڑا ہے۔

کانیج کے لونگ روم میں پہنچ کر اس شخص کے منہ سے کپڑا نکال دیا گیا۔ وہ متوحش نظروں سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہاں۔ اب بتاؤ یہ کون ہے اور کہاں سے تمہارے ہاتھ لگا؟" میں نے پاکھم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"باس۔" پاکھم نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ آج دن میں ہم نے وہ کانیج چھوڑ دیا تھا۔ اگر ہم وہاں ہوتے تو آج رات مارے گئے ہوتے۔"

"تفصیل بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"رات دس بجے کے قریب میں پرسی کے جمنازیم چلا گیا تھا۔" پاکھم کہنے لگا "وہاں اس کے بہت سے شاگرد جمع تھے جو پرسی کے اب تک نہ ملنے پر پریشان تھے۔ یہ شخص بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے وہاں شاید کسی لڑکے سے کوئی بات کی تھی پھر باہر آکر یہ پبلک ٹیلی فون پر کسی سے بات کرنے لگا۔ بوتھ کا دروازہ ٹوٹا ہوا تھا اور میں قریب ہی موجود تھا۔ میں نے اس کا صرف ایک جملہ سنا تھا "مسٹر ماسٹر کے ٹھکانے کا پتا چل گیا ہے" اس کے بعد میں نے اس کا تعاقب کرنے کی کوشش کی تھی لیکن یہ غائب ہوگیا۔

"مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس نے جمنازیم ہی سے کسی طرح اس کانیج کا پتا معلوم کرلیا تھا جس کا بندوبست پرسی نے کیا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ یہ لوگ آج ہی رات اس کانیج پر ہلّا بول دیں گے۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ تم لوگوں کو اطلاع دے سکتا۔ میں اس کانیج کے پاس پہنچ گیا اور ایک جگہ چھپ کر ان لوگوں کا انتظار کرنے لگا۔

"میرا اندازہ درست نکلا۔ رات گیارہ بجے کے قریب ان لوگوں نے کانیج پر حملہ کردیا۔ یہ لوگ تقریباً آدھے گھنٹے تک چاروں طرف سے کانیج پر گولیاں برساتے رہے اور پھر دروازے توڑ کر کانیج میں گھس گئے۔ ٹکرا نہیں بڑی مایوسی ہوئی تھی۔

"قریب کے کسی کانیج سے غالباً فون پر پولیس کو فائرنگ کی اطلاع دے دی گئی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد فضا میں سائرن کی آواز سنائی دینے لگی۔ اس کے ساتھی تو کار میں بیٹھ کر فرار ہوگئے مگر یہ کسی طرح رہ گیا اور پھر یہ اندرونی پہاڑیوں کی طرف بھاگ نکلا۔ میں نے بھی اس کا پیچھا شروع کردیا۔ چونگ کائی کی پہاڑیوں میں پہنچ کر شاید اسے اپنے تعاقب کا احساس ہوگیا۔

"اس طرف لاتعداد کانیج اور پرائیویٹ گیسٹ ہاؤسز ہیں اور میرا خیال ہے وارا وغیرہ بھی اسی طرف کسی کانیج میں پناہ لیے ہوئے ہیں لیکن اپنے تعاقب کا احساس ہونے کے بعد اس نے اپنا راستہ بدل دیا۔ اگر یہ چاہتا تو مجھے کسی بھی وقت چکما دے کر غائب ہوسکتا تھا لیکن یہ تو شاید مجھے پکڑنا چاہتا تھا۔ اسے غالباً یہ شبہ ہوگیا تھا کہ میں تم لوگوں کا ساتھی ہوں۔ اگر میں ان کے قبضے میں آجاؤں تو میرے ذریعے تمہارے ٹھکانے کا پتا چلایا جاسکتا ہے۔

"تقریباً ڈیڑھ گھنٹے پہلے یہ چونگ۔ کائی کے جنگلی قبرستان کی طرف چلا گیا۔ وہاں اس نے مجھ پر قابو پانے کی کوشش کی تھی لیکن خود میرے قابو میں آگیا۔ یہ وارا کے محافظوں میں سے ایک ہے لیکن بہت ہی بے وقوف اور بزدل۔ آٹومیٹک گن ہونے کے باوجود یہ اپنی حفاظت تو کر نہیں سکا۔ دوسروں کی حفاظت کیا کرے گا۔"

"پرساد۔" میں نے کہا "اس سے پوچھو وہ لوگ کہاں ہیں اور پرسی کے ساتھ انہوں نے کیا کیا ہے؟"

پرساد تو پہلے ہی سے تیار بیٹھا تھا۔ فوراً ہی حرکت میں آگیا۔ میں پاتھم کی اس بات سے اتفاق نہیں کرسکا کہ وارا کا یہ محافظ بے وقوف اور بزدل ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو فوراً ہی زبان کھول دیتا لیکن گدھوں کی طرح دھنائی ہونے کے باوجود اس نے زبان نہیں کھولی تھی۔ اس کی ناک اور ہونٹوں سے خون بہنے لگا۔ پرساد نے اس کا سامنے والا ایک دانت بھی توڑ دیا لیکن اس کے باوجود اس نے زبان نہیں کھولی۔

"یہ ایسے نہیں بتائے گا باس۔" پرساد نے کہا "میرے پاس ایک طریقہ ہے۔ یہ چند منٹ میں زبان کھول دے گا۔"

پرساد نے اس شخص کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور دھکے دیتا ہوا باہر لے گیا۔ میں اور پاتھم بھی ان کے ساتھ ہی تھے۔ پرساد اس شخص کو پکڑ کر آبشار کے قریب لے آیا اور دھکا دے کر چھوٹی جھیل کے کنارے پر گرا دیا اور اس کی پشت پر سوار ہوکر دونوں ہاتھوں سے اس کے بال جکڑ لیے اور سر کو پانی میں ڈبو دیا۔ چند سیکنڈ بعد وہ شخص مچلنے لگا۔ پرساد نے اس کا سر پانی سے باہر نکال لیا۔

"اب بھی زبان کھولو گے یا نہیں؟" پرساد غرایا۔

"نن..... نہیں....." اس شخص کے منہ سے بمشکل نکلا تھا۔

پرساد نے اس کا سر پھر پانی میں ڈبو دیا اور پھر وہ یہ حرکت بار بار دہراتا رہا۔ وہ ہر مرتبہ اس سے ایک ہی سوال کرتا اور اس شخص کا جواب نفی میں ہوتا۔ آخری مرتبہ پرساد نے اس کا سر پانی میں ڈبویا تو اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک اس کا جسم بے حس و حرکت نہیں ہوگیا۔

وہ ختم ہوچکا تھا۔ پرساد نے اسے ٹانگوں سے گھسیٹ کر ایک طرف ڈال دیا۔

"تم تو کہتے تھے یہ بہت بے وقوف اور بزدل ہے۔" میں نے پاتھم کو گھورا "یہ تو ایسا سخت جان نکلا کہ زبان کھولے بغیر مرگیا۔"

"مجھے حیرت ہے باس۔" پاتھم بولا "لیکن یہ اس طرح آسانی سے میرے قابو میں کیسے آگیا تھا۔"

"اب اس لاش کو کہیں دور لے جاکر پھینک دو۔" میں نے کہا "اس طرح کہ جیسے وہ کوئی انسانی لاش نہیں گندگی کا ڈھیر ہو۔"

اور حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو میں گندگی اور غلاظت کا ڈھیر ہی سمجھتا تھا جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے بے گناہوں کی زندگی سے کھیل رہے تھے، ان کے وجود کو اسی طرح مٹا دینا چاہتے تھا۔

پاتھم لاش کو گاڑی میں ڈال کر لے گیا۔ میں تو تھائی کے ساتھ اپنے کمرے میں آگیا اور پرساد اور جانکی لونگ روم میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ مجھے نہیں معلوم پاتھم اس لاش کو پھینک کر کب آیا تھا اور کب واپس چلا گیا تھا۔ میں تو بستر پر لیٹتے ہی گہری نیند سو گیا تھا۔

○☆○

میری آنکھ صبح دس بجے کے قریب کھلی تھی اور سب سے پہلی جو خبر سننے کو ملی وہ یہ تھی کہ پرسی کو قتل کردیا گیا تھا۔ اس کی لاش آج صبح سویرے واٹ تائی کے گیٹ کے قریب سڑک پر پڑی ہوئی ملی تھی۔

"باس۔" پرساد نے کہا "میرا خیال ہے اب ہمارے لیے اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا ممکن نہیں ہے۔ تم مجھے اجازت دو تو میں آج باہر نکل کر انہیں تلاش کرنے کی کوشش کروں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "اب واقعی ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔ ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ پاتھم کہاں ہے؟"

"پرسی کے جنازیم میں۔" پرساد نے جواب دیا "وہاں بہت سے لوگ جمع ہیں۔ پرسی کی لاش دریافت ہونے کی اطلاع اس نے دی تھی۔ پورے شہر میں پرسی کے شاگرد سیکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں اور سنا ہے کہ وہ پرسی کے جنازے کے ساتھ جلوس نکالنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ میں بھی اس جلوس میں شریک ہونا چاہتا ہوں اور مجھے شبہ ہے کہ وارا کا کوئی نہ کوئی آدمی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے ضرور آئے گا۔"

"اور تمہارے خیال میں مجھے گھر بیٹھے رہنا چاہیے۔" میں نے اسے گھورا۔

"ہاں۔ کم از کم آج کا دن۔" پرساد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اگر کوئی خاص بات ہوئی تو میں تمہیں فون کردوں گا اور پھر تم بھی میدان میں اُتر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "میں تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔ تم گاڑی لے جاؤ۔"

"نہیں۔ میں یہاں سے پیدل ہی نکلوں گا۔ سڑک پر پہنچ کر مجھے کوئی نہ کوئی سواری مل جائے گی۔" پرساد نے جواب دیا۔

دس منٹ بعد پرساد چلا گیا۔ اب میرے ساتھ جانکی اور تھائی رہ گئی تھیں۔ لیزا کے ملازم سکھم کو ہم نے پہلے ہی روز شام کو چھٹی دے دی تھی۔ میں کانیج سے نکل کر ایک درخت کے نیچے کرسی پر بیٹھ گیا اور صورتِ حال کے بارے میں سوچنے لگا۔ ہمارے یہاں آنے کے بعد تین قتل ہوچکے تھے۔ ایک ہمارے گروپ کا آدمی مارا گیا تھا اور دو ان کے لیکن ہم اب بھی وہیں کھڑے تھے جہاں سے چلے تھے۔ کوئی پیش رفت نہیں ہوسکی تھی۔ نہ ہم وارا وغیرہ کے ٹھکانے کا پتا چلا سکے تھے اور نہ ہی وہ ہمارا سراغ لگا پائے تھے اور یہ دونوں طرف کی خاموشی مجھے بُری طرح کھل رہی تھی۔ میں آرام سے بیٹھنے والا آدمی تو نہیں تھا لیکن دس دن سے زیادہ ہوچکے تھے اور میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تھا۔ لیکن اب مجھے امید تھی کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ پرساد باہر نکل گیا تھا۔ یا تو وہ ان کی نظروں میں آئے گا یا وارا کا کوئی آدمی سامنے آجائے گا اور اس طرح کھیل شروع ہونے کی توقع تھی۔

میرے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال اُبھر آیا۔ کیا ماسٹر ہوچن کو پرسی کے قتل کی خبر مل چکی ہوگی؟ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ اتنی بڑی بات ہوجائے اور ماسٹر ہوچن کو اس کی اطلاع نہ ہو۔ اسے تو یہ بھی اطلاع مل چکی ہوگی کہ گزشتہ رات ہمارے دوسرے کانیج پر حملہ کیا گیا تھا۔ اس نے یقیناً اس کانیج کے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش بھی کی ہوگی اور وہ پریشان بھی ہوا ہوگا۔ یہ خیال آتے ہی میں اٹھ کر کانیج میں آگیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر بنکاک میں ماسٹر ہوچن کا نمبر ملانے لگا۔ کال، ماسٹر کے ایک شاگرد نے ریسیو کی تھی۔ ماسٹر جمنازیم میں موجود نہیں تھا لیکن اسے پرسی کے بارے میں اطلاع مل چکی تھی اور وہ آج شام سے پہلے کنچن بوری پہنچنے والا ہے۔

"صبح سویرے تمہارے کانیج پر حملے کی اطلاع بھی ملی تھی مسٹر ماسٹر۔" دوسری طرف سے کہا گیا "ماسٹر تمہارے لیے زیادہ پریشان ہے۔"

"ماسٹر کو بتا دینا ہم محفوظ ہیں۔ ہم حملہ ہونے سے چند گھنٹے پہلے اس کانیج سے نکل چکے تھے۔" میں نے جواب دیا اور اپنا فون نمبر لکھوا کر فون بند کردیا۔

میں فون بند کرکے جانکی اور تھائی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا لیکن وہ دونوں کانیج میں نہیں تھیں۔ مجھے حیرت ہوئی کہ وہ کہاں چلی گئیں حالانکہ جب میں اندر آیا تھا تو تھائی کو اپنے کمرے میں جاتے ہوئے دیکھا تھا لیکن اب دونوں غائب تھیں۔ میں کانیج سے باہر آگیا اور پھر نقرئی قہقہوں کی آوازیں سن کر چونک گیا۔ یہ آوازیں آبشار کی طرف سے آرہی تھیں۔ میں چبوترے سے اتر کر ٹہلتا ہوا اس طرف پہنچ گیا۔

اور پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ وہ دونوں آبشار والی چھوٹی سی جھیل میں ایک دوسرے کو پانی میں غوطے دینے کی کوشش کرتے ہوئے قہقہے لگا رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر دونوں نے ایک دوسرے کو چھوڑ دیا۔

"آؤ۔ تم بھی آجاؤ۔" جانکی نے میری طرف پانی کے چھینٹے اڑاتے ہوئے کہا۔

"مجھے غوطے کھانے کا شوق نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

جانکی کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

میں کانیج میں آگیا۔ کچن میں گھس کر کافی بنائی اور کانیج کے سامنے والے چبوترے پر کرسی پر بیٹھ کر آبشار کی طرف دیکھتے ہوئے کافی کی چسکیاں لینے لگا۔

جانکی اور تھائی ایک گھنٹے بعد واپس آئی تھیں۔

دو بجے دوپہر پرساد کا فون آگیا۔ اس نے بتایا کہ سیکڑوں لوگ پرسی کے جمنازیم کے سامنے جمع ہوچکے ہیں۔ کسی ہنگامی صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے پولیس کی بھاری نفری بھی موجود ہے۔ شام سات بجے کے قریب ماسٹر ہوچن یہاں پہنچنے والا ہے۔ تدفین اس کے آنے کے بعد ہی ہوگی۔

"پاتھم بھی یہاں موجود ہے لیکن ابھی تک ہمیں کوئی مشتبہ آدمی نظر نہیں آیا۔" پرساد نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم دونوں وہیں رہو اور حالات پر نگاہ رکھو۔ ماسٹر ہوچن پہنچ جائے تو مجھے فون کردینا۔" میں نے یہ کہہ کر فون بند کردیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد بنکاک سے ماسٹر ہوچن کا فون آگیا۔ اس نے بتایا کہ وہ ساڑھے چھ بجے رات کے درمیان کنچن بوری پہنچ جائے گا اور یہاں آنے کے بعد دوبارہ مجھ سے رابطہ کرے گا۔

پانچ بجے کے قریب لیزا آگئی۔ وہ تقریباً آدھا گھنٹا وہاں رہی اور جب وہ واپس جانے لگی تو جاتی بھی اس کے ساتھ چل پڑی۔

"اس کے لیے تم لوگ پریشان مت ہونا۔" لیزا نے مسکراتے ہوئے کہا "صبح میں اسے صحیح سلامت یہاں پہنچادوں گی۔"

تھائی اور میں کاپج میں اکیلے رہ گئے تھے۔ ہم کاپج کے سامنے چبوترے پر بیٹھے باتیں کرتے رہے اور جب اندھیرا پھیلنے لگا تو اندر آگئے۔ میں نے دروازہ بند کردیا اور ہم دونوں تھائی والے کمرے میں آگئے۔ تھائی بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوگئی اور میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

باہر اندھیرا گہرا ہوتا جارہا تھا۔ خاموشی میں چاروں طرف سے آتی ہوئی جھینگروں اور دیگر حشرات الارض کی آوازیں بڑا پُراسرار تاثر دے رہی تھیں۔ ہم دونوں باتیں کرتے کرتے خاموش ہوجاتے تو یہ آوازیں کچھ اور واضح ہوجاتیں۔

اچانک ایک آواز سن کر میں چونک سا گیا۔ وہ خشک پتوں کے چرچرانے کی آواز تھی۔ غالباً تھائی نے بھی یہ آواز سنی تھی۔ وہ بھی الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"شاید باہر کوئی ہے۔" وہ کھڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

میں نے بھی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ باہر اندھیرا تھا کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ جانگی کی واپسی کی توقع نہیں تھی۔ وہ ایک گھنٹا پہلے ہی تو گئی تھی۔ پاتھم یا پرساد میں سے بھی کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ شاید کوئی کتا وغیرہ ہو۔ آج صبح بھی دو کتے اس طرف آگئے تھے۔

"شاید کوئی کتا وغیرہ ہو۔ میں دیکھتا ہوں۔" میں یہ کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے سے باہر آگیا اور اسی وقت برآمدے کے سامنے والے چبوترے پر قدموں کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ میں نے لونگ روم میں رکھی ہوئی وہ رائفل اٹھالی جو پاتھم یہیں چھوڑ گیا تھا۔ پہلے میں نے دروازے کے اوپر والے شیشے سے جھانک کر دیکھا اور پھر بولٹ گرا کر دروازہ کھول دیا اور باہر نکل کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ آس پاس کوئی نظر نہیں آیا اور نہ ہی اب کوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔

میں اندر آگیا اور برآمدے والا دروازہ بولٹ کرکے کچن کی طرف بڑھ گیا۔ کچن کا ایک دروازہ پچھلی طرف بھی کھلتا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر وہ دروازہ کھلا ہوا اور کوئی کتا وغیرہ اندر گھس آیا تو گڑبڑ ہوجائے گی۔

کچن میں اندھیرا تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر دروازے کے اندر کی طرف دیوار پر لگا ہوا سوئچ آن کردیا اور پھر بٹن دباتے ہی یوں لگا جیسے میرے سر پر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو۔ سر پر لگنے والی وہ ضرب بہت زوردار تھی۔ میری آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔ میں لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ میں اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کررہا تھا کہ جبڑے پر ایک اور زوردار ضرب لگی۔ میرے منہ سے کراہ سی نکل گئی۔ اس مرتبہ رائفل بھی میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ میں لڑکھڑاتا ہوا ایک کرسی سے ٹکرایا اور سنبھلنے سے پہلے ہی منہ پر ایک اور ضرب لگی۔ یوں لگا تھا جیسے ہتھوڑے سے وار کیا گیا ہو۔ میں جس کرسی سے ٹکرایا تھا وہ الٹ گئی تھی اور میں لڑکھڑاتا ہوا مزید پیچھے ہٹ گیا تھا۔ کرسی کی آواز شاید تھائی نے سن لی تھی۔

"کون ہے وجدان..... کیا ہوا؟"

تھائی کی آواز بھی مجھے کنوئیں کی گہرائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی لیکن یہ آواز میرے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔ میں ہوش میں آگیا۔ سر اور چہرے پر لگنے والی ضربوں سے میرا جھنجھنا اٹھا تھا۔ میں نے سر کو ایک دو جھٹکے دیے اور پھر میں سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

وہ دو آدمی تھے۔ ایک کے ہاتھ میں ثمر دار پھل والا خنجر تھا۔ دوسرا خالی ہاتھ تھا اور میرے سر اور چہرے پر ضربیں اسی نے لگائی تھیں اور اس وقت بھی وہ مجھ پر حملہ کرنے کی تیاری کررہا تھا۔ اس مرتبہ وہ کامیاب نہیں ہوسکا۔

میں نے اس کا دایاں ہاتھ کی کلائی پر رد کا اور دایاں گھونسا اس کے جبڑے پر رسید کردیا۔ اسے شاید اس کی توقع نہیں تھی۔ وہ بلبلاتا ہوا پیچھے ہٹا اور میں نے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اس کے چہرے پر سائڈ کک جمادی۔ وہ ایک بار پھر چیخ اٹھا۔ اس کا دوسرا ساتھی خنجر لہراتا ہوا میری طرف لپکا لیکن اسے قریب آنے کا موقع نہیں مل سکا۔ میں کھڑے کھڑے اپنی جگہ سے ذرا سا اچھلا اور پھر فرنٹ کک اس کے پیٹ پر لگی۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا وہ خود بھی بلبلاتا ہوا دہرا ہوگیا۔ میں نے آگے بڑھ کر گھٹنے اس کی ٹھوڑی پر ضرب لگائی۔ وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

ان کی چیخوں کی آواز سن کر تھائی اپنے کمرے سے نکل آئی تھی۔ یہاں کی صورتِ حال دیکھ کر اس کے منہ سے بھی چیخ نکل گئی۔ تھائی کو آگے بڑھتے دیکھ کر میں بھی چیخ اٹھا۔

"وہیں رک جاؤ تھائی۔ آگے مت آنا۔"

اس دوران میں پہلا حملہ آور سنبھل چکا تھا۔ وہ حملہ آور تو میں نے بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹتے ہوئے رائونڈ ہاؤس کک کے انداز میں ٹانگ چلادی۔ یہ کک اس کے پیٹ پر لگی اور وہ دوہرا ہوکر آگے کی طرف جھکا۔ میں نے سنبھلتے ہوئے بڑی تیزی سے گھوم کر اس کے شولڈر بلیڈ پر چوپ رسید کردی۔ کھڑی ہتھیلی کا یہ وار عام طور پر بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ ہڈی توڑ دیتا ہے لیکن یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اس وقت نیچے کی طرف جھک رہا تھا اور ضرب پوری طرح نہیں لگی تھی لیکن اس کے باوجود اس کے منہ سے اس طرح بھیانک چیخ نکلی تھی جیسے اسے ذبح کیا جارہا ہو۔ وہ ایک صوفے سے ٹکرایا اور صوفے سمیت دوسری طرف الٹ گیا۔

دوسرا حملہ آور مجھ پر چھلانگ لگا چکا تھا۔ میں نے سنبھلنے کی

کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کے پیر کی ٹھوکر میرے گھٹنے کے پچھلے حصے پر لگی اور میں لڑکھڑا کر پشت کے بل گرا۔ وہ شخص میرے اوپر آرہا تھا مگر میں نے بڑی پھرتی سے دونوں ٹانگیں اوپر اٹھادیں اور دونوں پیروں سے اس کی گردن پر قینچی لگادی۔ وہ ٹیک لاک چھڑانے کی کوشش کرنے لگا لیکن میں نے آہستہ آہستہ دائیں طرف جھکتے ہوئے ٹانگوں کو زوردار جھٹکا دیا۔ وہ "بھد" سے نیچے گرا۔ میں نے تیزی سے اٹھ کر اس پر ٹھوکروں کی بارش کردی۔

ان کی لڑائی کے انداز سے میں سمجھ چکا تھا کہ وہ لوگ مارشل آرٹسٹ نہیں ہیں اور محض اسٹریٹ فائٹرز ہیں۔ اسٹریٹ فائٹنگ میں کسی قاعدے کلیے اور داؤ پیچ کا خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ ہر وہ حربہ استعمال کیا جاتا ہے جس سے حریف کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جاسکے لیکن جب مقابلہ مجھ جیسے کسی مارشل آرٹسٹ سے ہو تو اسٹریٹ فائٹر نقصان ہی میں رہتے ہیں۔

میرا دوسرا حریف اٹھ چکا تھا۔ اس نے پیچھے سے میرے اوپر چھلانگ لگادی اور میری گردن کو بازو کی لپیٹ میں لے لیا۔ میرا دم گھٹنے لگا۔ پہلے میں نے اس کا بازو پکڑ کر گردن چھڑانے کی کوشش کی پھر تیزی سے نیچے جھک گیا۔ میرا حریف اوپر سے الٹی قلابازی کھاتا ہوا پشت کے بل گرا۔ میں نے سنبھل کر ان دونوں کو ٹھوکروں پر رکھ لیا لیکن پھر اسی لمحے تھائی کی چیخ سن کر میں چونک گیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا اور مجھے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ تھائی دارا کی گرفت میں تھی۔ دارا نے پشت کی طرف سے ایک ہاتھ سے تھائی کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا اور اس کے دوسرے ہاتھ میں خنجر تھا جس کا چمکتا ہوا بلیڈ تھائی کی شہ رگ کو چھو رہا تھا۔

دارا کے ساتھ کم بھی کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"تمہاری بہادری اور خوش قسمتی میں واقعی کوئی شبہ نہیں لیکن خوش قسمتی ہر دفعہ ساتھ نہیں دیتی۔" دارا نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ان دونوں کو چھوڑ دو ورنہ تمہاری اس چہیتی کا گلا کاٹ دوں گا۔"

میں ان دونوں آدمیوں کو چھوڑ کر الگ ہوگیا اور الجھی ہوئی نظروں سے دارا اور کم کی طرف دیکھنے لگا۔ مجھے حیرت تھی کہ یہ دونوں کاپج کے اندر کس طرح داخل ہوئے تھے جبکہ برآمدے والا دروازہ بند تھا پھر بات میری سمجھ میں آگئی۔ ہمارے کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور وہ دونوں اسی راستے سے اندر آئے تھے۔ اب ان کی چال بھی میری سمجھ میں آگئی تھی۔ دارا نے ان دونوں آدمیوں کو کاپج کے عقبی دروازے سے بھیجا تھا اور جب میں ان دونوں سے الجھ گیا تھا تو وہ بڑے اطمینان سے کھڑکی کے راستے اندر آگیا اور تھائی کو گرفت میں لے لیا۔

"تم بہت بچتے رہے ہو۔" دارا میری طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "قسمت قدم قدم پر تمہارا ساتھ دیتی رہی ہے۔ مہاراج کے سائے نے تمہیں اب تک ہم سے بچائے رکھا۔ لیکن یہاں نہ تو مہاراج کا سایہ ہے اور نہ ہی قسمت تمہارا ساتھ دے گی۔ اب موقع مل گیا ہے کہ ہم تم سے اپنا حساب برابر کرسکیں۔ تم میرے ہاتھ سے زندہ تو نہیں بچو گے لیکن تمہیں اس وقت تک مرنے بھی نہیں دیا جائے گا جب تک میں تم سے اپنا حساب برابر نہ کرلوں اور تم سے تمہارے باپ کی وہ ڈائری حاصل نہ کرلوں جس میں برسوں پہلے چھپائے گئے سونے کا راز پوشیدہ ہے۔ تم یقیناً اس ڈائری کے وجود سے انکار کردو گے لیکن میں تم سے وہ ڈائری نکلوالوں گا۔"

میں دارا کی بات سنتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ میں کسی موقع کی تلاش میں تھا مگر صورتِ حال خاصی سنگین تھی۔ کم کے ہاتھ میں پستول تھا اور دارا کا خنجر تھائی کی شہ رگ کو چھو رہا تھا۔ اس کی ذرا سی حرکت تھائی کا گلا کاٹ سکتی تھی۔

اچانک ہی پیچھے کھڑے ہوئے ان دونوں آدمیوں نے مجھ پر حملہ کردیا جو مجھ سے پٹ چکے تھے۔ اس مرتبہ میں اپنا دفاع نہیں کرسکا۔ میں لڑکھڑا کر گرا تو ان دونوں نے مجھ پر ٹھوکروں کی بارش کردی۔ میرے جسم کا کوئی حصہ ان کی ٹھوکروں سے محفوظ نہیں تھا۔ ایک مرتبہ موقع پاکر میں نے ان میں سے ایک کو تو الٹ دیا لیکن وہ فوراً ہی سنبھل کر دوبارہ حملہ آور ہوا تھا۔

میری ناک اور منہ سے خون بہہ رہا تھا۔

"رک جاؤ۔" دارا کی گونج دار آواز سنائی دی۔

وہ دونوں مشینی انداز میں رک گئے۔

ماہنامہ پاکیزہ کا مقبول ترین سلسلہ
ناہید سلطانہ شہر کے طلسماتی قلعہ کا ایک شاہکار رومانٹک ناول
بہتے پانی پہ مکاں
بالی کی گلیوں سے بچا کے آنچل سنبھالنے والی ایک معصوم لڑکی کی داستان
مقبول ٹی وی سیریل
آنچ
کی کہانی اس کتاب پر مبنی ہے
قیمت 100 روپے، ڈاک خرچ 23 روپے
وہ خود اپنی نہیں بلکہ دوسروں کو اپنا لیا
گھر بیٹھے منگوانے کا آسان طریقہ
23 روپے کے ٹکٹ
74200 کراچی

"کسی کو سزا دینے کا صرف یہی طریقہ نہیں ہے کہ اسے مارا پیٹا جائے۔" دارا ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "سزا دینے کے اور بھی تو بہت سے طریقے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس کی نظروں کے سامنے اس کی محبوبہ کو بے آبرو کیا جائے۔ اس طرح اس کی آدھی موت تو واقعی ہو ہی جائے گی۔"

میں کانپ اٹھا۔ دارا کی سوچ بہت خوفناک تھی اور میں جانتا تھا کہ وہ اس پر عمل کرنے سے بھی نہیں ہچکچائے گا۔ میں نے اپنی جگہ سے حرکت کرنا چاہی تو ان دونوں غنڈوں نے پیچھے سے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔

دارا نے تھائی کو دھکا دے کر سامنے والے صوفے پر گرا دیا۔ تھائی کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"کم!" دارا نے کہا "میں اپنے آپ کو گندہ نہیں کرنا چاہتا۔ تم اسے گندہ کردو۔"

"میں نہیں۔ تم جاؤ۔" کم نے ان دونوں افراد میں سے ایک کو اشارہ کیا جنہوں نے مجھے گرفت میں لے رکھا تھا۔

"کسی نے تائی کو ہاتھ لگایا تو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" میں دارا کی طرف دیکھ کر چیخا اور اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

انہوں نے زبردستی مجھے ایک کرسی سے باندھ دیا۔ کم پستول میری کنپٹی سے لگائے کھڑا تھا۔ دوسرے آدمی نے میرے کندھوں پر دباؤ ڈال رکھا تھا تاکہ میں کوئی بھی حرکت نہ کرسکوں۔ دارا خنجر کو آہستہ آہستہ حرکت دیتے ہوئے مسکرا رہا تھا اور وہ غنڈا تھائی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

تھائی نے صوفے سے چھلانگ لگا دی لیکن اس غنڈے نے اسے دبوچ لیا۔ تھائی اپنے آپ کو چھڑا کر ایک طرف دوڑی تو دارا نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ مار دیا۔ تھائی چیخ کر الگ کھڑا گئی۔ اس غنڈے نے پھر اسے دبوچ لیا۔ تھائی چیختے ہوئے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتی رہی لیکن وہ غنڈا اس سے کہیں طاقت ور تھا۔

تھائی کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ وہ نیم برہنہ ہو رہی تھی۔ ایک بار پھر اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ صوفے پر گری۔ غنڈے نے بھی اس پر چھلانگ لگا دی۔ صوفہ الٹ گیا اور وہ دونوں اس کے پچھلی طرف جا گرے۔

صوفے کے پیچھے تھائی کی چیخیں گونجتی رہیں اور میری رگوں میں خون اچھلتا رہا اور پھر دارا کے وحشیانہ قہقہے بھی تھائی کی چیخوں کے ساتھ کائیچ میں گونجنے لگے۔ میرے دماغ کی نسیں پھٹی جا رہی تھیں۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔

میں تھائی کی کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔

تھائی کی چیخیں تھیں یا پگھلا ہوا سیسا جو میرے کانوں کے پردوں کو چیرتا ہوا دماغ کی نسوں میں کھولتے ہوئے لاوے کی طرح پھیلتا جا رہا تھا اور پھر اچانک ہی خاموشی چھا گئی۔ گمبھیر سناٹا۔ تھائی نے چیخنا بند کردیا تھا یا میرے کان بند ہو گئے تھے لیکن نہیں۔ میرے کان بند نہیں ہوئے تھے۔ تھائی ہی خاموش ہو گئی تھی۔ البتہ جھینگروں کی آوازیں میری سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔

تھائی نے میرے لیے اپنی آخری متاع بھی لٹا دی تھی۔ اپنی عزت کو ان شیطانوں کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے عرصہ پہلے ایک ایسے بے سہارا بچے کو یعنی مجھے پناہ دی تھی جو اپنی جان بچانے کے لیے ان خونی بھیڑیوں سے چھپتا پھر رہا تھا۔ تھائی کی یہ نیکی ہی اس کا سب سے بڑا جرم بن گئی تھی۔ اس کا جسم جلا کر راکھ کردیا گیا تھا۔ اسے بار بار موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی گئی تھی۔ مجھے ان شیطانوں سے بچانے کے لیے اس نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا۔ عیش و آرام کی زندگی چھوڑ کر وہ دربدر ہونے پر مجبور ہو گئی تھی۔ عزت اب تک بچی ہوئی تھی۔ سو وہ بھی چھن گئی۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ دارا میرے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی سفاک مسکراہٹ تھی۔ میری نظریں اٹھے ہوئے صوفے کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کے پیچھے کوئی حرکت نہیں تھی البتہ تھائی کی سسکیوں اور ہچکیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"جب کوئی بہت تیز دوڑنے کی کوشش کرتا ہے تو منہ کے بل گرتا ہے۔" دارا کی آواز سن کر میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے خنجر کو مخصوص انداز میں حرکت دیتے ہوئے کہہ رہا تھا "تم بھی بہت تیز دوڑنے لگے تھے۔ ٹھوکر تو لگنی ہی تھی۔ تم بڑی مشکل سے میرے ہاتھ لگے ہو۔ ابھی میرا انتقام شروع ہوا ہے۔ یہ پہلا جھٹکا تھا۔ میں تمہارے چہرے سے اندازہ لگا رہا ہوں کہ تم نے تھائی کی رسوائی کا کتنا اثر لیا ہے۔ ابھی تو ایسے بہت سے مرحلے آئیں گے۔ تمہیں ایسے بہت سے جھٹکے لگیں گے مگر تم ان جھٹکوں سے مرو گے نہیں۔ تمہیں تو میں اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتاروں گا۔ آہستہ آہستہ.... دھیرے دھیرے.... میں تمہیں زندہ رکھ کر تمہاری بوٹیاں تمہارے سامنے کتوں کو کھلاؤں گا۔"

"مجھے باندھ کر بہادری دکھا رہے ہو۔" میں دارا کی طرف دیکھ کر غرایا "تم تو بیجزوں سے بھی گئے گزرے ہو۔ میں تمہیں ایک بہادر دشمن سمجھتا تھا مگر تم تو بہت بزدل نکلے۔ میرے ہاتھ کھول دو تو میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں کتنی مردانگی ہے۔"

"تمہیں ایسا موقع ضرور دیا جائے گا لیکن اس وقت میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔" دارا نے بے غیرتی سے مسکراتے ہوئے کہا "اور ہاں، یہ تو تم نے پوچھا ہی نہیں کہ ہم نے تمہاری اس پناہ گاہ کا پتا کیسے لگایا؟"

میں نے دارا سے ایسا کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ اب مجھے واقعی حیرت ہو رہی تھی کہ وہ یہاں کیسے پہنچ گیا۔ مجھے خاموش پا کر وہ خود ہی کہنے لگا۔

"تمہارا ٹھکانا معلوم کرنے کے لیے ہم نے پری کو اغوا کیا تھا لیکن وہ بڑا ہی سخت جان نکلا۔ میرے آدمیوں نے اس کے آدھے جسم کی کھال اتار لی۔ ہڈیاں تک توڑ ڈالیں لیکن اس نے زبان نہیں کھولی اور پھر یہ تو محض اتفاق تھا کہ اس کے جسم نازیم میں میرے آدمی کی موجودگی میں پری کے ایک خاص شاگرد کی زبان سے نکل گیا کہ تم کہاں چھپے ہوئے ہو لیکن کل رات جب ہم نے اس کا کیچ پر ریڈ کیا تو وہاں کچھ نہیں تھا۔ تم میری توقع سے زیادہ چالاک نکلے اور ہمارے حملے سے پہلے ہی وہ کائیچ چھوڑ گئے۔ مجھے زیادہ افسوس اس بات کا ہوا کہ کل رات ہی ہمارا ایک آدمی بھی تمہارے ہاتھ لگ گیا اور آج صبح اس کی لاش بھی مل گئی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "دراصل مجھے اپنے اس آدمی کا بھی کوئی افسوس نہیں تھا۔ دکھ تو اس بات کا تھا کہ تم اس آدمی کے ہاتھ آتے آتے رہ گئے لیکن میں مایوس نہیں تھا۔ آج صبح میرے ہاتھ آتے آتے رہ گئے لیکن میں مایوس نہیں تھا۔ آج صبح میں پولیس کی وردی پہن کر اس طرف نکل گیا اور گزشتہ رات کی فائرنگ اور کائیچ کی آتش زدگی کے بارے میں تفتیش کے بہانے دوسرے کائیچز میں رہنے والوں سے پوچھ گچھ کرنے لگا۔ ایک کائیچ میں رہائش پذیر ایک بوڑھے یورپی آدمی سے پتا چلا کہ لیزا نامی ایک مساج گرل بھی یہاں آتی رہی ہے۔ وہ دو تین مرتبہ اس کے پارلر میں مساج کروا چکا ہے۔ یہ بوڑھے مرد بھی عجیب ہوتے ہیں۔ قبر میں پیر لٹکائے بیٹھے ہوں تب بھی حسین عورتوں کو دیکھ کر ان کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔ لیزا تم لوگوں کے کائیچ میں آئی تو بوڑھے یورپین نے اسے پہچان لیا تھا۔

"میں نے لیزا کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ وہ بان پونگ گئی ہوئی ہے۔ میں نے ایک آدمی اس کے پارلر کی نگرانی پر مقرر کردیا۔ لیزا دوپہر کے بعد بان پونگ سے واپس آگئی اور جب وہ دوبارہ اپنے پارلر سے نکلی تو میرے آدمی نے اس کا تعاقب شروع کردیا۔ وہ اس قدر ہوشیاری سے پیچھا کر رہا تھا کہ لیزا کو شبہ تک نہیں ہوسکا۔

"لیزا اسی کائیچ میں آئی تھی۔ میرا آدمی اپنی گاڑی آگے لے گیا اور ایک جگہ رک کر اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا اور جب لیزا واپس گئی تو اس کے ساتھ جانکی بھی تھی۔ اپنے آدمی کی رپورٹ سے میں سمجھ گیا کہ تم لوگ یہاں ہو اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا، تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ ادھر شہر میں پری کا جنازہ اٹھ رہا ہوگا۔ ادھر تمہاری چہیتی تھائی کی عزت کا جنازہ اٹھ گیا۔ اب جانکی کی باری آئے گی۔ اس کا حشر بھی تمہاری آنکھوں کے سامنے ہی ہوگا۔ بہت بھیش کرلیے تم نے ان دونوں حسیناؤں کے ساتھ۔ اب دوسروں کو بھی تو کچھ موقع ملنا چاہیے۔" دارا خاموش ہو کر بے غیرتی سے مسکرانے لگا۔

"کاش! میرے ہاتھ کھلے ہوتے۔" میں نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا "اس خنجر سے میں تمہاری گندی زبان کاٹ کر پھینک دیتا۔"

"تمہیں بہادری دکھانے کا موقع ضرور دوں گا مگر وقت آنے پر۔" دارا نے جواب دیا "اس وقت دیکھا جائے گا کہ کون کس کی زبان کاٹتا ہے۔"

"باس! تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔" کم نے دارا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس کے ساتھیوں میں سے کوئی واپس آگیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ ماسٹر ہوچن بھی کنچن بوری پہنچ چکا ہے۔ ہوسکتا ہے، وہ اپنے کچھ آدمی اس کی حفاظت کے لیے یہاں بھیج دے۔"

"ہوچن، پری کو گڑھے میں اتارنے کے بعد ہی کسی اور طرف توجہ دے گا۔ ویسے میں تمہاری اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ وہ اپنے کچھ آدمی یہاں بھیج سکتا ہے لہٰذا مزید وقت ضائع کرنے کے بجائے ہمیں یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے۔" دارا نے کہا پھر میری طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "اسے کرسی سے کھول دو مگر ہاتھ پشت پر بندھے رہنے دو۔"

دارا کے دونوں گرگے محتاط انداز میں وہ رسی کھولنے لگے جس سے مجھے کرسی کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ میرے ہاتھ الگ سے پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ کرسی والی رسی کھول دینے کے بعد ان دونوں بدمعاشوں نے دونوں طرف سے میری بغلوں میں ہاتھ ڈال کر مجھے کرسی سے اٹھا دیا۔ دارا میرے سامنے کھڑا تھا۔ خنجر اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

میں نے پیروں پر کھڑے ہوتے ہی دارا کے خنجر والے ہاتھ پر زوردار ٹھوکر رسید کردی۔ میرا یہ وار دارا کے لیے قطعی غیر متوقع تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ میں ایسی کوئی حرکت کروں گا۔ خنجر اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا اور اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی کچھ سمجھ سکتا، میں نے اچھل کر دارا کو فرنٹ کک رسید کردی۔ دوسری کک قریب کھڑے ہوئے کم کے پہلو میں لگی تھی۔ وہ دونوں کراہتے ہوئے گرے تھے۔ میں ایک لمحہ توقف کیے بغیر ان دونوں غنڈوں کی طرف گھوم گیا۔ پہلی اسپن کک ایک کے جبڑے پر لگی اور وہ بلبلاتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ دوسری کک دوسرے غنڈے کے پیٹ پر لگی۔ وہ چیختا ہوا دوہرا ہو گیا۔

یہ سب کچھ اس قدر تیزی سے ہوا تھا کہ چند لمحوں کے لیے تو ان میں سے کوئی بھی کچھ نہ سمجھ سکا۔ اگر میرے ہاتھ بھی کھلے ہوتے تو ان میں سے ایک آدھ میرے ہاتھوں ضرور مارا جاتا۔

تھائی کے ساتھ میرے سامنے جو کچھ ہوا تھا اس سے میرا دماغ گھوم گیا تھا۔ اس وقت تو میں اپنی جگہ سے حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں تھا لیکن اب مجھے موقع مل گیا تھا کہ انہیں تھوڑی بہت سزا دے سکوں۔ میں غصے میں پاگل ہوا جا رہا تھا۔ انہیں سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ان پر لاتیں برساتا رہا لیکن کم پر آخری کک لگانے کی کوشش کرتے ہوئے میرا پیر کرسی کے قریب پڑی ہوئی رسی میں الجھ

گیا۔ میں لڑکھڑایا اور اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا۔ ممکن ہے' میں اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جاتا لیکن دارا کسی ارنے بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا میری طرف لپکا۔ میں نے اس سے بچنے کی کوشش کی مگر اس کے سر کی ٹکر میرے پیٹ پر لگی۔ میں پشت کے بل کافی ٹیبل پر گرا اور الٹی قلابازی کھاتا ہوا پیچھے الٹ گیا اور پھر مجھے سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔ دارا کے پیر کی ٹھوکر میرے سر پر لگی اور میرا دماغ جھنجھنا اٹھا اور پھر وہ چاروں خونی بھیڑیوں کی طرح مجھ پر پل پڑے۔ ان کی لاتیں اور گھونسے میرے جسم کے ہر حصے کی خبر لے رہے تھے۔ میرے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور میں اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میرے ہونٹوں اور ناک سے خون کی دھاریں بہہ نکلیں۔

"مارو اس حرام زادے کو۔" دارا کی چیختی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی "اتنا مارو کہ یہ آئندہ کسی پر ہاتھ اٹھانا بھول جائے۔"

مجھے دارا کی طرف دیکھنے کا موقع مل گیا۔ اس کے ہونٹوں سے بھی خون بہہ رہا تھا اور وہ شکاری کتے کی طرح ہانپ رہا تھا اور پھر دارا کی پشت پر تھائی کو دیکھ کر میں چونک گیا۔ تھائی کے جسم پر لباس برائے نام ہی تھا۔ وہ صوفے کے پیچھے سے نکل آئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں لٹھ نما ڈنڈا تھا اور وہ دارا پر حملہ آور ہونے کے لیے پر تول رہی تھی۔

وہ شاید دارا کی چھٹی حس تھی جس نے اسے خطرے سے آگاہ کر دیا۔ وہ بڑی تیزی سے گھوم گیا۔ تھائی دونوں ہاتھوں میں پکڑے ہوئے لٹھ کو دارا کے سر پر وار کرنے کے لیے حرکت میں لا چکی تھی۔ دارا نے بائیں ہاتھ سے لٹھ کو گرفت میں لے لیا اور دائیں ہاتھ کا گھونسا تھائی کی کنپٹی پر رسید کر دیا۔ تھائی کے منہ سے خوف ناک چیخ نکلی اور وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح لہراتی ہوئی ڈھیر ہو گئی۔

"بس کرو۔" دارا اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا "اسے باہر گاڑی تک لے چلو اور اگر بھاگنے کی کوشش کرے تو بے دریغ گولیاں برسا دینا اس پر۔"

ان دونوں غنڈوں نے مجھے پکڑ کر اٹھایا اور مجھے دھکے دیتے ہوئے کاٹیج کے برآمدے والے دروازے کی طرف لے چلے۔ ان میں سے ایک نے وہ رائفل بھی اٹھالی تھی جو دراصل انہی کے ایک ساتھی کی تھی جسے پاکھم گزشتہ رات پکڑ کر لایا تھا اور پر ساد نے اسے پانی میں غوطے دے دے کر ہلاک کر دیا تھا۔

"اور اس کا کیا کرنا ہے باس؟" کم نے قالین پر بے ہوش پڑی ہوئی تھائی کی طرف اشارہ کیا۔ کم خود بھی ہانپ رہا تھا۔

"اسے یہیں پڑے رہنے دو۔" دارا نے جواب دیا "ہوچن جلد یا بدیر یہاں پہنچ جائے گا۔ تھائی کو دیکھ کر اسے ہمارا پیغام مل جائے گا۔"

"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو جائے گی باس؟" کم نے کہا۔

"یہ جو کچھ بھی ہوا ہے اسے تم پکنک سمجھ رہے ہو کیا؟" دارا نے اسے گھورا "اب نکلو یہاں سے۔ وقت ضائع مت کرو۔"

کاٹیج سے باہر آکر وہ مجھے دھکے دیتے ہوئے بیرونی گیٹ کی طرف لے چلے۔ درختوں کی وجہ سے تاریکی کچھ زیادہ تھی۔ ایک آدمی نے رائفل کی نال میری پشت سے لگا رکھی تھی تاکہ اگر میں بھاگنے کی کوشش کروں تو مجھے گولیوں سے بھون دیا جائے۔ ویسے بھاگنے کا خیال اب تک میرے دل میں نہیں آیا تھا۔ اگر میں بھاگنے کی کوشش کرتا تو ممکن ہے' تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جاتا لیکن اس کا نتیجہ تھائی کے حق میں خطرناک ہو سکتا تھا۔ یہ لوگ تھائی کو زندہ چھوڑ آئے تھے۔ میرے فرار کے بعد یہ لوگ واپس جا کر تھائی کو اذیتیں دے دے کر ختم کر دیتے۔ میں تھائی کو ان کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ تھائی کے زندہ رہنے کی صورت میں ایک امید بھی تھی اور میں سمجھتا تھا کہ دارا نے تھائی کو ساتھ نہ لا کر یا اسے زندہ چھوڑ کر زندگی کی سب سے بڑی حماقت کی تھی۔ کوئی عورت اس طرح رسوا ہونے کے بعد اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ اس سے پہلے جو کچھ بھی ہوتا رہا تھا' اسے تھائی میری وجہ سے جیسے تیسے برداشت کرتی رہی تھی لیکن اس واقعے کے بعد تو وہ بپھری ہوئی شیرنی بن جائے گی۔

ماسٹر ہوچن کنچن پوری پہنچ چکا تھا اور مجھے یقین تھا کہ پری کی آخری رسومات سے فارغ ہوتے ہی وہ گھنٹے' ڈیڑھ گھنٹے تک یا شاید اس سے پہلے ہی ہمارے کاٹیج پہنچ جائے گا یا ٹیلی فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس وقت تک تھائی ہوش میں آچکی ہو گی۔ وہ ماسٹر ہوچن کو سب کچھ بتا دے گی۔ تھائی نے بھی دارا کی باتیں سنی تھیں۔ اس نے جانگی اور لیزا کے بارے میں بھی ایسے ہی گندے خیالات کا اظہار کیا تھا اور میں یہ بھی سمجھتا تھا کہ تھائی ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے جانگی اور لیزا ہی کو خبردار کرے گی۔

میں یہی سب کچھ سوچتا ہوا ان کے آگے آگے چلتا رہا۔ راستے میں بچھی ہوئی بجری پیروں کے نیچے دب کر چرچراہٹ کی سی آواز پیدا کر رہی تھی۔ میں اب تک اگرچہ بڑی شرافت سے ان کے آگے آگے چلتا رہا تھا مگر دارا کے وہ دونوں گرگے مجھے بار بار دھکے دے رہے تھے۔ کبھی کوئی میرے کولہوں پر ٹھوکریں رسید کر دیتا۔ اس طرح میں کئی مرتبہ گرتے گرتے بچا تھا۔ پکڑے جانے سے پہلے میں نے ان دونوں کی ٹھیک ٹھاک دھنائی کی تھی اور اب وہ اس کا بدلہ لے رہے تھے۔

کاٹیج کی حدود سے نکل کر ہم اس راستے پر آگئے جو ایک طرف تو سڑک تک چلا گیا تھا اور دوسری طرف آگے پہاڑیوں کی طرف نکل جاتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے سڑک کی طرف لے جائیں گے مگر دارا نے مجھے مخالف سمت میں مڑنے کا حکم دیا۔ یہ راستہ بتدریج بلندی کی طرف چلا گیا تھا اور تقریباً پچاس گز آگے سڑک سے ہٹ کر درختوں کے نیچے تاریکی میں ایک کار کھڑی تھی۔

اب یہ بات بھی میری سمجھ میں آگئی کہ ہمیں ان کی آمد کا پتا کیوں نہیں چل سکا تھا۔ وہ کار کو دور چھوڑ کر محتاط انداز میں پیدل چلتے ہوئے کاٹیج تک پہنچے تھے۔

جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ سڑک کی طرف سے آنے والے اس پختہ راستے کے دونوں طرف کاٹیجز تھے اور ہر کاٹیج کی طرف جانے والے راستے پر پرائیویٹ کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف گنجان درخت بھی تھے۔ بعض جگہ پر تو دو طرف کے درختوں کی شاخیں اوپر سے آپس میں ملی ہوئی تھیں۔ کاٹیجز کا یہ سلسلہ آگے بھی جاری تھا۔

ابھی تو شاید ساڑھے سات ہی بجے تھے۔ کسی بھی وقت کوئی گاڑی اس طرف آسکتی تھی اس لیے کاٹیج والے راستے سے نکل کر اس کشادہ اور پختہ راستے پر آتے ہی ان کی رفتار تیز ہو گئی تھی اور مجھے بھی دھکے دے دے کر تیز چلنے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔

درختوں کے نیچے کھڑی ہوئی گاڑی کے قریب پہنچ کر کم نے ڈرائیونگ سائڈ کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر دوسرے دروازوں کے لاک ناب بھی ہٹا دیے۔ مجھے دھکا دے کر پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ وہ دونوں غنڈے میرے دائیں بائیں اس طرح بیٹھ گئے کہ میں ان کے بیچ میں دب کر رہ گیا۔ ہاتھ پشت پر بندھے ہونے کی وجہ سے مجھے بیٹھنے میں بھی تکلیف ہو رہی تھی اور میں اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ کوئی گڑبڑ کر سکوں مگر میرے بائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص نے رائفل کی نال میرے پہلو سے لگا رکھی تھی۔ دارا آگے پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔

کار حرکت میں آکر پختہ راستے پر آگئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ کار کو گھما کر سڑک کی طرف لے جائیں گے اور وہاں سے کسی راستے کا تعین کریں گے لیکن میرے اندازے کے برعکس کار مخالف سمت میں چل پڑی تھی۔

آگے بھی اس پختہ راستے کے دونوں طرف کاٹیجز کے پرائیویٹ راستے تھے اور یہ سڑک بدستور بلندی کی طرف جا رہی تھی۔ تقریباً نصف میل آگے کاٹیجز کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب پختہ سڑک بھی ختم ہو گئی تھی۔ آگے پتھریلا راستہ تھا جو اب نشیب کی طرف چلا گیا تھا۔

پہاڑیوں میں بل کھاتا ہوا یہ اونچا نیچا راستہ خاصا دشوار تھا۔ کہیں تو یہ اس قدر خطرناک ہو گیا تھا کہ معمولی سی غفلت بھی موت کے منہ میں دھکیل سکتی تھی۔ پہاڑیوں میں اس طرح کے اور بھی کئی راستے تھے جو دن کے وقت سیاح ٹریکنگ کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ان راستوں پر تو بعض اوقات دن کے وقت بھی چلنا مشکل ہوتا تھا چہ جائیکہ رات کو گاڑی چلائی جائے لیکن کم جس

تحریر اور شخصیت

ان کے لئے ایک نادر کتاب جو اپنی شخصیت کو اُبھارنے، سنوارنے اور نکھارنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

قیمت 25 روپے
ڈاک خرچ 23 روپے

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ

خط و کتابت کا پتہ

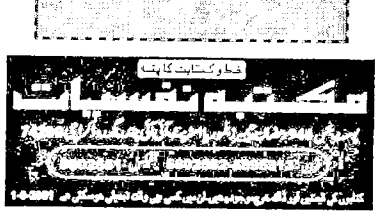

kitabiat@hotmail.com
kitabiat1970@yahoo.com

انداز سے کار چلا رہا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ سارے راستے اس کے دیکھے بھالے ہوئے تھے اور وہ صرف انہی راستوں پر جا رہا تھا جن پر کار چل سکتی تھی۔

ان پہاڑیوں پر سبزے اور درختوں کی بہتات تھی۔ سامنے پڑنے والی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں یوں دکھائی دیتا تھا جیسے کار کسی سرنگ سے گزر رہی ہو۔ بعض جگہوں پر راستہ بہت ہی ناہموار تھا۔ کار اچھلتی تو میرے پہلو سے لگی ہوئی رائفل کی نال چبھنے لگتی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ اگر کسی زوردار جھٹکے سے ٹریگر دب گیا تو میرا کام تمام ہو جائے گا۔

تقریباً چالیس منٹ تک کار ان پہاڑیوں میں اچھلتی ہوئی چلتی رہی اور پھر ایک جگہ پر رک گئی۔ سامنے دو راستے پینتالیس ڈگری کا زاویہ بناتے ہوئے دو مختلف سمتوں میں جا رہے تھے اور کم شاید بھول گیا تھا کہ اسے کس طرف جانا ہے۔ دارا بھی اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا اور بالآخر آپس میں مشورہ کرنے کے بعد کم نے کار دائیں طرف والے راستے پر موڑ دی۔

آدھا گھنٹا مزید گزر گیا اور بالآخر کہیں کہیں روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔ یہ ان پہاڑیوں میں واقع کانجر کی روشنیاں تھیں۔ چند منٹ بعد کار ایک کانیج کے سامنے رک گئی۔ دوسرے کانیج وہاں سے خاصے فاصلے پر تھے۔

وہ لوگ مجھے کار سے اتار کر دھکے دیتے ہوئے اس کانیج کے اندر لے آئے اور ایک کرسی پر بٹھا کر مجھے رسی سے اس طرح جکڑ دیا گیا کہ میں معمولی سی حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ کون سی جگہ تھی۔ رات کے وقت پہاڑیوں میں اندازہ لگانا دشوار تھا۔ اگر مجھے چھوڑ بھی دیا جاتا تو میں اس راستے سے واپس اپنے کانیج تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

سامنے والی دیوار پر تھائی ہندسوں والی گھڑی آویزاں تھی جس کی سوئیاں دس بج کر پانچ منٹ کا وقت بتا رہی تھیں۔ وہ لوگ مجھے اس کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ کمرے کا دروازہ بھی بند کر دیا گیا تھا۔ کھڑکیاں پہلے سے بند تھیں۔ میں کبھی کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگتا اور کبھی گھڑی کو گھورنے لگتا۔ پونے گیارہ بج رہے تھے۔ لگتا تھا جیسے مجھے اس کمرے میں بند کر کے وہ لوگ کہیں اور چلے گئے ہیں یا مجھے بھول گئے ہیں لیکن پھر ان کی باتوں کی آواز سنائی دی۔

میں صورتِ حال پر غور کرنے لگا۔ ماسٹر ہوچن وغیرہ کو میرے اغوا کا پتا چل چکا ہوگا اور انہوں نے میری تلاش شروع کر دی ہوگی۔ میرے ذہن میں صرف ایک سوال تھا۔ کیا وہ لوگ مجھے تلاش کر لیں گے؟

بارہ بجے کے قریب دروازہ کھلا۔ کم اور دارا کے ساتھ چی فانگ بھی اندر داخل ہوا۔ ایک گن مین دروازے کے باہر رک گیا تھا اور دوسرا اندر آگیا تھا۔ دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔

دنیا کے تین سفاک ترین آدمی میرے سامنے تھے۔ ان تینوں نے میری آنکھوں کے سامنے میرے ماں باپ کو بڑی بے دردی سے قتل کیا تھا۔ اس کے بعد بھی درجنوں بے گناہ افراد ان کے ہاتھوں موت کا شکار ہوئے تھے اور اب میں ان کے رحم و کرم پر تھا۔ میں ان سے کسی ہمدردی یا رحم کی توقع نہیں تھی۔ اگر میں ان کے ہاتھوں مارا جاتا تو مجھے افسوس ہوتا کہ میں اپنے ماں باپ کے قتل کا بدلہ لیے بغیر ختم ہو جاتا لیکن پھر اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال اُبھرا۔

کچھ عرصے پہلے تک دارا مجھے ہر قیمت پر قتل کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں اس کے جرم کا واحد چشم دید گواہ تھا۔ مجھ پر بارہا قاتلانہ حملے ہوئے تھے۔ سنگاپور میں انسپکٹر جیانگ شو مجھے ان سے بچاتا رہا تھا لیکن جب سنگاپور کی زمین میرے لیے تنگ ہو گئی تو چاؤ پرتاب سنگھ مجھے ان سے بچانے کے لیے پہلے کوالالمپور اور پھر بنگاک لے آیا۔ وہ مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا اور اس کے لیے اس نے اپنی جان بھی دے دی تھی لیکن مرنے سے پہلے اس نے مجھے اس جگہ پہنچا دیا تھا جہاں وہ پہنچانا چاہتا تھا۔

میں مہاراج کی پناہ میں آگیا اور دارا نے بنگاک کے بدنام ترین بدمعاش ٹائیگر سے گٹھ جوڑ کر کے یہاں بھی میرے خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ ٹائیگر میرے ہاتھوں مارا گیا تو پیڈرو آگے آگیا۔ ان ہنگاموں میں پیڈرو کا بھائی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گیا اور پیڈرو میرا بدترین دشمن بن گیا۔ مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کا پیڈرو کو ایک موقع مل گیا تھا مگر اس وقت میں دارا ہی کی وجہ سے بچ گیا تھا۔ دارا کو کسی طرح میرے ڈیڈی کی اس ڈائری کے بارے میں معلوم ہو گیا جس میں کروڑوں روپے مالیت کے سونے کا راز پوشیدہ تھا اور دارا مجھے مارنے سے پہلے وہ ڈائری حاصل کرنا چاہتا تھا۔ پیڈرو بھی لالچ میں آگیا اور اس طرح مجھے بچ نکلنے کا موقع مل گیا۔

تمام واقعات فلم کی طرح میری نظروں کے سامنے گھوم رہے تھے۔ میں اب تک دارا کو بہت نقصان پہنچا چکا تھا۔ وہ ہیروئن کی اسمگلنگ کا سینڈیکیٹ بنانے کے لیے سنگاپور آیا تھا لیکن میں نے اسے نکلنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ اپنی جان بچانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ میں نے سنگاپور میں اس کا سینڈیکیٹ کا منصوبہ خاک میں ملا دیا تھا۔ میری وجہ سے اسے نہ صرف کروڑوں کا نقصان اٹھانا پڑا تھا بلکہ اس کا ایک کزن جمال بھی لمبی مدت کے لیے جیل چلا گیا تھا اور اب دارا بنگاک میں پہلے ٹائیگر اور اس کے مرنے کے بعد پیڈرو کے ذریعے ہیروئن کی اسمگلنگ کا نیا ریکٹ بنانے کے لیے گولڈن ٹرائی اینگل سے رابطے کی کوشش کر رہا تھا۔ میری وجہ سے اس کی ہر کوشش اب تک ناکام ہوتی رہی تھی۔

میں اس کے راستے کی رکاوٹ بنا ہوا تھا اور وہ مجھے ہر قیمت پر اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا لیکن اس دوران میں اسے کسی طرح

میرے ڈیڈی کی ڈائری کا پتا چل گیا اور وہ مجھے موت کے گھاٹ اتارنے سے پہلے اپنے نقصان کی تلافی کے لیے وہ ڈائری حاصل کرنا چاہتا تھا اور اب وہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھے گا جب تک مجھ سے ڈائری حاصل نہ کر لے اور اس مقصد کے لیے وہ لوگ مجھے جس طرح تشدد کا نشانہ بنائیں گے اس کا مجھے اندازہ تھا۔ وہ میرے بدترین دشمن تھے۔ دارا میرے ہاتھوں بہت نقصان اٹھا چکا تھا۔ چی فانگ تو میرے ہاتھوں اس بُری طرح پٹا تھا کہ اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی تھی اور وہ ابھی تک علاج کروا رہا تھا۔ ان سے مجھے کسی نرمی کی توقع نہیں تھی۔

وہ تینوں میرے سامنے کھڑے تھے اور میں باری باری ان کی شکلیں دیکھ رہا تھا۔ یہ کہنا بھی مبالغہ ہوگا کہ میرے دل میں کوئی خوف نہیں تھا۔ زندگی تو ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے۔ جسم کے کسی حصے میں لگنے والا معمولی سا زخم بھی بے چین کر دیتا ہے اور یہ تینوں تو میرے بدترین دشمن اور سفاک ترین انسان تھے۔ دارا جیسے شخص سے یہ بھی بعید نہیں تھا کہ وہ واقعی میری بوٹیاں کاٹ کر میری نظروں کے سامنے کتوں کو کھلا دے۔

چی فانگ میرے سامنے کھڑا تھا۔ سفاکی اور بے رحمی اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی اور میرا خیال تھا کہ اپنی پٹائی کا بدلہ لینے کے لیے مجھ پر پہل وہی کرے گا۔ میرا یہ اندازہ درست نکلا۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحے اس نے اچانک ہی میری پنڈلی پر ایک زور دار ٹھوکر رسید کر دی تھی۔ میں سسکاری بھر کر رہ گیا۔

"بالآخر پکڑے ہی گئے۔" چی فانگ کے حلق سے غراہٹ سی نکلی "اب دیکھنا یہ ہے کہ تمہیں بچانے کے لیے کون آتا ہے۔"

"میں تو تم لوگوں کو بہت بہادر سمجھتا تھا مگر تم لوگ تو بہت بزدل نکلے۔" میں نے باری باری ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میرے ہاتھ پیر باندھ کر مردانگی کے جوہر دکھا رہے ہو۔ میری یہ ہتھکڑیاں کھول دو پھر دیکھو تمہاری باتی پسلیاں بھی نہ توڑ دوں تو....."

"اگر کوئی اور ہوتا تو تمہاری باتوں سے اشتعال میں آکر تمہیں کھول بھی دیتا لیکن ہم یہ حماقت نہیں کر سکتے۔ ہم جانتے ہیں تم کتنے خطرناک ہو۔" چی فانگ نے کہا۔

"بزدل۔" میں نے یہ کہتے ہوئے اس کے منہ پر تھوک دیا۔

چی فانگ ایک دم آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے میرے چہرے پر تھپڑوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔ میرے ہونٹوں سے ایک بار پھر خون بہہ نکلا۔ مجھے یوں لگا جیسے میرا دایاں جبڑا اپنی جگہ سے ہل گیا ہو۔

"ہاتھ ذرا ہلکا رکھو چی فانگ۔" قریب کھڑے ہوئے دارا نے کہا "اس سے، پہلے اس کے باپ کی ڈائری کے بارے میں پوچھنا ہے۔ اس کے بعد تم اس کے ساتھ جو چاہو کر لینا۔"

چی فانگ مجھے ایک اور گھونسا رسید کرنے کے بعد پیچھے ہٹ گیا۔ دارا نے کم اور دوسرے آدمی کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں مجھے کھولنے لگے۔ میرا خیال تھا کہ وہ کوئی اور حربہ استعمال کرنے جا رہے تھے۔

مجھے کرسی سے اٹھا کر بیڈ پر لٹا دیا گیا۔ میرے ہاتھ کرسے کھول کر بیڈ کی پشت پر پائپ سے باندھ دیے گئے تھے اور پیر بھی ایک دوسرے سے فاصلے پر باندھ دیے گئے۔ میں نے اپنے آپ کو آنے والے اذیت ناک لمحوں کے لیے تیار کر لیا۔ دارا درخت سے توڑی ہوئی ایک شاخ لے کر میرے پیروں کی طرف کھڑا ہو گیا۔ یہ شاخ تقریباً ایک انچ موٹی اور بید کی طرح لچک دار تھی۔

"تم اب تک مجھے جو نقصان پہنچا چکے ہو اس کا اندازہ تمہیں بھی ہے۔ ہمارے جو بندے مارے گئے وہ اس کے علاوہ ہیں لیکن میں یہ سب کچھ بھولنے کو تیار ہوں بشرطیکہ تم اپنے باپ کی ڈائری میرے حوالے کر دو۔" دارا نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"وہ ڈائری تمہیں نہیں مل سکتی اس لیے کہ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا۔

"دیکھو وجدان۔" دارا بولا "وہ ڈائری تمہاری جان بچا سکتی ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ڈائری مل جانے کے بعد تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ میں پاکستان واپس چلا جاؤں گا اور تم یہاں مہاراج کے پاس رہ کر عیش کرتے رہنا۔ پیڈرو وغیرہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ وہ تم سے ڈرنے لگا ہے۔ اگر ہم تینوں اس کے ساتھ نہ ہوتے تو وہ مہاراج جیسے آدمی سے پنگا لینے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ ہمارے جانے کے بعد اس کا سارا جوش و خروش جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ تمہیں اپنا گرو تسلیم کر لے لیکن یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ تم وہ ڈائری میرے حوالے کر دو اور یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ تمہیں بچانے کے لیے یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ تھائی نے ماسٹر ہوچن کو بتا دیا ہوگا کہ ہم تمہیں اٹھا کر لے گئے ہیں لیکن وہ زندگی بھر ہمیں تلاش نہیں کر سکیں گے۔ میں تمہیں سوچنے کے لیے صرف ایک منٹ دے رہا ہوں۔ اس کے بعد بھی تمہارا جواب انکار میں ہوا تو میں تمہارا وہ حشر کروں گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"تمہیں ایک منٹ انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کر لو۔" میں نے جواب دیا۔

دارا چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر ہاتھ میں پکڑی ہوئی لکڑی میرے سیدھے پیر کے تلوے پر اس زور سے ماری کہ میں تڑپ اٹھا۔ دارا پر جنون سا طاری ہو رہا تھا۔ وہ میرے دونوں پیروں کے تلوؤں پر ضربیں لگا رہا تھا۔ میری قوتِ برداشت جواب دے گئی اور میں چیخنے لگا۔

اسی دوران میں باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ دارا کا ہاتھ رک گیا۔ وہ خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"اس چھڑی سے میں نہ صرف تمہارے پیروں کی بلکہ پورے جسم کی کھال ادھیڑ ڈالوں گا اور تم سے ڈائری حاصل کرکے ہی رہوں گا۔" اس کی آواز بھیڑیے کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔ وہ کم کی طرف گھوم گیا "کم! دیکھو شاید شانگ وغیرہ آگئے ہیں۔ اگر وہ ان لڑکیوں کو لے آئے ہیں تو ہمارا کام آسان ہوجائے گا۔"

کم سرہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کی واپسی تقریباً پانچ منٹ بعد ہوئی تھی اور اس کے پیچھے جانگی اور لیزا کو دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ ان دونوں کو موٹے شانگ اور ایک دوسرے آدمی نے پستولوں کی زد پر لے رکھا تھا۔ جانگی اور لیزا کے چہرے دھواں ہورہے تھے۔ دونوں کے بال بکھرے ہوئے تھے اور لیزا کے چہرے پر دو تین خراشیں بھی نظر آرہی تھیں جبکہ موٹے شانگ کی گردن اور چہرے پر بھی خراشیں نظر آرہی تھیں۔ جس کا مطلب تھا کہ جانگی وغیرہ آسانی سے ان کے قبضے میں نہیں آئی تھیں۔

جانگی اور لیزا کو دیکھ کر میری روح تک کانپ اٹھی تھی۔ میں فوراً ہی تھائی کے بارے میں سوچنے لگا۔ کیا وہ ہوش میں نہیں آئی تھی؟ کیا ماسٹر ہوچن وہاں نہیں پہنچا تھا؟ پرساد اور پاکھم نے بھی کانچ کی خبر نہیں لی تھی اور پھر اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال اُبھرا۔ تھائی زندہ تھی یا..... اس سے آگے سوچتے ہوئے میرا دل کانپنے لگا۔ تھائی کی کنپٹی پر لگنے والا دارا کا وہ گھونسا بہت زوردار تھا۔ جس سے وہ تیورا کر گری تھی۔ ہوسکتا ہے وہ گھونسا جان لیوا ثابت ہوا ہو۔

میرے دماغ میں اس وقت آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ تھائی نے کانچ میں دارا کی ساری باتیں سنی تھیں۔ دارا نے اس کے سامنے ہی جانگی اور لیزا کے بارے میں بڑے گندے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اگر تھائی زندہ تھی اور ماسٹر ہوچن یا پرساد وغیرہ میں سے کسی نے اس سے رابطہ کیا تھا تو اس نے جانگی وغیرہ کے بارے میں کیوں نہیں بتایا تھا؟

مجھے کسی سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ اس کے برعکس یہ خوفناک حقیقت میرے سامنے تھی کہ جانگی اور لیزا بھی ان کے قبضے میں آگئی تھیں اور ان کے بارے میں بھی دارا کے ارادے اچھے نہیں تھے۔ اب اس کی یہ بات بھی میری سمجھ میں آگئی تھی کہ اس کا کام کس طرح آسان ہوجائے گا۔

"ہاں تو مسٹر وجدان!" دارا میری طرف متوجہ ہوگیا "اپنی ایک چہیتی کا حشر تم اپنے کانچ میں دیکھ چکے ہو۔ اب ان کی باری ہے۔ اگر تم انہیں بچانا چاہتے ہو تو ڈائری کا پتا بتادو۔ تمہارا انکار ان دونوں کی اذیت ناک موت کا باعث بھی بن سکتا ہے۔"

اس کے چہرے کی خباثت دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر عمل کرنے میں ذرا بھی نہیں ہچکچائے گا۔ تھائی کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔

جانگی اور لیزا مجھے دیکھ کر بدحواس سی ہوگئی تھیں۔ انہیں صورت حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ لیزا ان لوگوں کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی لیکن جانگی تو ان کی بربریت سے اچھی طرح واقف تھی۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ دارا نے جو کچھ کہا تھا اس کا مطلب کیا ہے۔ اس نے تھائی کا حشر نہیں دیکھا تھا۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ تھائی کے ساتھ کیا ہوا ہے تو شاید اس موقع پر وہ اپنی زبان بند رکھنا ہی پسند کرتی۔

"وجدان! ہماری پروا مت کرو۔" وہ چیخی "تم اپنی زبان مت کھولنا۔ تمہارے لیے اگر میری جان بھی چلی جائے تو پروا نہیں۔"

"عاشقی ہو تو ایسی۔" دارا نے قہقہہ لگایا "بڑا شوق ہے اپنی جان دینے کا لیکن ہم تمہاری جان نہیں لیں گے۔ جان نکل گئی تو قصہ ختم۔ جسم بیکار ہوگیا۔ ہم تو تمہاری جان سے بھی زیادہ قیمتی چیز لینے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ تمہیں جب یہ پتا چلے گا کہ تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے تو تم اپنے کہے ہوئے الفاظ پر پچھتاؤ گی۔ تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوگا یہیں پر ہوگا۔ سب کے سامنے۔ اس کے سامنے۔" اس نے میری طرف اشارہ کیا "تمہیں اس کے لیے اپنی جان دینے کا زیادہ شوق ہے نا۔ چلو پہلے تمہاری باری ہی سہی۔ مسٹر شانگ!" وہ موٹے شانگ کی طرف مڑگیا "تم کئی بار اس کے حسن و شباب کا ذکر کرچکے ہو۔ آج موقع ہے۔ اپنی حسرت پوری کرلو۔"

اب جانگی کو بھی احساس ہوگیا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اس کی آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی۔ وہ شانگ کی طرف دیکھنے لگی جس نے کوٹ اتار کر ایک کرسی کی پشت پر ڈال دیا تھا اور باچھیں نکالے جانگی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جانگی خوف زدہ سے انداز میں پیچھے ہٹنے لگی مگر چی فانگ نے اسے پہلے سے دونوں بانہوں سے گرفت میں لے لیا۔

شانگ، جانگی کے سامنے رک گیا۔ اس نے جانگی کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر ایک زوردار جھٹکا دیا۔ جانگی کا بلاؤز پھٹ گیا اور پھر ٹھیک اسی لمحے چھناکے کی زوردار آواز سنائی دی۔ عقبی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا تھا۔ شیشے کے کچھ ٹکڑے میرے اوپر بھی گرے تھے۔ چھناکے کی آواز کے ساتھ ہی کھڑکی سے ایک غراتی ہوئی آواز بھی سنائی دی تھی۔

"تم سب لوگ میری رائفل کی زد پر ہو۔ اگر کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کی تو گولیوں سے بھون ڈالوں گا۔ سب لوگ اپنے ہاتھ اٹھالو۔"

کم کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے مظاہرہ کرتے ہوئے کھڑکی کی طرف فائر کردیا۔ ایک اور شیشہ ٹوٹا۔ اس کے ساتھ ہی کم اور دارا وغیرہ نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی تھی۔ ان کے گن مین نے بڑی ہوشیاری کا ثبوت دیتے ہوئے آٹومیٹک رائفل سے کھڑکی کی طرف ایک برسٹ مارا اور پھر رائفل کا رخ چھت کی طرف کرکے گولیاں برسا دیں۔ بلب ٹوٹ گیا اور کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔

وہ لوگ پاگلوں کی طرح دروازے کی طرف دوڑے تھے۔ اسی دوران میں لیزا کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ وہ ان کے راستے میں تھی اور ان میں سے کسی سے ٹکرا کر گری تھی۔

بھاگ دوڑ اب اس کمرے کے باہر تھی اور پھر فائرنگ کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔

باہر فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور کمرے کی تاریکی میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ اچانک چھناکے سے ایک اور شیشہ ٹوٹا۔ اس کے فوراً ہی بعد کوئی میرے اوپر گر گیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس کا انداز ایسا تھا جیسے مجھے اپنے جسم کی آڑ... میں لے کر بچانا چاہتا ہو۔ وہ جانگی یا لیزا میں سے کوئی تھی۔ ان کے سوا تیسرا کوئی ایسا نہیں تھا جو اس طرح اپنی جان خطرے میں ڈال کر مجھے بچانے کی کوشش کرتا۔

"اے۔ کون ہے۔ میرے اوپر سے ہٹو۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں ہوں لیزا۔" میرے کان میں سرگوشی سنائی دی "دارا اور اس کے ساتھی اس طرف فائرنگ کررہے ہیں۔ سامنے والی کھڑکی کے شیشے ٹوٹ چکے ہیں اور گولیاں دیوار پر لگ رہی ہیں۔"

مجھے حیرت ہوئی۔ لیزا سے میری ملاقات محض چند روزہ تھی۔ زیادہ بے تکلفی بھی نہیں تھی لیکن مجھے بچانے کے لیے اس نے اپنی زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔ میں جس بیڈ پر بندھا ہوا تھا وہ دروازے کے عین سامنے تھا اور دروازے سے آنے والی کوئی سیدھی گولی میرے اوپر اوندھی پڑی ہوئی لیزا کا خاتمہ بھی کرسکتی تھی۔

"جانگی۔ کہاں ہو تم؟" میں نے گردن گھما کر تاریکی میں گھورتے ہوئے کہا۔

"میں یہاں ہوں۔" جانگی کی آواز دائیں طرف سے سنائی دی پھر وہ میرے قریب آگئی۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ لیزا مجھے بچانے کے لیے میرے اوپر لیٹ گئی ہے "لیزا۔ اس پلنگ کو گھسیٹ کر سائڈ میں لے چلو۔" جانگی نے جلدی سے کہا۔

لیزا میرے اوپر سے اٹھ گئی اور پھر ان دونوں نے بیڈ کو گھسیٹ کر بائیں طرف والی دیوار کے قریب کردیا۔ اب ہم فائرنگ کی زد میں آنے سے محفوظ ہوگئے تھے۔

پندرہ بیس منٹ تک فائرنگ ہوتی رہی اور پھر ہتھ ریچ خاموشی چھاتی چلی گئی۔ چند منٹ گزر گئے۔ گمبھیر سناٹے میں جھینگروں کی آوازیں بڑا خوفناک تاثر دے رہی تھیں اور پھر جھینگروں کی ان آوازوں میں خشک پتوں کے چرمرانے کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ کوئی محتاط انداز میں چلنے کی کوشش کررہا تھا اور زمین پر بکھرے ہوئے خشک پتے پیروں کے نیچے آکر چرمرا رہے تھے۔

"باس!" یہ آواز سن کر میرے دماغ میں جمہا کا سا ہوا۔ پرساد کی آواز پہچاننے میں ہم میں سے کسی نے کوئی غلطی نہیں کی تھی "باس۔ کہاں ہو تم!"

"ہم یہاں ہیں پرساد۔ اس کمرے میں۔" جانگی چیخی ہوئی دروازے کی طرف لپکی۔

چند منٹ بعد ہی پرساد دروازے کے سامنے آگیا۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ کمرے کے باہر برآمدے کا بلب بھی فائرنگ کی زد میں آکر ٹوٹ چکا تھا۔ پرساد جانگی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا اور پھر اس نے ٹارچ جلائی۔

"تم ٹھیک تو ہو نا باس!" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ویسے میری ناک اور ہونٹوں سے بہنے والے خون نے اسے بہت کچھ بتا دیا تھا۔

ٹارچ کی روشنی میں پہلے بیڈ کی پشت پر پائپ سے بندھے ہوئے میرے ہاتھ کھولے گئے پھر پرساد میرے پیر کھولنے لگا اور آخر میں مجھے سہارا دے کر بیڈ پر بٹھا دیا۔

"تم ٹھیک ہو نا باس۔ زیادہ گڑبڑ تو نہیں؟" وہ بولا۔

"نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" میں نے جواب دیا لیکن جب میں نے بیڈ سے اترنے کے لیے پیر زمین پر رکھے تو میرے ہونٹوں سے کراہ سی نکل گئی۔

"کیا ہوا باس؟" پرساد نے پوچھا۔

"پیروں میں تکلیف ہے۔ اس کم بخت دارا نے....."

میرا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی پرساد نیچے بیٹھ چکا تھا۔ اس نے ٹارچ کی روشنی میں میرے پیروں کے تلوؤں کو دیکھا تو ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"دارا ایک مرتبہ میرے ہاتھ لگ جائے تو اس کے دونوں پیر کاٹ کر اپاہج بنا دوں گا۔" وہ دانت کچکچاتے ہوئے بولا۔ اس نے ٹارچ لیزا کے ہاتھ میں تھمادی اور مجھے گود میں اٹھالیا۔

دوسرے کمرے میں آکر اس نے مجھے ایک بیڈ پر بٹھا دیا اور ایک بار پھر میرے پیروں کا معائنہ کرنے لگا۔ ساتھ ہی وہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔ میں نے ٹانگیں موڑ کر پیروں کی طرف دیکھا۔ تلوؤں کی کھال نہیں پھٹی تھی البتہ سرخ دھاریاں بنی ہوئی تھیں۔ اگر شانگ وغیرہ جانگی اور لیزا کو لے کر نہ پہنچ جاتے تو میرے پیروں پر چھڑی سے ضربیں لگتی رہتیں اور پھر یقیناً کھال بھی پھٹ جاتی۔ اس وقت بھی شدید تکلیف ہورہی تھی جسے میں ضبط کیے ہوئے تھا۔

"ماسٹر کہاں ہے؟" میں نے پرساد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ لوگ ان کے تعاقب میں گئے ہیں۔" پرساد نے جواب دیا۔

پرساد کا ساتھی دروازے کے باہر برآمدے میں کھڑا تھا۔ چند منٹ بعد ہی اس نے اندر کی طرف جھانکتے ہوئے بتایا کہ کچھ لوگ

آرہے ہیں۔ پرساد رائفل اٹھا کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس نے دروازہ بھی بند کردیا تھا۔ کمرے میں بتی جل رہی تھی لیکن دروازہ بند ہوجانے سے برآمدے میں تاریکی ہوگئی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد باہر سے کچھ آوازیں سنائی دیں اور پھر پرساد نے دروازہ کھول دیا۔ ماسٹر ہوچن اور پاتھم اندر داخل ہوئے۔ ان کے ساتھ تین آدمی اور بھی تھے جو باہر ہی رک گئے تھے۔ ماسٹر ہوچن جانگی کا پھٹا ہوا بلاؤز اور لیزا کی حالت دیکھ کر سمجھ گیا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔

"مجھے افسوس ہے ہمیں آنے میں دیر ہوگئی جس سے تم دونوں کو یہ تکلیف اٹھانی پڑی۔" ماسٹر ہوچن نے کہا اور پھر میری طرف متوجہ ہوگیا "تمہاری حالت بتا رہی ہے کہ تمہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔"

"ابھی ابتدا ہوئی تھی۔" میں اپنے پیروں کی طرف اشارہ کرکے مسکرایا "آپ کو کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں اور جانگی اور لیزا کو بھی یہاں لایا گیا ہے؟"

"میں رات آٹھ بجے پرساد اور پاتھم کے ساتھ تم لوگوں سے ملنے کے لیے لیزا والے کاٹیج میں پہنچا تھا۔" ماسٹر ہوچن کہہ رہا تھا "وہاں کی صورتِ حال دیکھ کر یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں تھا کہ میرے آنے سے پہلے وہاں کیا ہوچکا تھا۔ تھائی بے ہوش پڑی تھی۔ وہاں دو تین جگہوں پر خون کے دھبے بھی نظر آئے تھے۔ تھائی کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے ہوئے میں تمہارے بارے میں سوچتا رہا۔ تھائی نے ہوش میں آنے کے بعد بھی بتایا وہ میرے لیے خاصا تشویش ناک تھا لیکن جانگی اور لیزا کے بارے میں دارا کے عزائم جان کر مجھے کسی قدر اطمینان ہوا کہ امید کی ایک موہوم سی کرن ابھی باقی ہے۔

"میں نے جانگی اور لیزا کو نہیں بتایا بلکہ لیزا کے مکان کی نگرانی شروع کرادی۔ میرا ایک آدمی لیزا کے بنگلے کے قریب چھپا بیٹھا تھا اور ہم دور ایک کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اندیشہ یہ بھی تھا کہ وہ لوگ آج رات لیزا کی کوٹھی کی طرف نہ آئیں۔ ایسی صورت میں تمہاری جان کو بھی خطرہ ہوسکتا تھا۔ وہ رات بھر تمہیں تشدد کا نشانہ بناتے اور یہ بھی ممکن تھا ختم ہی کردیتے لیکن ہمارے لیے انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہمارے پاس ان کا کوئی سراغ بھی نہیں تھا۔ یہی ایک موہوم سی امید تھی۔ میں دارا کی فطرت سے بھی کسی حد تک واقف ہوچکا ہوں۔ وہ نہایت گھٹیا ذہنیت کا مالک ہے۔ تمہارے سامنے اس نے تھائی کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اس کی ذہنی پستی کا ثبوت ہے۔ مجھے یقین تھا کہ وہ آج ہی رات جانگی اور لیزا کو بھی اٹھوانے کی کوشش کرے گا تاکہ ان کے ذریعے بھی تم پر دباؤ ڈال سکے۔

"تھائی نے بتایا تھا کہ وہ تم سے کوئی ڈائری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس بات سے بھی مجھے امید تھی کہ ڈائری کا پتا معلوم کرنے کے لیے وہ تمہیں اس قدر زیادہ تشدد کا نشانہ نہیں بنائے گا جس سے تمہاری جان خطرے میں پڑجائے۔

"ہمارا انتظار طول بھی کھینچ سکتا تھا لیکن مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ گیارہ بجے کے قریب ایک کار لیزا کے بنگلے کے سامنے رکی گلی اس وقت سنسان تھی۔ کار سے دو آدمی اترے۔ ایک آدمی دیوار پھاند کر اندر چلا گیا۔ اس نے گیٹ کھول دیا اور دوسرا آدمی بھی ذرا بھاری بھرکم تھا اس کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔ کچھ ہی دیر بعد اندر سے کسی عورت کے چیخنے کی آواز سنائی دی اور پھر خاموشی چھاگئی۔

"بنگلے کے قریب چھپا ہوا میرا آدمی فوراً ہی ہمارے پاس پہنچ گیا۔ چند منٹ بعد دارا کے آدمی لیزا اور جانگی کو لے کر بنگلے سے باہر نکلے اور انہیں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر اپنے درمیان بٹھالیا۔ اسٹیئرنگ کے سامنے ایک تیسرا آدمی بھی موجود تھا۔ ان کے بیٹھتے ہی کار حرکت میں آگئی۔

"ان کا تعاقب کرنے میں مجھے خاصی دشواری پیش آرہی تھی۔ اندیشہ تھا کہ انہیں تعاقب کا شبہ نہ ہوجائے۔ میں نے اپنی گاڑی کی تمام بتیاں بجھا رکھی تھیں۔ ان کی گاڑی کی ٹیل لائٹ کے سہارے تعاقب کررہا تھا۔ تاریکی میں ناہموار راستوں پر یہ کام خاصا دشوار تھا لیکن مجھے ناکامی نہیں ہوئی۔

"ان کی گاڑی ایک تنگ سے راستے پر مڑگئی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کس طرف جارہے ہیں۔ وہاں سے نصف میل آگے ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر چار پانچ کاٹیج ہیں اور ان سے آگے گاڑی کا کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ میں نے اپنی کار ایک چٹان کے پیچھے روک لی اور چٹان پر چڑھ کر ان کی گاڑی کو دیکھنے لگا۔ وہ گاڑی بالآخر ایک جگہ پر رک گئی۔ ہم نے چٹان سے اتر کر تیزی سے راستہ طے کرتے ہوئے اس کاٹیج کو گھیرلیا اور مجھے افسوس ہے، ہمیں کچھ دیر ہوگئی جس سے انہیں جانگی پر ہاتھ ڈالنے کا موقع مل گیا۔"

"نہیں۔ آپ لوگ عین وقت پر پہنچ گئے۔ اگر چند منٹ کی مزید تاخیر ہوتی تو صورتِ حال کچھ سنگین ہوسکتی تھی۔" میں نے کہا پھر تھائی کے بارے میں پوچھنے لگا۔

"وہ اب محفوظ جگہ پر ہے اور تمہارے بارے میں پریشان ہے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا "یہاں ٹیلی فون موجود ہے۔ میں اسے بتا دوں کہ اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

اس کمرے کے ایک کونے میں ٹیلی فون سیٹ رکھا ہوا تھا۔ ماسٹر ہوچن نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا۔ نمبر ملائے اور چند منٹ تک کسی سے بات کرنے کے بعد ریسیور رکھ دیا۔

"کیا تم چل سکتے ہو؟" ماسٹر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ماسٹر۔" میرے بجائے پرساد بول پڑا "میں اسے گود میں اٹھا کر گاڑی تک لے چلوں گا۔"

"تو اٹھاؤ اسے۔ اب ہمیں یہاں بیٹھ کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ وہ لوگ ہمارے اچانک حملے سے بدحواس ہوکر یہاں سے بھاگ تو گئے ہیں لیکن عین ممکن ہے وہ پلٹ کر دوبارہ ہم پر حملہ کردیں۔" ماسٹر ہوچن نے کہا۔

پرساد نے مجھے گود میں اٹھالیا۔ باہر تین گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ایک تو وہ جس پر ماسٹر ہوچن اور پرساد وغیرہ آئے تھے۔ دو گاڑیاں ان لوگوں کی تھیں جو ماسٹر ہوچن کے ساتھیوں کی تھیں۔ مجھے، جانگی اور لیزا کو ماسٹر دارا اور اس کے ساتھیوں کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ ایک گن مین آگے ماسٹر ہوچن کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ ایک گن مین آگے ماسٹر ہوچن کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ پرساد وغیرہ نے دارا والی اس گاڑی پر قبضہ کرلیا تھا جس پر وہ مجھے کاٹیج سے اغوا کرکے لائے تھے۔

"وہ سب لوگ اس طرف کی پہاڑیوں میں بھاگے تھے۔" ماسٹر ہوچن نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ممکن ہے وہ اس طرف سے گھوم کر ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کریں اس لیے کسی گاڑی کی کوئی بتی نہ جلائی جائے۔ اگلی چٹان کے قریب ہم بائیں طرف نکل جائیں گے۔"

گاڑیاں اسٹارٹ ہوکر آگے پیچھے حرکت میں آگئیں۔ ہماری گاڑی آگے تھی اور پرساد والی گاڑی تقریباً بیس گز پیچھے۔ گہری تاریکی میں دشوار اور ناہموار راستے پر بغیر روشنی کے گاڑی چلانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

ماسٹر ہوچن کا یہ اندیشہ بے بنیاد نکلا کہ واپسی پر ہم پر حملہ بھی ہوسکتا ہے۔ دارا اور اس کے ساتھی ماسٹر ہوچن کے حملے سے اس طرح بدحواس ہوکر بھاگے تھے کہ انہیں اپنا ہوش تک نہیں رہا ہوگا۔ حالانکہ اگر وہ چاہتے تو واپسی پر ہمیں گھیر سکتے تھے۔ وہ اگر تاریکی میں چٹانوں سے ہم پر فائرنگ کردیتے تو ہمیں اچھا خاصا نقصان پہنچ سکتا تھا لیکن ہم بغیر کسی روک ٹوک کے پہاڑیوں سے نکل کر شہری حدود میں داخل ہوگئے۔

اس وقت رات کے دو بج چکے تھے۔ سڑکوں پر سناٹا تھا۔ نائٹ کلب اور کیسینو وغیرہ بھی عام طور پر ایک بجے بند ہوجاتے تھے۔ دونوں گاڑیاں مختلف سڑکوں پر دوڑتی ہوئی رہائشی علاقے کی ایک کشادہ گلی میں داخل ہوکر ایک بنگلے کے سامنے رک گئیں۔ میرے دائیں طرف بیٹھی ہوئی لیزا اچھل پڑی۔ میرے لیے یہ انکشاف خاصا دلچسپ تھا کہ ماسٹر ہوچن ہمیں لیزا کے بنگلے پر لے آیا تھا۔

"یہ جگہ تم لوگوں کے لیے سب سے زیادہ محفوظ ہے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "وہ لوگ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ تم لوگ یہاں آگئے ہو۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر بولا "تم لوگ یہاں اتر جاؤ۔ پرساد میرے دو آدمیوں کے ساتھ یہاں رہے گا اور پاتھم میرے ساتھ جائے گا۔"

پچھلی گاڑی بھی رک چکی تھی۔ پرساد اتر کر نیچے آگیا۔ اس نے ماسٹر کی بات سنی اور لیزا کی طرف دیکھنے لگا۔ لیزا دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی تو پرساد نے جھک کر مجھے گود میں اٹھالیا۔ دوسری طرف سے جانگی بھی اتر چکی تھی۔

ماسٹر نے پاتھم کو بُلا کر کچھ ہدایات دیں اور گاڑی کو حرکت میں لے آیا۔ پاتھم نے دوسری گاڑی کا اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ اب وہ اس گاڑی میں اکیلا ہی تھا۔ دونوں گن مین اور پرساد تو وہیں رہ گئے تھے۔

مجھے ہال نما کمرے کے ایک صوفے پر لٹا دیا گیا۔ لیزا اور جانگی فوراً ہی ایک کمرے میں گھس گئیں۔ چند منٹ بعد وہ کپڑے بدل کر باہر آگئیں۔ لیزا کے اشارے پر پرساد نے مجھے صوفے سے اٹھا کر ایک بیڈ روم میں آرام دہ بستر پر لٹا دیا۔

بھاگ دوڑ اور جوش و خروش میں، میں اپنی تکلیف کو کسی حد تک بھولا رہا تھا لیکن اب بے چین ہونے لگا۔ لیزا دوسرے کمرے سے پلاسٹک کی چوڑے منہ والی ایک بوتل لے آئی تھی جس میں ہرے رنگ کی کریم بھری ہوئی تھی۔ وہ میرے پیروں کے تلوؤں پر اس کریم کی لپائی کرنے لگی۔ وہ راستے میں ماسٹر سے میرے پیروں ہی کے بارے میں باتیں کرتی رہی تھی۔ اس نے اس کریم کا نام بھی لیا تھا اور ماسٹر نے اسے یہی کہا تھا کہ وہ اس کریم کا لیپ کردے۔ صبح وہ ڈاکٹر کو لے آئے گا۔

یہ کریم جڑی بوٹیوں کا مرکب تھی۔ اس میں نجانے کیا تاثیر تھی کہ میرے پیروں کی شدید جلن بتدریج کم ہونے لگی اور میں پُرسکون ٹھنڈک سی محسوس کرنے لگا۔

"صبح ڈاکٹر آئے گا تو میں اس سے بات کروں گی۔" لیزا بوتل کا ڈھکنا بند کرتے ہوئے بولی "اگر دو چار دن یہ کریم لگائی جائے تو تمہیں اس سے آرام مل سکتا ہے پھر شاید ڈاکٹر کے علاج کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی۔"

وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ ماسٹر ہوچن کے گن مین باہر برآمدے ہی میں بیٹھ گئے تھے۔ پرساد کچھ دیر کے لیے باہر گیا۔ دونوں گن مینوں کے ساتھ گھوم پھر کر سیکیورٹی کے پوائنٹ آف ویو سے کوٹھی کا اندر باہر سے جائزہ لیا اور دوبارہ میرے کمرے میں آگیا۔

چند منٹ بعد لیزا ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ تب مجھے پتا چلا کہ وہ آدھے گھنٹے سے کہاں غائب تھی۔ ٹرے میں کافی کے چار مگ تھے۔ گن مینوں کو وہ کافی دے آئی تھی۔

"رات کے دو بج رہے تھے لیکن اس وقت کافی کی شدید طلب محسوس ہورہی تھی۔" لیزا نے کہتے ہوئے ایک ایک مگ جانگی اور پرساد کے ہاتھ میں تھمادیا۔ ایک خود اٹھالیا اور ٹرے میری گود میں رکھ دی۔ ہم سب اس وقت واقعی کافی جیسی کسی چیز کی بڑی شدت سے طلب محسوس کررہے تھے۔

کافی کی چسکیوں کے ساتھ باتوں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔

"ہم سات بجے کے قریب پرسی کی آخری رسومات سے فارغ

ہوئے تھے۔" پرساد بتا رہا تھا "تدفین کے بعد کچھ لڑکوں نے ہنگامہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر ماسٹر ہوچن نے انہیں سختی سے روک دیا۔ میں اور پاکھم لوگوں پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ کوئی ایسا مشتبہ آدمی نظر نہیں آیا تھا جسے دارا کا ساتھی سمجھا جاسکتا۔

"پرسی کے جمنازیم واپس پہنچ کر ماسٹر ہوچن کے کہنے پر میں نے کانیج فون کیا لیکن وہاں سے کوئی جواب نہیں ملا۔ بار بار فون کرنے پر بھی کال ریسیو نہیں ہوئی تو ہمیں پریشانی ہوئی۔ میرا خیال تھا کہ شاید خون خرابا ہوگیا ہوگا لیکن ماسٹر ہوچن مزید انتظار کرنے کو تیار نہیں تھا۔ پاکھم اور میں ماسٹر کے ساتھ کانیج کی طرف روانہ ہوگئے۔ وہاں پہنچ کر جو صورتِ حال سامنے آئی وہ بڑی خوفناک تھی۔ تھائی کو ہوش میں لانے کے بعد پتا چلا کہ تمہیں دارا اور کم وغیرہ اٹھا کر لے گئے ہیں اور پھر اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ ماسٹر ہوچن تمہیں بتا چکا ہے۔"

ماسٹر ہوچن نے واقعی بڑی دانش مندی کا مظاہرہ کیا تھا جو اس نے لیزا کے مکان کی نگرانی شروع کرادی تھی۔ اگر تھائی سے معلوم ہونے کے بعد لیزا اور جانکی کو وہاں سے ہٹا دیا جاتا تو صورتِ حال زیادہ خطرناک ہوسکتی تھی۔ لیزا اور جانکی کی نگرانی بہت سود مند ثابت ہوئی تھی۔ اس طرح ماسٹر ہوچن وغیرہ بروقت وہاں پہنچ گئے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ شاید میری آخری رات ہوتی یا کم از کم اتنا تو ضرور ہوتا کہ دارا مجھے مفلوج کرکے پھینک دیتا۔

ہم صبح چار بجے تک باتیں کرتے رہے۔ لیزا اپنے کمرے میں چلی گئی۔ پرساد بھی اٹھ کر گن مینوں کے پاس چلا گیا۔ جانکی میرے پاس بیٹھی رہی۔ وہ بار بار میری حالت پر افسوس کا اظہار کررہی تھی۔ لگتا تھا جیسے مجھ سے زیادہ اسے تکلیف ہورہی ہو۔ لیزا اور پرساد کے جانے کے بعد جانکی کو موقع مل گیا تھا۔ وہ بار بار میری پیشانی اور رخساروں پر بوسے دے رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ مجھے اپنے اندر سمیٹ لیتی۔

"اگر تمہیں کچھ ہوجاتا تو....." وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر مجھے غور سے دیکھنے لگی پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "میں تم سے وعدہ کرتی ہوں وجدان کہ دارا سے تمہارا بدلہ ضرور لوں گی۔ اس موذی کو کسی صورت میں بھی معاف نہیں کروں گی۔"

"وہ واقعی بہت موذی ہے۔" میں نے کہا۔

جانکی جواب دینے کے بجائے میری طرف دیکھتی رہی۔ تھوڑی ہی دیر بعد مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ میں بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ جانکی نے مجھے سیدھا لٹا دیا۔ کریم لگانے سے پیروں کی تکلیف حیرت انگیز حد تک کم ہوگئی تھی۔

صبح نو بجے کے قریب میں بیدار ہوا تو تھائی میرے بیڈ کے پاس کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ صبح چھ بجے ہی یہاں پہنچ گئی تھی۔ وہ خاموش بیٹھی میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"مجھے افسوس ہے تھائی۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کل جو کچھ بھی ہوا اس کے لیے میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

"بھول جاؤ اب اس بات کو۔" تھائی نے نظریں جھکاتے ہوئے جواب دیا "یہ زخم مجھے لگا ہے۔ اس کا انتقام بھی میں ہی لوں گی۔"

میں نے بات کو مزید آگے بڑھانا مناسب نہیں سمجھا۔ میں نے فوراً ہی محسوس کرلیا تھا کہ اس تذکرے پر وہ کچھ شرمسار سی ہورہی تھی اور بات کرتے ہوئے مجھ سے نظریں بھی چرا رہی تھی۔ لیزا کے آجانے کی وجہ سے بھی میں نے موضوع بدل دیا تھا۔

دس بجے کے قریب ماسٹر ہوچن ڈاکٹر کو لے کر آیا۔ اس وقت تک لیزا میرے پیروں پر وہ کریم لگا چکی تھی۔ ڈاکٹر یہیں کا رہنے والا تھا۔ وہ ان جڑی بوٹیوں کے بارے میں جانتا تھا جن سے یہ کریم تیار کی گئی تھی۔

"بہترین علاج یہی ہے۔" ڈاکٹر نے کہا "میرے علاج کی ضرورت نہیں۔ دن میں دو مرتبہ یہی کریم لگائی جائے تو زیادہ سے زیادہ تین دن میں پیر بالکل ٹھیک ہوجائیں گے۔"

ڈاکٹر کے جانے کے بعد ماسٹر ہوچن نے بتایا کہ دارا اور اس کے ساتھیوں کی تلاش شروع کردی گئی ہے۔ پرسی کے سیکڑوں شاگرد کنچن بوری کی نواحی پہاڑیوں میں پھیل گئے ہیں۔ وہ ان پہاڑیوں کے چپے چپے سے واقف ہیں۔ وہ لوگ دو تین دن میں دارا اور اس کے ساتھیوں کو کھوج نکالیں گے۔ کنچن بوری سے باہر جانے والے تمام راستوں کی نگرانی بھی شروع کردی گئی تھی۔ ان کے بچ نکلنے کے امکانات بہت کم تھے۔

اس میں شبہ نہیں کہ مہاراج کے آدمی میری وجہ سے پہلے بھی دارا کی تلاش میں رہے تھے لیکن اس وقت دارا سے زیادہ وہ ٹائیگر وغیرہ سے نمٹنے کے چکر میں تھے لیکن مجھے حیرت تھی کہ اب اتنی شدومد سے اس کی تلاش کیوں ہورہی ہے۔ ہمارے کنچن بوری آنے کے بعد فون پر بات کرتے ہوئے بھی ماسٹر ہوچن نے کہا تھا کہ مجھے یہاں بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ دارا کو اس کے بل سے باہر نکالنا چاہتا ہے۔ اس کا مطلب تھا کہ معاملہ کچھ زیادہ ہی گمبھیر تھا۔

دو تین دن گزر گئے۔ لیزا کے مرہم سے میرے پیر بڑی حد تک ٹھیک ہوگئے تھے۔ میں قالین پر آہستہ آہستہ چلنے بھی لگا تھا لیکن مجھے ایک دو روز مزید آرام کی ضرورت تھی۔ میں اس دوران میں حالات سے بھی بے خبر نہیں رہا تھا۔ باہر کی تمام خبریں مجھ تک پہنچ رہی تھیں۔ ماسٹر ہوچن نے جو مین ہنٹ شروع کیا تھا وہ ابھی جاری تھا۔ اخبارات بھی ان واقعات کے بارے میں مسلسل خبریں چھاپ رہے تھے۔ پرسی کے قتل اور شہر کے نواح میں واقع کانیجز میں فائرنگ، آتش زدگی اور قتل و غارت کے بارے میں خبریں نمایاں طور پر چھاپی جارہی تھیں۔ اخبارات میں میرا نام بھی آرہا تھا اور پیڈرو کا بھی۔ اخبارات اعلیٰ حکام کو کڑی تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے کہ اگر صورتِ حال پر قابو نہ پایا گیا تو بنکاک کی طرح اس پُرسکون شہر کا امن بھی تباہ ہوجائے گا۔ ہزاروں کی تعداد میں آئے ہوئے غیر ملکی سیاح واپس چلے جائیں گے اور اس چھوٹے سے شہر کی معیشت تباہ ہوجائے گی کیونکہ یہاں کے لوگوں کی آمدنی کا زیادہ انحصار سیاحوں کی آمد پر تھا اور یہ سیاحت کا سیزن تھا۔

ان ہنگاموں نے واقعی بہت بُرا اثر ڈالا تھا۔ پہاڑیوں میں کانیجز ایسی جگہوں پر تھے جہاں پولیس کی طرف سے حفاظت کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ ایسی کسی اطلاع پر پولیس پہنچ تو جاتی تھی لیکن بہت دیر میں۔ جن علاقوں میں ہمارے اور دارا کی پارٹی کے درمیان ہنگامے ہوئے تھے ان علاقوں میں بہت سے سیاح کانیج چھوڑ کر شہر میں ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز میں منتقل ہورہے تھے۔

تین دن اور گزر گئے۔ پہاڑیوں میں مین ہنٹ (انسانوں کا شکار) جاری تھا مگر دارا اور اس کے ساتھیوں کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ ماسٹر ہوچن کے آدمیوں نے شہر سے باہر جانے والے تمام راستوں کی ناکا بندی کررکھی تھی۔ انہیں یقین تھا کہ دارا اور اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی شہر چھوڑ کر نہیں گیا مگر اس رپورٹ پر اعتماد اس طرح بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ پہاڑیوں میں ایسے بے شمار راستے موجود تھے جہاں سے کسی کی نظروں میں آئے بغیر سفر کیا جاسکتا تھا اور ظاہر ہے ایسے تمام راستوں کی نگرانی نہیں کی جاسکتی تھی۔

اس رات ایک دلچسپ اطلاع ملی۔ پرسی کے تین لڑکوں نے سوپھن بوری کی طرف جانے والے راستے پر ایک مشتبہ آدمی کو پکڑا تھا۔ اس آدمی کا جو حلیہ بتایا گیا وہ شانگ سے ملتا جلتا تھا۔ یہ اطلاع مجھے ماسٹر ہوچن نے ٹیلی فون پر دی تھی اور وہ اسی طرف جانے والا تھا۔ میں نے ساتھ جانے کی ضد کی تو وہ بولا۔

"تمہارے پیر ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئے۔ تم ان پہاڑی راستوں پر چل نہیں سکو گے۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں ماسٹر۔ مجھے چلنے پھرنے میں کوئی دقت نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم فانگ کے ساتھ آجاؤ۔ میں پرسی کے جمنازیم میں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا۔

میں نے فون بند کردیا اور روانگی کی تیاری کرنے لگا۔ کپڑے بدلنے کے لیے میں نے کمرے کا دروازہ بند کررکھا تھا۔ ہلکی سی دستک سن کر دروازہ ذرا سا کھولا اور جھانک کر باہر دیکھا۔ تھائی دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔

"ایک منٹ تھائی۔" میں نے کہتے ہوئے دروازہ بند کردیا۔ کپڑے بدل کر دروازہ کھولا تو تھائی اندر گھس آئی۔

"لیزا نے بتایا ہے کہ تم فون پر ماسٹر ہوچن سے بات کررہے تھے اور کہیں جانے والے ہو؟" اس نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"ہاں تھائی۔" میں نے جواب دیا "ماسٹر کے آدمیوں نے سوپھن بوری کی طرف جانے والے کسی راستے پر ایک آدمی کو روک رکھا ہے۔ اس کا جو حلیہ بتایا گیا ہے اس سے لگتا ہے کہ وہ شانگ کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ ماسٹر ہوچن یا اس کے آدمی تو اسے نہیں پہچانتے۔ اس کی شناخت کے لیے میری ضرورت ہوگی اس لیے میں ان کے ساتھ جارہا ہوں۔"

"پرساد کو بھیج دو۔ وہ اسے پہچانتا ہے۔" تھائی نے کہا۔

"نہیں تھائی۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا "اس رات تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد تم میرے جذبات کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔ اس رات اگرچہ شانگ ان کے ساتھ نہیں تھا لیکن ان خوں خوار بھیڑیوں کے گروہ میں وہ بھی تو شامل ہے۔ ان لوگوں کو میں اپنے ہاتھوں سے سزا دوں گا۔ ایک ایک کی گردن مروڑوں گا۔ مجھے اس وقت مت روکو تھائی۔"

تھائی خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی پھر گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

میں نے جوگرز پہن لیے اور تھائی کے ساتھ ہی کمرے سے باہر آگیا۔ جوگرز کی وجہ سے میں اپنے بائیں پیر میں ہلکا سا کھنچاؤ محسوس کررہا تھا مگر یہ کوئی ایسی تکلیف نہیں تھی جسے نظرانداز نہ کیا جاسکتا۔

میں نے فانگ نامی گن مین کو ساتھ لیا اور ہم جانکی کی گاڑی میں روانہ ہوگئے۔ روانگی سے پہلے میں نے پرساد کو سب کچھ سمجھا دیا تھا۔

اس وقت رات کے دس بجے تھے۔ پرسی کے جمنازیم میں بیس پچیس لڑکے جمع تھے۔ گیٹ کے سامنے ایک بغیر پیڈ کی جیپ بھی تیار کھڑی تھی۔ ماسٹر ہوچن نے فانگ کو ایک اور لڑکے کے ساتھ لیزا کی کوٹھی پر بھیج دیا اور مجھے اشارہ کرتا ہوا جیپ پر سوار ہوگیا۔ ماسٹر ہوچن خود ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ جیپ کی پچھلی سیٹیں آمنے سامنے تھیں۔ دو لڑکے ایک سیٹ پر بیٹھ گئے اور میں ایک اور لڑکے کے ساتھ سامنے والی سیٹ پر۔ اس کے فوراً ہی بعد جیپ حرکت میں آگئی۔

شہر کی بارونق سڑکوں سے ہوتے ہوئے جیپ ایمفوسائی ساوٹ کی طرف جانے والے راستے پر مڑگئی۔ یہ علاقہ کنچن بوری کی چند بہترین تفریح گاہوں میں شمار ہوتا تھا۔ یہاں تین نیشنل پارکس تھے اور کئی چھوٹے بڑے آبشار بھی تھے۔ اسی علاقے میں تھام لوٹ کے تاریخی غار بھی تھے۔ یہ لاتعداد چھوٹے بڑے غار تھے جو پہاڑیوں میں وسیع رقبے پر پھیلے ہوئے تھے..... دن کے وقت تو اس علاقے میں سیاحوں کی آمدورفت رہتی تھی لیکن اس وقت سناٹا تھا۔ تاریکی میں دور کہیں کوئی روشنی نظر آجاتی۔ سائی نیشنل پارک کے قریب سے ایک پختہ سڑک دائیں طرف کو مڑگئی تھی جو آگے جاکر سوپھن بوری کی طرف جانے والی ہائی وے سے مل جاتی تھی۔

اس ہائی وے پر چند میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد جیپ ایک پتھریلے راستے پر مڑگئی۔ اس کے ساتھ ہی میرے سامنے والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دونوں لڑکے اٹھ گئے۔ انہوں نے سیٹ اٹھا کر نیچے بنے ہوئے لمبے سے بکس میں سے آٹومیٹک رائفلیں نکال کر آپس میں بانٹ لیں اور دوبارہ سیٹ درست کرکے بیٹھ گئے۔ ایک رائفل میرے حصے میں بھی آئی تھی۔

سامنے ایک جگہ روشنی نظر آرہی تھی۔ قریب پہنچنے پر انکشاف ہوا کہ وہ کسی کاشت کار کا ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ فضا میں مہک سی رچی ہوئی تھی جو اطراف میں دھان کی فصل کی موجودگی کی اطلاع دے رہی تھی۔ جیپ اس مکان کے سامنے رک گئی۔

ماسٹر ہوچن کے ساتھ ہی سب لڑکے چھلانگیں لگا کر جیپ سے اُتر گئے۔ جیپ کی آواز سن کر دو لڑکے مکان سے بھی باہر آگئے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ ماسٹر نے باقی لڑکوں کو باہر ہی کھڑے رہنے کا اشارہ کیا۔ میں اور ماسٹر مکان کے اندر داخل ہوگئے۔

ایک کمرے میں کرسیوں پر دو آدمی بندھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک تو شانگ ہی تھا اور دوسرے کو دیکھ کر میری رگوں میں خون کی گردش تیز ہوگئی۔ کنپٹیاں سلگنے لگیں۔ یہ دارا کا وہی گرگا تھا جس نے کانیج میں تھائی پر مجرمانہ حملہ کیا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کا چہرہ دُھواں ہوگیا۔

"تم نے تو ایک آدمی کے بارے میں اطلاع دی تھی۔ یہ دوسرا کون ہے؟" ماسٹر ہوچن نے اپنے آدمی کی طرف دیکھا۔

"یہ دراصل تین آدمی تھے۔" لڑکے نے بتایا "یہ موٹا تو اسی وقت ہمارے قابو آگیا تھا جبکہ باقی دو بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ بعد میں یہ بھی پکڑا گیا۔ البتہ تیسرا نکل جانے میں کامیاب ہوگیا۔"

"اسے کھول کر میرے حوالے کردو۔" میں نے کرسی پر بندھے ہوئے دوسرے آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

"جانتے ہو اسے؟" ماسٹر ہوچن نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"اسی نے اس رات تھائی کے ساتھ دست درازی کی تھی اور میں نے قسم کھائی تھی کہ یہ جب بھی مجھے ملے گا میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے کہا۔

ماسٹر ہوچن نے اپنے آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے کرسی پر بندھے ہوئے غنڈے کی رسیاں کھول دیں۔ میں نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھادیا۔ وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"تم تو بہت بہادر آدمی ہو۔ بدن پر رعشہ کیوں طاری ہورہا ہے۔" میں نے اسے گھورا اور اسے کچھ سوچنے کا موقع دیے بغیر ہی اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کردیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔ میں نے اپنی رائفل ماسٹر ہوچن کو تھمادی اور اس غنڈے پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کردی۔ اس نے ایک مرتبہ بھی مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مجھے اس کی پٹائی میں بالکل مزہ نہیں آرہا تھا۔ بس میں اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

"میں تمہیں اتنا بزدل بھی نہیں سمجھتا تھا۔" میں نے ہاتھ روک کر کہا "اس رات اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں تم نے مجھ پر چند بڑے اچھے داؤ آزمائے تھے۔ اب میں تمہیں ایک موقع دے رہا ہوں۔ اگر تم مجھے دو ہاتھ بھی لگا دو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ ان میں سے کوئی بھی مداخلت نہیں کرے گا اور نہ ہی تمہیں کوئی روکے گا۔"

اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اُبھر آئی۔ اس نے ماسٹر اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر اچانک ہی مجھ پر حملہ کردیا۔ میں غافل نہیں تھا۔ میں نے اس کا دایاں کلائی پر روکا اور دائیں ہاتھ کی کھڑی ہتھیلی سے اس کے منہ پر وار کیا۔ ضرب اس کی ناک پر لگی۔ وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلا رہا تھا۔ اس کی ناک سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔ وہ لڑکھڑا گیا۔ میں نے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر بڑی تیزی سے گھوم کر سائڈ کک لگادی۔ وہ چیخ کر نیچے گرا۔

"اٹھو....." میں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے چیخا۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس نے ایک بار پھر حملہ کیا لیکن میں نے اس کی کلائی پکڑ کر پوری قوت سے مروڑ دی۔ وہ کراہتا ہوا گھوم گیا۔ اس کی پشت میری طرف تھی۔ بازو میری گرفت میں تھا۔ میں نے ایک ہاتھ سے بازو کو گرفت میں لیے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے کندھے کے جوڑ پر کھڑی ہتھیلی کا وار کردیا۔ اس وار سے میں چھ انچ موٹی ٹھوس کنکریٹ کی سلیب توڑ دیا کرتا تھا۔ وہ تو گوشت و پوست کا آدمی تھا۔ کڑک کی آواز کے ساتھ اس کے کندھے کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ ایک بار پھر بلبلا اٹھا۔ میں نے اس کے کولھے پر کک لگاتے ہوئے اس کا بازو چھوڑ دیا۔ وہ چیختا ہوا منہ کے بل گرا۔

ماسٹر ہوچن اور دوسرے لڑکے دلچسپ نظروں سے یہ کھیل دیکھ رہے تھے۔ میرا حریف چند لمحے زمین پر پڑا رہا پھر کراہتا ہوا اٹھ گیا۔ اس کا دایاں بازو پہلو میں جھول گیا تھا اور چہرے پر بے پناہ کرب کے آثار ابھر آئے تھے۔ اس نے ایک بار پھر حملہ کیا۔ اس مرتبہ شاید اس پر جنون طاری ہوگیا تھا۔ وہ لٹکے ہوئے بازو کی پروا کیے بغیر الٹے ہاتھ سے اور پاؤں کی ٹھوکروں سے حملے کررہا تھا لیکن ایک تو وہ مارشل آرٹسٹ نہیں تھا۔ اسٹریٹ فائٹر تھا اور اسٹریٹ فائٹنگ میں کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہوتا۔ دوسرے اس لڑائی میں دماغ کو ٹھنڈا رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے مگر اس پر جنون سا طاری ہوگیا تھا اور جنون میں ہوش و حواس کام نہیں کرتے۔

کرسی پر بندھا ہوا شانگ بھی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ خوف

سے اس کا چہرہ بھی پیلا ہورہا تھا۔ میں اپنے حریف کو پیٹتا ہوا مکان سے باہر لے آیا۔ میں نے اسے ایک اور ٹھوکر لگائی تو وہ ایک بار پھر منہ کے بل گرگیا۔

"وہ درخت دیکھ رہے ہو؟" میں نے تقریباً دس گز دور ایک درخت کی طرف اشارہ کیا "زندگی سب کو عزیز ہوتی ہے اور تم تو اس وقت زندگی کے لیے نجانے کیسی کیسی دعائیں مانگ رہے ہوگے۔ اگر تم دوڑتے ہوئے اس درخت تک پہنچ جاؤ تو تمہیں زندگی مل سکتی ہے۔ اب اٹھ کر جتنا تیز دوڑ سکتے ہو' دوڑ کر اس درخت تک پہنچ جاؤ۔"

وہ چند لمحے زمین پر پڑا رہا پھر اٹھ کر میری طرف دیکھا۔ اس وقت وہ مجھ سے دو گز کے فاصلے پر تھا اور پھر اچانک ہی وہ درخت کی طرف دوڑ پڑا۔

اس نے ابھی آدھا راستہ طے کیا تھا کہ میں نے قریب کھڑے ہوئے لڑکے سے رائفل جھپٹ لی اور فائر کھول دیا۔ تاریک اور خاموش فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ فائرنگ کی آواز میں اس شخص کی آخری چیخیں بھی شامل تھیں۔ میں نے پورا برسٹ مارا تھا اور اس کا جسم چھلنی ہوگیا تھا۔ میں نے قریب جاکر اسے دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی اور رائفل اسی لڑکے کو تھما کر مکان کے اندر واپس آگیا۔

کرسی پر بندھے ہوئے شانگ کے چہرے پر مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ فائرنگ کی آواز سے وہ اپنے ساتھی کا انجام سمجھ چکا تھا اور شاید اسے اپنا انجام بھی سامنے نظر آرہا تھا۔

شانگ سے اب تک کئی مرتبہ آمنا سامنا ہوچکا تھا۔ وہ کئی مرتبہ پٹا تھا اور میدان چھوڑ کر بھاگ گیا تھا لیکن آج اس کے بھاگنے کا کوئی چانس نہیں تھا لیکن وہ یہ بھی سمجھ گیا تھا کہ آج اس کی خیر نہیں۔

ماسٹر ہوچن کے خیال میں دارا وغیرہ بھی اسی نواح میں کسی جگہ چھپے ہوئے تھے اور شاید انہیں بھی پتا چل گیا تھا کہ تمام راستوں کی نگرانی کی جارہی ہے اسی لیے کہیں دُبکے بیٹھے تھے لیکن جب شانگ سے پوچھ گچھ شروع ہوئی تو وہ کوئی اور ہی کہانی سنانے لگا۔

"دارا، کم اور چی فانگ دو دن پہلے سونگ پھائی کی طرف نکل گئے تھے۔ وہ اب تک بنکاک پہنچ چکے ہوں گے۔"

"تم جھوٹ بکتے ہو۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "وہ تمہیں چھوڑ کر نہیں جاسکتے اور تم تو دارا کے بغیر ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتے۔ میں سچ جاننا چاہتا ہوں۔ وہ لوگ کہاں ہیں؟" میں ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "یہ مت سمجھنا کہ تمہارے ساتھ کسی قسم کی رعایت برتی جائے گی۔ تمہارے ایک ساتھی کی لاش باہر پڑی ہے۔ اگر تم نے زبان نہ کھولی تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا اور تمہاری لاش کو بھی کتے اور بھیڑیے کھا جائیں گے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ لوگ یہاں سے جاچکے ہیں۔" شانگ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا اور ماسٹر ہوچن کی طرف دیکھنے لگا۔

"ماسٹر! تم شاید اس کے بارے میں پوری طرح نہیں جانتے۔ یہ وہ آدمی ہے جس کے ذریعے دارا گولڈن ٹرائی اینگل سے رابطہ بڑھانے کی کوشش کررہا ہے۔ اس کا منصوبہ شاید گولڈن ٹرائی اینگل سے وسیع پیمانے پر ہیروئن کی اسمگلنگ کا ہے۔ پیڈرو تو دارا کے کہنے پر دس ہزار ڈالر اس منصوبے کے ابتدائی مرحلے پر بطور ایڈوانس خرچ بھی کرچکا ہے لیکن ابھی ان کی بات فائنل نہیں ہوسکی۔"

"اوں۔" ماسٹر ہوچن کے منہ سے بے اختیار نکلا "اچھا ہوا تم نے بتا دیا۔ گولڈن ٹرائی اینگل سے ہیروئن کی اسمگلنگ کے علاوہ ان لوگوں کا ایک اور بھی منصوبہ ہے جو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے اسی لیے میں دارا کو اس کے بل سے باہر نکالنا چاہتا تھا۔ اب یہ میرے دو سوالوں کے جواب دے گا۔ ایک تو یہ کہ دارا کہاں چھپا ہوا ہے اور نمبر دو' اس دوسرے منصوبے میں اور کون کون لوگ شامل ہیں؟"

"مم..... میں کسی دوسرے منصوبے کے بارے میں نہیں جانتا۔" شانگ کے چہرے پر وحشت سی پھیل گئی "میں صرف مڈل مین ہوں۔ دارا کو گولڈن ٹرائی اینگل لے جاکر جنرل کھوراٹ سے ملوانا چاہتا ہوں۔ اس کے لیے مجھے معاوضہ دیا گیا ہے۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ انہوں نے ہیروئن کی اسمگلنگ کا کوئی منصوبہ بنا رکھا ہے۔"

ماسٹر ہوچن نے اچانک ہی اس کے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کردیا۔ شانگ کراہ اٹھا۔ اس کے ہونٹوں سے خون کی پتلی سی دھار بہہ نکلی تھی۔

"میں سچ جاننا چاہتا ہوں۔" ماسٹر ہوچن غرایا "ہیروئن کی ڈیل کے علاوہ دوسرے منصوبے میں کون کون لوگ شامل ہیں؟"

"مم..... میں سچ کہتا ہوں۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔" شانگ کا لہجہ رو دینے والا تھا "میں بہت نچلی سطح کا آدمی ہوں۔ میں نے تو آج تک جنرل کھوراٹ کو بھی نہیں دیکھا۔ مجھے میرے باس سے حکم ملا تھا کہ دارا سے رابطہ کروں اور اسے گولڈن ٹرائی اینگل لے جاؤں جہاں جنرل کھوراٹ سے اس کی ملاقات کروائی جائے گی۔"

"تمہارا باس کون ہے؟" ماسٹر نے پوچھا۔

"فانگ پھن۔" شانگ نے جواب دیا "اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ جنرل کھوراٹ تک اس کی بھی رسائی نہیں ہے۔ اسے بھی کسی اور کے توسط سے یہ حکم ملا ہوگا۔"

"تم اب تک دارا کو گولڈن ٹرائی اینگل لے کر کیوں نہیں گئے حالانکہ تمہیں بنکاک آئے ہوئے دو تین مہینے ہوچکے ہیں؟"

ماسٹر نے پوچھا۔

"دارا کی اپنی کچھ مصروفیات ہیں۔" شانگ نے کہا "یہاں تمہارے اس سٹل ماسٹر نے اسے الجھا رکھا ہے۔ دارا نہیں چاہتا کہ یہ اس کا پیچھا کرتے ہوئے گولڈن ٹرائی اینگل تک پہنچ جائے۔ پہلے وہ اس سے نمٹنا چاہتا ہے۔ پیڈرو تو اسے بہت پہلے ختم کر چکا ہوتا مگر دارا کو اب کسی ڈائری کی تلاش ہے جس میں لاکھوں امریکی ڈالر مالیت سونے کا راز پوشیدہ ہے۔ وہ پہلے اس سے ڈائری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد اسے ختم کر دیا جائے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "چند روز پہلے یہ ہماری گرفت میں آگیا تھا۔ اس کی زبان کھلوانے کا بھی بندوبست کر لیا گیا تھا لیکن عین وقت پر تمہاری مداخلت سے یہ ایک بار پھر بچ گیا۔"

"کیا تم لوگ اسے ایسا ہی ترنوالہ سمجھتے ہو جسے آسانی سے نگلا جا سکے؟" ماسٹر ہوچن نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ یہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو وہ لوگ اپنے منصوبے پر عمل شروع کر چکے ہوتے۔ پیڈرو تو سب سے پہلے اسے ختم کرنا چاہتا تھا لیکن دارا نے بیچ میں اس ڈائری کا شوشہ چھوڑ دیا اور جب پیڈرو کو یہ پتا چلے گا کہ یہ مکمل طور پر دارا کے قبضے میں آنے کے بعد نکل چکا ہے تو پیڈرو پاگل ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے اسی بات پر دارا سے اس کا جھگڑا بھی ہو جائے۔ پیڈرو اب کسی قیمت پر اسے معاف نہیں کرے گا۔ اس نے نہ صرف پیڈرو کے دوست ٹائیگر کو بلکہ اس کے بھائی سامی کو بھی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ سامی کے قتل کے بعد سے تو وہ پاگل ہوا پھر رہا ہے۔"

"یہ تو تم اعتراف کرتے ہو کہ یہ خطرناک آدمی ہے۔" ماسٹر ہوچن نے مسکراتے ہوئے میری طرف اشارہ کیا "اگر تمہیں اسی کے حوالے کر دیا جائے تو کیسا رہے؟"

"نہیں۔ میں اس جیسے سفاک آدمی کے ہاتھوں مرنا پسند نہیں کروں گا۔" شانگ نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ اور خوف ابھر آیا تھا۔

"تو پھر۔ یہ بتا دو' دارا اور اس کے ساتھی کہاں چھپے ہوئے ہیں؟" ماسٹر ہوچن نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"مم..... میں بتا چکا ہوں کہ وہ تینوں دو تین دن پہلے سونگ چائی کی طرف نکل گئے تھے۔" شانگ نے جواب دیا۔

"ٹل ماسٹر۔" ماسٹر ہوچن میری طرف مڑ گیا "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت دیر سے بے چین ہو رہے ہو۔ اب تمہیں میری طرف سے اجازت ہے۔"

میں دو قدم آگے بڑھ آیا۔ میری مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ شانگ کے سامنے پہنچ کر میں نے دائیں ہاتھ کی مٹھی کھول دی اور انگلیوں کو حرکت دیتے ہوئے شانگ کی طرف دیکھنے لگا اور پھر جیسے ہی میں نے ہاتھ اوپر اٹھایا' وہ چیخ اٹھا۔

"بب..... مارا ہوں۔ رک جاؤ۔"

میرا ہاتھ ویسی ہی انداز میں رک گیا۔

"گڈ۔" ماسٹر ہوچن بولا "اب جلدی سے زبان کھول دو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"وہ تینوں ہائی کھامن آبشار کے قریب ایک بڑے فیملی کاٹیج میں چھپے ہوئے ہیں۔" شانگ بتانے لگا "اس کاٹیج میں دو جوان لڑکیوں' ایک بوڑھی عورت اور ایک بوڑھے مرد پر مشتمل یورپین فیملی رہائش پذیر ہے۔ یہ کاٹیج انہوں نے بیس دن کے لیے کرائے پر لے رکھا ہے۔ دارا وغیرہ نے اس یورپین فیملی کو یرغمال بنا لیا ہے۔ ویسے ان یورپین لوگوں کے آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں ہے لیکن انہیں جب بھی باہر جانا ہوتا ہے' دارا اور اس کے ساتھی ان دونوں لڑکیوں میں سے کسی ایک کو اپنے قبضے میں رکھتے ہیں اور انہیں دھمکی دے رکھی ہے کہ اگر ان کے بارے میں کسی کو بتایا گیا تو اس لڑکی کو قتل کر دیا جائے گا جو ان کے قبضے میں ہوگی۔ دارا وغیرہ یہ بھی جانتے ہیں کہ چاروں طرف ان کی تلاش ہو رہی ہے۔ جیسے ہی تلاش کا یہ سلسلہ ختم ہوگا' وہ لوگ وہاں سے نکل جائیں گے۔"

"تم وہاں سے کیسے نکل آئے۔ کیا تمہیں پکڑے جانے کا خوف نہیں تھا؟" ماسٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"کل صبح دارا نے اس کاٹیج کے فون سے چیانگ رائے میں میرے باس فانگ پھن سے بات کی تھی اور یہ طے ہوا تھا کہ مجھے کسی طرح وہاں سے نکال دیا جائے کیونکہ مجھے کسی کام سے گولڈن ٹرائی اینگل بھیجا جانے والا ہے۔" شانگ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "دارا نے آج شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد مجھے اپنے دو آدمیوں کے ساتھ رخصت کر دیا۔ ہم کاٹیج میں رہائش پذیر یورپین باشندوں کی گاڑی لے آئے تھے لیکن یہاں سے تقریباً دو میل دور گاڑی کا پیٹرول ختم ہو گیا۔ میرے ساتھ ساتھ دونوں گن مینوں کا بھی یہی خیال تھا کہ ہم اس طرف سے شارٹ کٹ کر کے نکلیں تو دریا پار کر کے کسی اور محفوظ جگہ پر پہنچ جائیں گے لیکن ہمیں کیا پتا تھا کہ تمہارے آدمی قدم قدم پر گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ ہم جیسے ہی اس طرف آئے' انہوں نے ہمیں گھیر لیا۔ ایک آدمی تو بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا لیکن ہم دھر لیے گئے۔"

"وہ کاٹیج کہاں پر واقع ہے؟" ماسٹر نے پوچھا۔

"آبشار کے شمال کی طرف تقریباً نصف میل کے فاصلے پر۔" شانگ نے جواب دیا "وہ ایک بڑا فیملی کاٹیج ہے اور اس پر سترہ نمبر لکھا ہوا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا اور اپنے دو لڑکوں کو اشارہ کیا۔

وہ دونوں لڑکے شانگ کو کھول کر باہر لے جانے لگے تو وہ مزاحمت کرتے ہوئے چیخنے لگا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ پہلے وہ چیخ چیخ کر معافی مانگتا رہا پھر مغلظات بکنے لگا۔ وہ دونوں لڑکے اسے گھسیٹتے ہوئے مکان سے باہر لے گئے اور کچھ ہی دیر بعد فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ شانگ اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا۔

○☆○

دریائے کھوئے نوئے جسے عام طور پر چھوٹا "کوائے ریور" بھی کہا جاتا ہے' ایمفو سیوک سے ہوتا ہوا ایمفو سائی ساوٹ کی طرف بہتا ہے۔ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے اس کے راستے میں لاتعداد چھوٹے بڑے آبشار ہیں جو ملکی اور غیر ملکی سیاحوں کے لیے دلچسپ تفریح فراہم کرتے ہیں۔ مقامی باشندوں نے اس دریا کے آس پاس خصوصاً آبشاروں کے قریب ہٹ اور کاٹیج وغیرہ بنا رکھے ہیں جو سیاحت کے سیزن میں غیر ملکی سیاحوں کو کرائے پر دے دیے جاتے ہیں۔

ہائی کھامن آبشار تک پہنچنے کے لیے دو راستے ہیں۔ سڑک اور دریا۔ کشتیوں کی آمد و رفت شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی بند ہو جاتی ہے جبکہ شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد اس طرف آنے والی بسیں بھی بند ہو جاتی ہیں۔ دن کے وقت دریائی راستہ عام طور پر چالیس منٹ میں طے ہو جاتا ہے۔ رات کے وقت لوگ کشتیوں پر سفر نہیں کرتے لیکن بعض مہم جو لوگ تاریکی یا میں رات کے وقت بھی یہ خطرہ مول لے لیتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ فاصلہ طے کرنے میں کم از کم ڈیڑھ گھنٹا ضرور لگ جاتا ہے۔

اس کشتی میں میرے علاوہ چار آدمی اور تھے۔ ماسٹر ہوچن اور اس کے ساتھ تین گن مین۔ گزشتہ رات شانگ نے بتایا تھا کہ دارا وغیرہ آبشار سے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر سترہ نمبر کاٹیج میں چھپے ہوئے ہیں۔ ماسٹر ہوچن نے اپنا ایک آدمی آج صبح سویرے ہی اس طرف بھیج دیا تھا جو دن بھر نگرانی کرنے کے بعد شام کو واپس لوٹا تھا۔ اس کی رپورٹ نے شانگ کے بیان کی تصدیق کر دی تھی۔ انہوں نے چار افراد پر مشتمل یورپین فیملی کو یرغمال بنا رکھا تھا۔ ان میں سے کسی نے خود تو کبھی کاٹیج کے باہر جھانک کر بھی نہیں دیکھا تھا البتہ ان یورپین باشندوں کو باہر آتے جاتے دیکھا گیا تھا لیکن وہ بھی تمام افراد اکٹھے باہر کبھی نہیں گئے تھے۔ ان کے ساتھ کبھی ایک لڑکی کاٹیج میں رہ جاتی اور کبھی دوسری جس کا مطلب تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک لڑکی کو یرغمال بنا کر رکھا جاتا تھا جبکہ دوسرے لوگوں کو باہر آنے جانے کی اجازت تھی۔

ماسٹر ہوچن کے آدمی کی رپورٹ کے مطابق وہ فرانسیسی تھے اور ہر وقت خوف زدہ سے رہتے تھے۔ کوئی اور ان کے خوف زدہ ہونے کی وجہ سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو لیکن ہم جانتے تھے کہ وہ خطرناک قاتلوں کے شکنجے میں کسے ہوئے تھے۔ ان کی زندگیاں داؤ پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ کسی کو بتا بھی نہیں سکتے تھے کہ کس مصیبت میں گرفتار ہیں۔ ان کی معمولی سی غلطی ان سب کو یا ان میں سے کسی ایک کو موت کے گھاٹ اتار سکتی تھی۔

ماسٹر کا جو آدمی دن بھر اس علاقے کی نگرانی کرتا رہا تھا وہ بھی اس وقت ہمارے ساتھ کشتی پر سوار تھا۔ اسے کاٹیج کی نشان دہی کے لیے ساتھ لے لیا گیا تھا۔ کشتی دریا کے بہاؤ کے رخ پر بہہ رہی تھی اس لیے اسے کھینے میں بھی زیادہ دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔

رات کی تاریکی میں اس دریا میں کشتی رانی خاصا خطرناک کام تھا۔ وہ دونوں آدمی جو پتوار سنبھالے ہوئے تھے' بڑی احتیاط کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس احتیاط کی وجہ سے ہی ہم تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں اپنا سفر مکمل کر سکے تھے۔ کشتی کو لینڈنگ پر چھوڑ کر ہم اپنے مخبر کی رہنمائی میں پہاڑی راستوں پر چلنے لگے۔

اس وقت رات کے آٹھ بجے تھے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کاٹیج تھے اور تقریباً ہر کاٹیج میں روشنی نظر آرہی تھی۔ اس علاقے میں سیاحوں کی سہولت کے لیے دو تین ریسٹورنٹ بھی تھے اور تینوں ریستورانوں میں اس وقت خاصی رونق نظر آرہی تھی۔

سب سے آگے ہمارا مخبر تھا۔ اس کے پیچھے ایک گن مین پھر میں اور ماسٹر ہوچن اور سب سے پیچھے ایک اور گن مین تھا۔ ماسٹر کے تینوں آدمیوں کے پاس رائفلیں تھیں۔ میرے اور ماسٹر کے پاس پستول تھے۔ میری پنڈلی سے خنجر بھی بندھا ہوا تھا۔ ہم ایک ریسٹورنٹ کی پچھلی طرف سے گزرتے ہوئے آگے نکل گئے لیکن ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ فائرنگ کی آواز سن کر چونک گئے۔

"فائرنگ کی آوازیں اسی طرف سے آرہی ہیں۔" ہمارے مخبر نے چیخ کر کہا۔

فائرنگ کی آوازوں سے یوں لگتا تھا جیسے دو پارٹیوں میں ٹھن گئی ہو۔ میں اور ماسٹر ہوچن نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ایک دم بھاگ کھڑے ہوئے لیکن تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں رک جانا پڑا۔

وہ کاٹیج اب ہماری نظروں کے سامنے تھے۔ باہر دو اطراف سے کاٹیج پر فائرنگ کی جا رہی تھی اور کاٹیج کی طرف سے بھی فائرنگ ہو رہی تھی۔ ہمارا آگے جانا بے کار تھا۔ ہم وہیں درختوں کی آڑ میں رک گئے۔

فائرنگ کے ساتھ عورتوں کی چیخوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں اور پھر یوں لگا جیسے فائرنگ کی آوازیں کاٹیج کی پچھلی طرف دور ہوتی جا رہی ہوں۔ یہ آوازیں بتدریج کم ہوتی چلی گئیں۔ کچھ دیر تک اِکا دُکا آوازیں سنائی دیتی رہیں اور پھر وہ بھی بند

ہو گئیں۔

ہم کچھ دیر درختوں ہی میں کھڑے رہے اور پھر محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگے۔ تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے کر کے ایک بار پھر رک گئے۔ وہاں سے وہ کانج صاف نظر آ رہا تھا۔ برآمدے میں جلنے والے بلب کی روشنی میں پولیس کی وردیوں میں دو آدمی دکھائی دیے تو ساری بات سمجھ میں آ گئی۔

"تم لوگ واپس جاؤ اور کشتی پر ہمارا انتظار کرو۔" ماسٹر ہوچن نے اپنے تینوں آدمیوں کو حکم دیا۔

یہ جگہ چونکہ آبشار سے کافی دور تھی اس لیے یہاں کانج بھی زیادہ نہیں تھے۔ دوسرے کانجز میں رہائش پذیر لوگ اب آہستہ آہستہ اپنے کمروں سے باہر نکل رہے تھے۔ وہ سب اسی طرف دیکھ رہے تھے لیکن آگے جانے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔

میں اور ماسٹر ہوچن اس کانج کے سامنے پہنچ گئے۔ تقریباً ڈیڑھ درجن پولیس والوں نے اس کانج کو گھیر رکھا تھا۔ اندر سے عورتوں کے چیخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ہم مزید آگے بڑھے تو دو پولیس والوں نے ہمیں رائفلوں کی زد پر لیتے ہوئے رک جانے کا حکم دیا لیکن دوسرے ہی لمحے ایک کانسٹیبل رائفل جھکاتے ہوئے آگے بڑھ آیا۔ اس نے رائفل زمین پر رکھ کر ماسٹر کو بو (BOW) مارشل آرٹس کا مروجہ سلام یا تعظیم دینے کا انداز) کیا پھر رائفل اٹھا کر سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

"سوری ماسٹر! لیکن مجھے آپ کو یہاں دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔"

وہ کانسٹیبل ماسٹر ہوچن کا شاگرد تھا۔ تقریباً تین سال پہلے اس نے بنکاک میں ماسٹر ہوچن ہی سے موئے تھائی کی تربیت حاصل کی تھی اور پھر یہاں آ کر پولیس میں بھرتی ہو گیا تھا۔

"ہم شام سے کچھ پہلے تفریح کے لیے یہاں آئے تھے۔ کچھ اور دوست مل گئے۔ ان سے گپ شپ میں دیر ہو گئی۔ کشتی پر واپس جانے کا پروگرام بنا رہے تھے کہ فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ کیا قصہ ہے؟" ماسٹر نے پوچھا۔

"انسپکٹر سوچان کو خفیہ طور پر اطلاع ملی تھی کہ کچھ مسلح لوگوں نے اس کانج میں ایک فرانسیسی فیملی کو یرغمال بنا رکھا ہے۔" کانسٹیبل نے بتایا "ہم نے بڑی احتیاط سے اس کانج کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی تھی مگر انہوں نے شاید ہمیں دیکھ لیا تھا۔ فائرنگ شروع کر دی۔ جواب میں انسپکٹر سوچان نے بھی فائرنگ کا حکم دے دیا۔"

"انسپکٹر سوچان کون؟" ماسٹر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ بھی پانچ سال پہلے بنکاک میں ماسٹر پھوپھانگ سے ٹریننگ لے چکا ہے۔ مسٹر پی کے جنازے پر اس نے آپ سے ملاقات بھی کی تھی۔" کانسٹیبل نے بتایا۔

"ذہن میں نہیں آ رہا۔ چہرہ دیکھوں گا تو پہچان لوں گا۔" ماسٹر نے کہا۔

"میں انسپکٹر کو اطلاع دیتا ہوں۔" کانسٹیبل تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا کانج میں چلا گیا۔

چند منٹ بعد انسپکٹر سوچان بھی اس کے ساتھ کانج سے باہر آ گیا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر ماسٹر ہوچن نے اسے پہچان لیا۔ انسپکٹر پہلے ماسٹر کو بوکیا اور پھر آگے بڑھ کر بڑی گرم جوشی سے ماسٹر سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ہاتھ ملاتے ہوئے وہ بڑی چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

ماسٹر نے انسپکٹر سوچان سے اس ریڈ کے بارے میں پوچھ کیا اور پھر وہ ہمیں اندر لے گیا۔ صورتِ حال نہایت افسوسناک تھی۔ ایک کمرے میں اس فیملی کے سربراہ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کی عمر پچپن کے لگ بھگ تھی۔ اسے دو گولیاں لگی تھیں ایک گردن پر اور ایک سینے پر۔ زخموں سے بہنے والا خون فرش پر پھیل رہا تھا۔ اس کے قریب ہی دو عورتیں بیٹھی دہاڑیں مار مار رو رہی تھیں۔ ایک کی عمر پینتالیس کے لگ بھگ تھی اور دوسری اس مقتول بوڑھے کی بیوی بلکہ اب بیوہ تھی۔ دوسری ایک بہت اور خوب صورت لڑکی تھی جس کی عمر کا اندازہ چوبیس پچیس کے لگ بھگ لگایا جا سکتا تھا۔ بے حد حسین تھی وہ۔ اس نے فیروزی کلر کا منی اسکرٹ اور بلاؤز پہن رکھا تھا۔ ان دونوں کی حالت خاصی ابتر تھی۔ لگتا تھا جیسے رو رو کر اپنے آپ کو ختم کر لیں گی۔

ان کی حالت دیکھ کر مجھے واقعی افسوس ہو رہا تھا۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ شانگ نے بتایا تھا کہ یہ فیملی چار افراد پر مشتمل تھی۔ میاں بیوی اور دو جوان لڑکیاں لیکن دوسری لڑکی نظر نہیں آ رہی تھی۔ انسپکٹر سوچان ماسٹر کو اس ریڈ کی تفصیل بتاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ہماری اطلاع کے مطابق وہ تین آدمی تھے جنہوں نے اس فیملی کو یرغمال بنا رکھا تھا۔ ہم نے ریڈ کی منصوبہ بندی تو بڑی احتیاط سے کی تھی لیکن انہیں شاید پہلے ہی سے شبہ ہو گیا تھا اور وہ تیار بیٹھے تھے۔"

انسپکٹر سوچان جس طرح اس واقعے کی تفصیل بتا رہا تھا اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا چُغد تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہاں تین خطرناک مسلح آدمی موجود ہیں اور وہ اس طرح دوڑا تھا جیسے وہ لوگ پولیس کو دیکھتے ہی ہتھیار پھینک کر باہر آ جائیں گے اور اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دیں گے۔

"اس بوڑھے کے سوا کوئی اور جانی نقصان تو نہیں ہوا؟" ماسٹر نے پوچھا۔ اس کے ذہن میں بھی وہی بات تھی جو میں سوچ رہا تھا۔ وہ دوسری لڑکی کے بارے میں جاننا چاہتا تھا لیکن ایسا کوئی سوال براہِ راست نہیں کیا جا سکتا تھا اور یہ گفتگو تھائی زبان میں

ہو رہی تھی اگر وہ عورتیں نہ سمجھ سکیں۔

"وہ لوگ ایک جوان لڑکی کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔" انسپکٹر سوچان نے جواب دیا "ہمارے نصف درجن آدمی ان کے تعاقب میں ہیں۔ امید ہے اس لڑکی کو بازیاب کرا لیا جائے گا۔"

میں انسپکٹر سوچان کی اس سادگی پر دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مجھے تو اب اس لڑکی کی زندگی بھی خطرے میں نظر آ رہی تھی۔

ہم تقریباً آدھا گھنٹا وہاں کھڑے رہے۔ انسپکٹر نے ماسٹر کو بتایا تھا کہ اس نے پولیس ہیڈ کوارٹر کو فون پر اطلاع دے دی ہے۔ کچھ دیر میں پولیس کی مزید نفری اور ایمبولینس پہنچنے والی ہے۔ ہمارے لیے وہاں رک کر وقت ضائع کرنا بے کار تھا۔ انسپکٹر سوچان نے ہماری ساری محنت پر پانی پھیر دیا تھا اور اس کی حماقت کی وجہ سے دارا اور اس کے ساتھی ایک بار پھر نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

"ایک منٹ ماسٹر۔" کانج سے باہر آ کر انسپکٹر نے ہمیں روک لیا "کیا یہ وہی نوجوان نہیں جس کی وجہ سے کنچن بوری میں کئی روز سے یہ ہنگامے ہو رہے ہیں۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا اور ماسٹر کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولا "اس وقت یہاں آپ دونوں کی موجودگی مجھے شبہات میں مبتلا کر رہی ہے۔ میری اطلاع کے مطابق پیڈرو کے آدمی بھی کنچن بوری میں موجود ہیں اور آج صبح سونگ چائی کی طرف جانے والے راستے سے ہٹ کر ایک خالی فارم ہاؤس کے قریب دو آدمیوں کی گولیوں سے چھلنی لاشیں بھی ملی ہیں اور ان میں سے ایک لاش چیانگ رائے کے فانگ پھن کے آدمی کی ہے۔ فانگ پھن کو اس کی اطلاع مل چکی ہے۔ وہ طوفان اٹھا دے گا۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ان دونوں کو ہم نے قتل کیا ہے اور یہاں بھی ہمارا تعلق اس کانج سے کچھ ہو سکتا ہے؟" ماسٹر نے اسے گھورا۔

"بالکل نہیں ماسٹر۔" انسپکٹر سوچان نے کہا "یہاں کئی روز سے اس قسم کے ہنگامے ہو رہے ہیں۔ ماسٹر پی بھی غالباً اسی چکر میں مارا جا چکا ہے۔ ان ہنگاموں کے حوالے سے اخبارات برملا تمہارے اس ٹرمل ماسٹر، پیڈرو اور اس کے ایک آدمی دارا کا نام لے رہے ہیں۔ آج صبح فانگ پھن کی لاش ملنے کے بعد پولیس کے افسران اعلیٰ کی ایک میٹنگ ہوئی تھی۔ میں تو اس میٹنگ میں شریک نہیں تھا لیکن کارروائی سے بے خبر نہیں ہوں۔"

ماسٹر ہوچن کچھ بولنے کے بجائے سوالیہ نگاہوں سے انسپکٹر کی طرف دیکھنے لگا۔ انسپکٹر نے کہا۔

"ٹرمل ماسٹر کے خلاف ان ہنگاموں میں ملوث ہونے کا اگرچہ کوئی ٹھوس ثبوت ابھی تک نہیں ملا لیکن میٹنگ میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ ماسٹر پی کے جنازے اور اخبارات کے ذریعے ٹرمل ماسٹر کو یہ وارننگ دی جائے کہ وہ مزید کوئی ہنگامہ کیے بغیر کنچن بوری سے نکل جائے۔ بصورت دیگر اس کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیے جائیں اس لیے میری یہ درخواست ہے کہ ٹرمل ماسٹر کنچن بوری سے چلا جائے کیونکہ اب معاملہ بہت اوپر تک پہنچ چکا ہے۔"

"اوکے۔" ماسٹر ہوچن گہرا سانس لیتے ہوئے بولا "میں تمہاری بات پر غور کروں گا انسپکٹر۔"

"انسپکٹر نہیں ماسٹر، سوچان۔" انسپکٹر جلدی سے بولا۔

"تھینک یو سوچان۔" ماسٹر نے یہ کہتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا اور ہم وہاں سے رخصت ہو گئے۔

تینوں آدمی کشتی میں ہمارے منتظر تھے۔ ہمارے بیٹھتے ہی کشتی کی رسی کھول دی گئی اور دو لڑکے چپو چلانے لگے۔

راستے میں ماسٹر ہوچن اور میرے درمیان اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی۔ کنچن بوری کی لینڈنگ پر ہم کشتی سے اتر کر اس کار میں سوار ہو گئے جو وہاں چھوڑ گئے تھے۔ ان تینوں لڑکوں کو پرسی کے جمنازیم پر چھوڑ کر ہم لیزا والی کوٹھی میں آ گئے۔

دارا وغیرہ ہمارے ہاتھ سے نکل گئے تھے لیکن ہمارے لیے صورتِ حال خاصی تشویش ناک ہو گئی تھی اور اس سلسلے میں مہاراج سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔ آپس میں مشورہ کرنے کے بعد ماسٹر فون پر مہاراج سے باتیں کرنے لگا۔ تقریباً پانچ منٹ کی گفتگو کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔

"مہاراج کا کہنا ہے کہ پولیس سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ ہم تین دن وہاں رہیں۔ اس دوران میں دارا اور اس کے ساتھیوں کو بھی تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہیں اور پھر بنکاک واپس چلے جائیں۔" ماسٹر نے کہا۔

"اوکے ماسٹر۔" میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

ماسٹر ہوچن چلا گیا اور میں پرساد اور جانکی وغیرہ کو کانج پر پولیس کے ریڈ اور دارا وغیرہ کے فرار کی تفصیل بتا کر انسپکٹر سوچان سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔

"ہمیں پولیس سے الجھنے کی واقعی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" میرے خاموش ہونے پر جانکی نے کہا "میرا خیال ہے اب دارا وغیرہ بھی یہاں نہیں ٹکیں گے کیونکہ پولیس ان کے پیچھے لگ گئی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ آج رات ہی یہاں سے نکل جائیں۔"

"بہرحال، ہمیں تین دن یہاں گزارنے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

اور پھر ہم دیر تک اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی اور موضوع تھا بھی نہیں۔

صبح اخبارات سنسنی خیز خبروں سے بھرے ہوئے تھے۔ ہیڈ لائن ہائی کھامن آبشار کے قریب اس کانج پر پولیس کے چھاپے کے حوالے سے تھی۔ بوڑھے فرانسیسی کی لاش، اس کی بیوی اور بیٹی کی تصویریں بھی تھیں۔ اخبارات نے انسپکٹر سوچان کا یہ بیان بھی نمایاں طور پر شائع کیا تھا کہ کانج میں اس فرانسیسی فیملی کو یرغمال

بنانے والے بنکاک کے بہت بڑے بدمعاش پیڈرو کے آدمی تھے۔ اس نے اپنے بیان میں دارا کا نام بھی لیا تھا اور بوڑھے فرانسیسی کے قتل اور اس کی بیٹی کے اغوا کی ذمے داری بھی دارا پر ہی ڈال دی تھی۔

کانیج پر بھونڈے انداز میں چھاپا مار کر انسپکٹر سوچان نے اگرچہ نہایت حماقت کا ثبوت دیا تھا لیکن وہاں میری اور ماسٹر ہوچن کی موجودگی سے اس نے دارا کے حوالے سے جو نتیجہ اخذ کیا تھا وہ سو فی صد درست تھا۔

اخبارات کے صفحۂ اول پر اسی حوالے سے چھوٹی چھوٹی کئی سنسنی خیز خبریں تھیں جن میں ایک خبر یہ بھی تھی کہ پولیس کے درجنوں جوان رات بھر ان پہاڑیوں میں میلوں دور تک فرار ہونے والوں کو تلاش کرتے رہے لیکن نہ تو ان کا کوئی سراغ ملا تھا اور نہ ہی اس فرانسیسی لڑکی کا کچھ پتا چلا تھا جسے یرغمال بنا کر وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اخبارات نے یہ خدشہ بھی ظاہر کیا تھا کہ شاید اس لڑکی کو بھی ختم کر دیا جائے۔

تمام اخبارات کے صفحۂ اول پر میرے نام وہ نوٹس بھی چھپا تھا جس میں مجھے تین دن کے اندر اندر شہر سے چلے جانے کا حکم دیا گیا تھا۔

دوپہر کو اغوا شدہ فرانسیسی لڑکی کے بارے میں بھی میرے بدترین خدشات کی تصدیق ہوگئی۔ کنچن بوری سے شام کو شائع ہونے والے اخبارات کی تعداد چار تھی اور یہ چاروں اخبار عام طور پر بارہ بجے مارکیٹ میں آجایا کرتے تھے۔ ان چاروں اخبارات کی ہیڈ لائن ایک ہی تھی۔ کانیج سے اغوا کی جانے والی لڑکی کو قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کی لاش کنچن بوری سے میلوں دور بان پونگ سے بھی آگے پھوتھا رام کی طرف جانے والی سڑک کے قریب دھان کے کھیتوں میں ملی تھی۔ اس لاش کی اطلاع صبح چھ بجے کے قریب ایک کاشت کار نے مقامی پولیس کو دی تھی اور ایک گھنٹے کے اندر اندر اس امر کی تصدیق ہوگئی تھی کہ یہ اسی فرانسیسی لڑکی کی لاش تھی جسے تین خطرناک مجرم کانیج سے اغوا کر کے فرار ہوئے تھے اور پولیس مجرموں اور اس لڑکی کی تلاش میں سرگرداں تھی۔ اخبارات کی اطلاع کے مطابق لڑکی کو موت کے گھاٹ اتارنے سے پہلے اس پر متعدد مجرمانہ حملے بھی کیے گئے تھے۔

اس خبر سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ دارا اور اس کے دونوں ساتھی رات ہی کو کنچن بوری کی حدود سے نکل گئے تھے۔ جہاں سے لاش ملی تھی وہ جگہ کنچن بوری سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلے پر تھی اور ظاہر ہے وہ لوگ رات ہی رات میں اتنا طویل فاصلہ پیدل طے نہیں کر سکتے تھے جس کا مطلب تھا کہ ان کے پاس سواری کا انتظام تھا۔ انہوں نے یا تو پہلے ہی سے کوئی گاڑی پہاڑیوں میں کہیں چھپا رکھی تھی یا کوئی گاڑی کسی سے چھینی گئی تھی۔ بہرحال، اس بات کی تصدیق ہوگئی تھی کہ دارا اور اس کے ساتھی اب کنچن بوری میں نہیں تھے۔ انہوں نے اختیار کیا تھا اسے دیکھتے ہوئے مجھے یہ اندازہ لگانے میں پیش نہیں آئی کہ وہ لوگ بان پونگ سے ہوتے ہوئے اور وہاں سے طویل چکر کاٹتے ہوئے بنکاک کی طرف نکل گئے اور اب تک یقیناً کسی محفوظ پناہ گاہ میں پہنچ چکے ہوں گے۔

اب ہمارے لیے کنچن بوری میں پڑے رہنا واقعی بے میں نے ماسٹر ہوچن کو فون کیا تاکہ اسے صورتِ حال بتا کر پروگرام بنایا جاسکے۔ ماسٹر ہوچن نے بھی دوپہر کے اخبار لیے تھے۔

"ابھی نہیں۔" اس نے میری بات سننے کے بعد کہا رات ہی بنکاک میں فرانسیسی سفارت خانے کو ان واقعا اطلاع مل گئی تھی۔ بعض سفارت کار صبح سویرے ہی کنچن پہنچ گئے ہیں۔ یہاں آنے کے بعد صبح دس بجے انہیں اس لاش کے بارے میں اطلاع ملی تھی۔ فرانسیسی سفارت کار برہم ہیں۔ مقامی پولیس اپنی کارکردگی دکھانے میں مصروف اگرچہ یہ شواہد مل گئے ہیں کہ دارا وغیرہ کنچن بوری کی حد موجود نہیں ہیں لیکن پولیس نے شہر سے باہر جانے والے راستوں کی ناکا بندی کر رکھی ہے۔ بڑی سخت چیکنگ ہو رہی پولیس کو شبہ ہے کہ دارا وغیرہ اکیلے نہیں ہوں گے انہوں نے مقامی غنڈوں کی خدمات حاصل کر رکھی ہوں گی اور پولیس کو ایسے ہی آدمیوں کی تلاش ہے۔ شہر میں بھی چیکنگ ہو رہی ہے مشتبہ افراد کو حراست میں لے کر پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔ صورتِ حال میں تمہارے لیے باہر نکلنا مناسب نہیں۔ بہتر یہ کہ ایک دو دن آرام کرلو۔ چیکنگ کا سلسلہ ختم ہوتے ہی ہم سے نکل چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے ماسٹر، اب آرام ہی کیا جائے گا۔" میں نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

اور ظاہر ہے ہمارے پاس آرام کرنے کے سوا کوئی چارہ تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد لیزا تیار ہو کر اپنے مساج پارلر پر گئی۔ دو دن سے وہ بھی ہمارے ساتھ مکان میں بند رہی تھی اور اس کے دو تین ساتھیوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ ہمارا لیزا سے کوئی تعلق ہے۔ شانگ اور اس کے دو ساتھی مارے گئے تھے دارا وغیرہ فرار ہوگئے تھے اور میرے خیال میں لیزا کو اب کوئی خطرہ نہیں تھا اس لیے وہ میرے مشورے پر ہی اپنے مساج پارلر جانے آمادہ ہوئی تھی۔ اس کے مساج پارلر پر اگرچہ کام کرنے والی لڑکیاں بھی تھیں اور لیزا نے فون پر ان سے رابطہ بھی رکھا ہوا لیکن اس کی عدم موجودگی سے اس کے بزنس پر اچھا خاصا اثر تھا اس لیے آج وہ میرے کہنے پر چلی گئی تھی۔

شام آٹھ بجے کے قریب ایک اور سنسنی خیز اطلاع پولیس نے پاتھم کو شک کی بنا پر حراست میں لے لیا تھا۔ پا

سے الگ ہی تھا اور ایک گیسٹ ہاؤس میں مقیم تھا۔ اسے بھی پتا چل گیا تھا کہ پولیس مشتبہ افراد کو چیک کرتی پھر رہی ہے۔ پولیس کو اطلاع ملی تھی کہ بنکاک سے تعلق رکھنے والا سوکھٹ نام کا ایک شخص اس گیسٹ ہاؤس میں موجود ہے۔ سوکھٹ کرائے کا قاتل تھا۔ وہ کئی وارداتوں میں پولیس کو مطلوب تھا۔ پولیس کی بھاری نفری نے شام کا اندھیرا پھیلتے ہی اس گیسٹ ہاؤس کو گھیرے میں لے لیا۔ سوکھٹ تو پولیس کو نہیں ملا البتہ پولیس نے تین آدمیوں کو مشتبہ قرار دے کر پوچھ گچھ کے لیے حراست میں لے لیا تھا اور ان تینوں میں پاتھم بھی تھا۔

یہ اطلاع مجھے لیزا نے فون پر دی تھی۔ وہ گیسٹ ہاؤس اس کے مساج پارلر کے قریب ہی تھا۔ لیزا کو معلوم نہیں تھا کہ پاتھم کے وہاں ٹھہرا ہوا ہے لیکن جب پولیس نے چھاپا مارا تو آس پاس کے لوگ صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے وہاں جمع ہوگئے تھے۔ لیزا بھی اپنے پارلر سے باہر آگئی تھی۔ اس نے پاتھم کو دیکھا تھا۔ دو پولیس والے اسے اور ایک اور آدمی کو مارتے پیٹتے ہوئے پولیس کی گاڑی میں دھکیل رہے تھے۔ لیزا اس وقت تو آگے نہیں بڑھی لیکن پولیس کے جانے کے بعد وہ گیسٹ ہاؤس پہنچ گئی۔ گیسٹ ہاؤس کی مالکہ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی۔ وہ لیزا کو اچھی طرح جانتی تھی کیونکہ لیزا گیسٹ ہاؤس میں مقیم گاہکوں کے مساج کے لیے یہاں آتی رہتی تھی۔ یہاں سے لیزا کی تصدیق ہوگئی کہ وہ پاتھم ہی تھا جسے پولیس مشتبہ قرار دے کر لے گئی تھی۔ لیزا نے اپنے مساج پارلر واپس پہنچ کر مجھے فون پر اطلاع دے دی۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ پاتھم ہی تھا؟" میں نے پوچھا۔

"میں اسے پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتی۔" لیزا نے جواب دیا "وہ پاتھم ہی ہے۔ اس نے اپنے ہی نام سے اس گیسٹ ہاؤس میں کمرا بک کروا رکھا ہے۔"

"یہ تو بڑی تشویش ناک خبر ہے۔" میں نے کہا "بہرحال، میں ماسٹر ہوچن کو اطلاع دیتا ہوں۔"

"تمہارا کہیں جانے کا پروگرام تو نہیں؟" لیزا نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں کہاں جاسکتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے۔ میں بھی ایک ڈیڑھ گھنٹے میں آجاؤں گی۔" لیزا نے کہا۔

میں نے فون بند کر دیا۔ چند سیکنڈ بعد دوبارہ ریسیور اٹھایا اور پری کے ہمنازیم کا نمبر ملانے لگا۔ ماسٹر ہوچن وہیں تھا۔ رابطہ ہونے پر میں نے اسے پاتھم کے بارے میں آگاہ کر دیا۔

"پولیس کچھ زیادہ ہی سرگرم نظر آرہی ہے۔ بہرحال، میں دیکھتا ہوں کیا معاملہ ہے۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

میں پاتھم کے لیے پریشان تھا۔ پولیس کے ہتھکنڈوں سے کون واقف نہیں۔ ہوسکتا ہے وہ اسے زبان کھولنے پر مجبور کر دے۔ میرا خیال تھا کہ پاتھم کے سلسلے میں ماسٹر، انسپکٹر سوچان سے کسی قسم کی مدد لینے کی کوشش کرے گا لیکن گزشتہ رات کانیج میں انسپکٹر سوچان کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ماسٹر ہوچن کا احترام تو کرتا تھا لیکن اسے اپنی منصبی ذمے داریوں کا بھی احساس تھا۔ اس نے اگرچہ یہ مشورہ دے دیا تھا کہ ہم پہلی فرصت میں یہ شہر چھوڑ کر چلے جائیں لیکن میں اس حقیقت سے بھی اچھی طرح واقف تھا کہ اگر اسے مجھے گرفتار کرنا پڑا تو وہ بلا جھجک میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دے گا۔

پاتھم کے لیے تھائی اور جاپانی بھی پریشان تھیں۔ ظاہر ہے وہ ہمارا وفادار ساتھی تھا اور ہمارے لیے کئی مرتبہ جان کی بازی لگا چکا تھا۔ اسے اس طرح بے یار و مددگار نہیں چھوڑا جاسکتا تھا لیکن ابھی یہ دیکھنا باقی تھا کہ پولیس اس کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔ ممکن ہے پوچھ گچھ کے بعد اسے چھوڑ دیا جائے اور اس امکان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا کہ پوچھ گچھ کے دوران میں ہی پولیس کو کوئی ایسی بات معلوم ہوجائے جس سے معاملہ الجھ جائے۔ بعض اوقات کوئی بہت معمولی سی بات بھی پولیس کو معنی خیز نتائج اخذ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

وہ رات گزر گئی۔ ماسٹر ہوچن کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی اور نہ ہی کسی اور ذریعے سے پاتھم کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکا تھا۔ صبح سات بجے کے قریب ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی۔ ٹیلی فون ہال میں رکھا ہوا تھا۔ میں اپنے کمرے سے نکلا تو لیزا مجھ سے پہلے وہاں پہنچ کر فون کا ریسیور اٹھا چکی تھی۔ فون پر ایک دو جملوں کے تبادلے کے بعد اس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔

"ماسٹر ہوچن کی کال ہے۔"

"یس ماسٹر۔" میں نے ریسیور لیتے ہی ماؤتھ پیس میں کہا "پاتھم کے بارے میں کچھ پتا چلا؟"

"ہاں لیکن معاملہ کافی گمبھیر ہوگیا ہے مسٹل ماسٹر۔" ماسٹر نے جواب دیا۔

"کیا مطلب!" میرے منہ سے بے اختیار نکلا "ذرا تفصیل سے بتائیے ماسٹر۔"

"جس گاڑی میں تم لوگوں نے سامی کی لاش پھینکی تھی وہ کس کی تھی؟" ماسٹر نے پوچھا۔

"وہ کسی کمپنی کی گاڑی تھی۔" میں نے کہا اور اس گاڑی کے بارے میں تفصیل بتانے لگا "پاتھم نے بتایا تھا کہ وہ کمپنی عرصہ پہلے ختم ہو چکی ہے۔ گاڑی کی نمبر پلیٹ بھی بدلی ہوئی ہے اور اب اس گاڑی کے ذریعے یہ پتا نہیں لگایا جاسکتا کہ وہ کس کے استعمال میں تھی لیکن معاملہ کیا ہے ماسٹر۔ اس گاڑی کا یہاں کیا ذکر؟"

"میں نے کہا تھا نا کہ یہاں کی پولیس بہت تیزی سے کام کر رہی ہے۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "پولیس نے پاتھم کو محض پوچھ گچھ کے لیے گیسٹ ہاؤس سے اٹھایا تھا۔ پاتھم نے اپنے

بارے میں بتا دیا کہ وہ موٹر مکینک ہے اور سیرو تفریح کے لیے یہاں آیا ہوا ہے۔ اس نے اپنے ورکشاپ کا پتا بھی بتا دیا تھا۔ تفتیشی آفیسر نے اس کے بارے میں تصدیق کرنے کے لیے بنکاک میں اس علاقے کے پولیس اسٹیشن کو فون کیا۔ وہ صرف یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہاں اس کے خلاف کوئی کیس وغیرہ تو نہیں لیکن وہاں سے یہ سنسنی خیز انکشاف کیا گیا کہ پاتھم نام کا موٹر مکینک پولیس کو ایک ایسی کار کی تفتیش کے سلسلے میں مطلوب ہے جس میں پیڈرو کے بھائی سامی کی لاش پھینکی گئی تھی۔" ماسٹر ہوچن چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "میں نے کہا تھا نا کہ پولیس بعض اوقات کسی بہت معمولی سی بات سے بھی بڑے بڑے نتائج اخذ کرلیتی ہے۔ بنکاک پولیس نے بڑی محنت سے اس گاڑی کے بارے میں معلوم کرلیا تھا کہ وہ دراصل کس کی ملکیت تھی اور ان دنوں کس کے استعمال میں تھی۔ بنکاک پولیس نے... سرسری سے انداز میں پاتھم کے اسسٹنٹ سے اس کے بارے میں پوچھا تھا تاکہ اسے کسی قسم کا شبہ نہ ہوسکے۔ اسسٹنٹ نے بتایا کہ پاتھم سیرو تفریح کے لیے دوستوں کے ساتھ شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔ بنکاک پولیس ورکشاپ کی نگرانی کررہی ہے تاکہ پاتھم کے واپس آتے ہی اسے بے خبری میں گرفت میں لے لیا جائے اور میرا خیال ہے کہ پاتھم جب سے یہاں آیا ہے اس نے اپنے اسسٹنٹ سے بھی فون پر رابطہ نہیں کیا۔ ورنہ اسے پولیس انکوائری کے بارے میں پتا چل جاتا۔"

میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں اور پورے جسم میں سنسنی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ پاتھم اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اس گاڑی کے بارے میں معلوم نہیں کیا جاسکتا اور اس حقیقت کو اس وقت میں بھی بھول گیا تھا کہ پولیس جب دیانت داری سے کام کرتی ہے تو گڑے مُردے بھی اکھاڑ لیتی ہے اور پھر وہ معاملہ تو پیڈرو کے بھائی کے قتل کا تھا جس کی وجہ سے بنکاک میں شدید ہنگامے ہوئے تھے اور کئی بے گناہ مارے گئے تھے۔ بنکاک پولیس نے سامی کے قتل کے الزام میں نامعلوم قاتلوں کے خلاف رپورٹ درج کی تھی اور مہاراج کی وجہ سے ایف آئی آر میں میرا نام نہیں آیا تھا لیکن اب معاملہ ایک نیا رخ اختیار کرگیا تھا۔ میرے اور پاتھم کے درمیان تعلق تلاش کرنے میں پولیس کو اب زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔

"ماسٹر۔" بالآخر میں نے کہا "معاملہ واقعی بہت گمبھیر ہوگیا ہے۔ اگر پاتھم اس کیس میں پھنس گیا تو مزید گڑبڑ ہوگی۔ پاتھم کو اس طرح بے یارومددگار نہیں چھوڑا جاسکتا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" ماسٹر نے کہا "لیکن مسئلہ یہ ہے کہ پاتھم کے بارے میں ہم بالکل نہیں جانتے کہ اسے کہاں رکھا گیا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں ماسٹر؟" میں نے پوچھا۔

"اس گاڑی سے پاتھم کے تعلق کے انکشاف کے بعد پاتھ کو کسی خفیہ مقام پر منتقل کردیا گیا ہے۔ اس کی بہت سی وجوہا ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اس گاڑی سے پیڈرو کے بھائی کی لاش تھی اور پیڈرو تک یہ خبر پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی کہ پاتھم کو پکڑا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ یہاں پہنچ جائے۔ پولیس کو یہ بھی شبہ ہے کہ سامی تمہارے ہاتھوں قتل ہوا تھا اور جب لاش پیراڈائز کمپاؤنڈ میں ڈالی گئی تھی تو اس وقت تم بھی اس گاڑی میں موجود تھے اور یہاں کی پولیس جانتی ہے کہ تم اس وقت کنچن بوری میں ہو اس لیے حفظ ماتقدم کے طور پر پاتھم کو کسی خفیہ مقام پر منتقل کر گیا ہے جہاں اس سے پوچھ گچھ کی جائے گی اور اس کے بعد اسے بنکاک پولیس کے حوالے کردیا جائے گا۔"

"لیکن ماسٹر۔ کیا پاتھم کو بے یارومددگار چھوڑا جاسکتا ہے؟" میں نے کہا۔

"بالکل نہیں۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "تفتیش کے دوران میں اگر پولیس نے پاتھم سے تمہارا تعلق قائم کرلیا تو مہاراج کا وہ منصوبہ متاثر ہونے کا خطرہ بڑھ جائے گا جس کے لیے تمہیں تیار کیا جارہا ہے۔"

"کیسا منصوبہ؟" میں چونک گیا۔

"ابھی نہیں۔" ماسٹر کی آواز سنائی دی "یہ بات شاید قبل از وقت میرے منہ سے نکل گئی ہے لیکن وقت آنے پر تمہیں سب کچھ بتا دیا جائے گا۔ بہرحال، تم پریشان مت ہو۔ میں آج ہی معلوم کرنے کی کوشش کروں گا کہ پاتھم کو کہاں رکھا گیا ہے۔"

"مجھے ضرور اطلاع دینا ماسٹر۔" میں نے کہا "پاتھم نے میرے لیے کبھی اپنی جان کی پروا نہیں کی۔ میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔"

"اوکے۔ میں تمہیں بتا دوں گا۔" ماسٹر نے کہا اور فون بند کردیا۔

میں نے بھی ریسیور رکھ دیا اور مڑ کر دیکھا تو لیزا کے ساتھ جانی بھی کھڑی تھی۔ میری باتوں سے جانی سمجھ گئی تھی کہ صورتِ حال خاصی سنگین ہے۔ میں نے اسے تفصیل بتائی تو اس کی آنکھوں میں تشویش اُبھر آئی۔

"اب کیا کرنا ہے؟" جانی نے پوچھا۔

"سب سے پہلے تو یہ معلوم کرنا ہے کہ اسے کہاں رکھا گیا ہے اور پھر اس کے بعد ہی کچھ کیا جائے گا۔" میں نے جواب دیا اور لیزا کی طرف دیکھتے ہوئے چائے کی فرمائش کردی۔ لیزا وہاں سے چلی تو میں نے جانی کی طرف دیکھتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا "بنکاک پولیس اس گاڑی کے ذریعے پاتھم کے ورکشاپ تک پہنچ گئی ہے۔ یہاں کی پولیس نے بھی پاتھم کے بارے میں تصدیق کرنے کے لیے بنکاک پولیس کو فون کیا تو معلوم ہوا کہ بنکاک میں پاتھم ورکشاپ کی نگرانی کی جارہی ہے۔ وہ جیسے ہی واپس پہنچے گا، اسے گرفتار کرلیا جائے گا لیکن...."

"معاملہ یہیں پر گڑبڑ ہوگیا۔" جانی نے میری بات کاٹ دی۔

"ہاں۔" میں نے کہا "اس معاملے کو آگے بڑھنے سے روکنے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ پاتھم کو پولیس کی تحویل سے نکالا جائے۔"

"ہاں۔ یہ بہت ضروری ہے۔" جانی نے کہا اور تھائی کی طرف دیکھنے لگی جو اپنے کمرے سے نکل کر آنکھیں ملتی ہوئی آرہی تھی۔

اس سے پہلے کہ تھائی کچھ پوچھتی، میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ لیزا چائے لے کر آرہی تھی۔ لیزا، تھائی کے لیے بھی چائے بنا کر لے آئی تھی۔ چائے پینے کے دوران میں پاتھم ہی کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ لیزا اگرچہ قابلِ اعتماد تھی۔ ہم نے اس پر مکمل بھروسا کیا تھا اور اس نے ابھی تک ہمارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی تھی لیکن میں اسے ساری باتوں سے آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھتا تھا۔

شام سات بجے کے قریب ماسٹر ہوچن خود ہی پہنچ گیا۔

"پاتھم کا پتا چلالیا ہے۔" اس نے میرے پوچھنے سے پہلے ہی کہا "اسے سوئے تھائک پر واقع ایک بنگلے میں رکھا گیا ہے۔ یہ بنگلا بظاہر ایک ریٹائرڈ پروفیسر کی رہائش گاہ ہے لیکن درحقیقت اسپیشل پولیس کے استعمال میں رہتا ہے۔ یہاں ایسے لوگوں سے پوچھ گچھ کی جاتی ہے جو نہایت سنگین اور اہم معاملات میں ملوث ہوں۔ اسے تم ٹارچر سیل بھی کہہ سکتے ہو۔ یہاں ایذا رسانی کے جدید ترین آلات موجود ہیں۔ یہ اسپیشل پولیس والے تشدد کے ایسے ایسے طریقوں سے واقف ہیں کہ پتھر بھی بولنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔"

"آپ کو یہ باتیں....."

"پرمی کے ایک شاگرد سے معلوم ہوئی ہیں۔" ماسٹر نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "اس کا ایک کزن اسپیشل پولیس میں ہے۔ اس نے سب کچھ اسی سے معلوم کیا ہے۔"

"اور وہاں حفاظتی انتظامات؟" میں نے پوچھا۔

"وہاں چار آدمی ہیں۔" ماسٹر نے جواب دیا "وہ چاروں مستقل اس بنگلے پر ڈیوٹی دیتے ہیں۔ آج ایک پانچواں آدمی بھی وہاں موجود ہے جو پاتھم سے پوچھ گچھ کررہا ہے۔ یہ اسپیشل پولیس کے انٹیروگیشن سیل کا ایک انسپکٹر ہے جسے نہایت سفاک اور ظالم سمجھا جاتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ پاتھم کی زندگی کو خطرہ ہوسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ایسے لوگوں کو مارا نہیں جاتا۔" ماسٹر نے بتایا "پوچھ گچھ کے دوران میں ان پر تشدد تو کیا جاتا ہے لیکن اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ انہیں کوئی ظاہری چوٹ نہ لگے اور وہ اپنی زبان بھی بند نہ کریں۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "میں نے وہ بنگلا دیکھ لیا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ آج ہی رات اس بنگلے پر ریڈ کروا دیا جائے۔"

"نہیں ماسٹر۔" میں نے کہا "اب آپ اس معاملے میں ملوث نہیں ہوں گے۔ اگر ریڈ کے دوران میں کوئی گڑبڑ ہوگئی تو آپ نظروں میں آجائیں گے۔ اس طرح گڑبڑ ہوجائے گی اور بات براہِ راست مہاراج پر آئے گی۔"

"تو پھر۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟" ماسٹر نے چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"آپ مجھے وہ بنگلا دکھا دیں اور خود اس معاملے سے الگ رہیں۔" میں نے جواب دیا "اگر آپ کو مجھ پر بھروسا ہے تو یہ کارروائی مجھے کرنے دیں ماسٹر۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کوئی یہ بھی اندازہ نہیں لگا سکے گا کہ اس کارروائی کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔"

ماسٹر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔

"چلو۔ ابھی میرے ساتھ چلو۔"

ہم دونوں باہر آگئے۔ جہاں ماسٹر ہوچن کی گاڑی کھڑی تھی اور پچھلی سیٹ پر دو گن مین بیٹھے ہوئے تھے۔ ماسٹر نے اسٹیئرنگ سیٹ سنبھال لی اور میں اس کے ساتھ پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گیا۔

گاڑی مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی شہر کے مشرقی نواح میں ایک کنگ ایسفو سب ڈسٹرکٹ کے علاقے میں آگئی۔ یہ سونی صد رہائشی علاقہ تھا تاہم کہیں کہیں دکانیں موجود تھیں۔ اونچی نیچی سڑکیں کافی کشادہ تھیں۔ سڑکوں کے دونوں طرف بنگلے تھے۔ ایک مارکیٹ کے قریب سے گزرتے ہوئے ماسٹر نے کار بائیں طرف ایک سڑک پر گھمائی اور تقریباً دو سو گز آگے جاکر اس نے کار بائیں طرف ہی ایک کشادہ گلی میں موڑی اور اس کے ساتھ ہی اندر کی بتی بھی بجھادی اور کار کی رفتار کم کردی۔

گلی کے دونوں طرف کشادہ بنگلے تھے لیکن بنگلوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کی وجہ سے بہت سی جگہ چھٹی ہوئی تھی۔ ان سرسبز ٹیلوں پر پھولوں کے پودے تھے اور غالباً اس علاقے کو خوب صورت بنانے کے لیے ایسی جگہیں دانستہ چھوڑی گئی تھیں اور ان کی وجہ سے بنگلوں کے درمیان بھی فاصلہ حائل ہوگیا تھا۔

ابھی آٹھ ہی بجے تھے۔ گلی میں لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔ بعض بنگلوں کے سامنے گاڑیاں بھی کھڑی تھیں۔ ماسٹر ہوچن نے کار کی رفتار بہت کم کر رکھی تھی۔

"یہ ہے وہ بنگلا۔" اس نے سرسے بائیں طرف اشارہ کیا۔

اس بنگلے کے دونوں طرف سرسبز ٹیلے تھے۔ بنگلے کی عمارت مین گیٹ سے تقریباً پچاس گز پیچھے ہٹ کر تھی لیکن گیٹ کے اندر کی طرف بالکل ساتھ ایک کمرا بھی نظر آرہا تھا۔ وہ غالباً چوکی دار کا کمرا تھا جسے دوسرے الفاظ میں گارڈ روم بھی کہا جاسکتا تھا۔ پچھلی طرف سے بھی بنگلے کی دیوار ایک اونچے ٹیلے سے ملی ہوئی تھی۔

میں اس بنگلے کی طرف دیکھتا رہا اور کار آہستہ آہستہ آگے بڑھتی رہی۔ تقریباً بیس گز آگے کارنر پر ایک بنگلا تھا پھر یہ گلی دوسری گلی سے مل جاتی تھی۔ دونوں گلیوں کے اتصال نے یہاں انگریزی کے حرف "ٹی" کی شکل اختیار کرلی تھی۔ ماسٹر ہوچن نے کار بائیں طرف موڑلی اور چکر کاٹتے ہوئے ہم اس بنگلے کی پچھلی طرف والی گلی میں نکل آئے۔ اس طرف بھی بنگلوں کی صورت حال اسی طرح تھی۔ درمیان.... سرسبز ٹیلے تھے اور ان نیلوں پہ ہوتے ہوئے بڑی آسانی سے مطلوبہ بنگلے تک پہنچا جاسکتا تھا۔ نیلوں پر پھولوں کے پودوں کے علاوہ ایسے درخت بھی تھے جن کی شاخیں تراش دی گئی تھیں۔ کسی درخت کو چھتری کی شکل دے دی گئی تھی اور کوئی گیند کی طرح بالکل گول کٹا ہوا تھا لیکن کسی بھی درخت کی بلندی پانچ چھ فٹ سے زیادہ نہیں تھی۔

ہم ایک طویل چکر کاٹتے ہوئے لیزا کے بنگلے پر واپس آگئے۔

"کیا پروگرام ہے۔ تمہارے ذہن میں کیا منصوبہ ہے؟" ماسٹر نے اندر آنے کے بعد پوچھا۔

"اس علاقے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں دولت مندوں کی رہائش ہے اور وہاں رات کو جلد ہی سناٹا چھا جاتا ہوگا۔ مجھے جو کچھ بھی کرنا ہے' رات بارہ اور ایک بجے کے درمیان کروں گا۔" میں نے کہا اور اس بنگلے کی لوکیشن کو دیکھ کر میں نے جو منصوبہ بنایا تھا اس کے بارے میں آگاہ کرنے لگا۔

"کیا یہ خطرناک نہیں ہوگا۔" ماسٹر نے کہا "وہاں کم از کم پانچ آدمی ہوں گے اور تم صرف دو۔ میرا مطلب ہے صرف تم اور پرساد....."

"خطرے کو نظرانداز تو نہیں کیا جاسکتا لیکن زیادہ آدمیوں کو ساتھ لے جانے سے گڑبڑ ہوسکتی ہے۔" میں نے جواب دیا "ویسے میں نے جو منصوبہ بنایا ہے' اس میں ناکامی کا اندیشہ صرف ایک فی صد ہے۔"

"اوکے۔ وش یُو گڈ لک! اپنا خیال رکھنا۔" ماسٹر نے کہا اور کچھ ہی دیر بعد وہ رخصت ہوگیا۔

اس رات ہم نے کھانا جلدی کھالیا۔ میں نے لیزا کی کار کی لائسنس پلیٹیں اتار دیں اور پھر ہم ہال میں بیٹھ کر منصوبے کی جزئیات طے کرنے لگے۔ تھائی اور جانگی کو اس منصوبے میں اہم کردار ادا کرنا تھا۔ انہیں میں نے ساری پچویشن سمجھا دی اور اس حوالے سے انہیں مختلف ہدایات دینے لگا۔

تھائی وانگ اور جانگی دیوی کو دیکھ کر میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ بجلیاں جس آشیانے پر گریں گی اسے چشم زدن میں جلا کر راکھ کرڈالیں گی۔ ان کے حسین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا لیکن اس وقت تو وہ دونوں واقعی قیامت ڈھا رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو قیامت بنانے میں تمام تر صلاحیتیں صرف کردی تھیں۔

ہم برآمدے میں پہنچے تو ڈیوٹی دینے والے دونوں گن مین انہیں دیکھ کر پلکیں جھپکنا بھول گئے۔ دونوں کار کی پچھلی سیٹ پر گئیں۔ میں پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گیا اور پرسادنے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

کار مختلف سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ میں پرساد کو راستہ بتا رہا تھا۔ ماسٹر ہوچن کے ساتھ جاتے ہوئے میں نے ان راستوں کا ایک موڑ ذہن نشین کرلیا تھا اس لیے مجھے راستے کی نشان دہی کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔

میں نے کار بنگلوں والی سڑکوں کے "ٹی" والے موڑ پر اور ہاتھ کے اشارے سے تھائی اور جانگی کو اس بنگلے کے بارے میں بتانے لگا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ایک بار پھر وہ ہدایات دیں جن کے مطابق انہیں کام کرنا تھا۔

ان دونوں کو وہاں اتار کر ہم کار آگے لے گئے اور پچھلی پر جاکر کار سڑک کے کنارے پر روک دی اور ہم دونوں نیچے آگئے۔ ہم چند لمحے وہاں کھڑے اِدھر اُدھر دیکھتے رہے پھر ٹیلے پر کراس اس بنگلے کی پشت کی طرف بڑھنے لگے جو ہمارا ہدف تھا۔ رات کے وقت اس علاقے میں سناٹا تھا اور ہمارے دیکھ لیے جانے کی توقع نہیں تھی لیکن ہم احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ ٹیلے پر کئی اور ترشی ہوئی شاخوں والے درختوں کی آڑ لے کر ہم آگے بڑھتے رہے۔

پرساد نے پستول نکال لیا تھا۔ میرے پاس بھی اگرچہ ہتھیار موجود تھا لیکن اس وقت میں نے خنجر کو ترجیح دی تھی۔ ہم محتاط انداز میں چلتے ہوئے بنگلے کی عقبی دیوار کے قریب رک گئے۔ میں نے ذرا سا اوپر ہو کر دیوار کے دوسری طرف دیکھا۔ بنگلے کے عقبی کمرے کی ایک کھڑکی میں روشنی نظر آرہی تھی۔ بنگلے کے سامنے کے رخ پر بھی کوئی بلب جل رہا تھا جس کی مدھم سی روشنی دائیں طرف پام کے درختوں تک بھی پہنچ رہی تھی۔

میں نے تھائی اور جانگی کو پندرہ منٹ کا وقت دیا تھا۔ انہیں سگنل ملنے کے بعد ہی ہم اگلا قدم اٹھاتے۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ ایک ایک لمحہ صدیوں کی بھاری محسوس ہورہا تھا۔ یہ بھی اندیشہ اپنی جگہ۔ بہرحال موجود خطرات اگر ان لوگوں کو جانگی اور تھائی پر کسی قسم کا شبہ ہوگیا تو لینے کے دینے پڑجائیں گے۔

پندرہ منٹ گزر گئے۔ تھائی یا جانگی کی طرف سے سگنل نہ ملا۔ اب گزرنے والے ہر لمحے کے ساتھ میری بے چینی بھی بڑھ رہی تھی۔

پانچ منٹ اور گزر گئے۔ میرے خیال میں مزید انتظار خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ میں نے پرساد کو اشارہ کیا اور بڑی آہستگی سے دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود گیا۔ نیچے کچی زمین تھی۔ میں نے ہلکی سی آواز پیدا ہوئی تھی اور یہ آواز اندر والوں کو متوجہ کرسکتی تھی۔ میں نے ایک لمحہ توقف کیا اور پھر پام درختوں کی آڑ لیتا ہوا تیزی سے آگے بڑھنے لگا اور بالآخر ایک درخت کے پیچھے رک گیا۔ اسی لمحے دھب کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ پرساد بھی دیوار سے کود چکا تھا۔ میں ایک بار پھر آگے بڑھنے لگا اور پھر درختوں کی آڑ سے نکل کر عمارت کی دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ اس طرف پہلو کے کمروں کی کھڑکیاں تھیں مگر ہر کھڑکی بند تھی۔ میں دیوار کے ساتھ چپک کر آہستہ آہستہ سرکنے لگا اور دوسرے پر رک کر دوسری طرف جھانکنے لگا۔

یہ حصہ اور اس کے ساتھ واقع گارڈ روم یہاں سے صاف نظر آرہا تھا۔ گارڈ روم میں بتی جل رہی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن کمرا خالی تھا کسی کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

میری پریشانی اب بڑھ رہی تھی۔ تقریباً پچیس منٹ ہوچکے تھے۔ میں موڑ گھوم کر آگے بڑھ گیا۔ دائیں طرف تقریباً دس گز کے فاصلے پر بہت بڑا برآمدہ تھا۔ وہاں دو بڑے بڑے ستون تھے جنہوں نے برآمدے کی چھت کو سہارا دے رکھا تھا۔ میں آہستہ آہستہ برآمدے کی طرف بڑھنے لگا۔ برآمدے کا فرش تقریباً دو فٹ اونچا تھا۔ کنارے پر گملے رکھے ہوئے تھے اور ستونوں پر بھی بیلیں لپٹی ہوئی تھیں۔ میں برآمدے پر چڑھ کر ستون کی آڑ میں کھڑا ہوگیا اور بند دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی ایک کھڑکی بھی تھی۔ اندر اگرچہ روشنی تھی مگر کھڑکی میں لگے ہوئے ٹنٹیڈ گلاس کی وجہ سے اندر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

گارڈ روم کے اندر اور کمپاؤنڈ میں کسی کی موجودگی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے جس کا مطلب تھا کہ جانگی وغیرہ بھی اندر تھیں یا انہیں اندر لے جایا جاچکا تھا اور انہیں سگنل دینے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

میں آگے بڑھنے کا ارادہ کررہا تھا کہ ایک گملا میرے پیر سے ٹکرا کر نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔ گملا ٹوٹنے کی آواز سناٹے میں دور تک پھیل گئی تھی۔ میں ستون کے ساتھ چپک کر کھڑا ہوگیا اور میری توقع کے عین مطابق چند سیکنڈ بعد برآمدے والا دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر نکل کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دروازہ کھلنے سے برآمدے میں بھی کچھ دھیمے پر روشنی پھیل گئی تھی۔ اپنے آپ کو اس شخص کی نظروں سے محفوظ رکھنے کے لیے میں نے اپنی جگہ سے معمولی سی حرکت کی تو میرا پیر ایک اور گملے سے ٹکرا گیا۔ وہ گملا گرا تو نہیں البتہ اپنی جگہ سے ہل کر رہ گیا تھا۔ وہ شخص بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھا اور ستون کے قریب سے گزر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ یہی موقع تھا جب میں نے بڑی پھرتی سے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ آہٹ پاکر وہ شخص بھی مڑنا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے موقع نہیں دیا۔ میں نے ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبالیا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے خنجر کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی۔

"کوئی حرکت کی تو گردن کاٹ دوں گا۔" میرے حلق سے سانپ کی سی پھنکار نکلی۔

میں اس کا منہ دبائے اور خنجر کی زد پر رکھے اسے برآمدے سے اتار کر نیچے لے آیا اور دیوار کی آڑ میں پہنچ کر اس کی گردن کو زور دار جھٹکا دیا۔ اس طرح کوئی عام آدمی بھی کسی کی گردن کو زوردار جھٹکا دے تو گردن کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے لیکن میں نے جو جھٹکا دیا تھا اس میں طاقت کم اور ٹیکنیک زیادہ استعمال ہوئی تھی۔ کڑک کی آواز کے ساتھ گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ وہ شخص مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ میں نے بڑی سختی سے اس کا منہ دبائے رکھا تاکہ کوئی آواز نہ نکل سکے۔ میں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ اس کی گردن کو ایک اور جھٹکا دیا۔ کڑک کی ایک اور آواز ابھری۔

وہ شخص میری بانہوں میں مچل رہا تھا۔ بالآخر وہ بے حس و حرکت ہوکر بانہوں میں جھول گیا۔ میں اسے گھسیٹ کر مزید آگے لے گیا اور دیوار کے ساتھ ڈال دیا اور تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا دوبارہ برآمدے میں آگیا۔ میں چند لمحے ستون کے پیچھے کھڑا رہا۔ دروازہ کھلا ہوا ہونے کی وجہ سے اب مجھے تھائی یا جانگی کی دبی دبی ہنسی کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں دبے قدموں آگے بڑھا اور دروازے سے اندر جھانکنے لگا۔

اندر کا منظر میری توقع کے عین مطابق تھا۔ وہ دو آدمی تھے۔ ایک نے جانگی کو دبوچ رکھا تھا اور دوسرے نے تھائی کو۔ وہ دونوں بال نفیس سمجھ کر ان پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ تھائی اور جانگی دبی دبی ہنسی کے ساتھ کچھ کہتے ہوئے انہیں قابو میں کرنے کی کوشش کررہی تھیں۔ میں نے تھائی اور جانگی کو پندرہ منٹ کا وقت دیا تھا لیکن یہاں کی صورت حال دیکھ کر مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ جس مقصد کے لیے انہیں بھیجا گیا تھا اس کے لیے پندرہ منٹ بہت کم تھے۔

ماسٹر کی اطلاع کے مطابق یہاں پانچ آدمی ہونے چاہییے تھے۔ ایک میرے ہاتھوں مارا گیا تھا' دو سامنے ہال میں تھے۔ میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ مجھے باقی دو کے علاوہ پانچم کی بھی تلاش تھی۔ ممکن ہے وہ کسی اور کمرے میں ہوں یا کوئی تہ خانہ ہو جہاں پانچم کو تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہو۔

سامنے دیکھتے ہوئے اچانک میں چونک گیا۔ ہال کے دوسری طرف بالکل سامنے والی کھڑکی کا ایک پٹ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا۔ میں بڑی گہری نظروں سے اس طرف دیکھ رہا تھا۔ کھڑکی کا پٹ چھ سات انچ کے قریب کھل گیا اور اس کے دوسری طرف پرساد کا چہرہ دیکھ کر میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

کھڑکی کا پٹ پوری طرح کھل گیا۔ پرساد اب آہستہ آہستہ باہر سے چوکھٹ پر چڑھ رہا تھا۔ میں بھی ذرا آگے بڑھ گیا۔ پرساد نے مجھے دیکھ لیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں پستول تھا۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے بائیں ہاتھ کا انگوٹھا اٹھا دیا اور محتاط انداز میں

کھڑکی سے اُترنے لگا۔

وہ دونوں آدمی تھائی اور جانکی میں اس قدر مگن تھے کہ انہیں نہ تو اپنے ایک ساتھی کی عدم موجودگی کا احساس ہوسکا اور نہ ہی میری اور پرساد کی موجودگی کا۔

کھڑکی سے اترتے ہوئے پرساد کی نظریں ان دونوں پر تھیں۔ اس نے ایک پیر قریب پڑی ہوئی کرسی پر رکھا لیکن پیر ٹھیک طرح نہیں پڑا تھا۔ کرسی الٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی پرساد بھی اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا۔ وہ بھی کرسی کے ساتھ ہی نیچے گرا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکل گئی تھی۔

آواز سن کر وہ دونوں آدمی چونک گئے۔ انہوں نے کھڑکی کی طرف دیکھا اور پھر اپنے اپنے مال غنیمت کو چھوڑ کر پرساد کی طرف لپکے۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ میں پوری قوت سے اپنی جگہ سے اچھلا اور ہوا میں اڑتا ہوا ان میں سے ایک آدمی کے اوپر جا گرا اور اسے اپنے ساتھ لیتے ہوئے قالین پر گر گیا۔ اس اچانک افتاد پر وہ آدمی بُری طرح بدحواس ہوگیا لیکن فوراً ہی سنبھل کر اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

چھلانگ لگاتے ہوئے خنجر میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا لیکن میں نے اس شخص کی گردن گرفت میں لے لی۔ میرا ایک ہاتھ اس کی ٹھوڑی کے نیچے تھا' دوسرا کھوپڑی پر۔ میں اس کی گردن کو زور زور سے جھٹکے دینے لگا۔ وہ میرے دونوں ہاتھ پکڑے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

میرے جبڑے بھنچ گئے اور میں اس کی گردن مروڑنے کے لیے پوری قوت استعمال کرنے لگا۔ اس کھیل کا ایک ہی اصول ہوتا ہے۔ حریف کی جان لے لو یا اپنی جان دے دو۔ درمیان کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ میں اپنی جان نہیں گنوانا چاہتا تھا' حریف کو بے جان کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور بالآخر اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ ایک زور دار جھٹکا لگا۔ کڑک کی آواز ابھری اور گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس وقت مجھ پر جنون سا طاری ہو رہا تھا۔ میں نے ایک دو اور جھٹکے دیے اور اسے تڑپتا چھوڑ کر اٹھ گیا اور لپک کر اپنا خنجر اٹھالیا۔

پرساد دوسرے آدمی کے نیچے دبا ہوا تھا۔ میں اس طرف بڑھا اور پھر فائر کی آواز سن کر رک گیا۔ پرساد کے پستول کی گولی نے اس آدمی کے سینے میں سوراخ کردیا تھا۔ پرساد اسے ایک طرف دھکیل کر اٹھ گیا۔ خون کے کچھ چھینٹے پرساد کی شرٹ پر بھی پڑے تھے۔

جانکی اور تھائی اٹھ کر لباس درست کر رہی تھیں۔ میں ایک بار پھر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پاتھم اور دوسرے دو محافظوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جانکی شاید میری نگاہوں کا مطلب سمجھ گئی۔ وہ ایک راہداری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخی۔

"اِدھر۔ اس طرف ایک کمرے میں تہ خانے کا راستہ ہے۔ پاتھم وہیں ہے۔"

میں خنجر ہاتھ میں لیے راہداری کی طرف لپکا۔ ٹھیک اسی ایک آدمی ایک کمرے کے دروازے سے باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ ان لوگوں نے شاید فائر کی آواز سن لی تھی۔ یہ شخص غالباً صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے باہر آیا تھا۔ اس نے کرا اس نے صورتِ حال کا اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگائی۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر فائر کردیا۔ میں اسی وقت گیا تھا مگر ایک لمحے کی بھی تاخیر ہوجاتی تو اس کی چلائی ہوئی میری زندگی کا خاتمہ کرسکتی تھی۔

اس شخص نے میرے پیچھے پرساد کو آتے دیکھ لیا تھا۔ دوسری گولی چلانے کا موقع نہیں مل سکا۔ وہ تیزی سے مڑ کر میں گھس گیا۔ میں نے بھی اس کے پیچھے ہی چھلانگ لگا دی۔ میں نے دروازے میں قدم رکھا تو وہ شخص کمرے کے آخری سرے پر تہ خانے کی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ اس نے پیچھے مڑ کر پستول ہاتھ اوپر اٹھایا لیکن اسے ٹریگر دبانے کا موقع نہیں مل سکا۔ میرے ہاتھ سے نکل کر پرندے کی طرح ہوا میں تیرتا ہوا اس کے حلق میں ترازو ہوگیا۔ اس کے منہ سے نکلنے والی چیخ خوفناک تھی۔ وہ سیڑھیوں پر گرا اور نیچے لڑھکتا چلا گیا۔

میں نے بڑی پھرتی سے اپنی جیب سے پستول نکال لیا۔ دوران میں پرساد بھی کمرے میں داخل ہوچکا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا سے پہلے تہ خانے کی سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ میں نے بھی اس پیچھے ہی دوڑ لگا دی۔

بہت بڑا تہ خانہ تھا' جسے جدید ترین عقوبت خانہ کہا جاسکتا تھا۔ دیواروں پر ایسے آلات ٹنگے ہوئے تھے جو اذیت دینے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ الماریوں میں بھی اذیت رسانی کے جدید ترین آلات سجے ہوئے تھے۔ دو دیواروں میں آہنی ہک لگے ہوئے تھے جن کے ساتھ آہنی زنجیریں بھی منسلک تھیں۔ چھت پر بھی کئی جگہوں پر اس قسم کے ہک نظر آرہے تھے۔

پاتھم ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ کرسی کے ہتھوں پر اور پیر کرسی کے پایوں سے چرمی بیلٹوں کی مدد سے بندھے ہوئے تھے۔ اس کے سر پر چمڑے کی ایک عجیب قسم کی ٹوپی رکھی ہوئی تھی جس سے اس کی کنپٹیاں اور کان بھی ڈھکے ہوئے تھے۔ اس ٹوپی کے پچھلے حصے میں بجلی کے دو تار تھے جو کرسی کے ایک حصے سے جڑے ہوئے تھے۔ کرسی کی پچھلی طرف سے نکلنے والا ایک تار دیوار کے پلگ میں لگا ہوا تھا۔ پاتھم کا سر ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔

کرسی کے قریب ہی ایک دراز قامت بھاری بھرکم آدمی کھڑا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ دیوار کے سوئچ پر تھا۔ وہ اسپیشل پولیس کا افسر تھا جسے پاتھم سے پوچھ گچھ کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ پاتھم کو بجلی کے جھٹکے دے کر تشدد کا نشانہ بنایا جارہا تھا۔

ہمیں دیکھتے ہی انسپکٹر نے دیوار پر لگا ہوا سوئچ آن کردیا اور

کرب کے تاثرات اُبھر آئے تھے۔

"اب پتا چلا؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"مم.... مجھے چھوڑ دو۔" انسپکٹر چیخا "تم جو کچھ کہو گے میں کرنے کو تیار ہوں۔"

"گڈ۔" میں مسکرا دیا "ایک بہت معمولی سے جھٹکے سے ساری بات تمہاری سمجھ میں آگئی لیکن میں تم سے کوئی کام نہیں لینا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اب تم یہاں آرام کرو۔"

میں نے پرساد کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا۔ اس نے فرش پر پڑا ہوا اپنا پستول اٹھالیا اور پاتھم کو کندھے پر لاد لیا۔

میں نے سوئچ آن کردیا اور پرساد کے پیچھے سیڑھیوں کی طرف لپکا۔ انسپکٹر کی خوفناک چیخیں تہ خانے میں گونج رہی تھیں۔ سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے میں رک گیا۔ وہاں اس شخص کی لاش پڑی تھی جو میرے خنجر کا شکار ہوا تھا۔ خنجر اس کے حلق میں پیوست تھا۔ شہ رگ کٹ گئی تھی اور خون اب بھی سیڑھیوں پر پھیل رہا تھا۔ میں نے خنجر کو دستے سے پکڑ کر کھینچ لیا۔ خون آلود بلیڈ اس کے لباس سے صاف کیا اور تہ خانے سے باہر آگیا۔

تھائی اور جانکی ابھی تک ہال میں کھڑی تھیں۔ پرساد پاتھم کو کندھے پر لادے کھڑا تھا پھر اس نے پاتھم کو ایک صوفے پر ڈال دیا۔

"تم لوگ یہیں رکو باس۔ میں گاڑی کو گیٹ کی طرف لے آتا ہوں۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جو کچھ بھی کرنا ہے' جلدی کرو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

پرساد دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ پولیس سائرن کی آواز سن کر ہم سب اچھل پڑے۔ اس بنگلے سے چیخوں کی آوازیں بھی گونجی تھیں اور دو تین فائر بھی ہوئے تھے اور میرا خیال تھا' قریب کے کسی بنگلے میں رہنے والے کسی شخص نے یہ آوازیں سن کر پولیس کو فون کردیا تھا۔

میں نے مڑ کر راہداری کی طرف دیکھا۔ تہ خانے سے اب انسپکٹر کی چیخوں کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ بجلی کے جھٹکوں نے نہ صرف اس کی زبان خاموش کردی تھی بلکہ اس کی رگوں میں خون کو بھی جلا ڈالا ہوگا۔

پرساد نے بڑی پھرتی سے جھک کر پاتھم کو کندھے پر لاد لیا۔

"جلدی کرو باس۔ ہم پچھلی طرف سے ہی جائیں گے۔" اس نے کہا۔ اس نے ایک ہاتھ سے پاتھم کو سنبھال رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ میں پستول تھا۔

ہم دروازے سے نکل کر برآمدے میں آگئے۔ پرساد اب بھی ہم سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے جانکی' تھائی اور آخر میں' میں تھا۔ میں نے اپنا پستول تھائی کو دے دیا تھا۔

قریب ہی میز پر رکھے ہوئے ریوالور کی طرف لپکا۔

کمرا پاتھم کی چیخوں سے گونج رہا تھا۔ اس کی چیخیں بڑی خوفناک تھیں۔ میرا دل دہل گیا۔ اس کے جسم کو جھٹکے لگ رہے تھے۔ میں نے اور پرساد نے بیک وقت ہی اپنی اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی تھی۔ پرساد تو انسپکٹر کے اوپر جا گرا تھا اور میں نے کرسی کے پیچھے پہنچ کر نہ صرف سوئچ آف کردیا بلکہ پلگ بھی نکال دیا۔ پاتھم کے جسم کو جھٹکے لگنا بند ہوگئے۔ چیخیں بھی معدوم ہوتی چلی گئیں۔ اس کا سر ایک بار پھر سینے پر جھک گیا۔ میں نے اس کے سر سے وہ عجیب و غریب چرمی ٹوپی اتار دی۔ اس کے اندر آہنی پلیٹیں لگی ہوئی تھیں۔ میں وہ ٹوپی ایک طرف پھینک کر اس کے ہاتھ پیر کھولنے لگا۔

"پاتھم.... پاتھم.... ہوش میں آؤ پاتھم.... میری آواز سن رہے ہو؟" میں اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

پاتھم نے سر اٹھا کر بڑی مشکل سے آنکھیں کھولیں لیکن دوسرے ہی لمحے اس کا سر پھر جھک گیا۔ میں اسے سنبھالنے اور ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔

پرساد انسپکٹر سے نمٹنے میں مصروف تھا۔ وہ انسپکٹر کسی پہلوان کی طرح خاصا طاقت ور تھا۔ اس کے برعکس پرساد دُبلا پتلا لیکن اس سے زیادہ پھرتیلا تھا۔ پرساد نے میرے ساتھ رہتے ہوئے لڑائی کے داؤ پیچ سیکھ لیے تھے اور وہ اپنے حریف کے خلاف یہ داؤ پیچ بہت خوبی سے استعمال کر رہا تھا لیکن میں سمجھ گیا کہ وہ انسپکٹر اس کے قابو میں نہیں آئے گا۔ میں نے پاتھم کو کرسی سے اٹھا کر ایک میز پر لٹا دیا اور انسپکٹر کی تواضع کرنے میں پرساد کی مدد کرنے لگا۔ انسپکٹر بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس کھیل میں بچ کا کوئی راستہ نہیں۔ وہ "مار دو یا مرجاؤ" کے اصول کو سمجھتا تھا لیکن اس کی پوزیشن بڑی آک ورڈ (نازک) تھی۔

چند منٹ بعد ہی وہ ہماری گرفت میں آچکا تھا۔ ہم نے انسپکٹر کو اسی کرسی پر بٹھا کر اس کے ہاتھ پیر چرمی فیتوں سے باندھ دیے۔ اس نے مزاحمت تو بہت کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ میں نے اس کے سر پر آہنی پلیٹوں والی چرمی ٹوپی بھی پہنا دی اور کرسی سے منسلک تار کا پلگ دیوار کے ساکٹ میں لگا دیا۔ انسپکٹر کے چہرے پر بے پناہ خوف اُبھر آیا تھا۔

"تم نے تشدد کا یہ برقی حربہ بہت سے لوگوں پر آزمایا ہوگا۔ اس سے لوگ زبان تو کھول دیتے ہیں لیکن تمہیں یہ پتا نہیں ہوگا کہ انسانی جسم پر برقی جھٹکوں کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں....." میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آج تمہیں یہ بھی پتا چل جائے گا کہ لوگ اس طرح زبان کھولنے پر مجبور کیوں ہوجاتے ہیں۔"

میں نے سوئچ آن کردیا۔ کمرا انسپکٹر کی خوف ناک چیخوں سے گونج اٹھا۔ میں نے سوئچ آف کردیا۔ انسپکٹر کے چہرے پر بے پناہ

ہم بنگلے کے عقبی ان کی طرف دوڑ رہے تھے۔ پولیس سائرن کی آواز قریب آتی جارہی تھی لیکن پھر اچانک فائرنگ کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ سائرن کی آواز بند ہوگئی البتہ فائرنگ کی آوازیں بڑھتی گئیں۔ لگتا تھا جیسے پولیس کسی اور پارٹی سے بھڑ گئی تھی۔

پاتھم بے ہوش تھا۔ اسے دیوار کی دوسری طرف پہنچانے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی پھر میں نے باری باری تھائی اور جانکی کو بھی دیوار پر کھینچ لیا۔ پرساد نے ایک بار پھر بے ہوش پاتھم کو کندھے پر لاد لیا تھا۔ ہم تاریکی میں اس ٹیلے پر دوڑنے لگے جس کی دوسری طرف ہماری کار کھڑی تھی۔

پاتھم کو پچھلی سیٹ پر ڈال دیا گیا اور جانکی و تھائی اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔ پرساد میرے بیٹھنے سے پہلے ہی اسٹیئرنگ سنبھال چکا تھا۔

فائرنگ کی آوازوں میں اب شدت آگئی تھی۔ یہ محض اتفاق تھا کہ پولیس کسی اور پارٹی سے بھڑ گئی تھی جس کا فائدہ ہمیں پہنچا تھا۔ اگر پولیس کو راستے میں یہ رکاوٹ پیش نہ آتی تو ہمیں اس طرح آسانی سے اس بنگلے سے فرار ہونے کا موقع نہ مل سکتا۔

پرساد کار کو مخالف سمت میں لے گیا تھا۔ اس وقت سڑکوں پر اگرچہ سناٹا تھا لیکن پرساد کار کو ایسے راستوں پر لے جارہا تھا جہاں پولیس کی کسی گشتی پارٹی سے آمنا سامنا ہونے کا خطرہ کم سے کم ہو۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم کسی رکاوٹ کے بغیر لیزا کے بنگلے پر پہنچ گئے۔ پاتھم کو فوراً ہی ایک کمرے میں لے جاکر بیڈ پر لٹا دیا گیا۔ وہ بجلی کے جھٹکوں سے بے ہوش ہوا تھا۔ اتنا میں جانتا تھا کہ جو شخص بجلی کے جھٹکے یا کرنٹ لگنے سے بے ہوش ہوا ہو، اسے ہوش میں لانے کے لیے منہ میں پانی ٹپکانا یا پانی کے چھینٹے دینا خطرناک ہوتا ہے۔ لیزا تھائی کے کنٹے پر پانی کا گلاس لے آئی تھی لیکن میں نے اسے روک دیا اور پانی کو پاتھم سے دور ہی رکھا گیا لیکن میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے ہوش میں کس طرح لایا جائے۔ زیادہ لمبی بے ہوشی بھی اس کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔

میں فون کا ریسیور اٹھا کر ماسٹر ہوچن کا نمبر ملانے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ جاگ رہا ہوگا اور میری طرف سے کسی رپورٹ کا منتظر ہوگا۔ کال پہلی ہی گھنٹی پر ریسیو کرلی گئی۔

"کامیابی مبارک ہو لٹل ماسٹر۔" ماسٹر ہوچن نے میری آواز سنتے ہی کہا۔

"آپ کو کیسے پتا چلا کہ ہم کامیاب لوٹے ہیں؟" میرے لہجے میں حیرت تھی۔

"مجھے ابھی ابھی اطلاع ملی ہے۔" ماسٹر نے جواب دیا "میرے آدمی آس پاس موجود تھے۔ اگر وہ پولیس کو نہ الجھا لیتے تو تم لوگوں کو وہاں سے نکلنے میں کچھ دشواری پیش آسکتی تھی۔"

"اوہ۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ تو وہ ماسٹر ہوچن کے آدمی تھے جنہوں نے پولیس کو الجھا لیا تھا اور ہمیں آسانی سے نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔ میں نے ماسٹر ہوچن کو اپنا تعارف میں بتایا تو اس نے مشورہ دیا کہ اس کے ساتھ کوئی جائے۔ کچھ دیر بعد وہ خود ہی ہوش میں آجائے گا۔

ماسٹر ہوچن نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے ہوش میں آگیا مگر وہ ہماری کسی بات کا جواب دینے ہونٹوں کی طرح ہمارے چہروں کو تکتا رہا۔ لگتا تھا جیسے سماعت اور گویائی کی قوتیں سلب ہوچکی ہوں۔ اس وقت دہشت سی طاری تھی جس کے تاثرات اس کے چہرے پر آرہے تھے لیکن چند منٹ بعد اس کے چہرے کے تاثرات لگے۔ میرا اندیشہ غلط نکلا۔ بجلی کے جھٹکوں نے اسے تکلیف پہنچائی تھی لیکن وقتی طور پر حواس زائل ہونے کے سوا نقصان نہیں پہنچا تھا اور اب اس کے حواس بھی بحال ہو جس پر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

پرساد پاتھم والے کمرے میں رہ گیا۔ جانکی اور لیزا کمرے میں چلی گئیں اور میں تھائی کے ساتھ اپنے کمرے آگیا۔ تھائی اب بھی اسی لباس میں تھی اور میں اس کی طرف ہوئے جھجک رہا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ لباس بڑا شرمناک لیکن جس مقصد کے لیے ہم جانکی اور تھائی کو ساتھ لے کر اس کے لیے ایسا لباس پہننا بہت ضروری تھا۔ اس لباس کے حسن و شباب کو نمایاں کیا تھا اور بنگلے کے محافظ اپنے اور ذمے داریاں بھول کر بڑی آسانی سے ان کے جال میں گئے تھے۔

تھائی نے باتھ روم میں جاکر لباس تبدیل کرلیا۔ اب اس گلابی رنگ کی نائٹی پہن لی تھی اور میرے خیال میں اس کا خوابی کا یہ لباس بھی خاصا خطرناک تھا۔ میں بیڈ کے سائے کرکے بیٹھا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بنگلے میں داخل ہونے سے پہلے ہم میں طے ہوا تھا کہ پندرہ منٹ میں تم ہمیں سگنل دو گی لیکن سگنل نہیں ملا تو مجھے پریشان ہونے لگی اور..."

"ان کم بختوں نے ہمیں موقع ہی نہیں دیا تھا۔" تھائی بات کاٹتے ہوئے کہا "ہم نے گیٹ کھٹکھٹایا تو ایک آدمی باہر تھا۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ ہم سیرو تفریح کے لیے یہاں اس علاقے میں واقع ایک بنگلے میں رہائش پذیر ہیں۔ اس وقت فلم دیکھ کر واپس آرہے ہیں لیکن اپنا بنگلا بھول گئے ہیں۔ اگر وہ اجازت دے تو ہم یہاں سے فون کرلیں۔ وہ شخص چند لمحے دیکھتا رہا پھر اس نے اندر سے اپنے ایک ساتھی کو بلا لیا۔ آپس سرگوشیوں میں کوئی بات کی اور وہ ہمیں اندر لے گئے۔ ہال داخل ہوتے ہی انہوں نے دروازہ بند کردیا۔ ہم نے بظاہر خوف

ہونے کی اداکاری کی لیکن جب انہوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کی تو ہم نے کوئی مزاحمت بھی نہیں کی۔ اسی دوران میں ان کا ایک اور ساتھی بھی کہیں سے آگیا۔ ان کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس عمارت میں کوئی تہ خانہ بھی ہے اور پاتھم اسی تہ خانے میں ہے اور کسی معاملے میں اس کی زبان کھلوانے کی کوشش کی جارہی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "ہم انہیں موقع دے رہے تھے۔ حوصلہ افزائی پاکر ان کی دست درازیاں بڑھتی گئیں اور اس طرح مجھے یا جانکی کو کوئی سگنل دینے کا موقع نہیں مل سکا۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ دیر ہو جانے کی صورت میں تم لوگ اندر ضرور آؤ گے اور پھر یا ہر کسی چیز کے گرنے کی آواز سن کر میں سمجھ گئی کہ تم میں سے کوئی اس طرف پہنچ چکا ہے۔ ایک آدمی باہر چلا گیا تھا۔ میں پوری توجہ باہر کی طرف مبذول رکھے ہوئے تھی۔ میں نے کچھ آوازیں سنی تھیں پھر یوں لگا جیسے کسی کو گھسیٹا جارہا ہو۔ ان دونوں آدمیوں میں سے کوئی بھی ان آوازوں پر توجہ نہیں دے سکا۔ ان کی ساری توجہ تو ہماری طرف تھی۔ لگتا تھا جیسے زندگی میں پہلی مرتبہ انہیں کسی عورت کے اتنا قریب ہونے کا موقع ملا ہو اور وہ اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کررہے تھے پھر جب میں نے تمہیں برآمدے والے دروازے سے جھانکتے دیکھا تو میں سمجھ گئی کہ باہر وہ آوازیں کیسی تھیں۔"

"اگر ہم اندر داخل نہ ہوتے تو جانتی ہو وہ لوگ تم دونوں کا کیا حشر کرتے؟" میں نے تھائی کے خاموش ہونے پر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آج رات صورتِ حال وہ نہیں تھی جو اس رات کا سبق میں پیش آئی تھی۔" تھائی نے جواب دیا۔

میں چند لمحے خاموش رہا پھر ہم پاتھم کے حوالے سے پیدا ہونے والی صورتِ حال پر تبادلۂ خیال کرنے لگے۔ بنگاک میں اس گاڑی کے ذریعے پولیس کا پاتھم کے ورکشاپ تک پہنچ جانا واقعی خطرناک تھا اور پھر یہاں کی پولیس کو بھی یہ تصدیق ہوگئی تھی کہ پاتھم وہی ہے جو بنگاک پولیس کو پیڈرو کے بھائی کے قتل کے الزام میں مطلوب ہے۔ پاتھم نے یہاں پولیس کے تشدد کے سامنے زبان نہیں کھولی تھی۔ پولیس ابھی تک یہ معلوم نہیں کرسکی تھی کہ پاتھم سے میرا کوئی تعلق ہے لیکن میں سمجھتا تھا کہ پولیس اتنی بے وقوف بھی نہیں۔ اس محکمے میں بھی بڑے بڑے ذہین دماغ موجود ہیں۔ وہ دو جمع دو کا نتیجہ اخذ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگائیں گے اور پھر آج یہاں جو کچھ ہوا تھا وہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ہم پاتھم کو پولیس کے خفیہ عقوبت خانے سے نکال لائے تھے اور پانچ پولیس والے ہمارے ہاتھوں مارے گئے تھے جن میں اسپیشل پولیس کا ایک انسپکٹر بھی تھا۔

مقامی پولیس یہ بھی جانتی تھی کہ میں اور ماسٹر ہوچن ابھی کنچن پوری ہی میں موجود ہیں۔ مقامی پولیس اگرچہ پاتھم اور ہمارے درمیان کوئی تعلق تلاش نہیں کرسکی تھی لیکن بنگاک پولیس سے تفصیلات حاصل ہونے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچنے میں دیر نہیں لگائیں گے کہ اس کارروائی میں ہمارا ہاتھ ہوسکتا ہے۔

آج کے اس ہنگامے میں پانچ آدمی مارے گئے تھے۔ ایک پرساد کے ہاتھوں گولی کا نشانہ بنا تھا اور چار میرے ہاتھوں ختم ہوئے تھے۔ میرے ہاتھوں کسی کا مارا جانا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ بعض اوقات مجھے اپنے آپ پر حیرت بھی ہوتی تھی۔ میں اتنا ظالم کیوں ہوگیا تھا۔ میرے اندر اتنی سفاکی کیوں آگئی تھی۔ کسی کو موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے مجھ پر ایسا جنون کیوں طاری ہوجاتا تھا؟ اس کی وجہ تلاش کرنے کے لیے شاید زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ میرے ماں باپ کو میری نظروں کے سامنے بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا اور پھر چاچا پرتاب سنگھ کو گولیوں سے چھلنی کیا گیا تھا۔ قدم قدم پر مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی گئی تھی۔ کئی بے گناہوں کو میرے سامنے بے دردی سے قتل کیا گیا تھا۔ ان تمام عوامل نے میرے دل میں شدید نفرت پیدا کردی تھی۔ میں ہر اس شخص کو مار دینا چاہتا تھا جو میری جان لینے کے ارادے سے میری طرف بڑھتا ہوا نظر آئے اور پھر میں نے یہ بھی سیکھ لیا تھا کہ اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے بعض اوقات دوسروں کی زندگیوں کے چراغ گل کرنا پڑتے ہیں۔ راستہ بنانے کے لیے دوسروں کی لاشوں پر سے گزرنا پڑتا ہے۔ زندگی کے اس کھیل کا اصول بڑا سیدھا سادہ تھا۔ دشمن کو ختم کردو یا اس کے ہاتھوں خود ختم ہوجاؤ۔ بیچ کا کوئی راستہ نہیں ہے اور یہ بھی سیدھی سی بات ہے کہ زندگی ہر شخص کو پیاری ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنی زندگی بچانے کے لیے دوسرے کا گلا کاٹنے کی کوشش کرتا ہے۔

میں بھی ایسی ہی سنگین نوعیت کی صورتِ حال سے دوچار تھا۔ میرے بدترین دشمن میری تاک میں تھے۔ وہ قدم قدم پر گھات لگائے بیٹھے تھے۔ مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کی بار بار کوشش کی گئی تھی اور میں اپنے بچاؤ کے لیے دوسروں کو موت کے گھاٹ اتارتا رہا تھا۔ دشمن کے لیے رحم کا جذبہ میرے دل سے ختم ہوگیا تھا۔ دوسری طرف میں ان لوگوں کے لیے اپنی جان دینے کو تیار تھا جو مجھے چاہتے تھے۔ تھائی، جانکی، پرساد اور پاتھم کی مثالیں موجود ہیں۔ تھائی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والوں کو میں نے گولیوں سے چھلنی کردیا تھا۔ پاتھم کو تشدد کا نشانہ بنانے والے چار آدمی آج ہی میرے ہاتھوں جہنم رسید ہوچکے تھے۔ پانچواں پرساد کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

میں یہی سب کچھ سوچتا رہا اور رات دھیرے دھیرے بیتتی رہی۔ تھائی سوچکی تھی لیکن میری آنکھوں سے نیند غائب تھی۔ مختلف سوچوں نے گویا میرے دماغ کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ میں نے ایک بار پھر تھائی کی طرف دیکھا اور اٹھ کر خاموشی سے کمرے سے

باہر نکل آیا۔ سامنے ہی جانکی اور لیزا کا کمرا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر نیلگوں روشنی والا نائٹ بلب جل رہا تھا۔ میں نے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ جانکی اور لیزا ایک دوسرے سے لپٹی گہری نیند سو رہی تھیں۔ جانکی کے جسم پر اب بھی وہی لباس تھا۔

پورے گھر میں خاموشی طاری تھی۔ ہال میں بلب جل رہا تھا۔ برآمدے میں البتہ تاریکی تھی۔ میں نے دروازے کے ساتھ والی کھڑکی کے شیشے میں سے جھانک کر دیکھا تو برآمدے میں ایک طرف بہت ہلکی چنگاری سی چمکتی نظر آئی۔ میں نے کھڑکی کھول دی اور گردن نکال کر باہر دیکھنے لگا۔ ماسٹر ہوچن کے فراہم کردہ وہ دونوں گن مین برآمدے میں آلتی پالتی مارے بیٹھے سگریٹ کے کش لگا رہے تھے۔ برآمدے کی بتی انہوں نے ہی بجھا رکھی تھی۔ مجھے دیکھ کر ان میں سے ایک اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آگیا۔

"خیریت نٹل ماسٹر!" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ نیند نہیں آرہی تھی۔ اٹھ کر باہر آگیا۔" میں نے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد میں کچن میں کافی بنا رہا تھا۔

میں نے دونوں گن مینوں کو بھی کافی کا ایک ایک کپ دیا اور خود بھی کھڑکی میں کھڑا کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے دھیمے لہجے میں ان سے باتیں کرتا رہا اور پھر کھڑکی بند کرکے ہال میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس وقت اچانک ہی میرے ذہن میں ماسٹر ہوچن کی کہی ہوئی کچھ باتیں اُبھر آئیں۔

یہ بات تو میں کئی بار سن چکا تھا کہ مہاراج مجھ سے کوئی اہم کام لینا چاہتا ہے جس کے لیے مجھے تیار کیا جارہا تھا اور اب ماسٹر ہوچن نے بھی اس کی تصدیق کردی تھی۔ اس رات ویران فارم ہاؤس میں ماسٹر ہوچن نے شانگ سے کسی دوسرے منصوبے کے بارے میں کئی سوال کیے تھے جن کے وہ جواب نہیں دے سکا تھا اور ماسٹر نے اس کی بات کا یقین کرلیا تھا۔ شاید اس لیے کہ کسی بڑے منصوبے پر نچلی سطح کے لوگوں سے کام تو لیا جاتا ہے لیکن انہیں اصل بات سے بے خبر رکھا جاتا ہے۔

بعد میں، میں نے ماسٹر ہوچن سے اس دوسرے منصوبے کے بارے میں دریافت کیا تو ماسٹر ہوچن ٹال گیا تھا اور کہا تھا کہ مناسب وقت پر مجھے اس سے آگاہ کردیا جائے گا اور اب میں سوچ رہا تھا کہ وہ منصوبہ کیا تھا؟ کیا یہ وہی کام تھا جس کے لیے مجھے تیار کیا جارہا تھا اور کیا یہ تیاری اس طرح ہورہی تھی کہ مجھے قتل و غارت گری میں ماہر بنا دیا جائے۔

میرا ذہن بُری طرح الجھا ہوا تھا۔ بعض اوقات میں یہ بھی سوچنے لگتا جیسے قتل و غارت کے سوا میری زندگی کا کوئی مقصد نہ رہ گیا ہو۔ میں مہاراج کا بے حد شکر گزار تھا کہ اس نے مجھے دارا جیسے لوگوں سے بچا کر اس قابل بنا دیا تھا کہ دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے زندہ رہ سکوں لیکن کبھی میں یہ بھی سوچنے لگتا کہ مہاراج نے مجھے کس راستے پر ڈال دیا تھا اور اب اگر میں چاہتا بھی تو اس راستے سے واپس نہیں لوٹ سکتا تھا۔ واپس لوٹ کر میں جاتا بھی تو کہاں؟

مجھے اپنے کسی سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے میں صوفے پر ہی نیم دراز ہوگیا اور پھر میری آنکھ بند ہونے لگیں۔

○☆○

صورتِ حال سنگین ہی نہیں، بڑی خوفناک ہوگئی تھی۔

اسپیشل پولیس کے ایک انسپکٹر سمیت پانچ پولیس اہلکاروں کے قتل کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس روز تمام اخبارات تاخیر سے شائع ہوئے تھے اور ہر اخبار کی ہیڈ لائن یہی تھی۔

اخبارات کے مطابق کانچ میں فراسیسی سیاح کے قتل، اس کی بیٹی کے اغوا اور قتل کے بعد چیکنگ اور چھاپوں کے دوران میں پاتھم نامی ایک شخص کو حراست میں لیا گیا تھا جس سے پوچھ گچھ کے دوران میں یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ بنکاک پولیس کو بھی پیدرو کے بھائی سامی کے قتل کیس میں مطلوب ہے۔ مقامی پولیس نے پاتھم نامی اس شخص کو اسپیشل پولیس کے انٹیروگیشن اسکواڈ کے حوالے کردیا تھا اور اسے بڑی رازداری سے خفیہ مقام پر منتقل کرکے اس سے پوچھ گچھ کی جارہی تھی کہ گزشتہ رات نامعلوم افراد نے اس بنگلے پر حملہ کرکے نہ صرف پاتھم نامی اس شخص کو رہا کروالیا بلکہ اسپیشل پولیس کے ایک انسپکٹر سمیت پانچ پولیس اہلکاروں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس بنگلے میں فائرنگ کی اطلاع ملنے پر پولیس کی ایک گشتی پارٹی اس طرف پہنچ گئی لیکن بنگلے تک پہنچنے سے پہلے ہی پولیس پارٹی کا بعض مسلح لوگوں سے تصادم ہوگیا۔ آدھے گھنٹے تک فائرنگ کے تبادلے کے بعد مسلح افراد دریا کی طرف فرار ہوگئے۔ خیال ہے کہ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے بنگلے میں پولیس اہلکاروں کو ہلاک کرکے پاتھم نامی اس شخص کو رہا کرایا تھا۔

بنگلے میں پانچ پولیس اہلکاروں کی ہلاکت کی اطلاع ملتے ہی پورے شہر کی پولیس کو ریڈ الرٹ کردیا گیا اور شہر سے باہر جانے والے تمام راستوں کی ناکا بندی کے علاوہ رات ہی رات میں درجنوں مشتبہ افراد کو حراست میں لے کر ان سے پوچھ گچھ کی جارہی تھی۔

پولیس کے ایک ترجمان کے حوالے سے شائع ہونے والی ایک خبر میں اس شک کا بھی اظہار کیا گیا تھا کہ حملہ آوروں میں کوئی عورت بھی شامل تھی اور غالباً یہ سب کچھ بڑی پلاننگ سے کیا گیا تھا۔ پولیس ترجمان کے مطابق وہ کوئی حسین عورت تھی جو پہلے بنگلے میں داخل ہوئی تھی اور اس نے اپنے ساتھیوں کے لیے راستہ ہموار کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ بنگلے کے ہال کمرے میں ایک صوفے پر سونے کی ایک انگوٹھی ملی تھی جس میں قیمتی ہیرا جڑا ہوا ہے۔ ایسی انگوٹھیاں عام طور پر خواتین ہی پہنتی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاتھم کو چھڑانے اور پولیس اہلکاروں کو ہلاک کرنے والوں میں کوئی حسین عورت بھی شامل تھی۔ پولیس ابھی تک حل نہیں کرسکی تھی کہ یہ انگوٹھی وہاں کس طرح آگری تھی۔

بعض اخبارات نے دبکے چھپے الفاظ میں میرا اور ماسٹر ہوچن کا نام بھی لیا تھا اور اس شک کا اظہار کیا تھا کہ اس سنگ دلانہ کارروائی میں ان دونوں میں سے کسی ایک کا یا دونوں کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔

جب میں یہ اخبار پڑھ رہا تھا اس وقت صبح کے نو بجے تھے۔ تھائی میرے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ لیزا تھوڑی دیر پہلے بیدار ہوئی تھی اور کچن میں چائے بنا رہی تھی جبکہ جانکی ابھی تک سو رہی تھی۔ میں نے اخبار سے نظریں ہٹا کر تھائی کے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔ تھائی کی ایک کلائی میں سونے کا ایک کڑا تو تھا لیکن مجھے یاد نہیں تھا کہ اس کی کسی انگلی میں، میں نے کبھی کوئی انگوٹھی بھی دیکھی تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" تھائی نے پوچھا۔

"کل رات تمہاری انگلی میں کوئی انگوٹھی بھی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ تم نے کبھی میری کسی انگلی میں کوئی انگوٹھی دیکھی ہے؟" اس نے الٹا مجھ سے سوال کر ڈالا "لیکن تمہیں کوئی انگوٹھی کیسے یاد آگئی؟"

"اخبار میں لکھا ہے کہ اس بنگلے میں پولیس کو ہیرے کے جڑاؤ والی ایک طلائی انگوٹھی بھی ملی ہے جس کے بارے میں خیال ہے کہ وہ کسی عورت ہی کی ہوسکتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ۔" تھائی چونک گئی "تم جانتے ہو میں نے کبھی کوئی انگوٹھی نہیں پہنی لیکن میرا خیال ہے جانکی انگوٹھی پہنتی ہے۔"

"تم یہ اخبار دیکھو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" میں اخبار تھائی کے سامنے رکھ کر اٹھ گیا۔

جانکی بیڈ پر آڑی ترچھی پڑی سو رہی تھی۔ ایک تو اس کا لباس تھا ہی کچھ ایسا اور پھر اس طرح لیٹنے کی وجہ سے اپنی جگہ سے کھسکا ہوا بھی تھا۔ کھڑکی کے پردے سے چھن کر آنے والی روشنی سے کمرے میں مدھم سا اجالا ہو رہا تھا۔ جانکی کروٹ کے بل لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ چہرے کے سامنے بستر پر رکھا ہوا تھا اور دوسرا ہاتھ سر کے نیچے تھا۔ جو ہاتھ سامنے تھا اس کی کسی انگلی میں انگوٹھی نہیں تھی۔ میں نے اس کا دوسرا ہاتھ پکڑ کر بڑی آہستگی سے سر کے نیچے سے کھینچنا چاہا تو تھائی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے خمار آلود نظروں سے میری طرف دیکھا پھر ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ اس طرح میری موجودگی کو نہ جانے کیا سمجھی تھی۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر ہلکا سا جھٹکا دیا۔ میں اس پر کسی قدر جھکا ہوا تھا۔ جھٹکا لگنے سے اس کے اوپر گر گیا۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر مجھے اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے لیا اور میرے رخساروں پر بوسے دینے لگی۔

"ارے۔ یہ کیا کر رہی ہو۔ دروازہ کھلا ہے، کوئی آجائے گا۔" میں نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تو دروازہ بند کردو۔ کھلا کیوں چھوڑ دیا تم نے۔ ویسے بھی اس وقت سب لوگ سو رہے ہیں۔ آدھی رات کو کون یہاں...."

"جانکی۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "یہ آدھی رات کا وقت نہیں۔ صبح کے نو بج چکے ہیں اور تم یہاں میری موجودگی کا غلط مطلب نہ لو۔"

"تو پھر کیوں آئے ہو؟ اس طرح میرے اوپر کیوں جھکے ہوئے تھے؟" جانکی نے کہا۔ اس کے لہجے میں اب نیند کا خمار تھا۔

"تمہاری انگوٹھی کہاں ہے؟" میں نے کہا "ہیرے کی انگوٹھی جو کل تم نے پہنی ہوئی تھی۔ میں تمہاری انگلیوں میں وہ انگوٹھی ہی دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"انگوٹھی!" اس نے باری باری دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی طرف دیکھا پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور بستر پر اِدھر اُدھر ہاتھ مارنے لگی۔ اس نے تکیہ بھی اٹھا کر دیکھ لیا "وہ انگوٹھی میری انگلی میں ذرا ڈھیلی تھی۔ ہوسکتا ہے سوتے میں بستر پر گر گئی ہو اور لیزا نے اٹھا کر کہیں رکھ دی ہو۔ میں ابھی اس سے پوچھتی ہوں۔"

"لیزا سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے کہا "وہ انگوٹھی پولیس کے قبضے میں ہے۔"

"کیا....؟" جانکی اچھل پڑی۔

"حواس بحال کرکے باہر آؤ تو میں تمہیں بتاتا ہوں۔" میں نے کہا اور اسے حیران و پریشان چھوڑ کر کمرے سے نکل آیا۔

میں ہال میں پہنچا تو لیزا ابھی تھائی کے پاس بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی۔ سامنے کافی ٹیبل پر چائے کے کپ رکھے ہوئے تھے۔ میں نے ایک کپ اٹھا لیا اور سامنے والے صوفے پر بیٹھ کر چسکیاں لینے لگا۔ تھائی نے بھی اخبار چھوڑ کر ایک کپ اٹھا لیا۔

"پرساد ابھی نہیں اٹھا؟" میں نے پوچھا۔

"اٹھ گیا ہے۔ میں اسے اور پاتھم کو کمرے ہی میں چائے دے آئی ہوں۔" لیزا نے جواب دیا۔

چند سیکنڈ بعد ہی جانکی بھی کمرے سے نکل کر آگئی۔ وہ اب بھی کچھ بدحواس ہو رہی تھی۔ اس نے آتے ہی ایک کپ اٹھا لیا۔ میرے قریب بیٹھ کر چند چسکیاں لیں اور پھر کپ میز پر رکھتے ہوئے بولی۔

"کیا کہہ رہے تھے تم۔ میری انگوٹھی پولیس کے پاس کیسے پہنچی؟"

"اخبار میں لکھا ہے کہ پولیس کو اس بنگلے سے ہیرے کی ایک طلائی انگوٹھی بھی ملی ہے جو زنانہ ساخت کی ہے اور ظاہر ہے وہ انگوٹھی تمہاری ہی ہوسکتی ہے۔" میں نے کہا۔

جانکی چند لمحے خاموش رہی پھر بولی "وہ انگوٹھی میری انگلی میں کسی قدر ڈھیلی تھی۔ گزشتہ رات اس راکمنٹس کے ساتھ ہاتھا پائی میں انگلی سے نکل کر گر گئی ہوگی لیکن میرے خیال میں اس انگوٹھی سے کوئی سراغ نہیں لگایا جاسکتا۔"

"پاتھم نے بھی یہی کہا تھا کہ اس کی گاڑی کے ذریعے کوئی سراغ نہیں لگایا جاسکتا لیکن ہوا یہ کہ پولیس اس گاڑی کے ذریعے سراغ لگاتی ہوئی پاتھم کے ورکشاپ تک پہنچ گئی۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "یہ تو اچھا ہی ہوا کہ پاتھم یہاں پکڑا گیا تھا۔ اگر وہ بنگاک میں پولیس کی گرفت میں آجاتا تو نہ صرف یہ کہ ہم اسے چھڑا نہیں سکتے تھے بلکہ ہمارے لیے بہت سے مسئلے بھی پیدا ہوسکتے تھے۔ مسئلے تو اب بھی پیدا ہوں گے لیکن....."

"لیکن اس انگوٹھی کے ذریعے کوئی سراغ لگانا ممکن نہیں ہوگا۔" جانکی نے میری بات کاٹ دی "وہ انگوٹھی میں نے کئی سال پہلے بنگاک میں پرل سینٹر سے خریدی تھی۔ اگر آرڈر پر بنوائی ہوتی تو شاید وہ گاہک کو یاد رکھتے لیکن یہ انگوٹھی تو شوکیس میں سجی ہوئی تھی جو میں نے خریدلی اور ویسے بھی پولیس کے لیے یہ معلوم کرنا بہت مشکل بلکہ ناممکن ہوگا کہ یہ انگوٹھی کب اور کہاں سے خریدی گئی تھی۔"

"پولیس کو اتنا بے وقوف مت سمجھو۔" میں نے کہا "یہ پولیس والے توگڑے مُردے بھی اکھاڑ لیتے ہیں۔ ہمیں پولیس کی صلاحیتوں کا غلط اندازہ لگا کر اپنے آپ کو داؤ پر نہیں لگانا چاہیے۔"

جانکی اب واقعی پریشان دکھائی دینے لگی تھی۔ وہ اس حقیقت سے پہلے ہی واقف ہوچکی تھی کہ پولیس نے پاتھم کی اس گاڑی کے ذریعے اس کا پتا چلالیا تھا جس کے بارے میں اس کا دعویٰ تھا کہ کوئی اس کا سراغ نہیں لگا سکتا تھا اور اب وہ اپنی اس حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی سزا بھگت رہا تھا۔

"خود اعتمادی اچھی بات ہے۔" میں نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لیکن حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی انسان کو ڈبو دیتی ہے۔"

"اب کیا ہوگا؟" جانکی کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی۔

"فوری طور پر تو کچھ ہوگا نہیں۔" میں نے کہا "جب ہوگا تب دیکھا جائے گا اور ویسے بھی اب تم منظرعام پر تو ہو نہیں۔"

ہم ابھی یہ باتیں کررہے تھے کہ ماسٹر ہوچن کا فون آگیا۔ کال لیزا نے ریسیو کی تھی۔ اس نے ریسیور میری طرف بڑھادیا۔

"تم نے آج کے اخبارات دیکھ لیے ہوں گے؟" ماسٹر نے میری آواز سنتے ہی کہا۔

"ہاں' ابھی ابھی میں اخبارات کا مطالعہ ہی کررہا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن اخبارات میں ایک خبر جو نہیں چھپی وہ یہ ہے کہ رات کو بنگلے میں جس شخص کو گولی لگی تھی وہ زندہ بچ گیا ہے۔ اس کی حالت اگرچہ بڑی تشویش ناک ہے مگر ڈاکٹر اسے بچانے کی پوری کوشش کررہے ہیں۔ اس بات کو بہت خفیہ رکھا جارہا ہے تاکہ مجرم ہوشیار نہ ہوجائیں یا اسے ختم کرنے کی کوشش نہ کریں۔"

"یہ تو واقعی تشویش ناک خبر ہے۔" میں نے کہا "اس کی زندگی ہماری موت کا باعث بن سکتی ہے۔ مجھے اور پرساد کو تو شاید وہ شناخت نہ کرسکے لیکن تھائی اور جانکی ہمارے بنگلے میں داخل ہونے سے پہلے تقریباً بیستیس منٹ تک ان کے ساتھ رہی تھیں۔ زندہ بچ جانے والا جو بھی ہے وہ جانکی اور تھائی کو شناخت کرسکتا ہے۔ اگر اس نے ان دونوں کے حلیے بھی بتادیے تو انہیں آسانی سے تلاش کرلیا جائے گا۔"

"ایک دوسری خبر یہ ہے کہ پولیس کی بھاری نفری کچھ دیر پہلے بنگاک سے یہاں پہنچ چکی ہے۔ پورے شہر کی اس طرح ناکا بندی کردی گئی ہے کہ بلی کا بچہ بھی نظروں میں آئے بغیر باہر نہیں جاسکتا۔ اس کے علاوہ شہر بھر میں جگہ جگہ چھاپے مارے جارہے ہیں۔ اب تک سیکڑوں افراد کو حراست میں لیا جاچکا ہے جن سے پوچھ گچھ کی جارہی ہے۔ پولیس میں بھی کسی کالی بھیڑ کو تلاش کیا جارہا ہے کیونکہ پاتھم کو نہایت خفیہ طور پر اس بنگلے میں منتقل کیا گیا تھا۔ پولیس کے اعلیٰ افسران کو یہ بھی شبہ ہے کہ پولیس کے اندر ہی سے کسی نے مجرموں کو اس بنگلے کی نشان دہی کردی ہو۔"

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیے ماسٹر؟" میں نے پوچھا۔

"تم لوگ اس بنگلے تک محدود رہو۔ باہر جھانک کر بھی مت دیکھنا اور لیزا سے کہو کہ وہ اپنی معمول کی سرگرمیاں جاری رکھے۔ اس کے معمولات میں بے قاعدگی بھی اسے شک کی زد میں لاسکتی ہے۔" ماسٹر نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "ظاہر ہے ہم یہاں محدود ہو کر نہیں رہ سکتے۔ میں کوشش کروں گا کہ ایک آدھ دن میں ہم یہاں سے نکل جائیں۔ ویسے اب تم لوگ پرسی کی جمنازیم والے نمبر پر فون مت کرنا۔ ہوسکتا ہے وہ فون ٹیپ کیا جارہا ہو۔"

"آپ کہاں سے بول رہے ہیں ماسٹر؟" میں نے پوچھا۔

"میں اس وقت پبلک بوتھ سے بات کررہا ہوں۔ کوئی اہم بات ہوئی تو دوبارہ فون کروں گا۔ وش یو گڈ لک!" ماسٹر ہوچن نے یہ کہتے ہوئے فون رکھ دیا۔

میں نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ تھائی اور جانکی وغیرہ نے فون پر اگرچہ صرف میری ہی باتیں سنی تھیں لیکن میرے منہ سے نکلنے والے الفاظ اور چہرے کے تاثرات سے انہوں نے گڑبڑ کا اندازہ لگالیا تھا اور پھر میں نے انہیں ماسٹر سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کردیا۔ ان کے چہروں پر تشویش کے تاثرات ابھر آئے۔

"اگر وہ زندہ بچ گیا تو ہماری زندگیاں خطرے میں پڑجائیں گی۔" جانکی نے کہا پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "کاش! مجھے یہ معلوم ہوتا کہ اسے کس اسپتال میں رکھا گیا ہے تو میں اس کے ہوش میں آنے سے پہلے ہی اسے زہر کا انجکشن لگا کر ختم کردیتی۔"

میں نے چونک کر جانکی کی طرف دیکھا اور پھر میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ جانکی ڈاکٹر ہے۔ اگر یہ پتا چل جاتا کہ اس شخص کو کہاں رکھا گیا ہے تو اس قسم کا رسک لیا جاسکتا تھا لیکن اب میں ماسٹر کو فون کرکے بھی یہ معلوم نہیں کرسکتا تھا۔

میں نے لیزا کو بھی ماسٹر کی ہدایت سے آگاہ کردیا تھا۔ وہ ناشتا کرکے اپنے مساج پارلر جانے کی تیاری کرنے لگی۔ اس کی گاڑی سے اناری گئی لائسنس پلیٹیں رات کو واپس آنے کے بعد دوبارہ لگا دی گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد لیزا چلی گئی اور ہم پھر اس صورت حال پر مغز کرنے لگے۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ پرساد اب تک اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ اس نے اپنا اور پاتھم کا ناشتا بھی کمرے ہی میں منگوالیا تھا۔ میں اٹھ کر ان کے کمرے میں آگیا۔ پرساد پلنگ کے قریب کوچ پر سو رہا تھا البتہ پاتھم جاگ رہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا لیکن چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں ابھرے۔ اس کی نظروں میں بھی اجنبیت تھی۔ پہلے تو میں نے خیال نہیں کیا۔ جب میں نے آگے بڑھ کر شیک ہینڈ کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے اپنا ہاتھ تو آگے بڑھادیا لیکن نظروں میں اجنبیت بدستور تھی اور چہرہ بھی تاثرات سے عاری تھا۔

"ہیلو۔ کیسے ہو؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں....؟ کیا ہوا ہے مجھے....؟ تم کون ہو اور یہ کون ہے؟" پاتھم نے جواب دیا۔

اگر میرے اوپر آسمان ٹوٹ پڑتا تو شاید مجھے اتنا دکھ اور صدمہ نہ ہوتا جتنا پاتھم کے اس جواب سے ہوا تھا۔ میرے دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے اور ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑتی چلی گئی تھی۔ میں گہری نظروں سے پاتھم کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ دور دور تک ایسے تاثرات نہیں تھے جن سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا کہ اس نے میرے ساتھ کسی قسم کا مذاق کیا ہوگا۔ اس کی نظروں میں میرے لیے شناسائی کا شائبہ تک نہیں تھا۔

ہماری آواز سن کر پرساد اٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں اور چہرہ سُتا ہوا تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ رات کا باقی حصہ بھی اس نے جاگ کر ہی گزارا تھا۔ میں اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"سنا تم نے۔" میں نے پرساد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "پاتھم میرے ساتھ مذاق کررہا ہے۔ مجھ سے پوچھتا ہے' تم کون ہو؟"

"پاتھم مذاق نہیں کررہا باس۔ وہ تو مجھے بھی نہیں پہچانتا۔ مجھ سے بھی بار بار یہی سوال کررہا ہے کہ میں کون ہوں۔ وہ.... وہ واقعی....." پرساد مجھ سے لپٹ کر رونے لگا۔

میرا دماغ عجیب سی کیفیت تھی۔ دماغ ایک دم سُن ہوگیا تھا جیسے برف جم گئی ہو۔ میرا ہاتھ اگرچہ پرساد کے کندھے پر تھا مگر میری نظریں پاتھم کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

پرساد صبح سے اب تک کمرے سے کیوں نہیں نکلا تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔ اس نے شاید سوچا ہوگا کہ مجھے یہ خبر کیسے سنائے گا اور اب وہ مجھ سے لپٹ کر رو رہا تھا۔ اس کے رونے کی آواز سن کر جانکی اور تھائی بھی آگئیں۔ ان دونوں نے پہلے پاتھم کی طرف دیکھا تھا پھر جانکی ہی نے سوال کرنے میں پہل کی۔

"کیا ہوا' پرساد کیوں رو رہا ہے؟"

میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا اور پھر انہیں پاتھم کے بارے میں بتانے لگا۔ وہ دونوں سکتے میں آگئیں اور اس طرح بے حس و حرکت کھڑی رہ گئیں جیسے پتھر کے مجسموں میں تبدیل ہوگئی ہوں اور پھر تھائی ہی نے پہلے زبان کھولی تھی۔

"یہ.... یہ کیسے ہوگیا؟" اس کے لہجے میں ہکلاہٹ تھی۔

"تشدد۔" میں نے جواب دیا "اس کے دماغ کو بجلی کے جھٹکے لگائے گئے تھے اور کوئی ایسی ٹس متاثر ہوئی ہے جس سے شاید یہ اپنی یادداشت کھو چکا ہے۔ یہی شکر ہے کہ ہم اسے بروقت وہاں سے نکال لائے۔ ورنہ ہوتا یہ کہ وہ لوگ اس سے ہمارے بارے میں یا سامی کے قتل کے حوالے سے سوال پوچھتے رہتے۔ یہ انکار کرتا یا لاعلمی کا اظہار کرتا' اس پر تشدد جاری رکھا جاتا اور اس طرح یہ ختم ہوجاتا۔"

"کتنے بے رحم ہوتے ہیں یہ پولیس والے۔" تھائی بڑبڑائی۔

"میرا خیال ہے جانکی کچھ بتا سکے گی کہ اس کی کیفیت کیا ہے۔" میں نے کہا۔

جانکی میرے کہنے سے پہلے ہی آگے بڑھ کر پاتھم کا معائنہ کرنے لگی تھی۔ اس نے پاتھم کی آنکھوں کے پپوٹے بھی پلٹ کر دیکھے اور اس سے چند سوالات بھی کیے۔ پاتھم عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے جانکی کا ہاتھ پکڑلیا۔ کچھ دیر ہاتھ کی پشت سہلاتا رہا پھر اسے ہونٹوں سے لگا کر چوم لیا۔

"یہاں ایسا انتظام تو نہیں ہے کہ ٹھیک سے معائنہ کیا جاسکے۔" جانکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ کیفیت وقتی بھی ہوسکتی ہے اور مستقبل بھی لیکن فوری طور پر ایک چانس لیا جاسکتا ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک انجکشن دینا پڑے گا۔" جانکی نے کہا "ہوسکتا ہے اس سے کچھ فرق پڑجائے۔"

جانکی نے ایک کاغذ پر انجکشن کا نام لکھ دیا۔ میں نے ایک گن مین کو وہ پرچہ اور پیسے دے کر مارکیٹ بھیج دیا۔ وہ تقریباً ایک گھنٹے تک لوٹ کر آیا۔ وہ سرنج اور انجکشن لے آیا تھا۔ جانکی جب انجکشن تیار کررہی تھی تو اسے دیکھ کر پاتھم کی آنکھوں میں وحشت سی ابھر آئی اور جب جانکی اس کی قمیص کی آستین اوپر اٹھا رہی تھی

تو وہ وحشت زدہ سے لہجے میں بولا۔

"یہ سوئی مجھے کیوں لگا رہی ہو۔ مجھے کیا ہوا ہے؟"

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" جانکی نے کہا "یہ انجکشن لگے گا تو ٹھیک ہو جاؤ گے۔ ویسے تمہارا نام کیا ہے اور تم کام کیا کرتے ہو؟"

"مجھے نہیں معلوم مگر تم کون ہو اور یہ سب کیوں پوچھ رہی ہو؟" پاتھم بولا۔

"میں تمہاری دوست ہوں۔ جانکی ..... اور یہ بھی تمہارے دوست ہیں۔" جانکی نے کہا اور اسے ہمارے نام بھی بتانے لگی۔

"اتنے سارے اور اتنے اچھے اچھے دوست۔" پاتھم یہ کہتے ہوئے باری باری ہماری طرف دیکھنے لگا اور آخر میں اس کی نظریں ایک بار پھر جانکی کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

"اچھا۔ اب تم مٹھی بند کرلو۔ ذرا سختی سے۔" جانکی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی مجھے بھی اشارہ کردیا۔ میں نے کہنی سے ذرا اوپر پاتھم کا بازو دبا دیا۔ اس طرح جانکی کو اس کے بازو پر مطلوبہ نس تلاش کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس نے سوئی نس میں پیوست کی تو پاتھم کے منہ سے سسکاری سی نکل گئی۔

انجکشن لگنے کے پندرہ منٹ بعد پاتھم پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ ہم لوگ اس کے کمرے سے نکل کر ہال میں آگئے البتہ پرساد وہیں بیٹھا رہ گیا تھا۔

"یادداشت واپس لانے کے لیے بجلی کے جھٹکے لگانا ضروری ہے۔" جانکی نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا "لیکن سب سے پہلے یہ..... دیکھنا ہوگا کہ پاتھم یہ جھٹکے برداشت کرسکتا ہے یا نہیں۔ یہاں کوئی ایسی سہولت موجود نہیں۔ یہ سب کچھ کسی کلینک یا اسپتال ہی میں ممکن ہوسکتا ہے۔"

"کسی اسپتال یا کلینک کا رخ کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔" میں نے کہا۔

"یہی تو پرابلم ہے۔" جانکی نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "فی الحال ہم اس کے لیے دعا ہی کرسکتے ہیں۔ ایک بات بہرحال طے ہے کہ اگر اس کی یادداشت بحال ہو بھی گئی تو یہ نارمل زندگی نہیں گزار سکے گا۔"

"ہاں۔ مجھے بھی کچھ ایسا ہی اندیشہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

اب ہمارے پاس گفتگو کے لیے صرف یہی ایک موضوع تھا لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فوری طور پر اس کے لیے کیا کیا جائے۔ ہم اسے کسی کلینک یا اسپتال نہیں لے جاسکتے تھے۔ نہ ہی کسی ڈاکٹر کو یہاں بلایا جاسکتا تھا۔

دو بجے کے قریب لیزا بھی آگئی۔ وہ کھانے پینے کا بہت سا سامان لے کر آئی تھی۔ اسے جب پاتھم کے بارے میں بتایا گیا تو کچھ دیر کے لیے وہ بھی سکتے میں آگئی۔ وہ اپنے ساتھ کچھ خبریں بھی لائی تھی۔ اس کی اطلاع کے مطابق پورا شہر پولیس اسٹیٹ بنا ہوا تھا۔ چھاپے، پکڑ دھکڑ، جگہ جگہ گاڑیوں کی چیکنگ، لوگوں کو روک کر پوچھ گچھ ..... لوگ پریشان ہوگئے تھے۔ غیر ملکی اور ملک کے دوسرے حصوں سے آنے والے سیاح خوف زدہ ہو کر شہر چھوڑ رہے تھے اور اس میں بھی انہیں بڑی پریشانیاں اور دشواریاں پیش آرہی تھیں۔ معاملہ صرف پانچ پولیس (پانچواں پولیس والا جو ہمارے ہاتھ سے بچ گیا تھا) اس کے بارے میں رازداری برتی جارہی تھی۔ غالباً یہی کیا جارہا تھا کہ پانچوں پولیس والے ہلاک ہوچکے تھے۔ کوالالمپور کے قتل کا ہی نہیں تھا۔ دو فرانسیسی سیاح یعنی ایک بوڑھا اور اس کی بیٹی بھی مارے گئے تھے۔ فرانسیسی سفارت خانے نے تھائی حکومت پر شدید دباؤ ڈال رکھا تھا۔ شانگ کے قتل سے برگ پر بھی حکومت کو مسلسل دھمکیاں دے رہی تھی۔ چاروں طرف سے پڑنے والے اسی دباؤ کی وجہ سے حکومت کی مشینری پوری طرح حرکت میں آگئی تھی اور پولیس غالباً پہلی مرتبہ اس قدر فعال ہوئی تھی۔

لیزا نے میز پر کھانا لگا دیا۔ کھانے کو طبیعت کسی کی بھی نہیں چاہ رہی تھی لیکن روح اور جسم کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے پیٹ میں کچھ نہ کچھ ڈالنا ضروری تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ سب ہی بے دلی سے کھانا کھا رہے تھے۔ اسی دوران میں ماسٹر ہوچن کا فون آگیا۔ وہ اس وقت بھی کسی پبلک بوتھ سے بات کررہا تھا۔ میں نے جب اسے پاتھم کے بارے میں بتایا تو وہ بھی پریشان ہوگیا۔

"یہ تو واقعی بڑی تشویش ناک خبر ہے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "لیکن بہرحال، میں نے تم لوگوں کے یہاں سے نکلنے کا بندوبست کرلیا ہے۔ آج کا دن گزار لو اور پھر رات کے آخری پہر تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ گے۔"

"لیکن ..... پاتھم... کیا اسے ساتھ لے جانا ممکن ہوگا۔ اس کی تلاش میں تو پورے شہر کی ناکا بندی کی گئی ہے۔" میں نے کہا۔

"پاتھم کی آڑ میں ہی ہم لوگ یہاں سے نکلیں گے اور اب کچھ اور آسانی ہوجائے گی۔" ماسٹر ہوچن نے کہا پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "میں آج رات کسی وقت آؤں گا اور ہم پروگرام فائنل کریں گے۔"

"اور اس کے بارے میں کیا خبر ہے ماسٹر؟" میں نے اشارتاً پوچھ لیا۔ میرا مطلب اس پولیس والے سے تھا جو زخمی حالت میں اسپتال میں پڑا تھا۔

"وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آسکا اور میرے آدمی کی اطلاع کے مطابق اس کے ہوش میں آنے کا امکان بھی نہیں کیونکہ جب اسے اسپتال پہنچایا گیا تھا اس وقت تک اس کا بہت زیادہ خون ضائع ہوچکا تھا۔ اس کے جسم سے ابھی گولی بھی نہیں نکالی گئی۔ ڈاکٹر اس کے بارے میں مایوسی کا اظہار کرچکے ہیں۔" ماسٹر نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ماسٹر۔ میں رات کو آپ کا انتظار کروں گا۔" میں نے کہا اور اس کے ساتھ ہی ہماری گفتگو ختم ہوگئی۔

ہمارا وہ پورا دن بڑی بورت میں گزرا۔ ماسٹر ہوچن رات آٹھ بجے کے قریب آیا تھا۔ اس نے کچن بوری سے نکلنے کا جو منصوبہ بتایا، وہ بڑا سنسنی خیز تھا۔

"اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا "پولیس کی سرگرمیاں بڑھ رہی ہیں اور میری اطلاع کے مطابق بنکاک سے چند سراغ رساں بھی منگوائے جارہے ہیں۔ جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا، مشکلات بڑھتی جائیں گی۔"

"کیا اس طرح نکلنا آسان ہوگا؟" میں نے کہا "قدم قدم پر چیکنگ ہورہی ہے، ہم سے کاغذات طلب کئے جائیں گے اور پھر؟"

"میں نے سارا بندوبست کرلیا ہے۔" ماسٹر ہوچن نے میری بات کاٹی "رات دس بجے کے بعد تم لوگ یہاں سے منتقل ہوجاؤ گے۔ وہ جگہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ پاتھم کو سب سے آخر میں میرے آدمی یہاں سے لے جائیں گے۔ تم لوگوں کے حلیے بھی اس طرح تبدیل کردیے جائیں گے کہ شناخت نہ کیا جاسکے۔ بہرحال، اب میں چلتا ہوں۔ ٹھیک دس بجے ایک گاڑی تم لوگوں کو لینے کے لیے پہنچ جائے گی۔ پہلے تم، تھائی اور جانکی یہاں سے نکلو گے۔ دوسرے پھیرے میں پرساد اور پاتھم کو لے جایا جائے گا۔"

"اور لیزا؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ یہیں رہے گی۔ اسے یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ویسے اگر وہ چاہے تو بعد میں بنکاک آسکتی ہے۔" ماسٹر ہوچن نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ماسٹر ہوچن کے جانے کے بعد ہم بھی وہاں سے رخصت ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ جانکی اور تھائی نے اپنی ساری چیزیں سمیٹ کر بیگ پیک کرلیے اور پھر ٹھیک دس بجے ماسٹر ہوچن کی بھیجی ہوئی گاڑی پہنچ گئی۔ ہم لوگ لیزا سے رخصت ہو کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔

ہماری منزل زیادہ دور نہیں تھی۔ وہ ایک پرائیویٹ کلینک تھا۔ گاڑی مین روڈ پر آئے بغیر ہی گلیوں میں ہوتی ہوئی وہاں پہنچی تھی۔ ہمیں کلینک کے پچھلے دروازے سے اوپر کی منزل پر واقع ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

گیارہ بجے کے بعد پاتھم اور پرساد بھی پہنچ گئے۔ پاتھم کو نیچے ہی کسی کمرے میں رکھا گیا تھا البتہ پرساد کو ہمارے پاس پہنچا دیا گیا تھا۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں کھانا بھی اسی کمرے میں سرو کیا گیا تھا۔

اس کمرے میں دو اسپرنگ والے بیڈ اور تین چار کرسیاں تھیں۔ کھڑکیوں کے سامنے ہرے رنگ کے دبیز پردے لٹکے ہوئے تھے۔ کرا کافی کشادہ تھا۔

رات ڈیڑھ بجے کے قریب دو ادھیڑ عمر عورتیں کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں میڈیکل کٹ جیسے بیگ تھے۔ ان دونوں نے آتے ہی اپنا کام شروع کردیا۔ وہ اپنے کام میں خاصی ماہر تھیں۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد جب میں نے اٹھ کر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو دنگ رہ گیا۔ میرا چہرہ بالکل بدل گیا تھا۔ یہ اندازہ لگانا بھی دشوار تھا کہ چہرے پر کسی قسم کا میک اَپ کیا گیا ہے۔ دوسروں کے حلیے بھی کچھ ایسے ہی تبدیل ہوئے تھے کہ انہیں شناخت کرنا آسان نہیں رہا تھا۔

پانچ بجے کے قریب ایک عورت ہمارے لیے کافی لے آئی۔ ہم رات بھر کے جاگے ہوئے تھے اور اس وقت واقعی کافی کی طلب محسوس کررہے تھے۔ کافی ختم ہونے کے بعد ہمیں نیچے ایک کمرے میں لے جایا گیا جہاں ایک تابوت رکھا ہوا تھا۔ تابوت کے ڈھکنے پر تقریباً ایک مربع فٹ شیشہ لگا ہوا تھا جس سے تابوت کے اندر دیکھا جاسکتا تھا اور اس شیشے کے اندر دیکھتے ہی میں چونک گیا۔

ایک آدمی نے جو غالباً ڈاکٹر تھا، تابوت کا ڈھکنا اٹھا دیا۔ تھائی وغیرہ بھی اچھل پڑے۔ ایک لمحے کو تو میرا دماغ سنسنا اٹھا تھا۔ پاتھم کا چہرہ لاش ہی کی طرح زرد تھا۔ کفن میں لپٹا ہوا پاتھم لاش ہی لگ رہا تھا۔

ڈاکٹر نے ایک فائل میری طرف بڑھا دی۔

"اس میں تمام کاغذات، وجود ہیں۔" اس نے کہا "مارسھم نامی یہ شخص بیس روز پہلے اس کلینک میں داخل کرایا گیا تھا۔ اسے نمونیا تھا۔ یہاں اس کا علاج ہوتا رہا مگر یہ جانبر نہ ہوسکا اور گزشتہ رات اس کا انتقال ہوگیا۔ اس فائل میں مریض کو دیے جانے والے ٹریٹ منٹس کی تمام رپورٹس موجود ہیں اور یہ پولیس کے کاغذات ہیں۔ ڈیڈ باڈی کو شہر سے باہر لے جانے کے لیے پولیس کا اجازت نامہ ہونا ضروری ہوتا ہے بہتر ہے کہ تم ایک مرتبہ اس فائل کو دیکھ لو تاکہ بعد میں کوئی گڑبڑ نہ ہوجائے۔"

میں فائل کھول کر کاغذات کا جائزہ لینے لگا۔ فائل ہر لحاظ سے مکمل تھی۔

"پولیس کے یہ کاغذات....."

"اصلی ہیں۔" ڈاکٹر نے کہا "تمام کاغذات اصلی ہیں سوائے ڈیڈ باڈی کے۔ مجھے امید ہے راستے میں تم لوگوں کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ مسٹر پاتھم کو ایسا انجکشن دیا گیا ہے کہ کم از کم چھ گھنٹوں تک یہ اسی طرح بے حس و حرکت پڑا رہے گا۔ چھ گھنٹے کے بعد انجکشن کا اثر زائل ہونا شروع ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ بنکاک پہنچتے ہی اسے مادام جیری کے کلینک پہنچا دیا جائے۔ یہ خط اپنے پاس سنبھال کر رکھ لو۔ یہ خط پڑھتے ہی مادام جیری سمجھ جائے گی اور یہ خط کسی اور کی نظروں میں نہیں آنا چاہیے۔" اس نے ایک لفافہ میری طرف بڑھا دیا جو میں نے بڑی احتیاط سے جینز کی ہپ پاکٹ میں رکھ لیا۔

اس دوران میں جانکی نے فائل میرے ہاتھ سے لے لی تھی

اور وہ سرسری سے انداز میں کاغذات کو دیکھ رہی تھی۔

"جانکی بھی ڈاکٹر ہے۔" میں نے اس ڈاکٹر سے جانکی کا تعارف کرایا۔

"گڈ۔ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ یہ صورتِ حال کو آسانی سے سنبھال سکیں گی۔" ڈاکٹر نے کہا۔

تقریباً اسی وقت چار آدمی کمرے میں داخل ہوئے اور ڈاکٹر کا اشارہ پاکر تابوت کو اٹھا کر باہر لے گئے۔ کچھ دیر بعد ہم لوگ بھی کلینک سے باہر نکلے تو سامنے ہی ایک بڑی ایمبولینس کھڑی تھی۔ تابوت ایمبولینس کے فرش پر رکھا جاچکا تھا۔ اس کے دائیں بائیں لمبی سیٹیں تھیں۔ میں تھائی کے ساتھ ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ سامنے والی سیٹ پر جانکی اور پرساد بیٹھ چکے تھے۔ آگے ڈرائیور کے ساتھ کلینک کا ایک آدمی بیٹھا تھا۔

جس وقت ایمبولینس حرکت میں آئی اس وقت دن کی روشنی پھیلنا شروع ہوگئی تھی۔ ایمبولینس شہر کی مختلف سڑکوں سے ہوتے ہوئے ہائی وے ۳۲۳ کی طرف بڑھنے لگی۔ راستے میں پولیس نے ہمیں دو جگہ روکا تھا لیکن تابوت دیکھ کر ہمیں فوراً ہی جانے کی اجازت دے دی گئی۔ البتہ شہر کی نواحی چوکی پر جہاں سے بنکاک کی طرف جانے والی ہائی وے ۳۲۳ شروع ہوتی تھی وہاں چیکنگ سخت تھی۔ پولیس کی بھاری نفری نے سڑک اس طرح بلاک کر رکھی تھی کہ ان کی اجازت کے بغیر وہاں سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔

یہاں ہم لوگوں کو ایمبولینس سے نیچے اتار لیا گیا۔ ایک آفیسر نے ایمبولینس میں داخل ہو کر تابوت کا ڈھکنا اٹھا کر دیکھا اور پھر نیچے اتر آیا۔ دوسرا آفیسر کاغذات چیک کر رہا تھا اور ہم سوگوار سے ایک طرف کھڑے تھے۔ کاغذات چیک کرنے کے بعد اس آفیسر نے ہم سے کچھ سوالات بھی کیے۔ تھائی نے سب کی نمائندگی کرتے ہوئے بتایا کہ ہم لوگ۔ تفریح کے لیے یہاں آئے تھے لیکن دوسرے ہی روز ہمارا یہ کزن بیمار ہوگیا۔ اسے پرائیویٹ اسپتال میں داخل کرا دیا گیا لیکن گزشتہ رات اس کا انتقال ہوگیا۔

تقریباً چالیس منٹ گزر گئے۔ دل کو دھڑکا سا لگا ہوا تھا۔ کسی بھی لمحے کوئی بات ہوسکتی تھی۔ اگر ایسا کوئی مرحلہ آتا تو ہم کچھ بھی نہیں کرسکتے تھے۔ ایک آفیسر فائل لے کر دفتر کے اندر چلا گیا تھا اور دیر اسی کی وجہ سے ہو رہی تھی۔ وہ غالباً ٹیلی فون پر متعلقہ پولیس اسٹیشن سے اس امر کی تصدیق کر رہا تھا کہ وہاں سے جاری کیے گئے کاغذات درست بھی ہیں یا نہیں اور پھر اس نے باہر آکر دوسرے آفیسر کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے فائل جانکی کی طرف بڑھادی اور اس کے ساتھ ہی ہمیں جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اس آفیسر نے اس تاخیر پر ہم سے معذرت بھی کی تھی اور ہمارے کزن کی موت پر افسوس کا اظہار بھی۔

کنچن بوری سے تقریباً پینتالیس میل دور ناکھن پاتھن کی چوکی پر بھی اس طرح چیکنگ ہوئی۔ انہوں نے بھی کنچن بوری ٹیلی فون کرکے پولیس اسٹیشن سے کاغذات کی تصدیق کی تھی اور اس کے بعد ہی ہمیں آگے جانے کی اجازت دی گئی تھی۔

اور بالآخر ہم بنکاک پہنچ گئے۔ شہر کے نواح میں داخل ہوتے ہی ہم سب نے اطمینان کا سانس لیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ ہم موت کے جبڑوں سے نکل کر آئے تھے۔ چیکنگ کے دوران میں کسی جگہ بھی کسی کو یہ شبہ ہوجاتا کہ تابوت میں لاش نہیں ایک زندہ آدمی ہے تو ہمیں وہاں سے زندہ نکلنے کا موقع نہ ملتا۔

شہر کے شمالی بس ٹرمینل سے آگے نکل کر موسائے گاؤں ہوٹل کے قریب میں نے ایمبولینس رکوالی۔

"تم ایمبولینس کے ساتھ مادام جیری کے کلینک چلے جاؤ۔" میں نے پرساد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پاتھم کو کلینک پہنچا کر اطمینان کرلینے کے بعد تم جانکی کے بنگلے پر آجانا۔ کلینک میں چوکیدار کی ضرورت نہیں ہوگی اس لیے ہم یہاں سے ٹیکسی وغیرہ پر چلے جاتے ہیں اور یہ خط مادام جیری کو دے دینا۔" میں نے پتلون کی جیب سے ڈاکٹر کا دیا ہوا لفافہ نکال کر پرساد کے ہاتھ میں دے دیا۔

"جب تک اسے ہوش نہیں آئے گا میں وہیں رہوں گا۔" پرساد نے لفافہ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

ہم تینوں ایمبولینس سے اتر آئے۔ اس وقت صبح کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ ہم ساڑھے پانچ بجے کنچن بوری کے کلینک سے روانہ ہوئے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ساڑھے نو بجے تک یہاں پہنچ جانا چاہیے تھا لیکن راستے میں دو جگہ چیکنگ میں زیادہ وقت لگا تھا۔

اس وقت مجھے بڑی شدت سے بھوک لگ رہی تھی۔ تھائی اور جانکی کی بھی غالباً ایسی ہی حالت ہو رہی تھی۔ کچھ آگے جانے کے بعد میں ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہوگیا۔ یہ ایک اچھا معیاری اور پُرسکون ریسٹورنٹ تھا اور اس وقت رش بھی نہیں تھا۔ ہم نے کارنر کی ایک میز پر قبضہ کرلیا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد تھائی ایک نوعمر ویٹریس کو ناشتے کا آرڈر دے رہی تھی اور جب ناشتا میز پر لگا تو ہم تینوں اس طرح اس پر ٹوٹ پڑے جیسے کئی روز سے کھانے کی شکل نہ دیکھی ہو۔

○☆○

میں واٹ ٹرےمٹ کے ایک کمرے میں مہاراج کے سامنے فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارے ساتھ ماسٹر ہوچن کے علاوہ ایک اور شخص بھی تھا جسے میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ وہ لمبا تڑنگا شخص بڑی پُروقار شخصیت کا مالک تھا۔ چہرے پر سنجیدگی اور لہجے میں بردباری تھی۔ اس کی گفتگو اور شخصیت سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس کا تعلق ہمارے طبقے سے نہیں تھا۔ اس کا لباس بھی یہ تصدیق کر رہا تھا کہ وہ اعلیٰ سوسائٹی سے تعلق رکھتا ہے۔

ہم دوپہر بارہ بجے کے قریب جانکی کے بنگلے پر پہنچے تھے۔ دو گھنٹے صفائی میں لگ گئے تھے اور پھر میں اپنے کمرے میں بستر پر گر کر سویا تو شام سات بجے سے پہلے آنکھ نہیں کھل سکی تھی۔ دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ ٹھنڈے پانی سے غسل کے بعد ہی حواس بحال ہوئے تھے۔

جانکی نے بتایا کہ چھ بجے کے قریب پرساد کا فون آیا تھا۔ پاتھم ہوش میں آچکا تھا لیکن اسے اکیلا نہیں چھوڑا جاسکتا اس لیے پرساد نے بھی فی الحال وہیں رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پاتھم کے لیے ایک الگ کمرے کا بندوبست کردیا گیا تھا جس میں انٹینڈنٹ کے لیے بھی ایک بیڈ لگا دیا گیا تھا۔

جانکی نے لیزا کو بھی ٹیلی فون پر اپنے بہ عافیت بنکاک پہنچنے کی اطلاع دے دی تھی۔ یہاں پہنچ کر نجانے کیوں مجھے عجیب سی طمانیت کا احساس ہوا تھا۔ جس طرح کوئی شخص دن بھر بھاگ دوڑ کے بعد اپنے گھر پہنچ کر سکھ کا سانس لیتا ہے اسی طرح ہم نے بھی سکھ کا سانس لیا تھا۔ میرا گھر تو کوئی بھی نہیں تھا مگر جانکی کے اس بنگلے کے در و دیوار سے انس ہوگیا تھا اور یہاں آنے کے بعد مجھے پیشہ گھر جیسا سکون ہی ملا تھا۔

صبح جب ہم ریسٹورنٹ سے ناشتا کرکے نکلے تھے تو ہم ایک مارکیٹ میں گھس گئے تھے جہاں سے جانکی اور تھائی نے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کی بہت سی چیزیں خریدی تھیں۔ اس طرح ہم تقریباً بارہ بجے کے قریب گھر پہنچے تھے۔

رات آٹھ بجے کے قریب ہم کھانا کھا رہے تھے کہ ماسٹر ہوچن کا فون آگیا۔

"کنچن بوری میں تم نے پوچھا تھا کہ مہاراج تم سے کیا اہم کام لینا چاہتے ہیں اور میں نے بات کو ٹال دیا تھا کہ وقت آنے پر بتا دیا جائے گا۔" ماسٹر ہوچن نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "اب وقت آگیا ہے کہ تمہیں ایک اہم ذمے داری سونپی جائے۔ مہاراج آج رات تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"اوہ۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا "کیا مہاراج یہاں آئیں گے؟"

"نہیں۔" ماسٹر ہوچن نے جواب دیا "رات بارہ بجے کے بعد کسی وقت میرے دو آدمی تمہارے بنگلے پر پہنچ جائیں گے۔ تم ان کے ساتھ چلے آنا۔ اکیلے....."

"تھائی اور جانکی اکیلی رہیں گی؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ دیر میں سکھدر وہاں پہنچنے ہی والا ہوگا۔ وہ پہلے کی طرح ڈیوٹی دے گا۔ اس کی موجودگی میں کسی پریشانی کی ضرورت نہیں۔" ماسٹر نے کہا۔

"ٹھیک ہے ماسٹر۔" میں نے کہا "وارا وغیرہ کے بارے میں کوئی اطلاع ملی؟"

"ہاں۔ تمہیں ساری تفصیل بعد میں بتا دی جائے گی۔" ماسٹر نے جواب دیا۔

میں نے اسے پاتھم کے بارے میں بتایا تو ماسٹر نے کہا۔

"تمہیں اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ پاتھم اب مہاراج کی ذمے داری ہے اور تم جانتے ہو مہاراج اپنے وفاداروں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ پاتھم کا علاج کرایا جائے گا اور اس کی ہر ممکن دیکھ بھال کی جائے گی۔"

مزید چند جملوں کے تبادلے کے بعد فون بند کردیا گیا۔ میں تھائی اور جانکی کو ماسٹر ہوچن سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتانے لگا۔ ان دونوں کی طرح میں بھی دیر تک سوچتا رہا کہ وہ اہم ذمے داری کیا ہوسکتی ہے جو مہاراج مجھے سونپنے والے ہیں۔

نو بجے کے قریب سکھدر پہنچ گیا اور اس نے آتے ہی اپنی ڈیوٹی سنبھال لی۔ جانکی نے اسے الماری سے ایک آٹومیٹک رائفل نکال کر دے دی تھی اور دوسری رائفل اپنے پاس رکھ لی تھی۔

ماسٹر کے آدمی رات ایک بجے کے قریب وہاں پہنچے تھے۔ جانکی اور تھائی بھی اس وقت جاگ رہی تھی۔ میرے رخصت ہوتے ہی جانکی نے برآمدے والا دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ سکھدر باہر والے گیٹ تک میرے ساتھ آیا تھا۔

اور اب میں مہاراج کے سامنے بیٹھا ہوا تھا جہاں ماسٹر ہوچن اور پُروقار شخصیت کا مالک وہ شخص بھی بیٹھا ہوا تھا جو گہری نظروں سے میرا جائزہ لے رہا تھا۔

"تمہیں شاید اس ملک کی سیاست سے زیادہ دلچسپی نہ ہو لیکن اتنا تو تم جانتے ہی ہو کہ ہمارے ہاں آئینی بادشاہت ہے۔" مہاراج نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا "تھائی لینڈ کی تاریخ بڑی دلچسپ اور سنسنی خیز ہے۔ یہ علاقہ ہمیشہ ہی سے بیرونی حملہ آوروں کے لیے کشش کا باعث رہا ہے لیکن اس خطے نے بڑی جرأت سے اپنی سلامتی کا دفاع کیا۔ اگرچہ کئی مواقع ایسے بھی آئے کہ بیرونی حملہ آوروں نے دارالحکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی مگر اس سرزمین نے اپنا وجود نہیں کھویا اور کسی حملہ آور طاقت کو یہاں قدم جمانے کا موقع نہیں دیا۔ تھائی لینڈ نے ہمیشہ اپنی آزادی برقرار رکھی جبکہ آس پاس کی ریاستیں بیرونی حملہ آوروں کی کالونیاں بن کر رہ گئیں۔" مہاراج خاموش ہو کر میری طرف دیکھنے لگے۔ میں بڑی دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ پہلے میں نے کبھی اس موضوع پر سوچا ہی نہیں تھا۔ مجھے اس سے کیا غرض ہوسکتی تھی کہ تھائی لینڈ ماضی میں کن کٹھن مراحل سے گزر چکا ہے۔ میں پہلی مرتبہ ایسی باتیں سن رہا تھا اور مجھے ان میں بڑی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ مہاراج بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"۱۲۳۸ء میں دو قبائلی سرداروں کھون بانگ اور کھون پھامانگ نے کھمیر زکو بھگا کر یہاں باقاعدہ حکومت کی بنیاد رکھی اور سوکھو تھائی شہر کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اس خاندان کا آخری حکمران شمنشاہ ٹاکسن تھا۔ اس وقت ایوتھایا اس ملک کا دارالحکومت تھا۔ کنگ ٹاکسن کے انتقال کے بعد فوج کے ایک

جنرل ناکسن فریا نے حکومت سنبھال لی۔ حکمران خاندان میں آپس کی بغاوتوں کی وجہ سے برا کو حملہ آور ہونے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے ایوتھایا کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس کے کئی سال بعد جنرل فریا نے حکومت سنبھالتے ہی دریا چاؤ فریا کے کنارے پر آباد.... تھان بوری نامی قصبے کو اپنا دارالحکومت بنالیا۔ ۱۷۸۲ء میں چکری خاندان کے پہلے حکمران کنگ بودھا یودنا نے عنانِ حکومت سنبھالی اور راما ون کے نام سے مشہور ہوا۔ راما ون نے دارالحکومت دریائے فریا کے دوسرے..... کنارے کروننگ تھیپ نامی قصبے میں منتقل کردیا۔ (موجودہ بنکاک کو پرانے وقتوں میں کرونگ تھیپ کہا جاتا تھا)

"حقیقت یہ ہے کہ چکری خاندان کے دور میں تھائی لینڈ نے زندگی کے ہر شعبے میں بے پناہ ترقی کی اور آج یہ خطہ ایشیا کا پانچواں ٹائیگر کہلاتا ہے۔ حکمران چکری خاندان کا ہر حکمران راما کے نام سے متعارف ہوا۔ آج اس چکری خاندان کا نواں شہنشاہ یعنی راما نائن برسرِ اقتدار ہے۔ شہنشاہ بھومی بول ایڈل یا دیو راما نائن نے ۱۹۴۶ء میں اقتدار سنبھالا تھا۔

"۱۹۳۲ء میں راما ہشتم کے دور میں فوج کے چند افسروں نے ایک پُرامن انقلاب کے ذریعے اقتدار پارلیمنٹ کے حوالے کردیا اور شہنشاہ کو آئینی حیثیت دے دی گئی۔ گویا ۱۹۳۲ء سے آج تک یہاں آئینی بادشاہت چل رہی ہے۔ اس وقت یہ خطہ سیام کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا لیکن ۱۹۴۹ء میں اس کا نام تھائی لینڈ رکھ دیا گیا اور آج یہ ملک پوری دنیا میں اسی نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

"چکری خاندان کئی سو سال سے اس خطے پر حکومت کررہا ہے۔ تھائی لینڈ کی موجودہ ترقی اسی خاندان کی بدولت ہے۔ موجودہ شہنشاہ راما نائن طویل عرصے سے برسرِ اقتدار ہے۔ راما نائن نے بھی تھائی لینڈ کی خوش حالی اور ترقی کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ لوگ اس شہنشاہ کو بہت چاہتے ہیں۔ پرستش کرتے ہیں ان کی لیکن شورشیں، بغاوتیں اور سازشیں ہر دور میں ہوتی رہی ہیں اور آج بھی ایک ایسا وقت آگیا ہے کہ بعض ناپسندیدہ عناصر شہنشاہ کے خلاف گھناؤنی سازشوں میں مصروف ہیں۔ کچھ اندر ہی کے لوگ ہیں جو شہنشاہ کو اقتدار سے محروم کرکے قوم و وطن کے لیے ان کی طویل ... خدمات اور عزت کو خاک میں ملا دینا چاہتے ہیں۔ ہم شہنشاہ کے وفادار ہیں اور ایسے موقعوں پر وفادار ہی اپنے آقاؤں کے کام آتے ہیں۔ اس قوم پر شہنشاہ کے اتنے احسانات ہیں کہ ہم ان کا حساب بھی نہیں کرسکتے لیکن اگر چاہیں تو اس وقت اپنی وفاداری ثابت کرسکتے ہیں۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں مہاراج؟" میں نے مہاراج کے خاموش ہونے پر کہا "اگر آپ حکم دیں تو میں اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کرسکتا ہوں۔"

"یہ رتنا کوسن ہیں۔ شہنشاہ کے کزن۔" مہاراج نے قریب بیٹھے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کیا "رتنا کوسن نے کئی سال پہلے مجھے آگاہ کیا تھا کہ شہنشاہ کے خلاف ایک خوفناک سازش جنم لے رہی ہے لیکن اس کا ابھی تک سراغ نہیں مل رہا۔ انہی دنوں تم میرے پاس آئے تھے اور میں نے تمہارے اندر چھپے ہوئے اس آدمی کو دیکھ لیا تھا جو وقت آنے پر پہاڑ سے بھی ٹکرا سکتا ہے۔ اسی لیے میں نے مخصوص انداز میں تمہاری تربیت شروع کی تھی۔ آج میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا جانے کا حوصلہ رکھتے ہو۔ تم نے جس طرح پیڈرو، دارا اور اس کے آدمیوں کو انگلیوں پر نچا رکھا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ پیڈرو اور دارا جیسے غنڈوں سے میرے آدمی بھی نمٹ سکتے تھے لیکن میں تمہیں ان سے بھڑنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ تمہارا حوصلہ دیکھنا چاہتا تھا اور اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ وہ کام صرف تم اور تم ہی کرسکتے ہو۔ کسی اور میں اتنا حوصلہ نہیں ہوسکتا۔"

"آپ حکم کیجئے مہاراج۔" میں نے کہا۔

"رتنا کوسن حکومت میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے۔" مہاراج نے کہا "یہ اگر چاہے تو اپنے ذرائع سے بھی کام لے سکتا ہے لیکن رتنا کوسن بعض وجوہ کی بنا پر فی الحال خود سامنے نہیں آنا چاہتا۔ اس نے بہرحال یہ پتا چلالیا ہے کہ شہنشاہ کے خلاف اس سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جنرل کھوراٹ کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جنرل کھوراٹ پہلے بھی شہنشاہ کے خلاف ایک سازش میں ملوث رہ چکا ہے۔ وہ فرار ہوکر گولڈن ٹرائی اینگل چلا گیا تھا۔ اس کے چند وفادار بھی اس کے ساتھ گئے تھے۔ وہاں اس نے پوست کی کاشت شروع کردی جس سے افیون، مارفیا، ہیروئن اور ان ہی جیسی دیگر مہلک منشیات تیار کرکے اسمگل کرنے لگا۔ جرائم پیشہ لوگ برما، لاؤس اور تھائی لینڈ سے فرار ہوکر اس کے گروہ میں شامل ہوتے گئے۔ آج جنرل کھوراٹ گولڈن ٹرائی اینگل کی بہت بڑی قوت ہے۔ اس کے پاس جدید ترین ہتھیار، میزائل اور طیارہ شکن توپیں بھی موجود ہیں۔ ماضی میں ایک دو مرتبہ اس کے علاقے پر بمباری کی گئی تھی لیکن اپنے ہی طیاروں کا نقصان اٹھانا پڑا۔ گولڈن ٹرائی اینگل مکمل طور پر اس کے کنٹرول میں ہے۔ بلاشبہ وہ اس علاقے کا بے تاج بادشاہ ہے۔ وہ پوری دنیا کو ہیروئن اور دیگر منشیات سپلائی کرتا تھا۔ پوری دنیا میں اس کے تعلقات ہیں۔ یہاں بھی اس کے کارندے موجود ہیں جو بڑے پیمانے پر زہر پھیلا رہے ہیں۔ پیڈرو جیسے لوگ بھی اس کے کارندوں میں شامل ہیں۔

"رتنا کوسن کی اطلاع کے مطابق شہنشاہ کے خلاف سازش کرنے والوں نے جنرل کھوراٹ کو کسی حد تک اپنا ساتھ دینے پر آمادہ کرلیا ہے۔ چند روز بعد سازشی سرغنہ کے نمائندے گولڈن ٹرائی اینگل میں جنرل کھوراٹ سے ملاقات کرنے والے ہیں اور اس ملاقات میں معاہدے کی تفصیلات طے کی جائیں گی اور ظاہر ہے جنرل کھوراٹ زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ حکومت کا کوئی آدمی گولڈن ٹرائی اینگل میں داخل نہیں ہوسکتا۔ یہ کام تم کرسکتے ہو۔ تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ اس سازش کا اصل سرغنہ کون ہے اور ان میں اور جنرل کھوراٹ میں کیا معاہدہ ہوتا ہے۔" مہاراج چند لمحوں کو خاموش ہوئے پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگے "میں تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ گولڈن ٹرائی اینگل میں قدم رکھنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور موت بھی بڑی اذیت ناک... کوئی اجنبی اس علاقے میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرسکتا اور میں تمہیں یہ بھی بتادوں کہ تمہارا ازلی دشمن دارا اور پیڈرو بھی اسی طرف جاچکے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دولت کے لیے اپنی ماں کو بھی بیچ سکتے ہیں۔ سازشی گروہ نے نہایت خفیہ طور پر ان کی خدمات حاصل کرلی ہیں۔ یہ لوگ سازشی سرغنہ کے نمائندوں کو تحفظ فراہم کریں گے اور اس کے علاوہ.... فائنگ پھن بھی چیانگ رائے میں موجود ہے۔ اسے یہ پتا چل گیا ہے کہ اس کا آدمی شائنگ تمہارے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ گویا یہ سمجھ لو کہ تمہارے چاروں طرف موت ہوگی۔ ایسی صورت میں، میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ میری طرف سے تم پر کوئی پابندی نہیں۔ تم چاہو تو انکار کرسکتے ہو۔ میں تمہیں دو دن کا وقت دوں گا۔ اس دوران میں تم اچھی طرح سوچ لو۔"

"سوچا تو وہاں جاتا ہے مہاراج جہاں کوئی چوائس ہو۔" میں نے جواب دیا "یہاں تو ایک ہی راستہ..... سچائی کا راستہ ہے اور اس راستے پر چلنا مجھے آپ ہی نے سکھایا ہے۔ میں اس سے منہ کیسے موڑ سکتا ہوں۔ یہی میرا فیصلہ ہے۔"

رتنا کوسن نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ میری بات سن کر مہاراج کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آگئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" مہاراج نے کہا "اب تم رتنا کوسن کے ساتھ چلے جاؤ۔ یہ تمہیں تفصیل سے سب کچھ سمجھادے گا۔"

میں مہاراج سے رخصت ہوکر رتنا کوسن کے ساتھ شہر کے شمالی علاقے میں واقع ایک بنگلے میں آگیا اور پھر رات کا باقی حصہ جاگتے ہوئے ہی گزرا تھا۔ رتنا کوسن نے ساری باتیں بڑی تفصیل سے سمجھائی تھیں اور جنرل کھوراٹ کی کچھ پرانی تصویریں بھی دکھائی تھیں تاکہ میں اسے آسانی سے شناخت کرسکوں۔

میں پورا دن اسی بنگلے میں رہا۔ اس دوران میں وہاں چار آدمی اور بھی آئے تھے۔ وہ بھی ہماری گفتگو میں شریک رہے تھے۔ وہ چاروں بھی حکومت کے بعض اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے۔

"ٹھیک ہے مسٹر وجدان۔" بالآخر رتنا کوسن نے کہا "ہزہائی نس سے منظوری کے بعد تمہیں مطلع کردیا جائے گا۔ ویسے میرے خیال میں تمہیں تیار رہنا چاہیے۔ کسی بھی وقت گرین سگنل مل سکتا ہے۔"

اور پھر جس رازداری سے مجھے اس بنگلے تک لے جایا گیا تھا۔ اس طرح آدھی رات کے وقت مجھے دوبارہ مہاراج کے پاس پہنچا دیا گیا۔

مہاراج کے آدمیوں نے جب مجھے جانکی کے بنگلے کے سامنے گاڑی سے اتارا تو رات کے تین بج رہے تھے۔ جانکی اور تھائی سو رہی تھیں۔ میری آواز سن کر اٹھ گئیں۔ اس وقت کوئی بات کرنے کا موقع نہیں تھا۔

رات کا باقی حصہ بھی میں نے جاگ کر اور سوچتے ہوئے گزارہ تھا۔ اب مجھے اپنی اہمیت کا اندازہ بھی ہوگیا تھا۔ مہاراج کے پاس ایسے درجنوں آدمی ہوں گے جن سے یہ کام لیا جاسکتا ہے لیکن مہاراج نے میرا انتخاب کیا تھا اور اس کے لیے خاص طور پر میری تربیت کی گئی تھی۔ شہنشاہ کے خلاف یہ سازش بہت پرانی تھی لیکن شاید اب وہ وقت آگیا تھا کہ اس کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جاتا۔

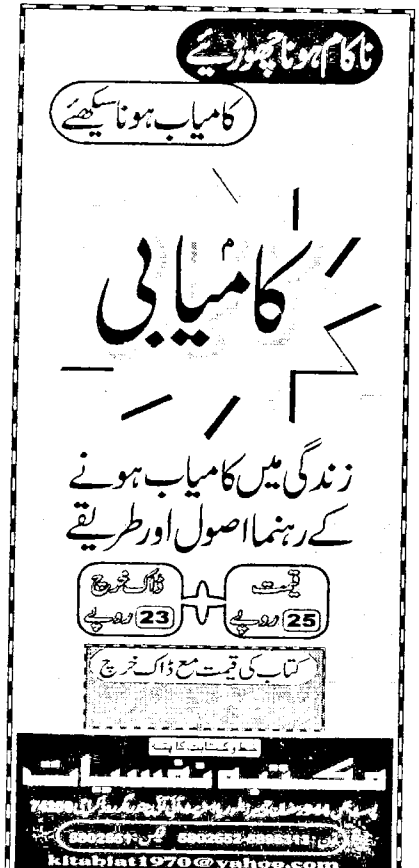

ایسے منصوبوں میں اگرچہ رازداری پہلی شرط ہوتی ہے لیکن تھائی اور جانکی تو ایسی ہستیاں تھیں جن سے کوئی بات چھپانا میرے لیے ممکن نہیں تھا۔ ان میں سے ایک میری خاطر اپنی عزت تک قربان کرچکی تھی اور دوسری بھی بڑی سے بڑی قربانی دینے کو ہمہ وقت تیار رہتی تھی۔ ان پر بھروسا نہ کرنا ان کے ساتھ زیادتی کے مترادف ہوتا۔

صبح ناشتے پر میں نے انہیں سب کچھ بتادیا۔

"بہت ہی خطرناک اسائن منٹ ہے۔" جانکی نے کہا "اس میں ہم سب کی جانیں بھی جاسکتی ہیں لیکن میں اپنی حد تک یہ کہہ سکتی ہوں کہ سچائی کے لیے اپنی جان لٹانے سے دریغ نہیں کروں گی۔"

"اور کیا تم سمجھتی ہو کہ میں پیچھے ہٹ جاؤں گی۔" تھائی نے اسے گھورا۔

وہ دونوں جانتی تھیں کہ اس مشن کے دوران میں قدم قدم پر موت گھات لگائے بیٹھی ہوگی لیکن وہ دونوں جان کی یہ بازی لگانے کو تیار تھیں۔ اس رات میں نے پرساد کو بھی بلالیا اور ساری بات اس کے سامنے رکھ دی۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں باس لیکن پاتھم....."

"اس کی تم فکر مت کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "مہاراج کے آدمی اس کا خیال رکھیں گے۔"

ہم نے اپنی تیاری مکمل کرلی۔ تین دن بعد مہاراج کے توسط سے ہمیں رتنا کوسن کی طرف سے گرین سگنل مل گیا۔

دوسرے دن جانکی اور پرساد چیانگ رائے چلے گئے۔ اس کے اگلے دن میں اور تھائی بھی چیانگ رائے جانے کے لیے جہاز پر سوار ہوگئے۔

بنکاک سے 785 کلومیٹر دور تھائی لینڈ کے انتہائی شمال میں برما اور لاؤس کی سرحدوں کے قریب واقع چیانگ رائے جانے کے لیے اگرچہ ٹرین اور بسوں کی سہولت بھی موجود تھی لیکن اس طرح سفر بہت طویل ہوجاتا تھا جب کہ ہوائی جہاز سے صرف ایک گھنٹا پچیس منٹ میں یہ فاصلہ طے کیا جاسکتا ہے۔

نوتا چیانگ رائے میں موجود تھی۔ پیڈرو کے چھوٹے بھائی سامی کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے بعد ہم نے نوتا کو چیانگ رائے بھیج دیا تھا۔ مجھے اطمینان تھا کہ جانکی اور پرساد ایک دن پہلے اس کے پاس پہنچ گئے ہوں گے۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ میں اور تھائی کسی ہوٹل یا گیسٹ ہاؤس میں قیام کریں گے اور نوتا وغیرہ سے بعد میں رابطہ کیا جائے گا۔

وہ بڑی روشن اور چمکیلی صبح تھی۔ ایئرپورٹ پر بھی ہمیں ایک گیسٹ ہاؤس کا ایجنٹ مل گیا۔ اس طرح سرپرائز وے روڈ سے ذرا ہٹ کر مائے کاک ریور کے ساتھ ہی مان وانگ کمرشل گیسٹ ہاؤس میں کمرا حاصل کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

وہ دن ہم نے گیسٹ ہاؤس میں ہی گزارے۔ شام چھ بجے کے قریب میں نے نوتا کو فون کیا تو کال اسی نے ریسیو کی تھی۔

"یس لٹل ماسٹر۔" وہ میری آواز سنتے ہی بولی "وہ دونوں بھی موجود ہیں اور ہم آپ کا انتظار کررہے ہیں۔"

"مجھے اپنا ایڈریس سمجھاؤ۔ ہم چند منٹ میں یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔" میں نے کہا اور توجہ سے دوسری طرف کی آواز سننے لگا۔

اس کے تقریباً دس منٹ بعد میں اور تھائی ایک ٹیکسی میں سوار ان کی طرف جارہے تھے۔

ٹورسٹ پولیس ڈپارٹمنٹ کی عمارت سے ذرا آگے پرانی طرز کے کچھ ولا بنے ہوئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے خوب صورت کاٹیج نما یہ مکان ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر تھے۔ درمیان کی خالی جگہوں پر سرسبزلان بنے ہوئے تھے۔ اس وقت اندھیرا پھیل چکا تھا مگر مطلوبہ ولا تلاش کرنے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

دو مرتبہ بیل بجانے کے بعد بھی اندر سے جواب نہیں ملا تو میں نے الجھی ہوئی نظروں سے تھائی کی طرف دیکھا اور پھر دروازے پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ دروازہ آہستگی سے کھلتا چلا گیا۔ میں نے نوتا کا نام لے کر پکارا لیکن اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں ملا تو ہم دونوں اندر داخل ہوگئے۔

ولا میں اندھیرا تھا۔ پندرہ منٹ پہلے نوتا سے فون پر میری بات ہوئی تھی اور اس نے بتایا تھا کہ جانکی اور پرساد بھی یہاں موجود ہیں لیکن اب کسی کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آرہے تھے۔

دروازے کی دوسری طرف راہداری تھی۔ میں نے دیوار پر ٹٹول کو سوئچ آن کردیا۔ راہداری روشن ہوگئی۔ میں نے ایک بار پھر نوتا کو پکارا لیکن اس مرتبہ بھی جواب نہیں ملا۔ میری چھٹی حس کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی۔ دائیں طرف ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں دروازے میں داخل ہوکر دیوار ٹٹولنے لگا۔

میرا ہاتھ سوئچ بورڈ سے ٹکرایا۔ میں نے ایک سوئچ دبا دیا۔ کچھ نہیں ہوا' دوسرا سوئچ دبایا تو کمرے میں روشنی بھر گئی اور اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

سامنے ہی بیڈ پر نوتا خون میں لت پت پڑی تھی۔ ایک خنجر اس کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر پیوست تھا۔ زخم سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ میں نے مڑ کر تھائی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی بے پناہ وحشت تھی اور چیخ روکنے کے لیے اس نے دائیں ہاتھ سے منہ کو سختی سے دبا رکھا تھا۔

میں نے ایک بار پھر نوتا کی طرف دیکھا۔ اس کے سینے پر بہت ہلکا سا زیروبم بتا رہا تھا کہ اس میں ابھی جان باقی تھی۔ میں لپک کر بیڈ کے قریب پہنچ گیا اور جھک کر اس کے چہرے کو دیکھنے لگا۔

"نوتا..... نوتا.....!" میں جھک کر مدھم لہجے میں نوتا کو پکارنے لگا "آنکھیں کھولو نوتا۔ یہ سب کیسے ہوا؟ کون تھے وہ لوگ؟ جانکی اور پرساد کہاں ہیں؟ نوتا..... آنکھیں کھولو نوتا....."

میں ایک ہی سانس میں بولتا چلا گیا لیکن نہ تو نوتا نے آنکھیں کھولیں اور نہ ہی اس کے ہونٹوں یا جسم کے کسی اور حصے میں کوئی حرکت پیدا ہوئی۔ تھائی بھی بیڈ کی دوسری طرف نوتا پر جھکی ہوئی تھی۔ میں دونوں ہاتھوں سے ہولے ہولے نوتا کے گال تھپتھپانے لگا "نوتا..... آنکھیں کھولو۔ دیکھو ہم آگئے ہیں۔ یہ سب کیسے ہوا نوتا.....؟"

اس مرتبہ میری محنت رائگاں نہیں گئی۔ نوتا کے پپوٹوں میں بہت معمولی سی حرکت پیدا ہوئی اور پھر اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔

"یہ کیا ہوا نوتا۔ کون تھے وہ لوگ..... جانکی اور پرساد کہاں ہیں؟" میں نے اس پر کچھ اور جھکتے ہوئے اپنے سوال دہرائے۔

نوتا کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ اف! کتنی ویرانی تھی ان آنکھوں میں۔ اس کے ہونٹوں کو حرکت ہوئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے۔ میں نے کچھ اور جھک کر کان اس کے ہونٹوں کے قریب کردیا۔ سرسراہٹ کی سی آواز میری سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ کچھ کہہ رہی تھی مگر حلق سے نکلنے والی سرسراہٹ جیسی آواز الفاظ کا روپ نہیں دھار پا رہی تھی۔

"نوتا....." میں نے ایک بار پھر اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا "تم کچھ کہنا چاہتی ہو۔ کوشش کرو تاکہ الفاظ تمہارے ہونٹوں تک آسکیں۔"

نوتا کے ہونٹ بدستور پھڑپھڑا رہے تھے۔ میں نے ایک بار پھر کان اس کے ہونٹوں کے بہت قریب کردیا۔ اس مرتبہ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ اس کی سرسراتی ہوئی آواز الفاظ کا روپ دھارنے کی کوشش کررہی تھی۔ میں نے اپنی پوری توجہ اس آواز پر مرکوز کردی۔

"چچ..... چی..... چی..... فا....."

"چی فانگ! تم یہی کہنا چاہتی ہو نا؟" میں نے اپنا چہرہ قدرے اوپر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی نظروں سے ایسا لگا جیسے وہ میرے الفاظ کی تائید کررہی ہو "جانکی اور پرساد کہاں ہیں۔ تم نے فون پر بتایا تھا کہ وہ دونوں بھی یہیں ہیں۔ کیا وہ....."

یکایک مجھے اپنی آواز حلق میں اٹکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ نوتا کی آنکھوں کی روشنی معدوم ہوچکی تھی۔ پتلیاں ساکت ہوگئی تھیں اور وہاں اب دھندلاہٹ سی نظر آرہی تھی۔

"نوتا..... نوتا....." میں گال تھپتھپاتے ہوئے اسے پکارنے لگا۔

بیڈ کی دوسری طرف کھڑی ہوئی تھائی حقیقت کو پہنچ چکی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ہونٹوں سے گلوگرفتہ سی آواز نکلی۔

"اب وہ تمہاری آواز نہیں سن سکتی۔ وہ ہم سے بہت دور جاچکی ہے۔"

میں نے اپنا جھکا ہوا چہرہ اٹھا کر تھائی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو رخساروں پر دھار کی صورت میں بہہ رہے تھے۔ وہ نوتا کی حالت دیکھ کر غالباً شروع ہی سے روتی رہی تھی۔ اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مجھے سیدھا کردیا اور پھر ایک ہاتھ سے نوتا کی آنکھیں بند کردیں۔

تھائی نے غلط نہیں کہا تھا۔ نوتا اب اس دنیا میں نہیں رہی تھی۔ میں نے جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور سیدھا ہوکر دیکھنے لگا۔ بستر کی چادر کا بہت بڑا حصہ خون سے تر ہورہا تھا اور خون غالباً چادر کے نیچے میٹریس میں جذب ہورہا تھا۔ اس کے سینے میں خنجر پیوست ہوئے نجانے کتنی دیر ہوچکی تھی اور پتا نہیں وہ کب سے جاں کنی کی کیفیت میں مبتلا تھی۔ خنجر اس کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر پیوست تھا اور اتنا زیادہ خون بہہ جانے کے بعد اتنی دیر تک زندہ رہ جانا ہی بڑی حیرت کی بات تھی۔

"چی فانگ!" میرے ہونٹوں سے بھنچی بھنچی سی آواز نکلی۔ اس کے ساتھ ہی میری مٹھیاں بھی بھنچ گئیں۔ میں پلکیں جھپکے بغیر نوتا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے میرے سامنے دم توڑا تھا اور میں کچھ نہیں کرسکا تھا۔ مجھے اس کی موت کا بے حد دکھ پہنچا تھا۔ میرے حواس مختل ہورہے تھے۔ نوتا نے مرنے سے پہلے چی فانگ کا نام بتادیا تھا۔ اگر چی فانگ اس وقت میرے سامنے ہوتا تو میں اس کی گردن مروڑ دیتا۔

نوتا ایک رقاصہ تھی۔ وہ دولت اور شہرت کی تمنا لے کر بنکاک آئی تھی۔ وہ سپراسٹار بننا چاہتی تھی لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ اسے لانے والا کون تھا۔ شانگ اسے اپنے گھناؤنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اتفاق سے اسی دوران میں ہم شانگ اور ٹائیگر سے ٹکرا گئے اور جب نوتا کو معلوم ہوا کہ وہ کس طرح دھوکے کا شکار ہوئی تھی تو وہ شانگ وغیرہ کو چھوڑ کر ہمارے ساتھ آن ملی تھی۔ اسے خوف تھا کہ شانگ وغیرہ اسے قتل کردیں گے۔

شروع میں وہ اپنی جان ہی کے خوف سے ہمارے قریب رہی تھی لیکن بعد میں وہ ہم میں سے ایک ہوگئی۔ میری خاطر اس نے کئی مرتبہ اپنی جان خطرے میں ڈالی تھی اور بالآخر آج اس نے اپنی جان دے دی۔ ہم سب کو اس سے اُنس ہوگیا تھا۔ ہم سب ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔ ایک دوسرے کے لیے تڑپ اٹھتے تھے۔ میرے خیال میں نوتا کی موت ہمارے لیے ایک ایسا نقصان تھی جس کی آسانی سے تلافی نہیں ہوسکتی تھی۔

میں یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ تھائی نے مجھے بازو سے پکڑ جھنجھوڑ دیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"اوہ!" میں جیسے ہوش میں آگیا "میں چی فانگ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" میں ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا "جب میں نے نوتا کو فون کیا تھا تو اس نے بتایا تھا کہ جانگی اور پرساد بھی یہاں موجود ہیں لیکن اب ان کی موجودگی کے آثار نظر نہیں آرہے۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ دونوں بھی ان کے ہاتھ نہ لگ گئے ہوں۔"

تھائی نے جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں بھی تشویش نمایاں تھی۔ میں چند لمحے وہاں کھڑا رہا اور پھر کاتیج کے دوسرے کمروں کو چیک کرنے لگا۔

یہ کاتیج زیادہ بڑا نہیں تھا۔ دو بیڈ رومز تھے اور ایک ڈرائنگ روم۔ ایک بیڈ روم میں نوتا کی لاش تھی۔ دوسرے بیڈ روم میں بھی آرام دہ بستر بچھا ہوا تھا اور ضرورت کی دوسری چیزیں بھی موجود تھیں۔ یہ بیڈ روم شاید نوتا نے اپنے مہمانوں کے لیے مخصوص کر رکھا تھا لیکن اس کی حالت دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ کئی روز سے اس بستر پر کوئی سویا نہیں تھا۔

پورے کاتیج میں جانگی اور پرساد کا سراغ نہیں ملا۔ میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔ میں نے نوتا کو شام چھ بجے فون کیا تھا۔ اس کے دس منٹ بعد ہی میں تھائی کے ساتھ روانہ ہوگیا تھا۔ ہمیں وہاں تک پہنچنے میں زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹا لگا ہوگا۔ پہاڑی علاقوں میں سورج جلدی غروب ہوجاتا ہے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور اب یہ صورتِ حال میرے سامنے تھی۔ چھ بجے جانگی اور پرساد وہاں موجود تھے۔ نوتا نے انہیں بتا دیا ہوگا کہ ہم آرہے ہیں اس لیے یہ سوچنا محال تھا کہ ہمارا فون ملنے کے بعد وہ دونوں وہاں سے چلے گئے ہوں گے اور ان کے جانے کے بعد چی فانگ یہاں آیا ہوگا جس نے نوتا کو قتل کردیا۔ چی فانگ اکیلا نہیں ہوگا۔ اس کے ساتھ دارا اور کم بھی ہوں گے۔ انہیں کسی طرح چیانگ رائے میں جانگی اور پرساد کی موجودگی کا پتا چل گیا ہوگا یا ممکن ہے انہیں صرف نوتا کے بارے میں پتا چلا ہو اور وہ لوگ اس سے پچھلا حساب چکانے کے لیے یہاں پہنچ گئے ہوں اور اتفاق سے اس وقت جانگی اور پرساد بھی یہاں موجود تھے۔ انہوں نے نوتا کو تو موت کے گھاٹ اتار دیا اور جانگی اور پرساد کو اپنے ساتھ لے گئے ہوں گے۔

یہ سب مفروضات تھے۔ ان میں سے کوئی بھی بات ہوسکتی تھی لیکن یہ طے تھا کہ جو کچھ بھی ہوا تھا، پچھلے آدھے گھنٹے کے اندر ہوا تھا۔

میں کاتیج کی تلاشی لیتے ہوئے یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ پولیس سائرن کی آواز سن کر اچھل پڑا۔ سائرن کی آواز اچانک ہی اور بہت قریب سے سنائی دی تھی۔ لگتا تھا جیسے پولیس کی گاڑی نے کاتیج کے عین سامنے پہنچ کر سائرن بجایا ہو۔

تھائی کی آنکھوں میں بھی وحشت سی ابھر آئی تھی۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور تیزی سے اس کمرے سے باہر آگئے۔ جب ہم نوتا والے کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچے تو باہر کسی گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی۔

"اس طرف۔" تھائی نے میرا بازو پکڑ کر ایک طرف کھینچا۔ "ادھر پچھلی طرف بھی ایک دروازہ ہے۔"

میں نے ایک نظر بیڈ پر پڑی ہوئی نوتا کی لاش کی طرف دیکھا اور تھائی کے ساتھ تیزی سے پچھلے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں عقبی دروازے کا بولٹ ہٹا رہا تھا کہ کال بیل کی آواز گونج اٹھی۔ پولیس نے روایتی حماقت کا ثبوت دیتے ہوئے دروازہ کھلا ہونے کے باوجود براہِ راست اندر داخل ہونے کے بجائے کال بیل بجانا ضروری سمجھا تھا۔ جرائم پیشہ لوگ پولیس کی ایسی ہی حماقتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس وقت ہم نے بھی اس صورتِ حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور عقبی دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

اس طرف تاریکی تھی۔ کاتیج کی پچھلی طرف بھی کشادہ لان تھا جسے پودوں کی باڑ نے گھیر رکھا تھا۔ تین چار گنجان پتوں والے اونچے درخت بھی تھے جن کی وجہ سے تاریکی کچھ اور گہری ہوگئی تھی۔ ہم تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے نوتا کے کاتیج سے دور ہوتے چلے گئے اور بالآخر دس منٹ بعد ایک سڑک پر پہنچ گئے جہاں ہمیں فوراً ہی ایک خالی ٹیکسی مل گئی۔ میں نے تھائی کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ڈرائیور کو کلاک ٹاور چلنے کو کہہ دیا۔ ہم دونوں کا انداز اس وقت ایسا تھا جیسے گھر سے محض تفریح کے لیے نکلے ہوں۔

چند منٹ بعد ہماری ٹیکسی اس راستے سے گزری جس طرف نوتا کا کاتیج تھا۔ وہاں پولیس کی تین گاڑیاں نظر آرہی تھیں اور آس پاس کئی لوگ جمع ہوچکے تھے۔ ڈرائیور نے پولیس کی گاڑیوں اور وہاں جمع لوگوں کی طرف دیکھا لیکن رکے بغیر ٹیکسی آگے نکال لے گیا۔

کلاک ٹاور شہر کا وسطی اور بہت بارونق علاقہ تھا۔ کاروباری علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں دن کے وقت بھی بڑی بھیڑ بھاڑ رہتی تھی اور رات کو بھی دیر تک چہل پہل رہتی تھی۔ تمام بڑی تجارتی کمپنیوں کے دفاتر اور بینک اس علاقے میں واقع تھے۔ بینک دوپہر کے وقت اور دفاتر شام پانچ بجے بند ہوجاتے تھے جبکہ شاپنگ سینٹرز اور ریسٹورنٹس وغیرہ رات کو دیر تک کھلے رہتے تھے۔ ڈسکو اور نائٹ کلب تو رات کے آخری پہر تک کھلے رہتے تھے۔

وہ شام کا ابتدائی حصہ تھا۔ تمام شاپنگ سینٹر کھلے ہوئے تھے۔ پورا علاقہ روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ میں نے ٹیکسی جیٹ یا رڈ روڈ کے کارنر پر رکوالی۔ میٹر دیکھ کر ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور تھائی کو اشارہ کرتا ہوا نیچے اتر آیا۔

ہم دونوں اس وقت تک وہاں کھڑے رہے جب تک ٹیکسی

رکت میں آکر دور نہیں چلی گئی۔

"یہاں کیوں آگئے۔ اپنے گیسٹ ہاؤس کی طرف کیوں نہیں گئے؟" تھائی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہاں سے سیدھا اپنے گیسٹ ہاؤس کی طرف جانا مناسب نہیں تھا۔" میں نے جواب دیا "اگر ٹیکسی ڈرائیور کو کسی قسم کا شبہ ہوجاتا تو بعد میں وہ ہمارے ٹھکانے کی نشاندہی کرسکتا تھا۔"

"ہاں۔ یہ بات میرے ذہن میں نہیں آئی تھی لیکن اب کیا پروگرام ہے۔ کیا گیسٹ ہاؤس جانا مناسب ہوگا۔ ایسا تو نہیں کہ ہمارا گیسٹ ہاؤس بھی ان کی نظروں میں آگیا ہو؟" تھائی نے کہا۔

"میرا خیال ہے' ایسا نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا "اگر ہمارا ٹھکانا ان کی نظروں میں آگیا ہوتا تو وہ پہلا وار ہم پر ہی کرتے۔" میں چند لمحے خاموش ہو کر ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر بولا "نوتا تو اپنی جان سے گئی لیکن اس وقت مجھے سب سے زیادہ پریشانی جانگی اور پرساد کی طرف سے ہے۔ وہ نجانے کہاں ہیں۔ محفوظ ہیں یا دشمنوں کے ہتھے چڑھ گئے ہیں۔"

"کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم مزید پریشان ہونے سے پہلے "وائی ایم سی اے" گیسٹ ہاؤس سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرلیں۔ جب وہ بنکاک سے روانہ ہوئے تھے تو یہی طے ہوا تھا کہ وہ وائی ایم سی اے میں قیام کریں گے۔ ہمارے آنے کے بعد کوئی اور بندوبست کیا جائے گا۔" تھائی نے کہا۔

"مجھے وہاں ان کے ملنے کی توقع نہیں لیکن بہرحال' معلوم کرلینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے کہا اور ایک بار پھر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کچھ آگے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے پبلک ٹیلی فون بوتھ نظر آرہا تھا۔ ہم دونوں اس طرف چل پڑے۔ وہ دراصل ساتھ ساتھ ملے ہوئے دو ٹیلی فون بوتھ تھے اور اس وقت دونوں مصروف تھے۔ ایک میں تو کوئی جوان عورت تھی جو فون پر بات کرتے ہوئے باہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بے تحاشا ٹیک اپ تھپا ہوا تھا۔ وہ جس طرح اطمینان سے بات کررہی تھی اس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ فی الحال ریسیور سے الگ ہونے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ دوسرے بوتھ میں ایک دراز قامت آدمی تھا جس کا چہرہ دوسری طرف تھا۔

ہم دونوں سامنے کھڑے ہوگئے۔ تقریباً دو منٹ بعد وہ آدمی بوتھ سے نکلا تو میں اور تھائی اندر داخل ہوگئے۔ ٹیلی فون سیٹ کے ساتھ ہی دیوار میں لگے ہوئے ایک شیلف پر ایک مختصر سی ٹیلی فون ڈائریکٹری بھی رکھی ہوئی تھی جس میں چیانگ رائے کے اہم مقامات کے نمبر لکھے ہوئے تھے۔ تھائی ڈائریکٹری کھول کر وائی ایم سی اے کا نمبر تلاش کرنے لگی۔ اسے مایوسی نہیں ہوئی لیکن وائی ایم سی اے کے نام سے کئی نمبر تھے۔ پہلا نمبر وائی ایم سی اے گولڈن ٹرائی اینگل انٹرنیشنل ہاؤس کا تھا جو ائرپورٹ کی طرف واقع تھا۔ یہاں جانگی اور پرساد کی موجودگی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ فائیو اسٹار ہوٹل تھا اور دوسری بات یہ کہ شہر سے باہر تھا۔ ایک نمبر وائی ایم سی اے سینٹر کا تھا۔ اور بھی کئی نمبر تھے۔ ان میں ایک گیسٹ ہاؤس کا نمبر بھی تھا۔

تھائی نے ریسیور اٹھا کر گیسٹ ہاؤس کا نمبر ملایا لیکن بڑی مایوسی ہوئی۔ اس گیسٹ ہاؤس میں جانگی اور پرساد کے نام سے یا ان دونوں کے ملتے جلتے حلیوں کے افراد نہیں ٹھہرے تھے۔ کل کی تاریخ میں بنکاک سے آنے والی ایک ادھیڑ عمر عورت اپنی چھ سالہ بچی کے ساتھ وہاں آکر ٹھہری تھی اور ظاہر ہے وہ جانگی نہیں ہوسکتی تھی۔

ہم فون بوتھ سے باہر آگئے۔ اس وقت میرا دماغ بُری طرح چکرا رہا تھا۔ ہم دونوں چلتے ہوئے چوراہے پر رک گئے۔ چوراہے کے وسط میں بہت بڑا کلاک ٹاور تھا جس کے چاروں طرف بڑے بڑے گھڑیال لگے ہوئے تھے اور اس وقت آٹھ بج کر بیس منٹ ہورہے تھے۔

چوراہے پر بڑی رونق تھی۔ یہاں بھی سیاحت کا سیزن تھا۔ دوسرے شہروں سے آئے ہوئے اور غیر ملکی سیاح بڑی تعداد میں سڑکوں پر گھومتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ مقامی باشندے بھی مثل رہے تھے۔ کچھ تو ایسے تھے جو کسی نہ کسی کام سے بازار میں آئے تھے اور کچھ محض آنکھیں سینکنے کے لیے اِدھر اُدھر مثل رہے تھے۔ انہی لوگوں میں چور اچکے' اٹھائی گیرے اور رہزن بھی تھے جو شکار کی تلاش میں تھے۔

"چلو۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھتے ہیں۔" تھائی نے ایک کافی شاپ کی طرف اشارہ کیا "دماغ گھوم رہا ہے۔ ایک کپ کافی پینے کو دل چاہ رہا ہے۔"

دماغ تو میرا بھی گھوم رہا تھا اور واقعی اس وقت کافی کی شدید طلب ہورہی تھی۔ وہ کافی ہاؤس قدرے پُرسکون تھا۔ ہم کارنر کی ایک میز پر بیٹھ گئے۔ ویٹریس فوراً ہی ہمارے سر پر پہنچ گئی۔ تھائی نے بلیک کافی کا آرڈر دے دیا۔ چند منٹ بعد ہی ویٹریس کافی لے کر آگئی۔ اس لڑکی کی عمر پندرہ سولہ سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ رنگت اگرچہ سانولی تھی لیکن چہرے کے نقوش اور جسم کی ساخت میں بے پناہ کشش تھی۔ اس نے کافی ہاؤس کا مخصوص ڈریس پہن رکھا تھا اور لباس ایسا تھا کہ نظریں بے اختیار اس کی طرف کھنچی چلی جاتی تھیں۔ میرے سامنے کافی کا کپ رکھتے ہوئے وہ کسی قدر جھک گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آگئی تھی۔

"کچھ اور تو نہیں چاہیے سر؟" سے جیسے ہی تھائی بولی پڑی "اور کچھ نہیں چاہیے۔ چل بھاگ یہاں سے۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی کیونکہ اس نے ویٹریس کی حرکت نوٹ کرلی تھی۔

ویٹریس نے مسکرا کر تھائی کی طرف دیکھا اور خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی۔ ہم جس میز پر بیٹھے تھے اس کے ساتھ ہی بہت

بڑا شیشہ لگا ہوا تھا جس سے باہر کا منظر بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے میں اور تھائی مسلسل باہر ہی دیکھ رہے تھے۔ ایک موقع پر جبکہ میں تھائی کی طرف جھک کر کوئی بات کر رہا تھا، تھائی نے میرا ہاتھ دبا کر آنکھ سے باہر کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا تو اچھل پڑا۔ میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک تیز ہوگئی۔

وہ رگھولی تھی۔

رگھولی کے بارے میں مختصراً کچھ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ ایک رقاصہ تھی اور ٹائیگر کی منظورِ نظر اور چہیتی سمجھی جاتی تھی۔ جن دنوں ٹائیگر سے میری ٹسل چل رہی تھی ان دنوں رگھولی کو اکثر ٹائیگر کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔ وہ کلب ٹونٹی سکس اور اس جیسے بڑے کلبوں میں پروگرام کرتی تھی۔ یہ پروگرام اسے ٹائیگر کی وجہ سے ملتے تھے اور معاوضہ بھی دوسری اے کلاس رقاصاؤں سے زیادہ ملتا تھا لیکن ٹائیگر کی میرے ہاتھوں موت سے تقریباً دو مہینے پہلے ٹائیگر سے اس کی اَن بَن ہوگئی تھی۔ اس رات وہ پیراڈائز میوزک ہال، ڈسکو تھک میں پروگرام کرنے والی تھی۔ وہ اسٹیج پر جانے کے لیے تیار تھی۔ اس کا پروگرام شروع ہونے میں صرف چند منٹ باقی تھے کہ ٹائیگر ڈریسنگ روم میں پہنچ گیا۔ وہ رگھولی کو اپنے ساتھ کہیں اور لے جانا چاہتا تھا مگر رگھولی نے انکار کردیا۔ ٹائیگر اپنے کسی مطیع سے انکار سننے کا عادی نہیں تھا۔ وہ اپنے دوستوں کو بھی زر خرید غلام سمجھتا تھا۔ رگھولی تو اس کی وجہ سے عیش کر رہی تھی۔ اس کے انکار پر ٹائیگر بھڑک اٹھا۔ رگھولی بھی برداشت نہیں کر سکی۔ اس نے پہلی مرتبہ ٹائیگر کے سامنے زبان کھولی جس کا نتیجہ اسے اس طرح بھگتنا پڑا کہ ٹائیگر نے کلب کے ڈریسنگ روم ہی میں اسے دھنک کر رکھ دیا۔ رگھولی کی چیخوں کی آواز سن کر کلب کا منیجر اور دوسرے بہت سے لوگ جمع ہوگئے۔ رگھولی کو بڑی مشکل سے ٹائیگر کے پنجے سے چھڑایا گیا لیکن اس وقت تک ٹائیگر اس کی ٹھیک ٹھاک مرمت کرچکا تھا۔ اس کا بائیں طرف کا ایک دانت ٹوٹ گیا تھا اور ٹھوکروں اور گھونسوں سے اسے کچھ اندرونی چوٹیں بھی آئی تھیں۔

رگھولی کو کم از کم ایک ہفتہ اسپتال میں گزارنا پڑا تھا اور اس کے ساتھ ہی بنکاک میں رقاصہ کی حیثیت سے اس کا کیریئر بھی ختم ہوگیا تھا۔ اسپتال سے چھٹی ملنے پر جب وہ اپنے فلیٹ پر پہنچی تو وہاں کوئی اور حسینہ قابض تھی جس کے ساتھ دو خطرناک صورتوں والے غنڈے بھی موجود تھے۔ رگھولی کو نہ تو فلیٹ میں داخل ہونے دیا گیا اور نہ ہی اسے اپنی ذاتی استعمال کی چیزیں اٹھانے کی اجازت دی گئی۔

شہر کے پوش علاقے میں یہ شاندار فلیٹ ٹائیگر ہی نے اسے لے کر دیا تھا۔ اس کا سامان بھی بہت قیمتی تھا اور بہت سی قیمتی چیزیں تو رگھولی نے اپنے پیسوں سے خریدی تھیں لیکن اسے یہاں سے ایک تنکا بھی نہیں اٹھانے دیا گیا۔

شہر کی نمبرون رقاصہ چشمِ زدن میں قلاش ہوگئی تھی۔ وہ بڑے بڑے لوگ جو اس کے ایک اشارے پر اس کے قدموں پر دولت کے ڈھیر لگانے کو تیار رہتے، اس کے سائے سے بھی دور بھاگنے لگے۔ وہ سب جانتے تھے کہ ٹائیگر اس سے ناراض ہوگیا ہے اور کوئی بھی شخص رگھولی کی مدد کرکے ٹائیگر جیسے خطرناک آدمی کی دشمنی مول لینا پسند نہیں کرسکتا تھا۔

دو تین روز تک رگھولی دربدر پھرتی رہی اور بالآخر اسے شہر کے سب سے گھٹیا علاقے میں واقع ایک گھٹیا سے نائٹ کلب میں پروگرام مل گیا۔ اس نائٹ کلب میں نچلے طبقے کے لوگ ہی آتے تھے جن میں زیادہ تعداد غنڈوں اور بدمعاشوں کی ہوتی تھی۔ کوئی رقاصہ یہاں چند روز سے زیادہ نہیں ٹکتی تھی۔ رقص کے دوران میں بعض لوگ اسٹیج پر آجاتے اور رقاصہ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کردیتے۔ یہاں لڑکیوں کی باکسنگ بھی ہوتی تھی اور ان پروگراموں میں بھی بلڑبازی ہوتی رہتی تھی۔

اس نائٹ کلب میں رگھولی کا پہلے دن کا پروگرام اس کے لیے بڑا سنسنی خیز تجربہ ثابت ہوا تھا۔ شراب کے نشے میں دھت دو آدمی اسٹیج پر چڑھ آئے تھے اور اسے اٹھا کر ہال میں لے گئے تھے۔ وہ میزوں کے درمیان چکراتی رہی۔ کوئی اسے چٹکی کاٹتا، کوئی بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچتا اور کوئی اسے گرفت میں لے کر رکس کرنے کی کوشش کرتا۔

رگھولی یہ سب کچھ برداشت کرتی رہی۔ یہ اس کی مجبوری تھی۔ برداشت نہ کرتی تو دو وقت کی روٹی کے لیے پیسے کہاں سے ملتے۔

اگلی شب وہ پھر اسی کلب میں آئی تھی۔ لڑکیوں کی باکسنگ کا پروگرام ختم ہوا تو گیارہ بجے کے قریب ایک اور رقاصہ پہلے اسٹیج پر اور پھر میزوں کے درمیان تھرکتے ہوئے اپنے جسم کی نمائش کرنے لگی۔ اس کے بعد رگھولی کی باری تھی اور جب اس کا پروگرام شروع ہوا تو بلڑبازی شروع ہوگئی۔ مختلف جگہوں پر بیٹھے ہوئے چند غنڈوں نے ہنگامہ شروع کردیا۔ لگتا تھا جیسے یہ سب کچھ پلاننگ کے تحت ہو رہا ہو۔ میزیں اور کرسیاں الٹی جانے لگیں۔ کچھ تماشائیوں نے ان غنڈوں کو روکنا چاہا تو اچھا خاصا ہنگامہ شروع ہوگیا۔ مار پیٹ میں فرنیچر اور کراکری ٹوٹنے کی آوازیں نمایاں طور پر سنائی دے رہی تھیں۔ چند غنڈے اسٹیج پر آگئے۔ اسٹیج کے پردے پھاڑ دیے گئے۔ رگھولی نے خوف زدہ ہو کر بھاگنا چاہا تو کئی لوگوں نے اسے گھیر لیا۔ ہال میں ہنگامہ زوروں پر تھا۔ توڑ پھوڑ ہو رہی تھی اور پھر اچانک تاریکی چھا گئی۔ اسے ساتھ ہی رگھولی کی خوف ناک چیخ بھی سنائی دی تھی اور پھر وہ چیختی چلی گئی۔ تاریکی میں کسی نے رگھولی پر تیزاب پھینک دیا تھا۔

یہ سب کچھ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ہوا تھا۔ جب کلب کا مین سوئچ آف کیا گیا تو اندھیرا ہوتے ہی کسی نے رگھولی پر تیزاب

سے بھری ہوئی بوتل انڈیل دی تھی۔ تیزاب چہرے کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکا تھا۔ ٹھوڑی دائیں طرف سے ذرا جھلسی تھی البتہ گلے کا کچھ حصہ اور پیٹ بُری طرح جھلسا تھا۔ اس واقعے کے بعد رگھولی کو کئی روز اسپتال میں رہنا پڑا تھا۔

اسپتال سے نکل کر رگھولی ایک بار پھر دردر کی ٹھوکریں کھانے لگی۔ یہ شہر جہاں اس نے بہت عرصے تک لوگوں کے دلوں پر حکمرانی کی تھی، اس کے لیے اجنبی بن گیا تھا۔ وہ لوگ جو اخبارات میں اس کی تصویریں دیکھ کر ہی ٹھنڈے سانس بھرا کرتے تھے اب اس کے سائے سے بھی ڈرنے لگے تھے۔ لوگ ٹائیگر سے ڈرتے تھے۔ اس نائٹ کلب کا حشر وہ دیکھ چکے تھے اس لیے اب کوئی بھی رگھولی کو منہ لگانے کو تیار نہیں تھا۔

رگھولی کو ایک وقت کی روٹی کے بھی لالے پڑ گئے۔ اس کی حالت بھکاریوں سے بھی بدتر ہوگئی تھی۔ وہ اس شہر سے نکلنا چاہتی تھی لیکن اس کے پاس تو ایک وقت کی روٹی کھانے کے لیے پیسے نہیں تھے، کہیں جانے کے لیے کرایہ کہاں سے لاتی؟

اور پھر ایک روز رگھولی کی ملاقات کھوناٹ نامی ایک ادھیڑ عمر آدمی سے ہوگئی۔ وہ بہت بھدا اور بھاری بھرکم آدمی تھا۔ پیشے کے لحاظ سے وہ اسٹیٹ بروکر تھا۔ کاروبار اچھا ہوتا تو عیش کرتا۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں کھانا کھاتا۔ بڑھیا شراب پیتا، کوئی نہ کوئی حسین کال گرل بھی اس کی بغل میں ہوتی۔ کاروبار مندا ہوتا تو ٹھرا پینے کے لیے بھی لوگوں سے چند بھات ادھار مانگتا نظر آتا۔ ویسے عمومی طور پر وہ مندی ہی کا شکار رہتا تھا۔ تقریباً دو سال پہلے اس کے مالی حالات بہت اچھے تھے۔ بڑے بڑے ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں آنا جانا تھا۔ انہی دنوں اس نے کئی مرتبہ رگھولی کو پرفارم کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کا دل مچلا کرتا تھا لیکن رگھولی اس کی پہنچ سے بہت دور تھی۔

اور پھر اس رات کھوناٹ نے رگھولی کو ایک تھرڈ کلاس ریسٹورنٹ میں بیٹھے چائے پیتے ہوئے دیکھا تو فوراً پہچان لیا۔ اسے رگھولی کی یہ حالت دیکھ کر حیرت بھی ہوئی تھی۔ وہ بے تکلفی سے رگھولی کی میز پر بیٹھ گیا۔ ان دنوں کھوناٹ کی مالی حالت بھی بہت دگرگوں تھی۔ بس اسی قسم کے ریستورانوں میں آمدورفت تھی جہاں کم سے کم پیسوں میں پیٹ بھرا جاسکے۔

دو سال پہلے وہ بڑے بڑے نائٹ کلبوں میں رگھولی کو دور ہی سے دیکھ کر ٹھنڈے سانس بھرا کرتا تھا لیکن اس وقت اس سے بے تکلف ہونے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس نے رگھولی کے چہرے میں صرف ایک تبدیلی دیکھی تھی۔ ٹھوڑی پر گہری براؤن رنگت کا وہ داغ جو تیزاب کی وجہ سے پڑا تھا اور حقیقت تو یہ تھی کہ وہ داغ بھی بُرا نہیں لگ رہا تھا۔

کھوناٹ نے رگھولی کو اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش کی تو رگھولی نے بلا جھجک اس پیش کش کو قبول کرلیا اور کھوناٹ کے ساتھ اس کے

ذاتی ہپناٹزم

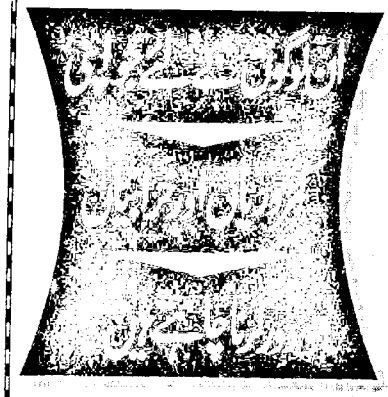

قیمت 25 روپے ❖ ڈاک خرچ 23 روپے

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ منی آرڈر ارسال کریں

پیکنگ سمیت آرڈر ارسال کریں

خطو کتابت کا پتہ

مکتبہ نبیات

kitabiat@hotmail.com

kitabiat1970@yahoo.com

فلیٹ میں آگئی۔

رنگولی تقریباً ایک ہفتہ کھونٹ کے فلیٹ میں رہی۔ اس دوران میں کھونٹ نے اسے بری طرح پامال کیا تھا۔ وہ بار بار اسے اپنے بے ہنگم، بھدے اور گندے جسم کے بوجھ تلے روندتا رہا اور رنگولی خاموشی سے برداشت کرتی رہی۔

اسی دوران میں ایک روز رنگولی کو کھونٹ ہی سے یہ اطلاع ملی کہ ٹائیگر میرے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اس کے تین دن بعد رنگولی کو کھونٹ کے فلیٹ سے بھاگنے کا موقع مل گیا۔ اس روز کھونٹ کی جیب میں ڈھائی ہزار بھات کی رقم موجود تھی۔ رنگولی کو پتا نہیں تھا کہ یہ رقم اس نے کہاں سے حاصل کی تھی۔ اس نے کھونٹ کی کن پٹیاں سہلا کر کسی طرح اسے بے ہوش کردیا اور اس کی جیب سے رقم اڑا کر بھاگ نکلی۔

پیڈرو، ٹائیگر کی جانشینی اختیار کرچکا تھا۔ وہ مجھ سے ٹائیگر کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے پاگل ہوا پھر رہا تھا۔ رنگولی کسی طرح پیڈرو تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس کا خیال تھا کہ ٹائیگر کی موت کے بعد پیڈرو اسے معاف کردے گا اور اسے ایک بار پھر اچھی زندگی گزارنے کا موقع مل جائے گا مگر پیڈرو نے اسے مزید ذلیل کرکے نکال دیا تھا اور رنگولی نے قسم کھائی تھی کہ اگر کبھی موقع ملا تو وہ ان بدمعاشوں سے اپنی بربادی کا انتقام ضرور لے گی۔

اور یہ وہی رنگولی تھی جو طویل عرصے کے بعد یہاں چیانگ رائے میں نظر آئی تھی۔ مجھے رنگولی کے بارے میں یہ ساری باتیں نوپتا نے اس وقت بتائی تھیں جب وہ اور پرساد بنکاک میں پیڈرو اور دارا وغیرہ کی سرگرمیوں کا پتا چلانے کے لیے بڑے بڑے ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں میں گھومتے رہتے تھے۔ میں نے ان دنوں ایک مرتبہ سوچا بھی تھا کہ رنگولی سے رابطہ کرکے اسے پیڈرو کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی جائے لیکن اتفاق سے رنگولی بنکاک سے غائب ہوچکی تھی۔

رنگولی اس وقت کافی ہاؤس کے سامنے فٹ پاتھ کے کنارے پر کھڑی تھی۔ اسے شاید یہ سڑک پار کرنی تھی اور وہ ٹریفک رکنے کا انتظار کررہی تھی۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا مگر تھائی نے مجھے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور خود اٹھ کر باہر چلی گئی۔

اس وقت ٹریفک رک گیا تھا۔ رنگولی نے فٹ پاتھ سے اتر کر سڑک پر دوسرا قدم رکھا ہی تھا کہ تھائی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ رنگولی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، تھائی اسے ہاتھ سے پکڑ کر دوبارہ فٹ پاتھ پر لے آئی۔ رنگولی سے باتیں کرتے ہوئے اس نے میری طرف اشارہ بھی کیا تھا۔ میں گہری نظروں سے رنگولی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ہمارے درمیان اگرچہ تقریباً آٹھ فٹ کا فاصلہ تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ رنگولی کی آنکھوں کی الجھن بتدریج رفع ہورہی تھی اور پھر وہ تھائی کے ساتھ چلتی ہوئی کافی ہاؤس کے دروازے میں داخل ہوگئی اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ اب رنگولی کے چہرے پر مکمل سکون و اطمینان تھا۔ وہ مجھے پہچان چکی تھی۔

چند جملوں کے تبادلے ہی سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ پیڈرو فیملی کے حوالے سے رنگولی کا دل اب بھی شدید نفرت سے بھرا ہوا تھا۔ میں غور سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے بھی بنکاک میں اسے صرف ایک دو مرتبہ دیکھا تھا۔ اس کی ٹھوڑی پر گہرا براؤن داغ بدنما نہیں لگ رہا تھا۔ اس وقت اس نے پیلے رنگ کی ٹی شرٹ اور سفید پتلون پہن رکھی تھی جس کے تنگ سے پائنچے پنڈلیوں سے اوپر ٹانگوں سے چپکے ہوئے تھے۔

تھائی نے ویٹریس کو اشارہ کرکے اس کے لیے بھی کافی منگوالی تھی۔

"ٹائیگر نے تمہارے ساتھ واقعی بہت زیادتی کی تھی۔" تھائی نے موضوع بدلتے ہوئے کہا "ہمیں جب پتا چلا تو بہت دیر ہوچکی تھی۔ ہم نے تم سے رابطہ کرنا چاہا تو تم بنکاک چھوڑ چکی تھیں۔"

"تمہارے ہاتھوں ٹائیگر کی موت کے بعد میں نے سکھ کا سانس لیا تھا۔" رنگولی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میرا خیال تھا کہ ٹائیگر کی موت کے بعد پیڈرو میرے اور ٹائیگر کے جھگڑے کو بھول کر مجھے معاف کردے گا لیکن اس نے بھی مجھے بہت ذلیل کیا۔ اس کے بعد ہی میں نے بنکاک چھوڑ دیا تھا اور میں نے قسم کھائی تھی کہ اگر زندگی میں کبھی موقع ملا تو ان بدمعاشوں سے اپنی ذلت و رسوائی کا بدلہ ضرور لوں گی لیکن لگتا ہے میں ان کے خلاف کبھی کچھ نہیں کرسکوں گی۔"

"تم بہت کچھ کرسکتی ہو رنگولی۔" تھائی نے کہا "لیکن ایسی باتیں یہاں نہیں ہوسکتیں۔ تم ہمیں اپنا ایڈریس بتاؤ۔ ہم اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

"میری رہائش سمامت روڈ سے کچھ آگے مسجد کے قریب ہے۔ یہ....."

"مسجد!" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ یہاں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی مسجد ہے۔ زیادہ تر رہائشی علاقہ ہے مگر تم لوگ شاید آسانی سے وہاں نہ پہنچ سکو۔ میں اپنا فون نمبر لکھ دیتی ہوں۔ مجھے فون کرکے اپنی لوکیشن بتا دینا۔ میں تم لوگوں کو لے جاؤں گی۔" رنگولی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "یاد آیا۔ تمہارا ایک دوست بھی تو یہاں آیا ہوا ہے۔ میں نے کل رات بھی اسے دیکھا تھا اور آج بھی۔ اس کے ساتھ بنکاک کی ہندو لیڈی ڈاکٹر بھی تھی۔ اس کا نام مجھے یاد نہیں آرہا۔"

"اوہ!" میں چونک گیا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ پرساد اور جانکی کی بات کررہی تھی "آج تم نے انہیں کب دیکھا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں تم لوگوں سے ملاقات سے بیس پچیس منٹ پہلے۔" رنگولی نے جواب دیا "وہ دونوں ایک ٹیکسی میں مائے فاہرج کی طرف جارہے تھے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ دونوں وہی تھے؟" اس مرتبہ تھائی نے پوچھا۔

"میں تمہارے اس دوست کو کیسے بھول سکتی ہوں۔ کیا نام ہے اس کا۔۔۔ پرساد۔ وہ نوپتا کے ساتھ بنکاک کے نائٹ کلبوں میں گھومتا رہتا تھا۔ نوپتا تو بہت دنوں سے یہاں ہے۔ میں کئی مرتبہ اس سے مل بھی چکی ہوں اور وہ لیڈی ڈاکٹر اس سے تو میں بنکاک میں ایک مرتبہ علاج بھی کروا چکی ہوں لیکن یہ بہت عرصہ پہلے کی بات ہے۔ اس وقت ٹائیگر سے میری دوستی نہیں ہوئی تھی۔" رنگولی نے بتایا۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ میں نے تھائی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی طمانیت سی آگئی۔ جانکی اور پرساد خیریت سے تھے۔ ہمارے ذہنوں سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔

"لیکن میرے خیال میں تم لوگوں کو اس طرح بے پروائی سے نہیں گھومنا چاہیے۔" رنگولی نے کہا "دو تین دن پہلے میں یہاں چی فائنگ کو بھی دیکھ چکی ہوں۔ اس کے ساتھ دوسرے ساتھی بھی ہوں گے۔ وہ لوگ تمہارے بدترین دشمن ہیں اور اب بھی پیڈرو کے لیے کام کررہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے رنگولی۔" میں نے کہا "تمہارا فون نمبر تھائی نے نوٹ کرلیا ہے۔ ہم جلد ہی تم سے رابطہ کریں گے۔"

"میں رات گیارہ بجے کے بعد گھر پر ہی ملوں گی۔" رنگولی یہ کہتے ہوئے اٹھ گئی "تم لوگ آؤ تو اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

رنگولی چلی گئی اور ہم ایک بار پھر جانکی اور پرساد کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ یہ ہمارے لیے بہت بڑی اطلاع تھی کہ وہ دونوں خیریت سے تھے۔ اب صرف یہ پتا لگانا تھا کہ وہ کہاں ہیں۔

تھوڑی دیر بعد ہم بھی کافی ہاؤس سے نکل آئے۔ اس وقت ساڑھے نو بج رہے تھے۔ ہماری رہائش مائے کوک ریور کے قریب سنگھا کلائے روڈ پر واقع ایک گیسٹ ہاؤس میں تھی۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں تھا کہ کلاک ٹاور سے سنگھا کلائے روڈ کا فاصلہ کتنا تھا۔ رنگولی نے بتایا تھا کہ اس نے جانکی اور پرساد کو ایک ٹیکسی میں سوار مائے فاہرج کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ برج بھی ظاہر ہے دریا پر ہی ہوگا اور مائے کوک ریور اتنا طویل تھا کہ میرے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ برج کس علاقے میں ہوگا اور پھر یہ اندازہ لگانا بھی ممکن نہیں تھا کہ وہ لوگ اس علاقے میں کہاں گئے تھے۔

ہم کلاک ٹاور سے چلتے ہوئے رتانا روڈ پر گھوم گئے۔ یہاں کچھ اچھے ریسٹورنٹس بھی تھے۔ تھائی ایک جگہ رک گئی۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ کیوں نا کھانا کھالیا جائے۔" اس نے ایکسبارئی کیوا سٹال کی طرف اشارہ کیا۔

اشتہا آمیز خوشبو سے میری بھی بھوک چمک اٹھی تھی۔ باربی کیوا سٹینڈ وغیرہ فٹ پاتھ کو گھیر کر لگائے گئے تھے جس سے پیدل چلنے والوں کو خاصی دشواری پیش آرہی تھی۔ ان کے ساتھ ہی فٹ پاتھ پر ہی میزیں اور کرسیاں بھی لگی ہوئی تھیں۔ لوگ بیٹھے ہوئے لذتِ کام و دہن میں مشغول تھے۔

ان باربی کیوا سٹالز کے پیچھے شاپس بھی تھیں جو زیادہ بڑی نہیں تھیں لیکن ان میں بھی میزیں اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ باہر بیٹھنا ہمارے لیے مناسب نہیں تھا۔ ہم ایک دکان میں آگئے۔ یہاں بھی ویٹر لڑکیاں ہی تھیں۔ میں نے ویٹریس کو فش اور چکن روسٹ کا آرڈر دے دیا۔

سوا دس بجے کے قریب ہم کھانا کھا کر وہاں سے نکلے تھے۔ کچھ دور تک پیدل چلنے کے بعد ہم ایک ٹک ٹک میں سوار ہوگئے اور ڈرائیور کو گیسٹ ہاؤس کا پتا بتا دیا۔

اپنی منزل تک پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ گیسٹ ہاؤس کے برآمدے ہی میں مختصر سا دفتر بنا ہوا تھا۔ اس وقت ایک ادھیڑ عمر عورت آفس ٹیبل کے پیچھے کرسی پر بیٹھی ٹیلی فون پر بات کررہی تھی۔ ہمیں اندر آتے دیکھ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ عجیب سی نظروں سے کبھی تھائی اور کبھی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظروں کے انداز سے میں کھٹکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"تم نے اس عورت کی نظروں پر غور کیا تھا۔" تھائی نے کمرے میں پہنچ کر کہا "لگتا ہے جیسے اسے ہم پر کسی قسم کا شبہ ہو۔"

"ہاں۔ مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگا تھا۔" میں نے جواب دیا اور بیڈ پر رکھے ہوئے بیگ کو دیکھتے ہی چونک گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ شام چھ بجے یہاں سے نکلنے سے پہلے تھائی نے یہ بیگ کرسی پر رکھا تھا اور اس کی زپ بھی بند کی تھی لیکن اب بیگ نہ صرف بیڈ پر رکھا ہوا تھا بلکہ اس کی زپ بھی کھلی ہوئی تھی۔

تھائی نے بھی یہ بات فوراً ہی محسوس کرلی تھی۔

"اوہ۔" وہ جلدی سے آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ اس نے بڑی عجلت میں بیگ کو چیک کیا پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "ہمارے بیگ کی تلاشی لی گئی ہے۔"

"کوئی چیز چوری تو نہیں ہوئی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ کوئی چیز کم نہیں ہے لیکن تلاشی لینے کا مطلب ہے کہ یہ جگہ ہمارے لیے محفوظ نہیں ہے۔" تھائی نے کہا۔

میں چند لمحے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا پھر باہر نکل گیا۔ برآمدے والے دفتر میں بیٹھی ہوئی وہ ادھیڑ عمر عورت اس وقت بھی فون پر بات کررہی تھی۔ میں نے اس کا ایک جملہ سن لیا۔

"وہ آگئے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے....."

مجھے اچانک ہی سامنے دیکھ کر اس نے جلدی سے فون بند کردیا۔ اس کا چہرہ بھی یک لخت متغیر ہوگیا تھا۔ میں اس کی طرف توجہ دیے بغیر آگے نکل گیا۔ میں نے اس پر یہ ظاہر ہی نہیں ہونے

دیا تھا کہ میں نے اس کی بات سن لی تھی۔

میں گیسٹ ہاؤس سے نکل کر بائیں طرف مڑ گیا اور تقریباً پچاس گز آگے جا کر ایک ٹیلی فون بوتھ میں داخل ہو گیا۔ شام چھ بجے نوید کو بھی میں نے بیس سے فون کیا تھا۔ اندر داخل ہو کر میں نے ہک پر ٹنگا ہوا ریسیور اٹھالیا۔ رنگولی نے اپنا جو فون نمبر تھائی کو لکھ کر دیا تھا، وہ میں نے بھی ایک نظر دیکھا تھا اور مجھے یاد ہو گیا تھا۔ میں نے نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی لیکن کال ریسیو نہیں کی گئی۔ اچانک مجھے رنگولی کی بات یاد آگئی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ رات گیارہ بجے کے بعد گھر پر ملے گی۔ میں نے ریسیور ہک پر لٹکا دیا اور بوتھ سے نکل کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے گیسٹ ہاؤس کی طرف چلنے لگا۔

دس منٹ بعد میں اور تھائی کمرے سے نکل کر آفس والی عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔ تھائی نے بیگ کندھے پر لٹکا رکھا تھا۔

"ہمیں وائی ایم سی اے ہوسٹل میں کرایہ مل گیا ہے۔ اس لیے ہم جا رہے ہیں۔" میں نے ادھیڑ عمر عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس عورت کے چہرے کے تاثرات بدل گئے جیسے اسے بڑی مایوسی ہوئی ہو۔

"اگر تم لوگ چیک آؤٹ ہونا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن حساب تو صبح ہی ہو سکتا ہے۔ کیشئر صبح آئے گی۔" اس عورت نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں صبح آجاؤں گا۔" میں نے کہا۔

اس ادھیڑ عمر عورت نے رجسٹر کھول لیا۔ میں نے کمرا نمبر والے خانے میں چیک آؤٹ ہونے کا وقت لکھا اور دستخط کر دیے۔ میں نے ایک ہفتے کا ایڈوانس کرایہ دیا تھا اور باقی رقم ملنے کی اب کوئی توقع نہیں تھی۔ باہر نکلتے ہوئے میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ ادھیڑ عمر عورت فون کا ریسیور اٹھائے کچھ کوئی نمبر ملا رہی تھی۔

گیسٹ ہاؤس سے نکلتے ہی ٹک ٹک مل گیا۔ میں نے ڈرائیور کو کلاک ٹاور چلنے کے لیے کہہ دیا۔ فوری طور پر یہی ایک نام میرے ذہن میں آسکا تھا۔

کلاک ٹاور کے چوراہے پر ٹک ٹک سے اتر کر ہم پیدل ایک طرف چلنے لگے۔ تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے کر کے ہم ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ڈرائیور کو سمامٹ روڈ چلنے کو کہا۔۔۔ رنگولی نے بتایا تھا کہ اس طرف کوئی بہت بڑی مسجد ہے جس کے قریب ہی اس کا مکان ہے۔

سمامٹ روڈ پر ایک مارکیٹ کے قریب میں نے ٹیکسی رکوالی۔ نیچے اتر کر ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس وقت گیارہ بجنے میں چند منٹ باقی تھے۔ ہم ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں بیٹھ گئے۔ یہ ایسی جگہ تھی کہ ہم باہر سے گزرنے والوں کی نظروں میں نہیں آسکتے تھے۔ اس وقت ریسٹورنٹ میں زیادہ لوگ نہیں تھے۔ ویٹر کو میں نے چائے کے لیے کہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد چائے آگئی۔ بڑی ہی بدذائقہ چائے تھی۔ میں نے چند گھونٹ بھرنے کے بعد کپ میز پر رکھ دیا اور اس کے بعد اسے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

"اچانک ہی گیسٹ ہاؤس چھوڑنے کی کوئی خاص وجہ ہو گی لیکن تم نے ابھی تک کچھ بتایا نہیں۔" تھائی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے بھی ایک گھونٹ بھرنے کے بعد کپ میز پر رکھ دیا تھا۔ چائے اسے بھی پسند نہیں آئی تھی۔

"ان لوگوں کو شاید ہمارے ٹھکانے کا پتا چل گیا تھا اور گیسٹ ہاؤس کی وہ ادھیڑ عمر عورت ہمیں پھنسانے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔" میں نے کہا اور پھر تفصیل سے اسے ساری بات بتانے لگا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہماری عدم موجودگی میں ان میں سے کوئی گیسٹ ہاؤس آیا تھا اور ہمارے کمرے اور بیگ کی تلاشی بھی اسی نے لی تھی۔" تھائی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" میں نے سر ہلا دیا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کا کوئی آدمی گیسٹ ہاؤس کی نگرانی کر رہا ہو۔" تھائی نے کہا۔

"شاید یہیں پر ان سے غلطی ہو گئی تھی۔" میں نے کہا "یہ خیال میرے ذہن میں بھی تھا اسی لیے پہلے میں نے کلاک ٹاور کا رخ کیا تھا۔ اس کے بعد اس طرف آئے ہیں۔ میں نے تعاقب کا خیال رکھا تھا۔ کسی مشتبہ شخص یا گاڑی کو اپنے تعاقب میں نہیں دیکھا۔"

"تم نے غالباً رنگولی کے ہاں جانے کا فیصلہ کیا ہے۔ کیا اس پر اس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے؟" تھائی نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں۔" میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی "میں نے اسے پہچاننے میں غلطی نہیں کی۔ وہ ہیڈ رود غیرہ سے شدید نفرت کرتی ہے اور ان لوگوں سے اپنی ذلت و بربادی کا انتقام لینا چاہتی ہے۔ ہم اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور میرا خیال ہے، اس کے ذریعے ہمیں جاگی اور پرساد کی تلاش میں بھی مدد ملے گی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" تھائی نے کہا "عورت جب انتقام کی آگ میں جلتی ہے تو بالکل اندھی ہو جاتی ہے اور پھر کچھ بھی کر سکتی ہے۔"

"سوا گیارہ بج رہے ہیں۔" میں نے کاؤنٹر کے اوپر دیوار پر آویزاں گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "رنگولی نے کہا تھا کہ وہ گیارہ بجے کے بعد گھر پر ہی ملے گی۔ تم یہیں بیٹھو۔ میں باہر پبلک بوتھ سے فون کر کے آتا ہوں۔"

میں اٹھ کر ریسٹورنٹ سے باہر آگیا۔ چند گز آگے دائیں

طرف پبلک بوتھ تھا اور اس وقت خالی ہی تھا۔ میں نے اندر داخل ہو کر ہک پر ٹنگا ہوا ریسیور اٹھایا اور مطلوبہ سکے ڈال کر نمبر ملانے لگا۔ دوسری ہی گھنٹی پر کال ریسیو کر لی گئی۔ تقریباً تین گھنٹے پہلے رنگولی سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس کی آواز بھی پہلی مرتبہ سنی تھی اور اس وقت فون پر اس کی آواز شناخت کرنے میں مجھے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ رنگولی نے بھی میری آواز پہچان لی۔ چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد میں اصل موضوع پر آگیا۔

"ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے رنگولی۔"

"میں ٹل ماسٹر!" وہ بولی "چند گھنٹے پہلے اگرچہ ہم زندگی میں پہلی مرتبہ ایک دوسرے سے ملے تھے لیکن میں تم سے بے حد متاثر ہوئی ہوں۔ کہو، میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں؟"

"فون پر تفصیل نہیں بتا سکتا۔ ہمیں وقتی طور پر کسی ایسی جگہ کی ضرورت ہے جہاں ہم دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رہ سکیں۔ میں نے سوچا کہ شاید تم ایسا کوئی بندوبست کر سکو۔" میں نے کہا۔

"کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں۔ میرا غریب خانہ حاضر ہے۔" رنگولی نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی "اپنے گیسٹ ہاؤس کا نام بتاؤ۔ میں تھوڑی دیر میں تم لوگوں کو لینے کے لیے پہنچ جاؤں گی۔"

"ہم گیسٹ ہاؤس چھوڑ چکے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور بوتھ کے شیشے سے باہر ریسٹورنٹ کے سائن بورڈ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "مسجد سے ذرا آگے مارکیٹ کے باہر کی طرف ایک ریسٹورنٹ ہے۔ ہم اس وقت یہاں موجود ہیں۔" میں نے ریسٹورنٹ کا نام بھی بتا دیا۔

"اوہ۔" رنگولی نے کہا "مارکیٹ میرے گھر سے زیادہ دور نہیں۔ میں زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ میں پہنچ رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔" میں نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا اور بوتھ سے باہر آگیا۔

"کیا ہوا؟" تھائی نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ میں اس وقت اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ رہا تھا۔

"وہ پانچ منٹ میں یہاں پہنچ رہی ہے۔" میں نے جواب دیا اور ویٹر کو بلا کر چائے کا بل ادا کر دیا۔ دونوں کپ ویسے ہی بھرے ہوئے رکھے تھے۔ ویٹر نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے اسے کپ اٹھا لینے کا اشارہ کیا۔

سات آٹھ منٹ بعد نیلے رنگ کی ایک کار ریسٹورنٹ کے سائے رکی۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ پر رنگولی کو دیکھ لیا۔ وہ متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ میں نے تھائی کو اشارہ کیا اور ہم دونوں اٹھ کر ریسٹورنٹ سے باہر آگئے۔ ہمیں دیکھ کر رنگولی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ ہمیں کار کی طرف آتے دیکھ کر اس نے پچھلا نشست کا دروازہ کھول دیا۔

"ویلکم!" رنگولی نے مسکراتے ہوئے ہماری طرف دیکھا اور ہمارے بیٹھتے ہی گاڑی آگے بڑھا دی۔

"ہم چند روز تمہارے پاس رہیں گے۔ ہماری وجہ سے تمہیں کوئی پرابلم تو نہیں ہو گی رنگولی؟" میں نے اپنی سیٹ پر قدرے آگے جھکتے ہوئے کہا۔

"بالکل نہیں باس۔" رنگولی نے جواب دیا "تم لوگوں کے ہوتے ہوئے مجھے کیا پرابلم پیش آسکتی ہے۔"

"تھینک یو رنگولی۔" میں نے کہا۔

کار ایک بار اسی مسجد کے سامنے سے گزری۔ تھائی لینڈ میں پہلی مرتبہ میں نے کوئی مسجد دیکھی تھی اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ بہت خوب صورت مسجد تھی۔ جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ چیانگ رائے میں تھائی مسلمانوں کے علاوہ بڑی تعداد میں چینی اور برمی مسلمان بھی آباد تھے۔ انڈین اور پاکستانی مسلمان بھی ایک معقول تعداد میں یہاں رہائش پذیر تھے۔ ان میں کچھ بزنس سے وابستہ تھے اور کچھ ملازمت پیشہ تھے۔ یہ مسجد ان تمام مسلمانوں نے مل کر بنائی تھی۔ یوں تو پانچوں نمازوں کے وقت یہاں نمازیوں کی ایک معقول تعداد ہوتی تھی لیکن جمعے کی نماز کے وقت تو شہر کے دور دراز علاقوں میں رہنے والے مسلمان بھی یہاں جمع ہوتے تھے۔

کار مختلف گلیوں سے ہوتی ہوئی ایک کشادہ گلی میں رک گئی۔ رنگولی نے کار کا انجن چلتا چھوڑ دیا اور نیچے اتر کر گیٹ کھول دیا اور دوبارہ کار میں بیٹھ گئی۔

بنگلا بہت بڑا نہیں تھا۔ گیٹ کے اندر اتنی جگہ تھی کہ آگے پیچھے دو کاریں کھڑی کی جا سکتی تھیں۔ ایک طرف مختصر سا لش گرین لان بھی تھا۔ برآمدے کی بتی جل رہی تھی جس کی روشنی میں لان کے بعض پودوں کے پتے چمکتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

رنگولی ہمیں اندر لے گئی۔ تین بیڈ رومز تھے۔ ایک ڈرائنگ روم اور مختصر سا لاؤنج بھی تھا۔ تھائی نے بیگ کندھے سے اتار کر لاؤنج میں ایک صوفے پر رکھ دیا۔ رنگولی ہمیں گھوم پھر کر مکان دکھاتی رہی۔ دو کمروں میں تو بیڈ وغیرہ لگے ہوئے تھے۔ تیسرا بالکل خالی تھا۔ ڈرائنگ روم اور لاؤنج کا فرنیچر بھی اوسط درجے کا تھا جس سے رنگولی کی مالی حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ آخر میں ہم لاؤنج میں آگئے۔

"تم لوگ بیٹھو۔ میں کافی بنا کر لاتی ہوں پھر اطمینان سے باتیں کریں گے۔" رنگولی کہتے ہوئے کچن میں گھس گئی۔

کافی تیار کرنے میں اسے پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ ایک ایک کپ اس نے ہمارے سامنے رکھ دیا اور تیسرا خود سنبھال کر سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

رنگولی اگرچہ ہمارے یہاں آنے کی وجہ اور صورتِ حال کو کسی حد تک سمجھ رہی تھی لیکن وہ شاید مختصر تھی کہ ہم خود کوئی بات شروع کریں۔

"تم نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ ہم گیسٹ ہاؤس چھوڑ کر یہاں کیوں آئے ہیں۔" میں نے یہ کہتے ہوئے رنگولی کی طرف دیکھا۔

"یس ماسٹر۔" رنگولی نے کہا "کلاک ٹاور والے ریسٹورنٹ میں باتوں کے دوران میں ہی میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ تم لوگوں کو کوئی مسئلہ درپیش ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "چند روز پہلے میں نے یہاں چی فانگ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا تھا۔ اس کے بعد ایک روز نوتیا سے ملاقات ہوئی تو وہ بھی کچھ پریشان دکھائی دی تھی۔ کل پرساد اور جانکی نظر آئے۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہاں کوئی گڑبڑ شروع ہونے والی ہے اور آج جب تم لوگوں سے ملاقات ہوئی تو مجھے یقین ہوگیا کہ....."

"گڑبڑ شروع ہوچکی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اوہ۔" رنگولی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"جانکی اور پرساد کل یہاں آگئے تھے۔ ہم آج صبح پہنچے ہیں۔ شام چھ بجے میں نے نوتیا کو فون کیا تو وہ دونوں بھی وہاں موجود تھے اور آدھے گھنٹے بعد جب ہم وہاں پہنچے تو....." میں کہتے کہتے رک گیا۔

"تو کیا ہوا ماسٹر؟" رنگولی نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"نوتیا کو قتل کردیا گیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا.....؟" رنگولی اچھل پڑی۔

میں اسے تفصیل بتانے لگا۔ میں آخر میں بتا رہا تھا "نوتیا میں کچھ جان باقی تھی۔ مرنے سے پہلے اس نے چی فانگ کا نام بتادیا تھا لیکن جانکی اور پرساد کے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے ہی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ گئی۔ مجھے شبہ تھا کہ جانکی اور پرساد بھی چی فانگ وغیرہ کے ہتھے چڑھ گئے ہیں۔ ہم نوتیا کے مکان کو چیک کررہے تھے کہ پولیس پہنچ گئی۔ ہم بڑی مشکل میں وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوسکے تھے اور اتفاق سے کلاک ٹاور پر تم سے ہماری ملاقات ہوگئی۔ تم نے بتایا تھا کہ تم نے ہم سے ملاقات سے پہلے جانکی اور پرساد کو دیکھا تھا۔ یہ کس وقت کی بات ہے؟"

"تقریباً ساڑھے سات بجے۔" رنگولی نے جواب دیا "میں اس وقت منگرائے مہارت کیمپ کی طرف سے آرہی تھی۔ ان کی ٹیکسی میرے بالکل سامنے سے گزری تھی اور اب مجھے خیال آرہا ہے کہ وہ دونوں کچھ پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ پہلے میں نے سوچا کہ ٹیکسی کا پیچھا کرکے ان سے ملاقات کروں لیکن مجھے کلاک ٹاور کی طرف ایک بہت ضروری کام تھا۔ میں نے سوچا یہ شہر زیادہ بڑا تو نہیں ہے۔ ایک دو روز میں کہیں نہ کہیں ملاقات ہو ہی جائے گی۔"

"اب میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ وہ دونوں محفوظ ہیں۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "لیکن تم سے ملاقات کے بعد جب ہم گیسٹ ہاؤس پہنچے تو یہ انکشاف ہوا کہ کمرے میں ہمارے بیگ کی تلاشی لی گئی تھی اور پھر کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی عورت پر بھی شبہ ہوگیا تھا۔ وہ فون پر کسی کو بتا رہی تھی کہ ہم دونوں آئے تھے اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ہم نے وہ گیسٹ ہاؤس چھوڑ دیا۔"

"بہت اچھا کیا ماسٹر۔" رنگولی نے کہا "یہاں فی الحال تم لوگوں کو کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی وقت ایسی صورت حال ہوئی تو رنگولی تمہارا ساتھ نہیں چھوڑے گی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ تم لوگوں کے مل جانے سے مجھے بڑا حوصلہ ملا ہے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ میں ان لوگوں سے اپنی بربادی کا انتقام لے سکوں۔ اب شاید مجھے موقع مل جائے۔"

"تمہیں ایسا موقع ضرور ملے گا۔" میں نے کہا "لیکن ٹائیگر سے تمہارا جھگڑا کس بات پر ہوا تھا؟"

"ہمارے جھگڑے کی وجہ بھی اس کا ایک اوباش دوست دارا تھا۔" رنگولی نے بتایا "میں اس رات کلب میں پروگرام پیش کرنے کے لیے بالکل تیار بیٹھی تھی کہ ٹائیگر آگیا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ میں وہ رات اس کے دوست دارا کے ساتھ بسر کروں۔ میں نے انکار کردیا جس پر وہ بپھر گیا اور میری پٹائی شروع کردی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر اپنی دردبھری آپ بیتی سنانے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی "ٹائیگر کی مخالفت کی وجہ سے مجھے کہیں کام نہیں مل رہا تھا۔ میں نان شبینہ تک کو محتاج ہوگئی اور پھر ایک نہایت ہی گھٹیا سے کلب میں مجھے پروگرام مل گیا لیکن دوسرے ہی روز ٹائیگر کے غنڈوں نے ہنگامہ کردیا اور کلب میں توڑ پھوڑ شروع کردی۔ اسی دوران میں میں سوئچ آف کردیا گیا اور اندھیرے میں کسی نے میرے اوپر تیزاب کی بوتل انڈیل دی۔ ٹائیگر نے مجھے برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ میرا حسن غارت کرکے مجھے سڑکوں پر بھیک مانگنے پر مجبور کردینا چاہتا تھا اور ان دنوں میری حالت واقعی بھکاریوں سے بھی بدتر ہوگئی تھی۔ ایک شرابی مجھے سہارا نہ دیتا تو میں واقعی بھیک مانگنے پر مجبور ہوجاتی۔ وہ شرابی بھی مالِ غنیمت سمجھ کر پورے ایک ہفتے تک مجھے روندتا رہا اور بالآخر ایک روز مجھے وہاں سے بھاگنے کا موقع مل گیا۔ اس دوران میں ایک روز مجھے یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ ٹائیگر تمہارے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اس کی موت کی خبر نے مجھے جس قدر خوشی ہوئی، تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔

"میں بھٹکتا سے نکل کر شربہ شہر پھرتی رہی اور بالآخر کچھ عرصہ پہلے یہاں آگئی۔ یہ شہر میرے لیے اجنبی تھا۔ یہاں کے لوگ اجنبی تھے لیکن یہاں کے لوگوں سے مجھے ہمدردی ملی۔ مجھے رم کاک ریسٹورنٹ میں رقص کا پروگرام مل گیا جہاں میری ملاقات ایک قبائلی سردار سے ہوگئی۔ اس نے مجھے ایک اور بڑے ہوٹل میں پروگرام دلا دیے۔ وہ میری مالی مدد بھی کرتا رہا۔ میں نے یہ مکان کرائے پر لے لیا۔ میری زندگی میں کسی قدر ٹھہراؤ آگیا تھا لیکن چند روز پہلے چی فانگ کو دیکھا تو میری چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجا دی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ کوئی گڑبڑ شروع ہونے والی ہے اور تم نے میرے بدترین خدشات کی تصدیق کردی ہے۔ نوتیا اس وقت

"تھالوب بہت شریف النفس اور ہمدرد انسان ہے۔ اس سے میری ملاقات رم کاک نائٹ کلب میں ہوئی تھی۔ اسی کی وجہ سے مجھے گولڈن ٹرائی اینگل اور بعض دوسرے کلبوں میں پروگرام ملے۔ میرا خیال ہے وہ مجھے پسند کرنے لگا ہے لیکن آج تک وہ دل کی بات زبان پر نہیں لایا۔ اس نے میرے لیے بہت کچھ کیا لیکن اس کی شرافت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہو کہ اس نے آج تک مجھے چھوا بھی نہیں۔ ہم ہفتے میں صرف ایک مرتبہ اکٹھے بیٹھ کر کافی یا چائے پیتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں اور ہماری چند منٹ کی یہ ملاقات گولڈن ٹرائی اینگل کلب میں ہوئی ہے جب وہاں میرا پروگرام ہوتا ہے۔"

"کیا تھالوب پر بھروسا کیا جاسکتا ہے؟" میں نے رنگولی کے خاموش ہونے پر اس کی طرف دیکھا "اور کیا کسی آڑے وقت پر وہ ہمارے کام آسکتا ہے؟"

یہ باتیں میں کسی خاص وجہ سے پوچھ رہا تھا۔ اب تک میں مہاراج اور ماسٹر ہوچن کی انگلی پکڑ کر چلتا رہا تھا۔ قدم قدم پر مجھے ان کی رہنمائی حاصل رہی تھی لیکن اب مجھے جو کچھ بھی کرنا تھا' اپنے طور پر کرنا تھا۔ ایسے ذرائع تلاش کرنا تھے جن سے مجھے آگے بڑھنے میں مدد مل سکے۔ چیانگ رائے میں مجھے نوتیا سے بڑی مدد مل سکتی تھی لیکن اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا اور اتفاق سے رنگولی سے ملاقات ہوگئی تھی۔ رنگولی قابلِ اعتماد تھی۔ وہ ان لوگوں سے اپنی بربادی کا انتقام لینا چاہتی تھی جو میرے بھی دشمن تھے۔ انتقام کا یہ جذبہ ہی اسے میرے اتنا قریب لے آیا تھا کہ ہم اس طرح بے تکلفی سے گفتگو کررہے تھے۔ رنگولی کے توسط سے میں کچھ ایسے لوگوں سے بھی رابطے کرنا چاہتا تھا جن پر بھروسا کیا جاسکے اور ضرورت کے وقت وہ میرے کام آسکیں۔ اسی حوالے سے تھالوب کے نام میں مجھے بڑی کشش محسوس ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ تھالوب پر بھروسا کیا جاسکتا ہے۔" رنگولی کہہ رہی تھی "مائے سائے گولڈن ٹرائی اینگل کے بالکل ساتھ واقع ہے اور یہ وہ خطہ ہے جہاں دنیا میں سب سے زیادہ پوست کی کاشت ہوتی ہے۔ ان پہاڑیوں میں آباد قبیلے بھی پوست کاشت کرتے ہیں جس سے افیون تیار کرکے فروخت کردی جاتی ہے اور افیون ہی سے مارفین اور ہیروئن جیسی تمام خطرناک ڈرگس تیار ہوتی ہیں۔ کیرن قبیلے کے لوگ بھی پہلے پوست کاشت تیار کرتے تھے لیکن قبیلے کا سردار' تھالوب کا باپ نوعمری ہی میں پوست کے خوب صورت اور خوش رنگ پھول میں چھپے ہوئے زہر کی تباہ کاریوں سے آگاہ ہوچکا تھا۔ اس نے نوعمری ہی سے اپنے قبیلے میں پوست کی کاشت کی مخالفت شروع کردی اور آج اس قبیلے کی حدود میں پوست کے بجائے مکئی' پیچی اور اسٹرابیری جیسی چیزوں کی کاشت کی جاتی ہے۔

"تھالوب کو بھی پوست اور اس سے تیار ہونے والی منشیات سے شدید نفرت ہے۔ اسے ان لوگوں سے بھی شدید نفرت ہے منشیات کا گھناؤنا کاروبار کرتے ہیں۔ اسی حوالے سے میں کہہ رہی ہوں کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ ہمارا ساتھ دینے سے انکار نہیں کرے گا۔ ویسے اگر تم چاہو تو میں اس سے تمہاری ملاقات کرا سکتی ہوں۔"

"کیا وہ یہاں بھی آتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس نے آج تک اس گھر میں قدم نہیں رکھا۔ ہماری ہفتہ وار ملاقات کلب ہی میں ہوتی ہے۔" رنگولی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں اس سے ضرور ملوں گا لیکن اس سے پہلے جانکی اور پرساد کو تلاش کرنا ضروری ہے۔" میں نے کہا۔

"تم فکر مت کرو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ایک آدھ دن میں کہیں نہ کہیں نظر آجائیں گے۔" رنگولی نے کہا۔

یہ ساری گفتگو میرے اور رنگولی کے بیچ ہورہی تھی اور تھائی خاموش ہی بیٹھی رہی تھی اور اب تو وہ جمائیاں لینے لگی تھی۔ میں نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے تین بجنے والے تھے۔ باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

"تھائی کو نیند آرہی ہے۔" رنگولی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "میں اچھی میزبان ثابت نہیں ہوئی۔ تم لوگوں کے آرام کا خیال ہی نہیں کیا۔ آؤ۔ میں تم لوگوں کو کمرا دکھادوں۔"

رنگولی کے ساتھ ہی ہم دونوں بھی اٹھ گئے۔ تھائی نے بیگ بھی اٹھالیا تھا۔ رنگولی ہمیں دوسرے بیڈ روم میں لے گئی۔

"میں نے سنا ہے کہ تم دونوں کبھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوتے۔ یہاں بھی کمرے میں ایک ہی بیڈ ہے۔" رنگولی نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور بستر کی چادر اٹھا کر جھاڑنے لگی۔

میں نے اور تھائی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن دونوں میں سے کوئی بھی کچھ نہیں بولا۔ رنگولی بستر درست کرکے شب بخیر کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ تھائی نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کردیا اور بیگ میں سے اپنا شب خوابی کا لباس نکال کر ملحق باتھ روم میں گھس گئی۔ میں نے ٹی شرٹ اور جینز پہن رکھی تھی۔ کپڑے بدلنے کا موڈ نہیں ہورہا تھا۔ جوتے اتار کر بستر پر نیم دراز ہوگیا۔ چند منٹ بعد تھائی باتھ روم سے نکل آئی اور خاموشی سے بیڈ پر لیٹ گئی۔ وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔ بستر پر لیٹتے ہی اس کی آنکھیں بند ہوگئیں اور ہلکے ہلکے خراٹے سنائی دینے لگے۔ مجھے اس کے بعد بھی دیر تک نیند نہیں آسکی۔ میں بستر پر نیم دراز نوتیا کے بارے میں سوچتا رہا۔

نوتیا ان دنوں یہاں آئی تھی جب ہم کنچن بوری گئے تھے۔ گویا کئی ہفتے گزر چکے تھے۔ یہاں غالباً وہ دوبارہ سیٹ ہونے کی کوشش کررہی تھی اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہی تھی۔ اس کے کمرے میں موجود فرنیچر اور دیگر ساز و سامان سے تو یہی تاثر ملتا تھا کہ وہ یہاں سیٹ ہونے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اسے یہاں کا اپنا شہر تھا۔ زندگی کا بیشتر حصہ یہیں پر گزرا تھا۔ یہاں اس کا اپنا شہر تھا۔ زندگی کا بیشتر حصہ یہیں پر گزرا تھا۔ یہاں اس کے بہت سے جاننے والے موجود تھے۔ ان لوگوں سے بھی اسے کچھ نہ کچھ مدد تو ملتی ہوگی۔

چند دن بعد روز پہلے یہاں آئے تھے۔ دارا اور چی فانگ دارا وغیرہ چند روز پہلے یہاں آئے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ پچھلے ایک دو دنوں سے اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اسی دوران میں ہی نوتیا ان کی نظروں میں آئی ہوگی۔ وہ اس کے گھر پہنچ گئے تھے۔ وہاں جانکی اور پرساد بھی موجود تھے۔ ممکن ہے ان لوگوں سے بھی تصادم ہوا ہو لیکن وہ دونوں بچ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے اور نوتیا چی فانگ وغیرہ کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ بہرحال اصل صورتِ حال پرساد سے ملاقات کے بعد ہی معلوم ہوسکتی تھی۔

اس وقت صبح کے سوا چار بج رہے تھے۔ میں نے تھائی کی طرف دیکھا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میری بھی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

میں نیند میں بھی بے چین رہا۔ بار بار میری آنکھ کھلتی رہی۔ صبح سات بجے کے بعد تو مجھے نیند ہی نہیں آسکی۔ رات بھر جاگنے سے آنکھوں میں جلن اور دماغ میں سنسناہٹ سی ہورہی تھی۔ میں نے تھائی کی طرف دیکھا اور آہستہ سے اٹھ کر کمرے سے باہر آگیا۔ اس وقت مجھے چائے یا کافی کی طلب ہورہی تھی۔ میں کچن میں جاکر کافی بنانے کے لیے مطلوبہ چیزیں تلاش کرنے لگا لیکن مجھے نہ تو کافی کا ڈبا ملا اور نہ ہی چائے کی پتی۔ میں کچن سے نکل کر رنگولی کے کمرے کی طرف آگیا۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر رنگولی جاگ گئی ہو تو اسے کافی بنانے کے لیے کہہ دوں۔

کمرے کا دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ میں دروازہ کھول کر جیسے ہی اندر داخل ہوا' ٹھٹک کر رک گیا۔ رنگولی سو رہی تھی۔ اس کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ میں فوراً ہی کمرے سے باہر آگیا اور دروازہ آہستگی سے بند کردیا اور ایک بار پھر کچن میں آکر سامان کی تلاشی لینے لگا اور بالآخر کافی کا ڈبا مل گیا' یہ ڈبا پہلے بھی دو مرتبہ میری نظروں میں آیا تھا لیکن اس پر لیبل کسی اور چیز کا تھا جس کی وجہ سے میں اسے نظرانداز کرتا رہا۔

میں نے پانی ہیٹر پر رکھ دیا۔ ابھی پانی پوری طرح نہیں کھولا تھا کہ اپنے عقب میں ہلکی سی آہٹ سن کر میں چونک گیا۔ مڑ کر دیکھا تو رنگولی دروازے میں کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس کے جسم پر گھٹنوں سے اوپر تک کا ہلکا سا شب خوابی کا لباس تھا۔

"مجھے جگا دیا ہوتا۔ میں تمہیں کافی بنا دیتی۔" اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارے کمرے میں گیا تھا۔ تم سو رہی تھیں اور میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔" میں یہ کہتے ہوئے اس سلیب کے سامنے سے ہٹ گیا جس پر ہیٹر رکھا ہوا تھا۔

"تم میرے کمرے میں آئے تھے؟" رنگولی نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

میں جواب دیے بغیر کچن سے نکل کر لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ چند منٹ بعد رنگولی کافی کے دو کپ لے کر آگئی۔ ایک اس نے میرے سامنے کافی ٹیبل پر رکھ دیا اور دوسرا خود لے کر سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھنے کا انداز بھی بہت عجیب سا تھا۔ میری نظریں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں اور میں اپنے آپ میں کچھ عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا تھا۔

"میں عام طور پر دس بجے سے پہلے نہیں اٹھتی۔" رنگولی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "آج رات اگرچہ سوئی بھی دیر سے تھی۔ نیند میں بھی بے چینی سی رہی اور اس وقت آنکھ بھی جلدی کھل گئی۔ کچن میں برتنوں کی آواز سن کر...."

"رنگولی۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم ڈھنگ کا کوئی لباس پہن لو تاکہ ہم اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کرسکیں۔"

رنگولی نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا تھا۔ وہ غالباً مجھے دنیا کا احمق ترین آدمی سمجھی تھی جو جان بوجھ کر حسین نظاروں سے محروم ہونا چاہتا تھا لیکن بہرحال وہ کچھ کہے بغیر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور چند منٹ بعد لباس تبدیل کرکے آگئی۔ اس مرتبہ وہ میرے سامنے صوفے پر بیٹھی تو اس کا انداز بھی کسی حد تک مہذبانہ تھا۔ وہ شاید سمجھ گئی تھی کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں۔

کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے بھی ہمارے درمیان باتیں ہوتی رہیں۔ زیادہ تر رات کی باتیں ہی دہرائی جارہی تھیں۔ کوئی نئی بات سامنے نہیں آئی تھی۔

دس بجے کے قریب تھائی بیدار ہوئی تو اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ناشتا بھی کرلیا گیا اور اس کے بعد رنگولی باہر جانے کے لیے تیار ہوگئی۔

"شر خواہ چھوٹا ہو یا بڑا' کسی کو تلاش کرلینا بڑا مشکل ہوتا ہے۔" میں نے رنگولی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہوسکتا ہے پورا دن شہر میں گھومنے کے بعد بھی تمہیں ان کا کوئی سراغ نہ مل سکے۔"

"کل تم سے ملاقات سے پہلے میں نے انہیں ٹیکسی پر مائے فا برج کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔" رنگولی نے کہا "یہ انسانی فطرت ہے کہ جب وہ کسی خطرناک صورتِ حال سے دوچار ہوتا ہے تو اپنی پناہ گاہ کی طرف ہی دوڑتا ہے۔ مائے فا برج کی طرف جانے کا مطلب یہ ہے ان کا ٹھکانا بھی اسی طرف کہیں ہوگا۔ دریا کی دوسری طرف ہندوؤں کے کچھ گھر آباد ہیں۔ ایک چھوٹا سا مندر بھی ہے۔ میں اپنی تلاش وہیں سے شروع کروں گی۔ مجھے یقین ہے کہ اسی علاقے سے ان کا پتا چل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "تمہارے ہاں اخبار نہیں آتا۔ اگر زحمت نہ ہو تو مارکیٹ سے کوئی اخبار لا کر دے جانا۔"

رنگولی اپنی گاڑی پر چلی گئی۔ جانے سے پہلے اس نے تھائی کو کچن کے بارے میں سمجھا دیا تھا کہ کون سی چیز کہاں رکھی ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ اخبار بھی دے گئی تھی۔ اخبار کے صفحہ اول پر نمایاں سرخی کے ساتھ نوتیا کے قتل کی خبر چھپی تھی۔ اس کی لاش کے علاوہ باکس میں اس کا ایک پورٹریٹ بھی تھا۔ یہ تصویر گزشتہ رات میں نے کانیج کے ایک کمرے میں کارنس پر فریم میں لگی دیکھی تھی۔

اخبار کی اطلاع کے مطابق نوتیا کنٹری کلب میں رقاصہ تھی۔ وہ کافی عرصہ غائب رہنے کے بعد چند ہفتے پہلے چیانگ رائے واپس آئی تھی اور اسے کنٹری کلب ہی میں کام مل گیا۔ گزشتہ رات بھی کلب میں اس کا پروگرام تھا لیکن اس نے شام ہی کو ٹیلی فون پر کلب کی انتظامیہ کو مطلع کر دیا تھا کہ بنکاک سے اس کے کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں اس لیے آج وہ کلب نہیں آئے گی۔

پولیس کے ذرائع کے مطابق کسی گمنام شخص نے اطلاع دی تھی کہ اس کانیج میں ایک عورت کو قتل کر دیا گیا ہے۔ پولیس عام طور پر گمنام کالز پر کوئی کارروائی نہیں کرتی۔ لیکن چند منٹ بعد اسی گمنام شخص نے پولیس کو دوبارہ فون کیا تو ایک پٹرولنگ کار اس طرف روانہ کر دی گئی اور اس طرح نوتیا کے قتل کا انکشاف ہوا۔ اسے سینے میں خنجر مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ ابھی تک نہ تو قتل کی وجہ معلوم ہو سکی تھی اور نہ ہی قاتل یا قاتلوں کا سراغ ملا تھا۔ پولیس کو مقتولہ کے ان مہمانوں کی بھی تلاش تھی جن کے بارے میں نوتیا نے کنٹری کلب کو بھی اطلاع دی تھی۔

نوتیا کے بارے میں چھوٹی چھوٹی خبروں کی صورت میں اور بھی بہت کچھ لکھا تھا۔ کنٹری کلب کے منیجر کے حوالے سے بتایا گیا تھا کہ نوتیا کچھ عرصہ پہلے کلب کی ملازمت چھوڑ کر بہتر مستقبل کی تلاش میں شانگ نامی ایک شخص کے ساتھ بنکاک چلی گئی تھی جہاں ٹائیگر اور پیڈرو جیسے بدمعاشوں کے حوالے سے ہنگاموں میں بھی الجھی رہی اور بالآخر چند ہفتے پہلے چیانگ رائے واپس آگئی۔ چند روز پہلے شانگ نامی اس شخص کو گنجن بوری میں گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا جو نوتیا کو چیانگ رائے سے بنکاک لے گیا تھا۔ شانگ ڈرگ مافیا کے ایک بہت بڑے ریکٹ کا سرگرم رکن تھا۔ باکس میں ایک اور چھوٹی سی خبر یہ تھی کہ بنکاک میں قیام کے دوران میں نوتیا' مہاراج اور وجدان کے پاس بھی رہی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور باکس "پُراسرار شخصیت" کے عنوان سے میرے بارے میں بھی مختصر سا چھپا ہوا تھا۔ یہ مختصر سی تحریر بڑے تضادات کی حامل تھی۔ ایک طرف مجھے فرشتہ ثابت کیا گیا تھا جو برائیوں کے خلاف برسرپیکار تھا اور دوسری طرف مجھے دنیا کا خطرناک ترین آدمی ثابت کرنے کی کوشش بھی کی گئی تھی۔

میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ اخبار پر فائنگ یا دارا وغیرہ کے بارے میں کچھ نہیں لکھا تھا۔ البتہ "پُراسرار" مہمانوں کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ پولیس سے رابطہ کریں تاکہ قاتل کا سراغ لگانے میں مدد مل سکے۔

میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھائی میرے چہرے پر تاثرات اتار چڑھاؤ سے کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے اخبار اس کی طرف بڑھا دیا اور خود وہاں سے اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔

واپس آیا تو تھائی اخبار کی خبروں پر تبصرے کے لیے بے تاب تھی۔

"اس میں شبہ نہیں کہ اخبار نے رات ہی رات میں بہت سا مواد جمع کرنے کے لیے بڑی محنت کی ہے لیکن ان خبروں سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک عام آدمی کے لیے نتیجہ اخذ کرنا واقعی بہت مشکل ہے لیکن ہم تم سب کچھ جانتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ نوتیا کا قاتل کون ہے۔ ہمیں ان باتوں میں الجھنے کی کیا ضرورت ہے۔ بعض باتیں ایسی ہیں جن کی تردید نہیں کی جا سکتی۔"

"مثلاً؟" تھائی نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"مثلاً یہ کہ نوتیا بنکاک میں ہونے والے کچھ ہنگاموں میں ملوث رہی ہے اور وہ مہاراج اور میرے ساتھ بھی رہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اس کی تردید تو واقعی نہیں کی جا سکتی لیکن تمہاری بات سے ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔" تھائی بولی۔

"وہ کیا.....!" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہ گمنام کال کے ذریعے پولیس کو نوتیا کے قاتل کے بارے میں اطلاع دے دی جائے۔ پولیس ان کے پیچھے لگ جائے گی اور ہمیں بھی ان سے نمٹنے میں آسانی رہے گی۔ جب ان کی طرف سے گھیر جائیں گے تو یقیناً بدحواس ہو جائیں گے۔" تھائی نے کہا۔

"تمہاری بات کسی حد تک درست ہے لیکن پہلے جانی اور پرساد کو تلاش کر لیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بے خبری میں مارے جائیں۔" میں نے جواب دیا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی اور پھر ہم دیر تک اسی موضوع پر باتیں کرتے رہے۔ ظاہر ہے ہمارے پاس کوئی اور موضوع نہیں تھا۔ دو بجے کے قریب تھائی کچن میں چلی گئی اور تقریباً گھنٹے بعد خشک گوشت کے قتلے اور ڈبل روٹی کے پیس لے آئی۔ اس کے ساتھ اس نے کافی بھی بنالی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد تھائی تو وہیں بیٹھی رہی اور میں کمرے میں آگیا۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے اس وقت غنودگی سی طاری ہو رہی تھی۔ بستر پر لیٹتے ہی میری آنکھیں

گھڑی کی طرف دیکھتا اور کبھی برآمدے میں آکر باہر سڑک پر دیکھنے لگتا۔ تھائی کی کیفیت بھی مجھ سے مختلف نہیں تھی۔

آٹھ بج چکے تھے اور پھر وقت گزارنا مشکل ہو گیا۔ ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ بالآخر ساڑھے آٹھ بجے رنگولی کی کار گیٹ کے سامنے رکی۔ اس وقت میں برآمدے میں کھڑا تھا۔ بتی نہیں جلائی تھی۔ کار رکتے ہی میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا۔ رنگولی گاڑی اندر لے آئی۔ اس کے ساتھ پسنجرز سیٹ پر جانی اور پچھلی سیٹ پر پرساد بیٹھا ہوا تھا۔

جانی کار سے اتر کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس نے میری پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر تھائی کی طرف دوڑی جو برآمدے والے دروازے سے باہر آرہی تھی۔ پرساد بھی کار سے اتر کر مجھ سے لپٹ گیا۔ ہمارا یہ ملاپ دیکھ کر رنگولی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ اس نے یہ منظر دیکھ کر بہ آسانی اندازہ لگا لیا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہیں۔

رنگولی کھانے پینے کا بہت سا سامان بھی لائی تھی۔ پرساد اور رنگولی کار سے سامان اٹھا کر اندر داخل ہوئے تو ہم بھی اندر آگئے۔

جانی اور پرساد کی داستان بڑی دلچسپ تھی۔ بنکاک سے یہاں آکر وہ دونوں "وائی ایم سی اے" ہوسٹل ہی میں ٹھہرے تھے لیکن دو گھنٹے بعد ہی وہ چی فائنگ کی نظروں میں آگئے جس کی وجہ سے انہیں ہوسٹل چھوڑ دینا پڑا۔ مائے کوک ریور کے اس پار چیانگ رائے تھائرن روڈ کے قریب ہی ہندوؤں کی مختصر سی آبادی تھی۔ جانکی دیوی کی ایک جاننے والی ہندو نرس گلاب دیوی بھی یہاں رہائش پذیر تھی۔ وہ عرصہ پہلے بنکاک کے ایک سرکاری اسپتال میں جانکی کے پاس کام کیا کرتی تھی۔ تقریباً پانچ سال پہلے اس کا تبادلہ چیانگ رائے کے سرکاری اسپتال میں کر دیا گیا تھا۔ یہاں آنے کے بعد بھی خطوط اور کبھی ٹیلی فون کے ذریعے جانکی سے اس کا رابطہ رہا تھا۔

وائی ایم سی اے ہاسٹل سے نکل کر جانکی اس کے ہاں گئی تھی۔ گلاب دیوی نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ اپنے کوارٹر میں اکیلی ہی رہا کرتی تھی اس لیے پرساد کو بھی وہاں رہنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

"اسی رات ہم نوتیا سے ملنے کنٹری کلب گئے تھے۔" جانکی بتا رہی تھی "ہم ذرا جلدی پہنچ گئے تھے تاکہ نوتیا کا پروگرام شروع ہونے سے پہلے ہی اس سے گپ شپ ہو سکے۔ نوتیا ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ ہم نے جب اسے بتایا کہ تم لوگ بھی کل یہاں آرہے ہو تو اس کی خوشی دوچند ہو گئی تھی۔ ہم ڈائننگ ہال کی ایک میز پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ میں نے وہاں اسی کم بخت چی فائنگ کو دیکھ لیا۔ میرا خیال تھا اس نے ہمیں نہیں دیکھا تھا کیونکہ اس وقت اس کا دھیان دوسری طرف تھا۔ میں نے نوتیا کو محتاط رہنے کا مشورہ دیا اور ہم دونوں کلب سے نکل گئے۔

مجھے اندازہ نہیں کہ میں کتنی دیر سویا ہوں گا۔ تھائی نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ میری آنکھوں میں شدید جلن اور دماغ میں ہلچل سی ہو رہی تھی۔

"رنگولی کے کمرے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔" تھائی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بجنے دو۔ رنگولی گھر میں نہیں ہے۔ ہمیں کال ریسیو کرنے کی ضرورت ہے۔" میں نے کہا۔

"ہو سکتا ہے رنگولی ہی فون کر رہی ہو اور کوئی اہم اطلاع دینا چاہتی ہو۔" تھائی نے کہا۔

رنگولی نے اگرچہ جانے سے پہلے فون کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں دی تھی کہ کوئی کال ریسیو کی جائے یا نہیں لیکن ممکن ہے کال رنگولی ہی کی ہو اور وہ کوئی اہم اطلاع دینا چاہتی ہو۔ میں اٹھا ہوا اپنے کمرے سے نکل آیا۔

ٹیلی فون رنگولی کے بیڈ کے قریب سائڈ ٹیبل پر رکھا ہوا تھا۔ میں نے یہ سوچ کر ریسیور اٹھا لیا کہ اگر کال رنگولی کے لیے ہوئی تو "رانگ نمبر" کہہ کر فون بند کر دوں گا۔ میں نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ ہیلو کے جواب میں رنگولی کی آواز سن کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔

"ماسٹر! میں رنگولی بول رہی ہوں۔" وہ کہہ رہی تھی "جانکی اور پرساد کا پتا چل گیا ہے لیکن تمہارے لیے ایک اور اہم اطلاع بھی ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔ ان دونوں کے مل جانے پر میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

"چی فائنگ کو پولیس نے نوتیا کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا ہے۔"

"کیا....؟" میں اچھل پڑا۔

"یہ تقریباً ایک گھنٹا پہلے کی بات ہے۔" رنگولی نے جواب دیا "میں ان کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ جانکی اور پرساد بالکل محفوظ ہیں۔ ان کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں انہیں لے کر آٹھ بجے تک آجاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔

دوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔ میں نے بھی ریسیور رکھ دیا اور تھائی کو جانکی اور پرساد کے مل جانے اور چی فائنگ کی گرفتاری کے بارے میں بتانے لگا۔ تھائی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی تھی۔

○☆○

وہ گھنٹے بڑے صبر آزما ثابت ہوئے تھے۔ میں بار بار دیوار گیر

"ہم نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ ہمارا تعاقب نہ کیا جارہا ہو کوئی مشکوک شخص بھی ہمیں اپنے پیچھے نظر نہیں آیا۔ میں نے نوتیا سے وعدہ کیا تھا کہ دوسرے دن شام کو ہم اس کے گھر آئیں گے۔ دوسرے روز روانگی سے پہلے میں نے فون پر اس کے کانیج کا پتا اچھی طرح سمجھ لیا۔

"وہاں پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد تمہارا فون آگیا۔" جانکی نے میری طرف دیکھا "تمہاری فون کال کے تھوڑی ہی دیر بعد نوتیا کو ایک فون کال اور ملی۔ پتا نہیں وہ کس کی کال تھی اور اس سے کیا کہا گیا تھا کہ نوتیا ایک دم بدحواس سی ہوگئی۔ اس نے کہا کہ ہم فوراً وہاں سے چلے جائیں۔ میں نے پوچھنے کی کوشش کی کہ کس کا فون تھا لیکن اس نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیے کہ ہم ایک لمحہ ضائع کیے بغیر وہاں سے چلے جائیں۔ وہ بعد میں ہم سے رابطہ کرلے گی۔

"ہم کانیج سے نکل گئے لیکن میرے دل میں شبہ جڑ پکڑ چکا تھا۔ کہیں جانے کے بجائے ہم کچھ دور اندھیرے میں گنجان درختوں کے پیچھے چھپ گئے۔ اس کے صرف دس منٹ بعد ایک کار کانیج کے سامنے آکر رکی۔ کار سے دارا ہم اور چی فانگ کو اترتے دیکھ کر میں اچھل پڑی۔ انہوں نے بیل بجا کر دروازہ کھلوایا اور وہ تینوں نوتیا کو دھکیلتے ہوئے اندر لے گئے۔ پرساد نے ان کے پیچھے کانیج میں داخل ہونے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے بڑی مشکل سے اسے روکے رکھا تھا۔ صرف سات آٹھ منٹ بعد دارا وغیرہ واپس چلے گئے اور اس کے کچھ دیر بعد جب ہم دونوں کانیج میں داخل ہوئے تو بیڈ روم کا منظر دیکھ کر میں کانپ اٹھی۔ نوتیا کے سینے میں ٹھیک دل کے مقام پر خنجر پیوست تھا اور خون بستر کی چادر کو تر کررہا تھا۔

"نوتیا کے بچنے کی امید نہیں تھی۔ اسے فوری طبی امداد بھی فراہم نہیں کی جاسکتی تھی۔ میں بُری طرح بدحواس ہوگئی تھی۔ مجھے یہ بھی یاد نہیں رہا تھا کہ تم لوگ بھی وہاں آنے والے ہو۔ مجھے یہ بھی شبہ تھا کہ وہ لوگ واپس نہ آجائیں۔ پرساد وہاں رک کر انتظار کرنا چاہتا تھا لیکن میں اس قدر بدحواس ہوگئی تھی کہ اسے ساتھ لے کر وہاں سے بھاگ نکلی۔

"مائے فابرج کے قریب ہم نے ٹیکسی چھوڑ دی اور پرساد نے ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے پولیس کو اطلاع دے دی کہ اس کانیج میں ایک قتل ہوگیا ہے۔ پرساد کا خیال تھا کہ قتل کے نام پر پولیس فوراً وہاں پہنچ جائے گی اور ہوسکتا ہے نوتیا کو بچالیا جائے۔

"ہم ٹنک ٹنک پر بیٹھ کر وہاں سے ٹھائرن روڈ (سرکلر روڈ) پہنچے۔ ایک اور ٹیلی فون بوتھ سے پرساد نے پولیس کو دوبارہ وہی اطلاع دی اور اس کے بعد ہم گلاب دیوی کے کوارٹرز میں آگئے۔

"میں رات بھر نہیں سوسکی۔ نوتیا کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گھومتا رہا۔ صبح اخبار میں نوتیا کے قتل کی خبر پڑھی تو میری حالت کچھ اور غیر ہوگئی۔ پورا دن اسی کیفیت میں گزر گیا۔ صبح میں نے چائے کا صرف ایک کپ پیا تھا۔ پرساد بھی میری پریشان ہورہا تھا۔

"چار بجے کے قریب میں کسی کو کچھ بتائے بغیر باہر نکلی۔ میں نے پولیس کو یہ اطلاع دینے کا فیصلہ کرلیا تھا کہ نوتیا کے ہیں۔ اتفاق سے مجھے کوئی ٹیلی فون بوتھ نظر نہیں آیا اور دیوی کے کوارٹر سے بہت دور رام کاک ریسٹورنٹ تک ریسٹورنٹ کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا شاپنگ سینٹر مجھے ایک ٹیلی فون بوتھ نظر آگیا۔ اس طرف جاتے نظریں ایک چھوٹے سے شراب خانے کے کھلے ہوئے طرف اٹھ گئیں اور اس کے ساتھ ہی میرا دل اچھل آگیا۔

"سامنے ہی ایک میز پر چی فانگ ایک لڑکی کے شراب پی رہا تھا۔ اسے اس طرح اطمینان سے شراب میرا خون کھول اٹھا۔ میرا دل چاہا تھا کہ میں اندر گھونٹ دوں لیکن میں نے بڑی مشکل سے اپنی اس پالیا اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

"چی فانگ نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے ہو ہو کر پولیس کا ایمرجنسی نمبر ون نائن ون ملایا اور اطلاع دی کہ نوتیا کا قاتل اس وقت مذکورہ شراب خانے ہے۔ میں نے شراب خانے کا نام اور چی فانگ کا حلیہ تھا تاکہ پولیس آسانی سے اسے شناخت کرسکے۔

"میں بوتھ سے نکل کر ایک طرف آڑ میں کھڑی ہوگئی فانگ اگر شراب خانے سے نکلے تو چھپ کر اس کا پیچھا ویسے مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ جلد وہاں سے اٹھے گا۔

"پندرہ منٹ بعد پولیس کی دو کاریں شراب خانے رکیں۔ چی فانگ نے پولیس کو دیکھ کر بھاگنے کی کوشش لیکن پولیس نے اسے دھرلیا۔ چی فانگ کی گرفتاری سکون ملا تھا۔ بڑی طمانیت سی محسوس ہوئی تھی۔

"پولیس چی فانگ کو لے کر چلی گئی۔ میں اس کے تک وہاں کھڑی رہی پھر ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر سے چائے پی اور جب میں واپس جارہی تھی تو راستے گئی۔

"اس نے مجھے تمہارے اور تھائی کے بارے میں مجھے اس پر شبہ ہوا لیکن اس نے تمہارے اور تھائی کے کچھ ایسی باتیں بتائیں کہ مجھے اس پر اعتبار کرنا پڑا۔ میں دیوی کے کوارٹر میں لے آئی۔ پرساد اکیلا ہی تھا اور پریشان ہورہا تھا۔ میں نے اسے چی فانگ کی گرفتاری بہت خوش ہوا۔ رگھولی ہمیں وہاں انتظار کرنے کا کہہ اس کی واپسی تقریباً دو گھنٹے بعد ہوئی تھی اور پھر ہم یہاں آگئے۔"

جانکی خاموش ہوگئی۔ جانکی اور پرساد کے چہروں سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ پچھلے چوبیس گھنٹے انہوں نے کس اذیت میں گزارے ہوں گے۔

"تم نے انہیں تلاش کرکے واقعی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔" میں نے رگھولی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم نے بھی غالباً کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی ہوگی؟"

"ہاں۔ اسی لیے دیر بھی ہوگئی۔" رگھولی نے جواب دیا "چی فانگ کو تو پولیس ہیڈ کوارٹر لے جایا گیا تھا۔ اسے پولیس کے شکنجے سے چھڑانے کی کوششیں شروع ہوچکی ہیں۔ میں نے فانگ پھن کو بھی پولیس ہیڈ کوارٹرز میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"فانگ پھن!" میں اچھل پڑا۔

"ہاں۔" رگھولی نے اثبات میں سر ہلایا "وہ ڈرگ مافیا کا ایجنٹ ہے۔ سنا ہے جنرل کھوراٹ سے بھی اس کے تعلقات ہیں۔ بہت سے جنرل کھوراٹ سے بھی اس کے تعلقات ہیں۔ بہت طاقت ور ہے ان کا گروہ اور مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ چی فانگ کو رات حوالات میں نہیں رہنے دیں گے بلکہ عین ممکن ہے کہ اب تک وہ لوگ اسے لے بھاگ چکے ہوں۔"

"ہوں۔" میں نے ہنکارا بھرا "ابھی زیادہ وقت نہیں ہوا۔ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جاسکتی ہے کہ معاملہ کہاں تک پہنچا۔"

"میں معلوم کرلوں گی لیکن پہلے کھانا کھالوں۔ میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ آنتیں جھلس رہی ہیں۔ میں کچھ چیزیں لے کر آئی ہوں۔ ابھی میز پر لگاتی ہوں۔" رگھولی یہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

اور پھر پندرہ منٹ کے اندر اندر رگھولی اور تھائی نے مل کر میز پر کھانا لگا دیا۔ کھانے کے بعد رگھولی نے لباس تبدیل کیا اور تیار ہو کر دس بجے کے قریب اپنی کار پر چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد ہم لاؤنج ہی میں بیٹھے موجودہ صورتِ حال اور نوتیا کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ جانکی کو نوتیا کی موت کا بہت زیادہ دکھ ہوا تھا۔

رگھولی کی واپسی رات ایک بجے کے قریب ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ تنا ہوا تھا۔ تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ ہم سب اس کے انتظار میں جاگ رہے تھے۔

"وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔" رگھولی نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے تھکے تھکے سے لہجے میں کہا "فانگ پھن دس بجے کے قریب چی فانگ کو چھڑا کر لے گیا۔ اس کے لیے اسے خطیر رقم بھی خرچ کرنی پڑی تھی۔ میری اطلاع کے مطابق چی فانگ کو اس کے تھوڑی ہی دیر بعد شہر سے باہر کسی خفیہ جگہ پر بھیج دیا گیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں پولیس دوبارہ بھی اس پر ہاتھ ڈال سکتی ہے۔ انہیں اس عورت کی بھی تلاش ہے جس نے پولیس کو شراب خانے میں چی فانگ کی موجودگی کی اطلاع دی تھی اور میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ ان کا شبہ تم پر ہے۔" اس نے خاموش ہو کر جانکی کی طرف دیکھا۔

جانکی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی "اب میں نہیں ڈرتی۔ میرا ہیرو آگیا ہے۔" اس نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا تھا۔

"ایک اور بات!" رگھولی نے اپنی بات کا تسلسل قائم رکھتے ہوئے کہا "میں نے دارا اور کم کے ٹھکانے کا بھی پتا..... کیا ہے۔ وہ دونوں راج یوتھا روڈ کے قریب ایک عالی شان بنگلے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"یہ کہاں پر ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یوں سمجھو کہ ہم اس وقت شہر کے مشرقی حصے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ راج یوتھا روڈ شہر کے انتہائی مغرب میں واقع ہے۔ اس طرف رہائشی علاقہ ہے۔ وہاں سے یہ روڈ آگے مضافاتی علاقوں کی طرف نکل جاتی ہے۔" رگھولی نے بتایا۔

"تم تو واقعی بڑے کام کی ثابت ہوئی ہو رگھولی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "اگر دارا سے تمہارا آمنا سامنا ہوجائے تو وہ تم پر کوئی شبہ نہیں کرے گا؟"

"اس کی وجہ سے ٹائیگر سے میری ان بن ہوئی تھی۔ وہ میرے ساتھ رات گزارنا چاہتا تھا مگر اس جھگڑے کی وجہ سے اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوسکی تھی۔ میں ٹائیگر کے عتاب کے باعث در در کی ٹھوکریں کھاتی رہی۔ اس دوران میں دارا سے کبھی آمنا سامنا نہیں ہوا تھا لیکن ہوسکتا ہے' اب مجھے اپنے سامنے دیکھ کر اس کے سینے میں دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھے اور وہ پچھلی باتوں کو بھول کر میرے قریب آنے کی کوشش کرے۔ ویسے بھی ٹائیگر تو اب اس دنیا میں رہا نہیں جس کا اسے کچھ خیال ہو۔ ٹائیگر کے ساتھ رہتے ہوئے میں نے یہ بھی اندازہ لگالیا تھا کہ دارا نہایت خود غرض' لالچی اور کم ظرف قسم کا آدمی ہے۔ وہ دوستی کی قدروں کو نہیں سمجھتا۔ ضرورت پڑنے پر گدھے کو بھی باپ بنا سکتا ہے۔"

"دارا کے بارے میں تمہارا تجزیہ بالکل درست ہے۔" میں نے رگھولی کے خاموش ہونے پر کہا "تمہیں اس طرح دارا کے قریب جانا ہے کہ اسے تم پر کسی قسم کا شبہ نہ ہوسکے۔ میری اطلاع کے مطابق وہ چیانگ رائے میں کسی بڑے آدمی سے ملنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ ظاہر ہے یہ ملاقات نہایت خفیہ ہوگی لیکن تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ ملاقات کب اور کہاں ہونے والی ہے لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا کہ اگر دارا کو تم پر کسی قسم کا شبہ بھی ہوگیا تو تم زندہ نہیں بچ سکو گی۔"

"اگر میری زندگی کسی کام آجائے تو یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔" رگھولی نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں بھرپور عزم تھا۔

"تو ٹھیک ہے۔ تم کل سے ہی اس مشن پر کام شروع کردو لیکن کیا اب ہمارا یہاں رہنا ٹھیک ہوگا؟" میں نے کہا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" رگھولی نے جواب دیا "میں

اسے یہاں گھر تو نہیں لے کر آؤں گی۔ ویسے یہ اطمینان رکھو۔ اسے کبھی یہ شبہ بھی نہیں ہوسکے گا کہ میرا تم لوگوں سے کوئی تعلق ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔" میں نے کہا "اب اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو تھوڑی سی نیند لے لی جائے؟"

"ہاں۔ نیند تو مجھے بھی آرہی ہے۔" جانکی جماہی لینے لگی۔

میرے اور تھائی کے پاس کرا تو تھا ہی۔ جانکی رنگولی کے ساتھ اس کے کمرے میں چلی گئی اور پرسادلاؤنج ہی میں صوفے پر لیٹ گیا۔

اگلے روز رنگولی نے اپنے مشن پر کام شروع کردیا۔ دو دن گزر گئے۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ بڑی محنت کررہی تھی۔ دارا سے اس کا رابطہ دوسرے دن ہوا تھا۔ اس کی رپورٹ بڑی حوصلہ افزا تھی۔ رنگولی کے کہنے کے مطابق دارا سے اس کی ملاقات راج یوتھا روڈ پر واقع تھیما ان ہوٹل کے بار روم میں ہوئی تھی۔ دارا وہاں پہلے ہی سے موجود تھا اور رنگولی اس سے کچھ فاصلے پر اس طرح بیٹھ گئی تھی جیسے دارا کو اس نے دیکھا ہی نہیں تھا۔ دارا نے اسے دیکھنے کے بعد خود ہی اس سے رابطہ کیا تھا۔

یہ پہلی ملاقات زیادہ طویل ثابت نہیں ہوئی تھی۔ دارا اس سے نہ صرف اظہارِ ہمدردی کرتا رہا بلکہ اس نے ٹائیگر کے خلاف بھی کچھ باتیں کی تھیں۔ ایک گھنٹے کی اس ملاقات میں دارا کو ذرا بھی شبہ نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے محض اتفاق ہی سمجھ رہا تھا اور اس نے کچھ ایسی باتیں کی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اب بھی رنگولی کو اپنے قریب دیکھنا چاہتا ہے۔

اس سے اگلے روز رنگولی نے اس کے بنگلے پر کچھ وقت گزارہ اور بہت سی کام کی باتیں معلوم کرلیں۔

"چی فانگ سائین یہاں سے کتنی دور ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"انسٹھ کلو میٹر۔" رنگولی نے جواب دیا "بڑا خوب صورت علاقہ ہے۔ یہاں مہاتما بدھ کے دو قدیم وہاٹ اور ایک بہت بڑا میوزیم بھی ہے جہاں گیارھویں اور بارھویں صدی کے نوادرات رکھے ہوئے ہیں۔ اس قصبے سے صرف نو کلو میٹر آگے گولڈن ٹرائی اینگل ہے۔"

"اوہ!" میں چونک گیا "فانگ پھن کہاں ہے؟"

"وہ بھی کل صبح چیانگ سائین جارہا ہے۔" رنگولی نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے، تم ہمارے اس مشن میں اہم کردار ادا کرو ہو۔ میں اس سلسلے میں تم سے بعد میں بات کروں گا لیکن کیا قبائلی سردار زادے تھالوب سے میری ملاقات کرا سکتی ہو؟" میں نے کہا۔

"اگر تم چاہو تو یہ ملاقات آج بھی ہوسکتی ہے۔" رنگولی نے جواب دیا "آج بدھ کی شب ہے۔ میرا کسینو کلب میں پروگرام نہیں ہے لیکن میں یہ پروگرام چھوڑ سکتی ہوں۔ اگر تم کہو تو میں ابھی کرکے اس سے ملاقات طے کرلوں۔"

"ہاں۔ کوشش کرو۔ اگر یہ ملاقات آج ہی ہوجائے تو بہتر ہے۔" میں نے کہا۔

رنگولی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ٹیلی فون وہیں تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد واپس آئی۔

"اس وقت گیارہ بجے ہیں۔ تھالوب سے ہماری ملاقات ساڑھے گیارہ بجے لٹل ڈک ہوٹل میں ہوگی۔ وہ جگہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ تم تیار ہوجاؤ تو ہم چلیں۔ کوئی اور بھی جائے گا؟" رنگولی نے یہ کہتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"نہیں۔ میں تمہارے ساتھ اکیلا ہی جاؤں گا۔" میں یہ کہتے ہوئے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا۔

سوا گیارہ بجے میں اور رنگولی گھر سے رخصت ہوگئے۔ مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی سائنون روڈ پر آگئی اور کافی لمبا راستہ طے کرنے کے بعد دانگ چائے کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی۔ یہاں میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ بنکاک کی طرح چیانگ رائے شہر بھی کئی نہریں ہیں۔ دریائے مائے کوک شہر کے گرد دائرے کی صورت میں پھیلا ہوا ہے اور نہریں اس دریا سے نکلتی ہیں۔ اور ان نہروں سے بھی خوب فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ سپرہائی وے کا تذکرہ بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ سڑک شمال میں ائرپورٹ کی طرف سے شروع ہوتی ہے اور شہر سے گزر کر جنوبی علاقے میں انگریزی کے حرف "یو" کی شکل اختیار کرتی ہوئی واپس اسی طرف چلی جاتی ہے۔

سپرہائی وے پر سری بورن اسپتال کے قریب کار بائیں طرف مڑ گئی۔ لٹل ڈک ہوٹل اب زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ اس کا نیلا سائن دور ہی سے نظر آرہا تھا۔

رنگولی نے کار ہوٹل کے پارکنگ لاٹ پر روک لی۔ اس وقت ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ گھر سے نکل کر یہاں تک کا فاصلہ پورے پندرہ منٹ میں طے ہوا تھا۔ رنگولی کار سے اتر کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"تھالوب آچکا ہے۔ اس کی جیپ کھڑی ہے۔ وہ دائیں طرف سرخ رنگ کی فورڈ ایکسپلورر۔" رنگولی نے ایک طرف اشارہ کیا۔

لٹل ڈک فائیو اسٹار تو نہیں لیکن بہت شان دار ہوٹل تھا۔ اس کے سامنے کچھ فاصلے پر نہر تھی اور ہوٹل کی طرف سے وہاں بھی گاہکوں کے لیے مناسب بندوبست کیا گیا تھا۔

دوسرے بڑے ہوٹلوں کی طرح لٹل ڈک میں بھی گاہکوں کے لیے پرائیویٹ سروس رومز تھے اور رنگولی کو غالباً معلوم ہوگا کہ تھالوب کہاں ملے گا کیونکہ ڈائننگ ہال یا بار روم کی طرف جانے کے بجائے وہ ایک راہداری میں مڑ گئی تھی۔ ایک دروازے کے سامنے رک کر اس نے ہلکی سی دستک دی اور جواب کا انتظار کیے بغیر دروازہ کھول دیا۔

کمرے میں ایک کافی ٹیبل سائز کی میز پر آمنے سامنے دو افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک تو سانولی رنگت کی دراز قامت لڑکی تھی۔ سانولی رنگت سے قطع نظر اس کے چہرے کے نقوش بڑے دلکش تھے۔ دوسرا ایک آدمی تھا۔ میرے اندازے کے مطابق اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ دراز قامت گوری چٹی رنگت اور پرکشش نقوش۔ وہ خوب رو اور قابلِ رشک صحت کا مالک تھا۔ فضا مخالف کے لیے اس میں بڑی کشش تھی۔ وہ تھالوب تھا۔

وسیع کمرا بہت شان دار طریقے سے آراستہ کیا گیا تھا۔ جس کے دو حصے تھے..... ایک حصہ بیڈ روم کا منظر پیش کرتا تھا اور دوسرا نصف حصہ ڈرائنگ روم کا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا اور فرنیچر بھی بڑا شان دار تھا۔

ہمیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ تھالوب نے بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ہاتھ ملایا اور پھر اپنے قبائلی رواج کے مطابق میرے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لے کر میری پیشانی پر بوسہ بھی دیا تھا۔ غالباً رنگولی اسے فون پر میرے بارے میں تھوڑا بہت بتا چکی تھی۔

ہم دونوں میز کے گرد دوسری کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ تھالوب نے اپنی زبان میں ساتھی لڑکی سے کچھ کہا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے باہر چلی گئی اور دروازہ بند کردیا۔ اس لڑکی کے جانے کے بعد ہی رنگولی نے میرا تفصیلی تعارف کرایا۔

"تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ماسٹر۔" تھالوب نے گرم جوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "کچھ عرصہ پہلے میں بنکاک گیا تھا۔ مہاراج سے بھی ملا تھا۔ ان دنوں سامی کے قتل کا ہنگامہ عروج پر تھا۔ مہاراج نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا لیکن تم سے ملاقات نہیں ہوسکی تھی۔ آج تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہورہی ہے۔"

میں نے بھی اپنے دلی جذبات کا اظہار کرنا ضروری سمجھا۔ ہم ابھی یہ ابتدائی گفتگو کررہے تھے کہ ہلکی سی دستک کے ساتھ دروازہ کھلا اور وہی لڑکی ایک نوعمر ویٹریس کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔ ویٹریس ایک سروس ٹرالی دھکیلتے ہوئے اندر آئی تھی جس پر بیئر، شراب کی دو بوتلیں، گلاس، برف کی ٹکڑیوں سے بھرا ہوا باؤل (پیالہ) سوڈے کی بوتل اور کھانے پینے کے لوازمات تھے۔ ویٹریس نے بڑے سلیقے سے یہ ساری چیزیں میز پر لگا دیں۔

لگتا تھا کہ تھالوب نے ہماری تواضع کے لیے یہ انتظام پہلے ہی سے کر رکھا تھا لیکن ظاہر ہے میں شراب نہیں پیتا تھا۔ ویٹریس جب واپس جانے لگی تو میں نے خود ہی اسے روک لیا۔

"میرے لیے ایک کپ کافی۔"

تھالوب نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ندامت سی ابھر آئی۔ اس نے ویٹریس سے اسپریسو کافی کے لیے کہا اور پھر دوسری لڑکی سے کچھ کہنے لگا۔ وہ دونوں باہر چلی گئیں۔

کچھ دیر بعد ویٹریس کافی سرو کرگئی۔ دوسری لڑکی دوبارہ نہیں آئی۔ تھالوب نے اپنے اور رنگولی کے لیے شراب بنائی۔ میں کافی کی چسکیاں لیتا رہا اور وہ دونوں شراب کے سپ لیتے رہے۔ اس کے ساتھ ہی اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ تھالوب کی باتوں سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ ایک محبِ وطن شخص ہے اور شہنشاہ بھومی بول اور وطن کی سلامتی کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ اندازہ لگانے کے بعد میں جلد ہی اصل موضوع پر آگیا۔

"پیڈرو کے کچھ غیر ملکی دوست یہاں ہیروئن کا ایک نیا ریکٹ قائم کرنا چاہتے ہیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "وہ ان دنوں یہاں آئے ہوئے ہیں اور ہماری ایک دوست نوینا بھی گزشتہ رات ان کے ہاتھوں ماری جاچکی ہے۔ میری اطلاع کے مطابق یہ لوگ چند روز میں جنرل کھوراٹ یا اس کے کسی خاص نمائندے سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان لوگوں میں کوئی معاملہ طے نہ ہونے پائے۔ ہیروئن کی تباہ کاریوں سے تم واقف ہو۔ اس وقت پوری دنیا اس لعنت کی لپیٹ میں ہے۔ نوجوان نسل تباہ ہورہی ہے۔ اب تو اسکول کے بچوں تک کو اس نشے کا عادی بنایا جارہا ہے۔ ہم پوری دنیا میں تو ہیروئن کی سپلائی کو نہیں روک سکتے لیکن کسی نئے ریکٹ کے لیے مشکلات تو پیدا کرسکتے ہیں۔ دنیا بھر میں ہیروئن کی تیاری اور سپلائی کا سب سے بڑا مرکز گولڈن ٹرائی اینگل ہے۔ جنرل کھوراٹ اس خطے کا بے تاج حکمران ہے۔ اس کی طاقت کا اندازہ آپ کو بھی ہوگا۔ ہیروئن کی سپلائی کے اس کے اپنے ذرائع ہیں جن میں آج تک کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوسکی۔ میں کوئی بڑا دعویٰ تو نہیں کرسکتا لیکن یہ کوشش ضرور کی جاسکتی ہے کہ ایسا کوئی نیا ریکٹ قائم نہ ہونے دیا جائے اور اس نئے گروہ کا قلع قمع کردیا جائے جو یہاں قدم جمانے کی کوشش کررہا ہے۔"

میں نے تھالوب کو شہنشاہ کے خلاف ہونے والی سازش کے بارے میں بتانا فی الحال مناسب نہیں سمجھا تھا۔ رنگولی مجھے بتا چکی تھی کہ اسے منشیات کی کاشت اور اس کا بزنس کرنے والوں سے شدید نفرت تھی اس لیے میں نے اپنی گفتگو کا محور بھی منشیات ہی کو

بنایا تھا۔ یہ ایک طرح سے گویا اس کی دکھتی ہوئی رگ تھی جس پر میں نے انگلی رکھ دی تھی۔

"ہیروئن... ہیروئن... ہیروئن۔" تھالوب کے لہجے میں شدید جھنجلاہٹ تھی "میرا بس نہیں چلتا کہ منشیات کی کاشت اور کاروبار کرنے والوں کو پھانسی پر لٹکا دوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "منشیات کی روک تھام کے لیے ہر ملک نے قانون بنا رکھے ہیں۔ یہ گھناؤنا کاروبار کرنے والوں کے خلاف کارروائی کے لیے اسپیشل اسکواڈ اور فورسز بھی قائم کر رکھی ہیں جن پر کروڑوں ڈالر خرچ ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ لعنت ایڈز کی طرح پھیل رہی ہے۔ کوئی روک تھام نہیں ہو رہی اس کی اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی سب سے بڑی وجہ ہر ملک کے قانون میں لچک اور کرپشن ہے۔ ڈرگ مافیا کی طاقت کا اندازہ میں لگا سکتا ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہر ملک کی حکومت پوری قوت کے ساتھ قانون پر عمل درآمد کی کوشش کرے تو منشیات کا کاروبار کرنے والوں کو دنیا کے کسی کونے میں پناہ نہ ملے اور یہ برائی جڑ سے ہی ختم ہو جائے لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ قانون نافذ کرنے والوں ہی میں بعض ایسے بے ضمیر اور بدکردار لوگ موجود ہیں جو ذاتی مفاد کے لیے موت کے ان بیوپاریوں کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ میں زیادہ دور نہیں جاؤں گا۔ اپنے ملک کی مثال دوں گا۔ یہاں بھی منشیات کی روک تھام کے لیے الگ سے ایک محکمہ قائم ہے جس کے لیے ہر سال کروڑوں ڈالر کے فنڈز مخصوص کیے جاتے ہیں۔ اس محکمے کے ملازمین کو بے پناہ سہولتیں بھی حاصل ہیں لیکن اس کے باوجود انہیں ڈرگ مافیا کے خلاف کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

"سیاست میں بھی ڈرگ مافیا کا عمل دخل بڑھ گیا ہے۔ آج ہر ملک میں بہت سے سیاست داں ایسے ہیں جو منشیات ہی کی پیداوار ہیں۔ یہ لوگ ڈرگ مافیا کے ایجنٹ ہیں بلکہ ان کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں۔ یہ سیاست داں' اپنے ملک اور قوم کے لیے نہیں ڈرگ مافیا کے مفادات کے لیے کام کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سب ہی لوگ کرپٹ ہیں۔ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اس برائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں لیکن یا تو وہ بے بس ہیں۔ انہیں ہاتھ پیر ہلانے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ اگر کوئی ہمت کرتا بھی ہے تو اسے بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ چند ہفتے پہلے یہاں چیانگ رائے میں ایک ایسے جج کو گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا تھا جس نے ایک منشیات فروش کو جرم ثابت ہو جانے پر موت کی سزا سنائی تھی۔ جرم کرنے والے کو تو اس کے ساتھی پولیس کسٹڈی سے چھڑا کر لے گئے اور اس کے خلاف فیصلہ سنانے والے جج اور دو گواہوں کو عدالت کے احاطے ہی میں گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ جب صورتِ حال ایسی ہو تو موت کے اس بیوپار پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے لیکن میرے خیال میں وہ لوگ قابلِ تعریف ہیں جو ان حالات میں بھی جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ بہرحال' کم از کم اس معاملے میں' میں تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ بتاؤ' مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

اس میں شبہ نہیں کہ میں تھالوب کی باتوں سے بہت متاثر ہوا تھا۔ رنگولی مجھے بتا چکی تھی کہ اس کے باپ نے اپنے علاقے میں پوست کی کاشت کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اب اس علاقے میں کوئی بھی شخص پوست کی کاشت نہیں کرتا تھا۔ اس معاملے میں تھالوب بھی باپ کے نقشِ قدم پر چل رہا تھا۔ یہ بات بھی مجھے رنگولی ہی نے بتائی تھی کہ دور دراز کے رہنے والے ایک کاشت کار نے پہاڑوں میں پوست کی فصل اگا دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ کسی تک یہ خبر نہیں پہنچ سکے گی مگر ایسی باتیں چھپی تو نہیں رہتیں۔ چیانگ رائے میں تھالوب کو کسی نے پوست کاشت کے بارے میں اطلاع دے دی۔ تھالوب اپنے سارے کام چھوڑ کر اگلے ہی دن چند آدمیوں کو لے کر پہاڑوں میں پہنچ گیا اور نہ صرف پوست کی کھڑی فصل تباہ کر دی بلکہ اس کاشت کار کا مکان بھی جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ اس کاشت کار کو دی جانے والی سزا کی یہ خبر پورے علاقے میں پھیل گئی اور پھر کسی کاشت کار میں پوست کاشت کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔

"فی الحال تو تمہیں کچھ نہیں کرنا۔" میں نے تھالوب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس گروہ کا ایک آدمی چی فانگ جو نوینا کے قتل میں ملوث ہے' یہاں سے فرار ہو کر چیانگ سائین پہنچ گیا ہے۔ اس کے باقی ساتھی بھی تین چار روز بعد اسی طرف جانے والے ہیں۔ میں ان لوگوں کے جانے سے پہلے خود وہاں جا کر چی فانگ کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس وقت تمہاری نہیں بلکہ تمہارے کسی ایسے آدمی کی ضرورت پڑے گی جو اس علاقے میں میری رہنمائی کر سکے اور چی فانگ کو تلاش کرنے میں مدد کر سکے۔"

"جتنے آدمی چاہو تمہیں مل سکتے ہیں۔ ویسے چیانگ سائین جیسے علاقے میں کسی اجنبی کو تلاش کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ تم کب جانا چاہتے ہو؟" تھالوب نے پوچھا۔

"کل کسی بھی وقت۔" میں نے جواب دیا۔

"کل صبح نو بجے میرا ایک آدمی گاڑی لے کر رنگولی کے دروازے پر پہنچ جائے گا۔ تم لوگ تیار رہنا۔" تھالوب نے کہا۔

"کیا وہ آدمی بھروسے کا ہوگا۔ میرا مطلب ہے...."

"ہم قبائلی لوگ ہیں۔ دھوکا' فریب اور مکاری ہماری سرشت میں شامل نہیں۔ یوں تو قبیلے کا ہر شخص سردار کے حکم پر جان دینے کو بھی فخر سمجھتا ہے لیکن جو شخص تمہارے ساتھ جائے گا۔ میرا خاص آدمی ہے۔ تم اس پر مکمل بھروسا کر سکتے ہو اور اس سے ہر کام چاہو لے سکتے ہو۔ وہ چون وچرا نہیں کرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کل صبح نو بجے تیار ملوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

اس کے بعد موضوع بدل گیا۔ تھالوب کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ اسے ملکی اور بین الاقوامی سیاست سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ وہ اس موضوع پر روانی سے بولتا رہا اور میں بیچ میں "ہوں ہاں" کرتا رہا۔ مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور ظاہر ہے میں نہ تو کوئی بحث کر سکتا تھا اور نہ ہی ان باتوں میں اس کا ساتھ دے سکتا تھا۔

جب ہم جانے کے لیے اٹھے تو رات کے دو بج رہے تھے۔ تھالوب بار بار ندامت کا اظہار کر رہا تھا کہ وہ میری کوئی خدمت نہیں کر سکا۔

ہوٹل کے نائٹ کلب کے پروگرام دو بجے تک ہی ہوتے تھے اور اس وقت لوگ واپس جا رہے تھے۔ وہ لڑکی نجانے کہاں سے آ کر ہمارے ساتھ شامل ہو گئی تھی جسے شروع میں تھالوب کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ تھالوب نے پہلے ہمیں رنگولی کی کار کے پاس چھوڑا اور پھر اسی لڑکی کے ساتھ اپنی جیپ کی طرف چلا گیا۔

رنگولی نے وہاں بیٹھے بیٹھے تین پیگ پیئے تھے اور مجھے شبہ تھا کہ اگر وہ کار ڈرائیو کرتے ہوئے بہک گئی تو ہم تینوں کا انجام بہت خطرناک ہوگا لیکن رنگولی پوری طرح اپنے حواس میں تھی۔ اس کے بارے میں میرے خدشات بے بنیاد نکلے۔

میرا خیال تھا کہ پرساد وغیرہ سو گئے ہوں گے لیکن وہ سب جاگ رہے تھے۔ ہم تقریباً ایک گھنٹے تک لاؤنج میں بیٹھے پروگرام بناتے رہے۔ میں نے رنگولی کو راستے میں بھی اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ میری عدم موجودگی میں اسے کیا کرنا ہے۔ تھالوب نے مجھے بتایا تھا کہ چیانگ سائین میں مجھے کہاں ٹھہرنا ہے۔ اس نے وہاں کا فون نمبر بھی ایک کاغذ پر لکھ کر دے دیا تھا۔ میں نے وہ کاغذ تھائی کی طرف بڑھا دیا اور رنگولی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس دوران میں اگر کوئی غیر معمولی بات ہو تو اس نمبر پر مجھے اطلاع دے دینا اور جب دارا وغیرہ یہاں سے روانہ ہو جائیں تو تم لوگ بھی چیانگ سائین پہنچ جانا۔"

"کیا تم اکیلے ہی جاؤ گے؟" تھائی نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ کل سے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں تمہیں ساتھ لے جانا مناسب نہیں سمجھتا۔ چی فانگ کو تلاش کرنے میں اچھی خاصی بھاگ دوڑ کرنی پڑے گی جبکہ دو تین دن یہاں رہ کر تمہیں آرام کرنے کا موقع مل جائے گا۔"

"میں بالکل فٹ ہوں۔ بھاگ دوڑ میں تمہارا ساتھ دے سکتی ہوں۔" جانگی جلدی سے بول پڑی۔

"ٹھیک ہے۔ جانگی تمہارے ساتھ جائے گی۔" تھائی نے کہا۔

جانگی کے ہونٹوں پر تو خفیف سی مسکراہٹ آ گئی تھی لیکن میں اپنے آپ میں عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا تھا۔ میں جانگی کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ وہ مجھے زیر کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھی لیکن میں ہر مرتبہ طرح دے گیا تھا۔ ہر ایسے موقع پر وہ وعدہ توڑ لیتی تھی کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گی مگر وہ اپنا وعدہ بھول جاتی تھی۔

صبح ٹھیک نو بجے گاڑی پہنچ گئی۔ وہ نیلے رنگ کی لینڈ کروزر فور وہیل ڈرائیو جیپ تھی۔ میں نے اور جانگی نے اپنے کپڑے ایک الگ بیگ میں رکھ لیے تھے۔ ہم دونوں تھائی وغیرہ سے رخصت ہو کر جیپ کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ اسی وقت میں نے تھائی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھے تھے۔ اگر اسے یہ شبہ بھی ہوگا کہ جانگی میرے بارے میں کیا خیالات رکھتی ہے تو وہ جانگی کو ہرگز میرے ساتھ نہ جانے دیتی۔

ڈرائیور کا نام وانگ ڈن تھا۔ وہ درمیانے قد کا صحت مند آدمی تھا۔ عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس نے بھی میری طرح ٹی شرٹ اور جینز پہن رکھی تھی۔ پیروں میں جوگرز تھے۔

چیانگ سائین اگرچہ صرف انسٹھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا مگر راستہ پُرپیچ اور نہایت دشوار گزار ہونے کی وجہ سے یہ فاصلہ تقریباً ڈھائی گھنٹے میں طے ہوا تھا۔ راستے میں ہم چند منٹ کے لیے ایک آبشار کے قریب رکے بھی تھے۔

قصبہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ سڑکیں کشادہ' صاف ستھری اور عمارتیں جدید طرزِ تعمیر کی حامل تھیں۔ بہت سی عمارتیں ایسی بھی تھیں جن سے مقامی تہذیب کا اظہار ہوتا تھا۔ سیاحت کا مرکز ہونے کی وجہ سے یہاں چند اچھے ہوٹل بھی تھے۔ گیسٹ ہاؤسز اور ہٹس تو بے شمار تھے۔ ہٹس زیادہ تر قصبے کے اطراف میں پھیلے ہوئے تھے۔

ہماری جیپ میوزیم کے سامنے سے ہوتی ہوئی شمال کی طرف جانے والی ایک سڑک پر مڑ گئی اور کچھ ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک ذیلی راستے پر آ گئی جو بتدریج بلندی کی طرف چلا گیا تھا۔ تقریباً پانچ سو گز آگے پہاڑی پر ایک کاٹیج نما مکان تھا جو زیادہ بڑا نہیں تھا۔ اس کے چاروں طرف وسیع رقبہ خاردار تاروں سے گھرا ہوا تھا۔ مکان کے برآمدے میں ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جیپ کو آتے دیکھا تو دوڑ کر گیٹ کھول دیا۔ وہ آدمی لباس اور حلیے ہی سے قبائلی لگتا تھا۔ جیپ مکان کے برآمدے کے سامنے رک گئی۔

جیپ سے اتر کر میں کچھ دیر چاروں طرف دیکھتا رہا۔ سامنے خوب صورت لان تھا اور اطراف میں بہت وسیع رقبہ گھرا ہوا تھا۔ پھل دار درختوں کی بہتات تھی۔ قرب وجوار میں کوئی اور مکان یا کاٹیج نظر نہیں آ رہا تھا۔

وانگ ڈن ہمیں اندر لے آیا اور کاٹیج دکھانے لگا۔ باہر سے یہ مکان چھوٹا لگتا تھا۔ لیکن اس میں پانچ بیڈ رومز کے علاوہ وسیع ڈرائنگ روم اور ہال بھی تھا۔ پورا مکان مکمل طور پر آراستہ تھا۔ ہر کمرے میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ جانگی ایک کمرے میں بیڈ پر ڈھیر ہو گئی۔ سفر اگرچہ زیادہ طویل نہیں تھا لیکن وہ تھک گئی

تھی۔

"یہ لوما ہے۔" وانگ ڈن نے ادھیڑ عمر قبائلی کی طرف اشارہ کیا "تھائی' برمی اور انگریزی زبانیں سمجھتا ہے۔ تھائی اور یورپین کھانے بھی بہت اچھے بناتا ہے لیکن تم لوگوں کے لیے دوپہر کا کھانا ہوٹل سے آئے گا۔ میں ابھی مارکیٹ جارہا ہوں' جو کھانا ہو بتا دیں۔"

"چائنیز کھانے مل جائیں گے؟" میں نے پوچھا۔ وانگ ڈن نے اثبات میں سرہلایا تو میں نے دو تین ایسے چائنیز کھانوں کے نام بتا دیے جو ہم آسانی سے کھا سکتے تھے۔

وانگ ڈن کے جانے کے بعد میں نے لوما سے کافی کی فرمائش کی اور برآمدے کے سامنے درخت کے نیچے ایک گارڈن چیئر پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جانکی بھی وہاں آگئی اور چند منٹ بعد لوما بھی کافی بنا کر لے آیا۔

دوپہر کا کھانا ہم نے دو بجے کھایا۔ وانگ ڈن کا خیال تھا کہ ہمیں گھر میں بیٹھے رہنے کے بجائے سیرو تفریح کرنی چاہیے لیکن اسے کیا معلوم کہ یہاں ہم سیرو تفریح کے لیے نہیں آئے تھے۔ جب تک ہمارا مشن پورا نہ ہو جاتا' ہمارے لیے لوگوں سے دور رہنا ہی بہتر تھا۔ میرے انکار پر وانگ ڈن نے اصرار نہیں کیا۔ البتہ میں نے چی فانگ کا حلیہ بتا کر اس کی تلاش کی ہدایت کردی۔

"اس شخص کا حلیہ بالکل واضح ہے۔ اسے آسانی سے تلاش کیا جاسکتا ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لیکن اس بات کا خیال رہے کہ اسے شبہ نہ ہونے پائے کہ اسے تلاش کیا جارہا ہے۔ اگر تم چاہو تو اس کام کے لیے اپنے بھروسے کے کچھ آدمیوں سے مدد لے سکتے ہو لیکن شرط وہی ہے۔ چی فانگ کو شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ بہت چالاک ہے۔ اگر اسے شبہ بھی ہوگیا تو پھر وہ ہاتھ نہیں آئے گا۔"

"آپ مطمئن رہیے ماسٹر!" وانگ ڈن نے کہا "اس کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلے گا کہ اس کے گرد کوئی جال بچھایا جارہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہی چاہتا ہوں۔" میں نے سرہلا دیا۔

وانگ ڈن وہاں سے رخصت ہوا تو سودا وغیرہ لینے کے لیے لوما بھی اس کے ساتھ ہی چلا گیا تھا۔ میں اور جانکی اکیلے رہ گئے۔ اس وقت ہم ہال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جانکی باتیں کرتے کرتے اونگھ گئی اور میں بیٹھا سوچتا رہا کہ دارا وغیرہ کے آنے سے پہلے چی فانگ ہاتھ آجائے تو اس سے بہت سی کام کی باتیں معلوم ہوسکتی ہیں۔

لوما پانچ بجے کے قریب واپس آگیا تھا۔ چھ بجے کے قریب اس نے ہمیں کافی بنا کر دی اور کچن میں اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ آٹھ بجے کے قریب وانگ ڈن بھی آگیا۔ اس کی رپورٹ کسی طرح بھی امید افزا نہیں تھی۔ شہر میں واقع بیشتر ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز کو چیک کرلیا گیا تھا۔ چی فانگ کے حلیے کے کسی آدمی کا سراغ نہیں ملا تھا۔

"میں نے بھروسے کے کچھ آدمی اس کی تلاش پر لگا دیے ہیں۔" وانگ ڈن کہہ رہا تھا "کل صبح سویرے ہی شہر کے نواحی علاقوں میں واقع گیسٹ ہاؤسز اور موٹلس میں اس کی تلاش شروع کردی جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ کل شام تک اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ پتا چل جائے گا۔"

اس رات کھانے کے بعد میں نے فون پر تھائی اور برمی سردار کو صورت حال سے آگاہ کردیا۔ رنگون سے بھی بات ہوئی تھی۔ وہاں کی صورت حال بھی نارمل ہی تھی۔

دس بجے کے قریب وانگ ڈن نے چینی ساختہ اے کے ۴۷ سب مشین گن میرے سامنے رکھ دی۔ مجھے نہیں معلوم یہ آٹومیٹک رائفل اس نے کہاں سے نکالی تھی۔

"یہاں کوئی خطرہ تو نہیں ہے لیکن احتیاطاً اسے اپنے پاس رکھ لو۔ یہ لوڈڈ ہے۔" اس نے کہا۔

میں رائفل اٹھا کر دیکھنے لگا اور پھر اسے ایک طرف رکھ دیا۔ میرا خیال تھا کہ وانگ ڈن اور لوما بھی کاٹیج کے اندر ہی کسی کمرے میں سوئیں گے لیکن وانگ ڈن نے بتایا کہ وہ سردار کے اس کاٹیج کے اندر کسی کمرے میں سونے کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ کاٹیج کے پچھلی طرف کوارٹر ہیں۔ وہ دونوں وہاں سوئیں گے۔

"اگر رات کو کوئی مسئلہ ہو تو یہ بٹن دبا دیجیے۔" لوما نے کچن کے دروازے کے قریب دیوار پر لگے ہوئے ایک بٹن کی طرف اشارہ کیا "بیل میرے کوارٹر میں ہے۔ بیل بجتے ہی میں حاضر ہوجاؤں گا۔"

وہ دونوں کاٹیج سے باہر چلے گئے۔ میں نے اٹھ کر دروازے اندر سے لاک کردیے اور مختلف کمروں میں جھانکنے لگا۔ میرا خیال تھا کہ میں اور جانکی الگ الگ کمروں میں سوئیں گے مگر جانکی اس کے لیے تیار نہیں تھی۔

"میں اس سنسان کاٹیج میں الگ کمرے میں نہیں سوسکتی۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" جانکی نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم بیڈ پر سوجاؤ۔ میں اس کوچ پر لیٹ جاتا ہوں۔" میں نے کہا اور جانکی کے جواب کا انتظار کیے بغیر کوچ پر لیٹ گیا۔

میرے حساب سے وہ رات خیریت سے گزر گئی۔ رات کو چونکہ جلدی سوگئے تھے اس لیے صبح آنکھ بھی جلدی کھل گئی۔ جانکی مجھ سے پہلے ہی جاگ چکی تھی۔ وہ کمرے میں نہیں تھی۔ میں بھرپور نیند سویا تھا اور اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا اور فریش محسوس کررہا تھا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے ذہن پر طاری نیند کا تھوڑا بہت خمار بھی جاتا رہا۔

جب میں کمرے سے نکلا تو ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ جانکی برآمدے میں کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں بھی وہیں آگیا اور اس کے سامنے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ آسمان پر ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے اور بڑی خوشگوار ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ابھی مجھے وہاں بیٹھے ہوئے چند ہی منٹ ہوئے تھے کہ لوما نے کچن کی طرف سے برآمد ہو کر چائے کا کپ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔

"چائے پی لو پھر میں ناشتا تیار کرتی ہوں۔" جانکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ناشتا' تم تیار کروگی!" میرے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں۔ آج میں ناشتا بناؤں گی۔ کھاؤ گے تو انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے۔ میں نے ضرورت کی چیزیں صبح سویرے ہی منگوالی تھیں۔" جانکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"وانگ ڈن کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔ مجھے وہ جیپ بھی نظر نہیں آرہی تھی جو رات کو برآمدے میں کھڑی کی گئی تھی۔

"وہ تو میرا خیال ہے صبح چھ بجے ہی چلا گیا تھا... چی فانگ کو تلاش کرنے۔" جانکی نے جواب دیا "ویسے یہ قبائلی لوگ بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ جس کام کا بیڑا اٹھا لیتے ہیں اسے کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے۔ جب تک چی فانگ کا پتا نہیں چل جائے گا وانگ ڈن اس وقت تک نہ خود چین سے بیٹھے گا نہ دوسروں کو بیٹھنے دے گا۔"

میں نے کپ خالی کرکے سامنے پڑی ہوئی چھوٹی میز پر رکھ دیا۔ جانکی کپ اٹھا کر اندر چلی گئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں بھی کچن میں جاکر دیکھوں' وہ کیا کررہی ہے لیکن پھر ارادہ بدل دیا۔ میں اس سے دور ہی رہنا چاہتا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد کچن کی طرف سے اشتہا انگیز خوشبو آنے لگی جیسے کچھ تلا جارہا ہو۔ اس کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد لوما مجھے اندر بلا کر لے گیا۔

میز پر ناشتا لگا ہوا تھا۔ پوریاں' آلو کی بھجیا اور چنے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر میری بھوک ایک دم چمک اٹھی۔ جانکی پہلے بھی کھانا بناتی رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا لیکن آج کا ناشتا تو بہت ہی لذیذ تھا۔ مجھے یاد آگیا کہ سنگاپور میں چھنی والے روز ڈیڈی بھی بازار سے یہ ناشتا لایا کرتے تھے۔ وہاں ہمارے گھر سے کچھ ہی فاصلے پر ایک پاکستانی کی مٹھائی کی دکان تھی۔ صبح کے وقت وہ حلوا پوری بنایا کرتا تھا۔ اس کے گاہک بہت دور دور سے آیا کرتے تھے۔

بچپن کی بہت سی باتیں یاد آنے لگیں۔ میں جیسے ماضی میں کھو گیا تھا۔

"اے۔" جانکی نے میرے چہرے کے سامنے ہاتھ ہلایا "کہاں کھو گئے۔ ناشتا پسند نہیں آیا کیا؟"

"اوہ!" میں چونک گیا "کچھ نہیں۔ کچھ پرانی باتیں یاد آگئی تھیں۔ ویسے یہ ناشتا بہت مزے دار ہے۔ بہت عرصے بعد ایسی چیزیں کھا رہا ہوں۔"

ناشتے کے بعد بھی ہم دیر تک وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر اٹھ کر باہر آگئے۔ آسمان پر بادل کچھ اور گہرے ہوگئے تھے۔ ہوا میں بھی کسی قدر تیزی آگئی تھی۔ میں کاٹیج کے اور سے گھومتا ہوا پچھلی طرف چلا گیا۔ کئی ایکڑ رقبہ خاردار تاروں میں گھرا ہوا تھا جس میں پھل دار درخت لگے ہوئے تھے۔ جانکی بھی میرے پیچھے ہی چلی آئی تھی۔ درختوں سے ذرا ہٹ کر دو دو تین تین فٹ اونچے لاتعداد پودے لگے ہوئے تھے جن پر سرخ رنگ کے پھل لگے ہوئے تھے۔ دور سے وہ مرچوں کے پودے لگ رہے تھے لیکن قریب پہنچ کر پتا چلا کہ وہ اسٹرابیری کے پودے تھے جو پھل سے لدے ہوئے تھے۔ جانکی اسٹرابیری توڑ کر کھانے لگی۔

ہم دور تک نکل گئے۔ اچانک ہی بوندا باندی شروع ہوگئی۔ میں واپس جانا چاہتا تھا لیکن جانکی شرارت کے موڈ میں تھی' بوندا باندی سے اچانک ہی تیز بارش کی صورت اختیار کرلی۔ میں گنجان درختوں کے نیچے کھڑا تھا جبکہ وہ کھلی جگہ... پر کھڑی بارش میں بھیگتی رہی۔ اس نے بھی جینز کے اوپر ٹی شرٹ پہن رکھی تھی جو بارش میں بھیگ کر اس کے جسم سے چپک گئی تھی۔ جانکی ہونٹوں پر شوخ مسکراہٹ سجائے میری طرف بڑھی تو میں کاٹیج کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے بھی قہقہے لگاتے ہوئے میرے پیچھے دوڑ لگا دی۔ میں نے کاٹیج کے برآمدے میں پہنچ کر ہی دم لیا تھا۔ تیز بارش میں میرے کپڑے بھی بھیگ گئے تھے اور جانکی کے لباس سے تو پانی نچڑ رہا تھا۔ وہ برآمدے کے سامنے لان میں کھڑی بارش کے مزے لیتی رہی اور مجھے ترغیب دیتی رہی۔

بارش جس طرح اچانک شروع ہوئی تھی تقریباً آدھے گھنٹے بعد اسی طرح اچانک ہی ختم ہوگئی۔ پہاڑی علاقوں میں کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ بارش بند ہونے کے بعد کچھ دیر تک آسمان پر گرج چمک ہوتی رہی اور پھر بادل چھٹ گئے اور تیز دھوپ چمکنے لگی۔ مزید آدھے گھنٹے بعد آسمان اس طرح صاف ہوگیا جیسے وہاں کبھی بادلوں کا وجود ہی نہ رہا ہو۔

"ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ کپڑے بدل لو۔ اگر سردی لگ گئی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔" میں نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر بیمار پڑ گئی تو کیا تم میری تیمارداری نہیں کرو گے؟" جانکی مسکرائی۔

"بہت شوق ہے بیمار پڑنے کا؟" میں نے اسے گھورا۔

"صرف تمہاری تیمار داری کی خاطر۔" وہ شرمائی سے مسکرائی۔

"باتیں بنانے کے بجائے اندر جاکر کپڑے بدلو۔" میں نے کہا۔

جانکی چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر گہری سانس لے کر اندر چلی گئی۔ میں برآمدے ہی میں بیٹھا رہا۔

پورا دن اسی طرح گزر گیا۔ وانگ ڈن نہ تو خود واپس آیا تھا

اور نہ ہی اس کی طرف سے کوئی اطلاع ملی تھی۔ چیانگ رائے سے رنگولی یا تھائی کی طرف سے بھی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔

شام کا اندھیرا پھیل گیا۔ ہمارا یہ کانیج خاصی بلندی پر واقع تھا وہاں سے شہر کے بعض علاقوں کی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ یہ چھوٹا سا شہر سرحد کے قریب واقع تھا۔ عام طور پر دور دراز کے علاقوں پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی لیکن سیاحت کا مرکز ہونے کی وجہ سے یہاں بھی وہ تمام سہولتیں موجود تھیں جو کسی بڑے ترقی یافتہ شہر میں ہوسکتی ہیں۔ شہر کی کئی عمارتوں پر بڑے بڑے رنگ برنگے نیون سائن جگمگا رہے تھے۔

میں اس وقت جانگی کے ساتھ برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔ وانگ ڈن کی دی ہوئی آٹومیٹک رائفل بھی میرے قریب ہی پڑی ہوئی تھی۔ دو روشنیاں کانیج کی طرف آتے ہوئے دیکھ کر میں نے رائفل اٹھا کر گود میں رکھ لی۔ وہ کسی گاڑی کی ہیڈلائٹس تھیں۔ وہ وانگ ڈن کی جیپ بھی ہوسکتی تھی لیکن میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی فضا میں ہارن کی آواز گونج اٹھی۔ لوما کانیج سے نکل کر گیٹ کی طرف دوڑ گیا۔

وہ وانگ ڈن تھا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ اس کا پورا دن بھاگ دوڑ میں گزرا ہے۔

"ہم نے تمہارے شکار کو تلاش کرلیا ہے ماسٹر۔" اس نے میرے قریب آتے ہی کہا "تمہارے بتائے ہوئے حلیے سے اس کو شناخت کرنا زیادہ دشوار ثابت نہیں ہوا اور پھر اس کے ساتھ فانگ پھن کی موجودگی سے بھی اس کی تصدیق ہوگئی کہ تمہارا مطلوبہ آدمی وہی ہے۔"

"گڈ۔" میں اچھل پڑا "کیا تم فانگ پھن کو جانتے ہو؟"

"اسے کون نہیں جانتا۔" وانگ ڈن نے جواب دیا "وہ سین فونگ کا آدمی ہے اور سین فونگ جنرل کھوراٹ کا دست راست سمجھا جاتا ہے۔ تھائی لینڈ میں گولڈن ٹرائی اینگل کے معاملات سین فونگ ہی ڈیل کرتا ہے۔"

"لیکن سنا ہے کہ وہ تو گولڈن ٹرائی اینگل ہی میں رہتا ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ درست ہے۔" وانگ ڈن نے اثبات میں سرہلایا "لیکن کوئی اہم معاملہ ہو تو وہ خود بھی ادھر آجاتا ہے۔ عام طور پر فانگ پھن جیسے لوگ ہی معاملات نمٹاتے رہتے ہیں۔"

"بہرحال' وہ لوگ کہاں ہیں۔ میرا مطلب ہے چی فانگ اور فانگ پھن؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مین روڈ کی دوسری طرف تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر ایک ہٹ میں۔" وانگ ڈن نے جواب دیا "میرے آدمی چاروں طرف اسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ تقریباً پانچ بجے کے قریب میرے ایک آدمی نے فانگ پھن کو اس طرف جاتے دیکھا تو نجانے اسے کیوں شبہ ہوگیا۔ اس نے فانگ پھن کا تعاقب شروع کردیا اور درختوں میں گھرے ہوئے اس ہٹ تک پہنچ گیا جہاں اس نے فانگ کو دیکھ لیا۔ میرا آدمی تقریباً ایک گھنٹے تک درختوں پر ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتا رہا۔ ان دونوں کے علاوہ وہاں کوئی اور بھی ہے۔ مجھے تقریباً آدھا گھنٹا پہلے اطلاع ملی تھی۔ میرا آدمی اب بھی دور سے اس ہٹ کی نگرانی کررہا ہے۔"

"کیا ہم وہاں جاسکتے ہیں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارا مطلب ہے اس وقت؟" وانگ ڈن نے کہا پھر لمحوں کی خاموشی کے بعد خود ہی بولا "اس وقت جانا مناسب نہیں ہے۔ شام کا ابتدائی حصہ ہے۔ وہ لوگ ہوشیار ہوں گے۔ ان پر ریڈ کرنا چاہے ہو تو اس کے لیے آدھی رات کے بعد کا وقت مناسب رہے گا۔"

وانگ ڈن کی بات معقول تھی اس لیے میں نے انتظار کرنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب ہم نے کھانا کھالیا۔ اس کے تقریباً دس منٹ بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ وانگ ڈن ہی نے ریسیو کی تھی۔ وہ تقریباً پانچ منٹ تک قبائلی زبان میں بات کرتا رہا تھا جس کا ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑا تھا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"کوئی خاص بات؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرے اسی آدمی کا فون تھا جو ہٹ کی نگرانی کررہا ہے۔" وانگ ڈن نے کہا۔ اس نے کن انکھیوں سے جانگی کی طرف دیکھا پھر قدرے دھیمے لہجے میں بولا "آدھا گھنٹا پہلے شہر میں ایک چھوٹے سے ہوٹل کا مالک تین عورتوں کو لے کر وہاں پہنچا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے پہلے ہی سے رات کا کوئی پروگرام بنا رکھا تھا۔"

"گڈ۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا "اس سے ہمارے کام میں آسانی ہوجائے گی۔ وہ غفلت میں ہوں گے اور ہم انہیں سنبھلنے کا موقع نہیں دیں گے اور میرا خیال ہے کہ آدھی رات کا انتظار کرنے کے بجائے ہمیں ایک ڈیڑھ گھنٹے میں روانہ ہوجانا چاہیے۔ اس وقت محفل عروج پر ہوگی اور رنگ میں بھنگ ڈالنے کا یہ بہترین موقع ہوگا۔"

"اب میں تم سے اختلاف نہیں کروں گا۔ ہم دس بجے یہاں سے نکلیں گے۔" وانگ ڈن نے کہا "میرا ایک آدمی پہلے ہی وہاں موجود ہے۔ میں فون کرکے تین چار اور آدمی تیار کرلیتا ہوں۔"

"اتنے آدمیوں کی ضرورت نہیں۔ ایک وہاں موجود ہے ایک اور بلالو۔ دو ہم ہیں۔ میرا خیال ہے ہم چار کافی ہوں گے۔" میں نے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی ماسٹر مگر فانگ پھن بہت خطرناک آدمی ہے۔" وانگ ڈن بولا۔

"پرواہ مت کرو کہ کون کتنا خطرناک ہے۔ زیادہ آدمیوں کو لے جانا مناسب نہیں ہے۔ بہرحال' ہم دس بجے یہاں سے روانہ ہوجائیں گے۔"

"ٹھیک ہے ماسٹر۔" وانگ ڈن نے اثبات میں سرہلا دیا۔

میں اپنے کمرے میں آیا تو جانگی بھی میرے پیچھے ہی چلی آئی۔ وہ بھی میرے ساتھ جانا چاہتی تھی لیکن میں نے سختی سے منع کردیا۔ میں نے باتھ روم میں جاکر کپڑے تبدیل کیے اور اپنا خنجر بھی پنڈلی سے باندھ لیا۔ جب میں ہال میں آیا تو وانگ ڈن وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ برآمدے میں بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

اور پھر ٹھیک دس بجے ہم وہاں سے روانہ ہوگئے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وانگ ڈن نے ایک بھرا ہوا پستول میرے ہاتھ میں تھما دیا تھا جسے میں نے جینز کی جیب میں رکھ لیا۔ جیپ کانیج کی حدود سے سڑک پر آئی اور تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک عمارت کے سامنے رک گئی۔ یہ شاید کوئی مارکیٹ وغیرہ تھی جو بند ہوچکی تھی۔ صرف کارنر کی ایک دکان کھلی ہوئی تھی۔ ٹھیک ایک منٹ بعد ایک آدمی عمارت کی دوسری طرف سے نکل کر جیپ کی طرف آیا اور پسنجر سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور جیپ حرکت میں آئی۔

چہرے کے نقوش سے وہ شخص بھی قبائلی ہی لگتا تھا لیکن اس نے جینز شرٹ پہن رکھی تھی۔ مین روڈ پر تھوڑا ہی فاصلہ طے کرنے کے بعد وانگ ڈن نے جیپ کو ایک تنگ سی ذیلی سڑک پر اتار دیا۔ یہ سڑک زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ کوئی دوسری جیپ یا کار ہی قریب سے گزر سکتی تھی۔ کسی بڑی گاڑی کے گزرنے کی گنجائش نہیں تھی۔ سڑک کے دونوں طرف چٹانیں تھیں جن پر اگے ہوئے درختوں کی شاخیں سڑک کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ دائیں بائیں کی پہاڑیوں سے مختلف مقامات پر تین اور تنگ سے راستے اس سڑک سے آن ملے تھے۔ یہ دراصل پیدل گھومنے والوں کے لیے ٹریک تھے جو پہاڑیوں میں اندر دور تک چلے گئے تھے۔

تقریباً دو کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وانگ ڈن نے جیپ کی بتیاں بجھا دیں اور اس کے ساتھ ہی رفتار بھی کم کردی۔ گہری تاریکی میں ایسے دشوار راستے پر گاڑی چلانا نہایت خطرناک تھا مگر وانگ ڈن بڑے محتاط انداز میں بہت ہلکی رفتار سے جیپ چلاتا رہا اور پھر اس نے جیپ بائیں طرف ایک ایسے ہی راستے پر موڑ لی۔ دوسری سڑک سیدھی چلی گئی تھی۔

اس راستے پر تقریباً پچاس گز کا فاصلہ طے کرکے اس نے جیپ روک لی اور انجن بند کردیا۔ ہم تینوں جیپ سے اتر آئے اور ایک چٹان پر چڑھنے لگے۔ وہ چٹان زیادہ اونچی نہیں تھی۔ اس کی دوسری طرف تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر درختوں سے روشنی چھنتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

"وہ روشنی ہماری منزل ہے۔" وانگ ڈن نے اشارہ کیا "ہم اگر دوسری سڑک پر چلتے رہتے تو ہٹ کے سامنے والے رخ پر نکلتے لیکن اس وقت ہم ہٹ کے عقبی رخ پر ہیں۔"

ہم کچھ دیر وہاں کھڑے رہے اور پھر چٹان سے اترنے لگے۔ تاریکی میں چلنا بہت مشکل ہورہا تھا۔ صبح کی بارش کی وجہ سے کہیں کہیں پھسلن بھی ہورہی تھی۔ نشیب میں آنے کے بعد ہم دوسری چٹان پر چڑھنے لگے۔ یہ چٹان بھی زیادہ بلند نہیں تھی۔ اوپر سے مسطح تھی جہاں وہ ہٹ بنا ہوا تھا۔ سامنے کے رخ پر تو کانیج تک آنے کے لیے باقاعدہ راستہ بنا ہوا تھا۔ کار بھی وہاں تک آسکتی تھی۔ عقبی سمت میں چٹان کو کاٹ کر سیڑھیاں سی بنائی گئی تھیں لیکن ہم ان سیڑھیوں کے بجائے دوسرے راستے سے اوپر جارہے تھے جو خاصا دشوار گزار تھا۔ وانگ ڈن سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے میں اور آخر میں وہ قبائلی تھا۔ گنجان پودوں کی وجہ سے چٹان پر چڑھنا کچھ اور بھی مشکل ہورہا تھا۔ یہ بھی اندیشہ تھا کہ پودوں کی سرسراہٹ کی آواز سن نہ لی جائے۔

وانگ ڈن ایک جگہ پر رک گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ گہری تاریکی میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ گنجان درختوں کی وجہ سے ہٹ کی روشنی بھی ہماری نظروں سے مکمل طور پر اوجھل تھی۔ وانگ ڈن اشارہ کرتا ہوا بائیں طرف بڑھنے لگا۔

ہٹ کی روشنی اب نظر آرہی تھی۔ اس طرف دو کمروں کی کھڑکیاں تھیں اور دونوں میں روشنی ہورہی تھی۔

"تمہارا وہ آدمی کہاں ہے جو ہٹ کی نگرانی کررہا تھا؟" میں نے وانگ ڈن کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ابھی معلوم کرتا ہوں۔" وانگ ڈن نے کہا اور چند منٹ ادھر ادھر دیکھنے کے بعد منہ سے ایک عجیب سی آواز نکالی۔

یہ آواز لومڑی سے ملتے جلتے ایک جانور کی تھی جو ان پہاڑیوں میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد دائیں طرف سے ویسی ہی آواز سنائی دی۔ وانگ ڈن نے منہ سے ایک بار پھر وہ آواز نکالی اور اپنے ساتھی کی طرف مڑکر سرگوشی میں کچھ کہنے لگا۔ اس شخص نے اثبات میں سرہلایا اور دبے قدموں بائیں طرف چلتا ہوا نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔

میں اور وانگ ڈن کچھ دیر تک وہاں کھڑے سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے مشورہ کرتے رہے پھر یہ طے ہوا کہ وانگ ڈن اوپر سے چکر کاٹ کر کانیج کے سامنے والے رخ کی طرف چلا جائے اور عین مین کو قابو کرنے کی کوشش کرے جو یقیناً اسی طرف ہوگا۔ میں نے کانیج کی عقبی سمت سے کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وانگ ڈن کے جانے کے دو منٹ بعد میں بھی دبے قدموں آگے بڑھنے لگا۔ ان دونوں کمروں کی کھڑکیاں اب صاف نظر آرہی تھیں۔ کھڑکیوں کے اندر کی طرف ہلکے نیلے رنگ کے باریک ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے۔ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا اور ایک

کھڑکی کے قریب پہنچ کر رک گیا اور اندر جھانکنے کی کوشش کرنے لگا۔ اندر دو سائے متحرک نظر آرہے تھے۔ ان میں ایک عورت تھی اور ایک مرد۔ چہرے نظر نہیں آرہے تھے۔ اس لیے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ مرد چی فانگ تھا یا کوئی اور۔

اچانک بھاری قدموں کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا اور کھڑکی کے سامنے سے ہٹ کر تیزی سے چلتا ہوا پودوں کے پیچھے دبک گیا۔ اس کے ٹھیک ایک سیکنڈ بعد ایک دراز قامت آدمی کانیچ کی دوسری طرف سے گھوم کر سامنے آگیا۔ وہ سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ وہ ذرا آگے بڑھا تو کھڑکی سے آنے والی مدھم سی روشنی میں اس کے کندھے پر رائفل بھی نظر آگئی۔ وہ محافظ تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اسے کس بات کا شبہ ہوا تھا یا ویسے ہی چکر لگاتا ہوا آیا تھا لیکن کچھ ہی دیر بعد اس کے اس طرف آنے کی وجہ معلوم ہوگئی۔ وہ ایک کھڑکی کے سامنے رک کر اندر جھانکنے کی کوشش کررہا تھا۔ اسے اپنے مقصد میں کسی حد تک کامیابی ہوئی تھی، مجھے اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ تقریباً دو منٹ بعد وہ دوسری طرف سے ہوتا ہوا کانیچ کے سامنے کی طرف چلا گیا۔

میں نے ایک منٹ اور انتظار کیا اور پھر اپنی کمین گاہ سے نکل کر دبے قدموں چلتا ہوا اس مرتبہ دوسری کھڑکی کی طرف بڑھا۔ یہاں بھی کچھ ویسی ہی صورت حال تھی۔ میں ابھی کمرے کے اندر کا منظر دیکھنے کی کوشش کررہی رہا تھا کہ کانیچ کے سامنے کی طرف سے دھینگا مشتی کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ لگتا تھا جیسے دو آدمی آپس میں بھڑ گئے ہوں۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد فائر کی آواز سنائی دی۔

ان آوازوں سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ وانگ ڈن اور محافظ کا ٹکراؤ ہوگیا تھا لیکن وہ رائفل کے نہیں پستول یا ریوالور کے فائر کی آواز تھی۔

فائر کی آواز کے ساتھ ہی کانیچ کے اندر کھلبلی سی مچ گئی۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ دوسری طرف جاکر وانگ ڈن کی مدد کروں لیکن پھر میں نے دوسرے طریقے سے اس صورت حال کا فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا۔

پستول میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے دستے کی ضرب سے کھڑکی کا شیشہ توڑ دیا اور بڑی پھرتی سے اندر ہاتھ ڈال کر چٹخنی کھول دی اور اس کے ساتھ ہی پردے کو پکڑ کر ایک زوردار جھٹکے سے کھینچ دیا۔

کمرے میں ایک جوان عورت اور ایک آدمی تھا۔ عورت کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ مرد بھی بے لباس تھا جو بڑی عجلت میں پتلون پہننے کی کوشش کررہا تھا۔ پہلے باہر فائر ہوا تھا اور اب میں نے کھڑکی توڑ دی تھی۔ عورت کے منہ سے چیخ نکل گئی اور وہ بھی کرسی پر پڑے ہوئے کپڑوں کی طرف دوڑی تھی۔

فانگ پھن کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ فانگ پھن ہی تھا۔ اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا اور میز پر پڑے ہوئے ریوالور کی طرف لپکا۔ میں نے پستول والا ہاتھ آگے بڑھا کر فائر کردیا۔ گولی فانگ پھن کے پیروں کے قریب قالین پر لگی اور وہ ایک جھٹکے سے رک گیا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر کھڑکی کی چوکھٹ پر چڑھ گیا۔

"اوہ تم!" فانگ پھن نے مجھے پہچان لیا "تمہاری موت یہاں تمہیں یہاں لے کر آئی ہے۔"

"یہ تو آنے والے لمحات ہی بتائیں گے کہ موت کس کی آئی ہے۔" میں نے کہا اور کھڑکی کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر اچانک ہی چھلانگ لگا دی۔

فانگ پھن نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے۔ وہ غالباً مجھے ہاتھوں پر روکنا چاہتا تھا لیکن میرا چھلانگ لگانے کا انداز کچھ مختلف تھا۔ میں نے بائیں ٹانگ اندر کی طرف موڑ رکھی تھی جبکہ دائیں ٹانگ بالکل سیدھی آگے کو نکلی ہوئی تھی۔ میں نے چھلانگ پوری قوت سے لگائی تھی۔ فانگ پھن کسی صورت میں بھی مجھے نہیں روک سکتا تھا۔ میری فلائنگ کک پوری قوت سے اس کے کندھے پر لگی۔ اس کے منہ سے "اونہہ" کی سی آواز نکلی اور وہ لڑکھڑاتا ہوا اس لڑکی سے ٹکرا گیا جو کپڑے پہننے کی کوشش کررہی تھی۔ اس کے منہ سے خوف زدہ سی چیخ نکلی اور وہ دونوں صوفے پر گرے اور صوفہ پیچھے کی طرف الٹ گیا۔

فانگ پھن کو کک لگاتے ہی میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش بھی کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا اور شیشے کے ٹاپ والی اس میز پر گرا جو کمرے کے وسط میں پڑی تھی۔ میز پر شراب کی بوتلیں اور دو گلاس بھی رکھے ہوئے تھے۔

چھناکے کی آواز سے میز کا شیشہ ٹوٹ گیا اور میں میز کے اندر اس طرح گرا کہ میری ٹانگیں اوپر تھیں اور سر بھی شیشہ ٹوٹنے کے بعد میز کے اندرونی کنارے سے ٹکرایا تھا۔ ایک لمحے کو میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا لیکن میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ غفلت کا نتیجہ صرف موت ہی کی صورت میں نکل سکتا تھا۔

شراب کی ایک بوتل میری گود میں گری تھی جس میں سے بچنے والی شراب آگے سے میری جینز کو تر کررہی تھی۔ شراب کی بو نتھنوں میں گھسی جارہی تھی۔ میں نے بوتل اٹھا کر ایک طرف پھینک دی اور ٹوٹی ہوئی میز سے باہر نکل آیا۔ بائیں کہنی کے قریب شیشہ لگنے سے کھال کٹ گئی تھی جس سے خون رسنے لگا تھا۔ کولھے پر بھی چوٹ لگی تھی لیکن یہ تکالیف قابل برداشت تھیں۔

پستول میرے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا۔ میں پستول اٹھانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ فانگ پھن گرے ہوئے صوفے کے پیچھے سے نکل آیا۔ میں پستول کا خیال چھوڑ کر سیدھا ہورہا تھا کہ فانگ پھن نے چھلانگ لگا دی۔ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کے

باوجود اس کی کک میرے بائیں بازو پر لگی اور میں کھڑے کھڑے چکرا گیا۔

فانگ پھن نے جس انداز سے کک لگائی تھی اس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ مارشل آرٹس کا ماہر تھا۔ اس سے مقابلہ کرنے میں مزہ تو آتا لیکن مجھے محتاط رہنے کی ضرورت بھی تھی۔

باہر سے تو اٹھا پٹخ کی آواز سنائی دے ہی رہی تھی لیکن دوسرے کمرے سے بھی کسی عورت کے چیخنے اور دھینگا مشتی کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ غالباً وانگ ڈن کا کوئی آدمی وہاں پہنچ گیا تھا۔

فانگ پھن میرے سامنے اسٹانس میں کھڑا تھا۔ جبکہ صوفے کے پیچھے تھر تھر کانپتی ہوئی وہ عورت ایک بار پھر لباس پہننے کی کوشش کررہی تھی۔ فانگ پھن نے جھانسا دے کر سائیڈ کک لگانے کی کوشش کی جسے میں نے کلائی پر روکا اور پھر وہ پے در پے سائیڈ کِکس لگاتا رہا۔ میں نے اس کی ہر کک کلائیوں پر روکی تھی۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس نے مجھے حملہ کرنے کا موقع نہیں دیا اور یہ بڑی اچھی ٹیکنیک تھی کہ حریف کو اس طرح الجھائے رکھا جائے اور موقع پاتے ہی کاری ضرب لگا دی جائے۔ میں اس ٹیکنیک کو سمجھ گیا تھا۔ میں اسے کوئی زوردار حملہ کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی ایسا موقع تلاش کرتا، مجھے ایک موقع مل گیا۔ میں دونوں پیروں پر اچھلا۔ اس کا خیال تھا کہ میں فلائنگ کک لگانے جارہا ہوں لیکن میں نے اسے کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر ایک پیر زمین پر ٹکا دیا اور دوسرے پیر سے زوردار راؤنڈ ہاؤس کک لگا دی۔ اس کا بایاں بازو اوپر کو اٹھا ہوا تھا۔ میری کک اس کی بغل میں لگی۔ وہ اس طرح اچھلا جیسے فٹ بال کو کک لگائی گئی ہو۔ میں نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ایک اور فرنٹ کک لگا دی۔ یہ کک اس کی ناف سے ذرا نیچے لگی تھی۔ وہ بلبلا اٹھا۔

اسی دوران میں وہ لڑکی پاجامہ پہن چکی تھی۔ بلاؤز الٹا سیدھا پہنتے ہوئے وہ باہر کی طرف دوڑی۔ اس لڑکی سے مجھے کوئی پرخاش نہیں تھی لیکن اس کا باہر نکلنا میرے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ میں اچھل کر اس کے راستے میں آگیا۔ وہ ڈر کر چیختی ہوئی بیڈ پر جا گری۔

باہر سے ایک بار پھر گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ یہ رائفل کا فائر تھا اس کے ساتھ ہی ایک خوفناک چیخ بھی سنائی دی تھی۔ میں ایک لمحے کو اس طرف متوجہ ہوا تھا اور میری اس غفلت سے فانگ پھن نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس نے کھڑی ہتھیلی کا وار کیا۔ یہ بریکنگ ٹیکنیک کا اسٹرائیک تھا۔ اس سے چھ انچ موٹی کنکریٹ کی سلیب توڑی جاسکتی تھی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میں نے اس کے ہاتھ کو نیچے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں بڑی پھرتی سے نیچے جھک گیا تھا۔ اس کا چوپ میرے کندھے پر لگا تو ضرور لیکن ضرب زیادہ شدید ثابت نہیں ہوئی تھی۔ میں اگر نیچے نہ جھکتا تو میرے کندھے کی ہڈی ٹوٹ سکتی تھی۔ نیچے بیٹھتے ہی میں نے دونوں ہتھیلیاں زمین پر ٹکالیں اور ایک ٹانگ آگے پھیلا کر پھرکی کی طرح گھوم گیا۔ یہ ایک خطرناک سوئپ کک تھی۔ اگر میرا پیر فانگ پھن کی ٹانگ کو چھو جاتا تو وہ پشت کے بل گرتا لیکن وہ اپنی جگہ سے اچھل گیا تھا۔ میں نے اسی طرح تین بار سوئپ مار کر اسے گرانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ بہت پھرتیلا ثابت ہوا تھا۔ ہر مرتبہ بچتا رہا۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور فرنٹ کک لگانے کی کوشش کی جسے فانگ پھن نے کلائی پر روکا اور اس کے ساتھ ہی گھوم کر بیک کک لگا دی۔ ضرب میرے سینے پر لگی اور میں لڑکھڑا کر رہ گیا۔

فانگ پھن واقعی مارشل آرٹسٹ تھا۔ اس کے ساتھ مقابلے میں مزہ آرہا تھا اور میرے خیال میں وہ پہلا شخص تھا جو نہ صرف دلیری سے میرا مقابلہ کررہا تھا بلکہ بہترین ٹیکنیک استعمال کرتے ہوئے چند کامیاب وار بھی کیے تھے لیکن اسے مزید موقع دینا میرے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

فانگ پھن دوبارہ حملہ آور ہوا۔ اس مرتبہ اس نے فلائنگ کک لگانے کے لیے چھلانگ لگائی تھی۔ میں اس کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ میں نے اس کے دونوں پیر پکڑ کر اسے ہوا میں اچھال دیا۔ وہ ہوا میں الٹی قلابازی کھاتا ہوا پشت کے بل بھد سے الٹے پڑے صوفے پر گرا۔

فلائنگ کک سے اس طرح بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ہزار میں کوئی ایک مارشل آرٹسٹ ہی اپنا دفاع کرسکتا ہے۔ میں نے فلائنگ کک سے بچنے کی یہ ٹیکنیک اپنی ٹریننگ کے ابتدائی دنوں میں جنگل والے کیمپ میں ماسٹر ہانگ سو سے سیکھی تھی اور اپنے دفاع کے لیے کئی مرتبہ اسے استعمال کرچکا تھا۔

فانگ پھن صوفے سے اٹھنے کی کوشش کررہا تھا لیکن میں نے اسے موقع نہیں دیا اور اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ بالآخر اسے بھی سنبھلنے کا موقع مل گیا لیکن اس مرتبہ میں نے اسے حملہ کرنے کا موقع نہیں دیا۔

باہر سے اب ایسی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے غدر مچ گیا ہو۔ دو عورتوں کی خوف زدہ چیخوں کے علاوہ اٹھا پٹخ کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ وقت گزرتا جارہا تھا اور مجھے اندیشہ تھا کہ کسی دوسرے کمرے میں موجود چی فانگ کو میرے ساتھیوں پر قابو پانے کا موقع نہ مل جائے۔ اس طرح بازی پلٹ سکتی تھی اس لیے میں اب جلد سے جلد فانگ پھن سے معاملہ طے کرلینا چاہتا تھا۔

فانگ پھن سے لڑائی میں اس مرتبہ میں اس لڑکی کو بھول گیا تھا جو بیڈ پر پڑی ہوئی تھی۔ اس دوران میں اس لڑکی کو موقع مل گیا۔ وہ بیڈ سے اٹھی اور جھپٹ کر بیڈ سائیڈ ٹیبل سے فانگ پھن کا

ریوالور اٹھا کر فائر کردیا۔ اس نے مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی لیکن گولی میرے سر سے چند انچ اوپر سے گزر گئی۔ میں بڑی تیزی سے پلٹا اور ہوا میں اڑتا ہوا بیڈ پر جا گرا۔ اس لڑکی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ میرا ایک ہاتھ اس کے ریوالور والے ہاتھ پر پڑا تھا۔ جھٹکا لگتے ہی ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا۔ میرا ہاتھ دوسری مرتبہ حرکت میں آیا۔ لڑکی کے منہ پر پڑنے والا تھپڑ اس قدر زور دار تھا کہ وہ ذبح ہوتی ہوئی بکری کی طرح بلبلا اٹھی۔ اس کے منہ سے خون بہہ نکلا تھا۔

میں سنبھلنے کی کوشش کررہا تھا کہ فانگ پھن نے چھلانگ لگا دی۔ میں اس کے نیچے دب گیا۔ اتنی دیر کی لڑائی کے دوران میں وہ بری طرح جھنجلا گیا تھا اور اب وہ مارشل آرٹس کے قواعد وضوابط اور تمام ٹیکنیکس کو بھول کر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے میرا گلا دبوچ لیا اور انگوٹھوں سے میرا نرخرا دبانے لگا۔

مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ میں نے دونوں ہاتھ اس کی کلائیوں پر جما دیے اور گرفت چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی گرفت بڑی مضبوط تھی۔ وہ مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے پوری قوت استعمال کررہا تھا۔ اس کے چہرے اور آنکھوں سے جنون ٹپک رہا تھا۔

اس لڑکی کی ٹانگیں میرے کندھوں کے نیچے دبی ہوئی تھیں اور وہ بھی اپنے آپ کو میرے نیچے سے نکالنے کی کوشش کررہی تھی۔ اس نے ایک زوردار جھٹکے سے اپنی ٹانگوں کو گھمایا تو مجھے بھی ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ میرے گلے پر فانگ پھن کی گرفت ڈھیلی پڑگئی۔ میں نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ اپنی گردن سے ہٹا دیے۔ اس کی دونوں کلائیاں پکڑ کر اس کے سینے سے لگا دیں اور بازوؤں کی قوت سے اسے اوپر اٹھانے کے ساتھ ساتھ میں نے دونوں پیر بھی سمیٹ کر اس کے پیٹ پر جما دیے اور اس طرح میں اسے سیدھا اوپر کی طرف اٹھاتا چلا گیا۔

میں نے فانگ پھن کو اپنے جسم سے تقریباً ایک فٹ اوپر اٹھا لیا اور پھر پوری قوت سے اسے اچھال دیا۔ وہ ہوا میں تیرتا ہوا ٹوٹی ہوئی میز پر گرا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی خوفناک چیخ بھی کمرے میں گونج گئی تھی۔

اپنے آپ کو فانگ پھن کی گرفت سے چھڑانے اور اسے اچھالنے میں مجھے دانتوں پسینہ آگیا۔ اس کی چیخ سنتے ہی میں ایک جھٹکے سے اٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی میری آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی۔

کمرے کے وسط میں پڑی ہوئی ٹیبل کا شیشہ میرے گرنے کی وجہ سے پہلے ہی ٹوٹ چکا تھا۔ فانگ پھن پیٹ کے بل اس میز پر گرا تھا۔ اس کے بوجھ سے میز کا چوکھٹا ایک طرف سے ٹوٹ گیا اور سامنے کی طرف چوکھٹے میں پھنسا ہوا نوکدار شیشہ اس کے حلقوم میں پیوست ہوگیا اور خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ فانگ پھن بری طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کے اس طرح تڑپنے سے شیشے کی دھار سے اس کے نرخرے کو کچھ اور بھی ادھیڑ ڈالا۔

میں نے اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ وحشت تھی۔ میں نے جھک کر فانگ پھن کو کندھوں سے پکڑ لیا اور پیچھے کھینچنے لگا مگر اس کا جسم میز کے ٹوٹے ہوئے چوکھٹے میں پھنس کر رہ گیا تھا۔

لڑکی چیختی ہوئی دروازے کی طرف دوڑی۔ میں نے فانگ پھن کو چھوڑ دیا اور لڑکی کے پیچھے لپکا۔ دروازے کے قریب میں نے اسے پکڑ لیا لیکن وہ مچھلی کی طرح میرے ہاتھوں سے پھسل گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے دوڑا۔

لڑکی باہر نکلتے ہی کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گری تھی۔ اس کے منہ سے ایک بار پھر چیخ نکل گئی۔ میں بھی اس چیز سے ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچا تھا۔

وہ اس گن مین کی لاش تھی جسے میں نے کانیچ کے عقب میں کھڑکی کے قریب دیکھا تھا۔ وہ غالباً وانگ ڈن کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

برآمدے کی دائیں طرف کچھ فاصلے پر دھینگا مشتی کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں اس طرف لپکا۔ برآمدے کے بلب کی مدھم سی روشنی وہاں تک پہنچ رہی تھی۔ چی فانگ اور ایک اور آدمی وانگ ڈن کی ٹھکائی کررہے تھے۔ بری طرح پٹنے کے باوجود وانگ ڈن ان کی گرفت میں نہیں آرہا تھا۔

میں دوڑتا ہوا قریب پہنچ کر فضا میں اچھلا۔ میں چی فانگ پر فلائنگ کک لگانا چاہتا تھا۔ چی فانگ نے میرے ارادے کو بھانپ لیا تھا۔ وہ بھی فضا میں اچھل گیا۔ ہم دونوں نے بیک وقت فلائنگ کک لگائی تھی جس کے نتیجے میں ہم دونوں کے پیر آپس میں ٹکرا گئے اور دونوں ہی جھٹکا کھا کر ایک دوسرے سے دور جا گرے۔ اس سے پہلے کہ میں سنبھل پاتا، چی فانگ نے اٹھ کر ایک طرف دوڑ لگا دی۔ میں بھی اس کے پیچھے لپکا مگر وہ تاریکی میں درختوں کے پیچھے اوجھل ہوگیا۔ میں اس کے قدموں کی آواز پر اس کے پیچھے دوڑتا رہا اور پھر اس کے قدموں کی آواز بھی معدوم ہوگئی۔ میں تاریکی میں کھڑا ادھر ادھر گھورتا رہا لیکن نہ ہی چی فانگ کے قدموں کی آواز سنائی دی اور نہ ہی وہ نظر آیا۔

اور پھر کار کا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ میں نے اس طرف دوڑ لگا دی۔ میں اس مسطح جگہ پر پہنچ گیا جہاں دو کاریں کھڑی تھیں۔ ایک کار کی ... ہیڈ لائٹس روشن ہوگئیں۔ وہ بڑی تیزی سے میری طرف لپکی۔ میں اگر اچھل کر ایک طرف نہ ہٹ جاتا تو کچلا جاتا۔ کار چکر کاٹتی ہوئی نشیب کی طرف جانے والے راستے پر مڑ گئی اور بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی طرح دوڑتی ہوئی دور ہوتی چلی گئی۔ میں اس کی عقبی سرخ بتیاں دیکھتا رہ گیا۔ قریب ہی دوسری کار کھڑی تھی لیکن میری مجبوری یہ تھی کہ ڈرائیونگ نہیں جانتا تھا۔ میں گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ چی فانگ ایک بار پھر میرے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔

میں کانیچ کی طرف آگیا جہاں وانگ ڈن دوسرے شخص کی پٹائی کررہا تھا۔ میں نے بھی اسے دو چار ٹھوکریں رسید کردیں اور اسے گھسیٹتے ہوئے کانیچ کے برآمدے میں لے آئے۔

ایک کمرے میں نیم عریاں لباس میں دو جوان اور خوب صورت لڑکیاں ایک دوسرے سے لپٹی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ خوف سے ان کے چہرے بالکل سفید ہورہے تھے۔ وہ تیسری لڑکی نظر نہیں آئی جو فانگ پھن والے کمرے سے بھاگی تھی۔ میں اس کمرے سے باہر آگیا۔ وانگ ڈن برآمدے میں اس شخص کو رسی سے باندھ رہا تھا۔

"وہ تیسری لڑکی کہاں گئی اور تمہارے دونوں ساتھی کہاں ہیں؟" میں نے وانگ ڈن سے پوچھا۔

"میرا ایک آدمی تو اس لڑکی کے پیچھے گیا ہے جو اس طرف بھاگی ہے۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا اور پھر بولا "اور میرا دوسرا آدمی..." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور مجھے اشارہ کرتے ہوئے ایک کمرے میں گھس گیا۔

کمرے میں اجنبی کا سماں تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں اچھی خاصی دھینگا مشتی ہوئی تھی اور دائیں طرف وانگ ڈن کے اس آدمی کی لاش پڑی ہوئی تھی جو شہر سے ہمارے ساتھ آیا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور چہرے پر کرب واذیت کے تاثرات جیسے منجمد ہو کر رہ گئے تھے۔ اس کی گردن کی ہڈی توڑ دی گئی تھی۔

"یہ شخص چی فانگ کی قوت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکا تھا اور..."

وانگ ڈن جملہ مکمل نہیں کرسکا۔ باہر سے ایک خوفناک نسوانی چیخ سنائی دی جو بتدریج سناٹے میں ڈوبتی چلی گئی۔

دو منٹ بعد وانگ ڈن کا آدمی بھی واپس آگیا۔ اس نے وانگ ڈن سے تبائلی زبان میں کچھ کہا اور وانگ ڈن مجھے اس کا مطلب سمجھانے لگا۔

"وہ لڑکی جو یہاں سے بھاگی تھی اس طرف گہرے کھڈ میں گر گئی ہے۔ وہ چیخ اسی کی تھی۔ میرا خیال ہے وہ زندہ نہیں بچی ہوگی۔"

صورت حال بڑی سنگین تھی۔ یہاں تین لاشیں پڑی تھیں۔ ایک فانگ پھن کی دوسری ان کے گن مین کی اور تیسری وانگ ڈن کے ساتھی کی۔ ایک آدمی اور دو عورتیں زندہ تھے۔ یہ طوائفیں تھیں جنہیں چی فانگ وغیرہ کا دل بہلانے کے لیے لایا گیا تھا۔ انہیں لانے والا وہی آدمی تھا جو برآمدے میں بندھا ہوا تھا۔ تیسری لڑکی جان بچانے کے لیے بھاگ گئی تھی اور تاریکی میں کسی کھڈ میں گر کر غالباً وہ بھی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔

وانگ ڈن نے ان دونوں لڑکیوں کو بھی باندھ کر کمرے میں ڈال دیا جبکہ اس آدمی کو برآمدے میں پڑا رہنے دیا گیا۔ وانگ ڈن نے اپنے ساتھی کی لاش اٹھا کر اس کار میں ڈال دی جو کانیچ کے سامنے کھڑی تھی۔

اپنی جیپ کے قریب پہنچ کر لاش کو جیپ میں ڈال دیا گیا۔ وانگ ڈن اس کار کو چلاتا ہوا بلندی پر لے گیا۔ دوسری طرف گہرا کھڈ تھا۔ اس نے کار سے چھلانگ لگا دی۔ کار چٹان کی دوسری طرف لڑھکتی چلی گئی اور پھر زوردار دھماکا سنائی دیا۔

ہم جیپ میں بیٹھ گئے۔ وانگ ڈن نے جیپ کا رخ موڑا۔ ہیڈ لائٹس روشن کیں اور اسے تیز رفتاری سے مین روڈ کی طرف دوڑا دیا۔

○☆○

وانگ ڈن مجھے مین روڈ پر چھوڑنے کے بعد اپنے ساتھی کی لاش رات ہی کو شہر سے کئی میل دور ایک چھوٹی سی قبائلی بستی کی طرف لے گیا تھا۔ تھالوب کا قبیلہ کیرن اگرچہ بری سرحد کے قریب مائے سائے نامی قصبے اور اس کے اطراف میں آباد تھا لیکن اس قبیلے کے کئی چھوٹے چھوٹے گروہ مختلف علاقوں میں بھی پھیلے ہوئے تھے۔ چیانگ سائیں میں بھی کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں اور چی فانگ کے ہاتھوں مرنے والے کا تعلق چند گھروں پر مشتمل ایسی ہی ایک چھوٹی سی بستی سے تھا۔ وانگ ڈن کی اپنی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ لڑائی میں اس کی بھی خوب پٹائی ہوئی تھی لیکن وہ کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتا تھا کہ فانگ پھن کے گروہ کے آدمی یا پولیس ہمارے کانیچ کی طرف متوجہ ہوسکے اس لیے وہ مجھے مین روڈ پر ہی اتار کر جیپ کو سیدھا نواحی علاقے کی طرف نکال لے گیا تھا۔

حالت تو میری بھی اچھی نہیں تھی۔ فانگ پھن ہم پلہ دشمن ثابت ہوا تھا۔ اس کی عمر پینتیس کے لگ بھگ تھی۔ اس میں طاقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور وہ اس طاقت کو استعمال کرنا بھی جانتا تھا۔ اس سے مقابلے میں مجھے دانتوں پسینہ آگیا تھا اگر ٹوٹی ہوئی میز پر گرنے سے شیشہ اس کے حلق میں نہ بھی پیوست ہوتا تو میں اسے پچھاڑ دیتا۔ کیونکہ میں نے محسوس کرلیا تھا کہ اس پر تھکن اور جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی تھی اور جب لڑائی میں کسی پر تھکن اور جھنجلاہٹ سوار ہوجائے تو وہ زیادہ دیر تک مقابلہ جاری نہیں رکھ سکتا۔

میرا اصل ٹارگٹ تو چی فانگ تھا لیکن اتفاق سے وہاں فانگ پھن بھی موجود تھا۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک زندہ ہاتھ آجاتا تو میں اس سے بہت سی معلومات حاصل کرسکتا تھا لیکن چی فانگ حسب عادت جان بچا کر فرار ہوگیا تھا اور فانگ پھن اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ میں اس حقیقت سے بھی اچھی طرح واقف تھا کہ فانگ پھن کی موت کا انکشاف ہوتے ہی یہاں ایک طوفان

اٹھ کھڑا ہوگا۔ فانگ پھن گولڈن ٹرائی اینگل کے بے تاج بادشاہ جنرل کھوراٹ کا آدمی تھا۔ ان کا ایک اور آدمی شانگ پہلے ہی میرے ہاتھوں مارا جاچکا تھا اور اب میرے ہی ہاتھوں فانگ پھن کی موت پر وہ لوگ خاموش نہیں بیٹھیں گے اور جب بازی بہت بڑی ہو تو کسی کے خاموش رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

لڑائی کے دوران میں شیشے کے ٹاپ والی میز پر گرنے سے میرے بائیں بازو پر کہنی کے قریب سے کھال کٹ گئی تھی۔ اس وقت گرم جوشی میں تو کچھ زیادہ احساس نہیں ہوا تھا لیکن اب تکلیف بڑھ گئی تھی۔ زخم اگرچہ بہت معمولی سا تھا لیکن آپ جانتے ہیں کہ چھوٹے زخم زیادہ تکلیف دیتے ہیں۔ کندھے کی ہڈی میں بھی تکلیف ہو رہی تھی۔

میری یہ حالت دیکھ کر لوما فوراً ہی میڈیکل کٹ نکال لایا تھا۔ جانکی نے میری شرٹ اتار دی۔ پہلے گرم پانی سے کہنی کا زخم صاف کرکے ڈریسنگ کردی اور پھر ٹیالے سے رنگ کی ایک کریم سے میرے کندھے پر مالش کرنے لگی۔ لوما نے بتایا تھا کہ یہ کریم جڑی بوٹیوں سے تیار کی گئی ہے اور اندرونی چوٹوں کے لیے اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔

جانکی میرے کندھے پر مالش کررہی تھی اور مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ تھائی نے بھی کئی مرتبہ اس طرح میری مالش کی تھی لیکن میں نے کبھی ایسی کوئی بات محسوس نہیں کی تھی لیکن جانکی کے گداز ہاتھوں کا لمس میرے پورے بدن میں سنسنی سی پھیلا رہا تھا۔ دماغ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ جانکی نے بھی شاید میری اس کیفیت کو محسوس کرلیا تھا۔ وہ کچھ زیادہ ہی پھیلنے لگی۔ کندھے پر مالش کرتے ہوئے وہ میرے اوپر جھکی جارہی تھی پھر مجھے اپنی گردن پر دائیں طرف انگارا سا چبھتا ہوا محسوس ہوا۔

جانکی کے سلگتے ہوئے ہونٹ میری گردن کو چھو رہے تھے۔ میں ایک دم جیسے ہوش میں آگیا اور ایک جھٹکے سے سیدھا ہوگیا۔ جانکی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔

"اگر میرے کندھے کی مالش ہوچکی ہو تو میں شرٹ پہن لوں؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"پہن لو۔" یہ کہتے ہوئے جانکی کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا تھا۔

میں نے شرٹ پہنی اور کندھے کو آہستہ آہستہ حرکت دینے لگا۔ اس وقت رات کا ڈیڑھ بج چکا تھا۔ لوما نے شاید صورت حال کا کسی حد تک اندازہ لگالیا تھا اس لیے وہ سب مشین گن سنبھالے ایک کرسی پر چوکس بیٹھا ہوا تھا۔ کسی گڑبڑ کا شبہ مجھے بھی تھا۔ وانگ ڈن، تھالوب کا آدمی تھا اور تھالوب اس علاقے کی معروف شخصیت تھا۔ لوگ نہ صرف ایسی شخصیات کو اچھی طرح جانتے ہیں بلکہ ان کے خاص ملازمین کو بھی جانتے اور پہچانتے ہیں۔ فانگ پھن بھی وانگ ڈن کو جانتا ہوگا لیکن فانگ پھن ختم ہوچکا تھا۔ فانگ یہ نہیں جانتا تھا۔ محافظ بھی مارا گیا تھا لیکن دو طوائفیں اور ایک آدمی کو ہم نے باندھ کر وہیں چھوڑ دیا تھا۔ مجھے وانگ ڈن ہی نے بتایا تھا کہ وہ آدمی ایک چھوٹے سے ہوٹل کا مالک ہے جو عیاش لوگوں کو لڑکیوں کی سپلائی کا مکروہ دھندا بھی کرتا ہے۔ وہ شخص یقیناً وانگ ڈن کو پہچانتا ہوگا اور ہوسکتا ہے ان لڑکیوں میں سے بھی کوئی اسے جانتی ہو۔ ایسی صورت میں یہ راز فاش ہوسکتا تھا کہ حملہ آوروں میں وانگ ڈن بھی تھا اور اس طرح یہ کیس پولیس یا فانگ پھن کے آدمیوں کی توجہ کا مرکز بن سکتا تھا لیکن مجھے یہ اطمینان تھا کہ کم از کم رات میں کچھ نہیں ہوگا۔ جو کچھ بھی ہوگا صبح ہی ہوگا لیکن احتیاط کا دامن بہرحال ہاتھ سے نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔

رات خیریت سے گزر گئی۔ دن چڑھنے سے ذرا پہلے میں صوفے پر بیٹھے بیٹھے اونگھ گیا۔ مجھے نہ تو جانکی نے جگایا اور نہ ہی لوما نے۔ میں بے خبر سوتا رہا اور پھر کسی قسم کی خراہٹ کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی۔

وہ دراصل وانگ ڈن کی جیب کے انجن کی آواز تھی جو ابھی ابھی کاٹیج کے سامنے آکر رکی تھی۔ میں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا۔ دن کے گیارہ بجنے والے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وانگ ڈن اندر داخل ہوا۔ میں اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا اور منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے لگا۔ بائیں بازو کو حرکت دیتے ہوئے کندھے میں معمولی سی تکلیف ہو رہی تھی۔

میں ہال میں واپس آیا تو وانگ ڈن کرسی پر بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ لوما نے چائے کا ایک کپ میرے سامنے بھی رکھ دیا۔ جانکی اس وقت کمرے میں نہ تھی۔

وانگ ڈن بتا رہا تھا کہ وہ اپنے ساتھی کی لاش لے کر رات کے آخری پہر قبائلی بستی میں پہنچ گیا تھا۔ صبح سویرے اس کی تدفین بھی ہوگئی۔ اس کے بعد بھی اسے کچھ دیر وہاں رکنا پڑا تھا۔ میں نے مناسب الفاظ میں قبائلی شخص کی موت پر افسوس کا اظہار کیا اور اس کے بعد وانگ ڈن اصل موضوع پر آگیا۔

"میں صبح نو بجے شہر پہنچ گیا تھا اور اس وقت تمہارے لیے دو اہم خبریں ہیں۔" وہ کہہ رہا تھا "پہلی خبر تو یہ ہے کہ فانگ پھن کے قتل کی خبر نے پورے شہر میں خوف و ہراس پھیلا دیا ہے۔ کاٹیج سے پولیس کو اس کے گن مین اور اس آدمی کی لاش بھی ملی ہے جسے ہم نے باندھ کر برآمدے میں ڈال دیا تھا۔ کاٹیج سے کچھ دور ایک گہرے کھڈ سے اس لڑکی کی لاش بھی مل گئی جو جان بچانے کے لیے بھاگی تھی لیکن وہ دو لڑکیاں غائب ہیں جنہیں باندھ کر کمرے میں ڈال دیا گیا تھا۔"

میرے لیے یہ اطلاع واقعی حیران کن تھی۔ وہ لڑکیاں کہاں غائب ہوگئیں اور اس آدمی کو کس نے ہلاک کیا تھا۔

"جس آدمی کو ہم نے باندھ کر ڈالا تھا وہ خوف اور سردی سے غضہ کر مرا ہے۔ اسے ابھی خاصی مار بھی لگائی گئی تھی۔ ہوسکتا ہے کوئی اندرونی چوٹ بھی اس کی موت کا باعث بنی ہو۔ اس کی لاش تو ویسے ہی بندھی ہوئی ملی ہے لیکن مجھے حیرت ہے' وہ دونوں لڑکیاں کہاں غائب ہوگئیں۔"

"ہوسکتا ہے کسی لڑکی کو باندھنے میں رسی کی کوئی گرہ ڈھیلی رہ گئی ہو اور وہ اپنی بند مٹھیں کھولنے میں کامیاب ہوگئی ہو اور اس نے دوسری لڑکی کو بھی کھول دیا ہو۔" میں نے کہا۔

"ہوسکتا ہے۔" وانگ ڈن بولا "لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ وہ غائب کہاں ہوگئیں۔ مجھے شبہ ہے کہ یا تو صبح سویرے وہاں کوئی آیا تھا جو ان عورتوں کو چھڑا کر لے گیا یا پھر تمہاری بات درست ہوسکتی ہے کہ انہوں نے کسی طرح اپنی بند مٹھیں کھول لی تھیں اور جان کے خوف سے کہیں روپوش ہوگئی ہیں۔ پولیس کو اس کاٹیج میں خواتین کے لباس کے کچھ حصے بھی ملے ہیں جس سے پولیس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ رات کو یہاں خواتین کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ ان میں یا تو آپس میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا یا باہر سے کوئی اس کاٹیج پر حملہ آور ہوا۔ بہرحال' پولیس بھی ان عورتوں کی تلاش میں ہے۔ پولیس نے اس کاٹیج اور اس کے آس پاس کے علاقے کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "فانگ پھن گولڈن ٹرائی اینگل کے حوالے سے اس علاقے میں بہت بڑا نام ہے۔ علاقے کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ وہ کون تھا۔ اس کے قتل کی اطلاع صبح ہی شہر پہنچ گئی تھی اور پورے شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا ہے۔ شہر کی بیشتر دکانیں بند ہیں کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ سین فونگ اور جنرل کھوراٹ اس قتل پر خاموش نہیں بیٹھیں گے اور ہنگامہ ضرور ہوگا۔"

"اور دوسری خبر؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"چی فانگ گزشتہ رات جس کار میں فرار ہوا تھا وہ شمال میں گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف جانے والی سڑک سے ذرا ہٹ کر ایک کھڈ میں پڑی ہوئی ملی ہے۔" وانگ ڈن نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "گزشتہ رات میں اپنے دوسرے آدمی کو شہر میں ہی چھوڑ گیا تھا اور اسے ہدایت کردی تھی کہ دوسرے آدمیوں کو ساتھ لے کر چی فانگ کو تلاش کریں۔ مجھے شبہ تھا کہ وہ گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف فرار ہونے کی کوشش کرے گا اس لیے میں نے اپنے آدمیوں کو اس طرف زیادہ توجہ دینے کی ہدایت کی تھی۔"

"وہ گاڑی کسی اور کی بھی ہوسکتی ہے۔" میں نے پوچھا "یہ یقین کرلیا گیا کہ وہ چی فانگ ہی کی گاڑی تھی؟"

"وہ گاڑی دراصل فانگ پھن کی ہے اور سب ہی لوگ اسے پہچانتے ہیں۔" وانگ ڈن نے کہا "اس گاڑی کا کھڈ میں گرنا کسی حادثے کا نتیجہ نہیں ہوسکتا۔ کار اگرچہ مکمل طور پر تباہ ہوچکی ہے لیکن کار کے اندر یا اس کے آس پاس کہیں بھی خون کے دھبے یا ایسے نشان نہیں ملے جس سے ثابت ہو کہ کار میں کوئی موجود تھا۔ اس کا ایک ہی مطلب ہوسکتا ہے کہ ہمیں یا پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لیے کار کو کھڈ میں دھکیل دیا گیا تھا۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ چی فانگ اس کار کو کھڈ میں دھکیل کر گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف فرار ہوچکا ہے۔ ویسے یہ بدنام زمانہ سنہری نگوں یہاں سے کتنی دور ہے؟" میں نے پوچھا۔

"صرف نو کلو میٹر!" وانگ ڈن نے جواب دیا "یہاں سے تقریباً چار کلو میٹر آگے ایک دوراہا ہے جہاں سے ایک راستہ گولڈن ٹرائی اینگل اور دوسرا مائے سائے کی طرف جاتا ہے۔ اس دوراہے سے مائے سائے بھی تقریباً اتنا ہی ہے جتنا گولڈن ٹرائی اینگل۔ ویسے اوپر جاکر مائے سائے کی سرحد بھی سنہری نگوں سے ملتی ہے اور اس طرف کا سارا علاقہ سردار تھالوب کی راجدھانی میں شامل ہے۔ اس کے قبیلے کے لوگ چھوٹی چھوٹی بستیوں کی صورت میں چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔"

"تو تمہارے خیال میں چی فانگ کسی جگہ سے بھی گولڈن ٹرائی اینگل میں داخل ہوسکتا ہے۔" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ ایسی حماقت نہیں کرے گا۔" وانگ ڈن نے جواب دیا "یہ بڑا خطرناک علاقہ ہے۔ جنرل کھوراٹ کے آدمیوں نے جگہ جگہ خفیہ ٹھکانے بنا رکھے ہیں جہاں سے وہ ان راستوں کی نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح اکیلے سنہری نگوں میں داخل ہونے کی کوشش کرنے والوں کو گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔ ان کے اپنے آدمیوں کی آمدورفت کے لیے چند خفیہ راستے مخصوص ہیں اور ان راستوں کی بھی نگرانی ہوتی ہے۔ کوئی اجنبی ان خفیہ راستوں کو تلاش نہیں کرسکتا۔"

"ایسی صورت حال میں ایک شبہ ذہن میں ابھرتا ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "ہوسکتا ہے چیانگ سائی سے آگے ان کا کوئی خفیہ ٹھکانا بھی ہو جس کے بارے میں فانگ پھن نے چی فانگ کو بتایا ہو اور چی فانگ اسی طرف گیا ہو۔"

"مجھے بھی یہی شبہ ہے۔" وانگ ڈن نے کہا "بہرحال' میرے آدمی تلاش میں ہیں۔ جیسے ہی پتا چلا وہ فوراً اطلاع دیں گے۔"

"تمہارے خیال میں فانگ پھن کے قتل کی خبر گولڈن ٹرائی اینگل پہنچ گئی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"یقیناً۔" وانگ ڈن نے کہا "لیکن ابھی تک اس طرف سے کسی ردعمل کا اشارہ نہیں ملا۔ تاہم یہاں کی پولیس بڑی سرگرم نظر آرہی ہے۔"

آتش فشاں 148 حصہ 2

"تم پر کوئی شبہ نہیں ہو سکتا؟" میں نے پوچھا "تھالوب کے ساتھ ہونے کی وجہ سے تم ایسے آدمی ہو جسے اس مختصر سے شہر کا ہر شخص جانتا ہوگا۔ وہ دو عورتیں جو کسی طرح وہاں سے فرار ہو چکی ہیں تمہیں شناخت کر سکتی ہیں۔"

"وہ ایک ہی رات میں اتنا خون خرابا دیکھ چکی ہیں کہ اگر مجھے پہچانتی بھی ہیں تو اپنی جان کے خوف سے زبان نہیں کھولیں گی۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ وہ پولیس کے ہاتھ نہیں آئیں گی۔ ہو سکتا ہے وہ دونوں اب تک یہاں سے بہت دور کسی قبائلی بستی میں پناہ لے چکی ہوں۔ ان پہاڑوں میں قبائلیوں کی چھوٹی چھوٹی لاتعداد بستیاں ہیں اور ان بستیوں میں کسی کو تلاش کر لینا آسان نہیں ہوگا اور پھر کسی قبائلی بستی کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے پہلے پولیس کو بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے۔" وانگ ڈن اٹھ کر کھڑا ہو گیا "میں اب چلتا ہوں۔ کوئی اہم بات معلوم ہوئی تو فون کر دوں گا۔" وانگ ڈن چلا گیا۔

اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ میرے ہاتھوں فانگ پھن کے قتل کے بعد صورت حال بہت زیادہ سنگین ہو سکتی تھی۔ فانگ پھن اگرچہ نچلی سطح کا آدمی تھا لیکن وہ اپنے گروہ کے لیے بہت زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ شنشاہ کے خلاف سازش کے حوالے سے جو اعلیٰ سطح کی خفیہ میٹنگ ہونے والی تھی اس کے لیے بھی یہ شخص نہایت اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ شانگ کے ذریعے دارا وغیرہ سے رابطہ کرنے والا بھی یہی شخص تھا اور یہی ان لوگوں کو اس خفیہ مقام پر لے جانے والا تھا جہاں میٹنگ ہونے والی تھی لیکن وہ میرے ہاتھوں بلکہ ٹوٹی ہوئی میز کے خوف ناک جبڑوں میں پھنس کر مارا گیا تھا۔ اس کی موت سے ان کے منصوبے میں گڑبڑ ہو سکتی تھی۔ اس سے پہلے شانگ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس طرح میں ان کے لیے موسٹ وانٹیڈ آدمی بن گیا تھا۔ اب ان کی تمام تر توجہ میری طرف ہوگی اور میری تلاش میں وہ زمین کو تہ و بالا کر دیں گے۔

وانگ ڈن کے جانے کے بعد جانگی بھی اپنے کمرے سے آ گئی تھی اور ہم دونوں دیر تک اس صورت حال پر بحث کرتے رہے۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد جانگی نے ایک بار پھر میرے کندھے پر اس کریم سے مالش کر دی۔ وہ کریم واقعی اکسیر تھی۔ پہلی مرتبہ کے استعمال کے بعد ہی میں اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کرنے لگا تھا۔

وانگ ڈن واپس آیا تو رات کے نو بج چکے تھے۔ اس نے ہمارے ساتھ ہی کھانا کھایا اور اس دوران میں دن بھر کی رپورٹ بھی دیتا رہا۔

"فانگ پھن کے قتل پر ابھی گولڈن ٹرائی اینگل سے کسی ردعمل کا اظہار نہیں ہوا لیکن یہاں پولیس نے کئی بے گناہوں کو گرفتار کر لیا ہے اور ان پر تشدد کر کے پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔" وہ بتا رہا تھا "ان دو لڑکیوں کو بھی میرے آدمیوں نے شہر سے تقریباً آٹھ کلو میٹر دور لاہو قبیلے کی ایک چھوٹی سی بستی میں تلاش کر لیا ہے۔ لاہو ہمارا حلیف قبیلہ ہے۔ ان سے اگرچہ کسی قسم کا خطرہ نہیں لیکن ان دونوں لڑکیوں کو اپنے قبیلے کی ایک بستی کی طرف روانہ کر دیا گیا ہے جہاں وہ زیادہ محفوظ رہیں گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "جب میرے آدمی اس بستی میں پہنچے تو وہ لڑکیاں ایک جھونپڑے میں گم صم سی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے چہرے پر خوف نمایاں تھا۔ انہوں نے بستی والوں کو کچھ نہیں بتایا تھا کہ وہ کون ہیں، کہاں سے آئی ہیں اور ان پر کیا بیتی تھی؟ ان کی بازیابی کی اطلاع ملتے ہی میں نے انہیں اپنے قبیلے کی ایک بستی کی طرف بھجوا دیا۔ اب وہ کسی کو کچھ نہیں بتا سکیں گی کہ گزشتہ رات وہ کہاں تھیں اور کیا ہوا تھا۔"

"اور چی فانگ کا کچھ پتا چلا؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"یہی ایک اہم خبر ہے جو میں تمہیں سب سے آخر میں بتانا چاہتا تھا۔" وانگ ڈن نے مسکراتے ہوئے کہا "میرے آدمیوں نے اس کا بھی سراغ لگا لیا ہے۔ وہ یہاں سے تقریباً چھ کلو میٹر دور گھنے جنگل میں ایک کائیو میں چھپا ہوا ہے۔ یہ کائیو بھی سینڈیکیٹ ہی کا ہے اور ظاہر ہے فانگ پھن ہی نے اس کے بارے میں چی فانگ کو بتایا ہوگا یا ممکن ہے وہ کسی وقت اسے وہاں لے بھی گیا ہو۔ اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ چی فانگ نے ہمیں یا پولیس کو غلط راستے پر ڈالنے کے لیے مائے سائے کی طرف جانے والے راستے پر گاڑی کھڈ میں دھکیل دی تھی تاکہ ہم اسے مائے سائے کی طرف تلاش کرتے رہیں جبکہ وہ پہاڑیوں اور جنگل میں طویل چکر کاٹتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔"

"تو پھر کیا پروگرام ہے!" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس وقت جانا مناسب نہیں۔" وانگ ڈن نے جواب دیا "گاڑی سڑک پر چھوڑنے کے بعد کم از کم دو کلو میٹر کا فاصلہ پیدل طے کرنا پڑے گا۔ راستہ بہت خطرناک ہے۔ تاریکی میں نہ صرف بھٹکنے کا اندیشہ ہے بلکہ کوئی حادثہ بھی پیش آ سکتا ہے اس لیے ہم صبح سویرے یہاں سے نکلیں گے۔"

"چی فانگ کے علاوہ وہاں اور کتنے آدمی ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"صرف ایک!" وانگ ڈن نے جواب دیا "وہ اس ہٹ کا نگران ہے اور اکیلا ہی وہاں رہتا ہے۔"

کھانے کے بعد وانگ ڈن کافی دیر تک وہاں بیٹھا رہا پھر سونے کے لیے اپنے کوارٹر میں چلا گیا۔ وہ جاتے ہوئے لوہا کو کچھ ہدایات دے گیا تھا۔

ساڑھے گیارہ بجے کے قریب لوہا بھی چلا گیا۔ جانگی نے دروازہ اندر سے لاک کر دیا اور کھڑکیوں کے سامنے پردے برابر کرنے لگی۔

میں نے ٹیلی فون اپنے قریب رکھ لیا اور ریسیور اٹھا کر چیانگ رائے میں رنگولی کا نمبر ملانے لگا۔ کال فوراً ہی ریسیو کر لی گئی۔ وہ تھائی کی ہی آواز تھی۔ شاید وہ میرے فون کی منتظر ہی بیٹھی تھی۔ میری آواز سنتے ہی اس نے سب سے پہلے میری اور جانگی کی خیریت دریافت کی پھر بولی۔

"سنا ہے وہاں بہت ہنگامہ ہو رہا ہے۔"

"ابھی تو نہیں لیکن آج کل میں زبردست قسم کا ہنگامہ ہونے والا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن یہاں تو یہ خبر گردش کر رہی ہے کہ فانگ پھن تمہارے ہاتھوں مارا گیا ہے۔" تھائی نے کہا۔

"ہاں۔ یہ درست ہے۔ گزشتہ رات فانگ پھن میرے ہاتھوں جہنم واصل ہو گیا اور چی فانگ ایک بار پھر جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا لیکن اس کا سراغ لگا لیا گیا ہے۔ شاید کل اس کا بھی بندوبست ہو جائے۔" میں نے جواب دیا اور گزشتہ رات کے واقعے کی تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں پوچھا "وہاں کی کیا خبر ہے۔ فانگ پھن کے قتل کی خبر سن کر دارا وغیرہ کا کیا ردعمل ہے۔"

"دارا بری طرح بھڑکا ہوا ہے۔" تھائی نے جواب دیا "رنگولی نے دوپہر کو بتایا تھا کہ یہ خبر ملتے ہی دارا بھڑک اٹھا تھا اور اس نے قسم کھائی ہے کہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ مجھے تو زیادہ تفصیل معلوم نہیں لیکن رنگولی اس سلسلے میں بہت کام کر رہی ہے۔"

"میری بات کراؤ رنگولی سے۔" میں نے کہا۔

"وہ اس وقت گھر پر نہیں ہے۔ ایک بجے کے لگ بھگ آئے گی تو میں بات کرا دوں گی۔" تھائی نے جواب دیا پھر بولی "میں تمہیں بہت مس کر رہی ہوں۔"

میں نے تھائی کی اس بات پر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ مجھے یہاں آئے ہوئے دوسرا ہی دن تھا اور وہ اداس ہو گئی تھی۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ میں بھی بڑی شدت سے اس کی کمی محسوس کر رہا تھا۔ جب سے ہم ملے تھے، غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ ہم ایک دوسرے سے اس طرح جدا ہوئے تھے۔

جانگی نے بھی تھائی اور پرساد سے بات کی اور فون بند کر دیا۔

میں فون اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گیا اور اس کا پلگ اس کمرے کے ساکٹ میں لگا دیا۔ گزشتہ رات کی طرح آج بھی میں کوچ پر لیٹ گیا اور بیڈ جانگی کے لیے چھوڑ دیا۔ کوچ اتنا کشادہ تھا کہ اس پر بھی دو آدمی آرام سے سو سکتے تھے۔ جانگی جب کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے ہاتھ میں کریم کی بوتل تھی۔

"لاؤ تمہارے کندھے پر ایک بار اور مالش کر دوں۔ اس کریم سے تمہیں بہت فائدہ ہوا ہے۔" وہ میرے قریب کوچ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"فائدہ تو ہوا ہے۔" میں نے یہ کہتے ہوئے شرٹ اتار دی۔

جانگی میرے کندھے پر کریم کی مالش کرنے لگی۔ اس کے ہاتھ کے لمس میں عجیب سا گداز تھا۔ مجھ پر ایک بار پھر وہی مسحور کن سی کیفیت طاری ہونے لگی لیکن اس وقت میں فوراً ہی سنبھل گیا۔ جانگی کندھے کے بجائے میرے بازو کے مسل کو سہلا رہی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا اور شرٹ پہن لی۔ وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے، تمہیں نیند آ رہی ہے۔ سو جاؤ۔" میں نے کہا۔

وہ کچھ کہے بغیر اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی اور ہاتھ دھو کر واپس آ گئی۔ بیڈ پر لیٹنے کے بجائے وہ میرے قریب ہی کوچ پر بیٹھ گئی۔

جانگی طویل عرصے سے ہمارے ساتھ تھی۔ میں نے آج تک اس میں ایسی کوئی بات نہیں دیکھی تھی کہ اس کے کردار پر انگلی اٹھائی جا سکے لیکن نجانے کیا بات تھی کہ وہ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی تھی اور میں ہر موقع پر اس سے بچنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

مجھے رنگولی کی کال کا انتظار تھا۔ جانگی کو بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ اپنی زندگی کے کچھ پرانے واقعات سناتی رہی۔

تھائی نے کہا تھا کہ رنگولی ڈیڑھ بجے کے لگ بھگ گھر واپس آئے گی۔ میں نے دو بجے تک انتظار کر کے خود فون کیا۔ رنگولی اس وقت تک گھر نہیں پہنچی تھی۔ شاید کسی کلب میں اس کا پروگرام ہو اور وہ ابھی تک گھر نہ پہنچی ہو۔

جانگی کوچ پر آڑی ترچھی لیٹی اونگھنے لگی تھی۔ میں آرام سے اٹھ کر بیڈ پر لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر بعد میری آنکھ لگ گئی۔

میری آنکھ فون کی گھنٹی کی آواز سے کھلی تھی۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے چھ بج رہے تھے۔ میں شاید غفلت کی نیند سو گیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس دوران میں رنگولی کا فون آیا ہو اور میری آنکھ نہ کھلی ہو۔ گھنٹی کی آواز سن کر جانگی بھی جاگ گئی تھی۔ میں نے ریسیور اٹھا لیا۔ میری سماعت سے ٹکرانے والی آواز تھائی کی تھی۔

"رنگولی ابھی تک گھر واپس نہیں آئی جدان۔" اس نے کہا "میری پوری رات جاگتے ہوئے پریشانی میں گزری ہے۔"

اس صورت حال پر میں بھی چونک گیا لیکن تھائی کو تسلی دیتے ہوئے بولا "اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ ہو سکتا ہے کلب میں ڈانس کے بعد کوئی اور پروگرام بن گیا ہو۔"

"ایسی صورت میں وہ فون پر اطلاع دے سکتی تھی لیکن۔۔۔"

"ہو سکتا ہے اسے فون کرنے کا بھی موقع نہ ملا ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "تم جانتی ہو ہمارا واسطہ دارا جیسے خطرناک لوگوں سے ہے۔ ہو سکتا ہے معلومات حاصل کرنے کے لیے وہ رات دارا کے پاس رہ گئی ہو۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

میں نے تھائی کو تسلی دی اور فون بند کر دیا۔

رنگولی کے لیے میں خود بھی پریشان ہو گیا تھا۔ ہو سکتا ہے دارا

پر اس کا راز کھل گیا ہو اور دارا نے اس سے ہمارے بارے میں پوچھنے کی کوشش میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا ہو یا ممکن ہے وہ رات کو واقعی دارا کے ساتھ ہو اور اسے تھائی وغیرہ کو فون کرنے کا موقع نہ مل سکا ہو.... اور بھی کئی باتیں ہو سکتی تھیں۔

جانگی بھی رنگولی کے بارے میں سن کر پریشان ہو گئی تھی۔ ہم دونوں اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ باہر کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔

وہ لوبا تھا۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔

"تم تیار ہو جاؤ ماسٹر۔ میں ناشتا بنا دیتا ہوں۔ وانگ ڈن تیار ہو رہا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ناشتا کرتے ہی نکل جانا ہے۔" لوبا نے کہا اور کچن کی طرف چلا گیا۔

میں نے مڑ کر دیکھا تو جانگی بھی میرے قریب ہی کھڑی تھی۔

"میں بھی چلوں گی تم لوگوں کے ساتھ۔" جانگی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کمرے میں گھس گئی۔

اس وقت سات بج رہے تھے۔ جانگی آدھے گھنٹے بعد تیار ہو کر باہر آئی تھی۔ اس نے اس وقت بھی جینز اور ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ پیروں میں جوگرز تھے۔ اسی وقت وانگ ڈن بھی برآمدے والے دروازے سے اندر داخل ہوا اور بڑی گہری نظروں سے جانگی کی طرف دیکھنے لگا۔ میں انہیں چھوڑ کر کمرے میں گھس گیا۔

ہم ساڑھے آٹھ بجے گھر سے نکلے تھے۔ وانگ ڈن نے جانگی کی موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ میں نے اپنا پستول جانگی کو دے دیا تھا۔ اس نے کمر پر پتلون کی بیلٹ میں اڑس لیا۔ میرے پاس اپنا خنجر موجود تھا جو چرمی فیتے سے پنڈلی سے بندھا ہوا تھا۔ وانگ ڈن نے چینی ساختہ آٹومیٹک رائفل بھی جیپ میں رکھ لی تھی اور فانگ پھن کا وہ ریوالور بھی رکھ لیا تھا جو گزشتہ رات ہم نے اس کانیچ سے اٹھا لیا تھا۔

شمال کی طرف جانے والی مین روڈ پر تقریباً چار کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وانگ ڈن نے جیپ سڑک سے اتار کر ایک چٹان کے پیچھے درختوں کے نیچے روک کر انجن بند کر دیا اور ہم نیچے اتر آئے۔

یہی سڑک آگے سیدھی گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف چلی گئی تھی۔ بدنام زمانہ سنہری تکون، دیکھنے کے لیے غیر ملکی سیاحوں کی گاڑیاں بھی اس سڑک پر سفر کرتے ہوئے دیکھی جا سکتی تھیں۔

وانگ ڈن نے رائفل کندھے پر لٹکائی اور ریوالور مجھے دے دیا۔ میں نے بھی ریوالور جانگی کی طرح کمر پر پتلون کی بیلٹ میں اڑس لیا اور ہم سڑک سے اتر کر پہاڑیوں کی طرف جانے والے راستے پر چلنے لگے۔

تنگ سی پگڈنڈی گھنی جھاڑیوں سے گھری ہوئی تھی۔ قد آدم پودوں میں راستہ بنانا دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ ہم جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے، راستہ مزید دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ وانگ ڈن نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ رات کی تاریکی میں تو ایسے راستے پر سفر کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

جنگل اس طرف گھنا اور گنجان تھا کہ سورج کی کرنیں زمین تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو رہی تھیں۔ اونچے نیچے راستوں پر چلتے ہوئے جانگی کو کئی مرتبہ ٹھوکر لگی تھی اور اب وہ میرا ہاتھ پکڑ کر سنبھل سنبھل کر چل رہی تھی۔ وانگ ڈن ہم سے آگے تھا۔ وہ ہمیں بتا رہا تھا کہ ان پہاڑوں میں ایسے ایسے راستے ہیں کہ سرحد پار غیر قانونی آمد و رفت کو روکنا کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔

"اس کانیچ تک پہنچنے کا ایک آسان راستہ بھی ہے جس پر کار بھی چل سکتی ہے۔" وانگ ڈن بتا رہا تھا "لیکن اس طرف سے جانا خطرناک ہوتا۔ ہم کسی کی بھی نظروں میں آ سکتے تھے۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے چلتے رہے۔ کانیچ سے روانگی سے پہلے آٹھ بجے کے قریب میں نے ایک بار پھر تھائی کو فون کیا تھا۔ رنگولی اس وقت تک بھی گھر نہیں پہنچی تھی اور نہ ہی اس کی طرف سے کوئی اطلاع ملی تھی۔ میں نے وانگ ڈن سے سردار تھالوب کا چینگ رائے کا فون نمبر پوچھ کر تھائی کو بتا دیا تھا کہ وہ میرے حوالے سے اس سے بات کرے۔ تھالوب ان کی ہر ممکن مدد کرے گا۔

ہم تقریباً دو گھنٹوں تک اس گنجان پہاڑی جنگل میں چلتے رہے۔ میں نے کئی مرتبہ جانگی کی طرف دیکھا تھا اور وہ ہر مرتبہ مسکرا کر یہ تاثر دینا چاہتی تھی کہ وہ تھکی بالکل نہیں حالانکہ اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے۔

بالآخر ہم ایک اونچی جگہ پر رک گئے۔ وہاں سے نشیب میں ایک خوب صورت کانیچ کا ایک حصہ نظر آ رہا تھا جبکہ اس کا بیشتر حصہ گھنے درختوں میں چھپا ہوا تھا۔

اب ہم بہت محتاط انداز میں آگے بڑھ رہے تھے۔ ہم تینوں نے اپنا اپنا اسلحہ ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ گنجان اور قد آدم پودوں کی وجہ سے ہم کانیچ میں موجود کسی شخص کی نظروں میں تو نہیں آ سکتے تھے لیکن چلنے سے پودوں کی سرسراہٹ ہمارا راز کھول سکتی تھی اس لیے ہم بہت محتاط ہو کر چل رہے تھے۔

کانیچ کے تقریباً بیس گز قریب پہنچ کر ہم ایک بار پھر رک گئے۔ میں محتاط نظروں سے کانیچ کی طرف دیکھنے لگا۔ کانیچ کے سامنے کا رخ ہماری طرف تھا۔ برآمدے میں دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں لیکن کوئی نظر نہیں آ رہا تھا مگر چند ہی منٹ بعد میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

چی فانگ ایک اور آدمی کے ساتھ اندر سے نکل کر برآمدے میں آ گیا۔ وہ آدمی غالباً اس کانیچ کا نگران تھا۔ چی فانگ کے اشارے پر اس نے دونوں کرسیاں اٹھا کر کھلی جگہ گھاس پر رکھ دیں اور وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ چی فانگ نے دوسرے آدمی کی کسی بات پر بڑا زوردار قہقہہ لگایا تھا۔

وانگ ڈن نے میری طرف دیکھ کر اشارہ کیا۔ ہم دونوں چند قدم بہت محتاط انداز میں چلتے رہے پھر پودوں سے نکل کر دوڑتے ہوئے ان دونوں کے سروں پر پہنچ گئے۔ چی فانگ مجھے دیکھ کر اچھل پڑا لیکن میں نے اسے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کا موقع نہیں دیا۔ دونوں ہمارے اسلحے کی زد پر تھے۔

"اب تمہارے لیے کوئی راستہ نہیں چی فانگ!" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ میرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کا رخ اس کے سینے کی طرف تھا۔ میں نے کہا تھا تاکہ دنیا کے آخری سرے تک تمہارا پیچھا کروں گا۔ آج تم قابو آ ہی گئے لیکن میں تمہیں گولی نہیں ماروں گا۔ تم سے تو بڑا لمبا چوڑا حساب کرنا ہے۔ میں تمہیں سسکا سسکا کر ماروں گا۔ تمہارے بعد کم اور دارا کی باری آئے گی۔"

"اپنے ہتھیار پھینک دو وجدان!" یہ گونجتی ہوئی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ دارا کی آواز کو میں کس طرح بھول سکتا تھا۔ میں تیزی سے آواز کی سمت گھوم گیا۔ دارا نے جانگی کو بالوں سے پکڑ رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کی نال جانگی کی کنپٹی سے لگی ہوئی تھی۔ جانگی کے چہرے پر کرب و اذیت کے آثار تھے۔ ہم جانگی کو پودوں میں چھوڑ کر آئے تھے تاکہ وہ کسی ایمرجنسی میں ہمیں تحفظ فراہم کر سکے لیکن وہ خود ہی شکار ہو گئی تھی۔ یہاں دارا کی موجودگی بھی میرے لیے شدید حیرت کا باعث بنی تھی۔

"ریوالور پھینک دو اور اپنے اس آدمی سے بھی کہو کہ رائفل پھینک دے۔" دارا کی گونجتی ہوئی آواز سنائی دی "اگر ایک لمحے کی بھی تاخیر کی تو اس لیڈی ڈاکٹر کا بھیجا تو اڑا ہی دوں گا۔ تم دونوں بھی چاروں طرف سے گولیوں سے بھون دیے جاؤ گے۔ یقین نہیں آتا تو اپنے اطراف میں دیکھ لو۔"

اور پھر میں نے جو کچھ بھی دیکھا وہ ناقابل یقین تھا۔ ایک طرف کم تھا تو اونچے پودوں کی آڑ سے نکل کر سامنے آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ دوسری طرف ایک اور آدمی سامنے آ گیا تھا۔ وہ میرے لیے اجنبی تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور جو ہستی کانیچ کے اندر سے نکل کر برآمدے میں آئی تھی اسے دیکھ کر تو میرا دماغ گھوم گیا تھا۔

وہ رنگولی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مکارانہ مسکراہٹ اور ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفل تھی جس کا رخ میری طرف تھا۔

میں نے وانگ ڈن کو اشارہ کیا۔ اس نے رائفل نیچے پھینک دی۔ میں نے بھی ریوالور نیچے پھینک دیا اور ٹھیک اسی وقت چی فانگ نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر میری کنپٹی پر گھونسا مار دیا۔ ضرب اس قدر شدید تھی کہ میرا دماغ جھنجنا اٹھا اور آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی رقص کرنے لگیں۔

میں بڑی مشکل سے اپنے آپ کو گرنے سے بچا سکا تھا لیکن اب ہم مکمل طور پر اس دشمن کے رحم و کرم پر تھے جو میرے خون کا پیاسا تھا اور اس سے رحم کی توقع بالکل نہیں کی جا سکتی تھی۔

موت..... بھیانک موت مجھے اپنے چاروں طرف ناچتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ موت کے ہرکارے ہی تھے جو ہمیں اسلحے کی زد میں لیے ہوئے تھے۔ ان کی انگلیوں کی معمولی سی حرکت ہماری زندگیوں کا خاتمہ کر سکتی تھی۔

میں نے جانگی کی طرف دیکھا۔ اس کے بال اب بھی دارا کی مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے اور پستول کی نال اس کی کنپٹی سے لگی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار کچھ اور نمایاں ہو گئے تھے۔

وانگ ڈن میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف بالکل نہیں تھا۔ اس کے برعکس آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ وہ غالباً کچھ کر گزرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن ہم ایسی پوزیشن میں نہیں تھے۔ ہماری کوئی معمولی سی حرکت ہمارے جسموں کو چھلنی کر سکتی تھی۔

میرے اور دارا کے بیچ بلی چوہے کا یہ کھیل عرصے سے جاری

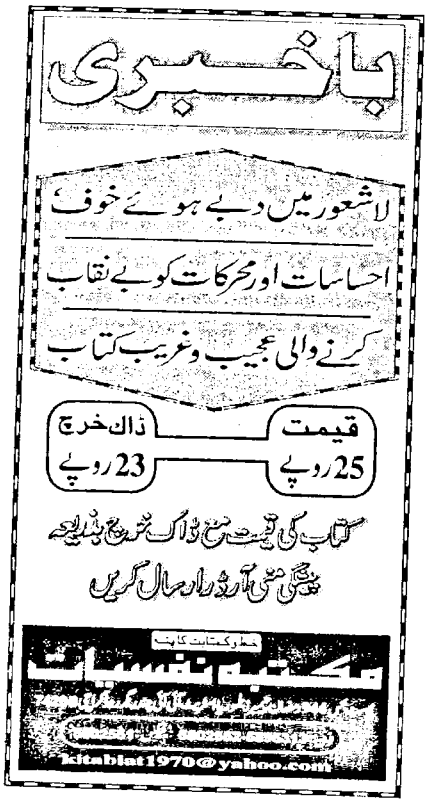

تھا۔ کبھی وہ جال میں پھنستا اور کبھی میں اور یہ عجیب بات تھی کہ ہم دونوں میں سے کوئی بھی ابھی تک مکمل طور پر اپنے حریف کی گرفت میں نہیں آیا تھا لیکن اس وقت صورتِ حال بالکل مختلف تھی۔ ہم مکمل طور پر ان کے نرغے میں تھے اور فرار یا بچاؤ کا بظاہر کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا لیکن اس کے باوجود میں مایوس نہیں تھا۔

مجھے سب سے زیادہ دھچکا رگھولی نے پہنچایا تھا۔ اسے رائفل تانے دیکھ کر میرے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ اس پر بھروسا کرکے میں نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی۔ کس مہارت اور چالاکی سے اس نے میری ہمدردیاں حاصل کی تھیں۔ ہم میں سے کسی کو ذرا بھی شبہ نہیں ہوا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ کوئی لمبا کھیل کھیل رہی ہے۔

وہ پیشہ ور رقاصہ تھی۔ طوائف..... شہرت اور دولت اس کی زندگی کا اوّلین مقصد تھا۔ اس نے ٹائیگر کے ساتھ رہ کر پُرتعیش زندگی گزاری تھی پھر ٹائیگر سے اس کی ان بن ہوگئی اور وہ در در کی ٹھوکریں کھانے لگی۔ ٹائیگر کی موت کے بعد اس نے پیڈرو کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کی تھی مگر پیڈرو نے بھی اسے دھتکار دیا تھا اور وہ دربدر ہوتی ہوئی چیانگ رائے پہنچ گئی تھی جہاں اسے کلبوں میں کام مل گیا تھا اور اسی دوران میں اس کی ملاقات تھالوب سے ہوگئی۔ تھالوب ایک شریف آدمی تھا۔ رگھولی اسے سیڑھی بنا کر اوپر جانا چاہتی تھی لیکن اس کے ذریعے مقصد حاصل کرنے کے لیے ایک عرصہ درکار تھا۔ تھالوب اسے اپنی سفارش سے بڑے نائٹ کلبوں میں پروگرام دلوا سکتا تھا لیکن جو عیش اس نے ٹائیگر کے ساتھ رہ کر کیے تھے یا پیڈرو کے ساتھ ہوسکتے تھے وہ تھالوب کے ساتھ نہیں ہوسکتے تھے اور پھر اس دوران میں وہ ہم سے ٹکرا گئی۔

رگھولی اچھی طرح جانتی تھی کہ میں پیڈرو اور دارا وغیرہ کے لیے سب سے زیادہ مطلوب ہوں۔ وہ ایک بار پھر پیڈرو کے گینگ میں آنا چاہتی تھی تاکہ پہلے کی طرح عیش و عشرت کی زندگی گزار سکے۔ یہ اس کے لیے بہترین موقع تھا۔ مجھے پیڈرو یا دارا کے حوالے کرکے وہ ان کا اعتماد حاصل کرسکتی تھی اور اس کے سارے پچھلے گناہ معاف ہوسکتے تھے۔

اس نے بڑی خوبصورتی اور مہارت سے ہمارا اعتماد حاصل کیا۔ دوسری طرف اس نے دارا سے ملاقات کرکے ہمارے بارے میں بتا دیا اور ہمیں پھانسنے کے لیے جال تیار کیا جانے لگا۔ میں واقعی بے وقوف بن گیا تھا اور بڑی آسانی سے ان کے بچھائے ہوئے اس جال میں پھنس گیا تھا۔

گزشتہ رات میں نے بار بار ٹیلی فون پر چیانگ رائے میں تھائی وغیرہ سے رابطہ کیا تھا۔ آخری مرتبہ ہماری بات صبح آٹھ بجے کے قریب ہوئی تھی اور اس وقت بھی یہی پتا چلا تھا کہ رگھولی رات بھر گھر نہیں آئی تھی اور اب ساری بات میری سمجھ میں آگئی تھی۔

فانگ پھن کے میرے ہاتھوں مارے جانے کی اطلاع کل چیانگ رائے بھی پہنچ گئی تھی۔ دارا کو چی فانگ کی فکر ہوئی ہوگی اور وہ رات ہی رات کو یہاں پہنچ گیا تھا۔ رگھولی بھی اس کے ساتھ تھی جو پوری طرح میرے خلاف اس سازش میں شریک تھی۔ اب مجھے تھائی اور پرساد کی بھی فکر ہو رہی تھی۔ وہ دونوں چیانگ رائے میں تھے اور ہوسکتا ہے اب تک ان کے خلاف بھی کوئی کارروائی ہوچکی ہو۔

میں یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ جانگی کی چیخ سن کر چونک گیا۔ دارا اس کے بالوں کو جھٹکے دیتا اور دھکے دیتا ہوا پودوں سے نکل کر آگے آرہا تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے جانگی کو اس زور کا دھکا دیا کہ وہ لڑکھڑاتی ہوئی منہ کے بل گری۔ یہ غنیمت تھا کہ وہ گھاس پر گری تھی اور اسے کوئی چوٹ نہیں آئی تھی لیکن اس کا ہاتھ گھاس میں پڑے ہوئے ایک پتھر پر پڑ گیا۔

پتھر زیادہ بڑا نہیں تھا اور جانگی اسے انگلیوں کی گرفت میں لینے کی کوشش کررہی تھی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے اور میرے خیال میں وہ بہت بڑا خطرہ مول لے رہی تھی لیکن اس سے پہلے کہ میں اسے اس کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا، اس نے پھرتی سے لوٹ لگائی اور ہاتھ میں پکڑا ہوا پتھر پوری قوت سے دارا کی طرف اچھال دیا۔

دارا اس صورتِ حال کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔ اسے توقع بھی نہیں تھی کہ جانگی ایسی کوئی حرکت کرسکتی ہے۔ پتھر ڈیڑھ کے برابر نکیلا پتھر اس کی پیشانی پر لگا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔

پیشانی سے خون بہہ نکلا تھا۔ دارا کے منہ سے بدبودار گزکی طرح گندی گالیوں کا طوفان ابل پڑا۔ اس نے خوں خوار نظروں سے جانگی کی طرف دیکھا اور پھر اچانک ہی پستول والا ہاتھ اٹھا کر پے در پے ٹریگر دباتا چلا گیا۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ تین گولیاں چلیں اور اس کے ساتھ ہی جانگی کی خوفناک چیخیں بھی سنائی دی تھیں۔ دارا کی غراہٹ سن کر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میرا خیال تھا کہ جانگی خون میں لت پت گھاس پر لوٹ رہی ہوگی لیکن وہ منظر میری توقع کے بالکل برعکس تھا۔ جانگی دبیز گھاس پر پشت کے بل پڑی تھی اور دارا اس کے قریب کھڑا تھا۔

"یہ گولیاں تمہارے جسم میں سوراخ بھی کرسکتی تھیں۔" دارا کسی بھیڑیے کی طرح غرّاتے ہوئے کہہ رہا تھا "لیکن میں تمہیں ایسی سزا نہیں دوں گا کہ تم ضائع ہوجاؤ۔ تمہارا یہ خوب صورت بدن اس لیے نہیں ہے کہ اس میں گولیوں سے سوراخ کیے جائیں۔ یہ تو کھیلنے کے لیے ہے۔ پہلے میں اس سے کھیلوں گا۔ اپنی پیاس بجھاؤں گا اور پھر اپنے ہاتھوں سے اس خوب صورت جسم کے ٹکڑے کروں گا۔ بڑے پیار سے..... آہستہ..... آہستہ۔" اس نے جانگی کی ٹانگ پر ٹھوکر ماری اور کہا "تم اسے میری رحم دلی مت سمجھنا کہ میں نے اس وقت تمہیں کچھ نہیں کہا۔ میرا انتقام لینے کا طریقہ ذرا مختلف ہے۔ میں نے کنچن بوری کے ہٹ میں تھائی کو رسوا کرکے اس کا ایک نمونہ پیش کیا تھا۔ اس وقت میں نے دوسرے آدمیوں کو موقع دیا تھا مگر اب تمہارے ساتھ جو کچھ بھی کروں گا اور تمہارے اس ہیرو کے سامنے....."

میرے جبڑے بھنچ گئے۔ میں نے دارا کی طرف بڑھنے کے لیے قدم اٹھایا ہی تھا کہ فضا "تڑتڑاہٹ" کی آواز سے گونج اٹھی۔ کئی گولیاں میرے پیروں کے قریب گھاس میں لگی تھیں۔ میں نے مڑکر دیکھا۔ یہ گولیاں برآمدے میں کھڑی ہوئی رگھولی نے چلائی تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی طنزیہ سی مسکراہٹ تھی۔

"تم آگے نہیں بڑھو گے ہیرو۔" رگھولی نے رائفل کو حرکت دیتے ہوئے کہا "کوئی حرکت کیے بغیر اپنی جگہ پر کھڑے رہو اور جو کچھ بھی ہوتا ہے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہو۔"

میں دانت پیس کر رہ گیا۔

دارا نے اس آدمی کو قریب بلا لیا جو دوسری طرف پستول لیے کھڑا تھا۔ وہ آدمی ہمارے لیے اجنبی تھا۔ دارا نے اسے اشارہ کیا۔ اس شخص نے پستول جیب میں رکھ کر خنجر نکال لیا اور آہستہ آہستہ جانگی کی طرف بڑھنے لگا۔ اسے اس انداز میں آگے بڑھتے دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ یہ بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ اس سے پہلے جانگی کے چہرے پر تکلیف اور کرب کے آثار تو نظر آئے تھے لیکن وہ خوف زدہ بالکل نہیں تھی مگر اب اس خنجر بدست آدمی کو آگے بڑھتے دیکھ کر اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔

وہ شخص اس کے سامنے رک گیا۔ اس کے خنجر کی نوک آہستہ آہستہ جانگی کے سینے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جانگی کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ اس نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن ٹھیک اسی لمحے اس شخص نے خنجر کی نوک اس کی وی شیپ گلے والی ٹی شرٹ کے گریبان پر رکھ کر نیچے کی طرف زوردار جھٹکا دیا۔ اس کی ٹی شرٹ نیچے تک چرتی چلی گئی اور اس کے جسم کے سامنے کا حصہ برہنہ ہوگیا۔ ٹی شرٹ، اوپن شرٹ کی طرح کھل گئی تھی۔ جانگی نے دو قدم پیچھے ہٹ کر دونوں ہاتھ سینے پر لپیٹ لیے۔

"شرما کیوں رہی ہو۔ ان میں کوئی غیر تو نہیں۔ یہ سب اپنے ہی ہیں۔ ان سے کیا شرمانا۔" دارا نے یہ کہتے ہوئے قہقہہ لگایا اور پھر پیشانی پر رستے والا خون صاف کرنے لگا۔ زخم زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن قہقہہ لگانے سے شاید تکلیف بڑھ گئی تھی۔ اس کے تاثرات بگڑ گئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ جانگی کے سامنے کھڑے ہوئے آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے دہاڑا۔

"تم کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ اپنا کام جاری رکھو۔"

وہ شخص خنجر سنبھالے ایک بار پھر جانگی کی طرف بڑھا۔ اس بار اس کے خنجر کی نوک کا رخ جانگی کی جینز کی طرف تھا۔ میں کانپ اٹھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔

"دارا!" میں مٹھیاں بھینچتے ہوئے چیخا "تم بہت گھٹیا اور ذلیل آدمی ہو۔ تمہاری دشمنی مجھ سے ہے۔ میں تمہارے سامنے ہوں۔ جو کچھ کرنا ہے، میرے ساتھ کرو۔ مجھ سے اپنا انتقام لو۔ عورتوں کی اس طرح توہین کرتے ہوئے تمہیں شرم آنی چاہیے۔"

"تم سے انتقام لینے کے لیے ضروری نہیں کہ تمہارے جسم پر ہی چھریاں چلائی جائیں۔" دارا نے کہا "تم سے انتقام لینے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جانگی کو....."

"بند کرو یہ بکواس!" میں نے چیختے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"اے۔ تم کیا دیکھ رہے ہو۔ اپنا کام جاری رکھو۔" دارا نے میرے چیخنے کی پروا کیے بغیر اپنے آدمی کو حکم دیا۔

کم اور چی فانگ اس وقت کچھ زیادہ محتاط ہوگئے تھے۔ انہیں شاید یہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ میں کسی شدید ردِعمل کا اظہار کروں گا۔ اس شخص نے آگے بڑھ کر خنجر کی نوک جانگی کی پینٹ کے بیلٹ پر رکھ دی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنے ہاتھ کو حرکت دیتا، فضا ایک بار پھر فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ سب ہی لوگ اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔ یہ فائر بھی رگھولی ہی نے کیا تھا اور گولی اس شخص کے پیروں کے قریب زمین میں دھنس گئی تھی جو خنجر سے جانگی کی پینٹ کا بیلٹ کاٹنا چاہتا تھا۔ وہ شخص اچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"بس مسٹر دارا۔" رگھولی نے چیخ کر کہا "بہت ہوچکا یہ کھیل۔ کوئی عورت کسی دوسری عورت کی ایسی توہین برداشت نہیں کرسکتی۔ ویسے بھی میں تمہیں بہت ڈھیل دے چکی ہوں۔ تمہارا کھیل ختم ہوچکا۔ پستول پھینک دو اور اپنے آدمیوں سے بھی کہو، ہتھیار پھینک دیں۔"

"کیا بکواس کررہی ہو رگھولی۔" دارا چیخا "یہ زہریلا سانپ بڑی مشکل سے ہمارے ہاتھ آیا ہے۔ تم اسے بھاگ نکلنے کا موقع دے رہی ہو۔"

"زہریلا سانپ وہ نہیں، تم ہو۔" رگھولی نے جواب دیا "جتنا زہر تم میں بھرا ہوا ہے اتنا شاید دنیا کے کسی سانپ میں نہ ہو۔ یہ تو ان لوگوں کی غلطی تھی کہ تمہیں اب تک زندہ چھوڑے رکھا۔ تم جیسے سانپ کا تو فوراً ہی سر کچل دینا چاہیے۔"

"اوہ! تو تم بھی....."

"ہاں۔" رگھولی نے اس کی بات کاٹ دی "میں چیانگ رائے میں تم سے ملی تھی تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ تم مجھے پسند آگئے تھے۔ تم ہی وہ شخص ہو جس کی وجہ سے ٹائیگر نے میرا جینا حرام کردیا تھا۔ تمہاری وجہ سے مجھے وہ ذلت اور رسوائی اٹھانی پڑی تھی۔ میں نے جس طرح سسک سسک کر زندگی کے وہ دن گزارے ہیں انہیں میں کیسے بھلا سکتی ہوں۔ میں تو تم لوگوں سے انتقام کے لیے موقع کی تلاش میں تھی اور پھر یہ میری خوش قسمتی ہے

چند روز پہلے میری ملاقات وجدان سے ہوگئی۔ اس روز تمہارا یہ گرگا نویتا کو قتل کرچکا تھا۔" اس نے چی فانگ کی طرف اشارہ کیا "نویتا نے گناہ تھی۔ اس کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ سچائی کے راستے پر وجدان کا ساتھ دے رہی تھی لیکن تم لوگ تو نجانے کتنے بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہو۔ گزشتہ روز فانگ پھن کی موت کی خبر سن کر اگر تم یہاں آنے کا پروگرام نہ بھی بناتے تو میں تم لوگوں کو یہاں لے کر آتی کیونکہ تم لوگوں کی موت کے لیے اس سے بہتر اور کوئی جگہ ہو ہی نہیں سکتی۔ یہاں سے کچھ ہی فاصلے پر میکانگ بہتا ہے۔ تمہاری لاشیں میکانگ کی پُرشور لہروں میں پھینک دی جائیں گی۔ اس دریا کی مچھلیوں کو کبھی کبھار ہی ایسی خوراک ملتی ہے۔" تین حیرت سے رگمولی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے چند منٹ پہلے اس کے بارے میں جو کچھ بھی سوچا تھا اب مجھے اس پر افسوس ہو رہا تھا۔ وہ شروع ہی سے ہماری طرف تھی اور چیانگ رائے سے ان کے ساتھ آئی بھی اسی لیے تھی کہ کسی آڑے وقت میں ہماری مدد کرسکے۔ گزشتہ رات اس نے تھائی کو فون بھی اسی لیے نہیں کیا تھا کہ ان لوگوں کو شبہ نہ ہو جائے۔ اس نے بڑی عقل مندی کا ثبوت دیا تھا کہ ان کی طرف داری کرتے ہوئے ہم پر رائفل تان لی تھی۔ ہو سکتا ہے' اس کا یہ ڈراما کچھ دیر اور چلتا لیکن جانگی کی توہین وہ برداشت نہیں کرسکی تھی اور کھل کر سامنے آگئی تھی۔

جانگی کے سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے خنجر پھینک دیا تھا اور وہ اس سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا لیکن اس کا سیدھا ہاتھ غیر محسوس انداز میں پتلون کی جیب کی طرف رینگ رہا تھا جس سے پستول کا دستہ جھانک رہا تھا اور پھر اس نے بڑی پھرتی سے پستول نکال لیا لیکن اس سے پہلے کہ اسے پستول استعمال کرنے کا موقع ملتا' رگمولی کی رائفل سے نکلی ہوئی گولی نے اس کی کھوپڑی اڑا دی۔ وہ منہ سے آواز نکالے بغیر ڈھیر ہوگیا۔ کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ خون کے چھینٹے اور بھیجا دور تک بکھر گیا تھا۔

"کسی اور نے بہادری دکھانے کی حماقت کی تو اس کا بھی یہی انجام ہوگا۔" رگمولی نے چیخ کر کہا "ہتھیار پھینک دو! سب لوگ "دیکھو رگمولی۔" دارا چیخا "تم بہت بڑی غلطی کر رہی ہو۔ تمہارے ساتھ زیادتی ٹائیگر نے کی تھی اور میں اس کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ اب بھی وقت ہے۔ ہمارا ساتھ دو۔"

"بند کرو یہ بکواس اور پستول پھینک دو۔" رگمولی چیخی "اور تم لوگ بھی اپنے اپنے ہتھیار پھینک دو۔" اس نے چی فانگ وغیرہ کی طرف اشارہ کیا۔

وانگ ڈن تو پہلے ہی کسی ایکشن کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ اس نے قریب کھڑے ہوئے کم پر چھلانگ لگا دی اور ایک ہی جھپٹے میں نہ صرف اس کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا بلکہ اس کے جبڑے پر ایک گھونسا بھی رسید کردیا تھا۔

فانگ پھیرا خیال ہے یہ وانگ ڈن کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اسے کم از کم ان لوگوں کے ہتھیار پھینکنے کا انتظار کرنا چاہیے تھا لیکن وہ جلد بازی میں غلطی کر بیٹھا تھا اور اس غلطی کا فائدہ ان لوگوں نے اٹھایا تھا۔

دارا اور چی فانگ نے اندھا دھند فائرنگ کرتے ہوئے مختلف اطراف میں چھلانگیں لگا دیں۔ چی فانگ کی چلائی ہوئی ایک گولی میرے سر سے صرف چند انچ کے فاصلے سے گزری تھی۔ چی فانگ کے پیچھے ہی اس شخص نے بھی چھلانگ لگائی تھی جسے سب سے پہلے چی فانگ کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔

وہ ابھی پودوں کے قریب پہنچے ہی تھے کہ رگمولی نے فائر کھول دیا۔ چی فانگ تو قدِ آدم گنجان پودوں میں غائب ہوگیا مگر اس کے پیچھے چھلانگ لگانے والا دوسرا آدمی رگمولی کی رائفل سے نکلی ہوئی گولیوں سے چھلنی ہوگیا۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپتا ہوا ڈھلان پر اونچے کریپودوں میں اٹک گیا۔ اس کے جسم سے خون کی کئی دھاریں بہہ نکلی تھیں۔

رگمولی برآمدے سے نکل کر دوڑتی ہوئی اس جگہ پہنچ گئی اور ایک پتھر پر کھڑی ہو کر ڈھلان پر دیکھنے لگی۔ اسی وقت میں بھی ان کے قریب پہنچا تھا۔ ڈھلان پر تقریباً دو سو گز نیچے چی فانگ کی ایک جھلک نظر آئی۔ رگمولی نے فائر کھول دیا لیکن اسی لمحے چی فانگ پودوں میں غائب ہوچکا تھا۔

میں مڑ کر تیزی سے لان کے دوسرے کنارے کی طرف لپکا جہاں وانگ ڈن اور کم ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے۔ کم چینی نژاد تھا اور بہترین مارشل آرٹسٹ تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ وانگ ڈن کے قابو میں نہیں آسکے گا لیکن وانگ ڈن اسے بُری طرح رگید رہا تھا۔ میں دو قدم دوڑتا ہوا رک گیا۔

ایک مرتبہ کم کو موقع مل گیا۔ اس نے وانگ ڈن کو پیروں پر اٹھا کر دور اچھال دیا۔ وانگ ڈن اس کے سر کے اوپر سے ہوتا ہوا پشت کے بل پیچھے کی طرف گرا۔ کم بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ وانگ ڈن پر حملہ کرے گا لیکن اس نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔

کم کو راہِ فرار اختیار کرتے دیکھ کر میں کسی طاقت ور اسپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھلا۔ کم نے مجھے دیکھ لیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنا دفاع کرسکتا یا میری زد سے نکل پاتا' میں نے دونوں ٹانگیں قینچی کی طرح اس کی گردن پر لپیٹ دیں اور اسے لیے ہوئے زمین پر گرا۔

میں تو زمین پر گرتے ہی سنبھل گیا مگر کم کو سنبھلنے کا موقع نہیں مل سکا۔ میں نے اٹھتے ہی کم کے ٹھوکروں کی بارش کردی لیکن ایک موقع پر کم نے میرا پیر پکڑ کر زوردار جھٹکا دیا۔ میں اچھل کر پشت کے بل گرا لیکن کم کو پھر بھی بھاگنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اس مرتبہ وانگ ڈن نے اسے چھاپ لیا تھا۔ میں بھی اٹھ کر اس کے سر پر پہنچ گیا۔

اس سے پہلے بھی میں بتا چکا ہوں کہ کم کبھی کبھار ہیروئن استعمال کرنے کا عادی تھا۔ زہر تو زہر ہی ہوتا ہے۔ خواہ تھوڑی مقدار میں استعمال کیا جائے یا زیادہ مقدار میں' اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے۔ ہیروئن کے کبھی کبھار استعمال نے کم کو اندر سے کھوکھلا کر رکھا تھا۔ وہ زیادہ دیر تاب نہ لا سکا اور ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیے۔ وانگ ڈن نے اسے جیکٹ سے پکڑ کر اٹھایا اور دھکے دیتا ہوا برآمدے کی طرف لے جانے لگا۔ میں نے مڑ کر رگمولی اور جانگی کی طرف دیکھا۔ رگمولی نے رائفل کندھے پر لٹکالی تھی اور جانگی کی پھٹی ہوئی ٹی شرٹ کے دونوں کنارے پکڑ کر ان میں بکل لگا دی تھی۔ یہ بکل اس کے اپنے ہی لباس میں کہیں لگی ہوئی تھی جسے وہ اس وقت کام میں لا رہی تھی۔

ہم لوگ برآمدے کے سامنے پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف آئے۔ وانگ ڈن نے کم کو دھکا دے کر ایک کرسی پر بٹھا دیا اور کانچ کے اندر چلا گیا۔ چند منٹ بعد ہی وہ ایک رسی تلاش کرلایا۔ اس نے کم کے ہاتھ پیر باندھ دیے۔

میں ان سب کو وہیں چھوڑ کر رگمولی کے ساتھ کانچ کے اندر آگیا۔ چار کمرے تھے۔ ایک نشست گاہ کے طور پر آراستہ تھا اور باقی بیڈ رومز تھے۔ وانگ ڈن مجھے پہلے ہی بتا چکا تھا کہ یہ کانچ عام طور پر خالی ہی رہتا ہے البتہ کبھی کبھار گولڈن ٹرائی اینگل سے آنے والے ایجنٹ یہاں دو چار روز کے لیے رہائش اختیار کرلیتے ہیں۔

یہاں پر ٹیلی فون بھی تھا اور ایک کمرے میں ایک موٹر بیٹری سائز کا بکس دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس پر دو تین ڈائل لگے ہوئے تھے اور ریڈیو انٹینا کی طرح ایک تار بھی تھا۔ ایک ڈائل میں ایک ننھا سا سرخ نقطہ روشن تھا۔

یہ ریڈیو ٹرانس میٹر تھا۔ مقامی طور پر تو رابطے کے لیے یہ لوگ ٹیلی فون ہی استعمال کرتے تھے لیکن سرحد پار ٹیلی فون سے رابطہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس مقصد کے لیے یہ ٹرانس میٹر تھا اور ظاہر ہے اس سے گولڈن ٹرائی اینگل ہی سے رابطہ کیا جاتا ہوگا۔

میرے خیال میں ہمارے لیے یہ ٹرانس میٹر بیکار تھا لیکن رگمولی کی بات سن کر میری آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"ویسے تو وہ لوگ بہت چالاک ہیں لیکن اگر ہم اس ٹرانس میٹر کو اپنے ساتھ لے جائیں اور اس کانچ کو آگ لگا دیں تو وہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ ٹرانس میٹر بھی جل چکا ہے۔ ہو سکتا ہے بعد میں کسی وقت یہ ٹرانس میٹر ہمارے کام آجائے۔"

رگمولی کی بات معقول تھی۔ اسی وقت وانگ ڈن بھی اندر داخل ہوا۔ اس نے بھی رگمولی کی تائید کی اور پھر اس نے خود ہی آگے بڑھ کر ٹرانس میٹر اٹھالیا۔ میں نے گھوم پھر کر پورے کانچ کا جائزہ لیا لیکن اور کوئی کام کی چیز نظر نہیں آئی۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں یہاں زیادہ دیر نہیں رکنا چاہیے۔" وانگ ڈن نے کہا "وہ دونوں یہاں سے بھاگ چکے ہیں۔ ان کا فرار ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اور ویسے بھی فائرنگ کی آواز ان پہاڑوں میں دور تک سنی گئی ہوگی۔ ان لوگوں کے اور بھی خفیہ اڈے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کا کوئی ساتھی صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے اس طرف آنکلے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ اب واقعی ہمیں چلنا چاہیے۔" میں نے کہا۔

ہم کانچ سے باہر آگئے۔ ٹرانس میٹر کے ساتھ دو انچ چوڑا ایک بیلٹ بھی لگا ہوا تھا۔ وانگ ڈن نے اس بیلٹ کی مدد سے ٹرانس میٹر کو کندھے پر لٹکالیا اور کم کے پیروں کی رسیاں کھول دیں۔ ہاتھ پشت پر ہی بندھے رہنے دیے تھے۔

جانگی کی حالت کچھ زیادہ ہی ابتر ہو رہی تھی۔ دارا نے اس کے سر کے بالوں کو پکڑ کر خوب جھنجھوڑا تھا۔ اسے خاصی تکلیف ہو رہی تھی اور وہ بار بار سر کو سہلا رہی تھی۔ میں نے پستول جانگی کے ہاتھ میں تھمادیا اور کم کی نگرانی اس کے سپرد کردی۔

"اگر راستے میں یہ کسی وقت بھاگنے کی کوشش کرے تو بے دریغ گولی چلا دینا۔" جانگی کو یہ ہدایت دیتے ہوئے میرے لہجے میں سرد مہری تھی۔

رائفل رگمولی کے پاس تھی۔ وانگ ڈن کے پاس بھی اپنی رائفل تھی۔ اس نے پستول مجھے دے دیا کیونکہ میرا ریوالور چی فانگ لے بھاگا تھا۔ میں اسی طرف بڑھنا چاہتا تھا جس طرف سے ہم لوگ آئے تھے لیکن وانگ ڈن نے روک دیا۔

"وہ راستہ اختیار کرنا اب خطرناک ہوگا۔" اس نے کہا۔

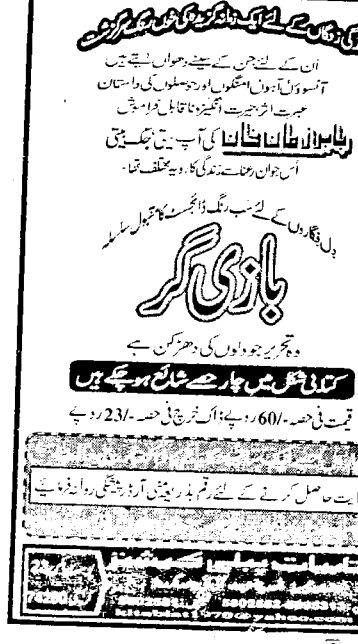
زندگی دکان کے لیے ایک مکمل کورس ہوتی ہے
ان کے لیے جن کے سینے زخموں سے لبریز ہیں
آنسوؤں آہوں اشکوں اور حوصلوں کی داستان
حیرت انگیز ناقابلِ فراموش
رابرٹ خان
کی آپ بیتی
بازی گر
دل فگاروں کے لیے سب رنگ ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ
وہ تحریر جو دلوں کی دھڑکن ہے
کتابی شکل میں چار حصے شائع ہوچکے ہیں
قیمت فی حصہ -/60 روپے؛ آف خرچ فی حصہ -/23 روپے
یہ رعایت حاصل کرنے کے لئے رقم بذریعہ منی آرڈر بھیجی روانہ فرمائیے

"انہیں معلوم ہے کہ ہم اسی طرف سے آئے تھے۔ ممکن ہے وہ لوگ راستے میں کہیں گھات لگائے بیٹھے ہوں۔"

اور پھر ہم نے راستہ بدل دیا۔ یہ راستہ نہ صرف قدرے طویل بلکہ زیادہ دشوار بھی تھا۔ جانگی بڑی مہارت سے کم کو پستول کی زد پر لیے کسی جانور کی طرح ہانک رہی تھی۔ وہ ذرا رکتا تو جانگی اس کے کولھوں پر لات رسید کردیتی۔

میں، رنگولی اور وانگ ڈن اپنا اپنا اسلحہ سنبھالے محتاط انداز میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے چل رہے تھے۔ ٹیک کا یہ جنگل بہت گنجان تھا۔ صندل کے درختوں کی بھی بہتات تھی۔ ان درختوں کی وجہ سے فضا میں مہک سی رچی ہوئی تھی۔ مہاتما بدھ کے ماننے والوں میں صندل کو بہت مقدس لکڑی سمجھا جاتا ہے۔ ویسے بھی اس قیمتی لکڑی کی تجارت سے تھائی لینڈ کثیر زرِ مبادلہ کما رہا تھا۔ ان درختوں کے نیچے دبیز گھاس اور قدِ آدم جھاڑیاں تھیں جن میں راستہ بنا کر چلنا خاصا مشکل ثابت ہو رہا تھا۔ اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ چی فانگ اور دارا وغیرہ کہیں ان گنجان جھاڑیوں میں گھات لگائے نہ بیٹھے ہوں۔ ان کا حملہ ہمارے لیے بہت خطرناک ہو سکتا تھا لیکن مجھے ان کی طرف سے کسی ایسے ردِعمل کی توقع نہیں تھی۔ اب تک کے تجربات تو یہی بتاتے تھے کہ کسی جھڑپ میں شکست کے آثار نظر آتے ہی دارا دُم دبا کر بھاگ نکلتا تھا اور اس نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

میں بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ کانچ سے روانہ ہونے سے پہلے وانگ ڈن نے نشست گاہ والے کمرے کے فرنیچر پر کیروسین آئل چھڑک کر آگ لگا دی تھی اور میں بار بار مڑ کر یہی دیکھ رہا تھا کہ ابھی تک آگ کیوں نہیں پھیلی تھی۔

ہم تقریباً ایک گھنٹے تک ٹھوکریں کھاتے ہوئے چلتے رہے۔ راستہ خاصا طویل ہو گیا تھا۔ ایک جگہ ہمیں رک جانا پڑا۔ ہمارے سامنے تقریباً چھ فٹ چوڑی پہاڑی ندی تھی جس کے چٹانی کنارے بالکل عمودی تھے۔ ندی بہت گہری تھی اور پانی کی رفتار بھی بہت تیز تھی۔ ہم ندی کے ساتھ ساتھ اوپر کی طرف کسی ایسی جگہ کی تلاش میں چلتے رہے جہاں سے ندی آسانی سے پار کی جا سکے لیکن ہم جیسے جیسے اوپر چلتے گئے، ندی کا پاٹ مزید چوڑا ہوتا گیا۔

ایک جگہ ندی کا پانی کنارے سے تقریباً ایک فٹ نیچے تھا۔ رنگولی اور جانگی بُری طرح تھک گئی تھیں۔ رنگولی نے اپنی رائفل زمین پر رکھ دی اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر چلو میں پانی پینے لگی۔

ہم سب کو پیاس لگ رہی تھی۔ ہم نے بھی پانی پیا۔

"اور شاید کہیں بھی پیاس لگ رہی ہے؟" رنگولی نے کم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاتھ کھول دو اس کے۔" وانگ ڈن نے کہا "یہ بھی پانی پی لے۔"

رنگولی نے کم کی پشت پر بندھے ہوئے ہاتھ کھول دیے۔ اس کی کلائیوں پر رسّی کے نشان پڑ گئے تھے۔ وہ کچھ دیر تک کلائیوں کو سہلاتا رہا اور پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر چلو میں پانی پینے لگا۔ ایک دو گھونٹ پینے کے بعد وہ رک گیا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ رنگولی کی رائفل اب بھی زمین پر پڑی تھی۔ رنگولی نے جلدی سے آگے بڑھ کر رائفل اٹھالی۔ کم کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر پھر پانی لینے کے لیے نیچے جھکا اور پھر وہ کچھ ہو گیا جس کی ہم میں سے کسی کو توقع نہیں تھی۔

کم نیچے جھکتا چلا گیا اور پھر اچانک ہی وہ قلا بازی کھاتا ہوا پانی میں گر گیا۔ "چھپاک" کی آواز میرے حواس پر بجلی بن کر گری۔ مجھے سنبھلنے میں دیر نہیں لگی کہ کم کا ندی میں گرنا اتفاق نہیں تھا۔ اس نے جان بوجھ کر چھلانگ لگائی تھی۔ اسے ایک موقع مل گیا تھا اور اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔

"اسے پکڑو اسے۔ روکو۔۔۔" میں بے اختیار چیخ اٹھا۔

رنگولی نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ندی میں رائفل کا پورا برسٹ مار دیا۔ پانی بہت گہرا اور بہت تیز تھا۔ اگر رنگولی کا یہ خیال تھا کہ کم اس کی گولیوں کا نشانہ بن گیا ہوگا تو وہ غلطی پر تھی۔

میں اور وانگ ڈن ندی کے بہاؤ کی طرف دوڑنے لگے۔ ہمارا خیال تھا کہ کم سانس لینے کے لیے کہیں نہ کہیں سر پانی سے باہر نکالے گا لیکن تقریباً سو گز تک ندی کے کنارے پر دوڑنے کے باوجود وہ ہمیں نظر نہیں آیا۔ کئی جگہوں پر جھاڑیاں پانی پر جھکی ہوئی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ شاید وہ پانی سے سر ابھار کر ان جھاڑیوں ہی میں کہیں چھپا ہوا ہوگا لیکن کم اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ اس طرح کی کوئی حماقت کر کے دوبارہ ہمارے ہاتھ آجاتا۔

رنگولی اور جانگی بھی دوڑتی ہوئی ہمارے قریب پہنچ گئی تھیں۔ ہم سب ندی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کم کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن بے سود۔ وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ پانی کا بہاؤ اتنا تیز تھا کہ اگر اس میں درخت کا تنا بھی پھینک دیا جاتا تو چند منٹ میں وہ کہیں کا کہیں پہنچ جاتا۔

"تقریباً نصف میل آگے جا کر یہ ندی آبشار کی صورت میں تقریباً ڈیڑھ سو فٹ گہرائی میں گرتی ہے۔" وانگ ڈن کہہ رہا تھا "اگر کم کو راستے میں کسی جگہ ندی سے نکلنے کا موقع نہیں ملا تو اس کا خاتمہ اسی آبشار پر ہوگا۔ ویسے مجھے افسوس ہے، اسے میری وجہ سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ اگر میں اس کے ہاتھ کھولنے کا مشورہ نہ دیتا تو یہ صورتِ حال نہ ہوتی۔"

"اب افسوس کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔" میں نے کہا "اگر وہ زندہ بچ نکلا تو اس سے ہمارا آمنا سامنا پھر ہوگا۔"

اسی وقت مجھے لکڑی کے جلنے کی بو کا احساس ہوا۔ میں تنے سے سر ٹکرا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ کسی قدر بلندی پر درختوں میں سے سیاہ دھوئیں کا بادل اٹھ رہا تھا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ کانچ آگ کی لپیٹ میں آچکا

تھا۔

ہم بہاؤ کی طرف ندی کے ساتھ ساتھ چلتے رہے اور بالآخر ایک جگہ ہمیں ندی پار کرنے کی جگہ مل گئی۔ اس جگہ ندی کا پاٹ تقریباً پانچ فٹ چوڑا تھا اور وہاں ایک کٹے ہوئے درخت کا تنا رکھا ہوا تھا۔ جو پل کا کام دے رہا تھا۔

ہم ندی پار کر کے جھاڑیوں میں چلتے رہے۔ میں بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ کانچ سے اٹھنے والے دھوئیں کے بادل اب بہت دور تک پھیل گئے تھے۔

مزید آدھے گھنٹے بعد ہم سڑک پر پہنچ گئے۔ گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف گاڑیوں پر سیاحوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ سب لوگ اسی طرف دیکھ رہے تھے جس طرف سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

سڑک کے دوسری طرف چٹان کی آڑ میں درختوں کے نیچے ہماری گاڑی محفوظ تھی۔ گاڑی پر واپس جاتے ہوئے میں نے مڑ کر دیکھا۔ کانچ سے اٹھنے والے شعلے اب بہت اوپر تک پہنچ رہے تھے۔ وانگ ڈن نے گاڑی روک لی۔ اسی وقت میرے ذہن میں ایک اور خیال اُبھرا۔

"جنگل کی آگ بہت خطرناک ہوتی ہے۔ پھیل جائے تو اس پر قابو پانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔" میں نے وانگ ڈن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ ہال نہیں پھیلے گی۔" وانگ ڈن نے کہا "اگر درخت سوکھے ہوئے ہوں تو آگ کے پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن اس علاقے میں ہریالی سبزہ ہے۔ دور دور تک کوئی سوکھا ہوا درخت نظر نہیں آتا۔"

میں ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کان پھاڑ دینے والا ایک دھماکا ہوا۔ دھماکا اس قدر زوردار تھا کہ سڑک پر کھڑی ہوئی ہماری جیپ بھی ہل کر رہ گئی۔ میری نظریں بے اختیار کانچ کی طرف اٹھ گئیں۔ یوں لگتا تھا جیسے آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ کانچ کی چھت، دیواریں اور پھر آگ کے شعلوں کے ساتھ آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے نظر آرہے تھے۔

وانگ ڈن نے سنبھل کر جیپ کو تیزی سے سڑک پر دوڑا دیا۔ میں بار بار مڑ کر اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ پہلے دھماکے کے بعد پے در پے اور بھی دھماکے ہو رہے تھے۔ لگتا تھا جیسے بارود کے ذخیرے میں آگ لگ گئی ہو۔ رنگولی اور جانگی بھی بار بار اسی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہروں پر عجیب سا خوف ابھر آیا تھا۔

وانگ ڈن جیپ کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ قصبے سے گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف جانے والی سیاحوں کی گاڑیاں سڑک پر رک رہی تھیں اور سب لوگ اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ بعض گاڑیوں کو میں نے یوٹرن لے کر واپس مڑتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ وہ لوگ شاید آگے جاتے ہوئے ڈر رہے تھے۔

وانگ ڈن نے جیپ اپنے کاٹیج کی طرف جانے والے راستے پر موڑ لی اور پھر اس کے کچھ ہی دیر بعد ہم کاٹیج میں موجود تھے۔ جانگی جیپ سے اترتے ہی اپنے کمرے میں گھس گئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ کپڑے بدل کر آگئی۔ اس کے بال اسی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے لوما سے پانی منگوا کر ڈسپرین کی دو گولیاں کھائیں اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئی۔ رنگولی بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔

لوما عقل مند آدمی تھا۔ ہم سب کی حالت دیکھ کر اسے یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ ہم کس قسم کی صورتِ حال سے دوچار ہوئے ہوں گے۔ وہ ہمارے لیے کافی بنا کر لے آیا اور اس وقت ہم واقعی بڑی شدت سے کافی کی طلب محسوس کر رہے تھے۔

کافی پینے کے بعد وانگ ڈن نے اپنا حلیہ درست کیا اور باہر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

"ہو سکتا ہے، میں شام سے پہلے واپس نہ آسکوں۔ تم لوگ پریشان مت ہونا۔"

"اگر تم کہیں دیکھ لیے گئے تو؟" میں نے خدشے کا اظہار کیا۔

"مجھے کون پہچانتا ہے؟" وانگ ڈن نے جواب دیا "جو مجھے پہچانتے ہیں وہ اپنی جان بچانے کی فکر میں ہوں گے۔"

وانگ ڈن چلا گیا۔ میں نے لوما سے اپنے لیے اور کافی بنوالی۔

لوما کافی لے کر آیا تو اس نے پہلی مرتبہ ان دھماکوں کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔ اسے کچھ بتا کر میں مزید سوالات کی الجھن میں نہیں پھنسنا چاہتا تھا۔

"میرے لیے کوئی فون تو نہیں آیا تھا؟" میں نے لوما کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں بالکل بھول گیا تھا باس۔" لوما ندامت کا اظہار کرتے ہوئے بولا "دو مرتبہ چیانگ رائے سے فون آچکا ہے۔"

میں نے گھور کر لوما کی طرف دیکھا اور پھر اٹھ کر ٹیلی فون کے قریب آگیا اور ریسیور اٹھا کر چیانگ رائے میں رنگولی کے مکان کا نمبر ملانے لگا۔ دوسری طرف گھنٹی بجتی رہی لیکن کال ریسیو نہیں کی گئی۔ میں نے کریڈل ٹیپ کر کے ری ڈائل کا بٹن دبا دیا۔

اس مرتبہ بھی گھنٹی بجتی رہی۔ اُدھر سے کال ریسیو نہیں ہو رہی تھی اور اِدھر میری پریشانی بڑھنے لگی تھی۔ پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئی تھیں۔ کال ریسیو نہ ہونے کا مطلب تو یہ تھا کہ تھائی یا پرساد گھر پر نہیں تھے لیکن وہ کہاں جا سکتے تھے۔ رنگولی نے میری کیفیت کو تاڑ لیا اور میرے قریب کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"کال ریسیو نہیں ہو رہی۔" میں نے جواب دیا "یا تو تمہارا فون خراب ہے یا تھائی اور پرساد۔۔۔"

"لاؤ۔ مجھے دو۔ میں ملاتی ہوں۔" رنگولی نے ریسیور میرے

ہاتھ سے لے لیا اور نمبر ملانے لگی لیکن نتیجہ اس مرتبہ بھی صفر ہی نکلا۔ کئی مرتبہ ٹرائی کرنے کے بعد اس نے ریسیور رکھ دیا۔

"کوئی گڑبڑ نہ ہوگئی ہو!" وہ میری طرف دیکھ کر بڑبڑائی "ایک منٹ میں تھالوب کو فون کرتی ہوں۔ اس سے پتا چل جائے گا کہ کیا معاملہ ہے۔" اس نے دوبارہ نمبر ملانے کے لیے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

میں نے لپک کر رگھولی سے پہلے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے تھائی کی آواز سنتے ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

"کہاں غائب تھیں تم۔ میں پندرہ منٹ سے ٹرائی کررہا ہوں؟" میں نے کہا۔

"ہم نے تقریباً ایک گھنٹا پہلے رگھولی کا مکان چھوڑ دیا تھا۔" تھائی نے جواب دیا "آخری مرتبہ تمہیں وہیں سے فون کیا تھا۔ اس کے بعد موقع ہی نہیں ملا۔"

"اوہ!" میں نے کہا "اس وقت کہاں ہو تم۔ رگھولی کا مکان کیوں چھوڑا؟"

"اس وقت ہم تھالوب کے ایک مکان میں ہیں۔" تھائی نے جواب دیا "ہم پیڈرو کے آدمیوں کی نظروں میں آگئے تھے جس کی وجہ سے ہمیں رگھولی کا مکان چھوڑنا پڑا۔"

"پیڈرو کے آدمی؟" میرے لہجے میں تشویش تھی۔

"بنگاک میں بہت گڑبڑ ہوگئی ہے وجدان۔" تھائی نے کہا۔ "پاکھم کو پیڈرو کے آدمیوں نے اسپتال سے اغوا کرلیا ہے۔ پیڈرو اور ماسٹر ہوچن کے آدمیوں میں آج کل خوب ٹھنی ہوئی ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ بعض اعلیٰ سرکاری آفیسر بھی پیڈرو کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ماسٹر ہوچن کے تین آدمیوں کو پولیس گرفتار کرچکی ہے۔ پیڈرو کو تمہاری تلاش ہے۔ تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے ہی پاکھم کو اسپتال سے اغوا کیا گیا ہے۔"

"لیکن پاکھم....."

"اس کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہوچکی تھی۔" تھائی نے میری بات کاٹ دی "کل شام کو پرساد نے اپنے کسی جاننے والے کو فون کیا تھا۔ یہ ساری باتیں اسی سے معلوم ہوئی تھیں۔ اس کی اطلاع کے مطابق پیڈرو آج کسی وقت چیانگ رائے پہنچنے والا ہے۔ اسے شاید کسی طرح پتا چل گیا ہے کہ تم یہاں ہو۔ اس مرتبہ وہ پوری قوت سے تم پر وار کرنا چاہتا ہے تاکہ تمہارا قصہ ختم کردیا جائے اور میرا خیال ہے' چیانگ رائے کے بعض اعلیٰ پولیس افسران بھی اس معاملے میں اس کا ساتھ دیں گے۔"

"لیکن تم لوگوں نے رگھولی کا مکان کیوں چھوڑا؟" میں نے پھر پوچھا۔

"میں نے بتایا ہے نا کہ ہم پیڈرو کے آدمیوں کی نظروں میں آگئے تھے۔" تھائی نے جواب دیا "آج صبح سویرے میں ناشتے کے لیے کچھ سامان لینے مارکیٹ گئی تھی۔ وہاں وانگ سائی سے سامنا ہوگیا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا مگر ایسا انداز اختیار کرلیا جیسے دیکھا ہی نہ ہو لیکن میں محتاط ہوگئی تھی۔ اس نے میرا پیچھا کرنے کی کوشش کی تھی مگر میں اسے چکما دینے میں کامیاب ہوگئی۔ میں نے دو مرتبہ تمہیں فون کیا مگر تم گھر پر نہیں تھے پھر میں نے تھالوب کو فون کرکے صورتِ حال سے آگاہ کردیا۔ وہ ہمیں رگھولی کے مکان سے نکال لایا۔ اس وقت اگرچہ ہم محفوظ ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ پیڈرو کے آدمی پورے شہر میں ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔"

"تھالوب کہاں ہے؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"وہ اس وقت اپنے دفتر میں ہوگا۔ میں تمہیں اس کا نمبر دیتی ہوں۔ تم اس سے بات کرلو۔" تھائی نے کہا۔

میں نے تھائی کا بتایا ہوا نمبر نوٹ کرلیا اور اسے محتاط رہنے کی ہدایت دیتے ہوئے فون بند کردیا اور جانگی اور رگھولی کو صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگا۔

"زیادہ تشویش کی بات یہ ہے کہ پیڈرو کو اب کچھ سرکاری حمایت حاصل ہوگئی ہے۔" جانگی نے کہا "لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ چند روز پہلے تک جو شخص پولیس کو سب سے زیادہ مطلوب تھا اسے اب قانون کا تحفظ حاصل ہوگیا ہے۔ گویا اسے قتل و غارت کا لائسنس دے دیا گیا ہے۔ پیڈرو جیسے لوگوں کو جب اس قسم کا "فری ہینڈ" ملتا ہے تو وہ قیامت بن جاتے ہیں۔"

"سیاست بہت گندی چیز ہے۔" میں نے کہا "بعض اوقات تو اپنے ماں باپ کے قاتلوں کو بھی گلے لگالیا جاتا ہے۔ مجھے سیاست سے زیادہ دلچسپی نہیں مگر یہاں کے معاملات خاصے گمبھیر ہیں۔ ایک بہت ہی خوفناک سازش کا لاوا اندر ہی اندر کھول رہا ہے اور یہ ساری سرگرمیاں اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ دارا اور پیڈرو جیسے لوگ ملک کے اس دور دراز علاقے میں جمع ہورہے ہیں۔ یہ لوگ محض تفریح کے لیے یہاں نہیں آئے۔ انہیں یہ بھی پتا چل گیا ہے کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں اس لیے وہ اپنے اصل کام سے پہلے مجھے ٹھکانے لگانے کی کوشش کریں گے تاکہ ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے اور ہمارے لیے تشویش کی بات یہ ہے کہ اب پیڈرو جیسے لوگوں کو یہاں پولیس کے بعض افسروں کی حمایت بھی حاصل ہوگی۔"

"تھالوب اس علاقے کا سردار ہے۔" رگھولی نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ پولیس اس سے پنگا لینے کی کوشش نہیں کرے گی۔"

"بہرحال دیکھنا یہ ہے کہ حالات اب کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "میرے خیال میں خالی اور پرساد کو اب چیانگ رائے میں تنہا چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ تم تھالوب سے بات کرو۔ اگر وہ ان دونوں کو آج کسی طرح یہاں بھجوادے تو یہ بہت اچھی بات ہوگی۔"

رگھولی کچھ کہے بغیر فون کا ریسیور اٹھالیا اور نمبر ملانے لگی۔ اس نے وہی نمبر ملایا تھا جو تھائی نے مجھے نوٹ کروایا تھا لیکن غالباً اس نمبر پر موجود نہیں تھا۔ اس نے کوئی دوسرا نمبر ملایا اور غالباً کسی جگہ تھالوب سے رابطہ ہوسکا تھا۔ وہ تقریباً دس منٹ تک اس سے بات کرتی رہی پھر ریسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"وہ دونوں آج شام کو یہاں پہنچ جائیں گے۔"

ہم لوگ اس وقت تک ہال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اٹھ کر باہر لان میں آگیا۔ رگھولی بھی میرے ساتھ ہی تھی۔ جانگی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ موسم بہت خوشگوار تھا۔ آسمان پر بادلوں کے ٹکڑے تیر رہے تھے۔ سورج کبھی بادلوں کے پیچھے چھپ جاتا اور کبھی دھوپ چمکنے لگتی۔ میں ایک جگہ بیٹھنے کے بجائے اِدھر اُدھر گھومنے لگا اور بالآخر ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں سے چاروں طرف بہت دور تک کا جائزہ لیا جاسکتا تھا۔

پہاڑیوں میں ایک جگہ دھوئیں کے سیاہ بادل اٹھتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ وہ جگہ اگرچہ یہاں سے میلوں دور تھی لیکن دھوئیں کے بادل دیکھ کر لگتا تھا جیسے پہاڑیوں میں کہیں قریب ہی آگ لگی ہو۔ میں دیر تک اس طرف دیکھتا رہا اور پھر لان میں آکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ رگھولی پہلے ہی سے وہاں موجود تھی۔

وانگ ڈن کے شام سے پہلے آنے کی توقع نہیں تھی۔ میں کاٹیج میں دھماکے کے بعد صورتِ حال جاننے کے لیے بے چین تھا۔ میں نے بنگاک میں بھی عمارتوں کو جلتے ہوئے دیکھا تھا لیکن ایسے دھماکے نہیں سنے تھے لیکن یہاں تو ایسے لگا تھا جیسے بارود کے ذخیرے میں آگ لگ گئی ہو۔

ہمیں واپس آئے ہوئے دو گھنٹے ہوچکے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ لوگا صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے شہر کی طرف بھیج دوں لیکن ٹھیک اسی لمحے لوما برآمدے والے دروازے میں نمودار ہوا۔

"آپ کے لیے فون ہے ماسٹر۔" اس نے برآمدے ہی سے آواز لگائی۔

میں اٹھ کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ہال میں آگیا اور میز پر الگ رکھا ہوا فون کا ریسیور اٹھالیا۔ وہ وانگ ڈن کی کال تھی۔

"تمہارے لیے بڑی دلچسپ اطلاع ہے باس۔" وانگ ڈن نے کہا "اس کاٹیج کے تہ خانے میں بڑی تعداد میں گولہ بارود بھرا ہوا تھا جو آگ لگنے کے بعد دھماکے سے اڑ گیا۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" میں نے پوچھا "کیا اتنی سی دیر میں یہ معلوم کرلیا گیا ہے کہ کاٹیج کے تہ خانے میں گولہ بارود بھرا ہوا تھا؟"

"دھماکے شہر میں بھی سنے گئے تھے۔ کاٹیج سے اٹھتا ہوا دھواں تو اب بھی نظر آرہا ہے۔" وانگ ڈن کہہ رہا تھا "دھماکے ہوتے ہی پولیس کی ایک پارٹی پہاڑیوں کی طرف روانہ ہوگئی تھی اور اب تو تین گھنٹے ہوچکے ہیں۔ پولیس اگرچہ ابھی تک اس کاٹیج کے قریب نہیں جاسکی لیکن انہیں صورتِ حال کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ انہوں نے موبائل فون پر ہیڈ کوارٹر کو صورتِ حال سے آگاہ کردیا۔ ہیڈ کوارٹر کی پولیس نے بڑی تیزی سے اپنا کام دکھایا اور یہ معلوم کرلیا کہ وہ کاٹیج کس کا تھا۔ دو ایسے آدمی گرفتار کیے جاچکے ہیں جن کا تعلق اسی کاٹیج سے ہے۔ ان میں سے ایک نے یہ انکشاف کیا ہے کہ کاٹیج کے تہ خانے میں گولہ بارود بھرا ہوا تھا جو ایک دو روز میں سرحد پار گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف اسمگل کیا جانے والا تھا۔"

"تمہیں یہ ساری معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں؟" میں نے پوچھا۔

"میں سردار تھالوب کا آدمی ہوں اور ہر جگہ میرے تھوڑے بہت تعلقات ہیں۔" وانگ ڈن کہہ رہا تھا "میں ایک انسپکٹر سے دوستی کی آڑ... میں پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گیا تھا۔ یہ ساری معلومات مجھے وہیں سے حاصل ہوئی ہیں۔ پولیس بہت سرگرم ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان دھماکوں کے حوالے سے کچھ اور سنسنی خیز انکشافات بھی ہونے والے ہیں۔"

"تم کب تک واپس آؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"شام تک۔" وانگ ڈن نے جواب دیا "تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی محتاط رہنا۔"

کچھ دیر مزید گفتگو کے بعد میں نے فون بند کردیا۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ وہ دھماکے بارود ہی کے تھے۔ ہم نے چی فانگ کو پکڑنے کے لیے اس کاٹیج پر ریڈ کیا تھا۔ ہمیں اپنے اس مقصد میں تو کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی لیکن انجانے میں ہم انہیں بہت بڑا نقصان پہنچا چکے تھے۔

وانگ ڈن شام سے پہلے ہی واپس آگیا۔ اس کے پاس بڑی سنسنی خیز خبریں تھیں۔ کاٹیج کے تہ خانے میں اسٹور کیا جانے والا کروڑوں ڈالر مالیت کا اسلحہ گولڈن ٹرائی اینگل اسمگل کیا جانے والا تھا۔ جنرل کھوراٹ نے گولڈن ٹرائی اینگل میں اپنی فوج بنا رکھی تھی جو جدید ترین ہتھیاروں سے لیس تھی اور یہ ہتھیار دوسرے ممالک سے اسمگل کیے جاتے تھے۔ یہ سنہری ٹکون تھائی لینڈ' برما اور لاؤس کی سرحدوں میں گھری ہوئی تھی اور تینوں ممالک کی انتظامیہ میں ایسے کرپٹ لوگوں کی کمی نہیں تھی جو اپنا ضمیر بیچ کر جنرل کھوراٹ کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کررہے تھے۔ اسلحہ اور ہر قسم کا گولہ بارود جنرل کھوراٹ کی اہم ترین ضرورت تھی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ گولہ بارود کی ترسیل میں کبھی کسی قسم کی رکاوٹ پیدا ہوئی ہو اور یہ پہلا موقع تھا کہ اس کا کروڑوں ڈالر مالیت کا گولہ بارود تباہ ہوگیا۔

"گولڈن ٹرائی اینگل میں بھی کھلبلی سی مچ گئی ہے۔" وانگ

ڈن کہہ رہا تھا "جنرل کھوراٹ بہت بھنّایا ہوا ہے۔ اس نے تمہاری گرفتاری کے لیے پانچ لاکھ امریکی ڈالر کے انعام کا اعلان کردیا ہے۔ وہ ہر صورت میں تمہیں زندہ پکڑنا چاہتا ہے۔ تمہارے ہاتھوں اب تک اس کے نہ صرف کئی آدمی مارے جاچکے ہیں بلکہ گولہ بارود کی تباہی نے اس کا دماغ پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ اس نے تمہیں اپنا دشمن نمبر ایک قرار دے دیا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "جنرل کھوراٹ کے اعلان نے یہاں بھی کھلبلی مچادی ہے لیکن کسی شخص کو تمہاری گرفتاری سے دلچسپی نہیں۔ لوگ خوف زدہ ہیں۔ انہیں اندیشہ ہے کہ یہاں کوئی ایسی جنگ نہ چھڑ جائے جس میں بے گناہ افراد مارے جائیں۔"

"یہاں کی انتظامیہ کا کیا ردِعمل ہے اور کیا جنرل کھوراٹ اتنا طاقت ور ہے کہ تھائی لینڈ کے خلاف اعلانِ جنگ کردے؟" میں نے پوچھا۔

"جنرل کھوراٹ طاقت ور ضرور ہے۔ اس کی اپنی فوج بھی ہے جس کے پاس جدید ترین ہتھیار ہیں لیکن وہ کسی حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ کی حماقت نہیں کرے گا۔ البتہ وہ گوریلا جنگ شروع کرسکتا ہے۔ اس کے فوجی گوریلا جنگ کے ماہر ہیں۔ سرحد کے آس پاس کی بستیوں میں چھاپا مار کارروائیاں کرکے وہ اپنے پڑوس کی کسی بھی حکومت کو اپنے مطالبات ماننے پر مجبور کرسکتا ہے اور جہاں تک مقامی انتظامیہ کا سوال ہے تو آدھے سے زیادہ آفیسر کرپٹ ہیں۔ اس کا اندازہ تم اس بات سے بھی لگا سکتے ہو کہ کانیچ میں دھماکوں کے بعد شہر سے جن دو آدمیوں کو گرفتار کیا گیا تھا' انہوں نے اگرچہ کچھ سنسنی خیز انکشافات کیے تھے مگر آج دوپہر انہیں نہ صرف رہا کردیا گیا بلکہ دریائے میکانگ عبور کرنے کے لیے ایک کشتی بھی مہیا کردی گئی۔"

"عام لوگوں کے کیا تاثرات ہیں؟" میں نے پوچھا "کیا انہیں یہ اعتراض نہیں کہ جنرل کھوراٹ نے اس علاقے میں اپنے اڈے بنا رکھے ہیں؟"

"کسی کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ کس نے کہاں اڈے بنا رکھے ہیں۔" وانگ ڈن نے جواب دیا "عام تھائی باشندے بہت سیدھے سادے اور محنت کش ہیں۔ وہ صرف دو وقت کی روٹی کھانا چاہتے ہیں۔ انہیں اس سے غرض نہیں کہ کون کیا کررہا ہے۔ اس شہر کے باشندوں کی آمدنی کا دارومدار سیاحت پر ہے اور یہ سیاحت کا سیزن ہے۔ آج دوپہر کے بعد انتظامیہ نے گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف جانے والے راستے بند کردیے ہیں۔ یہ خبر پورے شہر میں پھیل چکی ہے کہ اس کانیچ میں جنرل کھوراٹ کے گولہ بارود کا ذخیرہ تھا جو مکمل طور پر تباہ ہوچکا ہے اور جنرل کھوراٹ کی طرف سے کسی ممکنہ کارروائی کے پیشِ نظر اندرونِ ملک اور غیر ممالک سے آئے ہوئے سیاح واپس جارہے ہیں جس سے یہاں کے لوگوں کا کاروبار متاثر ہورہا ہے۔ دو چار دن یہی صورتِ حال رہی تو یہ شہر سیاحوں سے خالی ہوجائے گا۔ اس لحاظ سے یہاں کے کاروباری لوگ جنرل کھوراٹ سے خوش نہیں ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ عوام کی طرف سے بھی میسرز فوزی کو کوئی ایسا شدید ردِعمل ہوسکتا ہے جو میرے لیے کسی خطرے کا باعث....."

"نہیں۔" وانگ ڈن نے میری بات کاٹ دی "عوام کی طرف سے کوئی ایسا شدید ردِعمل نہیں ہوگا لیکن انتظامیہ تمہارے خلاف سرگرم ہوسکتی ہے۔ ہوسکتا ہے پولیس تمہاری تلاش شروع کردے۔"

"تو پھر شاید ایسی صورت میں ہمیں یہ جگہ چھوڑنی پڑے۔" میں نے کہا۔

"بالکل نہیں۔" وانگ ڈن نے کہا "یہ تمہارے لیے محفوظ ترین جگہ ہے۔ اگر پولیس کو پتا چل بھی گیا کہ تم یہاں ہو تو وہ اس طرف کا رخ کرنے کی حماقت نہیں کریں گے۔ تھالوب کا باپ اس سرحدی علاقے میں پھیلے ہوئے سب سے بڑے قبیلے کا سردار ہے۔ بڑا سردار اب گوشہ نشیں ہوچکا ہے۔ تمام باگ ڈور تھالوب کے ہاتھ میں ہے۔ تھائی حکومت یہ بھی جانتی ہے کہ سرحدوں پر آباد قبائل ملک کے محافظوں کا کام دیتے ہیں۔ ان کی ناراضگی مول نہیں لی جاسکتی۔ کسی سردار کے خلاف کارروائی کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے قبیلے کو بغاوت پر اکسایا جائے اور پھر بغاوت کسی ایک قبیلے کی نہیں ہوگی۔ تمام قبائلی ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ کسی بھی ملک میں قبائلی بغاوت سب سے زیادہ خوفناک سمجھی جاتی ہے۔ مخصوص جغرافیائی حالات کی بنا پر فوج بھی قبائلیوں کے خلاف مؤثر کارروائی نہیں کرسکتی۔ زیادہ نقصان فوج ہی کا ہوتا ہے اور پھر کیرن قبیلہ!" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "اس قبیلے نے تو اس علاقے کی ترقی میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ بڑے سردار نے یہاں پوست کی کاشت ختم کرائی۔ اس کی دیکھا دیکھی اب دوسرے قبائل بھی پوست کی کاشت بتدریج کم کرتے چلے جارہے ہیں۔ سردار تھالوب پڑھا لکھا اور محبِ وطن آدمی ہے۔ وہ مہینے میں دو مرتبہ یہاں آتا ہے اور کبھی بھی کسی ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھتا۔ وہ ان پہاڑوں میں میلوں اندر تک چلا جاتا ہے۔ اس سے نہ صرف وہ قبائلیوں کے حالات سے باخبر رہتا ہے بلکہ وہ انہیں یہ ترغیب بھی دیتا رہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ رقبے پر کارآمد فصلیں اگائیں اور پوست کی کاشت کا رقبہ بتدریج کم کرتے چلے جائیں۔ قبائلیوں کے علاوہ حکومتی مشینری کے ارکان بھی سردار تھالوب کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لیے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ پولیس اس کے کانیچ پر چھاپہ ڈالے گی۔ کوئی مصدقہ اطلاع ملنے کے بعد بھی پولیس کو یہاں آنے سے پہلے سیکڑوں بار سوچنا پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے لیکن....." میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "کانیچ کی کارروائی سے اندازہ ہوگیا ہے کہ یہاں جنرل کھوراٹ کے ایجنٹ نہیں بلکہ بہت سے ایجنٹ موجود ہیں۔ اگر انہیں پتا چل گیا کہ میں یہاں ہوں تو وہ لوگ ہلا بول دیں گے۔"

"ہمیں ان کی طرف سے کسی ممکنہ کارروائی کا قبل از وقت پتا چل جائے گا۔" وانگ ڈن نے مسکراتے ہوئے کہا "میں نے شہر میں سب کچھ جاننے کے بعد سب سے پہلے یہی بندوبست کیا تھا۔ اس وقت شہر میں کم از کم بیس محافظ موجود ہیں جو کسی بھی قسم کی صورتِ حال سے نمٹنے کو تیار ہیں۔"

"لیکن مجھے تو کانیچ کے آس پاس کوئی بھی نظر نہیں آیا!" میں نے کہا۔

"ہر شخص کانیچ سے کم از کم سو گز کے فاصلے پر ہے اور پودوں میں اس طرح چھپا ہوا ہے کہ بالکل قریب سے گزرنے والا بھی کوئی شخص اسے نہیں دیکھ سکتا۔" وانگ ڈن نے جواب دیا "لیکن کسی مشتبہ شخص کو ملاحظے میں دیکھتے ہی مخصوص سگنل کے ذریعے سب کو اس کی اطلاع ہوجائے گی۔"

میں غیر ارادی طور پر اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا لیکن ظاہر ہے، مجھے وانگ ڈن کا کوئی آدمی نظر نہیں آیا تھا۔ ہم یہ باتیں کررہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ وانگ ڈن قریب تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا اور پھر فون پر بات کرتے ہوئے وہ ایک دم مؤدب ہوگیا۔ وہ قبائلی زبان میں بات کررہا تھا۔ پہلے تو میں یہ سمجھا کہ شاید اس کے کسی آدمی کا فون ہوگا جو کوئی اہم اطلاع دے رہا تھا لیکن بعد میں انکشاف ہوا کہ چیانگ رائے سے تھالوب کی کال تھی۔

"تمہارے دونوں ساتھی چیانگ رائے سے روانہ ہوچکے ہیں۔" وہ فون کا ریسیور رکھ کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "انہیں چیانگ رائے سے نکلے ہوئے ایک گھنٹا ہوچکا ہے اور میرا خیال ہے انہیں یہاں پہنچنے میں مزید ایک گھنٹا لگے گا۔ تمہیں معلوم ہی ہے، راستہ کتنا پُرپیچ اور خطرناک ہے۔ اتنا وقت تو لگ ہی جائے گا۔"

"کیا وہ اکیلے ہیں یا ان کے ساتھ کوئی اور بھی ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"سردار تھالوب نے ان کی حفاظت کے لیے تین گن مین بھی ساتھ بھیجے ہیں۔" وانگ ڈن نے جواب دیا۔

میں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ اس وقت آٹھ بج رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ تھائی اور پرساد ساڑھے نو بجے سے پہلے یہاں نہیں پہنچیں گے۔

نو بجے لوما نے میز پر کھانا لگا دیا۔ ہم ابھی کھانا کھا ہی رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی ایک بار پھر بج اٹھی۔ لوما اسی طرف کھڑا تھا۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ ڈیڑھ دو منٹ تک بات کی پھر وانگ ڈن کو اٹنڈ کیا۔ لوما کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ میری چھٹی حس کسی گڑبڑ کا احساس دلانے لگی۔

وانگ ڈن اٹھ کر ٹیلی فون کے پاس چلا گیا اور لوما کے ہاتھ سے ریسیور لے کر بات کرنے لگا۔ وہ قبائلی زبان میں بات کررہا تھا جس کا ایک لفظ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا لیکن ایک دو منٹ بعد اس کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ اب وہ چیخ چیخ کر فون پر بات کررہا تھا پھر اس نے ریسیور پٹخ دیا اور تیز لہجے میں لوما سے کچھ کہنے لگا۔ بات ختم کرکے وہ میز کی طرف آنے کے بجائے باہر والے دروازے کی طرف لپکا۔

میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ شاید اس کانیچ پر حملہ ہونے والا تھا اور وانگ ڈن کے کسی آدمی نے پیشگی اطلاع دے دی تھی۔ رنگھولی اور جانکی بھی متوحش نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ میں نے کھانا چھوڑ دیا اور اٹھ کر وانگ ڈن کے پیچھے دوڑا۔

وانگ ڈن اس دوران میں لان کے آخری سرے پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے جنگل کی طرف رخ کرکے دونوں ہاتھوں کا بھونپو بنا کر منہ پر رکھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کے منہ سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ وہ غالباً کسی ایسے جانور کی آواز تھی جو اسی نواح میں پایا جاتا تھا۔ اس نے تین چار مرتبہ اس آواز کو دہرایا۔ جواب میں مختلف اطراف سے ایسی ہی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

وانگ ڈن واپس مڑا ہی تھا کہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"او۔ باس تم....."

"کیا بات ہے وانگ؟" میں نے اسے جملہ مکمل نہیں کرنے دیا "اس کانیچ پر پولیس ریڈ کرنے والی ہے یا جنرل کھوراٹ کے آدمی حملہ کرنے والے ہیں؟"

"اگر ایسی کوئی اطلاع ہوتی تو میں اتنا بدحواس نہ ہوتا۔ معاملہ اس سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔ شاید تم....." وہ خاموش ہوگیا۔

"خاموش کیوں ہوگئے۔ بتاؤ کیا بات ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔ میرے دل کی دھڑکن خطرناک حد تک بڑھتی جارہی تھی۔

"چیانگ رائے سے آنے والی ہماری جیپ پر حملہ کردیا گیا ہے اور....."

"کیا....." میں اچھل پڑا۔ میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں اور دماغ میں ہتھوڑے برسنے لگے "کہاں حملہ ہوا ہے۔ کیا وہ لوگ....."

"تفصیل معلوم نہیں ہوسکی۔" وانگ ڈن نے کہا "چیانگ رائے سے آنے والی سڑک پر اس قصبے کی پہلی چیک پوسٹ سے نصف میل دور جیپ پر دو اطراف سے شدید فائرنگ کی گئی۔ حملہ آور فرار ہوچکے ہیں۔ چیک پوسٹ کے محافظ فائرنگ کی آواز سن کر اس طرف گئے تھے۔ انہوں نے ہماری جیپ پہچان لی اس لیے مجھے

فون کردیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے کوئی تفصیل نہیں بتائی۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو وانگ۔" میں تقریباً چیخ اٹھا۔

وانگ ژن کے جواب دینے سے پہلے ہی پانچ چھ آدمی تاریکی سے نکل کر ہماری طرف آگئے۔ وہ سب قبائلی تھے۔ ان کے ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفلیں تھیں اور ہر ایک کے سینے پر دونوں طرف سے کراس کرتے ہوئے گولیوں سے بھرے ہوئے بیلٹ تھے۔ وانگ ژن نے تیز لہجے میں ان سے کچھ کہا اور وہ دوڑتے ہوئے کانیج کے اطراف میں پھیل گئے۔ وانگ ژن بھی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا برآمدے کی طرف بڑھا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ بھاگ دوڑ کی آوازیں سن کر رگمولی اور جانگی بھی کھانا چھوڑ کر برآمدے میں آگئی تھیں۔ ان کے قریب ہی لوبا بھی رائفل لیے کھڑا تھا۔ وانگ ژن نے اس کے ہاتھ سے رائفل لی اور جیپ کی طرف بڑھا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا وانگ۔" میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے باس۔" وانگ ژن نے کہا۔

"وہاں پولیس پہنچ چکی ہوگی۔ اگرچہ یہاں کا کوئی پولیس والا تمہیں پہچانتا نہیں ہے لیکن تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر وہ ٹھٹک جائیں گے۔"

"جو کچھ بھی ہوگا دیکھا جائے گا۔" میں نے کہا "وہ لوگ نجانے کس حال میں ہوں گے اور میں یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتا۔"

وانگ ژن نے میری طرف دیکھا پھر رائفل میرے ہاتھ میں تھمادی اور چیخ کر لوبا سے کچھ کہا۔ لوبا کانیج کی طرف دوڑ گیا۔ رگمولی اور جانگی دوڑتی ہوئی ہمارے قریب آگئیں۔ انہیں کسی گڑبڑ کا اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ ان دونوں نے مجھ پر سوالات کی بوچھار کردی۔

"ہائی وے پر جھڑپ کی اطلاع ملی ہے۔ ہم وہیں جارہے ہیں۔ تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں یہ کہتے ہوئے جیپ کی طرف بڑھ گیا۔

لوبا دوسری رائفل لے آیا تھا۔ وانگ ژن نے رائفل سنبھالی اور جیپ کے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کردیا اور پھر اس نے جیپ اس تیزی سے گھمائی تھی کہ ٹائروں کے نیچے سلپ ہونے والی بجری مشین گن سے نکلی ہوئی گولیوں کی طرح چاروں طرف اڑنے لگی۔

وانگ ژن خطرناک حد تک تیز رفتاری سے جیپ چلا رہا تھا۔ مین روڈ پر پہنچ کر تو اس نے رفتار اور بھی بڑھادی۔ سڑکوں پر اس وقت ٹریفک تھا۔ کئی مرتبہ حادثہ ہوتے ہوتے بچا تھا لیکن اس نے رفتار کم نہیں کی۔

قصبے سے نکل کر چیانگ رائے کی طرف جانے والی ہائی وے پر پہنچ کر مجھے یوں لگا جیسے وہ جیپ کو ہوا میں اڑانے کی کوشش کررہا ہو۔

چیک پوسٹ پر اسے جیپ روکنی پڑی تھی۔ چیک پوسٹ کے محافظ اسے اچھی طرح پہچانتے تھے۔ اس وقت وہاں صرف دو تھے۔ وانگ ژن ان سے تیز لہجے میں بات کرنے لگا۔ ان میں سے ایک نے جلدی سے آگے بڑھ کر بیریئر اٹھا دیا اور وانگ ژن نے جیپ ایک زوردار جھٹکے سے آگے بڑھادی۔ جائے واردات تک پہنچنے میں تین منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ وانگ ژن نے زور سے بریک لگائے تھے کہ فضا ٹائروں کی چرچراہٹ کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔

وہ ایک بند جیپ تھی جو سڑک سے ہٹ کر آڑی ترچھی کھڑی تھی۔ چیک پوسٹ کے دو محافظ رائفلیں لیے جیپ کے قریب کھڑے تھے۔ میں اور وانگ ژن اپنی جیپ سے اتر کر اس جیپ کی طرف دوڑے۔ وانگ ژن نے اپنی جیپ کی ہیڈ لائٹس جلتی چھوڑ دی تھیں اور اس کی روشنی میں دوسری جیپ کو دیکھ کر میں اٹھا۔ جیپ چاروں طرف سے چھلنی ہوچکی تھی۔ تمام شیشے ٹوٹے ہوئے تھے۔ جیپ کا ڈرائیور اپنی سیٹ پر اس طرح گرا ہوا تھا اس کی ٹانگیں اندر تھیں اور سر باہر کی طرف لٹکا ہوا تھا۔ چہرے اور سینے پر کئی گولیاں لگی تھیں۔ خون آلود چہرہ بہت بھیانک لگ رہا تھا۔ ساتھ والی سیٹ پر گن مین تھا۔ اس کا جسم بھی چھلنی تھا۔ آگے کو جھکا ہوا تھا اور اس کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکا ہوا تھا۔ اس کے پیروں کے قریب بڑی تھی۔

پیچھے کا دروازہ کھولتے ہی مجھے سینے میں دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ شریانوں میں خون جیسے اچھلنے لگا۔ میں نے بہت سی لاشیں دیکھی تھیں۔ کئی لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ انہیں اپنے سامنے تڑپتے اور دم توڑتے ہوئے دیکھا مگر ایسا روح فرسا منظر آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا تھا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔

جیپ کے پچھلے حصے میں چار لاشیں نیچے اوپر پڑی ہوئی تھیں۔ دو گن مین تھے۔ ایک کا چھلنی جسم آدھا سیٹ پر تھا اور آدھا اس کے نیچے دوسرا گن مین دبا ہوا تھا اور اس کے نیچے پڑا ہوا تھا جس کی ایک ٹانگ نیچے تھی اور دوسرا پیر سیٹ پر ٹکا ہوا تھا۔ سب سے نیچے تھائی تھی جس کی صرف ٹانگیں نظر آرہی تھیں۔

دونوں گن مینوں کے جسم چھلنی تھے۔ پرساد کے جسم پر کئی سوراخ نظر آرہے تھے۔ تھائی ان سب کے نیچے دبی ہوئی تھی اور یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اسے کتنی گولیاں لگی تھیں۔

میں نے وانگ ژن کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو اترا ہوا تھا۔ وہ اپنے قریب کھڑے ہوئے محافظ سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ تھائی زبان میں باتیں کررہے تھے اس لیے میں بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔

"فائر کی آواز سنتے ہی ہم تین آدمی جیپ پر اس طرف [illegible]

"محافظ کہہ رہا تھا" یہاں یہ صورتِ حال دیکھی تو ایک محافظ کو [illegible] بھیج دیا تاکہ ہیڈ کوارٹر کو اطلاع دی جاسکے۔ ہم دونوں یہیں [illegible] میرا خیال ہے کہ حملہ آور یہاں سڑک کے دونوں طرف [illegible] گئے تھے۔ یہ جیپ جیسے ہی یہاں پہنچی' دونوں طرف [illegible] لگائے بیٹھے تھے۔ یہ جیپ جیسے ہی یہاں پہنچی' دونوں طرف [illegible] شروع کردی۔ جیپ میں موجود کسی گن مین [illegible] وقت فائرنگ کا موقع نہیں مل سکا ہوگا۔ مجھے حیرت ہے کہ [illegible] کارروائی کے بعد ڈرائیور نے جیپ روک کیسے لی تھی۔"

گولیاں لگنے کے بعد ڈرائیور نے جیپ روک کیسے لی تھی۔"

شاید فائر کی آواز سنتے ہی اس نے بریک دبا دیا تھا اور اس کے بعد اس کا جسم چھلنی ہوگیا۔" وانگ ژن نے کہا۔

ہم اطلاع ملنے پر شہر کی دوسری طرف سے یہاں آگئے تھے لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ پولیس ابھی تک نہیں پہنچی تھی حالانکہ پولیس ہیڈ کوارٹر شہر کے تقریباً وسط میں تھا۔ میں یہی بات سوچتا ہوا ایک بار پھر جیپ کے پچھلے حصے کی طرف چلا گیا اور سڑک ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

سڑک کافی کشادہ تھی۔ اس کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے نالوں کی طرح اٹھان تھی اور یہ ٹیلے سبزے سے ڈھکے ہوئے تھے۔ تقریباً دس گز پیچھے ان نالوں میں ایک کٹاؤ سا تھا۔ میں اس کٹاؤ تک چلا گیا۔ یہ ایک غیر ہموار پتھریلا راستہ تھا جس پر ایک کار یا جیپ آسانی سے چل سکتی تھی۔

وانگ ژن کی جیپ کی ہیڈ لائٹس کی روشنی وہاں تک پہنچ رہی تھی اور پھر اس کٹاؤ کے قریب پڑی ہوئی کوئی چیز چمکتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر وہ چیز اٹھالی۔

وہ اے' کے فائیو سیون چینی رائفل کا ایک خالی کارتوس تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس جگہ گولیوں کے لاتعداد خول بکھرے ہوئے تھے۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ حملہ آوروں نے یہیں پر گھات لگا کر جیپ پر فائرنگ کی ہوگی۔ جلدی مجھے سڑک کی دوسری طرف بھی ایسی ہی جگہ نظر آگئی۔ وہاں بھی گولیوں کے لاتعداد خول بکھرے ہوئے تھے اور اس طرف بھی ایک تنگ سا راستہ تھا جو ڈھلان کی طرف چلا گیا تھا۔ میں پھر پہلی جگہ پر آگیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ حملہ آور اسی راستے سے کار یا جیپ پر فرار ہوئے تھے۔

میں دوبارہ جیپ کے قریب آگیا اور اس میں نیچے اوپر پڑی ہوئی لاشوں کو دیکھنے لگا۔ ان لاشوں سے خون اتنا زیادہ بہہ چکا تھا کہ جیپ کے فرش سے ٹپک کر سڑک پر بھی جم رہا تھا۔

تھائی اور پرساد کی موت کا جتنا مجھے دکھ پہنچا تھا وہ میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔ تھائی میری محسنہ تھی۔ میں وہ وقت نہیں بھلا سکتا تھا جب بنگاک کے ایک بازار میں موت کے فرشتوں سے بچنے کے لیے میں اس کی کار میں چھپ گیا تھا اور وہ مجھے اپنے گھر لے گئی تھی۔ مجھے پناہ دے کر اس نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ بلکہ سب کچھ لٹا دیا تھا اور وہ جس بے بسی کی موت مری تھی اس پر میرا دل رو رہا تھا۔

یہ سب کچھ سوچتے اور نیچے اوپر پڑی ہوئی لاشوں کی طرف دیکھتے ہوئے میں بُری طرح چونک گیا۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے تھائی کے ایک پیر میں حرکت ہوئی ہو۔ پہلے تو میں اسے اپنا وہم سمجھا لیکن نہیں' یہ میرا وہم نہیں تھا۔ تھائی کے ایک پیر میں واقعی بہت آہستہ آہستہ حرکت ہورہی تھی۔ میں نے وانگ ژن کو آواز دی اور جیپ پر چڑھ گیا۔

ہم دونوں نے دونوں محافظوں اور پرساد کی لاشوں کو اٹھا کر سیٹوں پر ڈال دیا۔ تھائی فرش پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کا لباس اور چہرہ خون سے تر تھا۔ میں نے تھائی کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے دل کی دھڑکن محسوس ہورہی تھی۔

"تھائی... تھائی... آنکھیں کھولو..." میں اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے اسے پکارنے لگا۔

میں نے وانگ ژن کی مدد سے تھائی کو جیپ سے نکال کر سڑک کے کنارے گھاس پر لٹا دیا۔ میں تھائی کے جسم کو ٹٹول کر دیکھنے لگا۔ اس کا لباس اگرچہ خون سے تر تھا لیکن جسم پر بظاہر کوئی زخم نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے اس کی ٹی شرٹ اوپر تک اٹھا کر پیٹ وغیرہ کو بھی دیکھا اور پھر اسے پلٹ دیا۔ اس کی پشت پر بھی کوئی زخم نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے اسے دوبارہ سیدھا کردیا۔

دونوں محافظ بھی اس وقت ہمارے قریب ہی کھڑے تھے۔ میں نے وانگ ژن کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

"تھائی زندہ ہے۔ اسے کوئی گولی بھی نہیں لگی لیکن اس کا پولیس کے ہاتھ لگنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ اسے یہاں سے لے جانے کا بندوبست کرو۔"

بات وانگ ژن کی سمجھ میں آگئی۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور چیخ چیخ کر محافظوں سے کچھ کہنے لگا پھر میں نے اور وانگ ژن نے تھائی کو اٹھا کر وانگ ژن کی جیپ کے پچھلے حصے میں ڈال دیا۔ تھائی کے لباس سے اب بھی خون ٹپک رہا تھا۔ اس جیپ کی سیٹیں بھی آمنے سامنے تھیں۔ تھائی کو سیٹوں کے درمیان فرش پر لٹا دیا گیا تھا۔ میں اس کے قریب سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وانگ ژن نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے ایک بار پھر محافظوں سے چیخ کر کچھ کہا اور جیپ کو تیز رفتاری سے شہر کی طرف دوڑا دیا۔

چیک پوسٹ کے پاس صرف ایک منٹ کو جیپ روکنا پڑی تھی۔ وانگ ژن کو دیکھتے ہی ایک محافظ نے بیریئر اٹھا دیا تھا۔ دوسرا محافظ وانگ ژن سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ وانگ ژن نے تیز تیز لہجے میں کچھ کہا اور جیپ آگے بڑھادی۔

"پولیس ابھی تک نہیں پہنچی حالانکہ انہیں اسی وقت اطلاع دے دی گئی ہوگی۔" میں نے وانگ ژن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں صورتِ حال کی سنگینی کا اندازہ لگا سکتا ہوں۔" وانگ

ژن نے جواب دیا "تمہاری دوست کو اسپتال لے کر چلیں یا....؟"

"کانچ!" میں نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی "تھائی زخمی نہیں ہے۔ اسے اسپتال لے جانا مناسب نہیں ہے۔ کانچ ہی لے چلو۔"

شہر کی سڑکوں پر اب زیادہ ٹریفک نہیں تھا۔ وانگ ژن کو تیز رفتاری سے جیپ چلانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔

کانچ پہنچے تو تھائی اس وقت تک بھی ہوش میں نہیں آئی تھی۔ جیپ رکتے ہی رنگولی اور جانگی بھی اندر سے نکل کر باہر آگئی تھیں۔ میں نے اور وانگ ژن نے تھائی کو اٹھا کر جیپ سے نکالا تو تھائی کو خون میں لت پت دیکھ کر جانگی اور رنگولی کے منہ سے چیخیں نکل گئی تھیں۔

تھائی کو ہال میں لے جا کر قالین پر لٹا دیا گیا۔ رنگولی اور جانگی کے چہروں پر ہوائیاں سی اڑ رہی تھیں۔

"کک.... کیا ہوا اسے۔ پرساد کہاں ہے؟" جانگی نے چیخ کر پوچھا۔

"تھائی بالکل ٹھیک ہے لیکن پرساد...." میں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

جانگی چیخ اٹھی۔ وہ تھائی سے لپٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میرے اشارے پر رنگولی اسے پکڑ کر ایک طرف لے گئی۔

وانگ ژن فون پر بات کر رہا تھا اور میں ایک بار پھر تھائی کو لوٹ پلٹ کر اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے واقعی کوئی گولی نہیں لگی تھی اور یہ میرے لیے حیرت کی بات تھی اور پھر ساری بات میری سمجھ میں آگئی۔

اس جیپ کی پچھلی سیٹیں بھی آمنے سامنے تھیں۔ پہلی گولی چلتے ہی ڈرائیور نے بدحواس ہو کر بریک لگایا ہوگا تو تھائی جھٹکا لگنے سے سیٹ سے نیچے گر گئی ہوگی اور پھر اسے اٹھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اسی دوران میں جیپ پر گولیوں کی بوچھار ہوگئی اور پرساد اور دونوں محافظ چھلنی ہو کر تھائی کے اوپر گرے اور وہ ان کے نیچے دب گئی اور شاید خوف کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوگئی تھی۔

وانگ ژن ٹیلی فون بند کر چکا تھا اور اب وہ لوما سے باتیں کر رہا تھا۔ میں بھی اٹھ کر اس کے قریب آگیا۔

"میں نے سردار تھالوب کو اطلاع دے دی ہے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "سردار تین چار گھنٹوں میں یہاں پہنچ جائے گا۔ میں ہائی وے پر جا رہا ہوں۔ تم تھائی کو دیکھو۔ اگر اسے ڈاکٹر کی ضرورت ہو تو...."

"وہ ٹھیک ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "وہ صرف خوف اور صدمے سے بے ہوش ہوئی ہے۔ رنگولی اور جانگی اسے ہوش میں لے آئیں گی۔ میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔"

"نہیں باس۔" وانگ ژن نے کہا "پولیس وہاں پہنچ چکی ہوگی اور اب تمہارا وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے معاف کرنا باس۔ اس وقت تمہیں میری بات ماننی پڑے گی۔"

میں سر جھٹک کر رہ گیا۔ وانگ ژن کے جانے کے بعد وہ دوبارہ ہال میں آگیا۔ رنگولی ایک گیلے کپڑے سے تھائی کا چہرہ گردن وغیرہ صاف کر رہی تھی۔ ہم اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے۔

تقریباً بیس منٹ بعد تھائی نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔ جانگی نے اسے سہارا دے کر اٹھا دیا اور رنگولی نے گلاس اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ تھائی نے ایک گھونٹ لینے کے بعد گلاس ہٹا دیا۔ اسی وقت لوما ایک پیالہ لے کر آگیا۔ میں بنفشی رنگ کا شربت تھا۔

"یہ شربت میڈم کو پلا دو باس۔ چند منٹ میں ٹھیک ہو جائے گی۔" اس نے پیالہ میرے ہاتھ میں دے دیا۔

شربت سے صندل جیسی خوشبو اٹھ رہی تھی اور شاید لوما نے بھی بہت اچھا تھا اسی لیے تھائی نے پی بھی لیا۔ لوما نے بتایا صندل میں کچھ اور جڑی بوٹیوں کے رس کی آمیزش سے یہ شربت تیار کیا جاتا ہے۔ جو فرحت بخش ہونے کے ساتھ نہایت مقوی ہے۔ تھائی کے لیے شربت کے چند گھونٹ واقعی اکسیر ثابت ہوئے۔ چند منٹ بعد ہی اس کے حواس بحال ہونے لگے لیکن اس کی آنکھوں میں وحشت اور چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔

"جانگی۔" میں نے کہا "اسے باتھ روم میں لے جاؤ اور اسے نہلا کر کپڑے تبدیل کرا دو۔"

جانگی اور رنگولی، تھائی کو سہارا دے کر کمرے میں لے گئیں۔ وہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد باہر آئی تھیں۔ تھائی کی آنکھوں میں اب بھی وحشت بھری ہوئی تھی اور خوف تو جیسے چہرے پر منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ خاموش بیٹھی ہماری شکلیں دیکھتی رہی۔

لوما نے عقل مندی کا ثبوت دیتے ہوئے کافی بنا لی۔ ہم اس وقت واقعی کافی کی طلب محسوس کر رہے تھے۔ کافی پینے کے بعد تھائی نے میری طرف دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی لیکن اس کے ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے تھائی کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

وہ بڑا جذباتی منظر تھا۔ جانگی اور رنگولی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ میں بڑی مشکل سے اپنے جذبات پر قابو پائے ہوئے تھا۔

رو لینے سے تھائی کے دل کا بوجھ کسی قدر ہلکا ہوگیا۔ اور وہ بات کرنے کے قابل ہوگئی تھی۔

"یہ سب کچھ کیسے ہوا تھائی۔ کیا وہ لوگ شروع سے تمہارے پیچھے لگے ہوئے تھے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" تھائی نے سسکی لیتے ہوئے جواب دیا "لیکن یقین ہے کہ ان لوگوں کو ہمارے آنے کی اطلاع تھی اور وہ پہلے ہی سے گھات لگائے بیٹھے تھے۔"

"انہیں کیسے پتا چلا کہ تم لوگ آرہے ہو؟" میں نے کہا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ چیانگ رائے میں وانگ سائی نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ اس کے بعد اگرچہ تھالوب نے ہمیں مائے کوک روڈ کے کنارے ایک مکان میں منتقل کر دیا تھا اور ہماری حفاظت کا بھی مقفل بندوبست کر دیا گیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ وانگ سائی یا اس کے آدمی مکان کی نگرانی کر رہے تھے۔

"میں نہیں وہاں سے ہماری روانگی کا بھی پتا چل گیا تھا اور انہوں نے یہاں ہمارے بارے میں دارا وغیرہ کو فون پر اطلاع دے دی۔ ہم پر فائرنگ سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے پیچھے سے آنے والی ایک تیز رفتار کار نے ہمیں اوورٹیک کیا تھا۔ اس کار میں ڈرائیور کے سوا اور کوئی نہیں تھا اور وہ ڈرائیور وانگ سائی تھا۔ وہ کار خطرناک حد تک تیز رفتاری سے آگے نکل کر ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگئی۔

"ہمیں نے محافظوں کو وانگ سائی کے بارے میں بتا دیا۔ وہ چوکنا تو ہوگئے تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ وہ اکیلا تھا اور ہمارے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی حماقت نہیں کرے گا۔

"اور پھر جب ہم اس جگہ پر پہنچے تو اچانک ہی فائرنگ شروع ہوگئی۔" تھائی رک رک کر بتا رہی تھی "پہلی گولی اگلے ٹائر پر لگی تھی۔ ٹائر ایک دھماکے سے پھٹ گیا۔ جیپ بُری طرح لہرا گئی۔ ڈرائیور نے پوری قوت سے بریک لگا دیا۔ زوردار جھٹکا لگنے سے میں سیٹ پر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور سیٹوں کے درمیان فرش پر محافظوں کے پیروں میں گر گئی۔

"اور اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتی، سڑک کے دونوں طرف سے شدید فائرنگ شروع ہوگئی۔ میرا خیال ہے، فائرنگ سب مشین گنوں سے کی جا رہی تھی۔ ایک تسلسل کے ساتھ دونوں طرف سے جیپ پر گولیاں برسائی جا رہی تھیں۔ فائرنگ اور چیخوں کی آوازوں کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی اور پھر شاید پرساد چیختا ہوا میرے اوپر گرا تھا۔ اسے پتا نہیں کتنی گولیاں لگی تھیں۔ اس کے جسم سے بہنے والا خون مجھے بھی تر کرنے لگا۔ میں اسے اپنے اوپر سے ہٹانا چاہتی تھی کہ دونوں گن مین بھی چیختے ہوئے میرے اوپر ڈھیر ہوگئے۔ میں ان تینوں کے نیچے پوری طرح دب گئی تھی۔ میں نے اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے گن مین اور ڈرائیور کی چیخیں بھی سنی تھیں۔

"فائرنگ تقریباً پانچ منٹ تک ہوتی رہی اور پھر یکایک خاموشی چھا گئی۔ گھمبیر سناٹا.... مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میں زندہ کسی قبر میں دفن ہوگئی ہوں۔ میرے اوپر تین لاشوں کا بوجھ تھا اور میرا دم گھٹ رہا تھا۔ میں غیر ارادی طور پر اپنے اوپر سے وہ بوجھ ہٹانے کی کوشش کرنے لگی لیکن پھر اچانک دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سن کر میں نے اپنی یہ کوشش ترک کر دی اور سانس بھی روک لیا۔ میرے ذہن میں اچانک ہی یہ خیال ابھرا تھا کہ حملہ آوروں نے سب کو ختم کر دیا ہے۔ مجھے زندہ پا کر وہ مجھے بھی چھلنی کر دیں گے۔ میں ان لاشوں کے نیچے بے حس و حرکت پڑی رہی۔

"قدموں کی وہ آوازیں جیپ کے قریب رک گئیں۔ وہ کئی آدمی تھے۔ ان میں سے شاید دو جیپ کے اوپر سے گھوم کر پچھلی طرف آگئے تھے پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا گیا۔

"میں جن لاشوں کے نیچے دبی ہوئی تھی ان میں سب سے اوپر والے محافظ کے جسم میں شاید زندگی کی رمق باقی تھی۔ غالباً اس کے جسم کے کسی حصے میں کوئی حرکت پیدا ہوئی تھی کیونکہ اسی وقت باہر سے ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی "یہ ابھی زندہ ہے۔ ختم کرو اسے۔" پھر میرے سر کے عین اوپر گولیوں کی بوچھار ہوئی۔ اگر رائفل کی نال کا رخ ذرا نیچے کی طرف ہوتا تو گولیاں مجھے بھی چاٹ جاتیں۔ یہ سب کچھ چند منٹ میں ہوگیا اور اس قدر اچانک ہوا تھا کہ ہمارے محافظ کو اپنی جگہ سے حرکت کرنے کا موقع تک نہیں مل سکا تھا اور پھر دوڑتے ہوئے قدموں اور کسی کار کا انجن اسٹارٹ ہونے اور اس کے روانہ ہونے کی آواز سنائی دی۔ اس وقت تک میرے حواس ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے۔ میری آنکھوں کے سامنے تاریکی پھیلتی چلی گئی لیکن وہ آواز جس نے چیخ کر کہا تھا "یہ ابھی زندہ ہے۔ ختم کرو اسے" میں زندگی بھر نہیں بھول سکوں گی۔ وہ آواز تو اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔"

"کون تھا وہ۔ کس کی آواز تھی وہ؟" میں نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"دارا۔" تھائی نے جواب دیا "وہ دارا کی آواز تھی۔ میں اسے کبھی نہیں بھول سکتی۔"

میں اچھل پڑا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کانچ سے فرار کے بعد دارا نے کوئی اور ٹھکانا تلاش کر لیا تھا اور وہاں سے چیانگ رائے والوں سے بھی رابطہ کیا ہوگا اور وانگ سائی نے اسے تھائی اور پرساد کے بارے میں بتایا ہوگا۔

تھائی کا یہ خیال بالکل درست تھا کہ چیانگ رائے میں ان کی مسلسل نگرانی کی جا رہی تھی اور جب تھائی اور پرساد محافظوں کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے تھے تو وانگ سائی سمجھ گیا تھا کہ یہ دونوں چیانگ سائین آرہے ہیں۔ اس نے فون پر دارا کو ان کی روانگی کی اطلاع دے دی۔ ان میں یقیناً یہ طے ہوگیا تھا کہ دارا اور اس کے ساتھی سڑک پر کسی جگہ گھات لگا کر بیٹھیں گے۔

دارا کو اطلاع دینے کے بعد وانگ سائی نے بھی تھائی کی جیپ کا تعاقب شروع کر دیا اور پھر ان سے آگے نکل کر طے شدہ جگہ پر گھات لگائے بیٹھے دارا اور اس کے ساتھیوں کو بتا دیا کہ اس کے بعد جو جیپ آئے گی وہی ان کا ٹارگٹ ہوگی۔

دارا اور اس کی پارٹی کو میں پچھلے کئی روز سے پے در پے نقصان پہنچا رہا تھا اور ظاہر ہے، وہ میرے یا میرے ساتھیوں کے خلاف کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ مجھ پر ہاتھ ڈالنا اس کے لیے ذرا مشکل تھا۔ آج صبح تو میں اس کے قابو میں آگیا تھا لیکن

رنگولی کی وجہ سے نہ صرف میں اور جانکی وغیرہ بچ گئے بلکہ دارا وغیرہ کو اپنی جانیں بچا کر بھاگنا پڑا۔ کم ہمارے ہاتھ لگ گیا تھا لیکن بعد میں وہ بھی حیرت انگیز طور پر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ کم فرار ہونے کے بعد اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچنے میں کامیاب ہوسکا تھا یا کہیں اور پناہ لیے ہوئے تھا۔ بہرحال' دارا کو تھائی اور پرساد پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ پرساد تو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا لیکن تھائی کی ابھی زندگی باقی تھی۔ وہ بچ گئی۔

میرے خیال میں دارا نے اس جیپ پر حملہ کرکے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی۔ وہ جیپ اس علاقے کے سب سے بڑے قبیلے کیرن کے سردار کی تھی۔ تھائی اور پرساد اس کے مہمانوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ پرساد کے علاوہ اس کے تین گن مین اور ڈرائیور بھی مارا گیا تھا۔ تھالوب ایک بااثر سردار تھا۔ اس کی جیپ پر حملہ' اس کے چار آدمیوں اور ایک مہمان کی ہلاکت کسی بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔ وانگ ڈن نے سردار تھالوب کو اس واقعے کی اطلاع دے دی تھی اور وہ چیانگ رائے میں اپنی تمام مصروفیات چھوڑ کر یہاں آنے کے لیے روانہ ہوچکا تھا۔

پرساد کی اندوہناک موت کا ہم سب کو افسوس تھا۔ تھائی کی حالت بھی بہت بُری تھی۔ اس نے صرف پرساد کو ہی نہیں' چار اور آدمیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے گولیوں سے چھلنی ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ زندگی کے خوفناک ترین تجربے سے گزری تھی اور اس کا اثر اب بھی اس کے ذہن پر تھا۔ کسی وقت بات کرتے کرتے وہ یک دم چونک جاتی یا اپنی جگہ سے اچھل پڑتی۔

میرے خیال میں تھائی کو سکون کی ضرورت تھی اور نیند اس کے لیے بہترین مددگار ثابت ہوسکتی تھی لیکن وہ صوفے پر بیٹھی متوحش نظروں سے کبھی ہمیں اور کبھی اِدھر اُدھر دیکھنے لگتی۔ میں نے لوبا سے کسی ایسی چیز کے بارے میں دریافت کیا جس سے تھائی کو نیند آسکے۔

"افیون۔" لوبا نے کہا "اسے تھوڑی سی افیون کھلا دی جائے۔ وہ آرام سے سوجائے گی۔"

لوبا کے مشورے پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ افیون بھی لوبا ہی نے فراہم کی تھی۔ تھائی کو اگرچہ بہت کم مقدار میں افیون دی گئی تھی مگر اس کے کڑوے ذائقے سے تھائی کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے مگر اس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد تھائی پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ میں نے جانکی کو اشارہ کیا۔ وہ اسے اٹھا کر کمرے میں لے گئی۔

اس وقت رات کے دو بجنے والے تھے مگر وانگ ڈن کی طرف سے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ سردار تھالوب پہنچ چکا ہوگا لیکن میرے خیال میں وہ پولیس یا انتظامیہ کے دیگر حکام کے ساتھ اس قدر مصروف ہوں گے کہ انہیں ہمیں فون کرنے کا موقع نہیں ملا ہوگا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں نے اٹھ کر کمرے میں جھانکا۔ جانکی گہری نیند سو چکی تھی اور جانکی اسی بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے دراز تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

پرساد کی موت نے ہم سب کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ ہمارے ساتھی ایک ایک کرکے بچھڑ رہے تھے۔ پہلے کانگ ان کے ہاتھوں مارا گیا پھر بائھم ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا اور پیڈرو کے آدمیوں نے اسے اسپتال سے اغوا کرلیا تھا۔ اب اس کی زندگی کی بھی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی تھی پھر خون خوار بھیڑیوں کی درندگی کا شکار ہوئی اور اب پرساد۔ ان پے در پے صدمات نے جانکی اور تھائی پر زیادہ اثر کیا تھا۔ اثر مجھ پر بھی ہوا تھا لیکن میں رو کر اس کا اظہار نہیں کرسکتا تھا۔

جانکی نے میری طرف دیکھا..... مگر میں کوئی بات کیے بغیر دروازے سے ہی لوٹ آیا اور ہال میں رکنے کے بجائے باہر لان میں بیٹھ گیا۔ برآمدے کا بلب بجھا ہوا تھا۔ باہر تاریکی تھی۔ میں نے کاٹیج کے اطراف میں کئی سایوں کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ وہ قبائلی گارڈ تھے جو وانگ ڈن کاٹیج کی حفاظت کے لیے یہاں چھوڑ گیا تھا۔ دو قبائلی محافظ ان کے علاوہ تھے جو کاٹیج سے دور جنگل میں پھیلے ہوئے تھے۔

مجھے اس وقت عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی۔ میں اٹھ کر لان میں ٹہلنے لگا۔ میں چشم تصور سے بار بار وہ منظر دیکھنے لگتا۔ تباہ حال جیپ اور اس میں پڑی ہوئی گولیوں سے چھلنی لاشیں۔ جیپ اور ان لاشوں کو دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ فائرنگ کس قدر شدید تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ تھائی واقعی خوش قسمت تھی جسے معمولی سا گزند بھی نہیں پہنچا تھا۔

اور پھر دارا کا خیال میرے ذہن میں اُبھر آیا۔ عجیب بات تھی کہ وہ جب بھی میرے ہاتھ آیا' بچ نکلا تھا۔ وہ بہت چالاک آدمی تھا۔ اس نے ہمیشہ دوسروں کو آگے کیا تھا۔ اس پر ہاتھ ڈالنے کے لیے اب کسی خاص حکمتِ عملی کی ضرورت تھی۔

میں دارا کے بارے میں سوچتا ہوا ماضی میں چلا گیا۔ بات میرے ماں باپ کے قتل سے شروع ہوئی تھی۔ اس وقت میں بچ گیا تھا اور دارا جیسے دشمن سے جان بچانے کے لیے چھپتا پھرا تھا۔ مہاراج نے مجھے اس قابل بنا دیا کہ میں اپنے دشمن کا مقابلہ کرسکوں۔ اگرچہ میں نے بہت عرصے سے دارا کو کہیں نکلنے نہیں دیا تھا۔ اس کے کئی بندے میرے ہاتھوں مارے گئے تھے لیکن اے ان آدمیوں کی موت کا کوئی افسوس نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ اس کے اپنے آدمی نہیں تھے۔ بھاڑے کے ٹٹو تھے۔ اس کی نظروں میں انسان اور کتے کا مرجانا ایک برابر تھا لیکن میں دارا نہیں تھا۔ مجھے اپنے آدمیوں سے اُنس تھا' پیار تھا اور دارا کی وجہ سے میرے ننھا دوست اس دنیا سے رخصت ہوچکے تھے۔

میرے دل میں شروع ہی سے دارا کے خلاف انتقام کا جذبہ تھا لیکن اب انتقام کے ساتھ ایک مقصد بھی شامل ہوگیا تھا۔ شہنشاہ کے خلاف ایک بہت خوفناک سازش ہو رہی تھی جس میں حکومت کے کچھ لوگ بھی شریک تھے۔ اس سازش کو کامیاب بنانے کے لیے دارا اور پیڈرو جیسے لوگوں کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ اس سلسلے میں کسی جگہ کوئی ایسی خفیہ میٹنگ ہونے والی تھی جس میں تھائی حکومت کے سازشی افسروں کے علاوہ جنرل کھوراٹ کی بھی متوقع تھی اور مہاراج نے مجھے یہ ذمے داری سونپی تھی کہ میں نہ صرف اس میٹنگ میں طے پانے والے منصوبے کا پتا لگاؤں بلکہ حکومت کے ان سازشی عناصر کو بھی بے نقاب کروں۔

لیکن یہاں آکر معاملہ کچھ مختلف نوعیت اختیار کرگیا تھا۔ شاہک سمیت جنرل کھوراٹ کے نہ صرف چار پانچ آدمی میرے ہاتھوں مارے جاچکے تھے بلکہ اس کا اسلحے کا بہت بڑا ذخیرہ بھی تباہ ہوگیا تھا اور جنرل کھوراٹ نے ایک طرف تھائی حکومت کو دھمکی دی تھی اور دوسری طرف میری گرفتاری کے لیے پانچ لاکھ امریکی ڈالر کے انعام کا اعلان بھی کردیا تھا۔ وہ شاید سمجھ گیا تھا کہ میں جب تک زندہ ہوں' ان کا یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہوسکتا اور اسی دوران دارا وہ کارروائی کر گزرا تھا جس سے پرساد کی موت کی صورت میں مجھے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا تھا لیکن مجھے یہ نقصان بہرصورت برداشت کرنا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس سازش کو بھی ناکام بنانا تھا جس کے لیے مجھے یہاں بھیجا گیا تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد تھا۔ اس رات بنکاک کے وائٹ ٹریمنٹ میں مہاراج اور شہنشاہ کے کزن رتنا کوسن کے ساتھ ہونے والی میٹنگ میں ان دونوں نے مجھے واشگاف الفاظ میں بتا دیا تھا کہ اس مشن کے دوران میں مجھے ان لوگوں کی طرف سے کوئی مدد نہیں ملے گی۔ مجھے جو کچھ بھی کرنا ہوگا' اپنے طور پر کرنا ہوگا اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ چیانگ رائے میں پہلے رنگولی اور پھر اس کے توسط سے سردار تھالوب جیسے مخلص سے ملاقات ہوگئی تھی۔ میں نے اگرچہ تھالوب کو اپنے اصل مشن کے بارے میں نہیں بتایا تھا لیکن ہیروئن کی تجارت کے حوالے سے میرے نظریات سے وہ سو فیصد متفق تھا اور اس نے مجھے ہر طرح کے تعاون کی یقین دہانی کرائی تھی جس کے نتیجے میں ہم پچھلے تین چار روز سے اس کاٹیج میں موجود تھے اور اس کا معتمد خاص وانگ ڈن میرے ساتھ پوری طرح ان سرگرمیوں میں ملوث ہوگیا تھا اور آج دارا کی اس خوفناک کارروائی کے بعد تو مجھے یقین ہوگیا تھا کہ جب میں تھالوب کو اپنے اصل مشن کے بارے میں بتاؤں گا تو وہ پوری طرح میرا ساتھ دے گا۔ وہ ایک محبِ وطن آدمی تھا اور شہنشاہ کا خیر خواہ بھی۔

میں صبح چار بجے تک لان میں بیٹھا رہا پھر اُٹھ کر اندر آگیا۔ رنگولی صوفے پر آڑی ترچھی پڑی سو رہی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل کے قریب کرسی پر لوبا بھی بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ میری آواز سن کر وہ اٹھ گیا۔

"دروازہ بند کردو۔ میں سونے جا رہا ہوں۔" میں لوبا سے یہ کہتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چل پڑا لیکن دروازے ہی میں ٹھٹک کر رک گیا۔ تھائی اور جانکی بیڈ پر سوئی ہوئی تھیں۔ میں اس کمرے میں آگیا جہاں رنگولی اور جانکی سویا کرتی تھیں۔

بیڈ پر لیٹنے کے بعد بھی میں بہت دیر تک موجودہ صورتِ حال کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے اس بات کی بھی تشویش تھی کہ وانگ ڈن نے کوئی اطلاع کیوں نہیں دی تھی۔

میری آنکھ صبح آٹھ بجے مختلف آوازیں سن کر کھلی تھی۔ نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے آنکھوں میں شدید جلن ہو رہی تھی۔ میں اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا اور منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ جب میں کمرے سے باہر نکلا تو وانگ ڈن کے ساتھ رنگولی اور جانکی بھی بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ میرے کرسی پر بیٹھنے کے چند منٹ بعد ہی لوبا نے میرے سامنے بھی چائے کا کپ رکھ دیا۔ باہر سے بھی آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ لان میں گھاس پر سات آٹھ مسلح قبائلی بیٹھے ہوئے تھے۔ وانگ ڈن کی جیپ کے پیچھے دو چھوٹے پک اپ ٹرک بھی کھڑے تھے۔ میں مڑ کر سوالیہ نگاہوں سے وانگ ڈن کی طرف دیکھنے لگا۔

"محافظ ہیں۔" وانگ ڈن نے میری نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا "سردار تھالوب کی جیپ پر فائرنگ اور اس کے بندوں کے مارے جانے کی اطلاع صبح سویرے آس پاس کی قبائلی بستیوں میں پھیل گئی تھی۔ اس وقت شہر میں سیکڑوں مسلح قبائلی موجود ہیں جو تھالوب کے ایک اشارے کے منتظر ہیں مگر سردار تھالوب اس معاملے کو کوئی سیاسی ایشو نہیں بنانا چاہتا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "اس واقعے کی خبر رات ہی کو بنکاک بھی پہنچ گئی تھی اور اب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹا پہلے چند اعلیٰ سرکاری حکام بھی ہیلی کاپٹر سے یہاں پہنچ گئے ہیں۔ انہیں اندیشہ تھا کہ سردار تھالوب حکومت کے لیے کوئی مسئلہ نہ کھڑا کردے کیونکہ حکومت قبائلی بغاوت کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ آج دس بجے ان اعلیٰ حکام کی سردار تھالوب سے میٹنگ ہے۔ سردار نے تمہیں بھی بلایا ہے۔"

"مجھے؟" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ سردار تھالوب کے خیال میں اس میٹنگ میں تمہاری شرکت بھی ضروری ہے۔ ہم ساڑھے نو بجے یہاں سے چلیں گے۔" وانگ ڈن نے کہا۔

"رات کو کیا ہوا۔ کچھ پتا چلا کہ حملہ آور کون تھے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" وانگ ڈن نے نفی میں سر ہلایا "پولیس کی کئی

پارٹیاں رات ہی کو حملہ آوروں کی تلاش میں روانہ ہوگئی تھیں۔ شہر کے آس پاس کی بستیوں کو بھی چیک کیا جارہا ہے لیکن ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔"

"پولیس حملہ آوروں کا سراغ نہیں لگا سکی لیکن مجھے پتا چل گیا ہے کہ وہ کون لوگ تھے؟"

"کیا واقعی؟" وانگ ڈن نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا "کون تھے وہ لوگ؟"

"دارا اور اس کے ساتھی۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہیں کیسے پتا چلا؟" وانگ ڈن اچھل پڑا۔

"تم شاید بھول گئے ہو کہ تھائی اس حملے میں زندہ بچ گئی تھی اور ہم اسے یہاں لے آئے تھے۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔" وانگ ڈن کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا "اسے تو واقعی میں بھول ہی گیا تھا۔ کیسی ہے وہ؟"

"ٹھیک ہے۔ اس وقت سو رہی ہے۔" میں نے جواب دیا اور پھر جیپ پر حملے کے حوالے سے اسے وہ سب کچھ بتانے لگا جو تھائی مجھے بتا چکی تھی۔

"کیا تھائی کو یقین ہے کہ وہ دارا ہی کی آواز تھی؟" میرے خاموش ہونے پر وانگ ڈن نے پوچھا۔

"بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں زندگی بھر نہیں بھلایا جاسکتا۔ کسی کا کہا ہوا کوئی جملہ، کوئی چہرہ یا کوئی آواز۔" میں نے جواب دیا "کچھ ہی عرصہ پہلے کنچن بوری میں تھائی ایک ایسی ٹریجڈی سے دوچار ہوچکی ہے جس کی تمام تر ذمے داری دارا پر عائد ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تھائی کا گھر جلانے میں بھی دارا ہی کا ہاتھ تھا۔ کئی برسوں سے دارا سے آنکھ مچولی ہورہی ہے۔ قدم قدم پر اس کی آواز ہمارے کانوں سے ٹکراتی رہی ہے۔ میں یا تھائی یا میرے ساتھیوں میں سے کوئی اور اس آواز کو کیسے بھول سکتا ہے۔ وہ یقیناً دارا ہی تھا جس نے اپنے ساتھیوں کو جمع کرکے جیپ پر حملہ کیا تھا اور اسے تھائی اور پرساد کی آمد کی اطلاع دینے والا وانگ سائی تھا۔ جس کے بارے میں، میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس وقت بھی شہر میں آزادی سے گھوم رہا ہوگا۔"

"وانگ سائی کون؟" وانگ ڈن نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"پیڈرو کا ایک گرگا۔" میں نے جواب دیا "ایک آدھ مرتبہ بنگاک میں اس سے بھی ٹکراؤ ہوچکا ہے لیکن میں نے اسے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی مگر اب لگتا ہے کہ اسے ایک خاص مُہرے کے طور پر آگے بڑھایا جارہا ہے۔"

"حملہ آور کوئی بھی ہو، بچ کر نہیں جاسکے گا اور وانگ سائی کو بھی تلاش کرلیا جائے گا۔ بہرحال، تم تیار ہوجاؤ۔ سردار تھالوب انتظار کررہا ہوگا۔" وانگ ڈن نے کہا۔

میں اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا۔ تھائی اس وقت بھی سو رہی تھی۔ میں باتھ روم میں گھس گیا اور پندرہ منٹ بعد جب میں باہر نکلا تو تھائی جاگ چکی تھی اور بستر پر لیٹی ویران ویران نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ میں بیڈ کے قریب گیا اور تھائی سے باتیں کرنے لگا۔

آدھے گھنٹے بعد جب میں ہال میں پہنچا تو لمبا میز پر ناشتا میرا منتظر تھا۔ میں نے جائی کو تھائی کے بارے میں بتا دیا اور وانگ ڈن کے ساتھ بیٹھ کر ناشتا کرنے لگا۔

ٹھیک ساڑھے نو بجے ہم کاٹیج سے نکل رہے تھے۔ میں وانگ ڈن کے ساتھ جیپ کی اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ دو گن مین پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے تھے۔ ایک پک اپ جیپ کے آگے تھی اور ایک پیچھے۔ ان دونوں گاڑیوں میں قبائلی محافظ تھے جو بڑے چوکس نظر آرہے تھے۔

سارا شہر بند تھا۔ کہیں بھی کوئی دکان کھلی ہوئی نظر نہیں آرہی تھی۔ سردار تھالوب کے آدمیوں کی ہلاکت کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ پورے شہر میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ کسی ممکنہ ہنگامے کے پیشِ نظر لوگوں نے اپنا کاروبار بند رکھا تھا۔ شہر کی مختلف سڑکوں پر مسلح قبائلی ٹولیوں کی صورت میں نظر آرہے تھے۔ یہ آس پاس کی بستیوں کے رہنے والے قبائلی تھے جو تھالوب کی جیپ پر حملے کی خبر سن کر شہر میں جمع ہونا شروع ہوگئے تھے۔ ان میں نہ صرف کچن بوری کے دوسرے قبائل کے لوگ بھی شامل تھے اور قبائلیوں کے اس اجتماع نے بھی لوگوں پر خوف و ہراس طاری کردیا تھا۔

ہماری جیپ ایک کشادہ سڑک پر واقع ایک کوٹھی کے گیٹ میں داخل ہوگئی۔ کوٹھی کے سامنے سڑک پر سیکڑوں مسلح قبائلی بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے ساتھ آنے والے محافظوں کی دونوں گاڑیاں بھی گیٹ کے باہر سڑک پر ہی رک گئی تھیں۔

کاٹیج کی طرح اس کوٹھی کے گرد بھی وسیع رقبہ خاردار تاروں میں گھرا ہوا تھا۔ کوٹھی بہت شان دار تھی۔ ہم جیپ سے اتر کر جیسے ہی برآمدے میں پہنچے، سردار تھالوب باہر آگیا۔ اس نے بڑی گرم جوشی سے میرا استقبال کیا اور مجھے بڑے احترام سے اندر لے گیا۔

ڈرائنگ روم میں دو آدمی اور بھی تھے۔ وہ بھی مجھے دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔ تعارف کی رسم کے بعد ہم صوفوں پر بیٹھ گئے۔ وانگ ڈن صوفے کے قریب کھڑا رہا تھا۔

میں نے اور تھالوب نے مناسب الفاظ میں ایک دوسرے سے تعزیت کا اظہار کیا۔ تھالوب کو اس بات پر شرمندگی تھی کہ اس کے آدمی مہمانوں کی حفاظت نہیں کرسکے تھے اور خود بھی موت کی آغوش میں پہنچ گئے تھے۔

"اس میں ان کا کوئی قصور نہیں تھا۔" میں نے کہا "ان پر گھات لگا کر حملہ کیا گیا تھا۔ اگر فوج کا دستہ بھی ہوتا تو شاید اس کا بھی یہی حشر ہوتا۔"

"حملہ آور جو کوئی بھی ہیں بچ کر نہیں جاسکیں گے۔" سردار

تھالوب نے کہا۔ "پولیس پارٹیاں اگرچہ ان کی تلاش میں ہیں لیکن میرے آدمی بھی چاروں طرف پھیل چکے ہیں۔ اس قسم کی چھاپا مار کارروائیاں کرنے والے عام طور پر آس پاس کی پہاڑیوں میں روپوش ہوجاتے ہیں اور کسی نہ کسی قبائلی بستی میں انہیں پناہ مل جاتی ہے لیکن ان لوگوں کو کسی بستی میں بھی پناہ نہیں مل سکے گی۔"

"میرا خیال ہے، انہیں کسی بستی میں پناہ لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" میں نے کہا۔ "میری اطلاع کے مطابق جنرل کھوراٹ نے بھی ان پہاڑیوں اور جنگلوں میں بہت سے خفیہ اڈے بنا رکھے ہیں۔ انہیں کہیں بھی پناہ مل سکتی ہے اس لیے کہ حملہ آوروں کا تعلق اسی گروپ سے ہے۔"

"کیا یہ بات محض اندازے کی بنا پر کہہ رہے ہو یا....؟"

"میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ رہا ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "حملہ آوروں کو دارا لیڈ کررہا تھا۔ اسے یہ اطلاع مل گئی تھی کہ تھائی اور پرساد تمہاری جیپ میں یہاں آرہے ہیں۔ وہ گھات لگائے بیٹھے تھے اور جیسے ہی جیپ وہاں پہنچی، اس پر سڑک کے دونوں طرف سے گولیوں کی بارش کردی گئی۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر تھائی کی فراہم کردہ اطلاعات کی روشنی میں اسے بتانے لگا کہ جیپ پر حملہ کس طرح ہوا تھا۔

سردار تھالوب نے ان دونوں آدمیوں کی طرف دیکھا پھر میری طرف متوجہ ہوگیا۔ ہم دارا، پیڈرو اور جنرل کھوراٹ کے حوالے سے گفتگو کرتے رہے۔ میں باتوں ہی باتوں میں تھالوب کو تولنے کی کوشش کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اسے اپنے اصل مشن کے بارے میں آگاہ کرنا مناسب ہوگا کہ نہیں۔ میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کرسکا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ وانگ ڈن نے جلدی سے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھالیا۔ ایک دو منٹ تک کسی سے بات کی اور پھر ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر سردار تھالوب سے کچھ کہنے لگا۔ اس نے تھالوب سے اپنی زبان میں بات کی تھی۔ تھالوب نے بھی کچھ جواب دیا اور اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس دوران میں وانگ ڈن نے فون پر کچھ کہہ کر ریسیور رکھ دیا تھا۔

"باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔" تھالوب نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس وقت میٹنگ میں ہمارا انتظار ہورہا ہے۔"

"کیا میرا میٹنگ میں جانا ضروری ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں ضروری سمجھتا ہوں۔" تھالوب نے جواب دیا۔

اس وقت ساڑھے دس بج رہے تھے حالانکہ میٹنگ کے لیے گیارہ بجے کا وقت مقرر تھا۔ وہ دونوں آدمی بھی ہمارے ساتھ تھے۔ باہر گیلری میں تھالوب کی سلور کلر کی شان دار مرسیڈیز کار بھی کھڑی تھی۔ میں اور وہ دونوں آدمی تھالوب کے ساتھ اس کار میں بیٹھ گئے۔ اسٹیئرنگ تھالوب نے سنبھال لیا تھا۔ وانگ ڈن اپنی جیپ میں سوار ہوگیا تھا۔

میٹنگ پولیس چیف کے دفتر میں تھی۔ ہمیں وہاں پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ میٹنگ روم میں ناٹے قد والے پولیس چیف بنگاک سے آئے ہوئے اعلیٰ حکام اور مقامی انتظامیہ کے اعلیٰ عہدے داروں کے علاوہ شہر کے چند معززین بھی شامل تھے جس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ تھالوب کی جیپ پر حملہ کتنا غیر معمولی واقعہ تھا۔

ہم اپنی سیٹوں پر بیٹھے ہی تھے کہ پیڈرو کو دو آدمیوں کے ساتھ میٹنگ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر میں چونک گیا۔ تھالوب نے بھی اسے دیکھ لیا اور میٹنگ شروع ہونے سے پہلے مطالبہ کیا کہ پیڈرو اور اس کے ساتھیوں کو میٹنگ روم سے نکال دیا جائے۔ بصورتِ دیگر وہ خود واک آؤٹ کرجائے گا اور اس کے بعد کی صورتِ حال کی ذمے داری انتظامیہ پر ہوگی۔

عجیب صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔ پولیس چیف اور بنگاک سے آیا ہوا ایک افسر اعلیٰ پیڈرو کی حمایت کررہا تھا لیکن سردار تھالوب نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اگر پیڈرو جیسے مجرم اس میٹنگ میں شریک ہوں گے تو وہ یہاں نہیں بیٹھے گا۔ بالآخر پیڈرو اور اس کے آدمیوں کو رخصت کردیا گیا۔ باہر جاتے ہوئے پیڈرو نے تھالوب اور میری طرف بڑی خوں خوار نظروں سے دیکھا تھا۔

اس میٹنگ کا مقصد سردار تھالوب کا غصہ ٹھنڈا کرنا اور کسی ممکنہ ہنگامے سے بچنے کے لیے کوئی سمجھوتا کرنا تھا۔ سردار تھالوب اس علاقے کا ایک بااثر آدمی تھا اور اسی لیے بعض اعلیٰ حکام بھی بنگاک سے یہاں پہنچ گئے تھے۔

بڑی دیر تک گرما گرم بحث ہوتی رہی۔ سردار تھالوب کا مطالبہ تھا کہ نہ صرف مرنے والوں کا معاوضہ دیا جائے بلکہ حملہ آوروں کو بھی گرفتار کرکے اس کے حوالے کیا جائے۔ اس نے دارا، کم، چی فانگ اور پیڈرو کے نام بھی دیے تھے اور میٹنگ روم میں پیڈرو کی آمد کا حوالہ دیتے ہوئے اس نے بڑے وثوق سے یہ بات کہی تھی کہ پولیس چیف حملہ آوروں سے بخوبی واقف ہے۔

پولیس چیف اس الزام پر بھڑک اٹھا تھا لیکن اس سے پہلے کہ صورتِ حال بگڑ جاتی، بنگاک سے آیا ہوا ایک افسر اعلیٰ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر نجانے مجھے ایسا کیوں لگا کہ اس شخص کو پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں لیکن یاد نہیں آرہا تھا کہ اسے کب اور کہاں دیکھا تھا۔

بات کرتے ہوئے اس نے گردن بائیں طرف گھمائی تو اس کے کان سے ذرا نیچے دائیں جبڑے پر انگوٹھے کے ناخن کے برابر سیاہ دھبا دیکھ کر میں اچھل پڑا۔ مجھے سب کچھ یاد آگیا۔

اس رات بنگاک میں وائٹ ٹریمٹ میں میٹنگ کے بعد شہنشاہ کا کزن رتنا کوسن مجھے اپنے ساتھ ایک بنگلے میں لے گیا تھا جہاں شہنشاہ کے خلاف ہونے والی اسی سازش کے بارے میں بریف کرتے ہوئے مجھے کچھ ایسے لوگوں کی تصویریں بھی دکھائی گئی تھیں

جن کے بارے میں شبہ تھا کہ ان میں سے کوئی اس سازش میں شریک ہو سکتا ہے ۔۔ انہی میں آنگ سانگ نامی اس شخص کی بھی تین تصویریں تھیں۔ ایک سامنے سے کھینچی ہوئی اور دو سائیڈ پوز۔ ایک تصویر میں اس کی دائیں طرف کان کے نیچے جبڑے پر انگوٹھے کے ناخن کے برابر سیاہ دھبا تھا۔

اور اب اسے اپنے سامنے دیکھ کر میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ وہ وزارتِ داخلہ کا سیکریٹری آنگ سانگ تھا۔

○☆○

اس میٹنگ میں سیکریٹری وزارتِ داخلہ آنگ سانگ نے سردار تھالوب سے مطالبہ کیا تھا کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو پولیس کے حوالے کر دیا جائے مگر تھالوب نے صاف انکار کر دیا۔

"ماسٹر وجدان اور اس کے ساتھی میرے مہمان ہیں اور تم جانتے ہو کہ ہم قبائلی مہمانوں کا کس قدر احترام کرتے ہیں۔ ہم ان کے لیے اپنی جان تو دے سکتے ہیں مگر ان کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کر سکتے۔" سردار تھالوب نے کہا "ماسٹر وجدان اور اس کے ساتھی قانون شکن نہیں ہیں۔ اب تک انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہے' اپنے دفاع میں کیا ہے۔ اپنی جان بچانے کا حق ہر ایک کو حاصل ہے اور پھر ان کے خلاف پورے ملک میں کہیں بھی ایسی کوئی باقاعدہ رپورٹ درج نہیں ہے جس کی بنا پر انہیں قانون کی گرفت میں لینے کی کوشش کی جائے۔"

"سردار تھالوب۔" پولیس چیف نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "کل صبح جنرل کھوراٹ کے ایک کابینہ کو آگ لگا کر راکھ کر دیا گیا جس میں اس کا کروڑوں ڈالر مالیت کا اسلحہ بھی تباہ ہو گیا اور تم جانتے ہو ہم اس سرحد تک جنرل کھوراٹ جیسے شخص سے پنگے بازی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔"

"جنرل کھوراٹ۔" تھالوب غرایا "اسے تم جیسے لوگ ہی یہاں قدم جمانے کے مواقع فراہم کر رہے ہیں۔ اسے یہاں اپنے اڈے بنانے کی اجازت کس نے دی۔ کیا یہاں گولہ بارود جمع کرنے کے لیے اس نے تھائی حکومت سے اجازت لی تھی۔ یہ گولہ بارود قانون کے محافظوں کی نظروں میں آئے بغیر یہاں تک کیسے پہنچا؟ اور پھر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس ہٹ کی تباہی میں میرے مہمانوں کا ہاتھ ہے؟"

"اس سے ایک رات پہلے ایک کابینہ میں فانگ پھن اور اس کے دو ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔" پولیس چیف نے اس کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا "فانگ پھن' جنرل کھوراٹ کا آدمی ہے۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ۔۔۔۔"

"تم جانتے ہو کہ وہ جنرل کھوراٹ کے آدمی تھے اور یہاں ان کی آمد و رفت غیر قانونی تھی لیکن تم نے ان کے خلاف اب تک کوئی کارروائی کیوں نہیں کی تھی حالانکہ یہ تمہارا فرض تھا لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ تم نے بدنامِ زمانہ تھرڈ رینک غنڈے پیڈرو کو اس میٹنگ میں مدعو کر لیا جو یہاں جنرل کھوراٹ کے ایجنٹ کی حیثیت سے ہمارے ملک میں منشیات کا زہر پھیلا رہا ہے۔ ہمارے ملک میں اس کے خلاف نہایت سنگین نوعیت کے مقدمات درج ہیں۔ چند روز پہلے تک وہ قانون کو موسٹ وانٹیڈ آدمی تھا۔ اس کی سلاخوں کے پیچھے بند ہونا چاہیے تھا لیکن مجھے حیرت ہے کہ یکایک اس قدر اہم کیوں ہو گیا کہ اسے اس اہم میٹنگ میں بلا لیا گیا۔" سردار تھالوب چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "اس میٹنگ ہال میں مجھے کچھ ایسے چہرے بھی نظر آ رہے ہیں جو کبھی بھی شہنشاہ یا تھائی حکومت سے مخلص نہیں رہے۔ مجھے کسی سازش کی بُو آ رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ پہلے اب تک جو بھی واقعات رونما ہوئے ہیں وہ اس سازش کا حصہ ہیں۔ میری جیب پر فائرنگ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے لیکن میں آپ سب لوگوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس خطے میں جب تک ایک بھی کیرن قبائلی زندہ ہے' شہنشاہ یا تھائی حکومت کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ صرف کیرن ہی نہیں یہاں پر یاؤ' اکیو' لاہو اور لیو جیسے وفادار اور بہادر قبیلے بھی آباد ہیں۔ ان قبائلیوں نے ماضی میں ہمیشہ اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے اپنی جانیں قربان کی ہیں اور وہ آئندہ بھی کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔" سردار تھالوب ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ باری باری ان کے چہروں کو دیکھتا رہا پھر بولا "اس وقت شہر کی سڑکوں پر جمع ہزاروں مسلح قبائلی میرے ایک اشارے کے منتظر ہیں لیکن میں یہاں کی پولیس اور انتظامیہ کے لیے مسئلے پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ میرا صرف ایک مطالبہ ہے۔ حملہ آوروں اور قاتلوں کو چھبیس گھنٹوں کے اندر اندر گرفتار کیا جائے۔ میں نے ان میں سے کچھ نام بھی پولیس چیف کو دے دیے ہیں۔ ان میں دارا وہ شخص ہے جس نے پہلے ٹائیگر اور اب پیڈرو جیسے لوگوں کو اپنے مہرے بنا کر اس ملک میں قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا ہے اور اب میرے خیال میں اسے کچھ بد دیانت اور بے ضمیر سرکاری افسروں کی بھی حمایت حاصل ہو گئی ہے۔ میں نے ان کی گرفتاری کے لیے چھبیس گھنٹوں کی مہلت دی ہے۔ میں دی ہوئی اس مہلت کے آخری سیکنڈ تک انتظار کروں گا۔ اس کے بعد میرے آدمی انہیں خود تلاش کر لیں گے اور اگر کوئی ناخوشگوار واقعہ ہوا تو اس کی ذمے داری انتظامیہ پر ہو گی۔"

سردار تھالوب کی تقریر کے دوران میں' میں وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں نے نوٹ کیا تھا کہ تھالوب نے جب شہنشاہ کے خلاف کسی سازش کی بات کی تھی تو آنگ سانگ اور ایکی مائی کے چہروں کے رنگ ایک لمحے کو متغیر ہوئے تھے۔ ایکی مائی بھی حکومت کے ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھی اور آنگ سانگ وغیرہ کے ساتھ بنکاک سے آئی تھی۔ اس کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہو گی لیکن وہ اپنی عمر سے کم

از کم دس سال چھوٹی لگتی تھی۔ وہ بے حد حسین عورت تھی اور اسے دیکھ کر کہا جاسکتا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔

پولیس چیف کی حالت تو قابلِ دید تھی۔ سردار تھالوب نے اعلیٰ افسران کی موجودگی میں اس پر سنگین نوعیت کے الزام لگائے تھے اور وہ آئیں بائیں شائیں کرکے رہ گیا تھا۔

یہ میٹنگ تین گھنٹوں ... تک جاری رہنے کے بعد کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہوگئی تھی۔ اعلیٰ حکام بنکاک سے اس لیے آئے تھے کہ یہ ایک بڑے قبائلی سردار کا معاملہ تھا۔ سرحدوں پر آباد قبائل چھوٹی چھوٹی باتوں پر بغاوت کردینے کے عادی تھے اور قبائلیوں کی بغاوت کسی بیرونی حملے سے زیادہ خطرناک ہوتی تھی۔ ان علاقوں کو کنٹرول میں رکھنے کے لیے بالآخر حکومت ہی کو گھٹنے ٹیکنے پڑتے تھے اور یہ معاملہ تو ایک بڑے قبیلے کا تھا اور حکومت جانتی تھی کہ اگر کوئی گڑبڑ شروع ہوئی تو اس خطے میں آباد دوسرے چھوٹے قبائل بھی کیرن کا ساتھ دیں گے اس لیے سردار تھالوب کی جیپ پر حملے کی اطلاع ملتے ہی اعلیٰ حکام بنکاک سے یہاں پہنچ گئے تھے۔

اسے اتفاق کہا جائے یا باقاعدہ پلاننگ کہ بنکاک سے آنے والے حکام میں وزارتِ داخلہ کا سیکریٹری آنگ سانگ بھی شامل تھا جس پر شہنشاہ کے خلاف سازش میں شریک ہونے کا شبہ کیا جارہا تھا۔ اس جگہ سازشیوں کی' جنرل کھوراٹ یا اس کے کسی خاص نمائندے سے خفیہ میٹنگ ہونے والی تھی اور پیڈرو اور دارا وغیرہ جیسے خطرناک آدمیوں کی آمد بھی اسی سلسلے میں تھی۔

ہوسکتا ہے' آنگ سانگ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے باقاعدہ پلاننگ کے تحت حکام کے وفد کے ساتھ یہاں آیا ہو کہ اس آڑ میں اس خفیہ میٹنگ میں بھی شریک ہوجائے گا لیکن سردار تھالوب کے ساتھ مقامی انتظامیہ کی اس میٹنگ میں سردار تھالوب کی تقریر نے اسے یقیناً پریشان کردیا تھا۔

تھالوب کی' شہنشاہ کے خلاف سازش والی بات نے مجھے بھی چونکا دیا تھا۔ اس نے کچھ اور چہروں کا بھی حوالہ دیا تھا۔ ان لوگوں پر تھالوب کی باتوں کا جو اثر ہونا تھا وہ تو ہوا لیکن میرے لیے تھالوب کی یہ باتیں تائیدِ غیبی ثابت ہوئی تھیں۔ اب اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ سردار تھالوب شہنشاہ کا حامی اور محبِ وطن تھا اور میں اپنے مشن کے بارے میں کھل کر اس سے بات کرسکتا تھا۔

واپسی پر سردار تھالوب نے مرسیڈیز اپنی کوٹھی کے گیٹ میں لے جانے کے بجائے سڑک پر روک لی۔ اس کے دونوں آدمی وہاں اُتر گئے اور تھالوب نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ اس مرتبہ سفر کا اختتام ہمارے کاٹیج پر ہوا تھا۔

اندر آکر سردار تھالوب نے سب سے پہلے تھائی سے ملاقات کی۔ اس کی خیریت دریافت کرنے کے بعد اس نے تھائی سے گزشتہ رات والے افسوسناک واقعے کی تفصیلات بھی معلوم کی تھیں۔

سردار تھالوب رنگولی سے بھی اسی طرح ملا تھا جس طرح اس نے تھائی اور جانگی سے ملاقات کی تھی لیکن یہ بات میں نے خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ رنگولی کو سامنے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔

جانگی وغیرہ نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ تو مجھے بھوکا پتا چلا کہ سردار تھالوب کا پہلے ہی یہاں آنے کا پروگرام تھا اور وانگ ڈن نے فون پر لوما کو دوپہر کے کھانے کے بارے میں ہدایات دے دی تھی۔ کھانا تیار تھا۔

کھانے کے بعد میں سردار تھالوب کے ساتھ ایک الگ کمرے میں بیٹھ گیا اور اسے اپنے اصل مشن کے بارے میں بتانے لگا۔

"تو میرا شبہ درست تھا۔" وہ میرے خاموش ہونے پر بولا۔ "مجھے کئی ہفتوں سے چیانگ رائے میں اور یہاں کچھ پُراسرار سرگرمیاں محسوس کررہا ہوں۔ تین ہفتے پہلے میں نے ایک اعلیٰ سرکاری آفیسر کو چیانگ رائے میں جنرل کھوراٹ کے ایک خاص آدمی سین فونگ سے ملتے ہوئے دیکھا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "اس رات گولڈن ٹرائی اینگل ہوٹل میں ایک بہت بڑی پارٹی تھی اور اس پارٹی میں بنکاک سے تعلق رکھنے والے اس سرکاری آفیسر کو دیکھ کر میں چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ سرکاری آفیسر ایک حسین لڑکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد سین فونگ بھی ان کی میز پر آگیا۔ وہ لڑکی اٹھ کر کسی دوسری میز پر چلی گئی تھی۔ سین فونگ اور اس سرکاری آفیسر میں دیر تک سرگوشیوں میں باتیں ہوتی رہی تھیں۔ وہ لڑکی دوبارہ ان کی میز پر آگئی اور پھر پارٹی ختم ہونے سے پہلے ہی وہ لڑکی سرکاری آفیسر کو لے کر ہال سے باہر چلی گئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں نے ان دونوں کو پارکنگ میں کھڑی ایک کار میں بیٹھتے دیکھا۔ کار کا انجن اسٹارٹ ہونے سے پہلے ہی سین فونگ بھی کسی طرف سے نمودار ہوا اور کار میں بیٹھ گیا اور اس کے بعد کار روانہ ہوگئی۔ اس وقت میرے ذہن میں کوئی ایسی بات نہیں آئی تھی۔ کرپشن تو ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ میں نے یہی سوچا تھا کہ شاید ہیروئن کی اسمگلنگ کے حوالے سے جنرل کھوراٹ کی طرف سے اس سرکاری آفیسر کو کوئی رشوت پیش کی گئی تھی۔

"اس کے ایک ہفتے بعد میں نے اسی سرکاری آفیسر کو یہاں بھی دیکھا اور پھر کچھ اور لوگ بھی پُراسرار سرگرمیوں میں مصروف نظر آئے۔ اس وقت میرے ذہن میں شبہ پیدا ہوا تھا کہ شہنشاہ حکومت کے خلاف کسی سازش کے تانے بانے تو نہیں بُن رہا؟ اور آج کی میٹنگ میں بھی میں نے اس سرکاری آفیسر کو دیکھا تھا۔ اسے دیکھ کر ہی میرے ذہن میں کسی سازش کا خیال آیا تھا اور اب تم نے آنگ سانگ کے بارے میں بتایا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "میرے شبہات درست نکلے لیکن تم فکر مت کرو۔ جب تک میرے قبیلے کا ایک فرد بھی زندہ ہے یہاں شہنشاہ کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہوسکتی۔"

"ہمیں ان لوگوں پر نگاہ رکھنی ہوگی۔" میں نے کہا "آنگ سانگ کی یہاں آمد خالی از علت نہیں ہوسکتی لیکن میں نے نوٹ کیا تھا کہ تمہاری باتوں کے دوران میں وہ چونک سا گیا تھا۔ اب وہ لوگ یقیناً محتاط ہوجائیں گے لیکن مجھے شبہ ہے کہ ہماری توجہ کسی اور طرف ہٹا کر وہ لوگ اپنا کام کر گزریں گے۔"

"یہ بات میرے ذہن میں بھی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ بہرحال' اب میں چلتا ہوں۔ کوئی خاص بات ہوگی تو میں تمہیں خبر کردوں گا۔"

سردار تھالوب چلا گیا۔ وانگ ڈن یہیں رہ گیا تھا۔

اور پھر اسی رات سردار تھالوب کا فون آگیا۔ اس وقت گیارہ بجنے والے تھے۔ اس نے بتایا کہ آنگ سانگ' ایکی مائی اور ان کا وہ ساتھی جسے تھالوب نے سین فونگ سے ملاقاتیں کرتے دیکھا تھا' شام سے کچھ دیر بعد اس کے پاس آئے تھے اور بقول آنگ سانگ انہوں نے پیڈرو کو حراست میں لینے کی کوشش کی تھی لیکن دوپہر کو میٹنگ ہال سے جانے کے بعد وہ روپوش ہوگیا تھا۔ آنگ سانگ نے ان لوگوں کو گرفتار کرنے کے لیے ایک ہفتے کی مہلت مانگی ہے اور یہ وعدہ لیا ہے کہ میں اس دوران میں اپنے قبائلیوں کو قابو میں رکھوں گا اور کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ رونما نہیں ہونے دوں گا جس سے امن و امان کا مسئلہ پیدا ہوجائے۔

"ایک اور خاص بات" تھالوب کہہ رہا تھا "آنگ سانگ نے فوری طور پر پولیس چیف کو معطل کرکے حراست میں لے لیا ہے۔ میں نے اس پر جو الزامات لگائے تھے ان کی بھی تحقیقات ہوگی۔ الزامات ثابت ہوجانے کی صورت میں اسے لمبی مدت کے لیے جیل بھیج دیا جائے گا" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "میں جانتا ہوں یہ سب کچھ دکھاوے کے لیے ہے تاکہ میں مطمئن ہوکر بیٹھ جاؤں لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر واقعی شہنشاہ کے خلاف کوئی سازش ہورہی ہے تو پولیس چیف بھی اس میں شریک ہوگا۔"

"صدفیصد یہی بات ہے" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "پولیس چیف نے جب پیڈرو کی حمایت کی تھی تو مجھے اسی وقت اس پر شبہ ہوگیا تھا۔ صرف پولیس چیف ہی نہیں' میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ پیڈرو کو آنگ سانگ جیسے اعلیٰ حکام کی بھی آشیرباد حاصل ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اس طرح آزادی سے گھومتا ہوا نظر نہ آتا۔ اب وہ روپوش ہوگیا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ یہ لوگ اس کے ٹھکانے سے واقف ہیں۔"

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں" تھالوب نے جواب دیا "میں انہیں ایک ہفتے کی مہلت دے چکا ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اس دوران میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہوں گا۔ میرے آدمی حرکت میں آگئے ہیں۔ وہ ان کی سرگرمیوں پر اب رکھیں گے۔ اس کے ساتھ ہی پیڈرو کی تلاش بھی شروع کردی ہے۔"

"ان میں سے کسی کا ملنا بہت ضروری ہے" میں نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ ہمیں جلد ہی کامیابی حاصل ہوگی اور یہاں۔"

سردار تھالوب نے رک کر کہا "میں نے اپنے قبیلے والوں سے کہہ دیا ہے کہ وہ لوگ اپنی اپنی بستیوں کو واپس چلے جائیں۔ اب چونکہ ساری بات میری سمجھ میں آگئی ہے اس لیے میں اپنے قبیلے کو اس میں ملوث نہیں کرنا چاہتا لیکن اگر ضرورت پڑی تو وہ لوگ چند منٹ کے نوٹس پر واپس بھی آسکتے ہیں۔ ایک بات اور... تم لوگ اگر چاہو تو شہر میں آزادی سے گھوم پھر سکتے ہو۔ میرے محافظ ہر وقت تمہارے آس پاس رہیں گے۔"

"تھینک یو تھالوب" میں نے جواب دیا اور چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد فون بند کردیا۔

تھالوب کی باتوں سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ درپردہ کوئی بہت اونچا کھیل' کھیلا جارہا تھا اور اس کھیل میں کچھ ایسے کھلاڑی بھی شامل تھے جن کے ناموں کا انکشاف طوفان اٹھا سکتا تھا۔

دوسرے دن صبح دس بجے کے قریب ہم پہلی مرتبہ گھومنے کی نیت سے شہر میں نکلے۔ کل کی طرح آج مجھے سڑکوں پر مسلح قبائلیوں کی ٹولیاں نظر نہیں آئیں۔ بازار بھی کھلے ہوئے تھے اور چہل پہل بھی تھی لیکن غیر ملکی سیاحوں کی تعداد بہت کم تھی۔

میں جیپ میں وانگ ڈن کے ساتھ آگے بیٹھا ہوا تھا۔ پچھلی سیٹوں پر تھائی' جانگی اور رنگولی کے ساتھ دو گن مین تھے۔ محافظوں کی ایک گاڑی ہمارے آگے تھی اور ایک پیچھے۔

وانگ ڈن نے شاید پہلے ہی سے پروگرام طے کررکھا تھا کہ ہمیں کہاں کہاں جانا ہے۔ محافظوں کی اگلی گاڑی ایک ایسی سڑک پر مڑگئی تھی جو بتدریج بلندی کی طرف چلی گئی تھی۔

یہ تقریباً پانچ سو فٹ اونچی پہاڑی تھی جو اوپر سے بالکل ہموار تھی اور یہاں بہت خوبصورت دو تین ریسٹورنٹس بنے ہوئے تھے جن کے سامنے کھلی جگہ تھی اور چٹان کے کنارے پر آہنی پائپوں کا حفاظتی جنگلا لگا ہوا تھا اور اس سے آگے عمودی ڈھلان تھی۔ نشیب میں بہت دور مائے کھام ریور نظر آرہا تھا۔ یہی دریا آگے جاکر دریائے میکانگ سے مل جاتا تھا جہاں سے گولڈن ٹرائی اینگل کا علاقہ شروع ہوجاتا تھا۔

بڑا خوبصورت منظر تھا۔ کھلی جگہ پر رنگین بڑی بڑی چھتریوں کے نیچے میزیں اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ بہت سے لوگ کرسیوں پر بیٹھے ناشتہ نوش میں مشغول تھے۔ کچھ لوگ حفاظتی جنگلے کے قریب کھڑے نشیب میں پھیلے ہوئے ساگوان کے جنگل اور اس سے آگے دھوپ میں چاندی کی طرح چمکتے ہوئے دریا کا دلفریب منظر دیکھ رہے تھے۔

ہم لوگ جیپ سے اُتر کر پارکنگ سے دور حفاظتی جنگلے کے پاس اس کی چھتری کے نیچے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ محافظ پارکنگ میں اپنی گاڑیوں ہی میں بیٹھے رہ گئے تھے۔ وانگ ڈن ہمیں یہاں فرائی فش کھلانے کے لیے لایا تھا۔ چند منٹ بعد ہی ایک خوبصورت ویٹریس آرڈر لینے کے لیے پہنچ گئی۔ اس کی رنگت اگرچہ کسی قدر سانولی تھی لیکن چہرے کے نقوش بہت پُرکشش تھے۔ وانگ ڈن نے نہ صرف ہم سب کے لیے بلکہ محافظوں کے لیے بھی فرائی فش کا آرڈر دے دیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہماری باری آسکی تھی۔ مچھلی واقعی بے حد لذیذ تھی۔ میں نے تھائی کی طرف دیکھا۔ مچھلی کا آخری ٹکڑا اس کے منہ میں تھا اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات اُبھر آئے تھے اور آنکھوں میں وحشت سی بھر گئی تھی۔

"کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔ میں سمجھا... شاید اس کے حلق میں کانٹا اٹک گیا ہے۔

"وہ۔ وہ اس طرف....." تھائی نے ایک طرف اشارہ کیا۔ اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ اونچی نہیں تھی" وانگ سائی۔ سرخ شرٹ والا۔ ریسٹنگ کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا ہے۔"

میں نے گردن گھما کر تھائی کی بتائی ہوئی سمت میں دیکھا۔ ہم سے تقریباً پچاس گز دور حفاظتی ریلنگ کے آخری سرے پر ایک شخص کھڑا نشیب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ دراز قامت صحت مند آدمی تھا۔ اس نے سرخ شرٹ اور سفید پینٹ پہن رکھی تھی۔ سر پر گولف کیپ تھی۔ اس کا چہرہ مجھے سائڈ سے نظر آرہا تھا لیکن میں نے اسے پہچان لیا تھا۔

"چیانگ رائے میں یہی ہماری نگرانی کررہا تھا اور جب ہم روانہ ہوئے تھے تو ہماری جیپ کا تعاقب بھی اسی نے کیا تھا۔ وہ ابھی ابھی وہاں آکر کھڑا ہوا ہے" تھائی نے کہا۔

ہمارے اور اس کے درمیان اگرچہ درجنوں میزیں حائل تھیں، لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن جس طرح تھائی نے اسے دیکھا تھا وہ بھی ہمیں دیکھ سکتا تھا۔ ہم نے کرسیاں اس طرح موڑلیں کہ اگر وہ اس طرف دیکھے بھی تو اس کی نظر ہمارے چہروں پر نہ پڑسکے۔

وانگ سائی کا انداز ایسا تھا جیسے اسے کسی کا انتظار ہو۔ اس نے ایک دو مرتبہ اس طرف بھی دیکھا تھا لیکن ہم اس کی نظروں سے محفوظ ہی رہے تھے۔ میں نے وانگ ڈن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں میں اس پر ہاتھ ڈالنا نہیں چاہتا۔ کیا تمہارے محافظوں میں کوئی ایسا ہے جو اس کا تعاقب کرکے اس کے ٹھکانے کا پتا چلا سکے؟"

"محافظ صرف گولی چلانا جانتے ہیں۔ کسی میں اتنی عقل نہیں کہ اس کی نگرانی کرسکے۔ لیکن میں اس کا بندوبست کرتا ہوں" وانگ ڈن نے کہا اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اس ویٹریس کو اشارے سے بلالیا جس نے ہمیں سرو کیا تھا۔

"یس مسٹر وانگ!" ویٹریس نے مسکرا کر پوچھا۔ نام سے پکارنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ وانگ ڈن کو جانتی تھی۔

وانگ ڈن نے جیب سے پانچ ہزار بھات کا نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھمادیا اور آنکھ سے وانگ سائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرگوشی میں بولا۔

"اس ریڈ شرٹ والے کے قریب رہ کر اس کی نگرانی کرکے اس کے ٹھکانے کا پتا چلانا ہے۔ اس کے لیے تم کچھ بھی کرسکتی ہو لیکن اسے شبہ نہ ہونے پائے کہ تمہارا اصل مقصد کیا ہے۔ وہ کہیں چلا نہ جائے۔ دو تین منٹ کے اندر اندر تمہیں اس کے پاس پہنچ جانا چاہئے۔ جاؤ۔ بل کی فکر مت کرو۔ یہ پانچ ہزار بھات تمہارے ہیں۔ میں کاؤنٹر والے نمبر پر تمہارے فون کا انتظار کروں گا۔"

اس لڑکی کا نام مائے سا تھا۔ ایک لمحے کو اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ اس نے ذرا سی گردن گھما کر وانگ سائی کی طرف دیکھا اور پھر مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی ریسٹورنٹ میں داخل ہوگئی۔

مائے سا کی واپسی میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اسے دیکھ کر ایک لمحے کو تو میں پلکیں جھپکنا بھول گیا تھا۔ اس نے ریسٹورنٹ کا ڈریس اتار کر اپنا لباس پہن لیا تھا اور چہرے کا میک اپ بھی درست کرلیا تھا۔ منی اسکرٹ اور منی بلاؤز میں وہ قیامت ہی لگ رہی تھی۔ کندھے پر لومڑی کی کھال کا پرس بھی لٹکا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ چند منٹ پہلے وہ ویٹریس کی حیثیت سے گاہکوں کو سرو کررہی تھی۔ وہ حفاظتی ریلنگ کی طرف جارہی تھی اور اکیلے بیٹھے ہوئے مرد اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔

مائے سا، وانگ سائی سے تقریباً پندرہ گز دور ریلنگ کے قریب اس جگہ کھڑی ہوگئی جہاں چند عورتیں اور مرد پہلے ہی کھڑے تھے۔ اس نے ایک عورت کو باتوں میں بھی الجھالیا تھا۔ وہ انہی کی ساتھی لگ رہی تھی۔ وہ لوگ نشیب میں دیکھتے اور باتیں کرتے ہوئے آگے کی طرف سرکتے جارہے تھے یا مائے سا انہیں سرکنے پر مجبور کررہی تھی۔ بالآخر وہ لوگ ریلنگ کے قریب سے ہٹ گئے۔ مائے سا وہاں اکیلی رہ گئی تھی۔ وانگ سائی سے اس کا فاصلہ دس فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ وہ ریلنگ کے پائپ پر دونوں بازو ٹکائے دریا کی طرف دیکھ رہی تھی اور پھر میں نے وانگ سائی کو ریلنگ کے ساتھ ساتھ اس کی طرف سرکتے ہوئے دیکھا۔ تقریباً دو منٹ بعد وہ دونوں ہنس ہنس کر باتیں کررہے تھے۔ میں دل ہی دل میں مائے سا کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

دس منٹ گزر گئے۔ ان دونوں کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے ان میں پرانی شناسائی ہو۔ وانگ سائی اس سے چپک کر کھڑا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ ریلنگ کے پائپ پر تھا اور دوسرا ہاتھ اس نے مائے سا کی کمر میں حمائل کررکھا تھا۔

وانگ سائی اس سے باتیں کرتے ہوئے ہر منٹ بعد مڑ کر اِدھر اُدھر بھی دیکھ لیتا تھا۔ میں بڑی گہری نظروں سے اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اب مجھے یقین ہوچکا تھا کہ اسے واقعی کسی کا انتظار تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد نیلے رنگ کی ایک کار پارکنگ میں آکر رکی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک ادھیڑ عمر عورت کے سوا اس کار میں کوئی نہیں تھا۔ عمر چالیس سے اوپر ہونے کے باوجود وہ خاصی حسین تھی۔ وہ کار میں بیٹھی اِدھر اُدھر دیکھتی رہی پھر اتر کر نپے تلے قدم اٹھاتی ہوئی ریلنگ کے قریب چلی گئی۔

وانگ سائی نے بھی اس عورت کو دیکھ لیا تھا۔ وہ مائے سا کے ساتھ ریلنگ کے ساتھ سرکتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس عورت نے کوئی چیز وانگ سائی کے ہاتھ میں اس طرح تھمائی تھی کہ شاید قریب کھڑے ہوئے لوگ بھی نہ دیکھ سکے ہوں گے لیکن ہم چونکہ شروع ہی سے اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھے اس لیے یہ حرکت ہماری نظروں میں آگئی۔ وہ شاید کوئی کاغذ تھا جسے وانگ سائی نے پتلون کی جیب میں ٹھونس لیا تھا۔ اس کے بعد وہ عورت وہاں سے سرکتی ہوئی دوسرے لوگوں کے پاس جاکھڑی ہوئی تھی۔

اس کے بعد وانگ سائی زیادہ دیر وہاں نہیں رکا تھا۔ وہ پارکنگ کی طرف واپس آرہا تھا تو مائے سا بھی اس کے ساتھ تھی۔

اس کے بعد ہم بھی زیادہ دیر وہاں نہیں رکے تھے۔

مائے سا کی اب تک کی کارکردگی نہایت عمدہ رہی تھی۔ وہ وانگ سائی سے اس طرح ملی تھی کہ اسے شبہ تک نہیں ہوسکتا تھا بلکہ یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ وانگ سائی خود اس کے قریب آیا تھا اور اب مائے سا اس کے ساتھ چلی گئی تھی۔ یہ پہلا مرحلہ تو بڑی خوش اسلوبی سے طے ہوگیا تھا۔ اس کے بعد کیا صورتِ حال پیش آئے گی اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

مائے سا کا تعلق بھی کیرن قبیلے سے تھا۔ وہ برما کی سرحد پر واقع ایک چھوٹے سے قصبے کی رہنے والی تھی لیکن کئی سال پہلے چیانگ سائین آگئی تھی۔ ایک خوشحال گھرانے میں کام کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے حصولِ تعلیم کا سلسلہ بھی شروع کردیا تھا۔ اس میں بچپن ہی سے بڑی کشش تھی۔ جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی، اس کے جسم کے نشیب و فراز بھی نمایاں ہوتے گئے اور پھر جوانی کی حدود میں قدم رکھتے ہی وہ اپنے ادھیڑ عمر آقا کی ہوس کا شکار ہوگئی۔ اس وقت اس کی عمر چودہ سال تھی۔ دوسری مرتبہ اس ہوس پرست بوڑھے نے اس پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تو وہ اسے زخمی کرکے گھر سے بھاگ نکلی۔

وہ کئی روز تک اپنی ایک دوست کے گھر میں پڑی رہی لیکن یہاں بھی وہ اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتی تھی۔ ایک روز اس کی دوست کے باپ نے شراب کے نشے میں اس کے کپڑے پھاڑ دیے۔ مائے سا بڑی مشکل سے وہاں سے بھاگنے میں کامیاب ہوسکی تھی۔

مائے سا دربدر کی ٹھوکریں کھاتی رہی۔ کئی مرتبہ اس نے سوچا تھا کہ اپنے گاؤں واپس چلی جائے لیکن اب گاؤں میں اس کا کوئی نہیں تھا۔ ماں باپ عرصہ پہلے اس دنیا سے رخصت ہوچکے تھے۔ ایک خالہ تھی جو برما چلی گئی تھی۔ اس بستی میں اب اس کا کوئی قریبی رشتے دار بھی نہیں تھا اور پھر وہاں روزگار کا مسئلہ بھی تھا۔ وہاں کے کھیتوں کے سوا اور کہیں کام نہیں مل سکتا تھا۔ وہ چلچلاتی دھوپ میں جلنا نہیں چاہتی تھی۔ یہاں شہر میں رہتے ہوئے تو اسے کئی کام مل سکتے تھے۔ وہ اچھے مستقبل کی تلاش میں ٹھوکریں کھاتی اور وقت گزارتی رہی۔

اب مائے سا کی عمر اکیس سال تھی۔ وہ بے حد حسین اور بھرپور جوان لڑکی تھی۔ اسے کہیں نہ کہیں کام مل جاتا لیکن لوگوں کی نظریں اس کے کام سے زیادہ اس کے حسن و شباب پر ہوتیں۔ وہ کئی مرتبہ دھوکے میں آکر لوگوں کی ہوس کا شکار ہوئی تھی اور اب وہ سمجھ گئی تھی کہ زندگی اسی طرح گزاری جاسکتی ہے۔ درخشاں مستقبل ایک عذاب کے سوا کچھ نہیں تھا۔

اور پھر ایک روز اس کی ملاقات وانگ ڈن سے ہوگئی۔ وانگ ڈن نے بھی ایک مرتبہ اس بستی گنگا میں ہاتھ دھولیے تھے۔ اس کے بعد بھی کسی نہ کسی ریسٹورنٹ میں ان کا آمنا سامنا ہو ہی جاتا تھا۔ مائے سا جان چکی تھی کہ وانگ ڈن سردار تھا لوب کا خاص آدمی ہے۔ وہ وقتاً فوقتاً اس کی مالی مدد بھی کرتا رہتا تھا۔ تقریباً چھ ہفتے پہلے اس ریسٹورنٹ میں ملازمت بھی اسے وانگ ڈن ہی نے دلوائی تھی۔ یہاں نہ صرف تنخواہ معقول تھی بلکہ اوپر کی آمدنی بھی اچھی خاصی تھی۔

ہم لوگ جس ٹیبل پر بیٹھے تھے وہ مائے سا کی سروس میں نہیں تھی لیکن وانگ ڈن کو دیکھ کر وہ اس طرف آگئی تھی اور جب وانگ ڈن نے اسے وانگ سائی کی نگرانی کے لیے کہا تو وہ انکار نہیں کرسکی تھی۔

ریسٹورنٹ سے اٹھ کر بازار کا ایک چکر لگاتے ہوئے ہم کاٹیج واپس آگئے۔ اس وقت تک مائے سا کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔

چارج کرگئے۔ اب مجھے مائے سا کی طرف سے پریشانی ہونے لگی تھی۔ اگر اس کا راز فاش ہوگیا تو وہ زندہ نہیں بچے گی۔ پیڈرو جیسے سفاک لوگوں سے کسی بھلائی کی توقع نہیں تھی۔

سردار لوب اگرچہ اپنی شہروالی کوٹھی میں موجود تھا مگر اس نے وانگ ڈن کی خدمات ہمارے لیے وقف کردی تھیں اور وہ صبح سے ہمارے ساتھ ہی تھا اور اب تو اس کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔

"کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوگئی؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے

اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ کہا نہیں جاسکتا" وانگ ڈن نے کہا "ویسے تو مائے سا ذہین اور ہوشیار لڑکی ہے۔ اس نے دنیا کی اونچ نیچ دیکھی ہے لیکن اگر کسی چال میں آگئی ہو تو کچھ کہا نہیں جاسکتا۔"

ہماری پریشانی بڑھتی جارہی تھی اور پھر چھ بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو وانگ ڈن نے لپک کر ریسیور اٹھالیا۔ وہ مائے سا کی ہی کال تھی۔ وانگ ڈن نے اس کی آواز سنتے ہی ٹیلی فون کا ساؤنڈ سسٹم والا بٹن بھی دبا دیا تھا۔ اس طرح دوسری طرف سے بات کرنے والے کی آواز کمرے میں موجود دوسرے لوگ بھی سن سکتے تھے۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے مسٹر وانگ" مائے سا کہہ رہی تھی..... "وانگ سائی شراب لینے کے لیے باہر گیا ہے اور میں موقع پاکر تمہیں فون کررہی ہوں۔"

"ہم تو پریشان ہورہے تھے۔ اسے تم پر کوئی شبہ تو نہیں ہوا؟" وانگ ڈن نے پوچھا۔

"نہیں، کوئی شبہ نہیں ہوا" مائے سا نے جواب دیا "وہ مجھے مال مفت سمجھ کر اپنے فلیٹ پر لے آیا تھا اور اس وقت سے اب تک اس نے ایک لمحے کو بھی مجھے چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔"

"سوری ڈیئر۔ میری وجہ سے تمہیں یہ زحمت اٹھانی پڑی" وانگ ڈن نے کہا۔

"میں اس زحمت کی عادی ہوچکی ہوں" مائے سا نے جواب دیا۔

"اس دوران میں اس سے کوئی ملنے آیا تھا یا اس نے کسی سے رابطہ کیا ہو؟" وانگ ڈن نے پوچھا۔

"یہاں آنے کے تھوڑی ہی دیر بعد اس نے کسی کو فون کیا تھا اور اس کے ایک گھنٹے بعد ایک آدمی آیا تھا۔ وانگ سائی نے اسے ایک کاغذ دیا تھا اور یہ کاغذ وانگ سائی کو ایک عورت نے بڑی رازداری سے اس وقت دیا تھا جب ہم ریسٹورنٹ کے سامنے رینگ کے قریب کھڑے تھے۔"

"ہم نے دیکھ لیا تھا" وانگ ڈن نے جواب دیا۔

"اس آدمی کے بعد یہاں کوئی نہیں آیا۔ البتہ ایک فون آیا تھا اور وانگ سائی نے فون کرنے والے کو مسٹر دارا کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ وہ فون پر سرگوشیوں میں باتیں کررہا تھا اس لیے میں مزید کچھ نہیں سن سکی۔ اس وقت وہ شراب لینے کے لیے باہر گیا ہے اور لگتا ہے کہ اس کے بعد رات بھر اس کا گھر سے نکلنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ مجھے جانے کی اجازت دے گا۔ ظاہر ہے، مفت میں ہاتھ آئی ہوئی چیز کو آسانی سے کون چھوڑتا ہے۔"

"تم اس وقت کہاں ہو۔ میرا مطلب ہے یہ مکان کہاں ہے جہاں سے تم بول رہی ہو!" وانگ ڈن نے پوچھا۔

"یہ مکان نہیں فلیٹ ہے" مائے سا نے جواب دیا "کولونی روڈ پر روبائی ولا نام کی ایک بلڈنگ ہے۔ یہ فلیٹ اس بلڈنگ کی چوتھی منزل پر ہے۔ نمبر تو میں نہیں دیکھ سکی لیکن لفٹ سے نکلتے ہی سامنے والی راہداری میں بائیں طرف کا آخری فلیٹ ہے۔ اس راہداری میں چھ فلیٹ ہیں، تین ایک طرف، تین دوسری طرف۔ یہ بائیں طرف کا آخری کارنر والا فلیٹ ہے۔ سمجھ گئے نا....؟"

اس سے پہلے کہ وانگ ڈن کوئی جواب دیتا، فون پر ایسی آواز سنائی دی جیسے کال بیل بجائی گئی ہو۔

"وہ آگیا ہے۔ میں فون بند کررہی ہوں" مائے سا کی سرگوشیانہ آواز سنائی دی اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔

وانگ ڈن نے ریسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا پروگرام ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اسے اٹھانا ہے۔ آج ہی رات" میں نے جواب دیا "مائے سا کی رپورٹ سے یہ تصدیق ہوگئی ہے کہ دارا وغیرہ سے اس کا رابطہ ہے۔ ہم اس سے ان کا ٹھکانا معلوم کرسکتے ہیں۔"

"وہ آج رات فلیٹ پر ہی رہے گا۔ ہم رات کو کسی بھی وقت ریڈ کردیں گے" وانگ ڈن نے جواب دیا۔

"روبائی ولا۔ معلوم ہے یہ بلڈنگ کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میری زندگی اسی شہر میں گزری ہے" وانگ ڈن نے جواب دیا "میں ایک ایک عمارت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ کب بنی..... کس کی ملکیت ہے اور تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ روبائی ولا نام کی یہ بلڈنگ پولیس چیف کی ملکیت ہے جو اس کی بیوی کے نام پر ہے۔ روبائی اس کی بیوی کا نام ہے۔"

"اوہ" میں واقعی چونک گیا "اس طرح میری اس بات کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ پولیس چیف ان لوگوں کی پشت پناہی کررہا ہے۔"

"ظاہر ہے" وانگ ڈن نے جواب دیا "سیاحت کے سیزن میں تو یہاں ایک چارپائی کی جگہ حاصل کرنا مشکل ہوتا ہے چہ جائیکہ وانگ سائی کو فلیٹ مل گیا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ دوسرے لوگوں کے ٹھکانے کا بندوبست بھی پولیس چیف ہی نے کیا ہوگا۔"

"آج رات پتا چل جائے گا کہ دارا کا ٹھکانا کہاں ہے اور اس کا بندوبست کس نے کیا تھا" میں نے کہا۔

رات گیارہ بجے میں اور وانگ ڈن کاٹیج سے نکلے۔ ہمارے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔ میرے پاس حسب معمول پتلون کے پائنچے کے نیچے پنڈلی سے بندھا ہوا خنجر اور جیب میں پستول تھا۔ وانگ ڈن کے پاس بھی پستول تھا لیکن اس نے آٹومیٹک رائفل جیپ میں رکھ لی تھی۔

کولونی روڈ شہر کے مغرب کی طرف تھی۔ سیاحت کے سیزن میں رات بارہ ایک بجے تک شہر کی سڑکوں پر رونق رہتی تھی لیکن پچھلے دنوں پے درپے پیش آنے والے واقعات کی وجہ سے شہر کی رونق اجڑ گئی تھی۔ بیشتر سیاح واپس جاچکے تھے اور جو اس شہر میں موجود تھے وہ رات آٹھ نو بجے ہی اپنے ہوٹلوں اور گیسٹ ہاؤسز تک محدود ہوجاتے تھے۔ اس وقت تو بیشتر شاپنگ سینٹرز بھی بند تھے البتہ ریسٹورنٹ اور نائٹ کلب وغیرہ کھلے ہوئے تھے۔ شہر اگرچہ زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن نائٹ کلبوں کی تعداد پچاس سے بھی زیادہ تھی۔

کئی سڑکوں پر سے گزرنے کے بعد وانگ ڈن نے جیپ ایک کشادہ سڑک کے کارنر پر واقع چھ منزلہ عمارت کے ساتھ گلی میں موڑ کر تقریباً پچاس گز آگے روک لی۔ اس عمارت کا مرکزی دروازہ سڑک کی طرف تھا۔ البتہ پچھلی گلی میں بھی ایک دروازہ تھا جو زیادہ استعمال نہیں ہوتا تھا۔

اس عمارت کی پچھلی طرف کوئی بڑی عمارت نہیں تھی۔ چھوٹے چھوٹے کاٹیجز تھے۔ انہی میں دو تین گیسٹ ہاؤس بھی تھے۔ بعض کاٹیج اور گیسٹ ہاؤسز میں روشنیاں نظر آرہی تھیں۔

جیپ سے اتر کر وانگ ڈن نے دروازے لاک کردیے اور مجھے اشارہ کرتا ہوا عمارت کے عقب میں تنگ سی گلی میں داخل ہوگیا۔ عمارت کے سامنے والے دروازے پر چوکیدار موجود تھا اس لیے اس طرف سے جانا مناسب نہیں سمجھا گیا تھا۔

عقبی گلی میں دوسری طرف چھوٹے چھوٹے کاٹیج تھے جن میں سے بیشتر تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وانگ ڈن ادھر اُدھر دیکھتا ہوا عمارت کے عقبی دروازے پر رک گیا۔ اس نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا، پہلے دروازے کے ہینڈل کو گھما کر دیکھا پھر گچھے میں لگی ہوئی چابیاں ایک ایک کرکے آزمانے لگا۔ ساتویں چابی نے کام کردکھایا۔ کلک کی ہلکی سی آواز ابھری اور تالا کھل گیا۔

"اب دعا کرو، اندر سے کوئی بولٹ نہ لگا ہوا ہو" وانگ ڈن نے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

وہ ہینڈل کو آہستہ آہستہ گھما رہا تھا۔ دروازہ اندر سے بولٹ نہیں تھا۔ وہ آہستگی سے کھلتا چلا گیا۔ اندر داخل ہوکر اس نے آہستگی سے دروازہ بند کردیا۔

یہ ایک تنگ سی راہداری تھی جس کے آخری سرے پر بلب روشن تھا۔ وہاں سے یہ راہداری بائیں سمت لالی کی طرف مڑ گئی تھی۔ اس طرف لفٹ بھی تھی اور اوپر جانے کے لیے کشادہ زینہ بھی لیکن ایک تنگ سا زینہ اس راہداری میں اس دروازے سے ذرا ہی آگے تھا جس سے ہم اندر داخل ہوئے تھے۔

ہم دبے قدموں سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے اور چوتھی منزل پر پہنچ کر دم لینے کو ذرا رک گئے اور پھر اس راہداری میں مڑ گئے جس میں لفٹ تھی۔ اس لفٹ کے آگے اس عمارت میں رہائش پذیر عام لوگوں کی آمدورفت کے لیے کشادہ زینہ بھی تھا۔

ہم لفٹ کے قریب پہنچے ہی تھے کہ "کھٹ" سے لفٹ کا دروازہ کھلا اور ایک عورت اور ایک مرد باہر نکلے۔ وہ دونوں غیر ملکی سیاح تھا۔ غالباً کسی ہوٹل یا نائٹ کلب سے واپس آئے تھے۔ ہم انہیں لفٹ سے برآمد ہوتے دیکھ کر ٹھٹک گئے تھے اور وہ ہمیں دیکھ کر چونک سے گئے تھے۔

"ہیلو...." میں اس عورت کی طرف دیکھ کر مسکرادیا۔

"ہیلو" وہ عورت بھی مسکرادی۔

دروازہ بند ہوچکا تھا اور لفٹ نیچے جارہی تھی۔ اس عورت کی عمر تیس اور پینتیس کے درمیان رہی ہوگی جب کہ اس کا ساتھی چالیس کے لگ بھگ تھا۔ وہ دونوں اس راہداری میں چلتے ہوئے دائیں طرف دوسرے دروازے کے سامنے رک گئے۔ عورت نے اپنے بیگ میں سے چابی نکال کر دروازہ کھولا اور دونوں اندر داخل ہوگئے۔ دروازہ بند کرتے ہوئے اس عورت نے ایک بار پھر مسکرا کر ہماری طرف دیکھا تھا۔

میں اور وانگ ڈن آگے بڑھتے رہے۔ بائیں طرف آخری دروازے کے سامنے پہنچ کر ہم رک گئے۔ راہداری کے اختتام پر سامنے کا حصہ کھلا ہوا تھا۔ وہاں تین فٹ اونچی منڈیر تھی۔ اس کھلی جگہ سے باہر دور تک کا منظر دیکھا جاسکتا تھا۔ تاریکی میں کہیں کہیں چمکتی ہوئی روشنیاں بہت بھلی لگ رہی تھیں۔

وانگ ڈن نے پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑلیا۔ اندر بجنے والی بیل کی آواز ایسی تھی جیسے چڑیا چہچہا رہی ہو۔ دو مرتبہ گھنٹی بجانے کے بعد اندر سے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

"کون ہے!"

میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر وانگ ڈن کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دروازے کی طرف رخ کرکے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"میں ہوں چی فانگ۔ دروازہ کھولو وانگ سائی۔" میں نے چی فانگ کے لہجے کی نقل اتارنے کی بھرپور کوشش کی تھی اور اس میں کامیاب بھی رہا تھا کیونکہ دوسرے ہی لمحے اندر سے بولٹ ہٹائے جانے کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا۔

"چی فانگ تم اس....."

وانگ سائی میرا چہرہ دیکھ کر جملہ مکمل نہیں کرسکا۔ اس کا چہرہ دھواں ہوگیا اور اس نے بڑی پھرتی سے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے کندھے سے دروازے کو زوردار دھکا دیا اور اندر داخل ہوتے ہی اس کے جبڑے پر زوردار گھونسا رسید کردیا۔ وانگ سائی لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے منہ سے کراہ خارج ہوگئی تھی۔

وانگ ڈن نے اندر داخل ہوکر دروازہ بند کردیا۔ وانگ سائی جسم کے نچلے حصے پر چادر لپیٹے ہوئے تھا۔ اس کے منہ سے شراب کی بو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ کیا کررہا ہوگا۔ ہمیں دیکھ کر وہ تھر تھر کانپنے لگا۔

میرے پہلے ہی گھونسے نے اسے باور کرا دیا تھا کہ اس کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہیں برتی جائے گی۔

"لڑکی کہاں ہے؟" میں نے آگے بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"اس..... کمرے میں....." وہ اشارہ کرتے ہوئے ہکلایا "میں نے اس کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں کی۔ وہ اپنی مرضی سے آئی تھی۔"

"چلو۔ تم بھی اسی طرف چلو۔" میں نے اسے دھکا دیا۔

جب ہم دوسرے کمرے میں داخل ہوئے تو مائے سا کپڑے پہن رہی تھی۔ کال بیل کی آواز سے وہ سمجھ گئی تھی کہ اس وقت کون ہو سکتا ہے۔ وانگ سائی کے کمرے سے نکلتے ہی اس نے کپڑے پہننا شروع کر دیے تھے۔

وانگ سائی کے کپڑے بھی ایک کرسی پر پڑے ہوئے تھے۔ اس کرسی پر اس کا بغلی ہولسٹر بھی ٹنگا ہوا تھا جس سے پستول کا دستہ جھانک رہا تھا۔ وانگ سائی نے کن انکھیوں سے میری طرف دیکھا اور کرسی کی طرف چھلانگ لگا دی لیکن اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔ وانگ ژن مجھ سے پہلے ہی حرکت میں آ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اگرچہ پستول موجود تھا لیکن اس نے گولی چلانے کے بجائے اپنی ٹانگ کو حرکت دی تھی۔ اس کے پیر کی ٹھوکر وانگ سائی کی پنڈلی پر لگی اور وہ چیختا ہوا دائیں طرف پڑی ہوئی کرسی پر گرا۔ اس کا منہ کرسی کے پائے پر لگا اور ہونٹوں سے خون بہہ نکلا۔

وانگ ژن نے آگے بڑھ کر اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا۔ وانگ سائی کے جسم پر لپٹی ہوئی چادر اُتر گئی۔ وہ کمرے میں لوٹ رہا تھا۔ ہر ٹھوکر پر وہ بلبلا اٹھتا۔

مائے سا کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ وہ اپنے دوسرے کپڑے اٹھا کر ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔

"مم..... میں سچ کہتا ہوں کہ میں اس لڑکی کو زبردستی یہاں نہیں لایا تھا۔ وہ..... وہ خود....."

"اس لڑکی کو ہم نے تمہارے ساتھ بھیجا تھا۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "جب تم پاڑی والے اس ریسٹورنٹ میں آئے تھے تو ہم بھی وہاں موجود تھے اور اس لڑکی کو ہم نے ہی تمہارے پیچھے لگایا تھا تاکہ تمہارا ٹھکانا معلوم کیا جا سکے۔ شام کو جب تم شراب لینے گئے تھے تو مائے سا نے فون پر ہمیں اس فلیٹ کا پتا سمجھا دیا تھا اس لیے ہم بڑی آسانی سے یہاں پہنچ گئے لیکن اب تم یہ مت کہنا کہ مجھے نہیں جانتے اور یہ کہ اس وقت تمہارے پاس زیادہ رقم نہیں ہے وغیرہ وغیرہ....."

"اگر مجھے کچھ ہو گیا تو پیڈرو تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔" وانگ سائی نے کہا "بلڈنگ کے چوکیدار نے تم لوگوں کو یہاں آتے ہوئے ضرور دیکھا ہو گا۔ وہ....."

"چوکیدار کے فرشتوں کو بھی... معلوم نہیں کہ ہم اس وقت یہاں موجود ہیں۔" میں نے کہا "تم پانچ منٹ کے اندر اندر کپڑے پہن لو تو ہم یہاں سے چلیں۔ یہاں تو گھٹن ہو رہی ہے۔ شراب کی بو پھیلی ہوئی ہے۔ دم گھٹا جا رہا ہے۔ ہم کسی اور جگہ پر چل کر بات کریں گے جہاں کا ماحول بھی خوشگوار ہو۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ حالانکہ میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔" وانگ سائی نے کہا۔

"تمہاری وجہ سے صرف دو دن پہلے ہمارے پانچ آدمیوں کو نہایت بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا اور تم پوچھتے ہو کہ ہم تم سے کیا چاہتے ہیں؟" وانگ ژن نے کہا۔

"مم..... میں نے کچھ نہیں کیا۔" وانگ سائی بولا۔ وہ ایک بار پھر کانپنے لگا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے اور سینے پر تڑ تڑ چار گھونسے رسید کر دیے۔

"تم چیانگ رائے میں تھائی اور پرساد کی نگرانی کرتے رہے ہو۔ تم نے ہی دارا کو ان کی روانگی کی اطلاع دی تھی اور تم نے ہی ہائی وے پر گھات لگائے بیٹھے دارا اور اس کے ساتھیوں کو بتایا تھا کہ تھائی وغیرہ پچھلی گاڑی میں آ رہے ہیں۔ تمہاری وجہ سے پانچ آدمی پلک جھپکنے کی دیر میں چھلنی ہو گئے اور تم کہتے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے؟"

"یہ..... یہ غلط ہے۔" وہ ہکلایا "مم..... میں نے چیانگ رائے میں تھائی کو دیکھا ضرور تھا لیکن اس کی نگرانی نہیں کی نہ ہی کسی کو ان کے بارے میں اطلاع دی۔ اگر ان کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

میں نے اس کے جبڑے پر ایک اور گھونسا رسید کیا۔ وہ بلبلا اٹھا۔ اس نے جب خون تھوکا تو اس میں اس کا ایک دانت بھی موجود تھا۔

"تھائی زندہ ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "اس نے چیانگ رائے میں تمہاری سرگرمیاں نوٹ کی تھیں اور جب وہ لوگ چیانگ سائین کے لیے روانہ ہوئے تو تم نے نہ صرف فون پر دارا کو ان کے بارے میں بتا دیا بلکہ ان کا تعاقب بھی کیا اور پھر آگے نکل کر دارا وغیرہ کو بتا دیا جو سڑک پر گھات لگائے بیٹھے تھے۔"

"تھ..... تھائی زندہ ہے....." وانگ سائی کا چہرہ اس طرح سفید پڑ گیا جیسے سارا خون نچڑ گیا ہو۔

"ہاں۔ تھائی زندہ ہے اور اس نے حملہ آوروں میں دارا کو پہچان بھی لیا تھا۔" میں نے کہا "دارا اور اس کے ساتھی روپوش ہیں۔ اتفاق سے آج تم نظر آ گئے۔ اب تم بتاؤ گے کہ دارا کہاں چھپا ہوا ہے اور ابھی تو تم سے یہ بھی پوچھنا ہے کہ وہ عورت کون تھی جس نے تمہیں ایک کاغذ دیا تھا اور وہ کاغذ تم نے کہاں پہنچایا ہے لیکن..... یہ باتیں یہاں نہیں ہوں گی۔ کپڑے پہن لو۔ اب میں تمہیں صرف تین منٹ دے سکتا ہوں۔" میں نے یہ کہتے ہوئے کرسی پر ٹنگے ہوئے اس کے بغلی ہولسٹر سے پستول کھینچ لیا۔

کپڑے پہنتے ہوئے بھی وہ کانپ رہا تھا۔ میں نے اسے دھکا دیتے ہوئے کمرے سے باہر نکالا۔ مائے سا باہر والے کمرے میں موجود تھی۔ وہ اپنے آپ پر قابو پا چکی تھی اور اب اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ بھی تھی۔ وانگ ژن نے بھی وانگ سائی کو پستول کی زد پر لے رکھا تھا۔ میں نے باہر کا دروازہ کھول کر راہداری میں جھانکا اور پھر باہر نکل آیا۔

راہداری سنسان تھی۔ میں آگے تھا۔ میرے پیچھے وانگ سائی اور وانگ ژن تھے۔ وانگ ژن نے پستول کی نال وانگ سائی کی کمر سے لگا رکھی تھی۔ مائے سا سب سے پیچھے تھی۔

میں چند ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ سامنے والی رو میں دوسرے فلیٹ کا دروازہ چند انچ کے قریب کھلا۔ وہی یورپین عورت جھانک رہی تھی جسے میں نے ایک دوسرے آدمی کے ساتھ لفٹ سے اترتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرا دی لیکن میرے پیچھے وانگ سائی پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پر خوف اور آنکھوں میں دہشت سی اُبھر آئی۔ اس نے پھر میری طرف دیکھا۔ میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ تجسس پسند عورت تھی اور جب سے ہم وانگ سائی کے فلیٹ میں داخل ہوئے تھے، غالباً اسی وقت سے وہ اپنے فلیٹ کے دروازے میں کھڑی تھی۔

ہم وانگ سائی کو عمارت کے عقبی دروازے سے باہر لے آئے اور پھر گلی کے موڑ پر کھڑی جیپ تک پہنچنے میں بھی ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

وانگ سائی کو جیپ کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر مائے سا اور میں بیٹھ گئے جبکہ وانگ ژن نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

جیپ کولائی روڈ سے ہوتی ہوئی سام لان روڈ پر مڑ گئی۔ اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ اس سڑک پر ایک نائٹ کلب سے کچھ لوگ نکل رہے تھے۔ وانگ سائی نے اچانک ہی اچھل کر مائے سا کو گرفت میں لینے کی کوشش کرتے ہوئے چیخنا شروع کر دیا۔

میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے پیر پر گولی چلا دی۔ مائے سا بھی چیخ اٹھی۔ بہرحال، وہ وانگ سائی کی گرفت سے نکل گئی۔ میں نے وانگ سائی کو سیٹ پر گرا لیا اور پستول کے دستے سے اس کے چہرے، سر اور سینے پر ضربیں لگانے لگا۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔ میں نے پستول کی نال اس کے سینے پر رکھ دی۔

"اب اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو پستول کی ساری گولیاں تمہارے سینے میں اتار دوں گا۔" میرے حلق سے بھیڑیے جیسی غراہٹ نکلی۔

وانگ سائی کی آواز بند ہو گئی۔ میں نے اسے سیٹ سے اٹھنے نہیں دیا لیکن گردن گھما کر پیچھے ضرور دیکھا تھا۔ نائٹ کلب کے سامنے کھڑے ہوئے لوگ ہماری جیپ ہی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہاں ایک دو گاڑیاں اور ٹیکسیاں بھی کھڑی تھیں لیکن کسی نے ہمارے پیچھے آنے کی حماقت نہیں کی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ آس پاس پولیس کی کوئی گاڑی موجود نہیں تھی ورنہ ہمارے لیے پریشانی ہو جاتی۔

جب ہم کانیج پہنچے تو ایک بجنے والا تھا۔ وانگ سائی کے پیر سے بہنے والے خون سے جیپ کے فرش کا ستیاناس ہو گیا تھا۔ ہمیں دیکھتے ہی تاریکی میں چھپے ہوئے تین چار قبائلی محافظ ہمارے قریب آ گئے۔

"اسے پیچھے کوارٹرز میں لے جاؤ۔" وانگ ژن نے قیدی کو ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا "اگر یہ کوئی حرکت کرے یا بھاگنے کی کوشش کرے تو اڑا دینا اسے۔" پیر زخمی ہونے کی وجہ سے وانگ سائی کے لیے کھڑے ہونا مشکل ہو رہا تھا۔ محافظ اسے گھسیٹتے ہوئے کانیج کی پچھلی طرف لے گئے۔ وانگ ژن نے ایک اور محافظ کو جیپ کے فرش پر پھیلا ہوا خون صاف کرنے کو کہا اور پر آمدے کی طرف بڑھ گیا۔ تھائی وغیرہ جاگ رہی تھیں۔ آوازیں سن کر وہ بھی برآمدے میں آ گئی تھیں۔

"وانگ سائی کو ہم لے آئے ہیں۔" میں نے تھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ابھی تھوڑی دیر میں اس سے معلوم کرتے ہیں کہ دارا وغیرہ کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

"میرا خیال ہے' ایک کپ کافی ہو جائے اس کے بعد اس کا پوسٹ مارٹم کریں گے۔" وانگ ژن نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

مائے سا بھی ہمارے ساتھ اندر آ گئی۔ رگھبلی اور جانکی اسے لے کر ایک صوفے پر بیٹھ گئیں اور تھائی نے مجھ پر سوالات کی بارش کر دی۔

لوما ہمیں دیکھتے ہی کچن میں گھس گیا تھا اور چند ہی منٹ بعد وہ ہم سب کے لیے کافی بنا کر لے آیا۔

کافی پینے کے بعد بھی ہم چند منٹ وہاں بیٹھے گپ شپ کرتے رہے پھر میں اور وانگ ژن کانیج سے نکل کر پچھلی طرف آ گئے۔ وہاں ایک طرف وانگ ژن اور لوما کے لیے کوارٹرز تھے اور دوسری جانب گاڑیوں کے لیے پختہ گیراج بنے ہوئے تھے۔ ان گیراج کی تعداد تین تھی جو ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے۔ ایک گیراج کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وانگ سائی گندے فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور اس کے بائیں پیر سے خون اب بھی رس رہا تھا۔ وانگ ژن لوہے کی ایک فولڈنگ کرسی کھول کر دروازے کے قریب بیٹھ گیا۔

"یہ تمہارا شکار ہے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "جو کچھ پوچھنا ہے' تم ہی پوچھو۔ میں آرام سے یہاں بیٹھ کر تماشا دیکھوں گا۔"

کچھ خوف اور کچھ خون بہہ جانے کی وجہ سے اس کا چہرہ مُردوں کی طرح سفید ہو رہا تھا۔

"شرافت سے کچھ اگلو گے یا تمہاری زبان کھلوانے کے لیے مجھے اپنے ہاتھوں اور پیروں کو حرکت دینی پڑے گی؟" میں نے یہ کہتے ہوئے ایک طرف پڑا ہوا چمڑے کا ایک ٹکڑا اٹھالیا۔ یہ دراصل پرانے ٹائر کا ٹکڑا تھا جو تقریباً دو انچ چوڑا اور دو ڈھائی فٹ لمبا تھا۔

"مم..... مجھے نہیں معلوم وہ لوگ کہاں ہیں؟" وانگ سائی ہکلایا۔ خوف سے اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔

"وہ عورت کون تھی جس نے صبح تمہیں ایک کاغذ دیا تھا اور وہ کاغذ تم نے کہاں پہنچایا تھا؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"وہ..... وہ..... عورت۔" وانگ سائی رک رک کر بولا "وہ میری دوست ہے۔ ہماری ملاقات ایک دن پہلے ہی ہوئی تھی۔ صبح وہ مجھ سے ہی ملنے وہاں آئی تھی لیکن مائے سا کو میرے ساتھ دیکھ کر اس نے چپکے سے مجھے وہ خط دے دیا اور واپس چلی گئی۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے مگر شاید زبان سے نہیں کہنا چاہتی تھی اس لیے پہلے ہی سے ایسا خط لکھ کر لے آئی تھی۔"

"تو وہ لو لیٹر تھا؟" میں نے اسے گھورا اور پھر میرا ہاتھ حرکت میں آگیا۔

ٹائر کا وہ ٹکڑا چابک کی طرح اس کے سینے پر پڑا اور وہ بلبلا اٹھا۔ میرا ہاتھ رکا نہیں۔ میں اس پر ہنٹر کی طرح وار کرتا رہا۔ پشت سے اس کی قمیص پھٹ گئی اور کئی جگہوں سے خون رسنے لگا۔ وانگ سائی کی چیخیں بڑی خوفناک تھیں۔

"اس ویرانے میں تمہاری چیخیں کوئی نہیں سنے گا۔ جتنا چیخنا چاہو، چیخ لو۔" میں نے غراتے ہوئے کہا "میں تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کردوں گا لیکن اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ اس خط میں کس کے لیے کیا پیغام تھا اور وارا اور چی فانگ کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

"مم..... میں کچھ نہیں جانتا۔" وانگ سائی نے جواب دیا۔

میرا ہاتھ ایک بار پھر حرکت میں آگیا۔ اتنی مار اگر پتھر پر لگائی جاتی تو وہ بھی ٹوٹ کر بکھر جاتا لیکن وہ بڑا سخت جان ثابت ہوا تھا۔ اس کی ضد سے مجھ پر بھی جنون سا طاری ہوگیا۔ میں اس پر کوڑے برساتا رہا اور وہ چیختا ہوا گندے فرش پر لوٹتا رہا۔ اس کے جسم سے رسنے والے خون سے فرش پر بھی دھبے پڑ رہے تھے۔

میں نے ٹائر کا وہ ٹکڑا ایک طرف پھینک دیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ گیراج کے آخری حصے میں ایک میز پڑی ہوئی تھی جس پر اوزار وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک ڈرل مشین بھی تھی۔ میں نے لپک کر ڈرل مشین اٹھالی اور اس پر لپٹا ہوا تار کھولنے لگا۔

وانگ ژن اب تک واقعی تماشائی بنا خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ مجھے ڈرل مشین اٹھاتے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

میں نے ڈرل مشین کے تار کا پلگ گیراج کی دیوار میں نصب سوئچ بورڈ کے ایک ساکٹ میں لگا دیا اور اس کے ساتھ والا سوئچ آن کرکے ڈرل مشین کا بٹن دبادیا۔ ڈرل مشین کے آگے پنسل جتنی موٹی تین انچ لمبی بٹ لگی ہوئی تھی۔

"اسے سیدھا لٹا دو اور اس طرح گرفت میں لے لو کہ ہلنے نہ پائے۔" میں نے قبائلی محافظوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وانگ سائی کے ہاتھ اب بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ میرے اشارے پر ایک محافظ نے اس کے ہاتھ کھول دیے اور اسے فرش پر چت لٹا کر دونوں بازو اور ٹانگیں اطراف میں پھیلا دیں۔ اس کے بازوؤں اور ٹانگوں پر ایک ایک محافظ کھڑا ہوگیا۔ اب وانگ سائی حرکت نہیں کرسکتا تھا۔

گولی اس کے بائیں پیر میں لگی تھی۔ میں اس کی دائیں ٹانگ کے قریب بیٹھ گیا اور ڈرل مشین کی بٹ اس کی ران پر رکھ دی اور بٹن دبا کر ڈرل مشین پر ہاتھ کا دباؤ ڈال دیا۔ تین انچ لمبی بٹ گوشت میں سوراخ کرتی ہوئی اندر تک گھس گئی۔

باریک قیمے کی طرح گوشت کے ذرے اور خون کے چھینٹے میرے چہرے اور کپڑوں پر بھی پڑے۔ وانگ سائی کے منہ سے نکلنے والی چیخیں بہت ہی خوفناک تھیں۔ وہ مچلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن محافظوں نے اسے پوری طرح دبا رکھا تھا۔ میں نے چند سیکنڈ ڈرل مشین کو دبائے رکھا اور پھر اسے باہر کھینچ لیا اور اس کے ساتھی قبائلی محافظوں کو اشارہ کردیا۔ وہ وانگ سائی کو چھوڑ کر الگ ہٹ گئے۔ وانگ سائی ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح فرش پر تڑپنے لگا۔ اس کی ٹانگ سے خون کا فوارہ بہہ نکلا تھا۔ وہ واقعی بہت سخت جان تھا۔ اتنی اذیت اٹھانے کے باوجود بے ہوش نہیں ہوا تھا۔

وانگ ژن اور قبائلی محافظ وحشت زدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ وانگ ژن تو بہت ہی عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے شاید توقع نہیں تھی کہ میں اس قدر سفاکی کا مظاہرہ کروں گا۔

مجھ پر اب بھی جنون سوار تھا۔ دو روز پہلے میں نے ہائی وے پر جو منظر دیکھا تھا وہ اب بھی میری نظروں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ گولیوں سے چھلنی پانچ لاشیں۔ انہیں اس قدر بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارنے والے وارا اور اس کے ساتھی تھے۔ ان کا سراغ لگانے کے لیے تو میں کچھ بھی کرسکتا تھا۔

"اب بھی زبان کھولنے کو تیار ہو یا نہیں۔" میں نے وانگ سائی پر جھکتے ہوئے کہا "میں تمہارے جسم میں اس ڈرل مشین سے اتنے سوراخ کروں گا کہ انہیں گننا مشکل ہوجائے گا۔ آخری سوراخ تمہارے دل میں ہوگا۔ اس جگہ۔" میں نے ڈرل مشین پر لگی ہوئی بٹ اس کے سینے پر ٹھیک دل کے مقام پر رکھ دی۔

"ب..... بتاتا ہوں۔" وہ ہاتھ اٹھا کر چیخ پڑا "مم..... میں مر رہا ہوں۔ میرا خون بہہ رہا ہے..... مم..... مجھے پانی دو۔"

"ابھی تم نہیں مروگے۔" میں نے کہا اور محافظوں کو اشارہ کیا۔

وانگ سائی کو دیوار سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا گیا۔ ایک محافظ اسے پانی پلانے لگا۔ میں نے وانگ ژن کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اب بھی عجیب سے تاثرات تھے اور میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

"تمہارا یہ روپ دیکھ کر تو مجھے بڑی حیرت ہو رہی ہے۔" وانگ ژن نے میرے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس قدر....."

"بے رحم ہوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی "مجھے یہ راستہ انہی لوگوں نے دکھایا ہے وانگ ژن۔ میں وہ وقت کبھی نہیں بھول سکتا جب میری آنکھوں کے سامنے میرے ماں باپ کو خنجروں کے وار کرکے اس سے بھی زیادہ بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ بات وہیں ختم ہوجاتی تو آج میرے ہاتھوں میں پستول نہ ہوتا مگر وارا تو مجھے بھی ختم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھے موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے کیا کیا ہتھکنڈے استعمال نہیں کیے لیکن میں بچتا رہا اور چھپتا رہا۔ انہوں نے مجھے ایک لمحے کو بھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا۔ اب میں انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دوں گا۔ اس رات جیپ میں اپنے آدمیوں کی گولیوں سے چھلنی لاشیں تو تم نے بھی دیکھی تھیں۔ کیا یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان پر رحم کیا جائے یا ترس کھایا جائے؟"

وانگ ژن لاجواب ہوگیا تھا۔ وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ اسے اب تک یہ معلوم ہی نہیں ہوسکا تھا کہ میں اتنا سفاک اور بے رحم کیوں بن گیا تھا۔ وہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ ہیروئن کے بزنس کا کوئی چکر ہے لیکن اگر بات صرف ہیروئن کی بھی ہوتی تو موت کے یہ ہرکارے اس قابل نہیں تھے کہ ان کے ساتھ کوئی رعایت برتی جاتی۔ ہیروئن کا زہریلہ پوری دنیا میں پھیلا رہے تھے۔ نوجوان نسل تباہ ہو رہی تھی۔ اسکول کے نو عمر بچوں کو بھی اس کا عادی بنایا جا رہا تھا۔ یہ لوگ رحم کے مستحق کس طرح ہوسکتے تھے؟

میں وانگ سائی کی طرف متوجہ ہوگیا جو دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے دونوں ٹانگیں آگے کو پھیلا رکھی تھیں۔ زخموں سے خون اب بھی رس رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مُردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ میں نے اس کی ٹانگ پر ٹھوکر ماری تو اس نے چیختے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

"وارا کہاں ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ..... وہ کھلائی کے ایک کاٹیج میں ہیں۔" اس نے رک رک کر جواب دیا "اس کے ساتھ چی فانگ اور کم کے علاوہ تین آدمی اور بھی ہیں۔"

"کم!" میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی "تو وہ بھی ان کے پاس پہنچ گیا....."

"تم لوگوں سے جان بچانے کے لیے اس نے تیز رو ندی میں چھلانگ لگا دی تھی۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوگیا اور پھر اس نے کسی جگہ سے فون پر پولیس چیف سے رابطہ کیا تھا۔ پولیس چیف نے ہی اسے ایک کاٹیج کا پتا بتا کر وہاں پہنچنے کو کہا تھا۔ وارا اور چی فانگ پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ اس وقت میں بھی وہیں موجود تھا۔ کچھ ہی دیر بعد چیف بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ وارا وغیرہ نے اسے بتایا کہ تم لوگ کس طرح وہاں پہنچے تھے اور کس طرح رنگولی کی غداری کی وجہ سے ان لوگوں کو وہاں سے بھاگنا پڑا تھا۔ اس دوران میں کاٹیج میں آگ لگ چکی تھی۔ دھوئیں کے بادل اٹھ رہے تھے اور پھر دھماکے ہونا شروع ہوگئے۔ پولیس چیف نے ہم سب کو کاٹیج سے باہر نکلنے سے سختی سے منع کردیا اور خود واپس چلا گیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "مجھے دراصل چیانگ رائے میں تھائی وغیرہ کی نگرانی کی ذمے داری سونپی گئی تھی اور میں اسی رات وہ ذمے داری کسی اور آدمی کے سپرد کرکے ایک ضروری کام سے یہاں آیا تھا۔ اس وقت وارا وغیرہ اسی کاٹیج میں تھے جہاں تم لوگوں نے حملہ کیا تھا لیکن چیف نے مجھے ان لوگوں سے نہیں ملنے دیا تھا اس لیے مجھے الگ کاٹیج میں رکھا گیا لیکن اس ہنگامے کے بعد وارا وغیرہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ پولیس چیف کے جانے کے بعد وارا نے ایک اور منصوبہ بنایا اور مجھے اسی وقت چیانگ رائے واپس بھیج دیا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ میں چیانگ رائے میں کچھ مقامی غنڈوں کی مدد سے تھائی اور پرساد کو ختم کردوں۔ اس طرح وہ تمہاری قوت کو کم کرنا چاہتا تھا۔ میرا پروگرام یہ تھا کہ اس رات اس مکان پر حملہ کردیا جائے گا جہاں تھائی اور پرساد نے پناہ لے رکھی تھی لیکن شام کے کچھ ہی دیر بعد جب میں نے تھائی اور پرساد کو مسلح محافظوں کے ساتھ جیپ پر نکلتے دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ وہ لوگ یہاں آرہے ہیں۔ میں نے ٹیلی فون پر وارا کو اطلاع دے دی اور پھر انہیں راستے ہی میں موت کے گھاٹ اتارنے کا منصوبہ وارا ہی نے بنایا تھا۔ اسی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ لوگ کس جگہ پر گھات لگا کر بیٹھیں گے۔ میں نے تھائی کی جیپ کا تعاقب شروع کردیا تھا اور پھر ان سے آگے نکل کر وارا وغیرہ کو بتا دیا۔"

"پولیس چیف بھی اس منصوبے میں شریک تھا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" وانگ سائی نے جواب دیا "چیف کوئی ہنگامہ نہیں چاہتا تھا۔ اس کے سپرد جو بھی کام کیا گیا تھا وہ اسے خاموشی سے کرنا چاہتا تھا مگر وارا اس کے کنٹرول میں نہیں تھا۔ وارا آج تک کسی

کے کنٹرول میں بھی نہیں رہا۔ پہلے ٹائیگر نے اور پھر پیڈرو نے بھی اسے روکنے کی کوشش کی مگر وہ بہت خود سر تھا۔ وہی کرتا جو اس کے من میں ہوتا اور یہ حقیقت ہے کہ بنگاے بڑھانے میں دارا ہی کا ہاتھ ہے۔ اگر دارا نہ ہوتا تو ٹائیگر اور پیڈرو اس قسم کے ہنگامے کبھی نہ کرتے۔ وہ خون ریزی سے ہمیشہ گریز کرتے رہے۔ وہ تو بس بنکاک کے نائٹ کلبوں میں دادا گیری کر کے جگا ٹیکس وصول کرتے تھے یا پھر ہیروئن کا محدود بزنس تھا مگر دارا نے آکر سب کچھ بدل ڈالا۔"

"یہ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ ایک خاص موقع پر چند لوگوں کی حفاظت کرنی ہے مگر مجھے لگتا ہے کہ دارا اندر ہی اندر کوئی اور چکر بھی چلا رہا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ٹائیگر وغیرہ محدود پیمانے پر ہیروئن فروخت کرتے تھے اور یہ بزنس بھی بنکاک کے ہوٹلوں اور نائٹ کلبوں تک ہی محدود تھا مگر دارا نے اسے بڑے پیمانے پر ہیروئن کی اسمگلنگ پر آمادہ کرلیا اور اس سلسلے میں جنرل کھوراٹ سے بھی رابطہ کرنے کی کوشش کی جانے لگی۔ بظاہر جنرل کھوراٹ کے نمائندوں سے بات چیت چل رہی تھی لیکن مجھے شبہ ہے کہ دارا کا جنرل کھوراٹ سے براہِ راست رابطہ ہوچکا ہے اور اس نے پیڈرو وغیرہ کو اس سے بے خبر رکھا ہے۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ پولیس چیف کو کوئی خاص کام سونپا گیا تھا جسے وہ خاموشی سے پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ خاص کام کیا ہے اور کس نے اسے وہ کام سونپا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وانگ سائی نے جواب دیا "لیکن اسے بنکاک کے ایک اعلیٰ سرکاری آفیسر کی آشیرباد حاصل ہے مگر اسی دوران میں جیپ پر فائرنگ والا واقعہ پیش آیا جس میں سردار تھالوب کے آدمی مارے گئے۔ حکومت کو اندیشہ تھا کہ اس واقعے کو بنیاد بنا کر کیرن قبیلہ بغاوت نہ کردے۔ سردار تھالوب کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے بظاہر چیف کو معطل کردیا گیا ہے مگر اس کی پُراسرار سرگرمیاں اب بھی جاری ہیں۔"

"وہ عورت کون تھی اور کس کے لیے کیا پیغام لے کر آئی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"وہ پولیس آفس میں کام کرتی ہے۔" وانگ سائی نے جواب دیا "چیف یہ چاہتا تھا کہ ہم سب لوگ اس کانیج تک محدود رہیں لیکن دارا کو اس پر اعتماد نہیں تھا۔ اس نے چیف کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنے کے لیے مجھے شہر بھیج دیا۔ اس کے اصرار پر ہی چیف نے اپنی بلڈنگ کا وہ فلیٹ خالی کر کے مجھے دے دیا تھا۔ مجھ سے پہلے اس فلیٹ میں دو غیر ملکی سیاح ٹھہرے ہوئے تھے جنہیں کسی ہوٹل میں منتقل کردیا گیا تھا۔ دارا نے پولیس چیف کو باور کرایا تھا کہ مجھے صرف سردار تھالوب اور اس کے آدمیوں کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنے کے لیے یہاں چھوڑا گیا ہے۔ دارا بہت چالاک آدمی ہے۔ میں اب تک نہیں سمجھ سکا کہ وہ اتنی جلدی لوگوں کو اپنے لیے کام کرنے پر آمادہ کیسے کرلیتا ہے۔ وہ عورت پولیس آفس میں ملازم ہے لیکن دارا کے لیے کام کررہی ہے اور چیف کی سرگرمیاں کے بارے میں اسے رپورٹ دیتی رہتی ہے۔ اس لفافے میں بند وہ بھی کوئی ایسی ہی رپورٹ تھی جو میں نے ایک اور آدمی کے ذریعے دارا کو بھجوادی تھی۔"

میں چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر مختلف نوعیت کے سوالات کرتا رہا۔ وانگ سائی نے یہ تو اعتراف کرلیا تھا کہ کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہونے والا ہے۔ اندر ہی اندر کوئی کھچڑی پک رہی ہے لیکن وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ میں نے وانگ ڈن کی طرف دیکھا۔ وہ کرسی پر بیٹھا بڑی دلچسپی سے یہ ساری باتیں سن رہا تھا۔ یہ ساری باتیں اس کے لیے سنسنی خیز انکشافات کی حیثیت رکھتی تھیں۔ وہ تو یہی سمجھتا رہا تھا کہ معاملہ ہیروئن کی اسمگلنگ کا ہے لیکن یہ نت نئے سنسنی خیز انکشافات سن کر اس کے چہرے پر بھی سنسنی سی پھیل گئی تھی۔

میں وانگ سائی سے بہت کچھ پوچھ چکا تھا اور میرے خیال میں کوئی اور اہم بات نہیں رہ گئی تھی۔ میں نے جیب سے پستول نکال لیا۔ وانگ سائی کا چہرہ خوف کی شدت سے کچھ اور بھی سفید ہوگیا۔ اسے بولنے کا موقع دیے بغیر میں نے پستول کا رخ اس کے سینے کی طرف کیا..... اور ٹریگر دبا تا چلا گیا۔ اس کے لیے ایک ہی گولی کافی تھی جو اس کے سینے پر ٹھیک دل کے مقام پر لگی تھی لیکن میں نے اس کے سینے میں تین گولیاں اتار دی تھیں۔

"اس کی لاش اٹھا کر پیچھے ندی میں پھینک دو اور یہ فرش دھو کر صاف کردو۔ یہاں کوئی نشان باقی نہیں رہنا چاہیے۔" وانگ ڈن نے قبائلی محافظوں کو حکم دیا اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

ہم دونوں گیراج سے نکل کر کانیج کی طرف جانے لگے۔

○☆○

سردار تھالوب صبح ناشتے کی میز پر ہمارے ساتھ موجود تھا۔ وانگ ڈن نے صبح سویرے ہی ٹیلی فون پر اسے رات والے واقعے کی اطلاع دے دی تھی اور وہ اس صورتِ حال پر تبادلۂ خیال کے لیے خود ہی یہاں چلا آیا تھا۔

وانگ ڈن کا خیال تھا کہ آج رات اس کانیج پر چھاپا مار دیا جائے جہاں دارا وغیرہ چھپے ہوئے ہیں۔ میرے اصل دشمن تو دارا اور چی فانگ وغیرہ ہی تھے لیکن اس وقت جو مسئلہ درپیش تھا وہ ذاتی دشمنی سے زیادہ اہم تھا۔ ہمیں شہنشاہ کے خلاف سازش کا سراغ لگانا تھا اس لیے میں نے بڑی شدت سے وانگ ڈن کی اس تجویز کی مخالفت کی۔

"یہ مناسب نہیں ہوگا۔" میں نے کہا "وہ دوبارہ بھاگ گئے یا ہمارے ہاتھ بھی آگئے تو ہمیں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ہمیں تو شہنشاہ کے خلاف سازش کا سراغ لگانا ہے اس لیے بہتری یہی ہے کہ

کسی اور ہنگامے میں الجھنے کے بجائے خاموشی سے اپنا کام کرتے رہیں۔"

"وانگ سائی کے غائب ہونے سے وہ لوگ ہوشیار ہوگئے ہوں گے اور ہوسکتا ہے وہ لوگ خود ہی کوئی ہنگامہ شروع کردیں۔" وانگ ڈن نے کہا۔

"ایسی صورت میں ہم ان سے نمٹ لیں گے۔ فی الحال ہمیں خاموش ہی رہنا چاہیے۔" میں نے کہا۔

"وجدان ٹھیک کہتا ہے۔" تھالوب نے کہا اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "ویسے تمہارے ذہن میں کیا ہے؟ کوئی تجویز؟"

"ایک تجویز ہے میرے ذہن میں۔" میں نے کہا "پولیس آفس میں موجود عورت جو دارا کو اطلاعات فراہم کررہی ہے۔ ہماری مدد بھی کرسکتی ہے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" تھالوب میری بات سُن کر اچھل پڑا۔ "یہ کیسے کام کررہی ہے۔ ہمارے لیے کیسے....."

"وہ دارا کے لیے کام کررہی ہے۔ ہمارے لیے کیسے۔"

"اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے مسٹر تھالوب۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "وہ ہمارے لیے بھی کام کرے گی۔"

"وہی تو جاننا چاہتا ہوں، کیسے؟" اس نے الجھی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

میں چند لمحے خاموش رہا اور پھر اپنی تجویز کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں، میں کہہ رہا تھا۔

"اس مشن میں آپ کا کوئی آدمی استعمال نہیں ہوگا کیونکہ اس طرح آپ کا نام بھی آئے گا اور پھر کوئی گڑبڑ بھی ہوسکتی ہے۔ آپ لوگوں کو صرف اتنا کرنا ہے کہ اس کے بارے میں مجھے کچھ معلومات فراہم کردی جائیں۔ آج شام سے پہلے پہلے..... اور ایک ایسی گاڑی جسے آپ کی گاڑی کی حیثیت سے شناخت نہ کیا جاسکے۔"

"ٹھیک ہے۔" تھالوب نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "آج شام تک تمہیں مطلوبہ معلومات مل جائیں گی اور گاڑی بھی۔"

اس کے بعد بھی ہم میں دیر تک باتیں ہوتی رہیں اور گیارہ بجے کے قریب تھالوب واپس چلا گیا۔ مائے سا ابھی یہیں تھی۔ اسے میں نے نہیں جانے دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وانگ سائی کی گمشدگی کے حوالے سے کوئی ہنگامہ ضرور ہوگا۔ اس عورت نے مائے سا کو وانگ سائی کے ساتھ دیکھا تھا اور ظاہر ہے اس کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ وہ کون ہے؟ اسے تلاش بھی کیا جائے گا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ مائے سا کو کوئی نقصان پہنچے۔ اس لیے میں نے اسے دو تین دن تک کانیج ہی میں روک لیا تھا۔ البتہ تھالوب کے جانے کے تھوڑی دیر بعد میں نے تازہ ترین صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے اسے شہر بھیج دیا تھا۔

تھالوب دو گھنٹوں بعد واپس آیا تھا۔ وانگ سائی کے حوالے سے شہر میں خاموشی تھی۔ البتہ روسائی ولا کے چوکیدار نے یہ انکشاف کیا تھا کہ اس بلڈنگ میں رہنے والا ایک کرائے دار گزشتہ رات پُراسرار طور پر لاپتا ہوگیا ہے اور ایک آدمی اس کے بارے میں پوچھنے کے لیے دو تین مرتبہ آچکا ہے۔ بلڈنگ کے چوکی دار نے وانگ سائی کے ساتھ آنے والی کسی لڑکی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا اور وہ یورپین عورت جس نے گزشتہ رات مجھے اور وانگ ڈن کو بلڈنگ میں دیکھا تھا اور پھر ہمیں وانگ سائی اور مائے سا کے ساتھ اس کے فلیٹ سے نکلتے ہوئے بھی دیکھا تھا، اس نے بھی اس سلسلے میں اپنی زبان بند ہی رکھی تھی۔ غیر ملکی سیاح عام طور پر ایسے معاملات سے دور ہی رہتے ہیں جن میں ان کی اپنی گردن پھنسنے کا اندیشہ ہو۔

پولیس آفس میں البتہ کچھ ہلچل نظر آئی تھی۔ چیف اگرچہ معطل ہوچکا تھا لیکن اسے بھی سادہ لباس میں پولیس آفس میں دیکھا گیا تھا۔

شام چھ بجے تھالوب کا ایک آدمی کار لے کر آگیا۔ بنکاک کی لائسنس پلیٹ والی وہ کار دیکھنے میں اگرچہ پرانی سی لگتی تھی لیکن اس کا انجن بہترین حالت میں تھا۔ چیانگ سائین میں کوئی مقامی وہیکل رجسٹریشن آفس نہیں تھا۔ یہاں کی گاڑیوں کی رجسٹریشن بھی چیانگ رائے ہی میں ہوتی تھی۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد تھالوب کا فون آگیا۔ اس سے پولیس آفس میں کام کرنے والی اس عورت کے بارے میں خاصی معلومات مل گئیں۔ اس کا نام رنگ سنت تھا اس کی رہائش جنگ ٹائی روڈ پر واقع ایک شان دار کانیج میں تھی۔ اس کی ایک جوان بیٹی بھی تھی جو چیانگ مائے یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھی اور ان دونوں یہاں آئی ہوئی تھی۔ صبح میں نے سردار تھالوب سے کہا تھا کہ میں اس مشن میں اس کے آدمیوں کو استعمال نہیں کروں گا لیکن اس وقت مجھے ان کی ضرورت پڑ گئی تھی۔

میں اور تھائی شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد تھالوب کی بھیجی ہوئی کار میں کانیج سے روانہ ہوگئے۔ ظاہر ہے، ڈرائیونگ تھائی ہی کررہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہم محافظوں کے بغیر اکیلے باہر نکلے تھے۔ کسی ناگہانی صورتِ حال کا سامنا بھی ہوسکتا تھا اس لیے میں خاصا محتاط تھا۔ پستول میرے پاس بھی تھا اور تھائی کے پاس بھی۔

میں نے وانگ ڈن سے شہر کے راستے سمجھ لیے تھے اور ٹورسٹ میپ بھی اپنے پاس رکھ لیا تھا تاکہ کوئی راستہ تلاش کرنے میں دشواری پیش نہ آئے۔

ہم نے کار بنگنا روڈ پر کھڑی کردی اور رنگ سنت کے کانیج کے آس پاس تقریباً ایک گھنٹے تک گھومتے رہے۔ کانیج واقعی بہت شان دار تھا۔ یہاں کے پولیس والے بہت دولت مند تھے۔ رنگ سنت ایک معمولی سے عہدے پر فائز تھی لیکن یہ کانیج دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔

کاؤنٹر کے سامنے سڑک کی دوسری طرف ایک چھوٹا سا شراب خانہ تھا جس کے ساتھ کافی ہاؤس بھی تھا۔ ہم اس کافی ہاؤس میں ایک ایسی میز پر بیٹھ گئے جہاں سے کاؤنٹر پر بھی نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ایک کار کاؤنٹر کے سامنے آکر رکی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا ہوا تھا جبکہ ساتھ والی سیٹ پر جو لڑکی بیٹھی ہوئی تھی اس کے لیے میرے ذہن میں فوری طور پر قیامت ہی کا نام ابھرا تھا۔ وہ واقعی قیامت تھی۔ عمر پچیس چھبیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ جب وہ کار سے اتری تو اسے دیکھ کر میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے مختصر سی شارٹ اور بغیر آستین کی بنیان ٹائپ کی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

کار آگے نکل گئی۔ لڑکی کے بیل بجانے پر دروازہ رنگ سنت ہی نے کھولا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ لڑکی رنگ سنت کی بیٹی تھی۔ ان دونوں میں بڑی شباہت تھی۔

اگلے روز شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد میں اور تھائی پھر اس علاقے میں موجود تھے۔ آج ہمارا پروگرام کچھ اور تھا۔ کار بھی ہم نے کاؤنٹر کی پچھلی گلی میں کھڑی کی تھی۔ کاؤنٹر میں اندھیرا تھا۔ مجھے اور تھائی کو پچھلے دروازے سے کاؤنٹر میں داخل ہونے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی۔ ہم دونوں بڑے اطمینان سے ہال میں ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ اگرچہ گہرا اندھیرا تھا لیکن بتی جلانے کی کوشش ہم میں سے کسی نے نہیں کی تھی۔

ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ تقریباً بیس منٹ بعد سامنے کا گیٹ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنائی دی پھر قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔ اس آواز سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ کوئی عورت تھی۔ قدموں کی آواز برآمدے میں رک گئی اور پھر دروازے کے تالے میں چابی گھمائے جانے کی آواز سنائی دی۔ کاؤنٹر میں آنے والا کوئی بھی ہوتا' اسے برآمدے والا دروازہ کھول کر سب سے پہلے ہال ہی میں آنا ہوتا۔ سوئچ بورڈ بھی برآمدے والے دروازے کے قریب ہی تھا۔

دروازہ کھلنے کے چند سیکنڈ بعد چٹ کی ہلکی سی آواز ابھری اور کمرا روشنی سے بھر گیا۔ ایک لمحے کو میری آنکھیں چندھیا سی گئیں لیکن فوراً ہی صورتِ حال نارمل ہوگئی اور میں اس عورت کی طرف دیکھنے لگا جو سوئچ بورڈ کے پاس کھڑی تھی۔ وہ رنگ سنت تھی۔

روشنی ہونے کے بعد رنگ سنت صرف ایک قدم آگے بڑھ سکی تھی اور پھر اس طرح بے حس و حرکت کھڑی رہ گئی تھی جیسے زمین نے اس کے پیر پکڑ لیے ہوں۔ ہمیں دیکھ کر اس نے جلدی سے اپنا ہینڈ بیگ کھولنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول سے اشارہ کیا تو اس کا ہاتھ وہیں رک گیا۔

"ہم کوئی ہنگامہ نہیں کرنا چاہتے۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "اگر تم اپنے حواس پر قابو پا کر یہاں بیٹھ جاؤ تو ہم اطمینان سے بات کرسکتے ہیں۔"

رنگ سنت کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ وہ متوحش نگاہوں سے کبھی ہم دونوں کی طرف اور کبھی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ تھائی نے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے بیگ لے لیا اور اس میں سے لیڈی آٹو میٹک پستول نکال کر بیگ سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا۔

"کک۔ کون ہو تم لوگ اور میری بیٹی کہاں ہے؟" اس کے لہجے میں خوف نمایاں تھا۔ وہ ایک بار پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ ہم نے رنگ سنت کی بیٹی کو نہایت ہی خفیہ طور پر اغوا کرلیا تھا۔

"تمہاری بیٹی خیریت سے ہے اور مجھے تم پہچاننے سے انکار نہیں کرسکتیں کیونکہ اس روز پولیس چیف کے دفتر میں ہونے والی میٹنگ میں تم بھی موجود تھیں اور تم نے مجھے اچھی طرح دیکھا تھا۔ بیٹھ جاؤ..... ڈرو نہیں۔ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔" میں نے پستول سے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

رنگ سنت کی ٹانگیں کپکپانے لگی تھیں۔ وہ سامنے والے صوفے پر گر سی گئی۔

"سونیا کہاں ہے؟" اس نے ایک بار پھر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری بیٹی بالکل خیریت سے ہے۔ اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گی تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا لیکن اگر تم نے انکار کیا تو....." میں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "ایک منٹ۔ پہلے اطمینان کرلو کہ تمہاری بیٹی اب تک خیریت سے ہے۔" میں نے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ سازو سامان بے حد قیمتی تھا۔ دائیں طرف خوب صورت اسٹینڈ پر ٹیلی فون بھی رکھا ہوا تھا۔ میں نے اٹھ کر وہیں کھڑے کھڑے کاؤنٹر کا نمبر ملایا۔ کال وانگ ڈن نے ریسیو کی تھی۔ میرے کہنے پر اس نے ریسیور رنگ سنت کی بیٹی سونیا کو دے دیا۔ میں نے فون اٹھا کر سینٹر ٹیبل پر رکھا اور ریسیور رنگ سنت کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اس نے فون پر چند جملے کہے پھر میں نے فون کا کریڈل دبا دیا اور اس کے ہاتھ سے ریسیور لے کر رکھ دیا۔ میں رنگ سنت کو صرف یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ اس کی بیٹی ہمارے قبضے میں ہے۔

"کک..... کیا چاہتے ہو تم؟" رنگ سنت نے خوف زدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"تعاون!" میں نے کہا "تعاون کی صورت میں تمہاری بیٹی بھی خیریت سے رہے گی اور تمہیں معقول معاوضہ بھی دیا جائے گا۔" میں چند لمحے خاموشی سے اس کے چہرے کو تکتا رہا پھر بولا "تم دارا کو پولیس چیف کی سرگرمیوں سے آگاہ کررہی ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی تعاون کرو۔"

"یہ غلط ہے۔ میں کسی دارا کو نہیں جانتی۔" اس نے جواب دیا۔

"جھوٹ بول کر اپنے لیے مشکلات پیدا کرو گی۔" میں نے کہا "دو دن پہلے ریور ویو ریسٹورنٹ کے سامنے تم نے وانگ سائی کو ایک لفافہ دیا تھا۔ وانگ سائی نے بھی سب کچھ اگل دیا ہے۔ اس لیے جھوٹ بولنے سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"اوہ!" رنگ سنت کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اور پھر شاید اس نے سچ بولنے کا فیصلہ کرلیا تھا "وانگ سائی کہاں ہے۔ دارا کے آدمی اسے تلاش کررہے ہیں۔"

"وہ ایسی جگہ پہنچ چکا ہے جہاں اسے تلاش نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ!" رنگ سنت کے چہرے پر خوف کے سائے گہرے ہوگئے۔

"اطمینان رکھو۔ تمہارے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "تم ہمارے ساتھ تعاون کروگی تو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔"

"مم..... مگر....." وہ ہکلائی "اگر دارا کو پتا چل گیا تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ وہ لوگ بہت سفاک اور بے رحم ہیں۔"

"میں تم سے دارا کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں کروں گا۔ وہ روپوش ہونے کے باوجود ہماری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ میں اسے جب چاہوں' چوہے کی طرح پکڑ سکتا ہوں۔"

"پھر کیا چاہتے ہو؟" رنگ سنت بولی۔

"حکومت کے بعض اعلیٰ عہدے دار یہاں آئے ہوئے ہیں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "وہ بظاہر سردار تھالوب کی جیب پر فائرنگ اور اس کے آدمیوں کے مارے جانے کی اطلاع پا کر یہاں آئے ہیں تاکہ سردار تھالوب کو کسی ممکنہ کارروائی سے روکا جاسکے لیکن..... میں جانتا ہوں کہ ان لوگوں کی آمد کا اصل مقصد کچھ اور ہے۔"

"میں سمجھی نہیں؟" اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"تم سب کچھ جانتی ہو اور سمجھ رہی ہو۔" میں نے کہا "تم پولیس چیف کے دفتر میں ہو اور پولیس چیف اس معاملے میں پوری طرح ملوث ہے۔ معطل کیے جانے کے باوجود وہ پُراسرار سرگرمیوں میں مصروف ہے اور تم اس کی سرگرمیوں سے پوری طرح واقف ہو۔"

"مم..... میں کچھ نہیں جانتی۔" وہ رک رک کر بولی۔

"دیکھو رنگ سنت۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں "تمہاری بیٹی ہمارے پاس ہے۔ وہ جوان بھی ہے اور بہت حسین بھی۔ میں نے اس کی سلامتی کا وعدہ کیا ہے مگر یہ وعدہ اسی صورت میں پورا ہوسکتا ہے جب تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گی۔ بصورتِ دیگر میں اپنے وعدے کا پابند نہیں رہوں گا۔"

"میری بیٹی کو کچھ مت کہنا۔" اس کی آواز رو دینے والی تھی "کک..... کیا..... چاہتے ہو تم.....؟"

"سنا ہے بنگاک سے آنے والے اعلیٰ افسران گولڈن ٹرائی اینگل کی کسی شخصیت سے کوئی خفیہ میٹنگ کرنے والے ہیں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ میٹنگ کب اور کہاں ہوگی اور اس میں کون کون لوگ شریک ہوں گے۔ تم چونکہ چیف کے بہت قریب ہو۔ وہ تم پر اعتماد بھی کرتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ پیسے کے لالچ میں تم اسے بھی دھوکا دے رہی ہو لیکن اب تو معاملہ تمہاری بیٹی کا ہے۔ اگر مطلوبہ معلومات دے دو تو سونیا کو کچھ نہیں ہوگا۔"

"میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ کوئی خفیہ میٹنگ ہونے والی ہے۔" رنگ سنت نے جواب دیا "لیکن یہ ابھی طے نہیں ہوا کہ میٹنگ کب اور کہاں ہوگی اور اس میں کون کون شریک ہوگا۔ چیف نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میں اس کے لیے کام کرتی رہوں تو وہ بہت جلد مجھے کسی بڑے عہدے پر پہنچا دے گا۔"

"تم اس کے لیے کام کرتی رہو۔" میں نے کہا "تم بہت ذہین عورت ہو۔ اسے شبہ نہیں ہونے دو گی کہ تم کسی اور کے لیے بھی کام کررہی ہو اور کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تمہاری بیٹی اغوا ہوچکی ہے۔ کوئی اس کی غیر حاضری کے بارے میں پوچھے تو تم کہہ سکتی ہو کہ وہ سیر و تفریح کے لیے دوستوں کے ساتھ کہیں گئی ہوئی ہے۔ تمہاری بیٹی دن میں تین مرتبہ تم سے فون پر رابطہ کرے گی۔ اس کی آواز صرف تمہارے دفتر کی آپریٹر سنے گی۔ اس کے بعد کی گفتگو مجھ سے ہوگی۔ اس سلسلے میں جب بھی کوئی بات ہو' تم مجھے اطلاع دو گی اور میرا خیال ہے تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ میری اطلاع کے مطابق میٹنگ ایک دو روز میں ہونے والی ہے۔ اس دوران میں تمہاری بیٹی ہماری مہمان رہے گی۔ اسے کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ تمہارے اطمینان کے لیے یہی کافی ہوگا کہ تم دن میں دو تین مرتبہ اس کی آواز سن لیا کرو گی اور اگر تم نے اس ٹیلی فون نمبر کے بارے میں معلوم کرکے کسی بھی ذریعے سے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو ہمارا تو کچھ نہیں بگڑے گا مگر تمہیں اپنی بیٹی کی لاش ہی ملے گی۔"

"نن نہیں۔ میں ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گی۔" رنگ سنت جلدی سے بولی۔

"ویسے کیا تم اس لڑکی کو جانتی ہو جسے اس روز ریور ویو ریسٹورنٹ کے سامنے وانگ سائی کے ساتھ دیکھا گیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" رنگ سنت نے نفی میں سر ہلایا "میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

رنگ سنت کے اس جواب سے میں مطمئن ہوگیا۔ میں نے یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ رنگ سنت نے دارا وغیرہ کو مائے ساکے بارے میں کچھ بتایا نہ ہو لیکن یہ جواب میرے اطمینان کے لیے کافی تھا۔ مائے ساکے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

یہاں میری آمد کا مقصد پورا ہوچکا تھا۔ معاملہ طے ہوجانے کے بعد میں اور تھائی جانے کے لیے اٹھ گئے۔ تھائی نے رنگ سنت

کا پستول بھی اس کے حوالے کردیا تھا۔ ہم اس کائیچ میں پچھلے دروازے سے چوروں کی طرح داخل ہوئے تھے۔ ہماری واپسی بھی اگرچہ پچھلے دروازے سے ہی ہوئی تھی مگر رنگ سنت ہمیں رخصت کرنے کے لیے دروازے تک آئی تھی۔

○☆○

دو دن گزر گئے۔ شہر میں نہ صرف سکون تھا بلکہ اس کی رونق میں بھی اضافہ ہوگیا تھا۔ چیانگ رائے کی طرف سے غیر ملکی سیاحوں کی آمد پھر شروع ہوگئی تھی۔ چیانگ سائین آنے والے غیر ملکی سیاحوں کو سب سے زیادہ دلچسپی گولڈن ٹرائی اینگل سے تھی۔ یہاں آنے والا ہر شخص وہ بدنام زمانہ خطہ دیکھنا چاہتا تھا جہاں دنیا میں سب سے زیادہ ہیروئن تیار ہوتی تھی اور پوری دنیا کو یہاں سے یہ زہر سپلائی کیا جاتا تھا۔ ایسے علاقوں کی معیشت کا دارومدار ہی سیاحت پر تھا۔ جس علاقے میں کوئی غیر معمولی دلچسپی نہ ہو' سیاح ادھر کا رخ نہیں کرتے اس لیے دو دن بند رکھنے کے بعد گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف جانے والی سڑک بھی کھول دی گئی تھی۔

تیسرے دن شام کو رنگ سنت کے گھر والے نمبر پر فون کیا تو ایک دلچسپ اطلاع میری منتظر تھی۔ لائن حسبِ معمول سونیا ہی نے ملائی تھی۔ صرف دو جملوں کے تبادلے کے بعد میں نے اس سے ریسیور لے لیا۔

"یس رنگ سنت۔" میں نے کہا "کوئی پیش رفت ہوئی یا نہیں؟"

"تمہارے لیے ایک اہم اطلاع ہے لیکن میں فون پر بات نہیں کرسکتی۔" رنگ سنت نے کہا "تم ایک گھنٹے بعد مجھے میوزیم کے پچھلے گیٹ کے قریب ملو۔ میں تفصیل سے تمہیں سب کچھ بتاؤں گی۔"

"میوزیم کا گیٹ۔" میں نے کہا "اس وقت سات بجے ہیں اور میوزیم میں لوگوں کی آمدورفت....."

"چھ بجے میوزیم بند ہوجاتا ہے۔" رنگ سنت نے میری بات کاٹ دی۔ "آج ویسے بھی پیر کا دن ہے۔ پیر اور منگل کو میوزیم بند رہتا ہے۔ اس وقت سات بج رہے ہیں۔ میوزیم کی عقبی سڑک پر سناٹا ہوگا۔ میں تمہیں گیٹ کے قریب ہی ملوں گی۔"

"کوئی چال تو نہیں چل رہیں؟" میں نے پوچھا۔

"میری بیٹی تمہارے قبضے میں ہے۔ میں تمہیں دھوکا کیسے دے سکتی ہوں۔ میں ایک گھنٹے تک وہاں پہنچ جاؤں گی۔" رنگ سنت نے کہا اور اس کے ساتھ ہی فون بند ہوگیا۔ میں نے ریسیور رکھ دیا اور تھائی وغیرہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وانگ ڈن اس وقت موجود نہیں تھا۔ ہم نے آپس میں مشورہ کیا اور بالآخر میں نے اور رنگولی نے وہاں جانے کا فیصلہ کرلیا۔

ہم پونے آٹھ بجے کائیچ سے نکلے۔ رنگولی کار ڈرائیو کرتے ہوئے مجھے اس میوزیم کے بارے میں بتا رہی تھی جس میں گیارھویں اور بارھویں صدی کے چیانگ سائین بادشاہت دور کے نوادرات کے علاوہ بدھ کے قدیم تاریخی مجسمے بھی رکھے ہوئے تھے۔

میوزیم کی عقبی سڑک پر سناٹا تھا۔ اس سڑک کی ایک طرف میوزیم اور دوسری طرف پارک تھا جو اس وقت سنسان پڑا تھا۔ کوئی اکا دکا گاڑی اس سڑک پر سے گزر جاتی۔

رنگولی نے گاڑی گیٹ سے دور ہی روک لی۔ میں نے پستول جیب سے نکال لیا۔ چند منٹ بعد ہی میوزیم کے گیٹ کی طرف سے ایک ہیولا سا آتا ہوا دکھائی دیا۔

وہ رنگ سنت تھی۔ میں نے محتاط نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ہم دونوں کار سے اتر آئے۔ رنگ سنت ہمیں لے کر پارک میں آگئی۔ ہم ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔

"پرسوں رات کو وہ میٹنگ ہونے والی ہے۔" رنگ سنت نے میرے بولنے کا انتظار کیے بغیر کہا "اس کے لیے گولڈن ٹرائی اینگل روڈ پر ہی ایک ایسے کائیچ کا انتخاب کیا گیا ہے جو عرصے سے خالی پڑا ہے۔ چیف نے مجھے یہ ذمے داری سونپی ہے کہ اس کائیچ میں ضروری فرنیچر اور کھانے پینے کی اشیا پہنچا دوں۔"

"اوہ۔" میرے لیے یہ اطلاع واقعی بڑی اہم تھی۔

"میٹنگ کب ہورہی ہے؟ اور اس میں کون کون شریک ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"بدھ کی رات۔ یعنی پرسوں رات کو۔" رنگ سنت نے جواب دیا "پرسوں شام سے پہلے پہلے مجھے تمام انتظامات مکمل کرلینے ہیں۔ کل تو میں فرنیچر وغیرہ وہاں پہنچاؤں گی اور کھانے پینے کی اشیا پرسوں دوپہر سے پہلے پہلے پہنچا دوں گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "یہاں سے وزارتِ داخلہ کا سیکریٹری آنگ سانگ اور ایکی مائی کے علاوہ پولیس چیف ہوگا جبکہ دوسری طرف سے جنرل کھوراٹ کا خاص آدمی سین تونگ اور اس کے ساتھ دو مسلح محافظ ہوں گے۔ دارا' چی فانگ' کم اور پیڈرو پرسوں دوپہر کو وہاں پہنچ جائیں گے تاکہ اس علاقے کا جائزہ لے سکیں۔ ان کے ساتھ دو آدمی اور بھی ہوں گے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تقریباً ایک درجن آدمی ہوں گے اور سب کے سب انتہائی خطرناک!" میں نے کہا۔

"ہاں اور ان کی خدمت کے لیے چار پانچ لڑکیاں اس کے علاوہ ہوں گی۔" رنگ سنت نے کہا۔

"وہ لڑکیاں کون ہوں گی؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ میرے ذہن میں ایک اور خیال کلبلانے لگا تھا۔

"ان کا انتخاب بھی میری ذمے داری ہے لیکن میں نے ابھی ان کے بارے میں کچھ سوچا نہیں ہے لیکن ظاہر ہے وہ لڑکیاں....."

"میں سمجھ سکتا ہوں وہ کس قسم کی ہوں گی۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "ایک لڑکی تم ہمارے گروپ کی بھی اس اسکواڈ میں

شامل کرسکتی ہو؟"

"کیا مطلب!" رنگ سنت اچھل پڑی اور گردن گھما کر رنگولی کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ نہیں۔" میں نے کہا "وہ لڑکی تم دیکھ چکی ہو۔ وہی جو اس روز وانگ سائی کے ساتھ تھی۔ بہت حسین اور جوان ہے۔ ان لوگوں کو مایوسی نہیں ہوگی۔"

"اگر ان لوگوں کو شبہ ہوگیا تو مجھے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔" رنگ سنت نے کہا۔ اس کا چہرہ دھواں ہوگیا تھا۔

"کسی کو شبہ نہیں ہوگا۔ میں کل شام کو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اسے اچھی طرح دیکھ لینا اور اس سے پروگرام طے کرلینا۔" میں نے کہا۔

"اور میری بیٹی کب واپس آئے گی؟" رنگ سنت نے پوچھا۔

"اس میٹنگ کے اگلے روز وہ صحیح سلامت تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔" میں نے بینچ سے اٹھتے ہوئے کہا "یہ بات ذہن میں رکھنا۔ مائے ساہر صورت میں تمہارے اس اسکواڈ میں شامل ہونی چاہیے۔"

ہم رنگ سنت کو بینچ پر بیٹھا چھوڑ کر پارک سے باہر آگئے۔ مائے ساکو ان لڑکیوں کے اسکواڈ میں شامل کرنے کا خیال اچانک ہی میرے ذہن میں آیا تھا اور ابھی مجھے نہ صرف مائے ساکو اس پر آمادہ کرنا تھا بلکہ تھالوب سے بھی بات کرنی تھی۔ رنگ سنت ہی نے بتایا تھا کہ دارا اور اس کے ساتھیوں کو بڑی سختی سے ان کے کائیچ تک محدود کردیا گیا تھا' اسی لیے فی الحال ان سے کسی تصادم کا اندیشہ نہیں تھا۔ پولیس' سردار تھالوب کی وجہ سے ہم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی تھی اور میرا خیال تھا کہ وہ لوگ اس وقت کسی ایسے ہنگامے کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے جس سے ان کا پروگرام متاثر ہو اس لیے ہم آزادی سے شہر میں گھوم پھر سکتے تھے۔

ہم نے ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر فرائی فش کھائی' کافی پی اور تھائی وغیرہ کے لیے بھی فرائی فش پیک کروالی۔

کائیچ پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد میں مائے ساکو لے کر لان میں آگیا اور مدھم لہجے میں اس سے باتیں کرنے لگا۔ میں نے اس پر یہ حقیقت بھی واضح کردی تھی کہ اس میں اس کی جان کا بھی خطرہ ہے۔ اگر انہیں شبہ ہوگیا تو وہ زندہ نہیں بچے گی۔ پہلے تو وہ ہچکچائی پھر اس نے آمادگی ظاہر کردی اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد میں ہال کے ایک کونے میں بیٹھا فون پر سردار تھالوب سے باتیں کررہا تھا۔

○☆○

رات کے دس بجے تھے۔ اگرچہ چاند کی ابتدائی تاریخیں تھیں مگر آسمان پر گہرے بادلوں کی وجہ سے فضا اس قدر تاریک تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ ہماری تعداد چھ تھی۔ میں' سردار تھالوب' وانگ ڈن اور میری ساتھی تینوں جاں باز خواتین۔ تھائی' جانگی اور رنگولی۔ سردار تھالوب کا خیال تھا کہ اس مہم پر تین چار جنگ جو قبائلیوں کو بھی ساتھ لے لیا جائے گا۔ اس نے خواتین کے ساتھ جانے کی مخالفت کی تھی لیکن وہ تینوں نہیں مانی تھیں اس لیے قبائلیوں کے بجائے ان تینوں ہی کو ساتھ لینا پڑا تھا۔ ویسے کچھ قبائلی بھی تھے جنہوں نے دور سے کائیچ کی طرف آنے والے راستوں کی ناکا بندی کررکھی تھی۔

مائے ساکی آمادگی کے بعد ہم نے اس منصوبے کی تیاری بڑی تیزی سے کی تھی۔ سردار تھالوب اس رات چیانگ رائے چلا گیا تھا۔ اس کی واپسی بھی رات ہی رات میں ہوئی تھی۔ وہ کچھ ایسی چیزیں لے کر آیا تھا جن کی اس مہم میں اشد ضرورت تھی۔ مائے ساکے لیے مخصوص تراش کا ایک لباس جس کے اسکرٹ کی بیلٹ میں لگے ہوئے دو بٹنوں میں بہت چھوٹے لیکن نہایت طاقت ور ڈکٹا فون لگے ہوئے تھے۔ ایک ڈکٹا فون رنگ سنت کو بھی دیا گیا تھا جو اسے اس کمرے میں کسی جگہ لگانا تھا جہاں میٹنگ ہونے والی تھی۔ میٹنگ میں ہونے والی گفتگو ان تینوں ڈکٹا فونز کے ذریعے ہمارے کائیچ میں موجود ٹیپ ریکارڈرز پر الگ الگ ریکارڈ ہوتی تھی۔ وہاں ایک ایسے آدمی کو بٹھا دیا گیا تھا جو اس کام میں خاصی مہارت رکھتا تھا۔ وانگ ڈن' سردار تھالوب اور میرے کانوں پر بھی ہیڈ فونز لگے ہوئے تھے۔ اس طرح ہم بھی وہ گفتگو سن سکتے تھے۔ ایک دوسرے سے رابطہ رکھنے کے لیے ہم تینوں کے پاس واکی ٹاکی بھی تھے۔

ہمارا ساتھ دے کر سردار تھالوب نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ وہ اس حقیقت سے بھی پوری طرح واقف تھا کہ اگر ہمارا مشن ناکام اور ان کی سازش کامیاب ہوگئی تو اس کا پورا قبیلہ زیرِ عتاب آجائے گا لیکن تھالوب نے اس بات کی پروا نہیں کی تھی۔ وہ محبِ وطن آدمی تھا اور ملک کی سلامتی کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار تھا۔

ہم جانتے تھے کہ ہمارا مقابلہ بہت ہی خطرناک دشمنوں سے تھا۔ ان کی تعداد بھی ہم سے زیادہ تھی لیکن میری طرح سردار تھالوب بھی اس بات سے متفق تھا کہ پلانگ درست ہو تو تین آدمی بھی انہیں شکست دینے کے لیے کافی تھے۔

ہم نو بجے اپنے کائیچ سے روانہ ہوئے تھے اور طویل چکر کاٹتے ہوئے اس کائیچ کے نواح میں پہنچ گئے تھے۔ قدِ آدم جھاڑیاں اور پودے ہمارے لیے بہترین پناہ گاہ ثابت ہورہے تھے۔ ہم سب کے پاس سب مشین گنیں تھیں۔ گولیوں سے بھرے ہوئے بیلٹ بھی ہمارے سینوں پر سجے ہوئے تھے۔ اس ایمونیشن سے ہم رات بھر ان کا مقابلہ کرسکتے تھے۔

ایک خاص مقام پر پہنچ کر ہم تین پارٹیوں میں تقسیم ہوگئے۔ میرے ساتھ تھائی تھی۔ رنگولی' وانگ ڈن کے ساتھ اور جانگی سردار تھالوب کے ساتھ تھی۔ ہم تین اطراف سے کائیچ کو گھیرے میں لینے کی کوشش کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ چوتھی سمت

وہ راستہ تھا جو کانیج سے سڑک کی طرف چلا گیا تھا۔ اس طرف سردار تھالوب کے قبائلی محافظ موجود تھے۔

میں اور تھائی بہت محتاط انداز میں آگے بڑھ رہے تھے۔ ذرا سی بے احتیاطی ہمیں موت کے منہ میں دھکیل سکتی تھی۔ ہم ایک جگہ رک گئے۔ تقریباً سو گز آگے درختوں میں روشنی نظر آرہی تھی۔ وہ کانیج کی کوئی کھڑکی تھی۔ میں نے وائی ٹاکی پر تھالوب اور وانگ ژن سے رابطہ کیا۔ وہ بھی اپنی اپنی سمت سے اتنے ہی فاصلے پر پہنچ چکے تھے اور کانیج کی روشنی دیکھ سکتے تھے۔ ہم سب اپنی اپنی جگہوں پر دم سادھے پڑے رہے۔

اور پھر وہ لمحہ بھی آگیا جس کا ہمیں انتظار تھا۔ میرے کانوں پر لگے ہوئے ہیڈ فونز پر مختلف آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں ان میں سے صرف ایک آواز پہچان سکا تھا اور وہ آواز وزارت داخلہ کے سیکریٹری آنگ سانگ کی تھی۔ اگر میں نے پولیس آفس کی میٹنگ میں اسے بولتے ہوئے نہ سنا ہوتا تو اس وقت اس کی آواز نہ پہچان سکتا۔ چند سیکنڈ بعد میں نے پولیس چیف کی آواز بھی پہچان لی اور پھر ایکی مائی کی آواز بھی سنائی دی تھی۔

ان کی میٹنگ شروع ہوگئی تھی اور جو باتیں ہورہی تھیں انہیں سن کر میں کانپ اٹھا۔ ایک بھاری آواز غالباً جنرل کھوراٹ کے نمائندے سین فونگ کی تھی۔ وہ شہنشاہ کے خلاف سازش میں ان لوگوں کا ساتھ دینے کے لیے اپنی شرائط پیش کررہا تھا۔

میں نے وائی ٹاکی پر سردار تھالوب سے رابطہ کیا۔

"یہ باتیں تم سن رہے ہو؟" میں نے کہا۔

"سن رہا ہوں لیکن یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔" سردار تھالوب نے جواب دیا۔

میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ہیڈ فون پر سین فونگ کی آواز سن کر چونک گیا۔ وہ کسی کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اے لڑکی۔ ادھر آؤ۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"مائے سا۔ میرا نام مائے سا ہے سر۔" یہ دوسری آواز سن کر میں اچھل پڑا۔

میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ جسم کے مسام پسینہ اگلنے لگے۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ سین فونگ کو مائے سا پر شبہ ہوگیا تھا۔ وہ مائے سا سے مختلف سوالات کرتا رہا پھر کسی اور کو مخاطب کرتے ہوئے اس کی تلاشی لینے کا حکم دیا۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر سین فونگ کی آواز سنائی دی۔

"اپنے کپڑے اتار دو مس مائے سا۔"

مائے سا نے شاید کپڑے اتار دیے تھے۔ وہ ڈکٹا فون نہایت طاقت ور تھے۔ میرے ہیڈ فونز پر کپڑوں کی سرسراہٹ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سین فونگ کپڑوں کو چیک کررہا تھا۔ چند منٹ بعد اس کی آواز سنائی دی۔

"یہ بٹن تو بہت خوب صورت ہیں اور ان میں لگے ہوئے ڈکٹا فون.... تم کس کے لیے کام کررہی ہو.... میں تین تک گنوں گا اور اس کے بعد...."

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ سین فونگ نے گنتی شروع کردی تھی اور پھر تین کہنے کے فوراً ہی بعد فائر اور مائے سا کی چیخ سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی سین فونگ کی آواز بھی سنائی دی۔

"جنٹلمین! آج کی میٹنگ کینسل۔ ہم ایک دو روز بعد دوبارہ کسی اور جگہ پر ملاقات کریں گے۔ اب یہاں رکنا مناسب نہیں ہے۔"

"تھالوب!" میں نے وائی ٹاکی پر کہا "وہ لوگ جارہے ہیں۔"

"اوکے!" تھالوب کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی "ان میں سے کسی کو بچ کر نہیں جانا چاہیے۔"

میں نے تھائی کو اشارہ کیا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے دور ہٹ کر آگے بڑھنے لگے اور پھر اچانک ہی فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ مجھے شاید دیکھ لیا گیا تھا یا جھاڑیوں میں حرکت محسوس کرکے گولی چلا دی گئی تھی۔ گولی میرے سر کے اوپر سے گزر گئی۔ میں لوٹ لگا کر ایک طرف ہٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی فائر کھول دیا۔

اور پھر یوں لگا جیسے جہنم کا دہانہ کھل گیا ہو۔ میرے ساتھی چاروں طرف سے فائرنگ کررہے تھے اور کانیج سے بھی بڑی شدید فائرنگ ہورہی تھی۔ تھائی مجھ سے فاصلے پر تھی اور میں فائرنگ کرتا ہوا بہت آگے نکل گیا تھا۔

ڈیڑھ گھنٹے تک دونوں طرف سے بڑی شدید فائرنگ ہوتی رہی۔ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا کہ جانگی کہاں ہے اور میرے دوسرے ساتھی کس طرف ہیں۔ میں فائرنگ کرتا ہوا کانیج کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ میں نے ایک محافظ کو کمرے کے دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا تو سب مشین گن کا رخ اس کی طرف کرکے فائر کھول دیا۔ کئی گولیاں اس کی پشت میں پیوست ہوگئیں اور وہ لہراتا ہوا ڈھیر ہوگیا۔

اور پھر اسی لمحے مجھے کانیج کے بائیں طرف سے تھائی کی چیخ سنائی دی۔ میں تیزی سے اس طرف دوڑا لیکن نہ مجھے تھائی نظر آئی اور نہ ہی اس کی آواز سنائی دی تھی۔

دوسری طرف سے فائرنگ دم توڑنے لگی اور پھر خاموشی چھاگئی۔ مجھے وائی ٹاکی پر سردار تھالوب کی آواز سنائی دی اور پھر ہم نے چاروں طرف سے کانیج پر ہلّا بول دیا۔

وہ لوگ فرار ہوچکے تھے لیکن کئی لاشیں اِدھر اُدھر بکھری ہوئی تھیں۔ تین محافظوں کی لاشیں تھیں۔ تین لڑکیاں جن میں مائے سا کی لاش بھی تھی۔ وہ بالکل برہنہ تھی اور اس کی پیشانی میں سوراخ تھا۔ محافظ کی چھلنی لاش بھی ایک کمرے کے دروازے میں پڑی ہوئی تھی۔

ہر طرف خون پھیلا ہوا تھا اور گولیوں کے لاتعداد خول بکھرے ہوئے تھے۔ اگر آمنے سامنے مقابلہ ہوتا تو شاید ان کی جگہ ہماری لاشیں پڑی ہوتیں لیکن ہمیں یہ ایڈوانٹیج حاصل تھا کہ ہم نے کانیج کو گھیرے میں لے کر حملہ کیا تھا اور وہ لوگ، ہماری رائفلوں کی زد پر تھے۔

میرے تمام ساتھی محفوظ رہے تھے۔ اچانک مجھے تھائی کا خیال آیا۔ وہ ان میں موجود نہیں تھی۔ میں نے اس کی چیخ کی آواز سنی تھی۔

میں تھائی کو آوازیں دیتا ہوا اِدھر اُدھر دوڑنے لگا۔ تھالوب وغیرہ بھی اسے تلاش کررہے تھے۔ کانیج سے کچھ فاصلے پر پولیس چیف اور رنگ سنت کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔

ہم نے دور دور تک دیکھ لیا لیکن تھائی کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ اگر وہ گولی لگنے سے زخمی ہوجاتی یا مرچکی ہوتی تو کہیں نہ کہیں مل جاتی لیکن لگتا تھا جیسے اسے زمین نگل گئی ہو یا آسمان نے اچک لیا ہو۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، میری پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔ دو گھنٹے گزر گئے۔ سردار تھالوب کا خیال تھا کہ اب ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ صبح آکر اسے تلاش کیا جائے گا لیکن میں یہاں سے جانے کو تیار نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے، تھائی زخمی ہوکر کسی جگہ بے ہوش پڑی ہو۔ میں اسے ہر صورت.... تلاش کرنا چاہتا تھا۔

ایک گھنٹا اور گزر گیا۔ میں اس وقت کانیج کے دروازے کے سامنے ہی تھا کہ اندر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میرا خیال تھا کہ سین فونگ یا انہی لوگوں میں سے کسی کے لیے فون ہوگا۔ جانگی اس وقت میرے قریب کھڑی تھی۔ میں نے اسے وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور اندر جاکر فون کا ریسیور اٹھالیا لیکن بولا کچھ نہیں مگر چند سیکنڈ بعد ہی ریسیور پر دارا کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم لوگ اب تک وہیں موجود ہوگے۔ تم جو کوئی بھی ہو، اپنے اس حرام زادے سٹل ماسٹر سے کہہ دو کہ اس کی چہیتی تھائی اس وقت میرے قبضے میں ہے۔ جنگل میں اسے تلاش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"دارا تم...." میں چیخا "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"اوہیرو...." دارا کی آواز سنائی دی "تم آج کی بازی جیت کر بھی ہار گئے۔ تمہاری تھائی میرے قبضے میں ہے۔ اب تم میرے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجاؤ گے۔ کیسی رہی۔ آہاہا...."

دارا قہقہے لگا رہا تھا اور اس کی آواز پگھلے ہوئے سیسے کی طرح میرے کانوں کو چیرتی ہوئی دماغ میں گھستی جارہی تھی۔ ریسیور میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں دھم سے ایک کرسی پر ڈھیر ہوگیا۔ میرے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلتا جارہا تھا۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہورہے تھے۔ رگوں میں خون لاوے کی طرح سرسراتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ دماغ کی نسیں نہ پھٹ جائیں۔ فون کا ریسیور میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور میں سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامتا ہوا قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔ دارا کے خوفناک قہقہوں کی آواز اب بھی میرے دماغ میں گونج رہی تھی۔

سردار تھالوب وغیرہ اس وقت بھی باہر ہی کھڑے باتیں کررہے تھے۔ جانگی کا رخ دروازے کی طرف تھا۔ اس نے مجھے اس طرح سر پکڑ کر بیٹھتے ہوئے دیکھ لیا اور وہ دوڑتے ہوئے کمرے میں داخل ہوکر میرے قریب آگئی۔

"کیا ہوا وجدان.... کس کا فون تھا؟" اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جھنجوڑ دیا اور پھر لپک کر فون کا ریسیور پکڑ لیا جو اسٹینڈ سے نیچے لٹکا ہوا تھا۔ شاید دوسری طرف سے لائن منقطع ہوچکی تھی۔ اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور دوبارہ میری طرف متوجہ ہوگئی "کس کا فون تھا وجدان....؟"

"دارا۔" میں نے سر اٹھاتے ہوئے جواب دیا "تھائی اس وقت دارا کے قبضے میں ہے۔"

"کیا....!" جانگی چیخی۔

جانگی اس قدر زور سے چیخی تھی کہ باہر کھڑے ہوئے تھالوب وغیرہ بھی مڑکر اس طرف دیکھنے لگے اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ بھی تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کمرے میں آگئے۔

"کیا ہوا۔ تم کیوں چیخی تھیں جانگی۔" سردار تھالوب نے اسے گھورا اور پھر میری طرف دیکھنے لگا "تمہیں کیا ہوا وجدان۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"وہ لوگ تھائی کو اٹھا کرلے گئے ہیں اور تھائی اس وقت دارا جیسے درندے کے قبضے میں ہے۔" جانگی نے بتایا۔

"کیا....!" تھالوب اچھل پڑا "تمہیں کیسے پتا چلا؟ ہم تو اسے...."

"کچھ دیر پہلے فون کی گھنٹی بجی تھی۔" اس مرتبہ جانگی کے بجائے میں نے جواب دیا "میں سمجھا تھا کہ سین فونگ وغیرہ میں سے کسی کی کال ہوگی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دارا کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تھائی اس کے قبضے میں ہے اور اب وہ مجھے اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردے گا۔"

"اوہ۔" سردار تھالوب کے منہ سے بے اختیار نکلا "کہیں وہ بلف تو نہیں کررہا؟"

"نہیں۔ وہ اس معاملے میں بلف نہیں کرسکتا۔" میں نے جواب دیا "ہم تھائی کو دور دور تک تلاش کرچکے ہیں۔ اگر وہ زخمی ہوکر کہیں بے ہوش بھی پڑی ہوتی تو اب تک اسے ہوش آچکا ہوتا اور ہماری آواز سن کر جواب ضرور دیتی۔ اس کا مطلب ہے دارا جھوٹ نہیں بول رہا۔ یہاں سے بھاگتے ہوئے تھائی ان کے ہاتھ لگ گئی ہوگی اور اب وہ تھائی کے ذریعے ہمیں بلیک میل کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"لیکن ہم اس کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔"

تھالوب نے کہا "اسے تھائی کو چھوڑنا ہوگا' بغیر کوئی نقصان پہنچائے۔"

"تم دارا کو نہیں جانتے۔" میں نے کہا "وہ نہایت بے ضمیر اور دنیا کا گھٹیا ترین آدمی ہے۔ انسان کے روپ میں بھیڑیا۔ وہ تھائی کو پہلے بھی نقصان پہنچا چکا ہے اور اب بھی کسی ایسی حرکت سے باز نہیں آئے گا۔"

"تم فکر مت کرو۔" سردار تھالوب نے کہا "اب اگر تھائی کو کوئی نقصان پہنچا تو میں دارا کا وہ حشر کروں گا کہ آئندہ وہ ایسی کوئی حرکت کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔"

رنگولی اور وانگ ڈن خاموشی سے ہماری باتیں سن رہے تھے اور پھر رنگولی نے آگے بڑھ کر مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھا دیا۔

"اب یہاں وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہمیں واپس جا کر اطمینان اور سکون سے کوئی پلاننگ کرنی ہوگی۔"

"رنگولی ٹھیک کہتی ہے ماسٹر۔" سردار تھالوب نے کہا اور آگے بڑھ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "مجھے تھائی سے تمہاری جذباتی وابستگی کا بہت پہلے اندازہ ہوگیا تھا لیکن اس طرح مایوس ہونے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میں جانتا ہوں تم ایک بہادر لڑکے ہو اور بڑے سے بڑے طوفان سے ٹکرا جانے کا بھی حوصلہ رکھتے ہو۔ ویسے میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تھائی کو کوئی نقصان پہنچا تو دارا کو پاگل کتوں سے نچوا دوں گا۔"

ہم کمرے سے باہر آگئے اور پھر اچانک وانگ ڈن کی بات نے ہم سب کو چونکا دیا۔

"پہلے ہم نے جس کانیچ کو آگ لگائی تھی اس میں گولہ بارود بھرا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے اس کانیچ کے نیچے بھی کوئی تہ خانہ ہو جس میں...."

وانگ ڈن کی بات میں خاصا وزن تھا۔ ہم ایک بار پھر کانیچ کے اندر آگئے اور گھوم پھر کر تلاشی لینے لگے۔ ایک کمرے سے .... تین چائنیز آٹومیٹک رائفلیں اور کئی بھرے ہوئے میگزین تو برآمد ہوئے مگر کسی تہ خانے کا سراغ نہیں ملا۔ فرش اور دیواروں کے ایک ایک انچ حصے کو ٹھوک بجا کر دیکھا گیا مگر کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں تہ خانے کے راستے کا شبہ ہوتا۔

مزید وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ہم نے واپسی کا فیصلہ کرلیا تینوں چائنیز رائفلوں اور بھرے ہوئے میگزین پر قبضہ کرلیا گیا تھا۔ واپس جاتے ہوئے میں مائے سا کی لاش کے قریب رک گیا۔ گولی اس کی پیشانی پر ماری گئی تھی۔ اس کا آدھا چہرہ خون سے تر تھا بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ پیشانی کے زخم سے بہنے والا خون ایک آنکھ اور آدھے چہرے پر پھیل کر جم گیا تھا۔ گردن اور اس کے نیچے فرش پر بھی خون جما ہوا تھا جس کی رنگت سیاہ پڑ چلی تھی۔ جبلہ باقی آدھا چہرہ بالکل صاف تھا۔ اس کی ایک آنکھ پوری طرح کھلی ہوئی تھی۔ بے پناہ خوف اور کرب کے تاثرات اس کی آنکھ میں اور چہرے پر جیسے جم کر رہ گئے تھے۔

وہ بالکل برہنہ تھی۔ اس کا لباس قریب ہی فرش پر پڑا ہوا میں نے وہ لباس اٹھالیا۔ بلاؤز اور اسکرٹ کی بیلٹ سے غائب تھے جن میں ڈکٹا فون لگائے گئے تھے اور ظاہر ہے یہ فونگ نے ہی نکالے ہوں گے۔ مجھے مائے سا کی موت کا افسوس ہوا تھا۔

جب ہم کانیچ سے روانہ ہوئے تو سپیدۂ سحر نمودار ہو اور جب ہم اپنے کانیچ پہنچے تو سورج طلوع ہو چکا تھا۔ نرم دھوپ پھیل رہی تھی۔

ہم سب ہال کمرے میں آگئے۔ ہم نے اگرچہ رات اور بڑی سنگین صورتِ حال سے دوچار ہو کر گزاری تھی تھکن کے آثار مجھے کسی کے چہرے پر نظر نہیں آرہے تھے اور رنگولی پر مجھے زیادہ حیرت ہو رہی تھی۔ وہ خواتین کو عام طور پر صنفِ نازک سمجھا جاتا ہے اور اس میں کوئی نہیں کہ مرد کے مقابلے میں عورت کہیں زیادہ نازک ہے اور اس سے کڑی محنت اور مشقت کی توقع نہیں رکھی لیکن میں نے بہت سی ایسی عورتیں بھی دیکھی ہیں جو مردوں زیادہ محنت کرتی ہیں اور رنگولی' جانگی اور تھائی کے حوالے کچھ اور کہہ رہا تھا۔ یہ بڑی سخت جان اور دلیر ثابت ہوئی تھیں اب تک تو انہوں نے بڑی کڑی سے کڑی صورتِ حال کا بڑی حوصلہ مندی سے کیا تھا۔

دوسری طرف لوبا بھی بہت ذمے دار اور فرض شناس آدمی ثابت ہوا تھا۔ ایسے ہر موقع پر وہ تاڑ لیا کرتا تھا کہ ہمیں کس چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ اس وقت بھی اس نے ہماری ضرورت کا اندازہ لگالیا تھا اور چند منٹ بعد ہی اس نے گرم گرم کافی ہمارے سامنے رکھ دی۔

چائے یا کافی اس وقت ہماری اہم ترین ضرورت تھی اور اس میں شبہ نہیں کہ کافی بہت خوش ذائقہ اور لذیذ تھی لیکن میرا تھائی میں الجھا ہوا تھا اور میں اس کافی سے پوری طرح لطف اندوز نہیں ہو پا رہا تھا۔

"لوبا۔" سردار تھالوب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے "جوجی کہاں ہے۔ بلاؤ اسے۔"

"جوجی' وانگ ڈن کے کوارٹر میں ہے۔ میں ابھی اسے بلا ہوں باس۔" لوبا کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

جوجی وہ وائرلیس آپریٹر تھا جسے ڈکٹا فون پر ہونے والی گفتگو ریکارڈ کرنے کی ذمے داری سونپی گئی تھی۔

چند منٹ بعد ہی جوجی آگیا۔ وہ ادھیڑ عمر دبلا پتلا سا آدمی تھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ شاید اسے سوتے میں سے جگا گیا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ٹیپ ریکارڈر تھا اور دوسرے میں آڈیو کیسٹ۔

"تم نے کچھ کام بھی کیا یا سو گئے تھے؟" سردار تھالوب نے گھورا۔

"ان کی ساری گفتگو ریکارڈ کرلی ہے سردار۔" جوجی نے جواب دیا "جب اس لڑکی کے لباس میں ڈکٹا فون کا راز فاش ہوگیا تھا اور اس کے بعد فائرنگ شروع ہوگئی تھی تو ریکارڈر اس کے بعد بھی دیر تک آن رہا تھا۔ اس کے بعد تو صرف فائرنگ اور چیخنے کی آوازیں ہی ریکارڈ ہوتی رہیں۔ میں ابھی آپ کو ٹیپ سناتا ہوں۔"

جوجی نے ٹیپ ریکارڈر میز پر رکھ کر اس کا پلگ دیوار کے ساکٹ میں لگا دیا اور کیسٹ لگا کر پلے کا بٹن دبا دیا۔ چند لمحوں تک سرسراہٹ کی آواز سنائی دیتی رہی پھر رنگ سنت کی آواز سنائی دی۔ وہ مائے سا اور غالباً دوسری لڑکیوں کو بھی مخاطب کرتے ہوئے انہیں ہدایات دے رہی تھی کہ انہیں مہمانوں کو کس طرح خوش رکھنا ہے۔

"یہ عام لوگ نہیں ہیں۔" رنگ سنت کہہ رہی تھی "جو چند لمحات پر تم لوگوں کو ٹرخا دیں گے۔ یہ بہت ہی خاص قسم کے لوگ ہیں اسی لیے تم لوگوں کا انتخاب بھی خاص طور پر کیا گیا ہے۔ اگر وہ تم لوگ تمہاری خدمات سے خوش ہوگئے تو تم سب کی قسمت بدل جائے گی...."

اس کے بعد خاموشی چھا جاتی.... کبھی مختلف آوازیں سنائی دینے لگتیں اور بالآخر وہ گفتگو بھی سامنے آگئی جس کا انتظار تھا۔ فونگ' انگ سانگ' ایکی مائی' پولیس چیف اور دوسرے لوگوں کی آوازیں صاف طور پر پہچانی جارہی تھیں۔ ان کی گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ شہنشاہ کے خلاف سازش طے پا چکی ہے اور ہر شخص اپنی سازش کی کامیابی کی صورت میں اپنے حصے ... اور مراعات کا تعین کررہا تھا۔ البتہ یہ بات ابھی تک سامنے نہیں آئی تھی کہ اس سازش پر عمل کب اور کس طرح کیا جائے گا۔ کیونکہ اس دوران میں ڈکٹا فون کا راز کھل گیا تھا اور آگے گفتگو ختم ہوگئی تھی اور اس کے کچھ ہی دیر بعد شدید فائرنگ اور چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔

سردار تھالوب کے اشارے پر جوجی نے ٹیپ ریکارڈر بند کردیا۔

"میرا خیال ہے اس سازش کو بے نقاب کرنے کے لیے یہ ٹیپ کافی ہے۔ اس میں ان چند بڑے لوگوں کے نام بھی آگئے ہیں جو سازش میں شریک ہیں۔ حکومت انہیں حراست میں لے کر سچ جھوٹ معلوم کرسکتی ہے۔"

"میں نہیں جانتا کہ تمہارے ملک میں عدالت اس ٹیپ کو ثبوت کے طور پر تسلیم کرے گی یا نہیں لیکن...."

"میرا خیال ہے یہ کیس فوری طور پر تو عدالت میں نہیں جائے گا۔" سردار تھالوب نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "اس میں ان کی اپنی آوازیں شامل ہیں جو اس سازش کے تانے بانے میں شامل ہیں۔ سب سے پہلے تو انہیں حراست میں لیا جائے گا اور اس کے بعد ہی بات آگے بڑھے گی۔ عدالت میں کیس جانا تو بہت بعد کی بات ہے اور یہ بات بھی وثوق سے نہیں کہی جاسکتی کہ یہ کیس عدالت میں جائے گا یا سازشیوں کو فوری طور پر فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کردیا جائے گا۔"

"تو پھر کیا خیال ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بات تو اب بالکل صاف ہے۔" سردار تھالوب نے کہا "مہاراج کو فون پر صورتِ حال سے آگاہ کردو۔ زیادہ تاخیر مناسب نہیں ہوگی۔ مہاراج' شہنشاہ کے کزن رتنا کو سن کو بتا دیں گے۔ وہ جو فیصلہ کریں گے اسی پر عمل کیا جائے گا۔"

"یہی مناسب ہوگا۔" میں نے جواب دیا "تاخیر واقعی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ میں ابھی مہاراج کو فون کرتا ہوں۔"

سردار تھالوب نے وانگ ڈن کو اشارہ کیا کہ فون اسٹینڈ سے اٹھا کر ہمارے سامنے سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا جائے۔ وانگ ڈن نے آگے بڑھ کر فون اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا اور پھر فون پر بات کرتے ہوئے اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔ وہ قبائلی زبان میں بات کررہا تھا۔ اس کا ایک لفظ بھی میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا لیکن چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ کوئی اہم خبر ہے۔ اس نے اپنے مخاطب سے کچھ کہا اور پھر فون اٹھا کر سینٹر ٹیبل پر رکھ دیا اور قبائلی زبان ہی میں کچھ کہتے ہوئے ریسیور سردار تھالوب کی طرف بڑھا دیا۔

سردار تھالوب بھی تقریباً پانچ منٹ تک بات کرتا رہا پھر ریسیور رکھ دیا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرے ایک آدمی کا فون تھا جنہیں رات کو اس کانیچ کی ناکا بندی پر لگا رکھا تھا۔ انہوں نے ایک عورت کو زخمی حالت میں جنگل سے پکڑا ہے لیکن وہ اسے یہاں نہیں لاسکتے کیونکہ پولیس اس علاقے میں چاروں طرف پھیل چکی ہے۔"

"وہ اس وقت کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس زخمی عورت کو تو وہ وہاں سے تقریباً چھ کلو میٹر دور چند گھروں پر مشتمل ایک بستی میں لے گئے ہیں اور یہ آدمی گولڈن ٹرائی اینگل روڈ پر لگے ہوئے ایک فون بوتھ سے بات کررہا تھا۔"

"انہوں نے معلوم نہیں کیا' وہ عورت کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"انہوں نے پوچھنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے اپنا نام نہیں بتایا البتہ یہ ضرور کہا ہے کہ وہ ایک سرکاری آفیسر ہے۔ اگر... اسے حفاظت اور رازداری سے شہر پہنچا دیا جائے تو وہ ان قبائلیوں کو منہ مانگا انعام دے گی۔"

"ایکی مائی۔" میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"تمہارا اندازہ درست ہو سکتا ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ ایکی مائی ہی ہو۔" سردار تھالوب نے کہا "رات کو اس کا نیچ میں رنگ سنت بھی موجود تھی جو مار گئی۔ ہو سکتا ہے کوئی اور مقامی خاتون آفیسر بھی ہو۔ ان دو طوائفوں میں سے بھی کوئی ہو سکتی ہے جو رات کو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ ہو سکتا ہے قبائلیوں پر رعب جھاڑنے کے لیے وہ اپنے آپ کو سرکاری آفیسر بتا رہی ہو۔ بہرحال' میں اس بستی میں جا رہا ہوں۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا سردار۔" میں نے کہا۔

سردار تھالوب چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا اور پھر اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا "ٹھیک ہے لیکن اس سے پہلے مہاراج کو صورتِ حال سے آگاہ کر دو۔"

میں نے فون کا ریسیور اٹھایا اور بنکاک کا کوڈ نمبر ملا کر واٹ ٹریمٹ کا نمبر ملانے لگا۔

کال ریسیو ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی لیکن مہاراج اس وقت خانقاہ میں موجود نہیں تھے۔ میں نے جمنازیم کا نمبر ملایا۔ وہاں بھی نہ تو مہاراج تھے اور نہ ہی ماسٹر ہوچن۔ میں نے ریسیور رکھ دیا اور سردار تھالوب کو صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ واپس آ کر فون کر لیں گے۔ اس دوران میں یہ بھی پتا چل جائے گا کہ پکڑی جانے والی عورت کون ہے۔" تھالوب نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

میں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ سردار تھالوب نے وانگ ڈن کو وہیں رکنے کے لیے کہہ دیا تھا لیکن وہ باہر جیپ تک ہمارے ساتھ آیا تھا۔ اس نے دو آٹومیٹک رائفلیں اور دو فاضل میگزین جیپ میں رکھ دیے تھے۔

میرا خیال تھا کہ ہمیں ایک بار پھر گولڈن ٹرائی اینگل روڈ کی طرف جانا پڑے گا لیکن جیپ اس طرف جانے کے بجائے دائیں طرف مڑ گئی۔

"اس طرف....."

"گولڈن ٹرائی اینگل روڈ پر اس وقت پولیس کی بھرمار ہوگی۔" سردار تھالوب نے میری بات کاٹ دی "ہمیں پولیس سے کوئی خطرہ تو نہیں لیکن میں ان کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا۔ یہ راستہ....." اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا "اگرچہ خاصا طویل ہے لیکن محفوظ ہے۔ اس طرف اگر کوئی ہمیں دیکھ لے گا تو کسی قسم کا شبہ نہیں کرے گا۔"

میں خاموشی سے سامنے دیکھنے لگا اور پھر اچانک پولیس سائرن اور ایمبولینس کے سائرن کی آواز سن کر چونک گیا۔ یہ آوازیں چاروں طرف سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"میں نے کہا تھا نا کہ گولڈن ٹرائی اینگل روڈ پر پولیس کی بھرمار ہے۔" سردار تھالوب نے کہا "یہ آوازیں اسی طرف سے آ رہی ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ پولیس کو بہت دیر سے اطلاع ہے۔" میں نے کہا۔

"فائرنگ کی آوازیں تو رات ہی کو سن لی گئی ہوں گی مگر حالات میں پولیس تو کیا فوج کے گوریلے بھی جنگل کا رخ کرنے کی ہمت نہیں کرتے۔" تھالوب چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "رات کو جو لوگ فرار ہو گئے تھے ہو سکتا ہے ان میں سے کسی نے صبح پولیس کو اطلاع دی ہو۔"

"سین فونگ' دارا یا آنگ سانگ تک تو ایسی توقع نہیں کی جا سکتی۔" میں نے کہا۔

"ان لوگوں سے کچھ بعید نہیں۔" تھالوب نے جواب دیا "ہو سکتا ہے پولیس کو یہ اطلاع آنگ سانگ ہی نے دی ہو۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ وہ اپنے آپ کو پھنسانے کی کوشش کرے گا۔" میں نے کہا۔

"آنگ سانگ بیوروکریٹ ہے اور بیوروکریٹ سیاست دانوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ اگر پولیس کو اطلاع واقعی اس نے دی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے اپنے آپ کو بچانے کی ایک بھونڈی کوشش کی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آنگ سانگ ایک اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز ہے۔" تھالوب نے کہا "ایسے بڑے آفیسر جب کسی علاقے کے دورے پر جاتے ہیں تو مقامی آفیسران کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مختلف طریقوں سے رشوت پیش کرتے ہیں۔ آنگ سانگ کہہ سکتا ہے کہ پولیس چیف نے ان کے لیے پکنک کا پروگرام بنایا تھا۔ ایسے پروگراموں میں خوب صورت لڑکیاں ضرور شامل ہوتی ہیں۔ اب کہانی کچھ یوں ہوگی کہ وہ لوگ اس کا نیچ میں پکنک منا رہے تھے کہ رات کو ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا جس میں پولیس چیف اور چند اور لوگ مارے گئے۔"

"لیکن کیا اس طرح وہ اپنی گردن نہیں پھنسا لے گا؟" میں نے کہا۔

"اسے پتا چل گیا تھا کہ مائے سا کے لباس میں ڈکٹافون چھپے ہوئے تھے اور ان کی باتیں کہیں سنی جا رہی ہوں گی۔ یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا کہ ان کی باتیں ریکارڈ ہو چکی ہیں۔ ایسے لوگ بعض اوقات اپنی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی سے بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔ وہ اتنا تو ضرور جانتا ہوگا کہ سازش والی بات سامنے آئے گی۔ وہ صاف انکار کر دے گا کیونکہ اس کے خیال میں ان کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہوگا اور میری یہ بات بھی لوگ کہ وہ سارا الزام مجھ پر یعنی کیرن قبیلے کے سردار کے سر تھوپنے کی کوشش کرے گا اور وہ اس واقعے کو جواز بنانے کی کوشش کرے گا

ہیں نامعلوم حملہ آوروں کے ہاتھوں میرے پانچ آدمی مارے گئے۔"

سردار تھالوب کی باتوں میں خاصا وزن تھا۔ وہ ذہین آدمی تھا بہت دور کی سوچ رہا تھا اور میں آنگ سانگ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اگر پولیس کو رات والے واقعے کی اطلاع واقعی اسی نے دی تھی تو وہ دنیا کا سب سے بڑا احمق کہلانے کا مستحق تھا۔

جیپ کچی سڑک سے اتر کر ایک پتھریلے راستے پر مڑ گئی۔ یہ راستہ پہلی کھاتا ہوا مسلسل نشیب کی طرف جا رہا تھا۔ بعض مقامات پر خطرناک موڑ تھے اور ذرا سی بے پروائی موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی۔

جیپ سبزے سے ڈھکی ہوئی پہاڑیوں میں بل کھاتے ہوئے نشیب و فراز پر جھٹکے کھاتی ہوئی چلتی رہی اور پھر اچانک رک گئی۔ ونڈ اسکرین پر پانی کی موٹی موٹی بوندیں گرنے لگی تھیں۔ میں نے ذرا آگے جھک کر اوپر دیکھا آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور ہلکی بارش ہونے لگی تھی۔ معشوق کے مزاج کی طرح یہاں کے موسم کا بھی کوئی بھروسا نہیں تھا۔ جب ہم کانچ سے نکلے تھے تو آسمان صاف تھا اور تیز دھوپ چمک رہی تھی۔ اس پہاڑی علاقے کو دونوں طرف سے بلند اور گنجان درختوں نے ڈھانپ رکھا تھا اور یہ پتا ہی نہیں چل سکا تھا کہ مطلع کب ابر آلود ہوا تھا۔

بارش آہستہ آہستہ تیز ہو رہی تھی۔ پہاڑوں میں تیز بارش خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اس پتھریلے راستے پر پانی بہنا شروع ہو گیا تھا۔ سردار تھالوب نے جیپ کی رفتار کم کر دی۔

پختہ سڑک سے اترنے کے بعد ہم تقریباً بیس کلو میٹر کا فاصلہ طے کر چکے تھے اور صحیح اندازہ نہیں تھا کہ مزید کتنا سفر کرنا ہوگا۔ ایک کلو میٹر فاصلہ اور طے ہوا ہوگا کہ سامنے دو آدمیوں کو دیکھ کر جیپ روکنا پڑی۔ وہ درختوں سے نکل کر اچانک ہی بیچ راستے میں آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ انہوں نے بھی پھرتی سے اپنے پیروں کے قریب پڑی ہوئی رائفل اٹھا لی۔ سردار تھالوب میری طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ اس نے جیپ کی رفتار مزید کم کر دی اور بالآخر ان دونوں آدمیوں کے قریب پہنچتے ہی جیپ روک دی۔ سامنے کھڑے ہوئے دونوں آدمی سردار تھالوب والی سائڈ پر آ گئے۔ ان کی رائفلیں نیچے کو جھکی ہوئی تھیں۔ جیپ کے رکتے ہی میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ سردار تھالوب کے آدمی تھے۔

سردار تھالوب نے اپنی طرف کا شیشہ گرا دیا اور ان سے کچھ کہنے لگا۔ ان دونوں کا انداز بہت ہی مؤدبانہ تھا اور پھر سردار تھالوب جیپ کو اس راستے سے اتار کر درختوں میں لے گیا۔ جیپ کو آگے لے جا کر روک دیا اور انجن بند کر کے میری طرف جھکتے ہوئے بولا۔

سگریٹ نوشی اور تمباکو نوشی سے چھٹکارا حاصل کیجیے۔
قیمت 25 روپے
ڈاک خرچ 23 روپے
تمباکو نوشی اور دیگر بری عادات سے چھٹکارا حاصل کیجیے۔
کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں
خط و کتابت کا پتہ
مکتبہ نفسیات
kitablat@hotmail.com
kitablat1970@yahoo.com

"پولیس اس بستی میں پہنچ چکی ہے مگر یہ لوگ پولیس کی آمد سے پہلے ہی اس زخمی عورت کو بستی سے نکال کر اس طرف ایک پہاڑی غار میں لے آئے تھے۔ وہاں تک جیپ کا راستہ نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں یہاں سے پیدل ہی آگے جانا ہوگا۔"

"کوئی گڑبڑ تو نہیں سردار۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ان لوگوں کو کیسے پتا چلا کہ تم اس طرف سے آرہے ہو؟"

"بستی کی طرف آمد و رفت کے تین راستے ہیں۔" سردار تھالوب نے بتایا "اور تینوں راستوں پر قبیلے کے آدمی کھڑے ہیں۔ تاکہ بستی تک پہنچنے سے پہلے ہی مجھے اطلاع دے دی جائے۔"

میں قبائلیوں کے اس انتظام پر اش اش کر اٹھا۔ وہ قبائلی جنہیں جاہل اور اجڈ سمجھا جاتا تھا' بہت ذہین ثابت ہوئے تھے۔

میں بھی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ رائفل میں نے کندھے پر لٹکالی تھی۔ سردار جیپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک قبائلی سے کچھ کہہ رہا تھا مگر وہ مسلسل انکار کررہا تھا۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ سردار اسے بارش سے بچنے کے لیے جیپ میں بیٹھ جانے کو کہہ رہا تھا لیکن وہ اس لیے انکار کررہا تھا کہ سردار کی جگہ پر بیٹھنے کو بہت بڑی گستاخی سمجھتا تھا۔ اس نے درختوں کے نیچے کھڑے رہ کر جیپ کی حفاظت کی ذمے داری قبول کرلی تھی۔ قبیلے والوں کے دل میں اپنے سردار کا یہ احترام میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ میرا تو کسی قبیلے سے واسطہ ہی پہلی مرتبہ پڑا تھا لیکن چند روز سے میں جو کچھ دیکھ رہا تھا' اس سے مجھے یقین ہوگیا تھا کہ تمام قبائلی اپنے سرداروں کا اسی طرح احترام کرتے ہیں اور ان کے لیے اپنی جان تک نچھاور کرنے کو تیار رہتے ہیں۔

دوسرا قبائلی ہماری رہنمائی کے لیے آگے آگے چل پڑا تھا۔ میری طرح سردار تھالوب نے بھی رائفل کندھے پر لٹکا رکھی تھی۔ بتدریج بلندی کی طرف جاتا ہوا راستہ خاصا دشوار گزار تھا۔ میرے پیروں میں جوگرز تھے اور بھیگے ہوئے پتھروں پر بار بار پھسل رہے تھے۔

بارش جس طرح اچانک شروع ہوئی تھی' اسی طرح اچانک ہی بند بھی ہوگئی۔ بادل بھی پلٹ کر ادھر اُدھر بکھر رہے تھے۔ کبھی دھوپ چمکنے لگتی اور کبھی سورج بادل کے کسی ٹکڑے کے پیچھے چھپ جاتا۔ بارش بند ہونے کے باوجود پانی جھرنوں کی طرح پہاڑیوں سے بہہ رہا تھا۔

تقریباً ایک کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمارا راہبر ایک چٹان کے پیچھے غائب ہوگیا۔ ہم اس طرف مڑے تو میں ایک دم ٹھٹک کر رک گیا۔ دو قبائلی اس چٹان کے پیچھے درختوں سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ رائفلیں ان کے ہاتھوں میں تھیں۔ تیسرا قبائلی ایک درخت کے اوپر چڑھا بیٹھا تھا۔ وہ گنجان پتوں میں چھپا ہوا تھا۔ ہم اسے نہیں دیکھ سکے تھے مگر اس نے ہمیں آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

اس پہلی چٹان کے پیچھے تقریباً تیس گز کے فاصلے پر ایک اور اونچی چٹان تھی جس میں زمین سے تقریباً پانچ فٹ کی بلندی پر ایک غار کا تنگ سا دہانہ نظر آرہا تھا اور ایک رائفل بردار قبائلی باہر بھی کھڑا تھا۔ دونوں چٹانوں کی درمیانی جگہ پر ساگوان کے درخت تھے اور دبیز گھاس اور جھاڑیوں کا فرش بچھا ہوا تھا۔

یہ غار محفوظ ترین جگہ تھی۔ درختوں اور سامنے والی چٹان کی وجہ سے دور سے اس غار کو دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔

ہم ایک پتھریلی چڑھائی چڑھ کر غار کے سامنے پہنچ گئے۔ دہانہ اگرچہ تنگ سا تھا مگر اندر سے یہ غار کافی کشادہ تھا اور اندر دو تین مشعلیں جل رہی تھیں۔ ان شعلوں میں غالباً کسی جانور کی چربی استعمال کی گئی تھی۔ ایک ناگوار سی بو کا احساس ہورہا تھا۔

غار میں ذرا آگے ایک عورت زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کا رخ دوسری طرف تھا اس لیے چہرہ نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے بیٹے رنگ کا اسکرٹ اور بلاؤز پہن رکھا تھا اور وہ کچھ اس طرح آڑی ترچھی پڑی ہوئی تھی کہ اس کا اسکرٹ اوپر تک سمٹ گیا تھا اور اس کی ایک ٹانگ پر گھٹنے سے ذرا اوپر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ٹانگ پر لگا ہوا خون واضح طور پر نظر آرہا تھا۔

میں اور سردار تھالوب اس عورت کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ ہمارے قدموں کی آواز سن کر بھی اس نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی۔ سردار تھالوب نے اپنے ساتھ آنے والے قبائلی کو اشارہ کیا۔ وہ اس عورت کے سر کی طرف سے گھوم کر سامنے کی طرف چلا گیا۔ پہلے اس نے کھڑے کھڑے ایک دو آوازیں دیں پھر جھک کر بیٹھ گیا۔ رائفل ایک ہاتھ میں اس نے پکڑے رکھی اور دوسرا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ کر آہستہ آہستہ ہلانے لگا۔ اس کے ساتھ وہ اسے آوازیں بھی دے رہا تھا مگر عورت کی طرف سے کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ قبائلی' سردار کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ کہنے لگا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ کچھ ہوگیا جس کی ہم میں سے کسی کو بھی توقع نہیں تھی۔

اس عورت نے بڑی پھرتی سے اپنی جگہ سے حرکت کی تھی۔ اس کی ذات سامنے اکڑوں بیٹھے ہوئے قبائلی کے منہ پر لگی۔ وہ پیچھے ہوا پیچھے الٹ گیا لیکن اس کی رائفل اس عورت کے ہاتھوں میں پہنچ چکی تھی۔

قبائلی پشت کے بل پیچھے گرا تھا لیکن اس نے اٹھنے میں ذرا سی بھی زیادہ دیر نہیں لگائی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ پوری طرح سنبھل سکتا' اس عورت کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی رائفل سے تواتر کے ساتھ کئی گولیاں نکلیں اور قبائلی کے جسم میں پیوست ہوگئیں۔ غار گولیوں کی تڑتڑاہٹ اور قبائلی کی چیخوں سے گونج اٹھا۔

یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ ہمیں کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا اور جب سمجھے تو وقت گزر چکا تھا۔ اس عورت کی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے اور سردار تھالوب کو رائفل [illegible] لیا تھا۔

اس عورت کا چہرہ اب ہمارے سامنے تھا اور اسے دیکھ کر ہم [illegible] چونکے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔ وہ ایکی مائی تھی۔

"اپنی رائفلیں کندھوں سے اتار کر پھینک دو۔" ایکی مائی کے [illegible] جیسی غراہٹ نکلی۔ وہ بہت حسین عورت تھی لیکن اس [illegible] اس کے چہرے پر بے پناہ سفاکی نظر آرہی تھی۔

میں نے سردار تھالوب کی طرف دیکھا اور پھر ہم دونوں نے [illegible] اپنی رائفلیں کندھوں سے اتار کر پھینک دیں۔

فائرنگ اور قبائلی کے چیخنے کی آواز سن کر باہر کھڑے ہوئے دو [illegible] غار کے دہانے پر آگئے تھے اور یہ منظر ان کے لیے بڑا حیرت [illegible] تھا۔ ان کا ایک ساتھی غار کے فرش پر مرا پڑا تھا اور قیدی [illegible] نے ان کے سردار کو رائفل کی زد پر لے رکھا تھا۔ ان میں [illegible] ایک نے بڑی پھرتی سے رائفل سیدھی کرلی لیکن سردار [illegible] فوراً ہی ایک دم چیخ اٹھا۔

"گولی مت چلانا۔"

سردار کا حکم سن کر دونوں قبائلیوں نے رائفلیں جھکالیں اور [illegible] ایکی مائی کے حکم پر انہیں بھی رائفلیں زمین پر پھینک دینی پڑیں۔

ایک قبائلی ہمارے ساتھ آیا تھا اور چار پہلے سے موجود تھے۔ ان میں سے ایک مارا گیا تھا۔ دو نہتے کردیے گئے تھے اور دو باہر تھے۔ ان میں سے ایک درخت پر چڑھا ہوا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اب بھی وہ درخت پر ہی ہوگا۔

"تم اپنے لیے مزید مشکلات پیدا کررہی ہو ایکی مائی۔" سردار تھالوب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میرے ایک اشارے پر باہر یہ آدمی اب بھی تمہاری ہڈیوں کا سرمہ بنا سکتے ہیں لیکن میں تمہیں مارنا نہیں چاہتا۔ تمہاری لاش ہمارے لیے کسی کام کی نہیں ہوگی۔ تمہارا زندہ رہنا ہی ہمارے لیے اہم ہے۔"

"میں زندہ رہوں گی مگر قیدی بن کر نہیں۔" ایکی مائی نے جواب دیا "اس غار سے باہر نکلو اور باہر جو تمہارے آدمی موجود ہیں ان سے کہو کہ اگر انہوں نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو دونوں کو چھلنی کردوں گی۔ چلو۔ آگے بڑھو۔" اس نے رائفل سے اشارہ کیا۔

[illegible] اندازہ لگا رہا تھا کہ ٹانگ زخمی ہونے کی وجہ سے ایکی مائی [illegible] کھڑے ہونا بھی مشکل ہورہا تھا۔ اس نے دوسری ٹانگ پر [illegible] ڈال رکھا تھا۔ ہم اس کے اشارے پر الٹے قدموں پیچھے [illegible] دونوں قبائلی اب بھی غار کے دہانے کے قریب کھڑے [illegible] پیچھے ہٹتے ہوئے میرا پیر ایک پتھر پر ریپٹ گیا۔ میں لڑکھڑا کر [illegible] سنبھل گیا۔ سردار تھالوب نے جھک کر میری طرف ہاتھ

"تم سیدھے کھڑے رہو مسٹر تھالوب۔" ایکی مائی اسے رائفل کی زد پر لیتے ہوئے چیخی اور پھر میری طرف دیکھ کر غرائی "شرافت سے اٹھ کر کھڑے ہوجاؤ ورنہ گولیوں سے بھون کر رکھ دوں گی۔ تمہیں تو بہرحال زندہ چھوڑنا نہیں ہے۔ سالے فساد کی جڑ تو تم ہی ہو۔ تم ٹانگ نہ اڑاتے تو اب تک ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوچکے ہوتے۔ تمہیں تو ہرحال میں مرنا ہے۔ تمہاری وجہ سے ہم بہت نقصان اٹھا چکے ہیں لیکن ہم اپنے اس منصوبے کو ناکام نہیں ہونے دیں گے۔"

بات تو وہ مجھ سے کررہی تھی لیکن رائفل اس نے تھالوب پر تان رکھی تھی۔ میں چونکہ زمین پر گرا ہوا تھا اس لیے شاید اسے میری طرف سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہورہا تھا اور میں اس کی اسی حماقت پر دل ہی دل میں مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

میں نے ایکی مائی کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے آپ کو اس طرح حرکت دی جیسے اٹھنا چاہ رہا ہوں لیکن دوسرے ہی لمحے میں زمین پر پڑے پڑے لٹو کی طرح گھوم گیا۔ میرے ایک پیر کی ٹھوکر ایکی مائی کی زخمی ٹانگ پر پنڈلی کی ہڈی پر لگی۔ وہ چیختی ہوئی... لڑکھڑائی اور پشت کے بل گری۔ پہلے اس کے دونوں ہاتھ رائفل پر تھے لیکن گرتے ہوئے اس کا ایک ہاتھ رائفل سے ہٹ گیا تھا۔ رائفل اب بھی دوسرے ہاتھ میں تھی۔ اس نے حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے رائفل کو ایک بار پھر دونوں ہاتھوں میں سنبھال لیا لیکن اس سے پہلے کہ اسے رائفل سیدھی کرنے کا موقع ملتا' میں سانپ کی طرح پھنکارتا ہوا اس کے اوپر جا گرا اور رائفل پر ہاتھ ڈال کر اس کا رخ اوپر کی طرف کردیا۔

ایکی مائی کی انگلی نے ٹریگر دبا دیا۔ غار ایک بار پھر تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھا۔ گولیاں غار کی چھت پر لگیں۔ اگر رائفل کا رخ تبدیل ہونے میں ایک پل کی بھی تاخیر ہوجاتی تو سامنے کھڑا ہوا سردار تھالوب چھلنی ہوچکا ہوتا۔

میں ایکی مائی کے سینے پر سوار تھا... میں نے اس کی کلائی پر اس طرح دباؤ ڈالا کہ رائفل جھکتی ہوئی زمین پر جا لگی اور اس کا رخ دیوار کی طرف ہوگیا۔ میں نے ایک ہاتھ سے رائفل کو دبائے رکھا اور دوسرا ہاتھ اس کے گلے پر جما دیا۔ میرا انگوٹھا ایکی مائی کے نرخرے پر تھا۔ معمولی سے دباؤ سے ہی اس کی مزاحمت نے دم توڑ دیا۔ رائفل پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑگئی۔ میں نے رائفل اس کے ہاتھ سے چھین کر دور پھینک دی اور ایکی مائی کو چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

ایکی مائی دونوں ہاتھوں سے گلا سہلانے لگی۔ اس کے ساتھ ہی وہ زخمی ٹانگ بھی رہی تھی۔ میں نے اس ٹانگ پر ایک زوردار ٹھوکر رسید کردی۔

"سردار تھالوب نے ٹھیک کہا تھا کہ تم اپنے لیے مزید مشکلات پیدا کررہی ہو۔" میں نے غراتے ہوئے کہا "سردار کے آدمیوں نے تمہارے زخم کی مرہم پٹی کی۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دی

اور اس کا صلہ تم نے یہ دیا کہ نہ صرف ان کے ایک ساتھی کو مار ڈالا بلکہ ان کے سردار کو بھی ہینڈز اپ کروا دیا اور اسے جان سے مار دینے کی دھمکی دی۔ تم شاید ان قبائلیوں کو نہیں جانتی۔ یہ اپنی جان تو دے سکتے ہیں لیکن اپنے سردار کی توہین برداشت نہیں کرسکتے۔ تم ان کی آنکھوں میں غصہ اور نفرت دیکھ رہی ہو؟" میں نے غار کے دہانے پر کھڑے ہوئے قبائلیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ان دونوں نے اپنی رائفلیں اٹھا کر ایکی مائی پر تان لی تھیں "وہ تم سے اپنے ساتھی کے قتل اور سردار کی توہین کا بدلہ لینے کو بے چین ہو رہے ہیں لیکن میں انہیں یہ اجازت نہیں دوں گا کہ تمہیں جان سے مار ڈالیں۔ البتہ انہیں اتنا موقع ضرور دیا جائے گا کہ وہ اپنے انتقام کی تھوڑی سی پیاس بجھالیں۔ تمہارے اس خوب صورت جسم سے....."

میں نے خاموش ہو کر سردار تھالوب کی طرف دیکھا۔ وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"سردار تھالوب۔" میں نے آنکھ کا گوشہ دباتے ہوئے کہا "ہم دونوں باہر چلتے ہیں اور تم اپنے چاروں آدمیوں کو اندر بھیج دو تھوڑی دیر کے لیے۔ تاکہ وہ....."

ایکی مائی وحشت زدہ سی نظروں سے کبھی میری طرف اور کبھی غار کے دہانے پر کھڑے ہوئے ہٹے کٹے دونوں قبائلیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"شولو۔" سردار نے ان میں سے ایک کو مخاطب کرتے ہوئے تھائی زبان میں کہا تاکہ ایکی مائی بھی سمجھ لے "باہر سے اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی بلا لو۔ ہم تمہیں ایک گھنٹے کا وقت دے رہے ہیں اور اس ایک گھنٹے میں تم لوگوں نے کس طرح اس کی مزاج پرسی کرنی ہے۔ یہ تم لوگ اچھی طرح سمجھتے ہو۔"

"نہیں نہیں۔ مجھے ان وحشیوں کے رحم و کرم پر مت چھوڑو۔ یہ مجھے مار ڈالیں گے۔ رحم کرو مجھ پر....." ایکی مائی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی "معاف کردو مجھے۔ تم جو کہو گے میں کروں گی مگر مجھے ان وحشیوں کے حوالے نہ کرو۔"

سردار تھالوب نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور اپنے آدمیوں سے قبائلی زبان میں کچھ کہا۔ وہ دونوں وہیں رک گئے۔

"چلو۔ اس وقت معاف کیا تمہیں لیکن تم سزا سے بچ نہیں سکو گی۔" میں نے اپنی رائفل اٹھاتے ہوئے کہا "اب اٹھ کر کھڑی ہو جاؤ جلدی سے۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

ایکی مائی کی ٹانگ پر بندھی ہوئی پٹی سرخ ہو رہی تھی۔ زخم سے خون بہنے لگا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی لیکن پھر لڑکھڑا کر گر گئی اور بے بسی سے میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

اس دوران میں ایک قبائلی نے زمین پر پڑی ہوئی دونوں رائفلیں اٹھالی تھیں۔ سردار کی رائفل اس نے بڑے احترام سے اس کی خدمت میں پیش کردی۔ دوسری رائفل اس نے اپنے کندھے پر لٹکالی۔

"تم اٹھ کر چلو گی یا گھسیٹ کر لے جایا جائے۔" میں نے ایکی مائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مم..... میں..... کھڑی نہیں..... ہو سکتی۔ مجھ سے نہیں چلا جاتا۔" ایکی مائی نے کہا۔ وہ اب باقاعدہ رو رہی تھی۔ اس نے اپنی ٹانگ کو دونوں ہاتھوں سے دبا رکھا تھا۔

میں نے تھالوب کی طرف دیکھا۔ وہ قبائلی زبان میں اپنے آدمیوں سے باتیں کرنے لگا پھر وہ قبائلی جو ہمیں غار تک لایا تھا آگے بڑھا۔ اس نے اپنی رائفل میرے حوالے کردی اور ایکی مائی کے قریب جا کر رک گیا۔ چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر جھک کر بڑی پھرتی سے ایکی مائی کو اٹھا کر کندھے پر لاد لیا۔ ایکی مائی چیخ رہی تھی۔ شولو نامی اس قبائلی نے ایکی مائی کو بڑی بے دردی سے بوری کی طرح اپنے کندھے پر لاد لیا تھا۔

ہم غار سے باہر آگئے۔ دوسرے قبائلیوں کو ہدایت کردی گئی تھی کہ وہ اپنے ساتھی کی لاش بستی میں لے جائیں اور اس کی آخری رسومات کا بندوبست کریں۔

شولو، ایکی مائی کو بوری ہی کی طرح کندھے پر لادے ہوئے آگے آگے چل رہا تھا۔ ایکی مائی ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔ کسی وقت ٹانگ کو زور کا جھٹکا لگتا تو وہ چیخ اٹھتی۔

جیپ تک پہنچنے میں تقریباً بیس منٹ لگ گئے۔ جیپ کا محافظ قبائلی ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگائے بیٹھا سگار کی شکل کا ملتا جلتا سگریٹ پی رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر اس نے سگریٹ پھینک دی اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

سردار تھالوب نے قریب پہنچ کر جیپ کے دروازے کھول دیے۔ شولو نے ایکی مائی کو پچھلی سیٹ پر اس طرح پٹخا تھا کہ وہ بے اختیار چیخ اٹھی تھی۔ میں بھی جیپ کے پچھلے حصے میں ایکی مائی کے سامنے والی سیٹ پر بیٹھ گیا اور رائفل اپنی گود میں رکھ لی۔ میرا ایک ہاتھ رائفل پر رہتا تھا۔

سردار تھالوب نے اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کیا اور جیپ کو ریورس گیئر میں درختوں سے نکال کر پتھریلے راستے پر لے آیا۔ اس نے دونوں قبائلیوں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ جیپ کو پتھریلے راستے پر ڈال دیا۔

واپسی پر کوئی غیر معمولی یا ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ ہم کانیج پہنچے تو دوپہر کا ایک بج چکا تھا۔ ایکی مائی کو جیپ سے نکال کر ہال کمرے کے قالین پر ڈال دیا گیا۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے تاثرات نمایاں تھے اور وہ متوحش نظروں سے رنگھولی جانی ڈن کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"وانگ ڈن سے معلوم کرو کہ اگر فرسٹ ایڈ کا کوئی سامان"

اس کے زخم کی ڈریسنگ کردو۔" میں نے جانگی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں ہر چیز موجود ہے۔ میں ابھی میڈیسن باکس لے کر آتا ہوں۔" وانگ ڈن کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

چند منٹ بعد ہی وہ اپنے کوارٹر سے میڈیسن باکس لے آیا۔ جانگی ایکی مائی کے قریب بیٹھ گئی اور اس کی ٹانگ پر لپٹی ہوئی پٹی کھولنے لگی۔ یہ کوئی باقاعدہ ڈریسنگ نہیں تھی۔ چادر یا کسی ایسے ہی کپڑے کا ٹکڑا پھاڑ کر باندھ دیا گیا تھا۔ خون کے ساتھ اس پٹی پر ہرے رنگ کا کوئی گاڑھا سا مادہ بھی جما ہوا تھا۔ جانگی اسی خون آلود کپڑے سے زخم اور اس کے آس پاس کی جگہ کو صاف کرنے لگی۔ اسی دوران میں وانگ ڈن دوڑ کر کاٹن کا رول بھی لے آیا تھا۔ جانگی روئی کے ٹکڑے اسپرٹ میں بھگو کر اس کا زخم صاف کرتی رہی۔ ایکی مائی نے دانت بھینچ رکھے تھے۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار نمایاں تھے۔

"یہ زخم کیسے آیا۔ گولی لگی تھی؟" جانگی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" ایکی مائی نے کراہتے ہوئے جواب دیا "میں دوڑتے ہوئے اونچی جگہ سے گری تھی اور اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکی تھی۔ نیچے ایک درخت کا سوکھا ہوا تنا پڑا تھا جس سے تقریباً ڈیڑھ انچ لمبا کانٹے کی طرح نوک دار لکڑی کا ایک ٹکڑا باہر کو نکلا ہوا تھا جو میری ٹانگ میں پیوست ہو گیا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے ٹانگ کو الگ کھینچا تھا۔ زخم سے بے تحاشا خون بہنے لگا تھا۔ میں نے اپنا اسکارف زخم پر باندھ لیا لیکن خون بند نہیں ہوا اور اگر وہ لوگ نہ ملتے تو شاید خون زیادہ بہہ جانے سے میں وہاں جنگل میں پڑے پڑے ہی ختم ہو جاتی۔"

جانگی اس کے زخم کو دبا دبا کر دیکھتی رہی۔ اسے شبہ تھا کہ اگر کوئی پھانس اندر رہ گئی ہو تو خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ لکڑی کا بہت معمولی سا ریشہ بھی پھول کر زخم کو بگاڑ سکتا تھا۔ وہ زخم کو دباتی تو ایکی مائی کراہ اٹھتی۔ کئی مرتبہ چیخ دبانے کے لیے اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔

جانگی نے اطمینان کرلیا تھا کہ زخم کے اندر کوئی پھانس نہیں تھی۔ اس نے دوا لگا کر پٹی باندھ دی۔ خون زیادہ بہہ جانے اور تکلیف سے ایکی مائی کا چہرہ سفید ہو رہا تھا اور اس میں پکڑے جانے کے خوف کا عنصر بھی شامل تھا۔

ایکی مائی کو قالین سے اٹھا کر ایک کمرے میں بیڈ پر لٹا دیا گیا۔ میں اور سردار تھالوب کمرے میں تھے۔ میں نے کمرے کا دروازہ بند کیا تو ایکی مائی کے چہرے پر خوف کے تاثرات کچھ اور گہرے ہو گئے۔

"اب تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں ایکی مائی۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "یا تو تم خود بخود زبان کھول دو یا مجھے تمہاری زبان کھلوانی پڑے گی۔"

"کک..... کیا جاننا چاہتے ہو؟" ایکی مائی نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

"اس سازش میں اور کون کون شریک ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کون سی سازش..... میں..... میں کسی سازش کے بارے میں نہیں جانتی۔" وہ رک رک کر بولی۔

میں نے جیب سے پستول نکال کر نال کی طرف سے پکڑ لیا اور اس کی ٹانگ پر زخم کے قریب دستے سے ہلکی سی ضرب لگائی۔ ایکی مائی چیخ اٹھی۔

"اس غار میں تم نے کہا تھا کہ اگر میں بیچ میں ٹانگ نہ اڑاتا تو تم لوگوں کا منصوبہ اب تک کامیاب ہو چکا ہوتا اور یہاں تم کہہ رہی ہو کہ کسی سازش کے بارے میں نہیں جانتیں اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میرے سامنے تم جھوٹ نہیں بول سکتیں۔ اس کانیج میں ہونے والی تم لوگوں کی ساری گفتگو ہم ریکارڈ کر چکے ہیں۔ سین فونگ کو اگر مائے سا پر شبہ نہ ہو جاتا تو تم لوگوں کی میٹنگ جاری رہتی اور اس کے بعد کی گفتگو بھی ہم ریکارڈ کرلیتے۔"

"مائے سا کون؟" ایکی مائی نے کہا "میں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتی۔"

"وہ لڑکی جسے سین فونگ نے کانیج میں گولی ماردی تھی۔ میں ایک اور بات تمہیں بتا دوں۔ میری دوست تھائی اس وقت دارا کے قبضے میں ہے۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں تم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس لیے بہتر ہے کہ میرے غضب کو ہوا دینے کے بجائے خود ہی زبان کھول دو اور جو کچھ پوچھوں اس کا جواب دیتی رہو۔ بصورتِ دیگر تمہارے اس خوب صورت جسم کے اتنے ٹکڑے کروں گا کہ....."

"کک..... کیا جاننا چاہتے ہو؟" ایکی مائی نے کہا۔ خوف سے اس کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے تھے۔

"سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ دارا اور اس کے ساتھی کہاں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"مم..... مجھے نہیں معلوم۔" ایکی مائی نے جواب دیا "وہ جنگل میں کسی کانیج میں ٹھہرے ہوئے تھے جس کے بارے میں پولیس چیف اور رنگ سنت کے سوا ہم میں سے کسی کو معلوم نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ میں معلوم کرلوں گا۔ اب شہنشاہ کے خلاف اس سازش کے بارے میں بتاؤ۔ اس میں کون کون لوگ شریک ہیں اور اصل منصوبہ کیا ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"ایک منٹ۔" سردار تھالوب نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ چند منٹ بعد وہ ٹیپ ریکارڈر لے آیا جسے اس نے بیڈ سائڈ ٹیبل پر رکھ کر دیوار کے ساکٹ میں پلگ لگا دیا۔

"ہاں۔ اب شروع ہو جاؤ۔" تھالوب نے ریکارڈنگ والا بٹن پُش کرتے ہوئے کہا۔

میں نے ایکی مائی کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔

"میں زیادہ کچھ نہیں جانتی۔" ایکی مائی نے جواب دیا "مجھے نہیں معلوم اس سازش میں اور کون کون لوگ شریک ہیں۔ مجھے تو آنگ سانگ نے یہ لالچ دیا تھا کہ یہ منصوبہ کامیاب ہونے کے بعد مجھے نہ صرف کسی وزارت کا سیکریٹری بنا دیا جائے گا بلکہ بنایا بیچ پر میری پسند کی جگہ مجھے الاٹ کر دی جائے گی اور عالی شان ہوٹل کی تعمیر کے لیے تمام اخراجات بھی دیے جائیں گے۔"

"ہم ان لوگوں کے نام جاننا چاہتے ہیں جو اس سازش میں شریک ہیں۔" یہ سوال سردار تھالوب نے کیا تھا "حکومت کے علاوہ فوج کے کچھ افسران بھی اس میں شریک ہوں گے۔ ان کے نام بتاؤ۔"

"میں تفصیل سے کچھ نہیں جانتی۔" ایکی مائی نے جواب دیا "ویسے میرا خیال ہے اس سازش میں فوج کا کوئی آفیسر ملوث نہیں ہے۔"

"اس قسم کی کوئی سازش فوج کو ملائے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔" سردار تھالوب نے اسے گھورا۔

"ہو سکتا ہے۔" ایکی مائی نے کہا "لیکن میں کچھ نہیں جانتی۔"

"اس سازش میں جنرل کھوراٹ کا کیا کردار ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"سازش کی بنیاد دراصل جنرل کھوراٹ ہی نے رکھی تھی۔" ایکی مائی نے جواب دیا "پچھلے چند برسوں کے دوران میں تھائی لینڈ میں منشیات کی اسمگلنگ پر پابندیوں اور سختی کی وجہ سے جنرل کھوراٹ کو کافی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ لاؤس اور برما کی سرحدوں پر اندرونی بغاوتوں کی وجہ سے ان ملکوں کی فوجیں پھیلی ہوئی ہیں۔ وہ سرحدیں جنرل کھوراٹ کے لیے بالکل غیر محفوظ ہو چکی ہیں۔ اس کی نظریں تھائی لینڈ پر ہیں لیکن پچھلے چند برسوں کے دوران میں اسے یہاں بھی کچھ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس لیے یہ منصوبہ اس نے بنایا تھا۔ تھائی لینڈ میں شہنشاہ کی حکومت کا خاتمہ کر کے وہ اپنی پسند کے آدمی لانا چاہتا ہے۔ اس کے عوض اس کا صرف ایک مطالبہ ہے۔"

"وہ کیا.....؟" میں نے پوچھا۔

"تھائی لینڈ اور گولڈن ٹرائی اینگل کی سرحد پر کنٹرول کے علاوہ وہ تھائی لینڈ میں کسٹمز اور نارکوٹکس کے محکمے مکمل طور پر اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا ہے۔" ایکی مائی نے کہا۔

میں اور سردار تھالوب سوالات کرتے رہے اور ایکی مائی جواب دیتی رہی اور یہ ساری گفتگو ریکارڈ ہوتی رہی۔ تھالوب کی طرح میرا بھی خیال یہ تھا کہ ایکی مائی اب بھی بہت کچھ چھپا رہی ہے۔

"ٹھیک ہے ایکی مائی۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "جو باتیں ہم تم سے معلوم نہیں کر سکے وہ حکومت کے اعلیٰ افسران معلوم کر لیں گے۔ اور تمہیں تو معلوم ہی ہو گا کہ سرکاری اہلکار کس طرح کی زبان کھلوانے کے لیے کیا کیا طریقے استعمال کرتے ہیں۔"

ایکی مائی کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اس کا انجام کیا ہو گا' یہ کوئی معمولی جرم نہیں تھا۔ شہنشاہ کے خلاف سازش سب سے گھناؤنا اور سنگین ترین جرم سمجھا جاتا تھا اور اس کی سزا موت سے کم نہیں ہو سکتی تھی اور عین ممکن ہے ان لوگوں کو اپنی صفائی کا موقع دیے بغیر فائرنگ اسکواڈ کے حوالے کر دیا جائے۔

ہم کمرے سے باہر آ گئے۔ دروازہ کھلا رہنے دیا گیا تھا۔ اس وقت سوا دو بج رہے تھے۔ صبح ایک کپ کافی کے سوا ہم نے کچھ بھی کھایا پیا نہیں تھا۔ لوبا کھانا تیار کر چکا تھا۔

"تم اپنا کھانا لے کر ایکی مائی کے کمرے میں چلی جاؤ اور اسے بھی کچھ کھلا دو۔" میں نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اور سونیا کہاں ہے؟"

"وہ کمرے میں بیڈ پر پڑی ہوئی ہے۔" جانکی نے جواب دیا "وہ سمجھتی ہے کہ شاید ہم جرائم پیشہ ہیں اور اس کے ذریعے اس کی ماں کو بلیک میل کر کے کوئی کام نکلوانا چاہتے ہیں۔"

"اسے رنگ سنت کے بارے میں بتایا تو نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی تک تو کچھ نہیں بتایا گیا۔ اور یہ خبر بھی اسے تم ہی بتاؤ گے کہ اس کی ماں اب اس دنیا میں نہیں رہی۔" اس مرتبہ رنگولی نے جواب دیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ اسے لے کر آؤ۔ ہم اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔" میں نے کہا۔

اور پھر چند منٹ بعد ہم سب میز کے گرد بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ سونیا کے چہرے پر بے پناہ اداسی تھی۔

کھانے کے بعد میں سونیا کو لے کر ایک کونے میں بیٹھ گیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ میں اسے ٹٹولنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس میں حب الوطنی کا کچھ مادہ ہے یا وہ بھی اپنی ماں کی طرح کرپشن اور ہر طرح کی ناجائز آمدنی پر یقین رکھتی ہے۔ اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ ماں کی غیر قانونی سرگرمیوں سے قطعی لاعلم ہے۔ وہ اپنی ماں کو دیوی کا درجہ دیتی ہے۔ جس نے بڑی محنت سے اسے پروان چڑھایا اور اسے زندگی کی تمام آسائشیں مہیا کرنے کے لیے شب و روز کڑی محنت کرتی ہے۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس کی ماں کسی قسم کی غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہو سکتی ہے۔ جبکہ وہ خود محب وطن لڑکی تھی۔ اسے اپنے ملک سے اور اپنے شہنشاہ سے محبت تھی۔ وہ اس بات پر یقین رکھتی تھی کہ تھائی لینڈ کی ترقی اور خوش حالی شہنشاہ کی عوام سے دلچسپی کی مرہونِ منت تھی۔ منشیات

کے حوالے سے بھی اس کے خیالات بڑے واضح تھے۔ اس کا خیال تھا کہ منشیات پیدا کرنے والوں اور فروخت کرنے والوں کو گولیوں سے بھون دینا چاہیے۔ یہ لوگ انسان نہیں موت کے ہرکارے ہیں جو دنیا بھر میں نوجوان اور نوعمر نسل کو تباہ کر رہے ہیں۔

"مگر تم مجھ سے یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟" سونیا نے چبھتی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"اس لیے کہ تمہارے وطن اور شہنشاہ کو اس وقت تم جیسے وفاداروں کی ضرورت ہے۔" میں نے جواب دیا "جو شہنشاہ اور ملک کی سلامتی کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔"

"کیا کہہ رہے ہو؟" سونیا بولی "کیا شہنشاہ یا اس ملک پر کوئی آفت آنے والی ہے؟"

"یہی سمجھ لو۔" میں نے محتاط الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہا "اگر تم سے یہ کہا جائے کہ تمہاری ماں کے دل میں وطن کی وہ محبت نہیں جو ہونی چاہیے تو تم کیا کہو گی؟"

"بکواس۔" سونیا نے جواب دیا "میری ماں ایک محب وطن عورت ہے۔ اس نے ساری زندگی پولیس کے محکمے میں رہ کر اس ملک کی خدمت کرتے ہوئے گزاری ہے۔ اس کی وطن پرستی پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔"

"تمہاری ماں کی تنخواہ بہت معمولی تھی۔ کیا تمہارے خیال میں اس معمولی تنخواہ میں اتنی جائداد بنائی جا سکتی ہے۔ اس طرح شاہانہ انداز میں زندگی گزاری جا سکتی ہے؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" سونیا نے مجھے گھورا "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میری ماں رشوت لیتی ہے یا غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث ہے۔"

"ہاں سونیا۔ کچھ ایسی ہی بات ہے۔" میں نے کہا۔

"جھوٹ بولتے ہو تم۔ بکواس ہے یہ۔" سونیا چیخی "میری ماں ایک شریف عورت ہے۔ اس نے محنت کر کے دولت کمائی ہے۔ جرائم پیشہ تم لوگ ہو۔ مجھے یرغمال بنا کر میری ماں سے کچھ ناجائز کام کروانا چاہتے ہو۔"

"سونیا۔" میں نے بدستور پُرسکون لہجے میں کہا "مجھے یہ کہتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے کہ تمہاری ماں تمہاری طرح محب وطن نہیں تھی۔ اسے شہنشاہ یا اس ملک سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ اسے صرف اور صرف دولت کی چاہت تھی۔ وہ غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث تھی۔ وہ ایسے لوگوں کی آلۂ کار بن گئی تھی جو اس ملک اور شہنشاہ کے خلاف بہت خوفناک سازش میں ملوث ہیں۔"

"تم میری ماں کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کر رہے ہو۔ کیا....."

"ہاں۔ یہ سچ ہے۔ تمہاری ماں اب اس دنیا میں نہیں رہی۔" میں نے کہا۔

سونیا چند لمحے دہشت زدہ سی نظروں سے میری طرف دیکھتی رہی پھر چیخ چیخ کر رونے لگی۔ رنگولی اپنی جگہ سے اٹھ کر ہمارے قریب آ گئی اور سونیا کو بانہوں میں لے کر اسے تسلی دلاسا دینے لگی۔

"نہیں..... نہیں..... میری ماں ایسی نہیں ہو سکتی۔" سونیا روتے ہوئے کہہ رہی تھی "اس پر الزام ہے۔ اس کی کردار کشی کی جا رہی ہے۔"

"حقیقت بہت تلخ ہوتی ہے لیکن اسے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔" میں نے کہا "دولت کی ہوس تو بڑے بڑوں کو جھکنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ تمہاری ماں کمزور تھی۔ دولت کے لالچ نے اسے جھکنے پر مجبور کر دیا اور وہ سازشیوں کا آلۂ کار بن گئی۔ آؤ..... میں تمہیں ایک ایسی ہستی سے ملواتا ہوں جو میری بات کی تصدیق کر دے گی۔ لیکن اس سے پہلے میں تمہیں ایک ریکارڈ شدہ گفتگو سنوانا چاہتا ہوں۔ ان آوازوں میں تم اپنی ماں کی آواز پہچان لو گی۔" میں نے اٹھ کر پرانا کیسٹ لگا کر ٹیپ ریکارڈر چلا دیا۔ یہ کانیچ میں ہونے والی میٹنگ کا ٹیپ تھا۔ اس میں کم از کم تین جگہوں پر رنگ سنت کی آواز موجود تھی۔ میں ریکارڈر بند کر کے سونیا کو ایکی مائی والے کمرے میں لے گیا۔ جانکی اس وقت بھی ایکی مائی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

"یہ ایکی مائی ہے۔ حکومت کی ایک اعلیٰ آفیسر۔ یہ بھی شہنشاہ کے خلاف اس گھناؤنی سازش میں شریک ہے۔ یہ تمہیں بتائے گی کہ تمہاری ماں کا اس سازش میں کیا کردار تھا۔" میں نے خاموش ہو کر ایکی مائی کی طرف دیکھا "ایکی مائی۔ بتاؤ اسے رنگ سنت کی اصلیت کیا تھی اور جب اسے گولی لگی تو وہ کہاں تھی اور کیا کر رہی تھی۔"

"رنگ سنت' سین فونگ کے ساتھ میٹنگ میں ہمارے ساتھ تھی۔ میٹنگ کے سارے انتظامات اسی نے کیے تھے اور جب کانیچ پر حملہ ہوا تو رنگ سنت نے دوسری لڑکیوں کے ساتھ وہاں سے جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر دارا نے اسے گولیاں مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اگر رنگ سنت یا کوئی اور لڑکی تم لوگوں کے ہاتھ لگ گئی تو میٹنگ کا سارا راز فاش کر دے گی۔"

میں چونک گیا۔ یہ میرے لیے ایک نیا انکشاف تھا کہ رنگ سنت دارا کے ہاتھوں ماری گئی تھی۔ میں تو یہی سمجھتا رہا تھا کہ وہ ہم میں سے کسی کی گولیوں کا شکار ہوئی تھی۔

سونیا پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ ٹیپ شدہ آواز اور ایکی مائی کی باتیں سن کر اسے یقین ہو گیا تھا کہ میں نے اس کی ماں کے بارے میں جو کچھ بھی کہا تھا' وہ غلط نہیں تھا۔

جانکی سونیا کو کمرے سے باہر لے آئی۔ رنگولی بھی اس کے پاس آ گئی اور پھر میرے اشارے پر وہ دونوں اسے باہر تازہ ہوا میں لے گئیں۔ میں نے سردار تھالوب کو بتا دیا کہ رنگ سنت ہم میں سے کسی کی گولی کا نشانہ نہیں بنی تھی بلکہ اسے دارا نے مارا تھا۔

ایکی مائی کے اس انکشاف سے ہمارا کام آسان ہوگیا تھا۔ سونیا یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ اس کی ماں کو ہم نے مارا تھا۔

"میرا خیال ہے اب مہاراج کو صورتِ حال سے آگاہ کردینا چاہیے۔" میں نے سردار تھالوب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سردار تھالوب نے جواب دینے کے بجائے ٹیلی فون اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے ریسیور اٹھایا اور بنکاک کا نمبر ملانے لگا۔ اس مرتبہ مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ کال مہاراج ہی نے ریسیو کی تھی۔ دو تین منٹ رسمی جملوں کے تبادلے میں گزر گئے۔ پھر میں مہاراج کو بیتے ہوئے تمام واقعات کی تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں، میں کہہ رہا تھا۔

"اگر سردار تھالوب میرا ساتھ نہ دیتا تو ہم اس مشن میں کامیاب نہیں ہوسکتے تھے۔ ہمارے پاس ایسی بہت سی شہادتیں موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوجائے گا کہ شہنشاہ کے خلاف اس سازش کے تانے بانے کب اور کیسے بُنے گئے۔ آنگ سانگ اگرچہ فرار ہوگیا ہے لیکن ایکی مائی میرے قبضے میں ہے۔ اس سے ان تمام لوگوں کے نام معلوم کیے جاسکتے ہیں جو اس سازش میں شریک ہیں۔"

"میں تمہاری کارکردگی سے بہت خوش ہوں وجدان۔" مہاراج نے کہا۔ "تمہیں ایکی مائی اور وہ کیسٹ لے کر فوراً بنکاک آنا ہوگا۔ میں رتنا کوسن سے بات کرتا ہوں۔ وہ تمہارے لیے ایک خصوصی طیارہ چیانگ رائے بھیج دے گا۔ خصوصی جہاز دو ڈھائی گھنٹوں میں چیانگ رائے ائرپورٹ پر پہنچ جائے گا۔"

"میں بنکاک نہیں آسکتا مہاراج۔" میں نے جواب دیا "تھائی، دارا کے قبضے میں ہے۔ اس کی جان کو خطرہ ہے۔ مجھے نہ صرف تھائی کو اس کے شکنجے سے چھڑوانا ہے بلکہ آنگ سانگ اور سین فونگ وغیرہ کو بھی تلاش کرنا ہے اس کے علاوہ اور ایسے بہت سے کام ہیں جن کے لیے یہاں میری موجودگی بہت ضروری ہے۔ ایکی مائی اور کیسٹ منگوانے کے لیے آپ کو کوئی اور بندوبست کرنا ہوگا۔"

"فی الحال کسی اور پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔" مہاراج نے جواب دیا "اپنا فون نمبر دو۔ میں تھوڑی دیر بعد تم سے بات کروں گا۔"

میں نے مہاراج کو فون نمبر لکھوا دیا اور پھر فون کا ریسیور سردار تھالوب کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ تقریباً پانچ منٹ تک مہاراج سے بات کرتا رہا پھر ریسیور رکھ دیا۔

سونیا وغیرہ باہر ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہم بھی باہر آگئے۔ آسمان پر ایک بار پھر بادل چھاگئے تھے۔ سونیا اب بھی رو رہی تھی اور رنگولی اور جانکی اسے دلاسے دے رہی تھیں۔ میں اور سردار تھالوب بھی قریب ہی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"سونیا۔" سردار تھالوب نے اپنی کرسی پر قدرے آگے جھکتے ہوئے کہا "اب تمہیں اندازہ ہوگیا ہوگا کہ وہ لوگ کیسے وطن فروش اور کتنے بے ضمیر ہیں۔ انہوں نے محض اس لیے تمہاری ماں کو گولی مار دی کہ پکڑے جانے کی صورت میں وہ ان کا راز فاش نہ کردے۔ اس سے سمجھ سکتی ہو کہ انہیں صرف اور صرف اپنا مفاد عزیز ہے۔ کسی دوسرے کی زندگی کی انہیں قطعی پروا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے وطن کے خلاف سازشیں کرتے ہیں، انہیں دوسروں کی زندگیوں کی کیا پروا ہوسکتی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"تمہاری ماں لالچ میں آگئی تھی۔ اس سے غلطی سرزد ہوگئی اور یہ غلطی اس کے نام پر بدنما دھبا بن گئی ہے۔ تم اپنی ماں کے نام سے اس داغ کو دھو سکتی ہو۔ تم محبِ وطن ہو۔ وقت پڑنے پر تم شہنشاہ اور وطن کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی ہو۔"

"میں..... میں اپنی ماں کے قاتل کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" سونیا مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولی "شہنشاہ اور اپنے وطن کے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے۔ میں انہیں تلاش کروں گی اور چن چن کر انہیں موت کے گھاٹ اتار دوں گی۔ مجھے بتاؤ وہ کون لوگ ہیں اور یہ دارا کون ہے جس نے میری ماں کو گولی ماری تھی۔"

"دارا ایک خوں خوار درندے کا نام ہے۔" سردار تھالوب نے جواب دیا "وہ اب تک درجنوں بے گناہوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ چند روز پہلے میرے پانچ آدمی بھی اس کی درندگی کا شکار ہوچکے ہیں۔ گزشتہ رات وہ ہماری ایک ساتھی کو اٹھا کر لے گیا ہے لیکن ہم اسے تلاش کرلیں گے۔ وہ ہر مرتبہ بچتا رہا ہے لیکن اس مرتبہ وہ ہمارا گھیرا توڑ کر نہیں جاسکے گا۔ آج کی رات..... آج رات اس کی قسمت کا فیصلہ ہوجائے گا۔"

سونیا کبھی میری طرف اور کبھی سردار تھالوب کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ ہولے ہولے ہچکیاں لے رہی تھی۔ پھوٹ پھوٹ کر رو لینے سے اس کے دل کا غبار نکل گیا تھا لیکن ماں کی موت کا صدمہ آسانی سے نہیں بھلایا جاسکتا تھا۔

ہم میں سے کوئی بھی صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے شہر کی طرف نہیں گیا تھا۔ سردار تھالوب نے وانگ ڈن کو کچھ ہدایات دیتے ہوئے شہر بھیج دیا۔ ہم ابھی لان ہی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ لوما نے برآمدے میں نمودار ہو کر بتایا کہ بنکاک سے میرے لیے کال آئی ہے۔ میں اٹھ کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اندر آگیا۔ سردار تھالوب بھی میرے پیچھے ہی آگیا تھا۔

وہ مہاراج کا فون تھا۔ میں نے تعظیمی جملے ادا کیے اور پھر مہاراج بھی جلد ہی اصل موضوع پر آگئے۔

"وجدان۔" مہاراج کہہ رہے تھے "رتنا کوسن تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں ذرا تفصیل سے سب کچھ بتادو۔"

چند لمحے خاموشی رہی پھر ریسیور پر رتنا کوسن کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو مسٹر مین! کیسے ہو؟"

"بالکل ٹھیک ہوں باس۔ آپ نے مہاراج سے خوش خبری تو سن لی ہوگی۔"

"ہاں۔ میں تمہاری کارکردگی سے بہت خوش ہوں۔ تم نے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ حکومت تمہاری خدمات کو فراموش نہیں کرے گی۔ بہرحال، میں تم سے تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔"

میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر رتنا کوسن کو شروع سے سب کچھ بتانے لگا۔ میں نے اس مشن کی کامیابی میں سردار تھالوب کا بہت مناسب الفاظ میں تذکرہ کیا تھا۔

"مہاراج نے بتایا تھا کہ دارا نے تمہاری ایک ساتھی کو قبضے میں لے رکھا ہے۔" میرے..... خاموش ہونے پر رتنا کوسن نے کہا۔

"یس باس۔" میں نے جواب دیا "اگر یہاں کی صورتِ حال مختلف نہ ہوتی تو ایکی مائی کو لے کر میں خود بنکاک پہنچ جاتا۔ اب آپ کو فوری طور پر کوئی بندوبست کرنا چاہیے۔ تاخیر خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔"

"میں آج رات کسی وقت تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔" رتنا کوسن نے جواب دیا "ہماری آمد بالکل خفیہ ہوگی۔ کسی کو علم نہیں ہونا چاہیے۔ اب تم کھل کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکتے ہو۔ میں چیانگ رائے میں پولیس کے انسپکٹر جنرل کو فون کردیتا ہوں۔ اگر اس کی مدد کی ضرورت محسوس کرو تو اسے فون کردینا۔ وہ تم سے ہر قسم کا تعاون کرے گا۔"

"یس باس۔" میں نے جواب دیا پھر میں نے مہاراج سے کچھ ہدایات لی اور فون بند کردیا۔

"رتنا کوسن آج رات کسی وقت یہاں پہنچنے والا ہے۔" میں نے ریسیور رکھ کر تھالوب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تھالوب کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

رنگولی اب بھی سونیا کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی جبکہ جانکی کمرے میں ایکی مائی کے پاس چلی گئی تھی۔ میں اور تھالوب ہال کمرے ہی میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

پانچ بجے کے قریب وانگ ڈن واپس آگیا۔ اس کی اطلاع کے مطابق شہر میں ہنگامی صورتِ حال تھی۔ پولیس چیف اور رنگ کے قتل کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس کے علاوہ جنرل مہاراج کا ایک آدمی بھی مارا گیا تھا۔ کانیج سے تین لڑکیوں کی لاشیں بھی ملی تھیں۔ ان میں ایک مائے سا کی لاش تھی اور دو سری لڑکیوں کو بھی شناخت کرلیا گیا تھا۔ وہ سوسائٹی گرلز تھیں اور چیانگ رائے سے خاص طور پر لایا گیا تھا۔

ایک دلچسپ اطلاع یہ بھی تھی کہ سین فونگ اور آنگ سانگ بھی زخمی ہوئے تھے۔ سین فونگ تو رات ہی کو گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف نکل گیا تھا اور آنگ سانگ شہر ہی میں کہیں روپوش تھا۔

"اسپتال میں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے وانگ ڈن کی طرف دیکھا۔

"وہ اسپتال میں نہیں ہے باس۔" وانگ ڈن نے جواب دیا "شہر میں چند ایک پرائیویٹ کلینک ہیں۔ میں نے تمام جگہوں پر چیک کرلیا ہے۔ وہ کہیں بھی نہیں ہے لیکن ظاہر ہے۔ وہ زخمی ہے اور اسے علاج بھی کروانا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ کسی کانیج میں چھپا کسی ڈاکٹر سے پرائیویٹ طور پر علاج کروا رہا ہو۔"

"اسے ہر صورت میں تلاش کرنا ہوگا۔" میں نے کہا "ممکن ہے وہ کھلائی والے کانیج میں دارا وغیرہ کے ساتھ ہو۔ تم تیاری کرلو۔ ہم شام کا اندھیرا پھیلنے کے فوراً بعد اس کانیج پر ریڈ کریں گے۔ تھائی بھی وہیں ہوگی ہمیں ہر صورت میں دارا کو بھی اس کے شکنجے سے نکالنا ہے۔"

"میں تیار ہوں باس۔" وانگ ڈن نے کہا "اور کون کون جائے گا؟"

"ان کی تعداد نصف درجن سے کم نہیں ہوگی۔ اگر پلاننگ سے حملہ کیا جائے تو ہم چار ہی کافی ہوں گے۔ میرے اور تمہارے علاوہ دو آدمی اور ہوں گے۔ ان کا بندوبست تم کرلو۔"

"ایک تو میں ہوں۔ چوتھے آدمی کا بندوبست بھی ہوجائے گا۔" قریب بیٹھے ہوئے سردار تھالوب نے کہا۔

میں مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ سردار تھالوب اس معاملے میں پیچھے نہیں رہے گا۔

"اور میں بھی تو ہوں۔ مجھے کیوں بھول رہے ہو؟" جانکی کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ اور پھر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ جانکی اس معاملے میں کیسے پیچھے رہ سکتی تھی۔

وانگ ڈن صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے ایک بار پھر شہر چلا گیا۔ اس مرتبہ اس کی واپسی سات بجے کے قریب ہوئی تھی۔ اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔

"سین فونگ نے سرحد پار نہیں کی۔" اس نے بتایا "اسے دو گولیاں لگی ہیں۔ ایک ٹانگ میں اور ایک بازو میں۔ وہ شہر ہی میں موجود ہے اور ڈاکٹر چانگ سے اپنا علاج کروا رہا ہے۔"

"اوہ!" میں اچھل پڑا "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"اتفاق سے۔" وانگ ڈن مسکرایا "اور میں نے اس کی تصدیق کرلی ہے۔ وہ روسائی ولا کے عقب میں واقع ایک کانیج میں مقیم ہے۔ میں اس طرف کا بھی چکر لگا آیا ہوں۔ چوتھی گلی کے کارنر والا کانیج ہے اور یہ کانیج بھی پولیس چیف کی ملکیت ہے۔"

"اسے ہم بعد میں دیکھیں گے۔ پہلے ہمیں دارا اور آنگ سانگ کی خبر لینی ہے اور میرے خیال میں اب ہمیں روانہ ہوجانا چاہیے۔" میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

اور پھر دس منٹ بعد ہم وہاں سے روانہ ہوگئے۔ اسٹیئرنگ

وانگ ڈن نے سنبھال رکھا تھا۔ اس کے ساتھ والی سیٹ پر سردار تھالوب بیٹھا تھا۔ میں اور جانکی جیپ کی پچھلی سیٹوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے پاس لوڈڈ رائفلیں تھیں اور فاضل میگزین بھی موجود تھے۔

اس روز وانگ سائی سے ہم نے کھلائی کے علاقے میں واقع اس کانیج کا پتا معلوم کرلیا تھا جہاں دارا اور اس کے ساتھی چھپے ہوئے تھے اور بعد میں رنگ سنت سے بھی اس کی تصدیق ہوگئی تھی اور مجھے یقین تھا کہ دارا وغیرہ کے علاوہ آنگ سانگ بھی وہیں ہوگا۔

کھلائی تک پہنچنے کا آسان راستہ تو یہ تھا کہ ہم گولڈن ٹرائی اینگل روڈ کی طرف نکلتے اور وہاں سے کھلائی کا رخ کرتے لیکن گولڈن ٹرائی اینگل روڈ پر پولیس کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ اس طرف چیکنگ کا بھی اندیشہ تھا۔ اس لیے وانگ ڈن نے شہر سے نکلتے ہی جیپ پہاڑوں میں ایک کچے اور غیر ہموار راستے پر موڑ لی تھی اور کچھ آگے جانے کے بعد اس نے ہیڈ لیمپس بھی بجھا دیے تھے۔

ناہموار پر پیچ پہاڑی راستے پر روشنی کے بغیر گاڑی چلانا کافی خطرناک تھا لیکن وانگ ڈن بہت احتیاط سے ڈرائیو کررہا تھا۔ تقریباً چار کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وانگ ڈن نے جیپ روک لی اور ہم نیچے اتر آئے۔ وانگ ڈن نے جیپ کے دروازے لاک کردیے اور ہم اپنی رائفلیں سنبھالے ایک قطار میں ایک تنگ سے راستے پر چلنے لگے۔ راستہ بتدریج بلندی کی طرف جارہا تھا۔ سب سے آگے وانگ ڈن تھا۔ اس کے پیچھے میں پھر جانکی اور آخر میں سردار تھالوب تھا۔

نصف کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم رک گئے۔ سامنے تقریباً سو گز کے فاصلے پر درختوں کے جھنڈ میں ایک کانیج کی کھڑکی سے روشنی جھلکتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

میں اور جانکی ایک طرف ہولیے اور وانگ ڈن اور تھالوب مختلف سمتوں سے اس کانیج کی طرف بڑھنے لگے۔ میں آگے تھا اور جانکی مجھ سے دو قدم پیچھے۔ راستہ خاصا دشوار تھا۔ تاریکی میں چلنا کچھ اور بھی مشکل ہورہا تھا۔ ہم بہت محتاط انداز میں قدم اٹھا رہے تھے۔

کانیج سے تقریباً پچاس قدم کے فاصلے پر ہم رک گئے۔ جانکی میرے دائیں طرف تھی۔ میں نے جانکی کو اشارہ کیا اور خود قدرے دائیں طرف ہٹ کر محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگا۔ میرا رخ اس کھڑکی کی طرف تھا جہاں روشنی ہورہی تھی۔

کمرے کے اندر ایک سایہ حرکت کرتا ہوا نظر آیا۔ اس کے چند ہی سیکنڈ بعد دوسرے کمرے کی بتی جلی اور تھوڑی دیر بعد بجھ گئی۔ وہ سایہ ایک بار پھر پہلے کمرے میں نظر آیا اور پھر ایک طرف ہٹ کر نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔

میں کچھ اور آگے بڑھ کر رک گیا اور کھڑکی سے جھانکنے کی کوشش کرنے لگا۔ اندر کی طرف پردہ لٹکا ہوا تھا اس لیے کچھ نہیں نظر آرہا تھا۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ میری اطلاع کے مطابق اس کانیج میں پانچ چھ آدمیوں کو ہونا چاہیے تھا اور جہاں اتنے لوگ موجود ہوں وہاں ایسی خاموشی خیز تھی۔

میں کانیج کی عقبی سمت میں تھا۔ اچانک سامنے کی طرف دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی سردار تھالوب کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"خبردار! اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔"

میں اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور جانکی کو اشارہ کیا اور ہم پوزیشن لے کر بیٹھ گئے۔ میرا خیال تھا کہ کوئی نہ کوئی اوہم آنے کی کوشش کرے گا مگر کوئی افراتفری نہیں مچی۔ کوئی شور نہیں اٹھا۔ میں نے جانکی کو اشارہ کیا اور دوڑتا ہوا کانیج کے سامنے والے رخ پر پہنچ گیا۔ وانگ ڈن برآمدے کے ستون کی آڑ میں پوزیشن سنبھالے کھڑا تھا۔ پہلے تو اس نے ہمیں للکارا لیکن میری آواز سن کر سامنے آگیا۔ میں دوڑتا ہوا اس کمرے میں آگیا جس میں روشنی ہورہی تھی۔ سردار تھالوب ایک بوڑھے آدمی کو رائفل کی نوک پر لیے کھڑا تھا اور وہ بوڑھا خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔

اور پھر یہ انکشاف ہمارے لیے خاصا سنسنی خیز ثابت ہوا کہ بوڑھا اس کانیج کا چوکی دار تھا اور دارا وغیرہ آج صبح سویرے ہی کانیج خالی کرگئے تھے۔ بوڑھے کی باتوں سے پتا چلا کہ آنگ سانگ بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس کی ٹانگ میں گولی لگی تھی۔ بوڑھے نے آنگ سانگ کا جو حلیہ بتایا بوڑھے نے اس کی تصدیق کردی تھی۔

"ان کے ساتھ ایک عورت بھی تھی اور وہ بھی زخمی تھی۔" بوڑھے نے بتایا۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ بوڑھے نے اس کا جو حلیہ بتایا تھا اس سے تصدیق ہوگئی تھی کہ وہ تھائی تھی۔ بوڑھے کے بیان کے مطابق اس کے بازو میں گولی لگی تھی۔

"یہ لوگ کہاں گئے ہیں؟" میں نے بوڑھے چوکیدار سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔" بوڑھے نے جواب دیا "میں تو اپنے گھر پر تھا۔ مالک نے حکم دیا کہ میں کانیج چلا جاؤں اور جب یہاں آیا تو کانیج خالی تھا۔"

"اس کانیج کا مالک کون ہے؟ کہاں رہتا ہے وہ؟" میں نے پوچھا۔

"پریرے۔ مسٹر پریرے اس کانیج کا مالک ہے۔ شہر میں پریرے ہوٹل اسی کا ہے اور پریرے ہاؤس بھی اسی کی ملکیت ہے۔ وہ اس بلڈنگ کے پنٹ ہاؤس میں رہتا ہے۔" چوکیدار نے جواب

میں نے سردار تھالوب کی طرف دیکھا۔ اس نے سر ہلا دیا۔

"میرا خیال ہے ہمیں پریرے سے ان کے بارے میں پتا چل جائے گا۔ اس لیے اب ہمیں یہاں رک کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" تھالوب نے کہا اور پھر چوکیدار کی طرف متوجہ ہوگیا "تم ہمیں یہ تو بتاؤ گے کہ ہم یہاں آئے تھے۔ ورنہ زمین میں گاڑ کر تمہیں جانے ہو نا مجھے؟"

"جانتا ہوں سردار۔" بوڑھا ہکلایا "میں اپنی زبان بند رکھوں گا۔ کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ آپ لوگ یہاں آئے تھے۔"

"کہیں یہاں کی تلاشی لے لی جائے۔ شاید کوئی ایسا سراغ مل جائے جس سے پتا چل سکے کہ وہ لوگ کہاں گئے ہیں۔" میں نے سردار تھالوب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بیکار ہے۔" سردار تھالوب نے کہا "یہ بوڑھا دوپہر سے یہاں آیا ہوا ہے۔ اس نے صفائی وغیرہ کی ہوگی۔ میرا خیال ہے ہمیں کوئی سراغ نہیں ملے گا۔ گھبراؤ نہیں۔" اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا "دارا تھائی کو اس وقت تک کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا جب تک وہ تمہارے سامنے کوئی مطالبہ پیش نہیں کرتا اور تم اسے رد نہیں کردیتے۔ ہم بہت جلد ان کا سراغ لگا لیں گے۔ ہوسکتا ہے آج ہی رات.... آؤ۔ اب چلیں۔"

سردار تھالوب نے ایک بار پھر بوڑھے چوکیدار کو اپنی زبان بند رکھنے کی تنبیہ کی اور ہم واپسی کے لیے روانہ ہوگئے۔ سردار تھالوب اور میں ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور وہ مجھے پریرے کے بارے میں بتا رہا تھا۔

پریرے ایک ریٹائرڈ پولیس آفیسر تھا۔ اس نے ساری زندگی اس محکمے میں گزاری تھی۔ چنانچہ سائین اور آس پاس کی بستیوں میں رہنے والے ایک ایک شخص کو جانتا تھا۔ وہ منشیات کی اسمگلنگ میں ملوث بھی رہا تھا لیکن ہر وقت پکڑے جانے کا خوف لگا رہتا تھا۔ قانون سے بچنے کے لیے اس نے قانون کا سہارا لیا اور علاقے میں کانسٹیبل بھرتی ہوگیا۔ پولیس کی وردی پہن لینے کے بعد اسے آزادی اور دیدہ دلیری سے منشیات کے اسمگلروں کے لیے کام کرنے لگا۔ صرف ایک پریرے ہی نہیں کیا محکمہ اس محکمے کا ہر فرد کرپشن کا ایجنٹ بنا ہوا تھا۔ گولڈن ٹرائی اینگل واقعی سنہری علاقہ تھا جہاں سونا پیدا ہوتا تھا، یہاں سے دنیا بھر کو منشیات سپلائی کی جاتی تھی۔ یہ ایک ایسی بستی گردانا تھی جس میں ہر بے ضمیر اور دولت کا بھوکا شخص کود پڑنے کی کوشش کررہا تھا۔

سردار تھالوب چالاک آدمی تھا۔ ایک طرف وہ منشیات کے خلاف محکمے کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کررہا تھا اور دوسری طرف خود بھی منشیات کا دھندا کرنے والوں کو پکڑ کر قانون کے حوالے بھی کرتا رہا۔ اس کی یہ کارکردگی اسے اوپر جانے کے لیے سیڑھی کا کام دیتی رہی اور معمولی کانسٹیبل بھرتی ہونے والا پریرے اٹھارہ سال بعد پولیس چیف کے عہدے پر پہنچ گیا۔

پریرے اس عہدے پر سات سال رہا۔ پولیس میں بھرتی ہونے کے بعد ان پچیس برسوں میں اس نے بے حساب دولت بنائی تھی۔ پریرے ہوٹل شہر کا دوسرے نمبر پر سب سے بڑا ہوٹل تھا جس کا ایک حصہ نائٹ کلب اور جوئے خانے پر مشتمل تھا۔ پریرے ہاؤس چھ منزلہ عالی شان بلڈنگ تھی جس میں رہائشی فلیٹ تھے۔ اس بلڈنگ کے پنٹ ہاؤس میں پریرے کی اپنی رہائش تھی۔ پنٹ ہاؤس کی نہ صرف لفٹ الگ تھی بلکہ عقبی گیٹ سے لفٹ تک جانے کا ایک راستہ بھی الگ تھا۔

ہوٹل اور پریرے ہاؤس کے علاوہ پریرے نے اور بھی بڑی لمبی چوڑی جائداد بنائی تھی۔ شہر کے نواح میں خوب صورت مقامات پر اس کے کئی کانیج تھے جو بارہ مہینے کرائے پر اٹھے رہتے تھے۔ سیاحت کے سیزن کے علاوہ بھی گولڈن ٹرائی اینگل کے نام کی کشش لوگوں کو اس طرف کھینچ لاتی تھی۔ شہر میں بھی پریرے کے کانیج نما پانچ چھ بنگلے تھے جو مستقل طور پر کرائے پر اٹھے رہتے تھے۔

پریرے کی بیوی کا عرصہ پہلے انتقال ہوچکا تھا۔ اس نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔ اس نے اس کی کبھی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔ اس کی ضرورت تو ویسے ہی پوری ہوجاتی تھی۔ ہر رات کوئی نہ کوئی حسین عورت اس کے بستر پر موجود ہوتی جسے صبح رخصت کردیا جاتا۔ کوئی عورت بہت زیادہ پسند آجاتی تو وہ کئی روز تک اس کے ساتھ نظر آتی اور پھر اس کی جگہ کوئی اور عورت لے لیتی۔ ایسی عورتوں کے ہوتے ہوئے پریرے نے پیروں میں مستقل زنجیر ڈالنے کا کبھی نہیں سوچا تھا۔

"میں وہ بے ضمیر لوگ ہیں جو چند بھات کے لیے اپنے ملک سے غداری کرکے دشمنوں کے اندر آنے کا راستہ ہموار کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اگر اپنی ماں کی اچھی قیمت ملے تو یہ اس کا بھی سودا کردیتے ہیں۔" آخر میں سردار تھالوب کہہ رہا تھا "اگر یہاں کی پولیس فرض شناس ہوتی تو جنرل کھوراٹ جیسے لوگوں کو کبھی اپنے گھناؤنے مقاصد کے لیے ہماری زمین استعمال کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔"

"ٹھیک کہتے ہو سردار۔" میں نے کہا "دشمن سینہ چاک کردے تو زیادہ دکھ نہیں ہوتا لیکن اگر زخم اپنوں سے لگے تو کلیجا پھٹ جاتا ہے۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے جیپ کے قریب پہنچ گئے۔ پہلے کی طرح وانگ ڈن نے اسٹیئرنگ سنبھالا، سردار تھالوب پسنجرز سیٹ پر اور میں جانکی کے ساتھ پچھلی سیٹ پر آگیا۔ جیپ جنگل میں کچے راستے پر دوڑنے لگی۔ اب وانگ ڈن نے ہیڈ لیمپس روشن کرلیے تھے۔

ہمارا آج کا یہ مشن بری طرح ناکام رہا تھا۔ جس کا مجھے بے حد افسوس تھا۔ تھائی اب بھی دارا کے قبضے میں تھی اور وہ لوگ اسے لے کر وہاں سے غائب ہوگئے تھے۔ دارا وغیرہ کو شاید شبہ ہوگیا تھا

کہ ہمیں اس کے ٹھکانے کا پتا چل چکا ہے اور اس نے فوراً ہی وہ جگہ چھوڑ دی تھی لیکن میرے ذہن میں یہ سوال کلبلا رہا تھا کہ اسے یہ شبہ کیسے ہوا ہوگا؟ کیا گزشتہ رات میٹنگ کے دوران میں رنگ سنت نے دارا کو بتایا ہوگا نہیں وہ ایسا نہیں کرسکتی تھی۔ اس کی بیٹی ہمارے قبضے میں تھی۔ وہ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

ہم نے وانگ سائی کو اس کے فلیٹ سے اٹھالیا تھا اور دارا کا پتا معلوم کرنے کے بعد اسے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ وانگ سائی دارا کا آدمی تھا جسے پولیس چیف کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنے کے لیے شہر میں چھوڑا گیا تھا۔ دارا سے اس کا رابطہ رہتا تھا اور وانگ سائی کو اٹھالینے کے بعد یہ رابطہ ختم ہوگیا تھا۔ ہوسکتا ہے بعد میں دارا نے اسے تلاش کرنے کی کوشش بھی کی ہو اور گزشتہ رات جب میٹنگ کے دوران میں مائے ساکے لباس میں لگے ہوئے بٹنوں میں ڈکٹا فونز کا انکشاف ہوا تھا تو دارا کو شبہ ہوگیا ہوگا۔ وہ بہت چالاک آدمی تھا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ جو شخص اس خفیہ میٹنگ میں اپنی ایجنٹ کو بھیج سکتا ہے۔ وہ اس کے ٹھکانے کا پتا بھی چلا سکتا ہے اس لیے وہ آج صبح سویرے ہی اس کانیج سے فرار ہوگئے تھے۔

میں یہ سب کچھ سوچتا رہا اور جیپ جنگل سے نکل کر پختہ سڑک پر آگئی۔ جیپ ایک دوسرے راستے سے شہری حدود میں داخل ہوئی تھی اور پھر جیپ جیسے ہی کوئی روڈ پر پہنچی' سردار تھالوب نے وانگ ڈن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جیپ کو رومائی ولا کے ساتھ والی سڑک پر موڑ لو۔ ذرا سین فونگ کی مزاج پرسی بھی کرتے چلیں۔ کیا خیال ہے ماسٹر۔" اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا۔

"مناسب خیال ہے۔" میں نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا "اسے کم از کم یہ تو پتا چل جائے گا کہ ہم اس کی طرف سے بے خبر نہیں ہیں۔"

وانگ ڈن نے جیپ کی رفتار کم کردی۔ اس وقت رات کے گیارہ بجے تھے۔ گزشتہ کئی روز سے شہر کے نواح میں ہونے والی قتل و غارت نے شہر کی رونق بھی اجاڑ دی تھی۔ لوگ سرِشام ہی گھروں میں بند ہوجاتے اور آٹھ نو بجے تک تو شہر کی بیشتر دکانیں بھی بند ہوجاتیں۔ اِکا دُکا ریسٹورنٹس ہی کھلے رہتے تھے۔

اس وقت بھی کچھ ایسی ہی صورتِ حال تھی۔ کوئی روڈ تو بالکل سنسان پڑی تھی۔ وانگ ڈن نے جیپ رومائی ولا کے ساتھ والی سڑک پر موڑ دی۔ یہ رہائشی علاقہ تھا۔ سڑک کے دونوں طرف متعدد گلیاں تھیں جن میں خوب صورت کانیج اور بنگلے تھے۔ ان گلیوں میں بھی سناٹا تھا۔

وانگ ڈن نے آج دن میں ہی معلوم کرلیا تھا کہ سین فونگ کہاں چھپا ہوا ہے۔ اس نے ایک جگہ جیپ روک کر انجن بند کردیا۔

"تم جیپ میں بیٹھی رہو مگر ہوشیار رہنا۔ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔"

سردار تھالوب نے جانگی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ہم تینوں نیچے اتر آئے۔

جیپ تیسری گلی کے موڑ پر روکی گئی تھی جبکہ وہ کانیج گلی کے موڑ پر تھا۔ ہم بہت محتاط انداز میں اس کانیج کے قریب پہنچ گئے۔ کانیج کے اندر اگرچہ بتی جل رہی تھی مگر کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ سردار تھالوب نے وانگ ڈن کو گلی کے موڑ پر روک دیا اور میں اس کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ بنگلے کی دیوار کے قریب پہنچ کر ہم رک گئے۔

میں نے تھالوب کی طرف دیکھا۔ رائفل کندھے پر لٹکائی اور اچک کر دیوار پر چڑھ گیا۔ دوسری طرف کودنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ چند سیکنڈ بعد سردار تھالوب بھی دیوار پر چڑھ کر اندر آچکا تھا۔

ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ اندر کتنے آدمی ہوسکتے ہیں۔ میں نے سردار تھالوب کو دائیں طرف جانے کا اشارہ کیا اور خود بائیں طرف چلنے لگا۔ دونوں طرف چند فٹ چوڑے گلیارے سے گھوم کر پچھلے آنگن سے جا ملتے تھے۔ براہِ راست برآمدے والے دروازے کا رخ کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا اسی لیے ہم پہلے اطراف کی کھڑکیوں سے جائزہ لے لینا چاہتے تھے کہ اندر کتنے دشمن ہوسکتے تھے۔

میں بائیں طرف والے گلیارے میں داخل ہو کر ایک کھڑکی کے سامنے رک گیا۔ کھڑکی کے دوسری طرف مدھم سی روشنی تھی۔ یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا تھا کہ یہ روشنی کسی اور طرف سے اس کمرے میں پہنچ رہی تھی۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی مگر اندر کی طرف دبیز پردہ لٹکا ہوا تھا۔ میں نے گرل میں ہاتھ ڈال کر پردہ آہستگی سے ایک طرف ہٹایا تو اس کے ساتھ ہی اچھل پڑا۔

یہ ہال کمرا تھا جس میں راہداری میں جلنے والے بلب کی روشنی پہنچ رہی تھی اور اسی روشنی میں نظر آنے والا وہ منظر بہت ہی خوفناک تھا۔

وہ لاش صوفے پر اس طرح پڑی تھی کہ اس کی دونوں ٹانگیں صوفے پر تھیں اور جسم کا باقی حصہ نیچے قالین پر تھا۔ وہ مرد کی لاش تھی اور اس کی شہ رگ کٹی ہوئی تھی۔ سینے پر بھی زخم کے متعدد نشان تھے اور بہنے والا خون پورے جسم کو اور نیچے قالین کو تر کررہا تھا۔

میں کھڑکی کے سامنے سے ہٹ کر تیزی سے برآمدے کی طرف لپکا اور ٹھیک اسی لمحے سردار تھالوب بھی اسی طرف آگیا۔

"کوئی گڑبڑ ہے۔ دروازہ کھول کر اندر داخل ہونے کی کوشش کرو۔" سردار تھالوب نے کہا۔

ہم دونوں برآمدے میں آگئے۔ میں نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے گھمایا۔ دروازہ لاک نہیں تھا۔ ہینڈل گھماتے ہی آہستگی سے کھلتا چلا گیا۔

میں نے سردار تھالوب کی طرف دیکھا اور ہم دونوں اندر داخل ہوگئے۔ سب سے پہلے ہم ہال میں آئے تھے۔

مقتول کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ خاصا صحت مند آدمی تھا اور اسے کسی تیز دھار آلے سے قتل کیا گیا تھا۔ میں وہ لاش دیکھ رہا تھا اور سردار تھالوب راہداری میں داخل ہوگیا۔ چند سیکنڈ بعد ہی میں بھی اس کی آواز سن کر تیزی سے اسی طرف لپکا۔

اس بیڈ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کمرے کی بتی جل رہی تھی اور بستر پر سین فونگ کی لاش پڑی تھی۔ اس کی بھی شہ رگ کاٹ دی گئی تھی اور ایک خنجر دستے تک سینے میں پیوست تھا۔ اس کا جسم اور بستر کی چادر خون سے تر ہورہی تھی۔ اس کی بائیں ٹانگ پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور یہ غالباً وہ زخم تھا جو گزشتہ رات کانیج پر حملے کے دوران میں گولی لگنے سے آیا تھا۔ ایک بازو پر بھی پٹی بندھی ہوئی تھی لیکن اب اسے ہر تکلیف سے نجات مل چکی تھی۔

سین فونگ کے کٹے ہوئے گلے سے اب بھی خون بہہ رہا تھا جس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اسے قتل کیے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ میں نے سردار تھالوب کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی شدید الجھن تھی۔ میری طرح شاید وہ بھی سوچ رہا تھا کہ سین فونگ کا قاتل کون ہوسکتا ہے۔ میرا دھیان دارا کی طرف گیا تھا۔ وہ نہایت گھٹیا آدمی تھا اور اس سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ اس نے تو ایسے ایسے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا جنہوں نے کئی مواقع پر اپنی جان پر کھیل کر اس کی جان بچائی تھی۔ کسی کا احسان ماننا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ اسے صرف اور صرف اپنا مفاد عزیز تھا اور اس کے لیے وہ کچھ بھی کرسکتا تھا۔ سین فونگ تو بڑی توپ چیز تھی۔ اسے موت کے گھاٹ اتار کر وہ بڑے فائدے حاصل کرسکتا تھا۔ سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوتا کہ وہ سین فونگ کے قتل کا الزام مجھ پر یا سردار تھالوب پر عائد کرکے جنرل کھوراٹ کا قرب حاصل کرسکتا تھا۔

اچانک کانیج میں کسی طرف سے ہلکی سی آہٹ سن کر میں چونک گیا۔ میں نے سردار تھالوب کی طرف دیکھا۔ وہ بھی رائفل کو دونوں ہاتھوں میں سنبھالے گوش بر آواز تھا۔ وہ ہلکی سی آہٹ یقیناً اس نے بھی سنی تھی۔

وہ آہٹ دوبارہ سنائی دی۔ میں نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر سردار تھالوب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دبے قدموں کمرے سے نکل کر راہداری میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ وہ ہلکی سی آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں فرش پر بچھے ہوئے قالین پر بہت محتاط انداز میں قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔ رائفل کو میں نے دونوں ہاتھوں میں اس طرح سنبھال رکھا تھا کہ وقت پڑنے پر ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اسے استعمال کیا جاسکے۔ اس معمولی سی آہٹ سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ قاتل ایک ہی تھا اور اب تک کانیج ہی میں موجود تھا۔

راہداری کے موڑ پر پہنچ کر میں رک گیا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سردار تھالوب بھی کمرے سے نکل کر راہداری میں آچکا تھا۔ میں آگے کی راہداری میں دائیں طرف مڑگیا۔ اس طرف اندھیرا تھا اور وہ آہٹ بھی اس طرف سے سنائی دی تھی۔ میں دبے قدموں آگے بڑھنے لگا اور بالآخر ایک دروازے کے قریب رک گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر سے ایسی خوشبو آرہی تھی جس سے مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ کچن تھا۔ راہداری کچن سے آگے بائیں طرف گھوم گئی تھی۔

میں رائفل تھامے دیوار سے چپکا کھڑا رہا اور پھر بڑی احتیاط سے آگے بڑھ کر کچن میں جھانکا۔ اندر تاریکی تھی۔ کسی کی موجودگی کا احساس نہیں ہوا' میں اندر داخل ہوگیا اور اندھیرے میں سامنے رکھے ہوئے اسٹول سے ٹکرا گیا۔

سناٹے میں اسٹول کے گرنے کی آواز بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ اسٹول لڑھکنے کی آواز کے ساتھ ایک اور آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ یہ آواز ایسی تھی جیسے کسی دروازے کا بولٹ گرایا گیا ہو اور یہ آواز کچن کے پچھلی طرف سے سنائی دی تھی۔

میرے دماغ میں جھماکا سا ہوا اور میں تیزی سے کچن سے نکل کر اس کے پیچھے والی راہداری میں مڑگیا۔ یہ مختصر سی راہداری تھی اور اس طرف عقبی سمت کھلنے والا دروازہ تھا اور میں نے ایک ہیولے کو بڑی تیزی سے اسی دروازے سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔

میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر چھلانگ لگا دی اور جب دروازے پر پہنچا تو وہ ہیولا عقبی صحن کی بیرونی دیوار کی طرف دوڑ رہا تھا۔

"اے۔ رک جاؤ۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔" میں چیخا۔

مگر وہ ہیولا رکا نہیں۔ میں نے گولی چلانے کی محض دھمکی دی تھی۔ فائر کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ خاموشی میں فائر کی آواز دور دور تک سنی جاسکتی تھی اور یہ صورتِ حال ہمارے مفاد میں نہ ہوتی۔

میں نے ایک لمحے کو سوچا اور دروازے سے نکل کر اس ہیولے پر چھلانگ لگا دی۔ وہ اس وقت بیرونی دیوار پر چڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ میں نے اسے ٹانگوں سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا۔ وہ ہیولا دھڑام سے دیوار کے ساتھ کیاری میں گرا اور اس کے ساتھ ہی میں نے اسے چھاپ لیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کی چیخ سن کر میں اچھل پڑا۔

وہ نسوانی چیخ تھی۔

وہ ہیولا اگرچہ میرے شکنجے میں تھا لیکن اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے بھرپور مزاحمت کررہا تھا۔ میں اس کی پشت پر تھا اور اسے اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ میں ایک ہاتھ سے اس کے جسم کو ٹٹولنے لگا۔ نرم اور گداز جسم... میرا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

وہ کوئی عورت ہی تھی جو اب بھی اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کررہی تھی۔

میں نے اسے اٹھا کر پٹخ دیا اور اس کے منہ پر دو چار بھرپور طمانچے جڑ دیے۔ اس کے منہ سے صرف ایک مرتبہ ہلکی سی چیخ نکلی تھی۔

"تم واقعی بہت بہادر ہو۔" میں نے ایک اور طمانچہ رسید کرتے ہوئے کہا "تم نے دو آدمیوں کو جس بے دردی سے موت کے گھاٹ اتارا ہے' اس پر میں تمہیں داد ضرور دوں گا لیکن مجھے افسوس ہے کہ اب تم یہاں سے بھاگنے میں کامیاب نہیں ہوسکو گی۔" میں نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبوچ لی اور دوسرے ہاتھ سے قریب پڑی ہوئی اپنی رائفل اٹھالی "اب خاموشی سے اندر چلو۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ایسی بہادر عورت کون ہے جس نے سین فونگ جیسے آدمی کی شہ رگ ادھیڑ ڈالی ہے اور دیکھو' اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو بے دریغ گولی مار دوں گا۔" میں نے رائفل کی نال اس کے پہلو سے لگادی۔

سردار تھالوب بھی آوازیں سن کر اس طرف آگیا تھا اور رائفل تانے دروازے میں کھڑا تھا۔ ہمیں آگے آتے دیکھ کر وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ میں اس عورت کو رائفل کی زد پر لیے اندر داخل ہوا اور ہم ہال کمرے میں آگئے اور پھر روشنی میں پہنچتے ہی میں اچھل پڑا۔ میں نے سردار تھالوب کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی شدید حیرت کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ میں ایک بار پھر مڑ کر اس عورت کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ رنگ سنت کی بیٹی سونیا تھی!

مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

جب ہم' دارا کے کانیج پر ریڈ کرنے کے لیے روانہ ہوئے تھے تو سونیا سردار تھالوب کے کانیج میں تھی جہاں اس کی نگرانی کے لیے رنگولی اور لوما موجود تھے۔ اس کے علاوہ کانیج کی حفاظت کے لیے دونوں قبیلوں کے افراد بھی پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے باوجود سونیا وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ اگر وہ کہیں غائب ہوجاتی تو ایک مختلف بات ہوتی۔ یہ سوچا جاسکتا تھا کہ اسے ہم پر اعتماد نہیں تھا اور وہ بھاگ کر کہیں اور چلی گئی تھی لیکن جو صورتِ حال ہمارے سامنے تھی' وہ نہایت حیرت انگیز اور ناقابلِ یقین ہی تھی۔ دو بڈھے کٹے آدمیوں کو قتل کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی اور ایک عورت کے حوالے سے تو یہ بات ناقابلِ یقین سی لگتی تھی لیکن جو حقیقت ہمارے سامنے تھی اسے جھٹلایا نہیں جاسکتا تھا۔

میں نے سونیا کی طرف دیکھا۔ اس کا لباس خون آلود تھا۔ ہاتھوں اور جسم کے مختلف حصوں پر بھی خون کے دھبے لگے ہوئے تھے۔ سردار تھالوب بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور پھر وہ سونیا کا ہاتھ پکڑ کر ایک کمرے میں لے گیا اور باہر روم کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

"ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ منہ ہاتھ دھولو۔ باقی باتیں راستے میں ہوں گی۔"

میں بھی دروازے میں کھڑا سونیا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر باتھ روم سے باہر نکل آئی۔

یہاں رکنا وقت ضائع کرنے کے مترادف تھا۔ ہم سونیا کو لے کر باہر آگئے۔ گلی میں ایک طرف تاریکی میں چھپا ہوا وانگ ڈن بھی سامنے آگیا۔ ہمارے ساتھ سونیا کو دیکھ کر اس نے بھی شدید حیرت کا اظہار کیا تھا۔

"یہ..... یہ یہاں....."

"وقت ضائع مت کرو۔ جلدی سے جیپ تک پہنچو۔" سردار تھالوب نے اس کی بات کاٹ دی۔

ہم تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے جیپ کے قریب پہنچ گئے۔ وانگ ڈن اور تھالوب تو آگے بیٹھ گئے اور میں سونیا کو لے کر پچھلی طرف آگیا۔ جانگی بھی سونیا کو دیکھ کر بلکیں جھپکنے لگی۔

سونیا اب تک خاموش تھی۔ اس نے ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ کبھی میری طرف دیکھتی' کبھی جانگی کی طرف اور کبھی سردار تھالوب کی طرف دیکھنے لگتی۔ جیپ حرکت میں آگئی تھی اور سردار تھالوب' وانگ ڈن سے کہہ رہا تھا کہ جیپ کو شہر والے بنگلے کی طرف لے چلے۔

"کانیج کی طرف کیوں نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"سونیا کو فی الحال وہاں لے جانا مناسب نہیں ہوگا۔" سردار تھالوب نے کہا "یہ چند روز میرے شہر والے بنگلے ہی میں رہے گی۔"

"سونیا۔" میں نے سونیا کی طرف دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ وہ سامنے والی سیٹ پر جانگی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی "تم کانیج سے کیسے نکلی تھیں اور یہ سب کیا ہے۔ میرا مطلب ہے تم نے....."

"میں ان سب کو ختم کردوں گی۔" سونیا نے دانت کچکچاتے ہوئے جواب دیا "انہوں نے پہلے میری ماں کو غداری پر مجبور کیا پھر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں انہیں چن چن کر ختم کردوں گی۔ کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ میری ماں غدار نہیں تھی۔ یہ لوگ غدار ہیں۔ میں ایسے لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی جو میرے وطن کا سودا کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ میں نے اس زمین پر جنم لیا ہے اور اس پر کسی کے ناپاک قدم نہیں پڑنے دوں گی۔ میری ماں..... یہ دھرتی بھی میری ماں ہے۔ میں اس کی ناموس پر حرف نہیں آنے دوں گی اور یہ ثابت کردوں گی کہ میری ماں غدار نہیں تھی۔ اسے مجبور کیا گیا تھا۔"

سردار تھالوب بھی اپنی سیٹ پر پیچھے کی طرف مڑ کر بیٹھا ہوا تھا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ آج دوپہر میں نے

حب الوطنی کے حوالے سے سونیا سے جو باتیں کی تھیں' ان کا اثر ہوا تھا اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس نے سین فونگ جیسے آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ دوسرا آدمی غالباً اس کا محافظ تھا۔

"تم کانیج سے نکل کر یہاں تک کیسے آئی تھیں۔ تمہیں کیسے پتا چلا کہ سین فونگ اس بنگلے میں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آج شام میں نے تم لوگوں کی باتیں سن لی تھیں۔" سونیا نے کہا "وانگ ڈن نے تم لوگوں کو بتایا تھا کہ سین فونگ کہاں چھپا ہوا ہے۔ میں جب تمہارے کانیج سے نکل رہی تھی تو ایک قبائلی محافظ نے مجھے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے اسے بتایا کہ تھوڑی دور تک ٹہلنے جارہی ہوں جلدی واپس آجاؤں گی۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ میں سردار تھالوب کی مہمان ہوں اور مجھ پر کوئی پابندی نہیں ہے اس لیے وہ میرے راستے سے ہٹ گیا اور میں اطمینان سے باہر آگئی اور پھر یہ بنگلا تلاش کرنے میں مجھے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔"

"لیکن۔ وہ دونوں ہٹے کٹے تھے۔ تم سے کہیں زیادہ طاقت ور۔" سردار تھالوب نے کہا "چلو یہ مان لیا کہ سین فونگ زخمی تھا لیکن وہ دوسرا آدمی' جو شاید اس کا محافظ تھا' تم نے اس کے گلے پر اتنی آسانی سے چھری کیسے چلا دی؟ کیا تمہیں اس پر حملہ کرتے ہوئے ڈر نہیں لگا تھا؟"

"عورت جب کسی سے انتقام لینے کے لیے نکلتی ہے تو اس کے دل میں یہ خوف بالکل نہیں ہوتا کہ اس کا دشمن کتنا قد آور اور اس سے کتنا زیادہ طاقت ور ہوگا۔ وہ نتائج سے بے نیاز اور انتقام میں اندھی ہو کر اپنے دشمن پر حملہ آور ہوتی ہے۔" سونیا نے جواب دیا۔

"لیکن تم اندر کیسے داخل ہوئی تھیں؟" تھالوب نے پوچھا۔

"عورت مرد کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور ان جیسے مرد تو عورت کو دیکھ کر ویسے ہی بے قابو ہونے لگتے ہیں۔" وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئی پھر مسکراتے ہوئے بولی "اور جب بات مجھ جیسی جوان اور حسین لڑکی کی ہو تو کسی اوباش مرد کا پتا تو ویسے ہی پانی ہوجاتا ہے۔ وہ بھی مجھے دیکھتے ہی ریشہ خطمی ہوگیا تھا۔" وہ ایک بار پھر خاموش ہوگئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "میں اپنی ایک فرضی دوست کی تلاش میں ساتھ والے کانیج کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی کہ سین فونگ کا وہ محافظ اپنے کانیج سے باہر آگیا۔ وہ شاید کہیں جارہا تھا لیکن مجھے دیکھ کر رک گیا۔ میں دوسرے کانیج کے سامنے سے ہٹ کر اس کے قریب آگئی اور اپنی فرضی دوست کے بارے میں پوچھنے لگی۔ میں اس کے سامنے بالکل مسکین بن گئی تھی اور اسے بتایا کہ میں چیانگ کھونگ سے آئی ہوں۔ میری دوست نے اس علاقے کے کسی بنگلے کا پتا بتایا تھا اور بدقسمتی سے وہ کاغذ مجھ سے کھیں ہوگیا ہے۔ میں اسے تلاش کرتی پھر رہی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔ رات کہاں گزاروں گی۔ اس شہر میں تو میرا کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے۔" سونیا ایک بار پھر خاموش ہوگئی۔ اس نے چند لمبے لمبے سانس لیے پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی "میں نے اس کی ہوس میں ڈوبی ہوئی نظروں کو تاڑ لیا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو بہت شریف ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ رات کو پتے کے بغیر کسی کو تلاش کرلینا آسان نہیں ہوگا اور پھر میں غلط لوگوں کے ہاتھ بھی لگ سکتی ہوں۔ اس نے پیشکش کی کہ اگر میں چاہوں تو رات اس کانیج میں گزار سکتی ہوں۔ یہاں اس کا باس ہے جو زخمی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ میں نے قدرے ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی پیشکش قبول کرلی۔

"اندر آنے کے تھوڑی دیر بعد میں نے تصدیق کرلی کہ اس کا زخمی باس سین فونگ ہی ہے۔ سین فونگ کا محافظ تو تو کچھ زیادہ ہی بے چین ہورہا تھا۔ اس کی بے چینی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اسے شراب پلانا شروع کردی اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ اپنے حواسوں سے باہر ہوگیا۔

"مجھے کچن میں ایک خنجر مل گیا تھا جو میں نے صوفے کے کشن کے نیچے چھپا لیا اور جب تو تو بے قابو ہوگیا تو میں نے خنجر اس کی شہ رگ پر پھیر دیا۔ وہ چیخا اور تڑپا۔ میں نے اس کے پیٹ اور سینے پر متعدد وار کیے۔ اس کا گلا پوری طرح نہیں کٹا تھا۔ میں نے ایک بار پھر شہ رگ پر خنجر چلا دیا۔ اس کا نرخرا پوری طرح کٹ گیا۔ وہ قالین پر تڑپنے لگا۔ وہ آخری مرتبہ اس طرح اچھلا تھا کہ اس کے دونوں پیر صوفے پر ٹک گئے اور جسم کا باقی حصہ قالین پر پڑا رہا اور پھر وہ بے حس و حرکت ہوگیا۔

"راہداری والے کمرے سے سین فونگ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ چیخ چیخ کر تو تو کو پکار رہا تھا۔ میں خون آلود خنجر لیے اس کمرے میں پہنچ گئی۔ مجھے دیکھ کر سین فونگ نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی لیکن میں نے اسے دھکا دے کر بیڈ پر گرا دیا۔ وہ تکیے کے نیچے سے پستول نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔

"مجھ پر اس وقت جنون سا طاری ہورہا تھا۔ میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی۔ یہ میری ماں کے قاتل اور میرے وطن کے دشمن ہیں۔ میں نے اس کے سینے پر بھرپور وار کیا۔ وہ چیخ کر پشت کے بل گرا اور پھر میں نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ خنجر کے ایک ہی وار سے اس کا نرخرا ادھیڑ ڈالا اور پھر خنجر اس کے سینے میں پیوست کردیا۔

"میں دور کھڑی اسے بیڈ پر تڑپتے ہوئے دیکھتی رہی اور پھر دھپ کی آواز سن کر چونک گئی۔ مجھے شبہ ہوا کہ شاید ان کا کوئی تیسرا ساتھی آگیا ہے۔ ہوسکتا ہے اس نے دروازہ کھٹکھٹایا ہو یا کال بیل بجائی ہو جو میں نے نہیں سنی اور پھر وہ دیوار پھاند کر اندر آگیا ہو۔

"میں سین فونگ کے کمرے سے نکل کر کچن کی طرف دوڑی۔ مجھے کانیج کے دونوں طرف دبے قدموں چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔

میں تاریک کچن میں دبکی رہی پھر تم دونوں اندر داخل ہوئے اور جب ہال سے نکل کر سین ٹونگ والے کمرے کی طرف گئے تو میں کچن سے نکل کر پچھلی راہداری میں آگئی اور دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگی لیکن بولٹ بہت ٹائٹ تھا اور جب بولٹ کھلا اور میں جیسے ہی باہر نکلی تو تم نے مجھے دبوچ لیا۔" اس نے آخری جملہ کہتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"شکر کرو میرا ہاتھ تمہاری گردن پر نہیں پڑا تھا ورنہ تمہارا دم نکل چکا ہوتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ویسے اگر ہمارے بجائے کوئی اور ہوتا تو جانتی ہو تمہارا انجام کیا ہوتا؟"

"میں اپنے انجام سے بے نیاز ہو کر یہاں آئی تھی۔" سونیا نے جواب دیا "لیکن دوسرے شیطانوں کا انجام بھی میرے ہی ہاتھوں ہونا ہے اس لیے قدرت نے میری مدد کے لیے تم لوگوں کو بھیج دیا۔"

"تم جانتی ہو سین ٹونگ جنرل کھوراٹ کا خاص آدمی تھا۔ صبح تک اسے سین ٹونگ کے قتل کا پتا چل جائے گا۔ اس کے بعد جو طوفان اٹھے گا' اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتیں۔" سردار تھالوب نے کہا۔

"کاش! میرے ہاتھ جنرل کھوراٹ کی گردن تک پہنچ سکیں۔" سونیا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "اس کا حشر تو ان سے بھی برا ہوگا۔"

میں نے مڑ کر سامنے دیکھا۔ جیپ بنگنا روڈ سے ہوتی ہوئی اس سڑک پر گھوم گئی جس طرف سردار تھالوب کا بنگلا تھا۔ چند سیکنڈ بعد ہی ہم بنگلے کے سامنے پہنچ گئے۔ گارڈ نے فوراً ہی بنگلے کا گیٹ کھول دیا۔ جیپ جیسے ہی اندر داخل ہوئی' سامنے سرخ رنگ کی ایک کار کھڑی دیکھ کر سردار تھالوب چونک گیا۔

"یہ کس کی گاڑی ہے؟" اس نے وانگ ڈن کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پہلی مرتبہ دیکھی ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی مہمان آیا ہو۔" وانگ ڈن نے سرخ رنگ کی اس گاڑی کے پیچھے جیپ کو روکتے ہوئے کہا۔

ٹھیک اسی وقت ایک قبائلی محافظ دوڑتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔

"کون آیا ہے۔ یہ کس کی گاڑی ہے؟" سردار تھالوب نے پوچھا۔

"بنکاک سے مہمان آئے ہیں۔" محافظ نے جواب دیا "مہاراج... ہاں مہاراج نام بتایا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ وہ آپ کے مہمان ہیں۔"

"اوہ۔" سردار تھالوب چونک گیا۔

مہاراج کا نام سن کر میں بھی اچھل پڑا اور پھر ہم جیپ سے اتر کر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے برآمدے کی طرف چل پڑے۔

مہاراج اور رتنا کوسن ہال کمرے میں صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ دو آدمی اور تھے جنہیں میں نہیں پہچانتا تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ چاروں اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ میں نے مہاراج کے سامنے رک کر موئے تھائی کی روایتی تعظیم دی۔ مارشل آرٹ کی تعظیم کا یہ انداز ایک طرح کے تھائی رقص سے ملتا جلتا ہے۔ عام طور پر یہ طریقہ کار قدرے طویل ہوتا ہے لیکن بیشتر اوقات اسے مختصر کردیا جاتا ہے۔ یہ روایتی رقص ختم کرکے میں نے مہاراج کو اور پھر رتنا کوسن اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو بھی جھکو کیا۔ مہاراج نے آگے بڑھ کر مجھے لپٹالیا اور میری پیشانی پر بوسہ دیا۔

"یہ سردار تھالوب ہیں۔" میں نے ان سب کا تعارف کرایا۔

سردار تھالوب نے بڑی گرم جوشی سے ان سب سے ہاتھ ملایا۔ وہ اگرچہ خود بہت بڑے قبیلے کا سردار تھا۔ اپنے آپ میں شہنشاہ تھا لیکن شہنشاہ کے کزن رتنا کوسن کو اپنے گھر میں دیکھ کر بہت خوش ہو رہا تھا۔

مہاراج بھکشوؤں والے لباس میں تھے۔ گیروے رنگ کی ایک چادر جو ساڑی کی طرح لپٹی ہوئی تھی۔ دس پندرہ منٹ رسمی گفتگو میں نکل گئے پھر ہم لوگ جلد ہی اصل موضوع پر آگئے۔

"ہم لوگ ایک خصوصی طیارے سے چیانگ رائے پہنچے تھے۔" مہاراج بتا رہے تھے "وہاں سے کار کے ذریعے یہاں آگئے۔ سردار تھالوب کا یہ بنگلا تلاش کرنے میں ہمیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ ہماری آمد کا علم صرف دو چار لوگوں کو ہے۔ چیانگ رائے یا یہاں کی انتظامیہ ہمارے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ ہم آج رات ہی واپس چلے جائیں گے اس لیے رتنا کوسن کی بھی یہ خواہش ہے کہ وقت ضائع کیے بغیر ہمیں تمام تفصیلات سے آگاہ کردیا جائے۔"

مہاراج کے خاموش ہونے پر میں نے اور سردار تھالوب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر بنکاک سے روانگی سے لے کر اب تک پیش آنے والے واقعات کی تفصیل بتانے لگا۔ آخر میں میں کہہ رہا تھا۔

"سردار تھالوب نے قدم قدم پر ہمارا ساتھ دیا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر مجھے ان کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو اس سازش کو بے نقاب کرنے میں بہت دشواریاں پیش آتیں۔"

"ہمیں سردار تھالوب جیسے لوگوں پر فخر ہے۔" رتنا کوسن نے کہا "اس سرحدی علاقے میں منشیات کی پیداوار کے خاتمے کے لیے سردار تھالوب جو کردار ادا کررہے ہیں' وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے اور اب اس سازش کو بے نقاب کرنے میں ہمارا ساتھ دے کر انہوں نے صرف شہنشاہ پر ہی نہیں پوری تھائی قوم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ میں شہنشاہ سے خاص طور پر سردار تھالوب کا ذکر کروں گا۔ شہنشاہ ان کی خدمات کا اعتراف..."

"یور ہائی نیس!" سردار تھالوب نے بڑے مؤدبانہ انداز میں رتنا کوسن کی بات کاٹی "میں نے جو کچھ بھی کیا ہے' وہ کسی صلے یا ستائش کے لیے نہیں کیا۔ ہر محبِ وطن شہری کی طرح مجھے بھی شہنشاہ اور اس سرزمین سے محبت ہے اور اس محبت میں ہم جان کی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کریں گے لیکن..." سردار چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "لیکن میرے خیال میں یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے یور ہائی نیس۔ اس سے پہلے کہ سازشی عناصر کوئی اور قدم اٹھائیں ہمیں کارروائی شروع کرنی چاہیے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" رتنا کوسن نے کہا "ایکی مائی اور وہ کیسٹ کہاں ہیں؟"

"اس کے لیے آپ کو دوسری جگہ جانے کی زحمت کرنی پڑے گی یور ہائی نیس۔" سردار تھالوب نے کہا۔

"تو چلو۔ اب ہمارے پاس واقعی زیادہ وقت نہیں ہے۔" رتنا کوسن نے کہا۔

ہم سب کاٹیج سے باہر آگئے۔ سونیا برآمدے کے سامنے ہی لان میں ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"یور ہائی نیس۔" سردار تھالوب نے سونیا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ ہے وہ لڑکی جس کی ماں کو غداری پر مجبور کیا گیا تھا۔ وہ ان غداروں ہی کے ہاتھوں ماری گئی اور اس لڑکی نے اپنی ماں کے نام سے غداری کا دھبا مٹانے کے لیے جنرل کھوراٹ کے اہم ترین آدمی سین ٹونگ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس لڑکی کا شمار ان لوگوں میں کیا جاسکتا ہے جو شہنشاہ اور وطن کی ناموس کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں۔"

سونیا اس دوران میں اٹھ کر ہمارے قریب آگئی تھی۔ رتنا کوسن گہری نظروں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ سونیا کے لباس پر اب بھی خون کے دھبے موجود تھے اور پھر رتنا کوسن نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

پہلے سردار تھالوب کا خیال تھا کہ سونیا کو چند روز کے لیے اس بنگلے میں چھوڑ دیا جائے گا لیکن اب ہم اسے بھی اپنے ساتھ کاٹیج لے جارہے تھے۔

مہاراج ہماری جیپ میں آگئے تھے اور سردار تھالوب' رتنا کوسن والی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ ہماری جیپ آگے تھی۔ اس کے پیچھے رتنا کوسن والی سرخ کار اور سب سے پیچھے ایک کھلی گاڑی میں سردار تھالوب کے مسلح قبائلی محافظ بھرے ہوئے تھے۔

ہمیں کاٹیج پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ جانکی مہاراج کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی اور پھر وہ سارے آداب کو نظرانداز کرتے ہوئے مہاراج سے لپٹ گئی اور فرط جذبات سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ مہاراج اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے دلاسا دیتے رہے۔

رتنا کوسن کو سب سے پہلے کاٹیج میں ہونے والی میٹنگ کی گفتگو پر مشتمل کیسٹ سنایا گیا پھر وہ کیسٹ سنایا گیا جو ایکی مائی اور ہماری گفتگو پر مشتمل تھا۔ رتنا کوسن اور اس کے دونوں ساتھیوں کے چہروں کے تاثرات ہر لمحہ بدل رہے تھے۔ رتنا کوسن کے وہ دونوں ساتھی حکومت کے اعلیٰ عہدے دار تھے۔ آخر میں... انہیں لے کر ہم اس کمرے میں آگئے جہاں ایکی مائی بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ رتنا کوسن کو دیکھ کر ایکی مائی کا چہرہ دھواں ہوگیا۔

رتنا کوسن اور وہ دونوں آدمی تقریباً آدھے گھنٹے تک ایکی مائی سے سوالات کرتے رہے۔ اس کاٹیج میں رتنا کوسن کو دیکھ کر ایکی مائی سمجھ گئی تھی کہ اب اس کے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس نے رعایت کے وعدے پر وہ سب کچھ اگل دیا جو ہمیں بتانے سے انکار کرتی رہی تھی۔ اس نے اس سازش میں شریک کئی بڑے نام بھی بتائے تھے اور ان میں شاہی محل کے کچھ لوگ بھی شامل تھے۔

ہال کمرے میں آکر رتنا کوسن نے ٹیلی فون اپنے سامنے رکھ لیا اور تقریباً چالیس منٹ تک بنکاک میں مختلف لوگوں کو فون کرتا رہا اور ریسیور رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"سردار تھالوب!" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "میں آپ کی میزبانی کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ اب سے تھوڑی دیر بعد بنکاک میں کارروائی شروع ہوجائے گی۔ صبح سے پہلے پہلے میرا وہاں پہنچنا بہت ضروری ہے۔ یہ سارے معاملات طے ہوجائیں تو ہماری آپ سے ملاقات ہوگی۔"

"آپ ہمیں ہمیشہ شہنشاہ اور اس سرزمین کا وفادار پائیں گے لیکن یور ہائی نیس' میزبانی کا تو آپ نے ہمیں موقع ہی نہیں دیا۔" سردار تھالوب نے کہا۔

"آپ کی عدم موجودگی میں ہم آپ کے بنگلے پر بہت لذیذ کھانا کھا چکے ہیں۔" رتنا کوسن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ایک کپ کافی ..... ہماری طرف سے۔" میں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "لوما بہت خوش ذائقہ کافی بناتا ہے۔ آپ ہونٹ چاٹتے رہ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے تو پھر ہوجائے ایک کپ۔" رتنا کوسن کہتے ہوئے پھر صوفے پر بیٹھ گیا۔

لوما کا چہرہ دمک اٹھا تھا۔ شاہی خاندان کے ایک معزز ترین فرد کو کافی بنا کر پلانا اس کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔

میں مہاراج کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ مہاراج میری اس کارکردگی سے بہت خوش تھے۔ وہ بار بار میری تعریف کررہے تھے۔ تاہم تھائی کے لیے وہ بھی پریشان تھے۔

"مجھے امید ہے کہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں تم اسے بھی بازیاب کرالو گے۔" مہاراج کہہ رہے تھے "اس کے بعد بھی تمہیں چند روز یہاں رہنا ہوگا۔ جنرل کھوراٹ کے کئی آدمی مارے گئے ہیں۔ سین ٹونگ تو اس کا اہم ترین آدمی تھا۔ وہ خاموش نہیں بیٹھے گا۔ اداروغیرہ بھی ہیں اور آنگ سانگ بھی ابھی تک

روپوش ہے۔ ان لوگوں سے تم ہی کو نمٹنا ہے۔ بنکاک میں آج ہی رات سے ہنگامے شروع ہونے والے ہیں۔ ان پر قابو پانے میں دو چار دن لگ جائیں گے۔ اس کے بعد تمہیں واپس بلالیا جائے گا۔"

"ہو سکتا ہے میں واپس نہ آسکوں مہاراج۔" میں نے مدھم لہجے میں کہا "میرے ماں باپ کے قاتل ابھی زندہ ہیں۔ تھائی ابھی تک ان کے قبضے میں ہے۔ میں جب تک انہیں کیفر کردار تک نہ پہنچادوں گا اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"

"یہ معاملہ ختم ہوجائے تو تمہیں بھی فری ہینڈ دے دیا جائے گا۔" مہاراج نے کہا "حکومت کی ساری مشینری بھی تمہارے ساتھ ہوگی اور پھر وہ لوگ بچ کر نہیں جاسکیں گے۔"

اس دوران میں لوما نے کافی سرو کرنا شروع کردی۔ میں جانتا تھا کہ مہاراج شام کے بعد کچھ نہیں کھاتے پیتے تھے لیکن میرے اصرار پر انہوں نے اس وقت کافی پینا قبول کرلیا۔

کافی واقعی بہت خوش ذائقہ تھی۔ رتنا کوسن اور مہاراج وغیرہ نے تعریف کی تو لوما خوشی سے جھوم اٹھا۔

اس دوران میں سردار تھالوب نے فون کرکے مسلح محافظوں کی ایک اور گاڑی منگوالی تھی۔ رات دو بجے کے قریب مہاراج اور رتنا کوسن رخصت ہوگئے۔ محافظوں کی ایک گاڑی آگے تھی۔ اس کے پیچھے مہاراج اور رتنا کوسن کی کار اور پیچھے مسلح محافظوں کی دوسری گاڑی۔ رتنا کوسن کا ایک ساتھی محافظوں کی اگلی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا اور کار میں پچھلی سیٹ پر رتنا کوسن کے دوسرے ساتھی اور مہاراج کے درمیان زخمی ایکی مائی کو بٹھادیا گیا تھا۔

محافظوں کو چیانگ رائے تک ان لوگوں کے ساتھ جانا تھا۔ رتنا کوسن کی آمد کو اگرچہ خفیہ رکھا گیا تھا لیکن بعض اوقات ٹاپ سیکرٹ معاملات دوسروں کی نظروں میں آجاتے ہیں اور جب معاملہ اتنی بڑی سازش کا ہو تو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ نجانے سردار تھالوب کو یہ شبہ کیوں تھا کہ نہایت رازداری کے باوجود رتنا کوسن کی آمد بھی راز میں نہیں رہی ہوگی اس لیے اس نے اپنے مسلح محافظ چیانگ رائے تک ان کے ساتھ کردیے تھے۔

"اب کیا خیال ہے۔" ان کے جانے کے بعد سردار تھالوب نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "پریرے کی گردن ناپی جائے۔ اس سے معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ دارا لوگ کہاں ہیں؟"

"ہاں۔ چلو۔" میں کہتے ہوئے اٹھ گیا "زیادہ تاخیر تھائی کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔"

اس مشن پر بھی ہم چاروں تھے۔ میں، سردار تھالوب، جانکی اور وانگ ڈن۔ سردار تھالوب بہت بڑے قبیلے کا سردار تھا لیکن وہ ایک معمولی آدمی کی طرح میرے ساتھ کام کررہا تھا۔ اسے یہ بھی پروا نہیں تھی کہ ان سرگرمیوں میں اس کی جان بھی جاسکتی ہے۔ وہ واقعی بہت عظیم آدمی تھا۔

تھنگ چاؤ روڈ پر واقع پریرے ہاؤس تک پہنچنے میں ہمیں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ جیپ اس چھ منزلہ عمارت سے چند گز دور ہی رک گئی۔ میں نے جانکی کو اشارہ کیا۔ وہ جیپ سے اتر کر عمارت کے مرکزی دروازے کی طرف چلنے لگی۔

پریرے ہاؤس کا آہنی سلاخوں والا گیٹ بند تھا۔ جانکی گیٹ کے قریب رک کر چوکیدار کو آوازیں دینے لگی۔ چند منٹ بعد ہی گیٹ کے دوسری طرف چوکیدار دکھائی دیا۔ ہماری جیپ بلڈنگ کے سامنے والے رخ پر ذرا آگے کھڑی تھی۔ جیپ کی تمام بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ ہم تو گیٹ پر چوکیدار کو دیکھ سکتے تھے لیکن وہ ہمیں جیپ میں بیٹھے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

جانکی چوکیدار سے باتیں کرتے ہوئے ہاتھ سے دائیں طرف کچھ اشارے بھی کررہی تھی۔ چوکیدار نے سلاخوں ہی سے اس طرف دیکھنے کی کوشش کی پھر گیٹ کھول دیا اور جانکی کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے گیٹ بند بھی کردیا۔

میں جیپ کے شیشے سے اس طرف دیکھ رہا تھا۔ گیٹ کے اندر ایک بہت کشادہ لابی تھی۔ چوکیدار جانکی کو لے کر دائیں طرف ایک کمرے میں داخل ہوگیا تھا۔ میں نے سردار تھالوب کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

تقریباً دس منٹ بعد جانکی اس کمرے سے نکل کر گیٹ پر نمودار ہوئی۔ اس کا بلاؤز پھٹا ہوا تھا اور ایک طرف برہنہ سینے پر دو تین خراشیں نظر آرہی تھیں جیسے ناخنوں سے نوچنے کی کوشش کی گئی ہو۔

میں اور سردار تھالوب جیپ سے اتر کر گیٹ کی طرف لپکے۔ جانکی گیٹ کا تالا کھول رہی تھی اور پھر گیٹ کھلتے ہی ہم اندر داخل ہوگئے۔

"یہ کیا ہوا؟" میں نے اس کے سینے پر خراشوں کی طرف اشارہ کیا۔

"اس حرامی کو گریبان پر ہاتھ ڈالنے کا موقع مل گیا تھا۔" جانکی نے کہا "بہرحال تم لوگ جاؤ۔ اگر وہ ہوش میں آبھی گیا تو میں اسے سنبھال لوں گی۔"

جانکی گیٹ بند کرکے اس کمرے میں گھس گئی اور ہم دونوں اس لفٹ کی طرف لپکے جو صرف پنٹ ہاؤس کے لیے مخصوص تھی۔

لفٹ کا دروازہ بند تھا۔ سردار تھالوب نے بٹن دبادیا لیکن دروازہ نہیں کھلا اور نہ ہی دروازے کے اوپر ہندسوں والی پلیٹ روشن ہوئی جس کا مطلب تھا کہ لفٹ اوپر تھی اور لاک کردی گئی تھی۔ ہم دوسری لفٹ کی طرف بڑھ گئے۔ یہ لفٹ گراؤنڈ فلور پر تھی۔ بٹن دباتے ہی دروازہ کھل گیا۔ ہم اندر داخل ہوگئے۔ دروازہ بند ہوتے ہی تھالوب نے چھ کے ہندسے والا بٹن دبادیا۔ انگلیں ہم نے جیپ میں ہی چھوڑ دی تھیں۔ میرے پاس خنجر

فائر چیلنجر کے پائنچے کے اندر پنڈلی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ ہپ پاکٹ میں پستول بھی موجود تھا اور سردار تھالوب کے پاس بھی پستول تھا اور میرا خیال تھا کہ ہمیں اس کے سوا کسی اور ہتھیار کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

لفٹ چھٹی منزل پر رکی تو ہم باہر نکل آئے۔ راہداری سنسان تھی۔ رات کا آخری پہر تھا اور قلیلوں کے مکین خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ ہم دبے قدموں چلتے ہوئے اوپر جانے والے زینے کی طرف بڑھ گئے۔ زینے کا اوپر والا دروازہ لاک تھا۔ سردار تھالوب چند لمحے ہینڈل پر زور آزمائی کرتا رہا پھر اس نے جیب سے چابیوں کا ایک گچھا نکالا۔ اس میں تین چابیوں کے علاوہ بغیر دندانے کا ایک چپٹا سا تار بھی تھا۔ وہ تار کو کی ہول میں داخل کرکے مخصوص انداز میں حرکت دینے لگا۔ مایوسی نہیں ہوئی۔ ایک منٹ کے اندر اندر کلک کی ہلکی سی آواز سنائی دی اور تالا کھل گیا۔ تھالوب نے ہینڈل گھما کر آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔

دوسری طرف دروازے کے آگے ایک کشادہ سا برآمدہ بنا ہوا تھا۔ اس سے آگے پوری چھت کھلی ہوئی تھی لیکن اس چھت کو مہارت سے استعمال میں لایا گیا تھا۔ چھت پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک بڑا خوب صورت روف گارڈن بنا ہوا تھا۔ جس میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تین مرکری ٹیوب لائٹس جل رہی تھیں۔ لان کی گھاس بہت دبیز تھی۔ یہاں پھولوں کے وہ پودے لگائے گئے تھے جن کی جڑیں زیادہ گہرائی میں جانے کے بجائے اطراف میں پھیل جاتی ہیں۔ لان میں ایک طرف آرام دہ گارڈن چیئرز اور ان کے ساتھ بانس کی کھپچیوں کی ایک کافی ٹیبل بھی رکھی ہوئی تھی۔ اس روف گارڈن پر بلاشبہ لاکھوں بھات خرچ کیے گئے تھے۔

پریرے ہاؤس شہر کی دوسری سب سے اونچی عمارت تھی اور یہاں سے پورے شہر اور اس کے اطراف میں دور دور تک کا نظارہ کیا جاسکتا تھا۔ چھت کے دائیں سرے پر ایک مختصر سا سرونٹ کوارٹر تھا جس کی صرف ایک کھڑکی سے مدھم سی روشنی نظر آرہی تھی۔ میں نے سردار تھالوب کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا سرونٹ کوارٹر کی طرف چل پڑا۔

میں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ ایک ہٹا کٹا دراز قامت آدمی بیڈ پر سو رہا تھا۔ میں نے سرونٹ کوارٹر کے دروازے کا باہر سے کنڈا لگادیا اور سردار تھالوب کے پاس واپس آگیا۔

بائیں طرف پنٹ ہاؤس تھا۔ باہر سے دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس پر بے دریغ رقم خرچ کی گئی تھی۔ مرکزی دروازے کے سامنے ایک خوب صورت برآمدہ تھا جس کی چھت پر ٹیوب لائٹ روشن تھی۔ دو تین کمروں کی کھڑکیوں میں بھی روشنی نظر آرہی تھی۔

ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ پریرے اکیلا ہوگا یا اس کے کوئی مہمان بھی موجود ہوں گے لیکن سردار تھالوب نے پریرے کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا اس سے میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ اپنی عیاشی میں کسی کو شریک کرنا پسند نہیں کرتا ہوگا۔ اس کے ساتھ کوئی حسین عورت تو ضرور ہوگی لیکن کسی دوسرے آدمی کی موجودگی کا امکان نہیں تھا لیکن سردار تھالوب کی طرح میں نے بھی احتیاطاً پستول ہاتھ میں لے لیا تھا۔

برآمدے والا دروازہ لاک نہیں تھا۔ یہاں کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں تھا اور شاید اسی لیے دروازے کو لاک کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی۔ ہم دروازہ کھول کر اندر آگئے۔ ایک کشادہ لابی تھی جس سے ایک راستہ لفٹ کی طرف جاتا تھا اور دوسرا مرکزی ہال کی طرف۔ ہال میں اگرچہ کوئی بتی نہیں جل رہی تھی لیکن کسی اور طرف سے وہاں روشن پہنچ رہی تھی۔ ہال میں پہنچ کر ہم ایک لمحے کو رکے۔ میں نے سردار تھالوب کو بائیں طرف جانے کا اشارہ کیا اور خود بائیں طرف مڑ گیا۔

ایک کمرے کا دروازہ آدھے کے قریب کھلا ہوا تھا۔ اندر بتی جل رہی تھی۔ میں نے جھانک کر اندر دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ گیا۔ اندر کا منظر دیکھ کر میرا دماغ گھوم گیا تھا۔ سانس ایک دم بے ربط ہوگیا تھا۔ اپنی کیفیت پر قابو پانے کے بعد میں دروازے میں جھانکنے لگا۔

کمرا کافی کشادہ تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ مخملی کور والے چار پانچ بھاری کشن ادھر ادھر پڑے تھے۔ ایک طرف پورٹ ایبل آئس باکس اور اس کے قریب شراب کی کئی بوتلیں رکھی ہوئی تھیں۔ تین چار خالی بوتلیں اور گلاس ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے اور کمرے کے وسط میں قالین پر سب سے زیادہ خوفناک منظر یہ تھا کہ درمیانے قد کا ایک بھاری بھرکم آدمی پڑا ہوا تھا۔ اس کی توند غبارے کی طرح پھول پچک رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی۔ بہت خوب صورت جس نے اپنا سر آدمی کے کندھے پر رکھا ہوا تھا۔ ان دونوں کی آنکھیں بند تھیں لیکن لڑکی کے جسم پر اس آدمی کے ہاتھ کی انگلیاں متحرک تھیں۔ اس کے ہونٹ بھی حرکت کررہے تھے۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا مگر آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

اسی دوران میں تھالوب بھی دبے قدموں چلتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ میں نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی اور اندر کی طرف اشارہ کیا۔ سردار تھالوب نے اندر جھانکا اور پھر ایک جھٹکے سے سیدھا ہوگیا۔ اس کے چہرے پر شدید نفرت کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

میں نے پستول جیب میں ڈال کر پنڈلی پر بندھا ہوا خنجر نکال لیا اور اس سے پہلے کہ میں کچھ سوچ سکتا، سردار تھالوب نے دروازے پر زور دار ٹھوکر ماری۔ دروازہ دھڑ کی آواز سے پوری طرح کھل گیا۔

پریرے اور وہ لڑکی گڑبڑا کر اٹھ گئے۔ ہمیں دیکھ کر اس لڑکی

کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی اور وہ بدحواس ہو کر کمرے کے ایک کونے میں پڑے ہوئے اپنے کپڑوں کی طرف لپکی لیکن وہاں تک نہیں پہنچ سکی۔ سردار تھالوب کے پیر کی ٹھوکر کھا کر وہ چیختی ہوئی پیچھے الٹ گئی تھی۔

پریرے نے بھی ایک طرف لوٹ لگا دی تھی لیکن اسے میرے پیر کی ٹھوکر نے روک دیا۔ ٹھوکر اس کے شانے پر لگی تھی۔ وہ بلبلا اٹھا۔ میں نے اسے ایک اور ٹھوکر رسید کردی۔ وہ پیچھے الٹ کر دیوار سے ٹکرایا۔

"ٹک... کون ہو تم...؟" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے ہکلایا لیکن پھر فوراً ہی سنبھل گیا "تم یہاں آ تو گئے ہو لیکن واپس نہیں جاسکو گے۔"

"جس طرح ہمیں یہاں آنے سے کوئی نہیں روک سکا اسی طرح واپس جانے سے بھی کوئی نہیں روک سکے گا۔" میں نے اسے ایک اور ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

وہ ایک بار پھر چیخ اٹھا۔ اس نے خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر سردار تھالوب کو دیکھتے ہی اس کا چہرہ دھواں ہوگیا۔

"تھا... تھالوب تم..." اس کے منہ سے آواز بمشکل نکل رہی تھی "مجھے نہیں معلوم تھا کہ کیرن قبیلے کے سردار نے ڈاکا زنی بھی شروع کردی ہے لیکن تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میں گھر میں زیادہ رقم نہیں رکھتا اس لیے تمہیں بڑی مایوسی ہوگی۔"

سردار تھالوب نے آگے بڑھ کر اسے دو تین ٹھوکریں رسید کردیں۔

"تم جیسے لوگوں کے پاس ہو بھی کیا سکتا ہے۔" سردار تھالوب نے کہا "میں تمہیں صرف دو منٹ دے رہا ہوں۔ کپڑے پہن لو اور تم بھی۔" آخری الفاظ اس نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے جو ایک طرف بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس نے جھپٹ کر اپنے کپڑے اٹھالیے۔ پریرے کے کپڑے میرے قریب پڑے ہوئے تھے جو میں نے پیر سے اس کی طرف اچھال دیے۔

"دیکھو پریرے!" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم مجھے جانتے نہیں لیکن میرا نام ضرور سنا ہوگا۔ میں وہ شخص ہوں جو اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ تم سے میری کوئی دشمنی تو نہیں ہے لیکن ایسا کرنے میں کوئی دیر بھی نہیں لگتی۔ میں تم سے صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم ٹھیک ٹھیک جواب دے دو تو ہم جس طرح خاموشی سے یہاں آئے تھے اسی طرح خاموشی سے واپس چلے جائیں گے لیکن اگر تم اپنی کسی ضد پر قائم رہے تو میرا یہ خنجر بہت دنوں سے پیاسا ہے۔ میں اس کی پیاس اس طرح بجھاؤں گا کہ وقفے وقفے سے تمہارے جسم کی بوٹیاں کاٹ کر پھینکتا رہوں گا۔ اور...."

"اچھا بول لیتے ہو۔" پریرے نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "لیکن تمہارا اب تک جن لوگوں سے واسطہ پڑا ہے' وہ یقیناً بزدل تھے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ تم جیسے سیکڑوں مجرموں کو سلاخوں کے پیچھے بند کرا چکا ہوں۔ پولیس سے ریٹائر ہوجانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے ہاتھ پیروں کو زنگ لگ گیا ہے۔ تم جیسے تھرڈ ریٹ غنڈوں کی گردن تو میں اب بھی مروڑ سکتا ہوں۔ میں ان لوگوں کی طرح بزدل نہیں کہ میرے ہاتھ تمہاری گردن تک نہیں پہنچ سکیں۔"

"وہ لوگ واقعی بزدل ہیں۔" میں نے کہا "اگر بزدل نہ ہوتے تو اس طرح چھپتے نہ پھرتے۔ میں تم سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ لوگ اس وقت کہاں چھپے ہوئے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہے لیکن نہیں بتاؤں گا۔" پریرے نے جواب دیا "اگر تم جیسے غنڈوں سے ڈرنے والا ہوتا تو پولیس چیف کے عہدے تک نہ پہنچتا۔"

"مجھے معلوم ہے تم پولیس چیف کے عہدے تک کس طرح پہنچے تھے لیکن...." میں نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا "لیکن اگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ دارا اور اس کے ساتھی کہاں چھپے ہوئے ہیں تو میں تمہیں کچھ اور اوپر پہنچا دوں گا۔"

"کوشش کرکے دیکھو۔" پریرے کا لہجہ طیش دلانے والا تھا۔

"سردار تھالوب۔ آپ ہمارے بیچ میں نہیں آئیں گے۔" میں نے اپنا خنجر تھالوب کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

اور پھر میں جیسے ہی آگے بڑھا' پریرے حیرت انگیز پھرتی سے اپنی جگہ سے اچھلا۔ اس نے مجھے فلائنگ کک لگانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن میں بھی تو غافل نہیں تھا۔ میں نہ صرف تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا بلکہ اس کی ٹانگ پکڑ کر ہوا ہی میں زوردار جھٹکا دیا۔ وہ منہ کے بل نیچے گرا لیکن اس نے اٹھنے میں بھی دیر نہیں لگائی تھی۔ اس کی اس ایک حرکت سے میں سمجھ گیا کہ وہ مارشل آرٹس میں بھی مہارت رکھتا ہے اور اس میں اب بھی اتنا دم خم ہے کہ مجھ جیسے شخص کو چیلنج کرسکے۔

وہ ابھی سنبھلنے کی کوشش کررہا تھا کہ میں نے لیفٹ کک مارنے کے لیے پیر اٹھایا۔ پریرے نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہاتھ سے میری کک کو روکا اور میں نے اس سے بھی زیادہ پھرتی سے کام لیتے ہوئے پوری قوت سے رائٹ کک لگادی۔ ضرب اس کے پہلو میں گُردے کی جگہ پر لگی۔ وہ بری طرح بلبلا اٹھا اور پھر میں نے اسپن کک لگائی۔ میرا پیر وزنی ہتھوڑے کی طرح اس کے منہ پر لگا۔ اس کے حلق سے نکلنے والی چیخ بڑی خوفناک تھی۔ وہ چپے ہی سیدھا ہوا میری راؤنڈ ہاؤس کک اس کی گردن پر لگی۔ وہ لڑکھڑا کر گرا۔ موئے تھائی کی راؤنڈ ہاؤس کک مارشل آرٹس کے تمام اسٹائلز میں زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ پوری قوت سے لگے تو حریف کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے لیکن میں نے زیادہ طاقت استعمال نہیں کی تھی۔ یہ کک پوری قوت سے لگتی تو اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ سکتی تھی۔

پریرے قالین پر پڑا چیخ رہا تھا۔ شاید وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے مجھے للکار کر غلطی کی تھی۔ وہ یقیناً بہت اچھا مارشل آرٹسٹ رہا ہوگا لیکن شراب اور عورت نے اسے اندر سے کھوکھلا کردیا تھا۔ میں نے سردار تھالوب کے ہاتھ سے اپنا خنجر لے لیا اور اس کی نوک پریرے کے پیٹ پر رکھتے ہوئے بولا۔

"تمہیں پتا چل گیا ہے کہ تم کتنے پانی میں ہو اس لیے ضد پر قائم رہنا تمہارے لیے نقصان دہ ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ دارا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں بتادو۔"

"میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" پریرے نے کہا۔

"آج صبح تک وہ تمہارے ہی ایک کانیج میں تھے۔" میں نے کہا "یقیناً اس وقت بھی وہ تمہارے ہی کسی کانیج میں چھپے ہوئے ہیں۔ بہتر ہے ان کا پتا بتادو۔"

"نہیں۔" پریرے نے جواب دیا۔

میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور خنجر کی نوک سے اس کے پیٹ پر تقریباً دو انچ لمبا زخم لگا دیا۔ وہ ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلانے لگا۔ زخم سے بہنے والا خون اس کے پیٹ اور نیچے قالین کو تر کرنے لگا۔

"تم بھول رہے ہو کہ ہم اس وقت چھ منزلہ عمارت کی چھت پر ہیں۔ اگر تم لاؤڈ اسپیکر بھی لگالو تو تمہاری چیخیں کہیں بھی نہیں سنی جاسکیں گی۔ میں تمہارے جسم پر چرکے لگاتا رہوں گا۔ اس وقت تک جب تک تم زبان نہیں کھولتے۔"

"نہیں!" پریرے چیخا "تم چاہو تو مجھے مار ڈالو۔ کل.... صرف کل کا دن۔ اس کے بعد تم بھی زندہ نہیں رہو گے۔ جنرل کھوراٹ کے آدمی تمہیں اور وحشی قبیلے کے اس سردار کو کل شام سے پہلے پہلے جہنم میں پہنچا دیں گے۔"

میں نے اس کے پیٹ پر ایک اور چرکا لگا دیا۔ وہ قالین پر تڑپنے لگا۔ میں نے گردن گھما کر اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ سردار تھالوب بھی خاموش کھڑا میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"دیکھو پریرے۔" میں اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا "تم نے زندگی بھر بے ایمانی کرکے یہ دولت جمع کی ہے۔ اگر ابھی میرے ہاتھوں مارے گئے تو کیا فائدہ اس دولت کا۔ تمہاری صحت تمہارا ہی ہے کہ اگر کوئی سنگین حادثہ پیش نہ آئے تو مزید کئی سال زندہ رہ سکتے ہو۔ یعنی کئی سال تک عیاشی کرسکتے ہو۔ بہتر ہے کہ اس وقت مرنے کو ترجیح مت دو اور اپنے مستقبل کے بارے میں سوچو۔ اگر تم دارا وغیرہ کے بارے میں بتادو تو...."

"نہیں بتاؤں گا۔" پریرے نے جواب دیا "تم مجھے مار نہیں سکتے کیونکہ ان کے بارے میں صرف اور صرف میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ کہاں ہیں۔"

"میں تمہیں ماروں گا نہیں۔ زندہ رکھوں گا مگر اس طرح کہ تم مرنے کی دعا مانگو گے اور تمہیں موت نہیں آئے گی۔" میں نے کہتے ہوئے اس مرتبہ اس کے بازو پر چرکا لگا دیا۔ وہ ایک بار پھر بلبلا اٹھا۔

"پریرے کو چھوڑ کر الگ ہٹ جاؤ ماسٹر!"

دروازے کی طرف سے یہ نسوانی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ وہ آواز بلی کی غراہٹ جیسی تھی۔ میں نے تیزی سے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

وہ ایک دراز قامت خوب صورت لڑکی تھی۔ منی اسکرٹ اور بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔ بال بکھرے ہوئے اور میک اپ بگڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اعشاریہ تین آٹھ کا وزنی ریوالور تھا جس سے اس نے مجھے اور سردار تھالوب کو زد میں لے رکھا تھا۔

قالین پر پڑے ہوئے پریرے نے زخمی ہونے کے باوجود زور دار قہقہہ لگایا اور بڑی پھرتی سے میرے ہاتھ سے خنجر چھین لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مجھ پر حملہ بھی کردیا۔ اگر میں تیزی سے ایک طرف نہ ہٹ جاتا تو خنجر میرے سینے میں پیوست ہوجاتا۔

"پستول پھینک دو سردار تھالوب!" لڑکی نے ریوالور سے اشارہ کیا۔ سردار تھالوب نے میری طرف دیکھا۔ میں نے آنکھ کا گوشہ دبادیا۔ سردار تھالوب نے پستول پھینک دیا۔

"میں نے تم لوگوں کو برآمدے میں دیکھ لیا تھا اور اسی وقت مجھے گڑبڑ کا احساس ہوگیا تھا۔" لڑکی نے باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے شراب ضرور پی تھی لیکن حواس نہیں کھوئے تھے۔ کسی گڑبڑ کا احساس ہوتے ہی میں یہاں سے نکل کر دوسرے کمرے کے باتھ روم میں گھس گئی تھی اور سردار تھالوب جب تم اس کمرے میں آئے تھے تو میں نے باتھ روم کے دروازے کی جھری سے تمہیں دیکھ لیا تھا۔ تمہارے کمرے سے نکلنے کے بعد میں کافی دیر تک وہاں کھڑی رہی۔ میرا خیال تھا کہ میں خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤں گی اور نیچے جاکر بلڈنگ کے چوکیدار کو بتا دوں گی۔ وہ پولیس کو اطلاع دے دے گا لیکن پھر بیڈ پر تکیے کے نیچے رکھا ہوا یہ ریوالور دیکھ کر میں نے بھاگنے کا خیال دل سے نکال دیا۔ پریرے اور دارا کو کسی کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ جانا بزدلی ہوتی اس لیے میں نے ان کی مدد کرنے کا فیصلہ کرلیا اور مجھے افسوس ہے مسٹر پریرے۔" اس نے پریرے کی طرف دیکھا "مجھے کچھ دیر ہوگئی اور تمہیں یہ زخم کھانے پڑے۔"

"میں ان زخموں سے ٹپکنے والے خون کے ایک ایک قطرے کا حساب لوں گا اس حرامی سے۔" پریرے میری طرف دیکھ کر غرایا۔

"تم واقعی بہت بہادر ہو بے بی۔" میں نے اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے پُرسکون لہجے میں کہا "لیکن یہ ریوالور پھینک دو۔ میں

وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

"تم زندہ بچو گے تو مجھے کچھ کہو گے نا۔" لڑکی نے جواب دیا اور پھر پریرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "مسٹر پریرے۔ تین دن پہلے جب میں دارا کے پاس تھی تو اس نے بتایا تھا کہ یہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔ اس نے بنکاک میں پیڈرو کے گروہ کو نچا کر رکھا تھا۔ پیڈرو کا بھائی سامی اور ٹائیگر اسی کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ یہ بہت سفاک آدمی ہے۔ اس کی موت بھی ایسی ہی ہونی چاہیے کہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے اور یہ تھالوب....." وہ سردار تھالوب کی طرف دیکھنے لگی "یہاں تھالوب قتل و غارت میں اس کا پورا پورا ساتھ دے رہا ہے۔ سین فونگ کے کئی آدمی ان کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ اگر تھالوب اس کا ساتھ نہ دیتا تو یہ حرامی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مارا جاتا کسی کے ہاتھوں۔ تھالوب کی سرداری اب ختم ہو چکی۔ اس کی زندگی کے آخری لمحات آن پہنچے ہیں۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ سردار تھالوب۔" اس نے آخری الفاظ تھالوب کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔ اس نے ریوالور کو دونوں ہاتھوں میں تھام رکھا تھا۔ اس کے سیدھے ہاتھ کی انگلی ٹریگر پر تھی۔

پریرے اگرچہ زخمی تھا لیکن وہ خنجر والا ہاتھ آگے کو نکالے میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میں کن انکھیوں سے کبھی پریرے کی طرف دیکھتا اور کبھی اس لڑکی کی طرف۔ ٹریگر پر اس کی انگلی کا دباؤ بڑھ رہا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحے میں نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ہپ پاکٹ سے پستول نکال کر فائر کر دیا۔

بیک وقت دو فائر ہوئے تھے۔ میرے پستول سے نکلنے والی گولی اس لڑکی کے سینے میں لگی جو تھالوب پر گولی چلانے والی تھی۔ اس کے منہ سے بھیانک چیخ نکلی' وہ لڑکھڑائی اور اس کے ساتھ ہی اس کی انگلی سے ٹریگر دب گیا۔ ریوالور سے نکلی ہوئی گولی سردار تھالوب سے چند فٹ دور کھڑی ہوئی دوسری لڑکی کے سر میں لگی اور وہ بھی چیختی ہوئی ڈھیر ہو گئی۔

پریرے اپنی جگہ پر بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا۔ خوف و دہشت سے اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی سی نظروں سے دونوں لڑکیوں کی طرف دیکھتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ وہ بے قابو ہو کر مجھ پر حملہ کر دے گا لیکن میرا یہ اندازہ غلط نکلا۔ دوسرے ہی لمحے پریرے نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔

میں بھی اس کے پیچھے ہی لپکا۔ پریرے باہر نکل گیا تھا اور زینے کے دروازے کی طرف دوڑ رہا تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں ایک ہی خیال ابھرا اگر وہ زینے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تو ہمارے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ یہی سوچتے ہوئے میں نے فائر کر دیا۔ گولی پریرے کے پیروں کے قریب لگی۔ وہ مڑ کر چھت کے دوسرے سرے پر واقع سرونٹ کوارٹر کی طرف دوڑنے لگا۔ ساتھ ہی وہ چیخ بھی رہا تھا۔ میں نے اس کے پیروں میں ایک اور فائر کر دیا۔ وہ لڑکھڑا کر گھاس پر گرا۔

میں اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ سرونٹ کوارٹر کا دروازہ اندر سے دھڑ دھڑانے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پریرے کا ملازم فائرنگ اور اس کے چیخنے کی آوازوں سے جاگ گیا تھا اور چیختے ہوئے زور زور سے دروازہ دھڑ دھڑا رہا تھا۔ اگر گلی میں کسی مکان کا دروازہ اس طرح دھڑ دھڑایا جاتا تو پورا محلہ جاگ چکا ہوتا لیکن چھ منزلہ عمارت کی چھت پر ہونے والا یہ شور کون سن سکتا تھا۔ رات کا آخری پہر تھا۔ لوگ سو رہے تھے۔ اگر کسی نے فائرنگ کی آواز سنی بھی ہو گی تو اس کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو گا کہ آواز کس طرف سے آئی تھی۔

پریرے واقعی بہت سخت جان تھا اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ بہادر بھی تھا۔ زخمی ہونے کے باوجود وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ خنجر اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا اور میرے ہاتھ میں پستول ہونے کے باوجود اس نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں اگر چاہتا تھا تو پستول کی گولی اس کے سینے میں اتار سکتا تھا لیکن میں اسے اس وقت تک نہیں مارنا چاہتا تھا جب تک اس سے دارا وغیرہ کا ٹھکانا معلوم نہ کر لیتا۔ میں نے بائیں ہاتھ سے اس کی خنجر والی کلائی پکڑ لی۔ پستول اپنی ہپ پاکٹ میں ٹھونسا اور سیدھے ہاتھ سے اس کی بغل میں گھونسا رسید کر دیا۔ وہ چیختا ہوا تقریباً ایک فٹ اوپر اچھلا تھا۔ میں نے دوسرا گھونسا اس کے کندھے کے قریب بازو کے جوڑ پر مارا۔ وہ بلبلا اٹھا۔ خنجر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کی کلائی اب بھی میرے بائیں ہاتھ کی گرفت میں تھی۔ میں نے دوسرا ہاتھ بھی کلائی پر جما دیا اور اس کے بازو کو مروڑتے ہوئے زور دار جھٹکا دیا۔ وہ الٹ کر پشت کے بل گرا۔

چند فٹ دور لان میں جلنے والی ٹیوب لائٹ کی روشنی میں اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔ دو لڑکیوں کی موت نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا اور شاید وہ سمجھ گیا تھا کہ میں اسے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

"اب بھی زبان کھولو گے یا نہیں؟" میں نے غراتے ہوئے کہا۔

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا پھر اچانک ہی اٹھ کر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ وہ چھت کے کنارے کی تقریباً ڈیڑھ فٹ اونچی منڈیر کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا۔ مجھ سے دو تین گز آگے تھا۔ میں نے اسے روکنے کے لیے گھاس پر سلپ لگا کر اپنی ایک ٹانگ آگے کر دی۔ اس کا ایک پیر میری ٹانگ میں الجھ گیا۔ وہ لڑکھڑایا۔ سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا اور لڑکھڑاتا ہوا منڈیر کے دوسری طرف گرا۔

مجھے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا۔ پریرے کی چیخ نے میرے حواس پر بجلی سی گرا دی تھی۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر تیزی سے منڈیر کی طرف لپکا۔

پریرے گرا نہیں تھا۔ اتفاق سے اس کے دونوں ہاتھ منڈیر پر جم گئے تھے۔ وہ باہر کی طرف لٹکا ہوا تھا۔ میں نے منڈیر کے قریب پہنچ کر باہر کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ تقریباً ڈیڑھ سو فٹ نیچے سڑک پر کھڑی ہوئی وہ تین کاریں کھلونوں کی طرح لگ رہی تھیں۔ کھمبوں پر جلنے والے بلبوں کی روشنی بھی مدھم سی نظر آ رہی تھی۔

میں نے تیزی سے منڈیر کے قریب بیٹھ کر پریرے کے دونوں بازو پکڑ لیے۔ اب اس کی آنکھوں میں موت کے سائے رقص کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں جب اس کے جسم پر خنجر کی نوک سے چرکے لگا رہا تھا تو اسے یقین تھا کہ میں اسے جان سے نہیں ماروں گا لیکن اب اسے اپنی موت یقینی نظر آ رہی تھی۔

"مجھے بچا لو۔ خدا کے لیے مجھے بچا لو۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے گھگیایا۔

"بُدھ کے پیروکار تو کسی خدا کو نہیں مانتے۔ تمہیں خدا کیسے یاد آ گیا۔" میں نے کہا۔

"ہم..... میں بُدھ کا پیروکار نہیں۔ کرائسٹ کا ماننے والا ہوں اور خدا پر یقین رکھتا ہوں۔ تم مسلمان ہو۔ تم بھی خدا کو مانتے ہو۔ مجھے بچا لو۔ میں اپنی ساری دولت تمہیں دینے کو تیار ہوں۔ خدا کے لیے مجھے بچا لو۔"

"حیرت ہے۔" میں نے کہا "جو دولت جمع کرنے کے لیے تم نے اپنا ضمیر اور ایمان تک بیچ ڈالا۔ لوگوں پر ظلم کیے۔ کئی بے گناہوں کو موت کے گھاٹ بھی اتارا۔ مزید دولت حاصل کرنے کے لیے وطن فروشوں کا ساتھ بھی دے رہے ہو۔ اس دولت سے تم اپنی آسانی سے دستبردار ہو رہے ہو؟"

"جان سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں۔ مجھے بچا لو۔ میں اپنی ساری دولت تمہیں دے دوں گا اور تم جو کہو گے میں کروں گا۔"

"مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ صرف یہ بتا دو کہ دارا اور اس کے ساتھی کہاں ہیں؟" میں نے کہا۔

"بتاؤں گا۔ بتا دوں گا۔ پہلے مجھے اوپر اٹھاؤ۔"

"نہیں۔ پہلے دارا کا ٹھکانا بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"وہ..... وہ تھانگ سینگ میں ہیں۔ مائے کھام ریور کے کنارے۔ کانچ نمبر ٹوئنٹی نائن..... وہ..... وہ میرا ہی کانچ ہے۔ دیکھو..... دیکھو..... میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔ اب اوپر اٹھاؤ مجھے....."

"اور آنگ سانگ کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"وہ..... وہ بھی ان کے ساتھ ہے۔" پریرے نے جواب دیا "اب..... اب مجھے اوپر اٹھاؤ۔"

"میرے ہاتھوں میں پسینہ آ رہا ہے۔ تمہارے بازو پھسل رہے ہیں۔ میری گرفت کمزور پڑ رہی ہے۔ سوری مسٹر پریرے۔ میں تمہیں اوپر نہیں کھینچ سکتا۔" میں نے کہتے ہوئے اس کی دونوں کلائیاں چھوڑ دیں۔

پریرے کی آخری چیخ بڑی خوفناک تھی جو دیر تک خاموش فضا میں گونجتی رہی اور پھر بھد کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ یہ آواز ایسی ہی تھی جیسے کسی گہرے کنوئیں میں پتھر پھینکا گیا ہو۔

ایسے آدمی کا مرجانا ہی بہتر تھا۔ میں نے یہ دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی کہ اتنی بلندی سے گرنے کے بعد اس کے جسم کے کتنے ٹکڑے ہوئے تھے۔ میں چند سیکنڈ منڈیر کے قریب بیٹھا رہا اور پھر سیدھا ہوتے ہوئے اٹھ گیا۔

سردار تھالوب چند فٹ کے فاصلے پر کھڑا عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میں بھی اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔

میں نے اپنا خنجر اٹھا کر گھاس سے رگڑ کر صاف کیا اور اسے پتلون کے نیچے پنڈلی کے ہولسٹر میں اڑس لیا۔ سرونٹ کوارٹر کا دروازہ اب بھی دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔ ہم دونوں نے بیک وقت مڑ کر دیکھا اور پنٹ ہاؤس میں آ گئے۔

"میرا خیال ہے تلاشی لینے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں جو معلوم کرنا تھا وہ پتا چل گیا ہے اس لیے اب چلنا چاہیے۔" میں نے کہا تھا وہ پتا چل گیا ہے اس لیے اب چلنا چاہیے۔" میں نے کہا اور جھانک کر اس کمرے میں دیکھنے لگا جہاں دونوں لڑکیوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔

ہم دونوں لفٹ کے قریب آ گئے۔ دائیں طرف پینل پر تین چار پش بٹن لگے ہوئے تھے۔ سب سے اوپر لاک میں چابی لگی ہوئی تھی۔ سردار تھالوب نے چابی گھما دی۔ لاک کھلتے ہی پاور بھی آن ہو گئی اور دروازہ بھی کھل گیا۔ ہم دونوں اندر آ گئے اور سردار تھالوب نے گراؤنڈ فلور والا بٹن دبا دیا۔

لفٹ خاصی تیز رفتار تھی۔ نیچے پہنچنے میں چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے۔ لفٹ سے باہر نکلتے ہی میری نظر لابی میں چوکی دار والے کمرے کے دروازے کی طرف اٹھ گئی۔ دروازہ چند انچ کے قریب کھلا ہوا تھا اور اندر سے اٹھا پٹخ کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے تیزی سے جھک کر خنجر نکالا اور کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔

پیر کی ٹھوکر سے دروازہ پوری طرح کھول دیا اور اندر کا منظر دیکھ کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ جانگی بنیان پہنے ہوئے اور بنتا کٹا گینڈا نما چوکیدار اس کے سینے پر سوار تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے جانگی کا گلا دبوچ رکھا تھا۔ جانگی کے دونوں ہاتھ اس کی کلائیوں پر تھے۔ وہ اپنا گلا چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ ٹانگیں بھی بری طرح پٹخ رہی تھی۔

میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر بائیں ہاتھ کا پنچ چوکیدار کی کھوپڑی پر رسید کر دیا لیکن اس ضرب کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے مڑ کر میری طرف دیکھا ضرور لیکن جانگی کے گلے پر اس کی

گرفت ڈھیلی نہیں ہوئی بلکہ وہ گلا گھونٹنے کے لیے اور زیادہ طاقت استعمال کرنے لگا۔ اس کے چہرے پر جنون کے سے تاثرات تھے۔ میں اگر چاہتا تو نہایت آسانی سے اس کی پشت میں خنجر اتار سکتا تھا لیکن میں اسے مارنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ بے گناہ تھا اور میں نے آج تک کسی بے گناہ کے خون سے ہاتھ نہیں رنگے گے لیکن اس وقت جانکی کو بھی اس سے چھڑانا ضروری تھا۔ میں نے خنجر بائیں ہاتھ میں پکڑلیا اور دائیں ہاتھ سے ایک زوردار چوپ چوکیدار کے کندھے پر رسید کردیا۔

یہ وار کارگر ثابت ہوا۔ وہ بلبلا کر پیچھے الٹ گیا۔ میں نے ایک زوردار گھونسا اس کی کنپٹی پر رسید کردیا۔ اس کے منہ سے ایک بار پھر چیخ نکلی اور بیڈ سے لڑھک کر فرش پر جا گرا اور اس کے ساتھ ہی بے حس و حرکت ہوگیا۔ کنپٹی پر لگنے والے گھونسے نے اسے انٹا غفیل کردیا تھا۔

جانکی بیڈ پر پڑی اپنا گلا سہلا رہی تھی۔ اس کا بلاؤز بالکل پھٹ گیا تھا۔ سینے، گردن اور کندھوں پر بے شمار خراشیں تھیں جن سے خون رس رہا تھا۔ میں نے اسے سہارا دے کر اٹھا دیا۔ باہر نکلتے ہوئے جانکی نے دروازے کے قریب چھوٹی میز پر پڑا ہوا چابیوں کا گچھا اٹھالیا۔

سردار تھالوب باہر کھڑا تھا۔ اس نے کمرے میں نہ آکر عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ چوکیدار اسے ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیتا اور بعد میں اس کے لیے مشکلات پیدا ہوسکتی تھیں۔

جانکی نے گیٹ کا تالا کھول دیا۔ ہم تینوں باہر آگئے اور گیٹ کھلا چھوڑ کر بلڈنگ سے کچھ آگے سڑک کے دوسری طرف کھڑی ہوئی جیپ کی طرف دوڑے۔

وانگ ڈن نے ہمیں دیکھ لیا تھا۔ ہمارے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اس نے انجن اسٹارٹ کردیا اور ہمارے بیٹھتے ہی جیپ حرکت میں آگئی۔

جب ہم کانیج کے گیٹ میں داخل ہوئے تو ساڑھے پانچ بج رہے تھے اور دن کا ہلکا سا اُجالا پھیلنے لگا تھا۔

قبائلی محافظ کانیج کے چاروں طرف موجود تھے۔ برآمدے کا دروازہ اندر سے لاک نہیں تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی جانکی اپنے کمرے میں دوڑ گئی۔ لوبا قالین پر پڑا سو رہا تھا۔ ہماری آوازیں سن کر وہ اندر گیا۔ سردار تھالوب اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وانگ ڈن صوفے پر گر گیا تھا۔ اسے بھی بری طرح نیند آرہی تھی۔ میں اپنے کمرے میں آگیا۔

میں نے ایک کرسی کی پشت پر پڑے ہوئے دوسرے کپڑے اٹھائے اور باتھ روم میں گھس گیا۔ نہانے سے بڑا سکون ملا تھا۔ میں کپڑے بدل کر باہر نکلا تو جانکی کو کمرے میں کھڑے دیکھ کر چونک گیا۔ اس نے ایک ہاتھ میں جینز اور سفید ٹی شرٹ اٹھا رکھی تھی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔

"تم یہاں کیا کررہی ہو؟" میں نے اسے گھورا۔

"میرے کمرے میں رنگولی اور سونیا سو رہی ہیں۔ بیڈ پر تیسرے فرد کی گنجائش نہیں تھی اس لیے میں یہاں آگئی ہوں۔" اس نے کہتے ہوئے پینٹ اور ٹی شرٹ کرسی کی پشت پر رکھ دی اور باتھ روم میں گھس گئی۔

مجھے اپنی خیریت خطرے میں نظر آنے لگی۔ میں نے آہستگی سے دروازہ کھولا اور کمرے سے باہر آگیا اور پھر اسی آہستگی سے دروازہ بند کرکے ہال میں آگیا۔ لوبا اور وانگ ڈن سو چکے تھے۔ میں دوسرے صوفے پر لیٹ گیا۔

باہر دن طلوع ہوچکا تھا۔ کھڑکیوں سے روشنی جھلک رہی تھی۔ میں کچھ دیر تک گزری رات کے واقعات کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔

میں جب بیدار ہوا تو دوپہر ہورہی تھی۔ ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ رنگولی اور سونیا سامنے والے صوفے پر بیٹھی باتیں کررہی تھیں۔ جانکی غالباً کمرے میں سو رہی تھی۔ وانگ ڈن نظر نہیں آیا اور میرا خیال تھا کہ سردار تھالوب بھی اپنے کمرے میں سو رہا ہوگا۔ میں انگڑائی لیتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سونیا اور رنگولی نے میری طرف دیکھا اور پھر آپس میں کھسر پھسر کرنے لگیں۔

"کیا بات ہے۔ یہ کیا گپ چپ ہورہی ہے؟" میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے لیے سردار تھالوب کا پیغام ہے کہ جب تک وہ فون پر کوئی اطلاع نہ دے تم اس کانیج سے باہر نہیں نکلو گے۔" رنگولی نے کہا۔

"کیا مطلب.... تھالوب کہاں ہے؟" میں نے اسے گھورا۔

"سردار تھالوب اور وانگ ڈن صبح سات بجے چیانگ رائے چلے گئے ہیں۔" رنگولی نے بتایا۔

"کیا....؟" میں اچھل پڑا "مجھے بتائے بغیر۔ کوئی خاص بات؟"

"گزشتہ رات چیانگ رائے سے چند کلو میٹر پہلے مہاراج اور رتنا کوسن کی گاڑی پر حملہ ہوا تھا۔ مہاراج اور رتنا کوسن زخمی ہوئے ہیں جبکہ سردار تھالوب کے تین قبائلی محافظ مارے گئے ہیں اور چار زخمی ہوئے ہیں۔"

"اوہ!" مجھے اپنے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا "وہ لوگ کہاں ہیں۔ چیانگ رائے میں؟"

"مہاراج اور رتنا کوسن کی حالت تشویش ناک نہیں تھی۔ انہیں مرہم پٹی کرکے فارغ کردیا گیا تھا اور وہ رات کے پچھلے پہر جہاز پر بنکاک چلے گئے تھے۔ زخمی قبائلی محافظ چیانگ رائے کے اسپتال میں ہیں۔ لاشیں بھی وہیں ہیں۔"

"یہ اطلاع کب ملی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"صبح ساڑھے چھ بجے۔" رنگولی نے بتایا "تم اس وقت سو رہے تھے اس لیے سردار نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔"

"حملہ آور کون تھے۔ کچھ پتا چلا؟" میں نے پوچھا۔

"فون پر زیادہ تفصیل نہیں بتائی گئی تھی۔ ویسے حملہ آوروں کے بھی دو آدمی مارے گئے ہیں۔" رنگولی نے جواب دیا "سردار کا فون آئے گا تو تفصیل معلوم ہوجائے گی۔"

اس دوران میں لوما نے چائے کا کپ میرے سامنے رکھ دیا۔ میں چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ سردار تھالوب نے گزشتہ رات مہاراج اور رتنا کوسن کے ساتھ محافظوں کی دو گاڑیاں بھیج کر عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ اسے بھی میری طرح کسی ایسی کارروائی کا شبہ ہوگا۔ اگر محافظ نہ ہوتے تو ان میں سے کسی کا بھی بچنا مشکل ہوتا۔

مجھے مہاراج کی فکر تھی۔ ان کی عمر ستر سے اوپر تھی۔ اس عمر میں زخمی ہونا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ میں چائے کا کپ اٹھا کر ٹیلی فون کے قریب آگیا اور ریسیور اٹھا کر بنکاک کا نمبر ملانے لگا۔ کال ریسیو ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ کال واٹ ٹریمٹ کے مہتمم بھکشو تھوتھانگ نے ریسیو کی تھی۔

"مہاراج بالکل خیریت سے ہیں۔" اس نے میرے پوچھنے پر بتایا "ان کی پنڈلی میں گولی لگی تھی۔ ابتدائی طبی امداد تو چیانگ رائے ہی میں دے دی گئی تھی۔ یہاں انہیں اسپتال میں داخل کردیا گیا ہے۔ تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ تم پریشان مت ہونا۔ اچھا ہے اس بہانے مہاراج دو تین دن آرام کریں گے۔ یہ بندہ تو آرام سے بیٹھتا ہی نہیں۔ ادھر سے اُدھر بھاگا پھرتا ہے۔"

"اور رتنا کوسن کیسے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ان کے بازو میں گولی لگی تھی لیکن تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ انہیں اسپتال میں تازہ ڈریسنگ کرکے فارغ کردیا گیا تھا۔ تم اپنا نمبر دو میں کسی وقت مہاراج سے فون کروا دوں گا۔ مجھے معلوم ہے تم بہت بے چین ہو رہے ہوگے لیکن پریشان مت ہو۔ سب ٹھیک ہے۔"

"سیاسی صورتِ حال کیسی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میں زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا لیکن صورتِ حال کنٹرول میں ہے۔" بھکشو تھوتھانگ نے جواب دیا۔

میں نے یہاں کا نمبر دے کر فون بند کردیا۔ ابھی ریسیور رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ریسیور اٹھالیا۔ وہ چیانگ رائے سے سردار تھالوب کی کال تھی۔

"کیا معاملہ تھا سردار۔ اب کیا صورتِ حال ہے؟" میں نے اس کی آواز سنتے ہی پوچھا۔

"اب صورتِ حال قابو میں ہے مگر ہمارا اچھا خاصا نقصان ہوچکا ہے۔" سردار تھالوب نے جواب دیا "میرے تین بندے ہلاک ہوچکے ہیں۔ چار زخمی ہیں جن میں سے ایک کی حالت تشویش ناک ہے مگر مقامِ شکر ہے کہ مہاراج اور رتنا کوسن وغیرہ کا زیادہ نقصان نہیں ہوا۔ مہاراج اور رتنا کوسن کو گولیاں لگی تھیں مگر زیادہ تشویش کی بات نہیں ہے۔"

"میری بنکاک میں واٹ ٹریمٹ کے مہتمم سے بات ہوئی تھی۔ وہ دونوں اگرچہ بخیریت ہیں مگر وہاں کی سیاسی صورت حال کا کچھ پتا نہیں چل سکا۔ یہاں کی صورتِ حال کیا ہے۔ حملہ آور کون تھے۔ کچھ پتا چلا؟"

"حملہ آوروں کے بھی دو آدمی مارے گئے ہیں۔ اگرچہ کچھ گرفتاریاں ہوئی ہیں مگر بات ابھی تک واضح نہیں ہوسکی لیکن ایک بات طے ہے کہ سازشی ٹولے کو کسی طرح رتنا کوسن کی آمد کا پتا چل گیا تھا۔ انہیں یہ بھی پتا چل گیا ہوگا کہ ایکی مائی گرفت میں آگئی ہے اور اسے بنکاک لے جایا جارہا ہے لیکن.... یہ حملہ براہِ راست شہنشاہ پر وار سمجھا جائے گا۔ رتنا کوسن شہنشاہ کا کزن ہے اور حکومت میں نہایت اہم ذمے داریاں نبھا رہا ہے۔ حکومت کی مشینری پوری طرح حرکت میں آگئی ہے۔ ادھر بنکاک میں سیاسی حلقوں میں زبردست کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ کل رات رتنا کوسن نے ہمارے کانیج سے بنکاک میں کئی لوگوں کو فون کیے تھے۔ بنکاک میں رات تین بجے کے بعد سے گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا جو.... ہنوز جاری ہے۔ کچھ بڑی مچھلیاں بھی پکڑی گئی ہیں اور کچھ لوگ روپوش ہوگئے ہیں۔ سازش کو پوری طرح ناکام بنا دیا گیا ہے اور صورتِ حال مکمل طور پر حکومت کے کنٹرول میں ہے۔"

"تمہیں یہ سب کچھ کیسے پتا چلا سردار تھالوب؟" میں نے پوچھا۔

"میرا ایک کزن پارلیمنٹ کا ممبر ہے۔" سردار تھالوب نے جواب دیا "تھوڑی دیر پہلے بنکاک میں فون پر میری اس سے بات ہوئی تھی۔ یہ ساری تفصیل اسی نے مجھے بتائی ہے۔"

"میرے لیے کیا ہدایت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم اس سارے سیٹ اپ کے مرکزی کردار ہو۔" سردار تھالوب نے کہا "سب لوگ جان چکے ہیں کہ شہنشاہ کے خلاف اس سازش کو ناکام بنانے میں تم نے اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "اس سارے ہنگامے میں سب سے زیادہ نقصان جنرل کھورات کو اٹھانا پڑا ہے۔ جانی بھی اور مالی بھی۔ زخمی سانپ زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ رات کو پرے بھی وار نگ دے چکا تھا کہ تمہیں چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ختم کردیا جائے گا اس لیے تمہیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ صبح یہاں آنے سے پہلے میں نے کچھ اور آدمی کانیج کے اطراف میں دور دور تک پھیلا دیے تھے۔ ویسے میں خود بھی شام سے پہلے پہلے پہنچ جاؤں گا۔ اس کے بعد ہی کوئی پروگرام بنائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔" میں نے جواب دیا

اور چند اور رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد فون بند کردیا۔

میں رنگولی اور سونیا کو صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگا۔ اس دوران میں جانکی بھی آگئی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ شاید نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد میں نے اور جانکی نے اکٹھے ہی بیٹھ کر ناشتا کیا۔ ہمارے پاس کوئی کام نہیں تھا سوائے باتوں کے۔

میں کاٹیج سے نکل کر باہر آگیا۔ آسمان پر پھر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہوا میں قدرے خنکی تھی جو بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ میں لان میں ایک کرسی پر بیٹھا پہاڑوں کی طرف دیکھتا رہا۔ اسی دوران میں جانکی بھی وہاں آگئی۔

"صبح تم کمرے سے کیوں بھاگ گئے تھے؟" اس نے خشمگیں نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تاکہ تم آرام سے سو سکو۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے تم..."

"سونیا آرہی ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے برآمدے کی طرف اشارہ کیا۔ جانکی بھی مڑکر اس طرف دیکھنے لگی۔

سونیا بھی ہمارے پاس آکر بیٹھ گئی۔ میں اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا' اس کی آنکھوں میں اداسی بہت واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی۔ اس سارے ہنگامے میں اور سین فونگ کے قتل کے بعد بھی کہیں سونیا کا نام نہیں آیا تھا۔ وہ اگر چاہتی تو اطمینان سے اپنے گھر میں رہ سکتی تھی لیکن اس نے اپنے گھر جانے کے بجائے ہمارے ساتھ رہنے کو ترجیح دی تھی بلکہ ایک موقع پر تو اس نے واشگاف لفظوں میں کہہ دیا تھا۔

"مجھے اس گھر یا اس کی کسی چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اب تو میں نے اپنا مرنا جینا تم لوگوں کے ساتھ طے کرلیا ہے۔ یہ بات بھی اب میری سمجھ میں آگئی ہے کہ اپنے لیے تو سب ہی جیتے ہیں' اصل مزہ تو دوسروں کے لیے جینے میں ہے۔ تم لوگ بھی تو دوسروں کے لیے جی رہے ہو۔ موت کے سوداگروں کے ساتھ جنگ کو میں نے بھی اپنی زندگی کا مشن بنالیا ہے اور ابھی تو میں نے اپنی ماں کے قتل کا بدلہ بھی لینا ہے۔ دارا میرا اور تمہارا مشترکہ دشمن ہے۔ اس سے انتقام لینے کے لیے میں بھی تمہارے شانہ بشانہ چلوں گی۔ کسی بھی موقع پر تم مجھے پیچھے نہیں پاؤ گے۔"

"سین فونگ کو جس طرح تم نے انجام کو پہنچایا ہے' اس سے مجھے تمہارے بارے میں اندازہ ہوگیا ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ کامیابی تمہارے قدم چومتی رہے۔" میں نے کہا۔

"کامیابی اور ناکامی' فتح و شکست کھیل کا ایک حصہ ہے۔" سونیا نے جواب دیا "میں جانتی ہوں کسی موقع پر ناکامی کی صورت میں زندگی سے محروم ہوسکتی ہوں لیکن اب زندگی کی پروا کسے ہے۔"

سونیا اس موضوع پر جب بھی بات کرتی' اس کے لہجے میں ایک عزم ہوتا لیکن اس وقت اس کے چہرے پر اداسی دیکھ کر مجھے قدرے حیرت ہوئی تھی۔ میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا پھر ارادہ بدل دیا۔ سونیا کی اداسی کی وجہ میری سمجھ میں آگئی تھی۔ اس کی ماں کو مرے ہوئے آج تیسرا دن ہوا تھا۔ نہ تو اس نے آخری مرتبہ اپنی ماں کا چہرہ دیکھا تھا اور نہ ہی اس کی آخری رسومات میں شریک ہوئی تھی اور ظاہر ہے ایسی صورت میں [illegible] ہونا ہی چاہیے تھا۔

ہم میں سے کوئی بھی صبح سے [illegible] شہر کی طرف نہیں گیا تھا۔ وانگ ڈن یہاں [illegible] معلوم کرلیتا۔ میرا یا جانکی وغیرہ کا باہر جانا [illegible] خطرناک تھا۔ رنگولی اور تھالوب نے بھی خاص طور پر ہمیں باہر نکلنے سے منع کردیا تھا۔ البتہ لوما ایک ایسا شخص تھا جس سے یہ کام لیا جاسکتا تھا۔

میرے کہنے پر لوما فوراً ہی تیار ہوگیا اور جب سونیا کو پتا چلا تو وہ بھی تیار ہوگئی۔

"تمہیں کوئی خطرہ تو نہیں؟" میں نے پوچھا "پرسوں رات تم نے سین فونگ اور اس کے محافظ کو ان کے کاٹیج میں گھس کر قتل کیا تھا۔ کسی نے تمہیں اس گلی میں یا کاٹیج کے آس پاس دیکھا تو نہیں تھا؟"

"بالکل نہیں۔" سونیا نے جواب دیا "مجھے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔"

"شہر کے بہت سے لوگ جانتے ہوں گے کہ تم رنگ سنت کی بیٹی ہو۔ کوئی نہ کوئی پہچان لے گا۔ ایسی صورت میں کسی گڑبڑ کا اندیشہ تو نہیں؟" میں نے پوچھا۔

"اگر کوئی پہچان بھی لے گا تو کیا ہوگا۔ میں کسی معاملے میں ملوث تو نہیں۔" سونیا نے جواب دیا "اور اتفاق سے اگر کوئی گڑبڑ ہو بھی گئی تو اطمینان رکھو۔ تم لوگوں کی وجہ سے اب میرا اتنا حوصلہ بڑھ گیا ہے کہ ہر قسم کی صورتِ حال کا مقابلہ کرسکتی ہوں اور یہ بھی تسلی رکھو کہ میری وجہ سے تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

میں خاموشی سے سونیا کے چہرے کو دیکھتا رہا۔

سونیا اور لوما کی واپسی تقریباً دو گھنٹوں بعد ہوئی تھی۔ بڑی دلچسپ خبریں تھیں۔ چیانگ رائے سے پولیس کی بھاری نفری یہاں پہنچ گئی تھی اور رتنا کوسن پر حملے کے حوالے سے یہاں کچھ گرفتاریاں بھی ہوئی تھیں اور پکڑ دھکڑ کا سلسلہ اب بھی جاری تھا۔

سین فونگ کی لاش اس کے آدمی گزشتہ رات اسپتال سے لے گئے تھے جسے رات ہی رات گولڈن ٹرائی اینگل پہنچا دیا گیا تھا۔ پریرے اور اس کے پنٹ ہاؤس میں دو لڑکیوں کے قتل نے بھی شہر میں اچھا خاصا خوف و ہراس پھیلا دیا تھا۔ پولیس نے پریرے ہاؤس کے چوکیدار کو حراست میں لے لیا تھا جس نے جانکی کے بارے میں بیان دیا تھا کہ کس طرح وہ دھوکے سے بلڈنگ میں داخل ہوئی تھی

اور کمرے میں لے جاکر اسے بے ہوش کردیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے جانکی پر قابو پانے کی کوشش کی تھی لیکن اس وقت اسی کا ایک ساتھی کمرے میں گھس آیا تھا جس نے سر پر ضرب لگا کر اسے دوبارہ بے ہوش کردیا۔ وہ ظاہر ہے جانکی کا نام تو نہیں جانتا تھا لیکن اس نے جو حلیہ بتایا تھا' اس سے بھی جانکی کو شناخت کرنا ممکن نہیں تھا۔ چھت پر سرونٹ کوارٹر میں رہنے والے... ملازم نے بھی بیان دیا تھا کہ پنٹ ہاؤس میں فائرنگ اور چیخوں کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے اپنے کوارٹر سے باہر نکلنا چاہا تھا مگر کسی نے دروازے کو باہر سے بند کر رکھا تھا۔

پہلے اسے ڈکیتی کی واردات سمجھا گیا لیکن پنٹ ہاؤس سے کوئی چیز چوری نہیں ہوئی تھی۔ کسی چیز کو چھیڑا تک نہیں گیا تھا۔ پریرے کی خواب گاہ کی الماری میں لاکھوں بھات کی نقد رقم موجود تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی قیمتی چیزیں تھیں مگر ہر چیز جوں کی توں تھی۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر پولیس اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ وہ جو لوگ بھی تھے' پریرے کو قتل کرنے کی نیت سے ہی بلڈنگ میں داخل ہوئے تھے اور اس کے لیے انہوں نے بڑی پلاننگ کی تھی۔ پریرے کی لاش پر زخموں کے نشان تھے۔ جس سے پولیس نے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ پہلے اس پر خنجر کے وار کرکے قتل کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن شاید وہ اپنے آپ کو چھڑا کر پنٹ ہاؤس سے باہر نکل گیا تھا اور اپنے آپ کو بچانے کی کوشش میں وہ چھت سے گر گیا تھا یا اسے گرا دیا گیا تھا۔ بہرحال پولیس نے شہر کے دو بدنام غنڈوں کو اس کے قتل کے شبے میں گرفتار بھی کرلیا تھا۔

سونیا کے کہنے کے مطابق شہر میں سناٹا تھا۔ غیر ملکی سیاح اور سیرو تفریح کے لیے دوسرے شہروں سے آئے ہوئے لوگ واپس جارہے تھے۔ شہر کی رونق اجڑ گئی تھی۔ کاروبار ٹھپ ہو کر رہ گیا تھا۔ قتل و غارت نے اس شہر کا سکون برباد کردیا تھا۔ لوگوں کے خیال میں اس شہر کو کسی کی نظر لگ گئی تھی۔

میں دیر تک اس صورتِ حال پر غور کرتا رہا۔ دارا وغیرہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا اور مجھے سب سے زیادہ پریشانی تھائی کی تھی۔ وہ زخمی بھی تھی اور نجانے ان درندوں نے اس کا کیا حشر کیا ہوگا۔

شام پانچ بجے کے قریب بنکاک سے مہاراج کی کال آگئی۔ میں نے سب سے پہلے خود ان کے بارے میں پوچھا تھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں وجدان۔" مہاراج نے جواب دیا "گولی پنڈلی کے گوشت کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ معمولی زخم ہے۔ دو چار روز میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

"اور دیگر حالات کیا ہیں مہاراج؟" میں نے پوچھا۔

"صورتِ حال کنٹرول میں ہے۔ سازش میں شریک تمام بڑے بڑے لوگوں کو گرفتار کیا جاچکا ہے۔ کچھ لوگ روپوش ہوگئے ہیں لیکن وہ بھی جلد ہی گرفت میں آجائیں گے۔" مہاراج نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولے "رتنا کوسن نے تمہارا نام شہنشاہ تک پہنچا دیا ہے۔ وہ تم سے بہت خوش ہیں اور کسی مناسب موقع پر تمہیں ملاقات کا شرف بھی بخشیں گے اور تم بتاؤ۔ تھائی کا کچھ پتا چلا؟"

"گزشتہ رات میں نے دارا کے ٹھکانے کا پتا لگالیا تھا لیکن صبح سویرے ہی چیانگ رائے میں آپ لوگوں پر حملے کی اطلاع ملتے ہی سردار تھالوب چیانگ رائے چلا گیا تھا۔ اس نے میرے لیے پیغام چھوڑا تھا کہ اس کی واپسی تک میں کاٹیج سے باہر نہ نکلوں۔ ویسے یہاں کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ جنرل کھوراٹ کا معتمدِ خاص سونیا کے ہاتھوں مارا جاچکا ہے اور سین فونگ کے آدمی اس کی لاش کو گولڈن ٹرائی اینگل لے گئے ہیں اور گزشتہ رات یہاں کا ایک سابق پولیس چیف بھی میرے ہاتھوں مارا جاچکا ہے۔ وہ بھی اس سازش میں شریک تھا اور دارا وغیرہ کو بھی اسی نے پناہ دے رکھی تھی۔ سننے میں آیا ہے کہ جنرل کھوراٹ کے آدمی یہاں آنے والے ہیں۔"

"لیکن شاید اب وہ چیانگ سائین میں کوئی کارروائی نہ کرسکیں۔" مہاراج نے جواب دیا "ابھی تھوڑی دیر پہلے رتنا کوسن سے میری بات ہوئی تھی۔ پولیس کی بھاری نفری چیانگ سائین بھیجی جاچکی ہے۔ دیگر انتظامی امور سنبھالنے کے لیے کچھ آدمی چیانگ رائے اور بنکاک سے بھی بھیجے گئے ہیں۔ ایک آدھ دن میں وہاں کے حالات بھی کنٹرول میں آجائیں گے لیکن بہرحال' تم اپنا خیال رکھنا۔ تمہارا واسطہ نہایت مکار اور گھٹیا قسم کے دشمن سے ہے جو کسی بھی وقت وار کرسکتا ہے اور تھائی کی تلاش جاری رکھو۔"

مہاراج سے تقریباً آدھا گھنٹا باتیں ہوتی رہیں اور پھر فون بند کردیا گیا۔

اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ سردار تھالوب اور وانگ ڈن بھی پہنچ گئے۔ وہ دونوں بھی ہمارے پاس ہی آکر بیٹھ گئے۔ میں نے پہلی مرتبہ تھالوب کے چہرے پر تھکن کے آثار دیکھے تھے۔ لوما نے فوراً ہی ان کے سامنے چائے رکھ دی۔

"کیم جب اتنا بڑا ہو تو سو طرح کے خدشات ہوتے ہیں۔" تھوڑی دیر بعد سردار تھالوب نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا "مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہوگی اسی لیے میں نے مہاراج اور رتنا کوسن کی حفاظت کے لیے محافظوں کی دو گاڑیاں بھیج دی تھیں۔ میرا شبہ درست نکلا۔ چیانگ رائے سے چند کلومیٹر پہلے ان پر حملہ ہوا لیکن قسمت اچھی تھی وہ لوگ بچ گئے۔"

"میرا خیال ہے وہ لوگ ایکی مائی کو ختم کرنا چاہتے ہوں گے۔" اس کے خاموش ہونے پر میں نے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" سردار تھالوب نے کہا "لیکن ظاہر

ہے رات کے اندھیرے میں حملہ کرنے کا مقصد صرف ایک مائی کو قتل کرنا نہیں تھا۔ اگر مہاراج یا رتنا کو ان میں سے کوئی مارا جاتا تو میرا خیال ہے اس ملک میں قیامت ہی آجاتی۔ بہرحال' بلا ٹل گئی اور پورے ملک میں صورتِ حال اب مکمل طور پر حکومت کے کنٹرول میں ہے۔"

"اور تمہارے تین آدمی....."

"چار۔" سردار تھالوب نے میری بات کاٹ دی "چوتھا آدمی بھی چل بسا لیکن مجھے خوشی ہے کہ میرے قبیلے کے لوگوں کی قربانی رائگاں نہیں گئی۔ ہم وہ لوگ ہیں جو شہنشاہ اور اس سرزمین کی سلامتی کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔ ہم ہمیشہ ہر آزمائش میں پورے اترے ہیں۔ ہمیں اپنے اس کردار پر فخر ہے۔ میرے قبیلے کے لوگ آج سوگ نہیں جشن منا رہے ہیں کہ ان کے چند آدمیوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے شہنشاہ اور ملک کو ایک بہت بڑی سازش کا شکار ہونے سے بچالیا۔"

سردار تھالوب کے جذبات قابلِ قدر تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ اگر ہر ملک میں اس جیسے محبِ وطن موجود ہوں تو دشمن ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا لیکن دنیا میں دارا' پیڈرو اور آنگ سانگ جیسے بے ضمیر لوگوں کی بھی کمی نہیں تھی جو نہ صرف خود اپنے ملک کے لیے مسائل پیدا کرتے تھے بلکہ اغیار کو بھی اپنے ملک کی بڑیں کاٹنے کی دعوت دیتے تھے۔

سردار تھالوب رات کا کھانا کھا کر اپنے شروالے بنگلے میں چلا گیا تھا۔ ہم نے یہ پروگرام بنایا تھا کہ پہلے مائے کھام ریور کے کنارے واقع اس کانیج کی نگرانی کرکے تسلی کرلی جائے کہ دارا وغیرہ وہاں موجود ہیں یا نہیں۔ دارا بہت چالاک تھا۔ ہوسکتا ہے پریرے کے قتل سے وہ یہ سمجھ گیا ہو کہ یہ ہمارا کارنامہ ہوسکتا ہے اور ہم نے اس سے کانیج کے بارے میں معلوم کرلیا ہوگا اور انہوں نے اپنا ٹھکانا تبدیل کرلیا ہو۔

سردار تھالوب نے وانگ ڈن کو ہدایت کردی تھی کہ وہ صبح سویرے ہی دو تین آدمیوں کو تھانگ سینگ کی طرف بھیج دے تاکہ ان لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کی جاسکیں۔

تھانگ سینگ وہاں سے تقریباً دس کلو میٹر دور لاؤس کی سرحد کے قریب واقع تھا۔ اس جگہ دریائے میکانگ بھی مائے کھام ریور سے اس طرح ملتا تھا کہ انگریزی کے حرف Y کی شکل اختیار کرگیا تھا اور انہی دریاؤں کی درمیانی ڈھلوانوں میں گولڈن ٹرائی اینگل کا علاقہ واقع تھا۔ دونوں دریا ایک طرف لاؤس اور دوسری طرف برما کی سرحد سے جا ملتے تھے۔ گویا یہ دونوں دریا تینوں ممالک کے درمیان سرحدوں کا کام دیتے تھے۔

وہ رات بڑی بے چینی میں گزری تھی۔ صبح دیر تک میں بستر پر پڑا رہا۔ گیارہ بج چکے تھے۔ سردار تھالوب ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ شہر میں کچھ اور کاموں میں مصروف تھا۔ کچھ دیر بعد وانگ ڈن بھی چلا گیا۔

پانچ بجے کے قریب دو قبائلی لان میں آکر بیٹھ گئے۔ لوما نے میرے پوچھنے پر بتایا کہ یہ وہی دونوں قبائلی ہیں جنہیں آج صبح سویرے تھانگ سینگ بھیجا گیا تھا۔ میں نے ان سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی لیکن وہ جواب دینے سے گریز کرتے رہے۔ ساڑھے چھ بجے کے قریب سردار تھالوب واپس آیا تو وہ لوگ فر فر بولنے لگے۔

"میرا شبہ درست نکلا۔" سردار تھالوب نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "وہ لوگ دو پارٹیوں میں تقسیم ہوگئے ہیں۔ ایک پارٹی تو اسی کانیج میں مقیم ہے جس کا پتا پریرے نے بتایا تھا۔ دوسری پارٹی وہاں سے تقریباً پانچ کلو میٹر آگے دریا کے ساتھ ایک اور کانیج میں منتقل ہوگئی ہے اور اتفاق سے دونوں پارٹیوں میں ایک ایک عورت شامل ہے۔ میرے یہ آدمی چونکہ دارا وغیرہ میں سے کسی کو نہیں پہچانتے اس لیے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ دارا اور تھائی کس کانیج میں ہیں۔ البتہ انہوں نے یہ معلوم کرلیا ہے کہ دونوں پارٹیوں میں دو دو آدمی اور ایک ایک عورت شامل ہے۔"

"ہمیں یہ تو پتا چل گیا تھا کہ تھائی زخمی ہے۔ اس کے بازو میں گولی لگی تھی۔ اس کے بازو پر یقیناً پٹی وغیرہ بندھی ہوگی۔ ان سے معلوم کرو کہ زخمی عورت کس پارٹی میں ہے۔" میں نے کہا۔

سردار تھالوب ایک بار پھر اپنے آدمیوں سے بات کرنے لگا۔ دو منٹ بعد وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"جن دو عورتوں کو انہوں نے دیکھا ہے' ان میں کوئی بھی زخمی نہیں ہے۔ میں نے انہیں تھائی کا حلیہ بتایا ہے اور ان کے کہنے کے مطابق ان دونوں میں سے کوئی بھی اس حلیے سے ملتی جلتی نہیں ہے۔"

"چار آدمی دو عورتیں۔" میں بڑبڑایا "لیکن اگر آنگ سانگ بھی ان کے ساتھ ہے تو ان کی تعداد پانچ ہونی چاہیے۔ دارا' پیڈرو' کم' جی فانگ اور آنگ سانگ لیکن یہ چار آدمی ہیں۔"

"ہوسکتا ہے پانچواں آدمی ان کی نظروں میں نہ آیا ہو۔" سردار تھالوب نے کہا "بہرحال' ہم صبح سویرے اس کانیج پر ریڈ کریں گے جس کا پتا پریرے نے بتایا تھا۔"

"رات کو کیوں نہیں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہم رات کو دو ڈھائی بجے یہاں سے نکلیں گے۔" سردار تھالوب نے کہا "یہ دونوں آدمی رہنمائی کے لیے ہمارے ساتھ ہوں گے۔ ہمیں تقریباً چار کلو میٹر کا فاصلہ پیدل طے کرنا ہوگا اس لیے ان تینوں میں سے کوئی ہمارے ساتھ نہیں جائے گی۔" اس نے رنگولی' جانگی اور سونیا کی طرف اشارہ کیا۔

"ہمیں کمزور سمجھتے ہو سردار تھالوب!" سونیا نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "میں اپنی ماں کے قاتل کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارنا چاہتی ہوں۔ اس لیے میں

ہمارے ساتھ ضرور جاؤں گی۔ اگر مجھے کچھ ہوگیا تو اس کی ذمے داری تم لوگوں پر نہیں ہوگی۔"

"سونیا ٹھیک کہتی ہے۔" جانگی نے کہا "ہم نہ تو کمزور ہیں اور نہ ہی بزدل اس لیے ہم پیچھے نہیں رہ سکتیں۔"

سردار تھالوب نے میری طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

"جس ملک کی عورتوں میں اس قدر حوصلہ ہو' کیا وہ ملک کسی سازش کا شکار ہوسکتا ہے؟"

سردار تھالوب کی اس بات پر میں نے بھی مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد سردار تھالوب اپنے کمرے میں چلا گیا۔ میں نے جانگی وغیرہ سے بھی کہا کہ وہ تھوڑی سی نیند لے لیں۔ وہ تینوں ایک ہی کمرے میں چلی گئیں۔ اور میں بھی ایک صوفے پر لیٹ گیا لیکن ظاہر ہے نیند کسے آتی۔ ہم میں سے کوئی بھی جانتا نہیں تھا جو اس وقت تک سکون کی نیند سو سکتا ہو جب تک اپنے دشمنوں کو ٹھکانے نہ لگالے۔ میں اپنے ماں باپ کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے دارا کے پیچھے تھا۔ سونیا اپنی ماں کے قاتلوں کو جہنم واصل کرنا چاہتی تھی اور سردار تھالوب وطن دشمنوں کو ٹھکانے لگانا چاہتا تھا۔ اس کے کئی آدمی بھی ان کے ہاتھوں مارے جاچکے تھے۔ ایسی صورت میں نیند کسے آسکتی تھی۔

دو بجے کے قریب سردار تھالوب اپنے کمرے سے نکل آیا۔ میں تو جاگ ہی رہا تھا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد جانگی وغیرہ بھی تیار ہو کر کمرے سے باہر آگئیں۔ ان تینوں نے جینز اور ٹی شرٹس پہن رکھی تھیں۔ سونیا نے جانگی سے کپڑے لے کر پہنے تھے جو اس کے جسم پر بالکل فٹ آئے تھے۔

لوما بھی جاگ گیا تھا۔ اس نے فوراً ہی کافی تیار کرکے ہمارے سامنے رکھ دی۔ کافی پینے کے بعد پونے تین بجے کے قریب ہم اپنے کانیج سے روانہ ہوگئے۔ سردار تھالوب' وانگ ڈن کے ساتھ آگے جبکہ لوما اور وہ دونوں قبائلی ہمارے ساتھ پیچھے بیٹھے تھے۔

شمالی حدود سے نکل کر جیپ پہاڑیوں میں کچے راستے پر اتر گئی۔ راستہ خاصا ناہموار اور خطرناک تھا۔ بری طرح دھچکے لگ رہے تھے۔

چار بجے کے قریب وانگ ڈن نے جیپ روک لی۔ آگے جیپ کا راستہ نہیں تھا۔ ہم سب نیچے اتر آئے۔ آگے پیدل جانے کے لیے ایک ٹریک سا بنا ہوا تھا۔ ان دو قبائلیوں کی رہنمائی میں ہم کچھ دیر اس ٹریک پر چلتے رہے اور پھر دوسری طرف مڑ گئے کیونکہ میرے خیال میں اگر ہم ٹریک پر چلتے رہتے تو فاصلہ بڑھ جاتا۔

راستہ خاصا خطرناک تھا۔ ہم ایک قطار میں چلتے رہے۔ پانچ بجنے کے قریب فضا اچانک ہی فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ ہم سب ہی پھرتی سے پتھروں کی آڑ میں ہوگئے۔

میں ایک پتھر کے پیچھے بیٹھا محتاط نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اس وقت رات کا اندھیرا رخصت ہورہا تھا اور بہت ہلکا سا اجالا پھیلنا شروع ہوا تھا۔ میرا خیال تھا کہ دارا وغیرہ نے بھی پچھلے تجربات سے سبق سیکھا ہوگا۔ رات کو کانیج میں بے خبر سونے کے بجائے انہوں نے بھی پہرے داری کا نظام قائم کرلیا ہوگا اور اس وقت جو کوئی بھی پہرا دے رہا ہوگا اس نے ہمیں دیکھ لیا ہوگا۔

گولیوں کی آواز چاروں طرف گونجتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ یہ فائرنگ کس طرف سے ہوئی تھی۔ ایک برسٹ مارا گیا تھا۔ اس کی بازگشت دیر تک سلسلوں میں سنائی دیتی رہی اور پھر خاموشی چھاگئی۔ میں پتھروں کی آڑ سے سردار تھالوب کے قریب آگیا جو سونیا کے ساتھ ایک تناور درخت کے پیچھے کھڑا تھا۔

"فائرنگ کس طرف سے ہوئی تھی سردار؟" میں نے اس کے قریب دوسرے درخت کی آڑ میں کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے یہ فائرنگ ہم پر نہیں کی گئی۔" سردار تھالوب نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جواب دیا "بازگشت سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ فائرنگ ہوئی کس طرف سے تھی۔"

سردار تھالوب نے ابھی بات پوری کی ہی تھی کہ پہاڑ ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھے۔ اس مرتبہ بھی یوں لگا جیسے پورا برسٹ مارا گیا ہو۔ آواز دیر تک پہاڑوں میں گونجتی رہی پھر خاموشی چھاگئی۔

"وہ کانیج اب یہاں سے کتنی دور ہے؟" سردار تھالوب نے ایک قبائلی کو قریب بلا کر پوچھا۔

"اس چٹان کے دوسری طرف۔" قبائلی نے نشیب کی طرف اشارہ کیا۔ سردار تھالوب کچھ دیر تک اس طرف دیکھتا رہا پھر اشارہ کرتا ہوا ایک ناہموار راستے پر اترنے لگا۔

اس چٹان تک پہنچنے میں ہمیں آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں لگا۔ ہم ایک جگہ پر رک گئے۔ سامنے نشیب میں بہت دور دریائے مائے کھام بہہ رہا تھا۔ مدھم سے اجالے میں دریا کا پانی سُرمئی لکیر کی طرح نظر آرہا تھا۔

"وہ اس طرف۔" ایک قبائلی نے درختوں کے جھنڈ کی طرف اشارہ کیا "وہ کانیج درختوں کے اس جھنڈ کے دوسری طرف ہے۔"

ہم ڈھلان پر اترنے لگے۔ کانیج تک پہنچنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ کانیج کا سامنے کا رخ دوسری طرف تھا جبکہ ہم عقبی رخ سے آئے تھے۔ ہم اگرچہ آڑ میں تھے مگر وہ کانیج پوری طرح ہماری نظروں میں تھا لیکن وہاں کسی قسم کی نقل و حرکت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"تم لوگ یہیں رکو۔ میں آگے جاکر دیکھتا ہوں۔" میں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں درختوں کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ میں نے رائفل کو دونوں ہاتھوں میں اس طرح تھام رکھا تھا کہ وقت پڑنے پر فوری طور

پر استعمال کیا جاسکے۔

کانیچ کے عقب میں پہنچ کر میں رک گیا اور کسی قسم کی آہٹ لینے کی کوشش کرنے لگا لیکن کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ میں نے محتاط انداز میں ایک کھڑکی سے جھانکا۔ اندر بتی جل رہی تھی۔ ایک طرف بیڈ بچھا ہوا تھا جس کی چادر سمٹی ہوئی تھی اور شراب کی ایک خالی بوتل اور دو گلاس اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ بیڈ کے قریب ہی دیوار کے ساتھ ایک آٹو میٹک رائفل بھی استادہ تھی۔ میں اِدھر اُدھر دیکھتا رہا لیکن کوئی ذی روح دکھائی نہیں دیا اور نہ ہی کسی قسم کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔

میں کانیچ کے اوپر سے گھوم کر سامنے کی طرف آگیا اور رائفل سنبھالے محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگا۔ برآمدے میں پہنچ کر میں ایک بار پھر رک گیا۔ اس وقت بھی کوئی آہٹ سنائی نہیں دے رہی تھی۔ کانیچ کا برآمدے والا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے ایک لمحے کو سوچا اور بڑی پھرتی سے اندر داخل ہوگیا۔

رائفل سنبھالے دیوار کے ساتھ چپک کر میں محتاط انداز میں آگے بڑھتا رہا اور پھر جیسے ہی ہال کمرے کے سامنے پہنچا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا اور اب یہ بات بھی میری سمجھ میں آگئی تھی کہ اس وقت فائرنگ کہاں ہوئی تھی۔

ہال کمرے میں فرش پر آنگ سانگ کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اسے غالباً رائفل کا پورا برسٹ مارا گیا تھا۔ جسم چھلنی ہوچکا تھا اور زخموں سے بہنے والا خون فرش پر پھیل کر جم رہا تھا۔

میں نے کانیچ کے سارے کمرے دیکھ ڈالے کسی ذی روح کا نشان تو نہیں ملا البتہ افراتفری کے آثار نظر آرہے تھے۔ لگتا تھا جیسے کچھ لوگوں کی آپس میں دھینگا مشتی ہوئی ہے۔ اس صورتِ حال سے میں نے ایک اور نتیجہ اخذ کیا تھا۔ کسی وجہ سے ان لوگوں میں پھوٹ پڑگئی تھی۔

میں کانیچ سے باہر آگیا اور آواز دے کر تھالوب وغیرہ کو بلالیا' یہاں کی صورتِ حال دیکھ کر وہ لوگ بھی چونکے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

"یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہاں آنگ سانگ کے ساتھ کون تھا لیکن یہ طے ہے کہ وہ جو کوئی بھی تھا' دوسرے کانیچ کی طرف بھی گیا ہوگا۔" میں نے کہا۔

میں اور تھالوب برآمدے میں آگئے۔ وانگ ڈن اور دونوں قبائلی اِدھر اُدھر نکل گئے تھے اور پھر ایک قبائلی کی چیخ سن کر ہم اس طرف متوجہ ہوگئے۔ وہ قبائلی تقریباً ڈیڑھ سو گز دور نشیب میں کھڑا چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا۔

"کیا کہہ رہا ہے یہ؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے تھالوب کی طرف دیکھا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" تھالوب کہتے ہوئے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس طرف چل پڑا۔

میں نے بھی اس کے پیچھے ہی دوڑ لگا دی۔ تقریباً ڈیڑھ سو نشیب میں پہنچ کر میں ایک جھٹکے سے رک گیا۔ جھاڑیوں میں کی لاش پڑی تھی۔ اس کی دونوں ٹانگیں گولیوں سے چھلنی جبکہ جسم کے اوپر والے حصے پر کوئی زخم نظر نہیں آرہا تھا۔

"یہ زندہ ہے۔" سردار تھالوب نے میری طرف دیکھتے کہا۔

"اوہ!" میں چونک گیا اور جھک کر پیڈرو کو دیکھنے لگا اور کی گردن پر ایک نس کو ٹٹولنے لگا۔ اس میں زندگی کے آثار تھے۔ دوسرا قبائلی اور وانگ ڈن بھی دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے تھے۔

"پیڈرو..... پیڈرو....." میں اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے پکارنے لگا۔

چند سیکنڈ بعد پیڈرو نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ میری طرف دیکھتا رہا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

"اسے کانیچ میں لے چلو۔" میں نے وانگ ڈن کو اشارہ کیا۔

وانگ ڈن کے اشارے پر دونوں قبائلیوں نے پیڈرو کو اٹھا لیا اور کانیچ کے ایک کمرے میں لے جا کر بیڈ پر لٹا دیا۔ چہرے پر پانی کے چھینٹے اور حلق میں چند قطرے ٹپکانے سے اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"پیڈرو۔ یہ سب کیا ہوا۔ کون تھا وہ؟" میں نے اس پر جھکتے ہوئے پوچھا۔

"چی..... چی..... فا..... نگ....." اس کی آواز بڑی مشکل سے حلق سے نکل رہی تھی "وہ..... وہ غدار..... نکلے..... آنگ سانگ کو..... بھی مار..... دیا۔"

"دارا کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"دو..... دوسرے کانیچ میں....." پیڈرو نے جواب دیا "میرے ساتھ..... دھوکا..... کیا..... وہ جنرل..... کھوراٹ سے گئے ہیں اور آج..... گولڈن ٹرائی..... اینگل چلے..... جائیں گے۔"

"تھائی بھی اُن کے قبضے میں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں..... اس کی حالت..... اچھی..... نہیں ہے۔" پیڈرو نے جواب دیا۔

"یہاں اور کون تھا؟"

"ایک..... ایک لڑکی..... چی فانگ..... اسے ساتھ لے گئے۔" پیڈرو نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "مجھے دو..... گن..... گولی مار دو..... اس اذیت..... سے نجات دلا دو۔"

میں پیڈرو سے مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا پھر رائفل کا رخ اس کے سینے کی طرف کرکے ٹریگر دبا دیا۔ اذیت سے نجات دلانے کا یہی ایک طریقہ تھا۔ اسے نہ تو ہم ساتھ لے جاسکتے تھے اور نہ ہی اس حالت میں چھوڑ سکتے تھے کہ وہ زندگی اور موت کے درمیان انتہا تڑپتا رہے۔

جب ہم کانیچ سے باہر نکلے تو سورج طلوع ہونے میں اگرچہ دیر تھی لیکن دن کی روشنی پھیل چکی تھی۔

"دوسرا کانیچ یہاں سے کتنی دور ہے سردار؟" میں نے پوچھا۔

"تقریباً پانچ کلو میٹر۔" سردار نے جواب دیا۔

"ہم فوراً ہی اسی طرف جارہے ہیں۔" میں نے کہا "انہیں ہماری آمد کی توقع نہیں ہوگی۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکیں یا وہاں سے نکل جائیں۔ ہمیں وہاں پہنچ جانا چاہیے۔"

میری کیفیت دیکھ کر سردار تھالوب میرے پروگرام سے اختلاف نہیں کرسکا۔ ویسے پیڈرو سے تو وہ بھی سن چکا تھا کہ دارا اس وقت گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف جانے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ اگر وہ نکل جانے میں کامیاب ہوگئے تو صورتِ حال ہمارے لیے بہت گمبھیر ہوجائے گی۔ ہمیں ہر صورت میں انہیں سرحد پار کرنے سے روکنا تھا۔

پانچ کلو میٹر کا فاصلہ ہم نے ایک گھنٹے میں طے کیا تھا۔ رنگولی' چنارا اور جانگی بری طرح ہانپ رہی تھیں۔ اونچے نیچے راستوں پر ہم نے انہیں ایک منٹ بھی رکنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

اور بالآخر ہم رک گئے۔ وہ کانیچ ہم سے تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر تھا اور اس کانیچ کے سامنے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر ایک نالہ بہہ رہا تھا۔ اس جگہ دریا کا پاٹ تقریباً پانچ سو میٹر چوڑا تھا اور اس کے دوسری طرف گولڈن ٹرائی اینگل کا علاقہ شروع ہوجاتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر گھنا جنگل تھا جس میں برمی فوج آسانی سے چھپ سکتی تھی۔

پہاڑیاں اچانک فائر کی آواز سے گونج اٹھیں اور اس کے ساتھ ہی ہمارا ایک قبائلی محافظ چیختا ہوا ڈھیر ہوگیا۔ کانیچ کی طرف سے چلائی جانے والی گولی اس کے سینے میں لگی تھی۔

ہم فوراً ہی اِدھر اُدھر بکھر گئے اور درختوں اور پتھروں کی آڑ سے فائرنگ کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی ہم آگے بڑھنے کی کوشش بھی کررہے تھے۔ دوسری طرف سے بھی بڑی شدید فائرنگ شروع ہوگئی تھی۔

ہمارا اور کانیچ کا درمیانی فاصلہ صرف سو گز کے قریب رہ گیا تھا کہ اچانک ایک خیال نے مجھے چونکا دیا۔ دوسری طرف سے پچاس ساٹھ آدمی جگہ بدل بدل کر فائرنگ کررہے تھے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے پتھروں اور درختوں کی آڑ لیتے ہوئے دائیں طرف دوڑ لگا دی۔ یہ سیدھا رخ دریا کی طرف تھا اور پھر ایک جگہ ٹھٹک کر میں رک گیا۔ ہم تھا کسی کو کندھے پر لادے بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا دریا کی طرف پتھروں کی آڑ میں چلا گیا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ تھائی کو کندھے پر لاد رکھا تھا۔ پیڈرو بھی بتا چکا تھا کہ تھائی کی حالت اچھی نہیں تھی۔ دارا یقیناً اسے بھی اپنے ساتھ گولڈن ٹرائی اینگل لے جانے کی کوشش کررہا تھا۔

میں اس طرف دوڑنے لگا جس طرف کم گیا تھا لیکن میں چند گز سے زیادہ آگے نہیں جاسکا۔ بائیں طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی تھی۔ لاتعداد گولیاں میرے آگے پیچھے گری تھیں۔ میں نے فوراً ہی ایک بڑے پتھر کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔

گولیاں اب بھی برس رہی تھیں۔ پتھر ٹوٹ ٹوٹ کر چاروں طرف اڑ رہے تھے۔ میں نے پتھر کی آڑ سے جھانکنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ بہت شدید فائرنگ ہورہی تھی اور اس فائرنگ کا مقصد غالباً یہی تھا کہ مجھے روکے رکھا جائے۔

اور پھر ایک مرتبہ موقع ملتے ہی میں نے دوسری طرف چھلانگ لگا دی اور اس وقت میں نے وانگ ڈن کو کانیچ کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھا' وہ فائرنگ کرتا ہوا بڑی تیزی سے دوڑ رہا تھا لیکن وہ بیس پچیس گز سے آگے نہیں جاسکا۔ چیختے ہوئے لڑکھڑا کر گرا اور ڈھلان پر لڑھکتا چلا گیا۔ میں نے اس کے جسم پر کئی گولیاں لگتے دیکھی تھیں۔

دوسری طرف سے فائرنگ کے ساتھ اب دوڑنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں اور پھر میں نے سردار تھالوب' اس کے قبائلی محافظ اور رنگولی وغیرہ کو اس طرف دوڑتے ہوئے دیکھا۔ میں بھی آڑ سے نکل کر سامنے آگیا اور ان کی طرف دوڑنے لگا۔

وانگ ڈن کا جسم گولیوں سے چھلنی ہوچکا تھا۔ اس کی لاش ڈھلان پر جھاڑیوں میں اٹکی ہوئی تھی۔ دوسری طرف سے اب فائرنگ کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں اور پھر اچانک میں ایک آواز سن کر اچھل پڑا۔

وہ موٹر بوٹ کے انجن کی آواز تھی۔ میں نے سردار تھالوب کی طرف دیکھا اور پھر دریا کی طرف دوڑ لگا دی۔ پتھروں کی آڑ سے نکل کر میں جیسے ہی سامنے آیا' دریا کی طرف سے شدید فائرنگ ہونے لگی۔ میں نے ایک پتھر کے پیچھے چھلانگ لگا دی اور آڑ لے کر فائرنگ کرنے لگا۔

وہ موٹر بوٹ بڑی تیز رفتاری سے کنارے سے دور بھتی جارہی تھی۔ چی فانگ بوٹ میں کھڑا آٹو میٹک رائفل سے میری طرف فائرنگ کررہا تھا۔ میں چھلانگ لگا کر دوسرے پتھر کے قریب چلا گیا اور دوسری طرف سے گولیوں کی پروا کیے بغیر کشتی پر فائرنگ کرنے لگا لیکن..... وہ تیز رفتار موٹر بوٹ فائرنگ کی رینج سے نکل چکی تھی۔

میری رائفل خالی ہوگئی اور میں وہاں کھڑا لمحہ بہ لمحہ دور جاتی ہوئی موٹر بوٹ کو دیکھتا رہ گیا۔

دریا کا بہاؤ بہت تیز تھا اور وہ موٹر بوٹ بہاؤ کے رخ پر بہت تیزی سے دور ہوتی جارہی تھی اور میں بے حس و حرکت کھڑا بے بسی سے اسے دیکھ رہا تھا اور پھر اپنے کندھے پر ہلکا سا دباؤ محسوس کرکے میں نے چونک کر دیکھا۔ وہ سردار

تھالوب تھا جو میرے کندھے پر ہاتھ رکھے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"وہ نکل گئے۔ ان کے لیے کچھ اور سوچنا پڑے گا۔ آؤ اب واپس چلیں یہاں وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔" تھالوب کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ میں نے اپنی خالی رائفل نیچے پھینک دی اور سردار تھالوب سے اس کی رائفل چھین کر پتھروں پر چھلانگیں لگاتا ہوا دریا کی طرف دوڑا۔ میرا خیال تھا کہ یہاں کوئی چھوٹا سا گھاٹ ہوگا اور کوئی اور کشتی ضرور ہونی چاہیے۔ اگر مجھے کوئی کشتی مل جاتی تو میں ان لوگوں کا تعاقب کر سکتا تھا۔

مجھے اس طرح بھاگتے دیکھ کر تھالوب وغیرہ بھی میرے پیچھے لپکے۔

چھوٹی چھوٹی چٹانوں کی وجہ سے دریا میں کٹاؤ سے بنے ہوئے تھے۔ میں کسی کشتی کی تلاش میں ان چٹانوں پر اِدھر اُدھر دوڑتا رہا۔ میں نے دونوں طرف دور دور تک دیکھ لیا لیکن مجھے بڑی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں کوئی کشتی نہیں تھی۔ میں ایک چٹان پر کھڑے ہو کر پھر دریا کی طرف دیکھنے لگا۔ دارا کی موٹر بوٹ اب بہت دور جا چکی تھی۔

تھالوب اور جانگی وغیرہ بھی میرے قریب پہنچ گئے۔

"مجھے معلوم ہے تمہیں کس چیز کی تلاش ہے۔" تھالوب نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "انہوں نے خاص طور پر پہلے ہی سے اس موٹر بوٹ کا انتظام کر رکھا تھا۔ فرار ان کے منصوبے کا ایک حصہ تھا۔ فی الحال ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ کشتیوں کا گھاٹ یہاں سے تقریباً دو میل دور ہے۔ کوئی کشتی حاصل کرنے کے لیے ہمیں وہاں جانا پڑے گا لیکن گولڈن ٹرائی اینگل میں داخل ہونا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اوہ۔۔۔"

"ہم تو پہلے ہی جان ہتھیلی پر لیے پھر رہے ہیں تھالوب۔ موت سے کون ڈرتا ہے۔ میں گولڈن ٹرائی اینگل میں ضرور داخل ہوں گا۔ تھائی کو ان درندوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

"لیکن اس کے لیے ہمیں باقاعدہ پلاننگ کرنی پڑے گی۔" سردار تھالوب نے کہا "گولڈن ٹرائی اینگل اجنبیوں کے لیے موت کا حصار ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا پڑے گا۔"

میں چند لمحے دریا کی طرف دیکھتا رہا۔ دارا والی کشتی اب نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ میں نے جانگی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی ویرانی اور چہرے پر بے حد ملال تھا۔ اسے دکھ ہونا ہی چاہیے تھا۔ تھائی اس کی بہن پرانی اور گہری دوست تھی۔ تھائی ہی کی دوستی میں اس نے اپنا گھر بار لٹا دیا تھا اور جان ہتھیلی پر لیے پھر رہی تھی۔ وہ ایک ڈاکٹر بھی۔ معاشرے میں اس کا ایک مقام تھا۔ اسے ہر جگہ احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا لیکن سب کچھ اس سے چھن چکا تھا۔ اب تو میری طرح اس کی پیشانی پر بھی دہشت گرد کا لیبل لگ چکا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ ہم ایک نیک مقصد کے لیے لڑ رہے تھے۔ بدی کے خلاف جنگ کر رہے تھے۔ امن پسند اور وطن پرست قوتیں ہمارے ساتھ تھیں۔ مہاراج وانگ دگ جیسے بزرگ ہمارے ساتھ تھے۔ ہمیں شہنشاہ کی آشیرباد حاصل تھی۔ ہم نے اس سرزمین اور شہنشاہ کے خلاف ایک بہت ہی بھیانک سازش کو ناکام بنایا تھا۔ جس کی بازگشت اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ اگر وہ سازش کامیاب ہو جاتی تو اس وقت اس ملک میں خون کی ندیاں بہہ رہی ہوتیں لیکن ہم نے اس خوفناک سازش کو ناکام بنا کر ملک میں خون خرابے کو روک لیا تھا مگر بعض حلقے ایسے بھی تھے جو ہمیں دہشت گرد قرار دے رہے تھے۔

تھائی کا جرم بھی صرف یہ تھا کہ اس نے ایک بے گناہ اور معصوم بچے کو پناہ دی تھی اور سچائی کا ساتھ دیا تھا۔ اس جرم کی پاداش میں اس کا گھر جلا دیا گیا۔ اس کا کاروبار تباہ ہو گیا اور وہ عیش و آرام کی زندگی چھوڑ کر میرے ساتھ دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو گئی۔ موت نے اس کا بھی تعاقب شروع کر دیا اور طویل عرصے کی آنکھ مچولی کے بعد بالآخر وہ ان خونی بھیڑیوں کے ہاتھ لگ گئی اور مجھے اسے ہر صورت میں بچانا تھا۔

میں یہی سب کچھ سوچتا ہوا تھالوب وغیرہ کے ساتھ چلتا رہا اور بالآخر ہم اس جگہ رک گئے جہاں جھاڑیوں میں وانگ ڈن کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کا جسم گولیوں سے چھلنی تھا۔ پورا برسٹ مارا گیا تھا۔ وانگ ڈن کی لاش دیکھ کر میرے دل پر ایک گھونسا سا لگا۔ کیا حق اور سچائی کا ساتھ دینے والے ہر شخص کا یہی انجام ہوتا ہے؟ یہ سوال میرے دماغ میں بگولے کی طرح گردش کر رہا تھا۔ میں جب سے چیانگ رائے آیا تھا وانگ ڈن نے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا تھا۔ کئی بار جان کی بازی لگائی تھی اور بالآخر بدی کے خلاف لڑتے ہوئے اپنی جان دے دی تھی۔

جانگی، رنگولی اور سونیا کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔ سردار تھالوب کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کیے ہوئے تھا۔

ہم وانگ ڈن کی لاش اٹھا کر کانچ میں لے آئے۔ سردار تھالوب اور اس کا قبائلی ساتھی دوسرے قبائلی کی لاش اٹھانے کے لیے چلے گئے جسے سب سے پہلے گولی لگی تھی۔ میں کچھ دیر برآمدے میں وانگ ڈن کی لاش کے قریب کھڑا رہا پھر کانچ کے دروازے میں داخل ہو گیا۔

ایک کمرے میں داخل ہوتے ہی میں ٹھٹک کر رک گیا۔ بائیں طرف دیوار کے قریب فرش پر ایک آدمی کی لاش پڑی تھی۔ اسے غالباً کسی تیز دھار آلے سے وار کر کے ہلاک کیا گیا تھا۔ سینے اور پیٹ پر زخموں کے کئی نشان تھے جن سے بہنے والا خون جم کر سیاہ رنگت اختیار کر چکا تھا۔ میں قریب پہنچ کر لاش کا جائزہ لینے لگا۔ وہ چہرہ میرے لیے بالکل اجنبی تھا۔

ایک نسوانی چیخ سن کر میں اچھل پڑا۔ چیخ کی یہ آواز دوسرے کمرے سے آئی تھی۔ میں مڑ کر تیزی سے اس طرف دوڑا۔ جانگی اور رنگولی بھی باہر سے دوڑتی ہوئی آ رہی تھیں لیکن اس کمرے میں پہلے میں ہی داخل ہوا تھا۔

سونیا دروازے سے چند قدم اندر کی طرف کھڑی پھٹی پھٹی سی نظروں سے باتھ روم کے کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں اس کی جگہ پر پہنچا تو باتھ روم کی طرف دیکھتے ہوئے میں بھی اچھل پڑا اور پھر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

وہ ایک لڑکی کی لاش تھی۔ عمر چوبیس پچیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ زندگی میں یقیناً بہت حسین رہی ہوگی لیکن اب اس کا حسن خون کی طرح بکھر چکا تھا۔ وہ نیم عریاں تھی۔ اس کا سینہ گولیوں سے چھلنی تھا۔ سردار تھالوب کے جاسوس قبائلیوں نے بتایا تھا کہ انہوں نے دارا اور چی فانگ وغیرہ کے ساتھ دو عورتوں کو دیکھا تھا۔ جن میں ایک کو تو میں نے دارا کے ساتھ موٹ بوٹ میں دیکھ لیا تھا اور دوسری یہ تھی جسے کسی وجہ سے بے دردی سے گولیاں مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ ان لوگوں کا منصوبہ گولڈن ٹرائی اینگل جانے کا تھا اور ہو سکتا ہے اس لڑکی نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا ہو۔ ظاہر ہے وہ لوگ یہاں اسے زندہ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ لہٰذا اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

میں دروازے کے سامنے سے ہٹا تو سونیا وغیرہ بھی قریب آ چکی تھیں۔

"سونیا۔" میں اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا "ہمارے ساتھ رہتے ہوئے دو چار دن میں تم کئی لاشیں دیکھ چکی ہو۔ سین فونگ کو تو تم نے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کیا تھا نہایت بہیمانہ طریقے سے۔ یہاں ایسی کیا بات تھی کہ تم اس قدر سے چیخی تھیں؟"

"یہ۔۔۔ یہ لی وانگ ہے۔" سونیا نے کپکپاتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"لی وانگ۔" میں چونک گیا "یہ کون تھی۔ کیا تم اسے جانتی ہو؟"

"لی وانگ ہائی اسکول تک میری کلاس فیلو تھی۔" سونیا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "بہت غریب گھرانے کی لڑکی تھی۔ اس کے پاس اکثر فیس کی ادائیگی اور کتابیں خریدنے کے لیے پیسے نہیں ہوتے تھے۔ ہم چند دوست اس کی مدد کرتے رہتے تھے۔ لی وانگ مجھ سے زیادہ ایچ تھی۔ وہ اکثر میرے گھر میں آتی رہتی تھی۔ اس کی زیادہ مدد بھی میں ہی کرتی تھی۔ بہت اچھی لڑکی تھی۔ ممی بھی اسے پسند کرتی تھیں۔ میں تو ذاتی طور پر اپنے جیب خرچ سے اس کی مدد کرتی ہی رہتی تھی، ممی بھی اسے کپڑے اور ضرورت کی دوسری چیزیں خرید کر دیتی رہتی تھیں۔"

"اس کے ماں باپ نہیں تھے کیا؟" میں نے پوچھا۔

"تھے۔ بلکہ ماں تو اب بھی زندہ ہے۔ دو مہینے پہلے اس سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ اور باپ۔۔۔ ڈکیتی کی ایک واردات میں دو سال پہلے پولیس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "اس کا باپ شرابی تھا۔ کوئی کام دھندا نہیں کرتا تھا۔ ماں مزدوری کر کے گھر کا خرچ چلا رہی تھی۔ لی وانگ بھی حصولِ تعلیم کے ساتھ چھوٹے موٹے کام کر کے تھوڑی بہت رقم کما لیتی تھی لیکن ماں بیٹی کی ساری کمائی شرابی باپ چھین لیتا۔ شراب نوشی کے ساتھ اسے جوا کھیلنے کی بھی عادت تھی اور پھر ایک روز اسی شرابی باپ نے اپنی معصوم بیٹی کو بھی داؤ پر لگا دیا اور ہار گیا۔ ماں کو جب پتا چلا تو وہ چیخ اٹھی۔ لی وانگ کو جوئے کی بازی میں جیتنے والا جواری بہت بڑا بدمعاش تھا۔ وہ لی وانگ کو لینے کے لیے پہنچا تو ماں نے صاف انکار کر دیا۔ وہ بدمعاش دھمکی دے کر چلا گیا کہ اگر کل تک لی وانگ کو اس کے حوالے نہ کیا گیا تو وہ اسے زبردستی اٹھا کر لے جائے گا۔

"لی وانگ کی ماں اسے لے کر گھر سے بھاگ گئی۔ وہ تقریباً پندرہ دن تک چیانگ تھونگ میں اپنے ایک رشتے دار کے ہاں چھپی رہی لیکن بالآخر وہ بدمعاش وہاں بھی پہنچ گئے اور لی وانگ کو زبردستی اٹھا کر لے گئے۔

"چھ مہینے تک لی وانگ کا کچھ پتا نہیں چلا اور پھر جب وہ سامنے آئی تو پتا چلا کہ وہ کم از کم نصف درجن لوگوں کے ہاتھوں بک چکی ہے۔ اس دوران میں اس کا جو حشر ہوا ہوگا تم اس کا اندازہ لگا سکتے ہو۔

"لی وانگ کا باپ پہلے تو شراب کا نشہ اور جوئے کی لت

پوری کرنے کے لیے بیوی اور بیٹی کی کمائی چھین لیا کرتا تھا لیکن بیٹی اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی اور بیوی بیمار پڑ گئی تھی۔ وہ اس کے کسی کام کی نہیں رہی تھی۔ لی وانگ کا باپ اپنا خرچ پورا کرنے کے لیے چوریاں کرنے لگا۔ آخری مرتبہ اس نے اپنے دو دوستوں کے ساتھ مل کر ایک ہوٹل میں ڈکیتی کا منصوبہ بنایا۔ ان تینوں کے پاس نقلی پستول تھے۔ وہ جیسے ہی واردات کرکے ہوٹل سے نکلے پولیس ان کے پیچھے لگ گئی اور وہ تینوں پولیس کے ہاتھوں مارے گئے۔

"لی وانگ سے میری آخری ملاقات تقریباً ایک سال پہلے ہوئی تھی۔ وہ ان دنوں چیانگ رائے کے ایک دولت مند شخص کے پاس رہ رہی تھی اور ماں سے ملنے یہاں آئی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ اب وہ اس راستے پر چل نکلی ہے جہاں سے اس کی واپسی ممکن نہیں اور اب....."

سونیا بات کرتے کرتے رک گئی اور باتھ روم میں پڑی ہوئی لی وانگ کی لاش کی طرف دیکھتے ہوئے بولی "وہ اگرچہ غلط راستے پر چل نکلی تھی لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا یہ انجام ہوگا۔"

"برے کام کا انجام تو برا ہی ہوتا ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"لیکن اس میں لی وانگ کا کیا قصور تھا۔" سونیا بولی "وہ تو بہت اچھی لڑکی تھی۔ اسے تعلیم سے عشق تھا۔ اس کے باپ کے جرم کی سزا اسے کیوں ملی؟"

"یہی تو المیہ ہے۔" میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "مظلوم اور بے گناہ نجانے کب تک اس ستم کا شکار ہوتے رہیں گے۔"

برآمدے کی طرف سے قدموں اور باتوں کی آواز سن کر میں باہر آگیا۔ سردار تھالوب اور قبائلی دوسری لاش لے آئے تھے اور اسے بھی برآمدے میں وانگ ژن کی لاش کے قریب رکھ دیا گیا تھا۔

میں اور تھالوب کاٹیج کے اطراف میں دور تک گھومتے رہے۔ ایک طرف ایسا راستہ تھا جہاں سے گاڑی آسکتی تھی اور وہاں کچی زمین پر ٹائروں کے نشان بھی نظر آرہے تھے۔ جس سے ہمیں یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ دارا وغیرہ کو کوئی گاڑی اس کاٹیج میں چھوڑ کر واپس چلی گئی تھی۔ ہم دونوں کاٹیج میں واپس آگئے۔

"میں اسے ساتھ لے کر جارہا ہوں۔" تھالوب نے اپنے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ لاشیں لے جانے کے لیے ہمیں گاڑی کی ضرورت پڑے گی۔ واپسی کے لیے ہمیں طویل چکر کاٹنا پڑے گا۔ دو ڈھائی گھنٹے لگ جائیں گے۔ تم لوگ....."

"ہماری فکر مت کرو تھالوب۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "تم جاؤ۔ یہاں اب ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اگر کوئی بات ہوئی بھی تو نمٹ لیں گے۔"

کچھ دیر بعد سردار تھالوب اور اس کا ساتھی چلے گئے۔ میں سونیا وغیرہ کے ساتھ درختوں کے نیچے گھاس پر بیٹھ گیا۔

لی وانگ کی تو شناخت ہوگئی تھی لیکن دوسرے آدمی کی لاش کو ہم میں سے کوئی بھی شناخت نہیں کرسکا تھا۔ اب ہمیں اس کے بارے میں زیادہ جاننے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

میں نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا' نو بج رہے تھے۔ آسمان پر بادلوں کی وجہ سے کبھی اندھیرا سا ہوجاتا اور کبھی تیز دھوپ چمکنے لگتی۔

بارہ بج گئے۔ تھالوب کو گئے ہوئے تین گھنٹے ہوچکے تھے لیکن ابھی واپسی کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ہم لوگ رات ڈھائی بجے کے قریب اپنے کاٹیج سے روانہ ہوئے تھے تو کافی کا ایک ایک کپ پیا تھا اور اب سب کو بھوک لگ رہی تھی۔

"میں دیکھتی ہوں۔ شاید کاٹیج میں کھانے کی کوئی چیز مل جائے۔" جانگی کہتے ہوئے اٹھ کر اندر چلی گئی۔ رنگولی بھی اس کے پیچھے ہی تھی۔

سونیا میرے پاس بیٹھی رہی۔ میں دو تین دنوں سے یہ بات خاص طور سے نوٹ کررہا تھا کہ سونیا مجھ سے زیادہ ایج ہورہی تھی۔ اس کا زیادہ وقت میرے قریب رہ کر ہی گزرتا۔ اس کی وجہ میرے ذہن میں یہ آئی تھی کہ میں نے اس سے زیادہ ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔

چند منٹ بعد ہی رنگولی اور جانگی مہربند خوراک کے پانچ چھ ڈبے اٹھائے کاٹیج سے باہر آگئیں۔

"کچن میں اتنی خوراک موجود ہے کہ ہم ایک ہفتے تک کھا سکتے ہیں۔" رنگولی نے ٹن گھاس پر رکھتے ہوئے کہا۔

ان تمام ڈبوں میں تلا ہوا چکن تھا۔ رنگولی کچن سے کٹر بھی لے آئی تھی۔ اس نے ایک ایک ڈبا کھول کر ہمارے سامنے رکھ دیا۔ یہ تلا ہوا مرغی کا گوشت بڑا لذیذ تھا۔ اگر گرم گرم کرکے کھایا جاتا تو کچھ اور مزے کا ہوتا لیکن گرم کرنے کا خیال کسے تھا۔ بھوک سے جان نکل رہی تھی۔ ہم سب مزے لے لے کر مرغی کی روسٹڈ رانیں اوھیڑتے رہے۔ ایک ٹھنٹا اور گزر گیا۔ دور دور تک سردار تھالوب کی مدد کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ہم نے جہاں جیپ چھوڑی تھی وہ جگہ یہاں سے کم از کم سات کلو میٹر ضرور رہی ہوں گی۔ پیدل وہاں تک جانا اور پھر طویل چکر کاٹ کر راستہ تلاش کرکے اس طرف آنا' اس میں اگرچہ خاصا وقت لگ سکتا تھا لیکن چار گھنٹے۔ میرے ذہن میں طرح طرح کے خدشات جنم لے رہے تھے۔ انہیں کوئی حادثہ تو پیش نہیں آگیا؟

میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ فضا میں گرگر گرگر کی ہلکی سی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ کسی گاڑی کے انجن کی آواز تھی۔ جو اگرچہ کچھ بجتی ہوئی سی محسوس ہورہی تھی لیکن لمحہ بہ لمحہ واضح ہوتی جارہی تھی۔

میں نے جانگی وغیرہ کو اشارہ کیا۔ وہ اپنی اپنی رائفلیں لے کر درختوں کی آڑ میں چلی گئیں اور میں بھی اس ڈھلان پر آگیا جس طرف سے کسی گاڑی کے آنے کی توقع ہوسکتی تھی۔ میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ گاڑی پولیس یا کسی اور کی بھی ہوسکتی تھی لیکن میرے خدشات بے بنیاد نکلے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد سردار تھالوب کی جیپ سامنے آگئی۔

کاٹیج بلندی پر تھا۔ جیپ عمودی ڈھلان کے نیچے ہی رک گئی اور سردار تھالوب اور دوسرا قبائلی جیپ سے اتر کر اوپر آنے لگے۔ میں بھی آڑ سے نکل کر سامنے آگیا۔

"میرا خیال تھا ہم جلدی واپس آجائیں گے۔" سردار تھالوب نے میرے قریب پہنچتے ہوئے کہا "مگر یہ راستہ خاصا طویل ہے اور دشوار بھی۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے درختوں کے نیچے گھاس پر آگئے۔ رنگولی نے فوراً ہی چکن کے دو ڈبے کھول کر ان کی طرف بڑھا دیے۔

"آپ لوگوں کو بھی یقیناً بھوک لگ رہی ہوگی۔" وہ بولی "یہ کھالیں تو پھر چلیں۔"

"یہ کھانا کہاں سے مل گیا؟" تھالوب نے پوچھا۔

"کچن بھرا ہوا ہے۔" رنگولی نے جواب دیا "تم بدھتوں نے بہت بھرکا سامان جمع کررکھا ہے۔"

سردار تھالوب اور قبائلی گھاس پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگے اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم لاشیں اٹھا کر جیپ کے پچھلے حصے میں رکھ رہے تھے۔ سونیا' لی وانگ کی لاش بھی اٹھوانا چاہتی تھی مگر تھالوب نے منع کردیا۔

"ان دو لاشوں کو پولیس اٹھائے گی۔" وہ سونیا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "یہاں جاتے ہی میں پولیس کو فون کردوں گا۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ان لوگوں کے خلاف حکومت کے ہاتھ کچھ اور مضبوط ہوں گے۔ حکومت اپنی عوام کو بتا سکے کہ سازشی کس طرح قتل و غارت کرتے پھر رہے ہیں۔"

بات سونیا کی سمجھ میں آگئی تھی اس لیے اس نے اصرار نہیں کیا۔

واپسی پر ہمیں ایک گھنٹے سے زیادہ نہیں لگا۔ وانگ ژن اور قبائلی محافظ کی آخری رسومات بڑی خاموشی سے ادا کی گئیں اور انہیں کاٹیج کے عقب میں تقریباً دو سو گز دور دفن کردیا گیا۔ اس وقت تھالوب بھی اپنے آنسو ضبط نہیں کرسکا تھا۔

شام کے چھ بج رہے تھے۔ تھالوب صبح آنے کا وعدہ کرکے اپنے شہر والے بنگلے پر چلا گیا۔ میں کمرے میں آکر بستر پر لیٹ گیا۔ میرا دماغ اس وقت بری طرح چکرایا ہوا تھا۔ وہ لوگ تھائی کو گولڈن ٹرائی اینگل لے گئے تھے اور سردار تھالوب کے کہنے کے مطابق گولڈن ٹرائی اینگل موت کا حصار تھا اور کوئی اجنبی اس میں داخل نہیں ہوسکتا تھا لیکن جب میری ممی اور ڈیڈی کو قتل کیا گیا تھا تو میں نے اس روز عہد کیا تھا کہ قاتلوں کا دنیا کے آخری کونے تک پیچھا کروں گا اور انہیں کیفر کردار تک پہنچاؤں گا۔ دارا اور اس کے دونوں ساتھی اگرچہ میری پہنچ سے دور نکل گئے تھے لیکن میں نے بھی طے کرلیا تھا کہ ان کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا اور پھر تھائی بھی ان کے قبضے میں تھی۔ تھائی کو بے یارو مددگار نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔ میں اپنی زندگی کے لیے اس کا ممنون تھا۔ برسوں پہلے اگر وہ مجھے اپنی کار میں نہ بٹھاتی اور مجھے پناہ نہ دیتی تو میں ان بھیڑیوں کے ہاتھوں اسی روز مارا گیا ہوتا۔ یہ تھائی ہی تھی جس نے مجھے ان سے بچایا تھا اور میری وجہ سے اس کا سب کچھ ختم ہوگیا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کو داؤ پر لگاتے ہوئے قدم قدم پر میرا ساتھ دیا تھا اور اب میں اسے ان درندوں کے رحم و کرم پر کیسے چھوڑ سکتا تھا۔

میں ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ سونیا کمرے میں داخل ہو کر بیڈ کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی۔ میرے اور تھائی کے بارے میں جانکی اسے سب کچھ بتا چکی تھی۔ وہ میرے پاس بیٹھی ہمدردی کا اظہار کرتی رہی اور حقیقت یہ ہے کہ میری اس کی باتوں سے بڑی ڈھارس بندھی تھی۔

"میں آج رات تھوڑی دیر کے لیے اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔" سونیا نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ بالآخر اسے گھر کی یاد آ ہی گئی تھی۔

"مجھے غلط مت سمجھنا۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی "کچھ ضروری چیزیں ہیں جو میں گھر سے لینا چاہتی ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا "اس وقت تو باہر نکلنا مناسب نہیں ہوگا۔ رات نو بجے کے بعد چلیں گے۔"

ہم باتیں کر ہی رہے تھے کہ جانکی اور رنگولی بھی آگئیں اور پھر باتوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوگیا۔

کھانا کھانے کے بعد رات نو بجے کے بجائے دس بجے کے قریب میں اور سونیا کانیج سے نکلے تو جانکی بڑی عجیب سی نظروں سے ہم دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

سڑک پر پہنچ کر ہم پیدل ہی ایک طرف چلتے رہے۔ سونیا کا مکان وہاں سے تقریباً پانچ کلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ شہر میں زیادہ رونق نہیں تھی۔ ہم ایسی سڑکوں پر چل رہے تھے جہاں ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ کسی وقت سامنے سے کوئی گاڑی آجاتی تو ہیڈ لیمپس کی روشنی سے بچنے کے لیے ہم رخ بدل لیتے کیونکہ یہ اندیشہ تھا کہ مجھے یا سونیا کو پہچان نہ لیا جائے۔ جس رات پہاڑی کانیج پر ہمارے حملے کے دوران میں سابق پولیس چیف اور سونیا کی ماں رنگ سنت ماری گئی تھی، اس کے بعد اکثر یہ باتیں سننے میں آتی رہی تھیں کہ رنگ سنت کی بیٹی سونیا پُراسرار طور پر غائب ہوگئی ہے۔

سڑکوں پر چکرانے کی وجہ سے فاصلہ بڑھ گیا تھا۔ اس طرح ہم تقریباً ایک گھنٹے میں وہاں پہنچے تھے۔ مکان کے سامنے کے رخ سے اندر داخل ہونا ممکن نہیں تھا کیونکہ گلی کے موڑ کے سامنے وہ کافی شاپ اور چھوٹا سا شراب خانہ تھا جہاں بیٹھ کر پہلی مرتبہ میں نے اس کانیج کی نگرانی کی تھی۔ وہ کافی شاپ اور شراب خانہ کھلا ہوا تھا اور سونیا نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اسے اپنے کانیج میں چوروں کی طرح داخل ہوتے دیکھ لے۔ ہم ایک طویل چکر کاٹ کر پچھلی گلی میں آگئے۔

اس گلی میں سناٹا تھا۔ سونیا اپنے کانیج کے عقبی دروازے کے قریب رک گئی اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"مجھے اس دیوار پر چڑھنے میں مدد دو۔"

میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا کر پیالہ سا بنالیا۔ سونیا میرے ہاتھوں پر پیر رکھ کر اوپر چڑھ گئی اور پھر دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کودنے میں اسے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ صحن میں کودنے کے بعد اس نے عقبی دروازہ اندر سے کھول دیا۔ میں نے اندر داخل ہو کر دروازہ بڑی آہستگی سے بند کردیا۔

کانیج مکمل طور پر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ سونیا نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور دبے قدموں ایک طرف چلنے لگی۔ کانیج کے دائیں طرف ایک گلیارہ سا تھا جس سے سامنے والے رخ تک پہنچا جاسکتا تھا۔ وہ ایک جگہ رک گئی اور تاریکی میں دیوار کو ٹٹولنے لگی پھر چھن کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ کوئی چیز نیچے پختہ فرش پر گری تھی۔

وہ چابیوں کا گچھا تھا۔ سونیا نے جھک کر فرش ٹٹولتے ہوئے چابیوں کا وہ گچھا اٹھالیا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔

"چابیوں کا ایک سیٹ اس دیوار کے ایک طاقچے میں چھپا کر رکھا رہتا ہے تاکہ مجھ سے یا ممی سے اپنی چابیاں کہیں کھو جائیں تو ان چابیوں سے کام لیا جاسکے۔"

ہم پھر کانیج کی عقبی سمت میں آگئے۔ سونیا برآمدے والے دروازے سے داخل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ اس نے ٹٹول کر ایک چابی منتخب کی اور عقبی دروازہ کھول دیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے بڑی آہستگی سے دروازہ بند بھی کرلیا تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ ایک طرف چلنے لگی۔ میں بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

ایک کمرے میں داخل ہو کر سونیا نے دروازہ بند کرلیا اور دروازے کے قریب ہی دیوار ٹٹولتے ہوئے ایک سوئچ آن کردیا۔ کمرے میں نائٹ بلب کی ہلکی نیلی روشنی پھیل گئی۔ اس نے عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔ تیز روشنی کا بلب جلایا جاتا تو کھڑکی کے سامنے پردہ کھنچا ہونے کے باوجود روشنی باہر سے دیکھی جاسکتی تھی۔ اسے یقیناً یہ اندازہ تھا کہ کون سا سوئچ دبانے سے کون سا بلب جلے گا۔ کمرے کی کھڑکی کشادہ برآمدے کی طرف کھلتی تھی۔ پردہ ایک طرف سے چند انچ کے قریب ہٹا ہوا تھا۔ سونیا نے جلدی سے آگے بڑھ کر پردہ برابر کردیا۔

میں کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ یہ بیڈ روم تھا۔ سونیا

کے بیڈ کراؤن ڈریسنگ ٹیبل کی درازوں کی تلاشی لینے لگی لیکن اسے مطلوبہ چیز نہیں مل سکی تھی۔ بالآخر اس نے ایک دراز سے ایک چابی نکال لی اور دائیں طرف دیوار کے ساتھ رکھی سفید الماری کھولنے لگی۔

الماری میں کپڑے اور مختلف چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ کپڑے اٹھا اٹھا کر کچھ تلاش کرتی رہی اور بالآخر سب سے نچلے خانے میں مطلوبہ چیز مل گئی۔ وہ براؤن جلد والی ایک ڈائری تھی۔

"یہ ممی کی ڈائری ہے۔" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی میں بولی "ممی باقاعدگی سے ڈائری لکھا کرتی تھیں۔ اس ڈائری سے پتا چل جائے گا کہ ممی کو اس سازش میں ملوث کیا گیا تھا۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں اپنے کمرے سے کچھ کپڑے لینا چاہتی ہوں۔" اس نے کہتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔

اپنے بیڈ روم میں آکر اس نے نائٹ بلب جلا دیا۔ اس کمرے کی کھڑکی سامنے یا عقبی رخ پر نہیں بلکہ سائڈ میں گلیارے کی طرف تھی۔ پردہ ہٹا ہوا تھا لیکن سونیا نے اسے برابر کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ چند لمحے نائٹ بلب کی روشنی میں کمرے کا جائزہ لیتی رہی پھر آگے بڑھ کر الماری کے اوپر رکھا ہوا بیگ اتار کر بیڈ پر رکھ دیا۔ ماں کی ڈائری میرے حوالے کردی اور الماری کھول کر اس میں سے کپڑے نکال نکال کر بیڈ پر پھینکنے لگی۔

"سیلیو.....!"

دروازے کی طرف سے یہ آواز سن کر ہم دونوں اچھل پڑے اور پھر مجھے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ دروازے میں ایک پولیس والا کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کا رخ ہماری طرف تھا۔ نیلگوں روشنی کی وجہ سے اس کا چہرہ صاف نظر نہیں آرہا تھا۔ غالباً وہ بھی ہمارے چہروں کو صاف طور پر نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے ہمیں ریوالور کی زد پر لیے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے دیوار ٹٹول کر ایک سوئچ دبا دیا۔ چٹ کی ہلکی سی آواز سے کمرے میں روشنی بھر گئی۔ ایک دم تیز روشنی سے لمحے بھر کو میری آنکھیں چندھیا سی گئیں۔

"آ..... مس سونیا تم؟" پولیس والے کے لہجے میں حیرت تھی "میں تو سمجھا تھا شاید چور ہوں گے جنہیں آج میں سرپرائز ہاتھوں پکڑ لیا۔ یہ چور کئی دن سے کوئی واردات کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم ہی نکلو گے۔ آج بہرحال دھر لیے گئے لیکن اپنے ہی گھر میں چوروں کی طرح گھسنے والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"میں تو آج پہلی مرتبہ یہاں آئی ہوں آفیسر۔" سونیا نے اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا "چوروں کی طرح کیوں۔۔۔ میرے پاس چابیاں موجود ہیں۔ یہ میرا گھر ہے مجھے چوروں کی طرح اندر آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مگر سامنے والے دروازے پر تو تالا لگا ہوا تھا جو کچھ دیر پہلے میں نے کھولا ہے۔" کانسٹیبل نے جواب دیا "کچھ دیر پہلے برآمدے کی ایک کھڑکی میں مجھے ایک طرف نیلی روشنی نظر آئی تھی لیکن پھر شاید پردہ برابر کردیا گیا تھا لیکن چند منٹ پہلے پہلو کی کھڑکی سے بھی ہلکی روشنی نظر آئی تو میں سمجھ گیا کہ یہ وہی چور ہوں گے جو یہاں کوئی واردات کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اس لیے میں بڑی احتیاط سے دروازہ کھول کر اندر آگیا۔"

"تم نے کمرے میں روشنی کہاں سے دیکھی اور تمہارے پاس چابیاں کہاں سے آئیں؟" سونیا نے پوچھا۔

"میں کافی شاپ میں بیٹھا ہوا تھا۔" کانسٹیبل نے جواب دیا "بات دراصل یہ ہے کہ چوروں کو جب معلوم ہوجائے کہ کسی مکان کے مکین کہیں گئے ہوئے ہیں تو وہ اس گھر کا صفایا کرنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں اور یہاں کے بارے میں تو سب ہی لوگ جانتے ہیں کہ رنگ سنت قتل ہوچکی ہے اور اس کی بیٹی لاپتا ہے جسے پولیس بھی تلاش کررہی ہے اس لیے پچھلے دو تین دن سے یہاں واردات کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ رات کو اس مکان کی نگرانی پر میری ڈیوٹی ہوتی ہے اور مجھے مکان کی چابیاں بھی دے دی گئیں تاکہ اگر کوئی پچھلے دروازے سے اندر گھسے تو میں سامنے سے اندر داخل ہو کر اسے رنگے ہاتھوں پکڑنے کی کوشش کروں۔"

"بائی دا وے پولیس کو میری تلاش کیوں ہے آفیسر؟" سونیا نے پوچھا۔

"پولیس کے نئے چیف کا خیال ہے کہ اپنی ماں کی طرح تم بھی باغیوں سے ملی ہوئی ہو اور سازش کا راز فاش ہوجانے کے بعد پکڑے جانے کے خوف سے روپوش ہوگئی ہو۔ پولیس چیف تم سے بہت کچھ معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اسی سازش کے حوالے سے قتل و غارت اب بھی جاری ہے۔ پولیس چیف سب سے پہلے تو تم سے یہ معلوم کرنا چاہے گا کہ تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں اور یہ....." اس نے ریوالور سے اشارہ کیا "پولیس کو معلوم ہوا ہے کہ ان سازشیوں میں کوئی انڈین یا پاکستانی بھی شامل ہے اور یہ غالباً وہی ہے۔"

"نہیں آفیسر" سونیا نے جواب دیا "میرا اس سازش سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی میری ماں غدار تھی۔ اسے پھنسایا گیا تھا۔ اگر میرا اس سازش سے کوئی تعلق ہوتا تو میں اس طرح بے دھڑک اپنے گھر میں نہ آتی اور یہ....."

میں نے سونیا کو آنکھ سے اشارہ کیا تو وہ خاموش ہوگئی۔

"ٹھیک ہے مس سونیا۔" کانسٹیبل بولا "یہ ساری باتیں تم نئے پولیس چیف کو بتانا۔ وہ تم سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہے۔" وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا پھر اس کی نظریں بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے ٹیلی فون پر ٹک گئیں۔ یہ فون کا ایکس ٹینشن سیٹ تھا "چیف اس وقت گھر پر ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ سونے کی تیاری کر رہا ہو لیکن جب اسے پتا چلے گا کہ میں نے تمہیں یہاں روک رکھا ہے تو بہت خوش ہوگا اور سارے کام چھوڑ کر بھاگا آئے گا یہاں اور تم دونوں سنو۔ اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔ اگر تم میں سے کسی نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں بلا دریغ گولی مار دوں گا۔"

وہ محتاط انداز میں بیڈ سائڈ ٹیبل کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے دیدے سرچ لائٹ کی طرح گھوم رہے تھے۔ کبھی وہ میری طرف دیکھتا اور کبھی سونیا کی طرف۔ دیدوں کے ساتھ اس کے ریوالور کی نال بھی حرکت کر رہی تھی۔

بیڈ سائڈ ٹیبل تک پہنچنے کے لیے اسے میرے قریب سے گزرنا تھا۔ اس نے ریوالور کو حرکت دیتے ہوئے مجھے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ میں ایک قدم پیچھے ہٹا اور کانسٹیبل نے جیسے ہی قدم آگے بڑھایا، میری ایک ٹانگ اور ڈائری والا ہاتھ بیک وقت حرکت میں آگیا۔

ڈائری اس کے ریوالور والے ہاتھ پر لگی اور میرے پیر کی ٹھوکر اس کی پنڈلی پر۔ ڈائری لگنے سے اس کی انگلی کو جھٹکا لگا اور ریوالور کا ٹریگر دب گیا۔ گولی الماری کے اوپر چھت کے قریب دیوار میں لگی۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ پنڈلی پر میرے پیر کی ٹھوکر سے وہ چیخ اٹھا اور ایک پیر پر ناچنے لگا۔ ریوالور اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

میں نے ڈائری بیڈ پر پھینک دی اور کانسٹیبل پر چھلانگ لگا دی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کی ریوالور والی کلائی پکڑ کر مروڑ دی۔ ایک اور فائر ہوا۔ اس مرتبہ ریوالور کا رخ نیچے کی طرف تھا۔ گولی قالین پر لگی۔ میں نے اس کی کلائی مروڑتے ہوئے اس کی ٹانگوں کے بیچ میں گھٹنے سے ٹھوکر بھی لگا دی تھی۔ وہ بلبلاتا ہوا دہرا ہوگیا۔ ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔ میں نے گھٹنے کی ایک اور ٹھوکر اس کے جھکے ہوئے چہرے پر لگائی۔ وہ ایک بار پھر چیخ اٹھا۔ اس مرتبہ وہ سیدھا ہوگیا تھا۔

"سونیا۔" میں چیخا "یہ ڈائری اٹھالو اور جو چیزیں تمہارے بیگ میں ٹھونسو۔ جلدی کرو۔"

میں نے کانسٹیبل کو دبوچ کر قالین پر گرا لیا اور اس کی پشت پر سوار ہوگیا۔ دوسری طرف قالین پر پڑا ہوا ریوالور میری دسترس میں تھا۔ میں اگر چاہتا تو ریوالور اٹھا کر کانسٹیبل کی کھوپڑی میں پیوست کر دیتا لیکن میں کسی بے گناہ کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا تھا۔ میں دونوں ہاتھوں سے اسے دبوچے ہوئے تھا پھر میں نے ایک ہاتھ اس کی گردن پر ڈال دیا۔

شاید میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ انسانی جسم میں کم از کم چالیس ایسے پریشر پوائنٹس ہوتے ہیں جن پر ہلکی سی ضرب، دباؤ بھی اسے بے بس کر دیتا ہے۔ اگر ضرب زور دار لگے تو اس کی زندگی کا چراغ گل بھی ہو سکتا ہے۔

میں کان کے پیچھے گردن پر اس کی ایک نس کو انگوٹھے سے مسل رہا تھا۔ تیس سیکنڈ سے بھی کم وقفے میں اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے۔ اگلے دس سیکنڈ میں وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو چکا تھا۔

میں نے کانسٹیبل کو چھوڑ کر سونیا کی طرف دیکھا۔ وہ ڈائری بیگ میں رکھ چکی تھی اور کپڑے جلدی جلدی بیگ میں ٹھونس رہی تھی۔

اس کانیچ میں دو گولیاں چلی تھیں۔ کانسٹیبل مار کھا کر چیخا بھی تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ گولیوں کی آواز رات کے سناٹے میں دور تک سنی گئی ہوں گی۔ اس سے پہلے وہ کانسٹیبل سامنے والے کاٹی ہاؤس میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کئی روز سے یہاں رات کی ڈیوٹی دے رہا تھا۔ اس کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ وہ بہت باتونی اور ڈینگیں مارنے والا تھا۔ اس نے کاٹی ہاؤس والوں کو یقیناً یہ بتایا ہوگا کہ وہ اس کانیچ کی نگرانی کر رہا ہے۔ کاٹی ہاؤس والوں میں سے کسی نے اسے کانیچ میں آتے ہوئے بھی دیکھا ہوگا۔ گولیوں کی آواز سن کر اگر کسی نے پولیس اسٹیشن میں فون کر دیا ہو تو پولیس پہنچنے ہی والی ہوگی۔

میں نے سونیا کو اشارہ کیا۔ اس نے آخری کپڑا بیگ میں ٹھونس کر زپ بند کی اور بیگ اٹھا کر دروازے کی طرف لپکی۔ میں نے بھی کمرے سے نکلتے ہوئے اپنی ہپ پاکٹ سے اپنا پستول نکال لیا تھا۔

ابھی ہم راہداری ہی میں تھے کہ دور کہیں سے پولیس سائرن کی آواز سنائی دی۔ میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ کسی نے پولیس کو اطلاع دے دی تھی اور پولیس حسبِ دستور ہینڈ بریکیں چرچراتے ہوئے آرہی تھی۔

ہم عقبی دروازے کی طرف لپکے۔ ہال کمرے سے گزرتے ہوئے میں ایک کرسی سے ٹکرا گیا۔ کرسی الٹ گئی۔ میرے گھٹنے پر چوٹ لگی تھی۔ میرے منہ سے کراہ سی خارج ہوئی اور میں لنگڑاتا ہوا سونیا کے پیچھے عقبی دروازے کی طرف لپکا۔

گلی میں نکل کر سونیا نے دروازے میں باہر سے بولٹ لگا دیا۔ ہم دونوں تیزی سے گلی میں ایک طرف چلنے لگے۔ تقریباً پچاس گز آگے جا کر ہم دوسری گلی میں مڑ گئے اور تقریباً اس وقت پولیس کی گاڑی غالباً سونیا کے مکان کے سامنے رکی تھی کیونکہ اس وقت سائرن بھی بند ہوگیا تھا۔

میرا خیال تھا کہ پولیس کو بنگلے میں داخل ہونے اور صورتِ حال کو سمجھنے میں پانچ سات منٹ ضرور لگیں گے اور اس دوران میں ہم زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتے تھے۔ میں سونیا کا ہاتھ پکڑ کر دوڑنے لگا۔ سونیا نے بیگ گلے میں لٹکا لیا تھا اور ایک ہاتھ سے اس کا اسٹریپ تھام رکھا تھا۔

ہم گلیوں سے نکل کر سڑک پر آگئے اور اسی وقت ہم ایک گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نہا گئے۔ بائیں طرف سے آنے والی اس گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ ہم مڑ کر تیزی سے دوڑنے لگے۔ میرے خیال میں وہ پولیس کی گاڑی تھی۔ ہم چند قدم سے زیادہ دور نہیں جا سکے تھے۔ وہ گاڑی بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ ہمارے قریب رکی۔ ہم دونوں ہیڈ لیمپس کی روشنی کی زد میں تھے۔ تیز روشنی میں میری آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

سونیا کے کانپ سے نکل کر گلی میں آتے ہی میں نے پستول جینز کی ہپ پاکٹ میں رکھ لیا تھا اور اب ہم جس نوع کی صورتِ حال سے دوچار تھے، اس میں پستول کا استعمال خطرناک ہو سکتا تھا۔ میری ایک گولی کے جواب میں کسی آٹو میٹک رائفل کا پورا برسٹ ہمارے جسموں کو چھلنی کر سکتا تھا لیکن اس کے باوجود میرا ایک ہاتھ غیر محسوس انداز میں مڑ کر ہپ پاکٹ کی طرف جا رہا تھا۔

نجانے کیا بات تھی کہ میرے ذہن کے کسی عمیق ترین گوشے میں یہ خیال سر ابھارنے کی کوشش کر رہا تھا کہ صورتِ حال وہ نہیں جو میں سمجھ رہا ہوں۔ مجھے جلد بازی کا مظاہرہ کر کے کوئی غلط قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔

"آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہے ہو۔ گاڑی میں بیٹھو۔ جلدی کرو۔"

یہ آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ ہپ پاکٹ کی طرف جاتا ہوا میرا ہاتھ رک گیا۔ اس کے ساتھ ہی میرے دماغ میں روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا۔ صورتِ حال واقعی وہ نہیں تھی جو میں سمجھ رہا تھا۔ یہ پولیس کی گاڑی نہیں تھی۔ پولیس کی گاڑی کی چھت پر تو فلیشر ہوتے ہیں لیکن اس گاڑی کی چھت پر فلیشر نہیں تھے اور یہ آواز بھی کسی پولیس والے کی نہیں، سردار تھالوب کی تھی۔

اسی وقت پولیس سائرن کی آواز سنائی دی اور میں جیسے ہوش میں آگیا۔ پیچھے بہت دور پولیس کی گاڑی سائڈ اسٹریٹ سے نکل کر مین روڈ پر آرہی تھی۔ اس گاڑی پر نیلی اور سرخ روشنی کے فلیشر دور ہی سے نظر آرہے تھے۔

"گاڑی میں بیٹھو۔ سوچ کیا رہے ہو۔ جلدی کرو۔"

سردار تھالوب کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔ سونیا کا ہاتھ ابھی تک میرے ہاتھ میں تھا۔ میں تیزی سے کار کے پچھلے دروازے کی طرف لپکا۔ دروازہ کھول کر پہلے سونیا کو اندر دھکیلا پھر خود اندر گھس کر دروازہ بند کر لیا اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔ پولیس کی گاڑی اسی طرف آرہی تھی۔ سردار تھالوب نے کار آگے بڑھا دی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ڈیش بورڈ پر لگے ہوئے دو تین پُش بٹن دبا دیے تھے۔ کھڑکیوں کے شیشے تو پہلے ہی بند تھے لیکن اب سیاہ رنگ کی اسکرینز بھی اوپر آگئی تھیں۔ ایسی ہی ایک اسکرین سے پچھلی ونڈ اسکرین بھی تاریک ہوگئی تھی۔

سردار تھالوب نے کار کچھ آگے جا کر بائیں طرف ایک اور سڑک پر موڑ دی۔ رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس کے چند ہی سیکنڈ بعد پولیس کی گاڑی بھی تیزی سے اس طرف مڑی اور نہایت تیز رفتاری سے ہماری کار سے آگے نکل کر بریکوں کی تیز چرچراہٹ کے ساتھ سڑک کے بیچ میں رک گئی۔ سردار تھالوب نے بھی پھرتی سے بریک لگا دیا۔ کار پولیس کی گاڑی سے تقریباً بیس فٹ کے فاصلے پر رک گئی۔ اس دوران میں پولیس وین سے تین مسلح پولیس والے اتر چکے تھے۔ ان میں ایک انسپکٹر بھی تھا۔ جس کے ہاتھ میں ریوالور تھا جبکہ دونوں کانسٹیبلوں نے ہماری کار کی طرف رائفلیں تان لی تھیں۔

سردار تھالوب نے بٹن دبا کر اپنی طرف کی کھڑکی کا شیشہ نیچے گرا دیا۔

"کیا بات ہے انسپکٹر۔" وہ کار کے سامنے کھڑے ہوئے انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بارعب لہجے میں بولا "اس طرح میرا تعاقب کرنے اور کار روکنے کا کیا مطلب؟"

انسپکٹر سامنے سے ہٹ کر کار کی ڈرائیونگ سائڈ پر آگیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور ایکشن کے لیے تیار تھا مگر سردار تھالوب کی صورت دیکھتے ہی وہ ایک دم سیدھا ہوگیا۔

"سردار تھالوب....." اس کے منہ سے نکلا "سوری سردار....."

"قصہ کیا ہے؟" سردار تھالوب نے پوچھا۔

"ڈاکو ایک کانیج میں گھس گئے تھے۔ ہمارے ایک کانسٹیبل نے مداخلت کرکے پکڑنا چاہا تو وہ اسے بے ہوش کرکے فرار ہوگئے۔ ہم انہی کو تلاش کررہے ہیں۔" انسپکٹر نے بتایا۔

"یہ کتنی دیر پہلے کی بات ہے؟ کیا تمہارے خیال میں وہ ابھی اس علاقے میں موجود ہوں گے؟" تھالوب نے کہا۔

"صرف چند منٹ پہلے کی بات ہے سردار۔ وہ لوگ ابھی اس علاقے سے باہر نہیں جاسکے ہوں گے۔ سوری سردار۔ آپ کو زحمت ہوئی۔" انسپکٹر نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں انسپکٹر۔ انہیں تلاش کرو۔" سردار تھالوب نے کہتے ہوئے انجن اسٹارٹ کردیا۔

انسپکٹر اور دونوں کانسٹیبل دوڑ کر وین میں بیٹھ گئے اور وین مڑ کر تیزی سے واپس چلی گئی۔ سردار تھالوب نے بھی گاڑی آگے بڑھادی۔ تھالوب سے باتیں کرتے ہوئے انسپکٹر نے کار کے اندر جھانکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہ اگر جھانک لیتا تو ہمیں دیکھ لیتا۔ مجھے تو وہ نہیں جانتا ہوگا لیکن سونیا کو پہچان لیتا کہ وہ رنگ سنت کی بیٹی ہے۔ فی الوقت تو وہ سونیا کی طرف انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن بعد میں جب وہ کانسٹیبل ہوش میں آکر سونیا کے بارے میں بتاتا تو انسپکٹر کو یقیناً سردار تھالوب پر بھی شبہ ہوتا۔

کار ایک اور سڑک پر مڑ گئی تھی۔ سردار تھالوب نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی تھی۔ مجھے ہی زبان کھولنی پڑی۔

"تم اس وقت اس طرف کیسے آگئے تھے؟" میں نے اپنی سیٹ پر آگے جھکتے ہوئے سردار تھالوب کو مخاطب کیا "یہ محض اتفاق تھا یا....."

"یہ اتفاق نہیں ہے۔" سردار تھالوب نے میری بات کاٹ دی "کچھ دیر پہلے میں نے کانیج فون کیا تھا۔ رنگولی نے بتایا کہ تم سونیا کے ساتھ اس کے کانیج کی طرف گئے ہوئے ہو۔ مجھے معلوم تھا کہ رنگ سنت کے کانیج کی نگرانی ہورہی ہے۔ یہ سوچ کر کہ تم لوگ کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤ، میں نے اس طرف دوڑ لگادی اور جب میں اس طرف پہنچا تو کانیج کے سامنے پولیس کی وین دیکھ کر میرا ماتھا ٹھنکا لیکن مجھے جلد ہی پتا چل گیا کہ کانیج میں داخل ہونے والے ڈاکو فرار ہورہے ہیں۔ میں نے فوراً ہی گلیوں اور سڑکوں پر تم لوگوں کی تلاش شروع کردی اور بروقت تم تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ اگر مجھ سے پہلے وہ پولیس وین تم لوگوں تک پہنچ جاتی تو معاملہ گمبھیر ہوسکتا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم سے یہ حماقت کیسے سرزد ہوئی؟"

"میں اسے واقعی حماقت ہی کہوں گا۔" میں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا "رنگ سنت ایک پرل سازش میں ملوث تھی۔ مجھے اندازہ ہوجانا چاہیے تھا کہ اس کے کانیج کی نگرانی ہورہی ہوگی۔"

"اور شہر میں یہ افواہیں بھی گردش کررہی ہیں کہ رنگ سنت کی بیٹی سونیا بھی اس سازش میں شریک تھی جو پکڑے جانے کے خوف سے روپوش ہوچکی ہے۔ ایسی باتیں تم نے بھی سنی تھیں۔ اگر سونیا کانیج میں پکڑی جاتی تو گڑبڑ ہوسکتی تھی۔" سردار تھالوب نے کہا۔

"لیکن ہم ثابت کرسکتے ہیں کہ سونیا اس سازش میں شریک نہیں تھی۔" میں نے کہا۔

"ثابت تو بعد میں کیا جاتا لیکن اس وقت تک پولیس سونیا کا جو حشر کرچکی ہوتی تم اس کا اندازہ نہیں لگاسکتے۔" سردار تھالوب نے کہا "اس کانسٹیبل نے سونیا کو پہچان لیا تھا جسے بعد میں تم لوگوں نے بے ہوش کردیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ بتائے گا کہ چوروں کی طرح کانیج میں داخل ہونے والی سونیا تھی تو اس پر کیے جانے والے حملے کو تقویت ملے گی۔"

"ہاں۔ یہ بات تو ہے۔" میں نے سر ہلایا "لیکن حالات ہمیشہ تو ایسے نہیں رہیں گے۔ یہ حقیقت تو سامنے آہی جائے گی کہ سونیا بے گناہ ہے۔"

"اب یہی تو دیکھنا ہے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔" سردار تھالوب نے کہا۔

کار مختلف سڑکوں پر گھومتی ہوئی کانیج والی سڑک پر آگئی۔ اس وقت ساڑھے بارہ بجنے والے تھے۔ سردار تھالوب ہمیں چھوڑ کر فوراً ہی واپس چلا گیا تھا۔

سونیا راستے بھر خاموش رہی تھی۔ کانیج میں آنے کے بعد بھی تھالوب کی موجودگی میں اس نے زبان نہیں کھولی تھی۔ اس کے چہرے سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس نے سردار کی ڈانٹ کا خاصا اثر لیا تھا۔

"تمہیں شاید تھالوب کی باتیں بری لگی ہیں۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" سونیا نے جواب دیا "سردار نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ہمیں ایسی حماقت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوجاتی تو بات سردار پر آجاتی۔"

"آئندہ ہم احتیاط کریں گے۔" میں نے کہا "غلطی میری ہی تھی۔ مجھے ہی سوچنا چاہیے تھا کہ اس طرف جانا مناسب ہوگا یا نہیں۔ بہرحال، بھول جاؤ اب اس بات کو۔" میں نے کہتے ہوئے ٹیکے سے اس کا گال تھپتھپادیا۔

سونیا نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر وہ بیگ اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جانکی سامنے والے صوفے پر بیٹھی مجھے گھور رہی تھی۔ سونیا کا گال تھپتھپانا شاید اسے اچھا نہیں لگا تھا۔

"بڑے مہربان ہورہے ہو اس پر؟" جانکی کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

"سونیا اچھی لڑکی ہے۔ معصوم اور....."

"وہ یقیناً اچھی لڑکی ہے۔" جانکی نے میری بات کاٹ دی "مجھ سے زیادہ حسین اور جوان ہے اور اس کی معصومیت..... میں دو چار دن سے دیکھ رہی ہوں۔ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ چپکی رہتی ہے۔"

"غلط مت سمجھو جانکی۔" میں نے اسے گھورا "تم جانتی ہو چند روز پہلے ہی اس کی ماں کو بیدردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ اس پر غداری کا الزام تھا جبکہ سونیا محب وطن لڑکی ہے۔ وہ اپنی ماں کی پیشانی سے غداری کا داغ مٹانا چاہتی ہے اور وہ سین فونگ جیسے شخص کو بے رحمی سے قتل کرچکی ہے۔ اسے ہمدردی کی ضرورت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تم سب لوگ اس سے اپنائیت اور ہمدردی کا اظہار کررہے ہو لیکن اس کا جھکاؤ اگر میری طرف زیادہ ہے تو اس میں اچنبھے کی کیا بات ہے۔ تم بلاوجہ اس پر شبہ کررہی ہو جبکہ میرے بارے میں بھی تم اچھی طرح جانتی ہو۔"

"ہاں جانتی ہوں۔" جانکی نے گہرا سانس لیا "لیکن مجھے یہ ڈر کیوں ہے کہ یہ لڑکی پتھر میں جونک لگانے میں کامیاب ہوجائے گی۔"

"وہم ہے تمہارا۔" میں نے کہا "ڈیڑھ بجنے والا ہے۔ جاؤ اب جاکر سوجاؤ۔"

"اور تم.....؟" اس نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"میں یہیں صوفے پر لیٹ جاؤں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

جانکی مجھے گھورتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ میں صوفے کے کشن کو تکیہ بناکر لیٹ گیا۔ میرا دھیان ایک بار پھر تھائی لڑکی کی طرف چلا گیا۔ وہ نجانے کس حال میں ہوگی اور اس پر کیا ظلم ہورہا ہوگا۔

تین بجے کے قریب جب مجھ پر غنودگی سی طاری ہورہی تھی تو اپنے قریب آہٹ سن کر میں نے آنکھیں کھول دیں اور پھر سونیا کو قریب کھڑے دیکھ کر میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے۔ نیند نہیں آرہی کیا؟" میں نے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ..... یہ دیکھو۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ڈائری کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی تھرتھراہٹ تھی "میں کہتی تھی نا کہ میری ماں بے گناہ ہے۔ وہ اپنی خوشی سے ملک کے خلاف کسی سازش میں شریک نہیں ہوئی ہوگی۔ لو۔ یہ دیکھو..... ممی نے اس میں سب کچھ لکھا ہے۔ پڑھ لو اس ڈائری کو۔" وہ میرے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی اور ڈائری میرے ہاتھ میں تھمادی۔

میں اس ڈائری کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ سونیا نے میرے ہاتھوں میں ڈائری کھول دی اور اوراق پلٹتے ہوئے ایک جگہ رک گئی اور انگلی رکھتے ہوئے بولی۔

"اسے پڑھو۔ یہ میری ممی کی تحریر ہے۔ اس سے تمہیں پتا چل جائے گا کہ ممی کو کس طرح پھنسایا گیا تھا۔"

مجھے تھائی زبان کے ہندسوں کی تو شناخت تھی لیکن کوئی تحریر نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اس صفحے پر چھ مہینے پہلے کی تاریخ درج تھی۔

"سونیا۔" میں نے کہا "یہ تحریر تھائی زبان میں ہے اور میں تھائی زبان نہیں پڑھ سکتا۔"

سونیا نے چونک کر میری طرف دیکھا "میں پڑھ کر سناتی ہوں۔" اس نے کہا اور ڈائری میرے ہاتھ سے لے کر وہ تحریر پڑھنے لگی۔

وہ تحریر واقعی چونکا دینے والی تھی۔ رنگ سنت کی اس تحریر کے مطابق چھ مہینے پہلے پولیس چیف نے اسے اعتماد میں لے کر شہنشاہ کے خلاف ہونے والی سازش کے بارے میں آگاہ کیا تھا اور اسے یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ اس سازش میں شریک لوگ بہت طاقت ور ہیں۔ درحقیقت شہنشاہ کے خلاف اس سازش کے تانے بانے کئی برسوں سے بُنے جارہے تھے اور ان دنوں گولڈن ٹرائی اینگل کے جنرل کھوراٹ سے رابطے کی کوشش کی جارہی تھی۔ تاکہ اسے بھی اس سازش میں شریک کرلیا جائے۔ جنرل کھوراٹ کو سازش میں شریک کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اگر سازش

ناکام ہوجائے تو سازشی گولڈن ٹرائی اینگل میں پناہ حاصل کرسکیں اور وہاں سے شہنشاہ کے خلاف ایک باقاعدہ تحریک شروع کردی جائے۔

پولیس چیف نے رنگ سنت کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے ان لوگوں کے لیے کام نہ کیا تو نہ صرف اس کی بیٹی کو اغوا کرکے گولڈن ٹرائی اینگل پہنچادیا جائے گا بلکہ خود اسے بھی قتل کردیا جائے گا۔ دوسری طرف سازش کی کامیابی کی صورت میں اسے ایک بڑے عہدے کا لالچ دیا گیا تھا۔

میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہورہی تھی۔ کوئی بھی شریف آدمی خوشی سے کسی برائی کی طرف مائل نہیں ہوتا بلکہ اسے مجبور کیا جاتا ہے۔ بلیک میل کیا جاتا ہے۔ رنگ سنت کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ وہ اپنی خوشی سے سازش میں شریک نہیں ہوئی تھی۔ اسے مجبور کیا گیا تھا۔

سونیا ڈائری کے اگلے صفحات پڑھتی رہی۔ اس سازش کے حوالے سے مختلف تاریخوں میں اندراجات تھے اور کچھ ایسے نام بھی تھے جو حکومت میں کلیدی عہدوں پر فائز تھے۔

ڈائری میں کانیچ میں ہونے والی خفیہ میٹنگ سے ایک روز پہلے تک کی یادداشتیں درج تھیں۔ آخری صفحے پر اس میٹنگ میں شریک ہونے والوں کے نام اور رنگ سنت کی ذمے داریاں بھی درج تھیں۔

"میں نہ کہتی تھی کہ میری ماں بے گناہ ہے۔" وہ ڈائری بند کرتے ہوئے بولی "یہ ڈائری میری ماں کی بے گناہی کا ثبوت ہے۔"

"اور میرا خیال ہے تم یہ ڈائری لینے کے لیے ہی اپنے کانیچ گئی تھیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" سونیا نے کہا "مجھے معلوم تھا میری ممی باقاعدگی سے ڈائری لکھتی ہے اور مجھے یقین تھا کہ اس سازش کے بارے میں بھی اس نے کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہوگا۔ اب میں مطمئن ہوں۔ میری ماں غدار نہیں تھی۔ اسے غداری کے لیے مجبور کیا گیا تھا اور اب تو ان لوگوں سے میری نفرت کئی گنا بڑھ گئی ہے جو میری ماں کی موت کے ذمے دار ہیں۔ وہ لوگ گولڈن ٹرائی اینگل تو کیا جہنم میں بھی پناہ حاصل کرلیں تو میں ان کا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔ مجھے اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک ان کی بوٹیاں کاٹ کر کتوں کو نہ ڈال دوں۔"

میں بڑی گہری نظروں سے سونیا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شدتِ جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہورہا تھا۔

میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اپنے عقب میں ہلکی سی آہٹ محسوس کرکے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ وہ جانکی تھی جو سر پر بالوں کا جوڑا بناتی ہوئی اس طرف آرہی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ اس وقت سونیا میرے ساتھ جڑ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے میرے ساتھ اس طرح بیٹھے دیکھ کر جانکی ٹھٹک گئی۔ اس کی آنکھوں میں سرخی اور گہری ہوگئی۔

"تو یہ بات ہے۔" وہ باری باری ہم دونوں کو گھورتے ہوئے اردو میں بولی "اس لیے تم یہاں لیٹنے پر بضد تھے۔ اگر پہلے سے کوئی پروگرام طے تھا تو کمرے میں چلے جاتے۔ میں یہاں صوفے پر سوجاتی۔"

"جانکی!" میرے حلق سے غراہٹ سی نکلی "کوئی بات کرنے سے پہلے تمہیں سوچنا چاہیے کہ کیا کہہ رہی ہو۔ یہ دیکھ رہی ہو۔" میں نے سونیا کے ہاتھ سے ڈائری جھپٹ کر جانکی کو دکھائی "یہ اس کی ماں کی ڈائری ہے جس کے لیے یہ آج اپنے کانیچ گئی تھی۔ اسے شروع سے ہی یقین تھا کہ اس کی ماں بے گناہ ہے۔ اسے سازش میں شریک ہونے پر مجبور کیا گیا تھا۔ پہلے یہ اپنے کمرے میں بیٹھی خود یہ ڈائری پڑھتی رہی اور پھر میرے پاس آگئی۔ یہ مجھے ڈائری میں لکھی ہوئی اپنی ماں کی یادداشتیں سنا رہی تھی۔ اور تم... تمہارے دماغ میں صرف ایک ہی بات گھسی ہوئی ہے۔ نجانے تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو؟"

میرے تیور دیکھ کر جانکی کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

"سوری وجدان۔" وہ آگے بڑھ کر سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی "میں خود نہیں سمجھ پائی کہ میں ایسا کیوں سوچتی ہوں۔ بہرحال، کیا ہے اس ڈائری میں؟"

"لو۔ خود ہی پڑھ لو۔" میں نے ڈائری اس کی طرف بڑھا دی۔

سونیا اگرچہ اردو نہیں سمجھتی تھی لیکن ہمارے لب ولہجے اور چہروں کے تاثرات سے وہ سمجھ گئی تھی کہ ہمارے درمیان تلخ کلامی اسی کی وجہ سے ہوئی تھی۔ وہ سرک کر مجھ سے کچھ دور ہٹ گئی۔

جانکی ڈائری کے وہ صفحات پڑھ رہی تھی جو میں نے کھول کر اس کے سامنے کیے تھے۔ تقریباً دس منٹ بعد کچھ اقتباسات پڑھنے کے بعد اس نے ڈائری بند کردی اور میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ڈائری پڑھنے کے بعد تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ صورتِ حال وہ نہیں جو ہم یا دوسرے لوگ سمجھتے ہیں۔ ایسی دھمکیاں دے کر تو کسی سے کوئی بھی کام کروایا جاسکتا ہے۔ بہرحال، اب کیا ارادہ ہے؟"

"یہ ڈائری میں صبح تھالوب کے حوالے کردوں گا اور مہاراج سے بھی اس سلسلے میں بات کروں گا۔ تاکہ تحقیقات کرنے کے بعد رنگ سنت کے بارے میں صحیح فیصلہ کیا جاسکے۔ اس ڈائری میں کچھ ایسے نام بھی ہیں جن سے رنگ سنت کی اس تحریر کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ ویسے میں تمہارے اس خیال سے متفق ہوں کہ اس قسم کی دھمکیاں دے کر کسی سے کوئی بھی کام کروایا جاسکتا ہے۔ بہرحال، مجھے بڑے زور کی نیند آرہی ہے۔ تم سونیا کو ساتھ لے کر اس کے کمرے میں چلی جاؤ۔ اسے اس وقت ہماری ہمدردیوں کی ضرورت ہے۔ میں اپنے کمرے میں جاکر سو رہا ہوں۔" میں کہتے ہوئے اٹھ گیا اور وہ ڈائری بھی جانکی کے ہاتھ سے لے لی۔

اپنے کمرے میں آکر ڈائری میں نے تکیے کے نیچے رکھ لی اور اس نئی صورتِ حال کے بارے میں سوچتا ہوا لیٹ گیا۔ میں زیادہ دیر تک آنکھیں کھلی نہیں رکھ سکا۔ جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

سردار تھالوب صبح نو بجے ہی پہنچ گیا تھا۔ مجھے بھی جگا دیا گیا۔ نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے میری آنکھوں میں شدید جلن ہورہی تھی۔ دماغ میں بھی غبار سا بھرا ہوا تھا۔ تاہم ٹھنڈے پانی سے غسل کرکے میں اپنے آپ کو قدرے بہتر محسوس کرنے لگا۔

ناشتے میں سردار تھالوب بھی میرے ساتھ شریک تھا۔ میں نے رنگ سنت کی ڈائری کی بات چھیڑ دی۔ وہ بڑی توجہ سے میری باتیں سنتا رہا۔ میں نے وہ ڈائری بھی اپنے کمرے سے لاکر اس کے سامنے رکھ دی تھی۔ میری بات ختم ہوئی تو وہ ڈائری کھول کر کہیں کہیں سے رنگ سنت کی تحریر پڑھنے لگا۔

"کیا چاہتے ہو؟" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "اس ڈائری کا کیا کیا جائے؟"

"میں جانکی کے ساتھ آج ہی کسی نہ کسی طرح گولڈن ٹرائی اینگل میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ میں مہاراج سے بھی فون پر بات کروں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے بعد تم یہ ڈائری کسی ایسے ذمے دار شخص کے حوالے کرو جو اسے رنتا کوسن یا حکومت کی کسی اور ذمے دار شخصیت تک بحفاظت پہنچا سکے۔ اگر تحقیقات سے ثابت ہوجائے کہ رنگ سنت کی یہ تحریر درست ہے اور وہ واقعی بے گناہ تھی تو مجھے خوشی ہوگی۔" میں نے کہا۔

"بات کچھ سمجھ میں آتی ہے۔" تھالوب بولا "جس طرح ہم نے رنگ سنت کی بیٹی کو اپنے قبضے میں لے کر اس سے کانیچ میں ہونے والی خفیہ میٹنگ کا پروگرام اور دوسری بہت سی باتیں معلوم کرلی تھیں اسی طرح رنگ سنت کو دھمکی دے کر کام کرنے کے لیے مجبور کردیا گیا ہوگا۔ بہرحال اس سلسلے میں مجھے سے جو کچھ ہوسکا میں کروں گا لیکن... کیا تمہارے لیے گولڈن ٹرائی اینگل جانا ضروری ہے؟" اس نے خاموش ہو کر میرے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"بات یہ ہے سردار تھالوب۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں نے اپنے ماں باپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھا ہے۔ میں وہ منظر کس طرح بھول سکتا ہوں جب میری ماں کو خنجروں کے پے در پے وار کرکے نہایت بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا اور میرے باپ کا پیٹ اور سینہ چاک کردیا گیا تھا۔ ان کی چیخیں اب بھی میرے کانوں میں گونجتی ہیں تو میری روح تک کانپ اٹھتی ہے اور پھر چاچا پرتاب سنگھ۔ اسے بھی میری نظروں کے سامنے گولیوں سے چھلنی کردیا گیا۔ اس نے اپنی جان دے کر مجھے بچالیا۔

"بات اگرچہ پرانی ہوچکی ہے لیکن سینے میں انتقام کا الاؤ دہک رہا ہو تو کوئی بھی بات پرانی نہیں ہوتی۔ میری روح پر لگائے جانے والے برسوں پرانے یہ زخم آج بھی ہرے ہیں اور یہ گھاؤ اس وقت تک مندمل نہیں ہوں گے جب تک میرے اندر کا آتش فشاں پھٹ کر ان لوگوں کو بھسم نہیں کر ڈالے گا۔" میں خاموش ہوگیا۔ تھالوب میرے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد میں نے بات جاری رکھی "تم اندازہ لگا چکے ہو کہ وہ کتنے سفاک اور بے رحم ہیں۔ کتنے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں۔ کیا ایسے لوگوں کو معاف کیا جاسکتا ہے؟"

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔" سردار تھالوب نے کہا "ایسے لوگوں کو معاف کردینا واقعی انسانیت پر ظلم ہوگا لیکن گولڈن ٹرائی اینگل..."

"میں ان کے پیچھے جہنم تک جانے کو تیار ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی اور کہا۔

"میری تم سے صرف ایک درخواست ہے سردار۔ رنگ سنت کے بارے میں تحقیقات کروانا اور سونیا کا خیال رکھنا۔ اسے اپنی سرپرستی میں لے لینا۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اسے صحیح راستہ مل جائے تو..."

"میرا راستہ صرف اور صرف گولڈن ٹرائی اینگل کی

طرف جاتا ہے۔"

اپنے عقب میں سونیا کی آواز سن کر میں اچھل پڑا۔

"ماسٹر۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی "یہ الفاظ تو میں نے کہے تھے کہ میں اپنی ماں کے قاتلوں کی تلاش میں گولڈن ٹرائی اینگل تو کیا جہنم تک جانے کو تیار ہوں اور میں نے اپنا فیصلہ بدلا نہیں ہے۔ وارا وغیرہ صرف تمہارے ماں باپ اور میری ماں ہی کے قاتل نہیں ہیں۔ وہ صرف ہمارے نہیں انسانیت کے بھی مجرم ہیں اور میں نے انہیں عبرت ناک سزا دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اگر تم مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جاؤ گے تو میں اکیلی ہی اس جہنم میں کود پڑوں گی۔"

میں اور سردار تھالوب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"آؤ۔ یہاں بیٹھو میرے پاس۔" سردار تھالوب نے اپنے ساتھ والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

سونیا کرسی پر بیٹھ گئی تو لوما نے فوراً ہی اس کے سامنے چائے کا کپ رکھ دیا۔

سردار تھالوب اور میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک سونیا کو سمجھانے کی کوشش کرتے رہے لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہی۔ اسی دوران میں رنگولی اور جانگی بھی آگئی تھیں۔ وہ بھی اسے سمجھانے کی کوشش کرتی رہیں مگر سونیا پر کسی کی بات کا اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی بس ایک ہی ضد تھی کہ ہمارے ساتھ جائے گی۔

"ٹھیک ہے۔" بالآخر میں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "اگر تمہیں کچھ ہوگیا تو مجھے افسوس ہوگا۔" میں سردار تھالوب کی طرف متوجہ ہوگیا "ہمارے جانے کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟"

"ابھی تھوڑی دیر بعد ہم چلتے ہیں۔" سردار تھالوب نے جواب دیا "اس علاقے کا جائزہ لے کر تم خود ہی فیصلہ کرلینا کہ کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے۔"

اور پھر اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد میں، جانگی اور سردار تھالوب اس کی جیپ پر سوار گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف جا رہے تھے۔ سونیا کو اس لیے کانچ ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا کہ گزشتہ رات اس کا نشیبل نے ہوش میں آنے کے بعد بتا دیا تھا کہ چوروں کی طرح اپنے کانچ میں گھسنے والی سونیا تھی۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا جس کا حلیہ وہ ٹھیک سے نہیں بتا سکا تھا۔ پولیس نے رات ہی کو سونیا کی تلاش شروع کردی تھی اور اب بھی اسے پورے شہر اور نواحی علاقوں میں تلاش کیا جا رہا تھا اس لیے اس وقت سونیا کا ہمارے ساتھ جانا مناسب نہیں تھا۔ رنگولی کو بھی سونیا کی وجہ سے کانچ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد ہم دریائے مائے کھام پر اسی جگہ پہنچ گئے جہاں سیاحوں کے لیے ایک بہت بڑی تفریح گاہ بھی بنی ہوئی تھی۔ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ دریائے میکانگ اور دریائے مائے کھام اس علاقے میں اس طرح ملے ہیں کہ انگریزی کے حرف Y کی شکل بن جاتی ہے اور اس حرف کے دائیں طرف کی اوپر سے نیچے کی طرف آتی ہوئی لکیر دریائے میکانگ ہے جو تھائی لینڈ اور لاؤس کے درمیان سرحد کا کام دیتا ہے جبکہ دوسری طرف مائے کھام ریور تھائی لینڈ کی حدود میں ڈاکیل سینٹر کی طرف جا کر دو تین شاخوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ ان دونوں دریاؤں کے مقام اتصال سے جو تکون بنتی ہے وہی دراصل گولڈن ٹرائی اینگل ہے۔ جو آگے جا کر کشادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایک طرف برما اور دوسری طرف لاؤس کے کچھ سرحدی علاقے بھی اس تکون میں شامل ہوجاتے ہیں۔

مقامی انتظامیہ نے سیاحوں کی سہولت کے لیے دریائے مائے کھام کے کنارے پر ایک بہت بڑی تفریح گاہ بنا دی تھی۔ یہاں کئی اچھے ریسٹورنٹ اور کاٹیجز بھی تھے۔ سیاح یہاں آکر دریا کے دوسرے کنارے سے شروع ہونے والے گولڈن ٹرائی اینگل کے علاقے کو دیکھتے اور تصویریں کھینچتے اور اس بات پر فخر محسوس کرتے کہ انہوں نے گولڈن ٹرائی اینگل نام کے اس خطے کی جھلک دیکھی ہے جہاں سے دنیا بھر کو ہیروئن اور دیگر منشیات کا زہر سپلائی کیا جاتا ہے۔

دو تین دن سے حالات چونکہ کچھ بہتر تھے اس لیے یہاں بھی کچھ رونق تھی۔ اندرون ملک اور غیر ممالک سے آئے ہوئے سیاح ادھر ادھر گھومتے ہوئے سامنے گولڈن ٹرائی اینگل کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ لوگ ریستورانوں کے سامنے وسیع و عریض چبوتروں اور ٹیرس پر بیٹھے دوربینوں سے اس طرف دیکھ رہے تھے۔ یہاں دریا کے کنارے پر دو تین گھاٹ بھی تھے جہاں دریا کی سیر کے لیے موٹر بوٹس دستیاب تھیں۔

یہاں دریا کا پاٹ ایک ہزار میٹر سے کسی طرح بھی کم نہیں تھا۔ دریا خاصا گہرا اور بہاؤ بہت تیز تھا۔ بہاؤ کی طرف تقریباً پانچ کلو میٹر آگے جا کر یہ دریا میکانگ ریور سے ملتا تھا۔

میں جانگی اور سردار تھالوب جیپ سے اتر کر ادھر ادھر ٹہلتے رہے۔ ہمارا انداز ایسا تھا جیسے ہم سردار کے مہمان ہوں اور وہ ہمیں سیر کرانے کے لیے یہاں لایا ہو۔

ایک آدمی سردار تھالوب کو دیکھ کر تیزی سے ہماری طرف لپکا۔ وہ ایک ریسٹورنٹ کا مالک تھا اور اس نے سردار تھالوب کو پہچان لیا۔ وہ بڑے مؤدبانہ انداز میں سردار سے ملا اور پھر ہمیں اپنے ریسٹورنٹ میں لے آیا۔ اندر بیٹھنے کے بجائے ہم نے باہر ٹیرس پر بیٹھنے کو ترجیح دی۔ ہوٹل کا مالک ایک ویٹر پیس کے ساتھ مشروبات لے کر آگیا۔ وہ سردار تھالوب کو اپنا مہمان بنا کر بہت خوش ہو رہا تھا۔ مالک ریسٹورنٹ کے اندر چلا گیا تو سردار تھالوب سامنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"وہ سامنے پہاڑیاں اور گھنا جنگل ہے۔ یہاں جنرل کھوراٹ کے آدمی چوبیس گھنٹے چھپے پہرا دیتے رہتے ہیں۔ یہاں سے گولڈن ٹرائی اینگل کی زمین پر قدم رکھنا ممکن نہیں۔ البتہ....." وہ خاموش ہو کر اس کشتی کی طرف دیکھنے لگا جو سیاحوں سے بھری ہوئی تھی۔

وہ بڑی کشتی تھی۔ اس میں انجن بھی لگا ہوا تھا اور رنگ برنگے بادبان بھی تھے۔ کشتی میں تقریباً بیس افراد سوار تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں، مرد بھی اور بچے بھی۔ کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں کیمرے تھے۔ کچھ لوگ آنکھوں سے دوربینیں لگائے ہوئے تھے۔ دو جوان عورتیں ایسی تھیں جن کے پاس مووی کیمرے تھے۔ وہ گولڈن ٹرائی اینگل کی فلم بنا رہی تھیں۔ کوئی کشتی والا عام طور پر دریا کی نصف چوڑائی عبور نہیں کرتا مگر اس کشتی پر سوار سیاح شاید بوٹ مین کو دوسرے کنارے کے زیادہ سے زیادہ قریب جانے پر مجبور کر رہے تھے تاکہ گولڈن ٹرائی اینگل کا زیادہ قریب سے نظارہ کرسکیں اور واضح تصویریں کھینچ سکیں۔

لیکن وہ کشتی جیسے ہی دریا کی نصف چوڑائی سے ذرا سی آگے بڑھی، دوسرے کنارے پر گھنے جنگل سے فائرنگ ہونے لگی۔ لائٹ مشین گن سے فائرنگ کی جا رہی تھی۔ کوئی فائرنگ کرنے والا نظر نہیں آرہا تھا۔ لگتا تھا جیسے درختوں کی شاخوں نے گولیاں اگلنی شروع کردی ہوں۔

گولیاں کشتی کے آس پاس دریا کے پانی میں گر رہی تھیں۔ کشتی میں موجود عورتیں اور بچے چیخنے چلانے لگے اور پھر کشتی کا رخ تبدیل ہونا شروع ہوگیا۔ وہ مختصر سا چکر کاٹتی ہوئی بہاؤ کی سمت جا رہی تھی۔ اب وہ دریا کی نصف چوڑائی سے ادھر آگئی تھی۔ جنگل سے فائرنگ بند ہوگئی۔

"یہ کشتی والوں کے لیے وارننگ تھی۔" سردار تھالوب نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر کشتی مزید آگے بڑھتی تو گولیاں پانی کی بجائے کشتی میں بھرے ہوئے لوگوں کو نشانہ بناتیں۔"

"کیا چوبیس گھنٹے۔"

"ہاں۔ چوبیس گھنٹے۔" سردار تھالوب نے مجھے بات پوری کرنے کا موقع دیے بغیر کہا "جنرل کھوراٹ کے محافظ چوبیس گھنٹے دریا کی نگرانی کرتے ہیں۔ وہ رات کی تاریکی میں بھی دیکھ لیتے ہیں۔ کئی طالع آزماؤں نے رات کی تاریکی میں بھی دریا پار کرنے کی کوشش کی لیکن اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس جگہ سے دریا پار کرکے گولڈن ٹرائی اینگل میں داخل ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔"

"وہاں تک پہنچنے کا کوئی راستہ؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے سردار تھالوب کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" تھالوب نے اثبات میں سر ہلایا "راستہ اگرچہ وہ بھی خطرناک ہے مگر ایک فیصد کامیابی کا امکان ہے۔"

"میں یہ رسک لینے کو تیار ہوں۔" میں نے کہا۔

"تو پھر آؤ۔ میں تمہیں وہ جگہ دکھاتا ہوں۔" سردار کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

میں نے اور جانگی نے بھی کرسیاں چھوڑ دیں۔ ہم پارکنگ ایریا میں آگئے۔ میرا خیال تھا کہ تھالوب ہمیں دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ کسی جگہ لے جائے گا لیکن جب اس نے جیپ میں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو میں پوچھے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"بیٹھو۔ پتا چل جائے گا۔" سردار نے کہا۔

ہم جیپ میں بیٹھ گئے۔ سردار تھالوب نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ جیپ پارکنگ ایریا سے نکل کر شہر کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی۔ میں اب بھی نہیں سمجھ سکا تھا کہ وہ ہمیں کہاں لے جا رہا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد جیپ سڑک سے ہٹ کر بائیں طرف ایک کچے راستے پر مڑ گئی۔ یہ راستہ نہایت پُرپیچ اور خطرناک تھا۔ دونوں طرف گنجان جھاڑیاں تھیں جس سے راستہ چھپ اور تنگ ہوگیا تھا۔ اوپر سے درختوں کی شاخیں بھی نیچے تک جھکی ہوئی تھیں جو جیپ سے ٹکرا رہی تھیں۔ بعض جگہ تو درختوں کی جھکی ہوئی شاخیں اور جھاڑیاں اس طرح پھیلی ہوئی تھیں جیسے راستہ بند ہو مگر سردار تھالوب جیپ کو آگے بڑھاتا لے گیا۔

تقریباً دس کلو میٹر کا فاصلہ طے کرکے اس نے جیپ روک لی اور ہم نیچے اتر آئے اور تھالوب کے پیچھے چلتے رہے۔ یہاں پیدل چلنے کا بھی کوئی باقاعدہ راستہ نہیں تھا۔ ہم درختوں کی جھکی ہوئی شاخوں اور گنجان جھاڑیوں میں راستہ

بناتے ہوئے چلتے رہے اور پھر ایک جگہ رک گئے۔ تھالوب اس طرح چاروں طرف دیکھنے لگا جیسے کوئی آواز سننے کی کوشش کررہا ہو۔

وہ ہم سے تقریباً دس فٹ آگے تھا۔ میری طرف گھومتے ہوئے اس نے اچانک ہی پستول نکال لیا۔ پستول کا رخ میری کھوپڑی کی طرف تھا۔

"اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا ورنہ کھوپڑی میں سوراخ ہوجائے گا۔" تھالوب کے منہ سے سانپ جیسی پھنکار نکلی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی خوفناک سی مسکراہٹ تھی۔

میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں میرے ذہن میں ہزاروں خیالات اور وسوسے آئے تھے۔ تو یہ تھا سردار تھالوب کا اصل روپ۔ شاید وہ بھی جنرل کھوراٹ کا ایجنٹ تھا۔ اب تک اس نے میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا تھا' وہ سب ڈھونگ تھا اور جب میں نے گولڈن ٹرائی اینگل جانے کا فیصلہ کرلیا تو اس نے بھی مجھے ختم کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اس ویرانے میں مجھے اور جانکی کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تو ہمارے بارے میں کس کو پتا چلے گا۔ موت کو اتنا قریب دیکھ کر میرا جسم پسینے میں شرابور ہونے لگا۔ میری جینز کی ہپ پاکٹ میں بھی پستول موجود تھا۔ اگر میں پستول نکالنے کی کوشش بھی کرتا تو میرا ہاتھ جیب تک پہنچنے سے پہلے ہی تھالوب مجھے گولی مار دیتا۔

میں نے آہستگی سے گردن گھما کر جانکی کی طرف دیکھا۔ وہ مجھ سے چار فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ خوف سے اس کا چہرہ بھی دھواں ہورہا تھا۔ اس کی ٹانگوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ واضح طور پر نظر آرہی تھی۔

"اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا ورنہ کھوپڑی میں سوراخ ہوجائے گا۔"

سردار تھالوب ایک بار پھر سانپ کی طرح پھنکارا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ٹریگر دبادیا۔

فائر کی آواز گونجی۔ میں سکتے کی سی کیفیت میں کھڑا رہ گیا۔ گولی میرے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔ یہ شاید تنبیہی فائر تھا۔ تھالوب نے پستول والا ہاتھ نیچے جھکالیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"پیچھے مڑکر دیکھو۔"

میں تیزی سے پیچھے گھوم گیا اور اس کے ساتھ ہی میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ میرے پیچھے صرف ایک فٹ کے فاصلے پر درخت کی جھکی ہوئی ایک موٹی شاخ پر سبز رنگ کا ایک تقریباً چار فٹ لمبا سانپ لٹکا ہوا تھا۔ اس کا سر تھالوب کی گولی نے اڑا دیا تھا۔ سانپ کی دُم درخت کی شاخ سے بل کھا کر لپٹی ہوئی تھی اور باقی جسم بھی اینٹھتا ہوا سا ہوا میں بل کھا رہا تھا اور پھر شاخ سے اس کی دُم کے بل کھلنے لگے اور وہ دھپ کی آواز سے زمین پر گرا۔

"یہ سانپ اگر تمہیں ڈس لیتا تو تم ایک سیکنڈ سے بھی کم وقفے میں ختم ہوجاتے۔ اس کا زہر سائنائڈ سے بھی زیادہ خطرناک سمجھا جاتا ہے۔" سردار تھالوب اس سانپ کے بارے میں بتا رہا تھا "یہ خطرناک سانپ اس علاقے میں بہت کم پایا جاتا ہے لیکن جب یہ اپنے شکار کو دیکھ لیتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ یہ ہوا میں اڑتا بھی ہے۔ زمین سے پانچ چھ فٹ اونچی اور تقریباً پندرہ فٹ لمبی چھلانگ لگاتا ہے۔ یہ تم پر حملہ کرنے کی تیاری کررہا تھا۔ اگر میں نہ دیکھ لیتا تو تم اس وقت ہم سے بہت دور جاچکے ہوتے۔"

تھالوب بولتا رہا اور میں سوچتا رہا۔ چند سیکنڈ پہلے میرے ن میں اس کے بارے میں جو خیالات آئے تھے' ان پر اب مجھے شرمندگی ہورہی تھی۔ میں نے جانکی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی خوف کے تاثرات تھے۔

ہم ایک بار پھر چل پڑے اور ایک بار پھر رک گئے۔ پانی کی لہروں کی آواز سنائی دے رہی تھی اور پھر کچھ ہی دیر بعد ہم دریا کے کنارے پر جھاڑیوں میں بیٹھے سامنے دیکھ رہے تھے۔

یہی وہ جگہ تھی جہاں دونوں دریا انگریزی کے حرف Y کے نقطۂ اتصال پر ایک دوسرے سے ملتے تھے اور یہیں سے تکون بن کر آگے کو پھیلتے چلی گئی تھی۔

بہت خوب صورت منظر تھا۔ دھوپ میں چاندی کی طرح چمکتے ہوئے دونوں دریاؤں کے بیچ حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا سبزہ بڑا حسین منظر پیش کررہا تھا۔

یہاں دونوں دریاؤں کے ملنے کی وجہ سے پاٹ بہت زیادہ چوڑا ہوگیا تھا۔ بائیں طرف دریائے مائے کھام تھا اور دائیں طرف میکانگ جس کے دوسری طرف لاؤس کی سرحد تھی۔ زیریں علاقے کی طرف یہ دریا لاؤس اور تھائی لینڈ کے درمیان سرحدی لکیر بناتا چلا گیا تھا۔

"وہ چھوٹا سا جزیرہ دیکھ رہے ہو۔" سردار تھالوب نے میکانگ کے وسط میں ابھرے ہوئے ایک ٹاپو نما ابھار کی طرف اشارہ کیا۔ میں گردن گھما کر اس طرف دیکھنے لگا۔ اسے جزیرہ بھی کہا جاسکتا تھا۔ جس کی لمبائی چوڑائی دو ڈھائی سو گز سے زیادہ نہیں تھی۔ وہاں قد آدم جھاڑیاں اور گنجان

درخت نظر آرہے تھے "اس جزیرے سے گولڈن ٹرائی اینگل تک آسانی سے پہنچا جاسکتا ہے لیکن اصل مسئلہ اس جزیرے تک پہنچنے کا ہے۔"

"کیوں؟" میں نے جزیرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مجھے تو اس جزیرے تک پہنچنا بہت آسان لگ رہا ہے۔"

"یہ تمہاری بھول ہے۔" سردار تھالوب مسکرایا "میکانگ کے دوسرے کنارے پر لاؤس کے فوجی گشت کرتے رہتے ہیں۔ اس جزیرے کی طرف جانے والوں کو دیکھتے ہی گولی ماردی جاتی ہے۔"

"اور اگر اس طرف سے دریا پار کرنے کی کوشش کی جائے تو؟" میں نے بائیں طرف اشارہ کیا۔

"ناممکن۔" تھالوب نے جواب دیا "جنرل کھوراٹ تھائی سرحد پر زیادہ توجہ دیتا ہے۔ اس طرف اس کے مسلح آدمی موجود رہتے ہیں جبکہ لاؤس کی طرف سے اسے کوئی خطرہ نہیں۔ اس طرف گشت کا بھی زیادہ انتظام نہیں ہے۔ اس لیے میرے خیال میں اس جزیرے کی طرف سے ہی کوشش کی جانی چاہیے۔ اس طرف سے کامیابی کا ایک فی صد امکان ہوسکتا ہے۔"

میں دیر تک اس چھوٹے سے جزیرے کی طرف دیکھتا رہا۔

"ہوسکتا ہے اس جزیرے پر بھی لاؤس کے فوجی یا جنرل کھوراٹ کے آدمی موجود ہوں۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔" سردار تھالوب نے جواب دیا "یہ جزیرہ دریا کے عین وسط میں ہے۔ کسی ملک کی سرحد میں شامل نہیں ہے۔ تھائی اور لاؤس کی حکومتوں میں یہ معاہدہ ہے کہ ان میں سے کسی ملک کے فوجی اس جزیرے کو کسی بھی قسم کے مقاصد کے لیے استعمال نہیں کریں گے۔ جنرل کھوراٹ سے اگرچہ اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں لیکن وہ بھی اس معاہدے پر عمل کررہا ہے البتہ کبھی کبھار اس کے آدمی اس جزیرے پر آجاتے ہیں۔"

میں ایک بار پھر جزیرے کی طرف دیکھتے ہوئے نظروں ہی نظروں میں فاصلہ ناپنے کی کوشش کرنے لگا۔ میرے اندازے کے مطابق جس جگہ ہم کھڑے تھے وہاں سے اس جزیرے کا فاصلہ ہزار میٹر سے کم نہیں تھا اور وہاں سے گولڈن ٹرائی اینگل والا کنارہ پانچ چھ سو میٹر کے لگ بھگ رہا ہوگا۔ میں دیر تک اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے صورتِ حال کا جائزہ لیتا رہا پھر تھالوب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس جزیرے تک پہنچنے کے لیے ظاہر ہے کشتی کی ضرورت ہوگی اور کشتی کا بندوبست کیسے ہوگا؟"

"کشتی کا بندوبست ہوجائے گا۔" سردار تھالوب نے جواب دیا "لیکن میرا مشورہ ہے کہ ایک بار پھر سوچ لو۔ اپنے فیصلے پر نظرِثانی کرلو۔"

"میں فیصلہ کرچکا ہوں سردار۔" میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا "دنیا کی کوئی طاقت میرا فیصلہ نہیں بدل سکتی۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ آؤ۔ اب واپس چلیں۔" سردار تھالوب نے کہا۔ ہم جھاڑیوں سے نکل کر پختہ سڑک پر آکر تھالوب نے جیپ کا رخ شہر کی طرف موڑ دیا۔

سردار تھالوب بھی تقریباً ایک گھنٹے تک ہمارے ساتھ کانچ میں رہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا "مجھے تم لوگوں کے لیے کشتی اور کچھ دوسری چیزوں کا بندوبست کرنا ہے۔ کل صبح ملاقات ہوگی۔"

تھالوب چلا گیا۔ اس وقت رنگولی بھی اس کے ساتھ ہی چلی گئی تھی۔ اب ہم تینوں اس کانچ میں رہ گئے تھے۔ میں اور جانکی ایک بار پھر سونیا کو سمجھانے کی کوشش کرتے رہے لیکن وہ بھی میری طرح ارادے کی پکی تھی۔ وہ اپنی ضد پر قائم تھی کہ ہمارے ساتھ ضرور جائے گی۔ اگر ہم اسے ساتھ نہ لے گئے تو وہ اکیلی ہی گولڈن ٹرائی اینگل میں داخل ہونے کی کوشش کرے گی خواہ اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ سونیا کی اس ضد کے سامنے مجھے ایک بار پھر ہتھیار ڈالنا پڑے۔

ہم نے کل رات دریا پار کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ تھالوب نے کہا تھا کہ اس دوران میں وہ ہماری روانگی کے تمام انتظامات مکمل کرلے گا۔ میں مہاراج کو اپنے اس پروگرام سے آگاہ کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ مہاراج ہی نے مجھے اس قابل بنایا تھا کہ آج میرے دشمن مجھ سے چھپتے پھر رہے تھے اور مہاراج ہی نے میرے اندر اتنی خود اعتمادی پیدا کی تھی کہ میں اپنے طور پر بڑے سے بڑا فیصلہ کرسکتا تھا۔ مہاراج نے مجھے جو مشن سونپا تھا' میں اس میں سرخ رو ہوا تھا۔ اب میرے پاس صرف ایک ہی کام رہ گیا تھا۔ صرف ایک ہی مقصد تھا۔ اپنے ماں باپ کے قاتلوں سے انتقام۔ گولڈن ٹرائی اینگل تو ایسی جگہ تھی جہاں ہماری ہی طرح کے انسان بستے تھے۔ میں تو دارا اور چی فانگ کے تعاقب میں

جہنم تک جانے کو تیار تھا۔ یہ میرا اٹل فیصلہ تھا اور مجھے یقین تھا کہ مہاراج میرے اس فیصلے کی مخالفت نہیں کریں گے اور پھر مجھے مہاراج سے رنگ سنت کی ڈائری کے حوالے سے بھی بات کرنی تھی۔ اگر تحقیقات کے بعد یہ ثابت ہوجائے کہ رنگ سنت واقعی بے گناہ تھی تو سونیا کے دل سے بہت بڑا بوجھ ہٹ جائے گا۔

میں ٹیلی فون کے قریب آکر بیٹھ گیا اور ریسیور اٹھا کر بنکاک میں وائٹ ہاؤس کا نمبر ملانے لگا۔ لائن ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی اور اتفاق سے کال خود مہاراج ہی نے ریسیو کی تھی۔ چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد میں فوراً ہی اصل موضوع پر آگیا اور مہاراج کو سونیا، رنگ سنت اور اس کی ڈائری کے بارے میں بتانے لگا۔

"اس ڈائری میں کچھ ایسے نام موجود ہیں جن سے اس سلسلے میں معلومات حاصل کرکے رنگ سنت کی تحریر کی تصدیق یا تردید ہوسکتی ہے۔" میں نے کہا۔ "وہ ڈائری میں نے سردار تھالوب کے حوالے کردی ہے۔ وہ دو چار دن میں بنکاک آکر آپ سے ملاقات کرے گا اور ڈائری آپ کے حوالے کردے گا۔"

"اور تم کیوں نہیں آرہے۔" مہاراج نے کہا "تمہارا مشن مکمل ہوچکا ہے۔ وہاں اب تمہاری ضرورت نہیں رہی۔ یہاں بنکاک میں تمہارا انتظار ہورہا ہے۔"

"مہاراج وہ.... دارا اور اس کے ساتھی گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف فرار ہوگئے ہیں۔" میں یہ بات بمشکل کہہ سکا تھا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" مہاراج نے پوچھا۔

"مہاراج آپ جانتے ہیں دارا اور اس کے ساتھیوں نے میرے ماں باپ کو قتل کیا تھا اور چاچا پرتاب سنگھ کو بھی آپ کی عبادت گاہ میں گولیوں سے چھلنی کردیا تھا۔ وہ مجھے بھی قتل کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے مجھے بچایا اور پناہ دی۔ میں نے آپ کے سامنے بھی قسم کھائی تھی کہ ان لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا اور ایسے لوگوں کو زندہ چھوڑنا بھی نہیں چاہیے۔ یہ لوگ لاتعداد بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں۔ انہوں نے بنکاک میں جو قتل وغارت مچائی تھی اس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ یہاں بھی یہ لوگ کئی روز تک آگ اور خون کا کھیل کھیلتے رہے ہیں۔ دارا نے تو ان لوگوں کو بھی نہیں بخشا جو اس کی خاطر جان ہتھیلی پر لیے پھرتے رہے ہیں۔ دارا نے پیٹرو کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ یہ لوگ انسانیت کے دشمن ہیں مہاراج۔ برا آدمی کبھی برائی سے باز نہیں آتا۔ ان کی سازش اگرچہ ناکام ہوچکی ہے لیکن یہ ایسے ہی کسی اور منصوبے پر کام شروع کردیں گے۔ ہیروئن کی اسمگلنگ کا منصوبہ تو پہلے ہی سے ہے۔ دنیا بھر میں یہ زہر پھیلایا جارہا ہے۔ ان جیسے بے ضمیر لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ ہم اس برائی کا مکمل طور پر خاتمہ تو نہیں کرسکتے لیکن دارا جیسے کچھ لوگوں کو تو روک سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں ان لوگوں کو زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ ختم ہوجانا چاہیے ایسے لوگوں کو۔"

"میں سمجھ رہا ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" مہاراج نے کہا "لیکن گولڈن ٹرائی اینگل خوں خوار بھیڑیوں کا بھٹ ہے۔ وہاں جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔"

"میں نے آپ سے تربیت حاصل کی ہے مہاراج۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ مجھے آپ کے آشیرباد چاہیے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ تھائی ان خوں خوار بھیڑیوں کے قبضے میں ہے اور اسے بے یارومددگار نہیں چھوڑا جاسکتا۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے سن۔" مہاراج نے کہا "تم کب جارہے ہو؟"

"کل رات۔" میں نے جواب دیا اور مہاراج کو یہ بھی بتا دیا کہ جانکی بھی میرے ساتھ جارہی ہے۔ سونیا کا ذکر میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" مہاراج نے جواب دیا اور چند رسمی جملوں کے تبادلے کے بعد فون بند کردیا۔

میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید مہاراج اس کی اجازت نہ دیں لیکن وہ میرے جذبات سے واقف تھے اور میں نے جس لب ولہجے میں بات کی تھی، اس سے بھی شاید انہوں نے اندازہ لگالیا تھا کہ میں کوئی نصیحت ماننے کو تیار نہیں ہوں گا اس لیے انہوں نے مجھے اجازت دے دی تھی۔

میں تو جانکی کو بھی ساتھ لے جانا نہیں چاہتا تھا لیکن تھائی کا یہاں سب کچھ ختم ہوچکا تھا۔ دارا وغیرہ فرار ہوچکے تھے۔ پیٹرو بھی مارا گیا تھا لیکن پیٹرو کا گروہ تو موجود تھا۔ اس گروہ کے بہت سے لوگ جانکی کو اچھی طرح جانتے تھے۔ وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے اور ویسے بھی میرا خیال تھا کہ اگر میں جانکی کو ساتھ لے جانے سے انکار کردیتا تو وہ بھی نہ مانتی۔ جانکی کو بہرحال میرے ساتھ جانا تھا لیکن مجھے سونیا کا افسوس ہورہا تھا۔ ہم پکنک پر نہیں جارہے تھے۔ وہاں قدم قدم پر موت ہماری منتظر ہوگی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اس سنہری ٹیلوں کی زمین پر قدم رکھتے ہی ہمیں گولیوں سے بھون دیا جائے لیکن سونیا اس آگ میں کودنے کو تیار تھی۔ میری طرح وہ بھی انتقام کی آگ میں جل رہی تھی اور اسے روکنا ممکن نہیں تھا۔

وہ دن گزر گیا اور پھر رات کے تاریک سائے پر پھیلانے لگے۔ رات میرے لیے سب سے زیادہ اذیت ناک ہوتی تھی۔ اس رات دو بجے تک تو جانکی اور سونیا بھی جاگتی رہی تھیں اور پھر اپنے کمروں میں جانے کے بجائے وہیں قالین پر لیٹ کر سوگئیں اور میں صوفے پر نیم دراز سامنے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کو گھورتا رہا جس کی سوئیاں غیر محسوس انداز میں اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھیں لیکن کونسی منزل! یہ تو ایک دائرے میں گردش کرتی رہتی ہیں۔ ان کی کوئی منزل نہیں اور شاید گھڑی کی ان سوئیوں کی طرح میری بھی کوئی منزل نہیں تھی۔ میں نے اپنے ماں باپ کے قتل کے انتقام کو زندگی کا مقصد بنالیا تھا۔ اس کے سوا اور کوئی مقصد نظر نہیں آتا تھا نہ ہی کوئی منزل دکھائی دیتی تھی۔ قتل وغارت، خون خرابا! کیا یہی انسانی زندگی کا مقصد ہے؟ میں نے تو اب تک یہی کچھ دیکھا تھا۔ ممی اور ڈیڈی کے قتل کے بعد تو مجھے ہر طرف گولیاں ہی برستی نظر آتی تھیں۔ خون ہی خون دکھائی دیا تھا۔ ہر طرف انسانی خون ہی بہتا ہوا دیکھا تھا میں نے۔ میرے ہاتھ بھی خون سے رنگے ہوئے تھے لیکن.... میں نے تو ان لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگے تھے جو انسانیت کے دشمن تھے۔ بے گناہ کیوں مارے جارہے تھے؟

میرا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ مجھے اپنے کسی سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ یہ سب کچھ سوچتے ہوئے میرا سر دکھنے لگا۔ دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر قالین پر سوئی ہوئی جانکی اور سونیا کو دیکھتا رہا پھر اٹھ کر دبے قدموں چلتا ہوا کچن میں گھس گیا۔ کم سے کم آواز پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے میں نے کافی بنائی اور کپ لے کر خاموشی سے باہر آکر لان میں پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اور تاریکی میں ادھر اُدھر گھورتے ہوئے کافی کی چسکیاں لینے لگا۔

مجھے وہاں بیٹھے ہوئے چند ہی منٹ گزرے تھے کہ برآمدے کی طرف سے آہٹ سن کر چونک گیا۔ گردن گھما کر اس طرف دیکھا۔ جانکی برآمدے میں کھڑی ادھر اُدھر دیکھ رہی تھی اور پھر وہ برآمدے سے نکل کر میرے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے۔ نیند نہیں آرہی؟" وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ ذہن اپ سیٹ ہورہا ہے۔" میں نے جواب دیا "سوچ سوچ کر سر دکھنے لگا تھا۔ میں نے اٹھ کر کافی بنالی۔"

"مجھے جگا دیتے۔ میں بنا دیتی کافی۔" جانکی نے کہا۔

"اگر تم بھی پینا چاہو تو بنالو۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔ موڈ نہیں ہورہا۔" جانکی نے جواب دیا۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر ہم گولڈن ٹرائی اینگل کے حوالے سے باتیں کرنے لگے کہ وہاں ہمیں کس قسم کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔

"اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔" جانکی نے کہا "جنرل کھوراٹ کے بارے میں جو کچھ سنا ہے اور جو کچھ ہم دیکھ چکے ہیں اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں میں انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہاں ہمیں سنگین ترین صورت حال کا سامنا ہوگا اور شاید وہ ہماری زندگی کا کٹھن ترین دور ہوگا۔ قدم قدم پر موت گھات لگائے بیٹھی ہوگی۔ اگر ہم وہاں چند روز بھی زندہ رہے تو یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی۔ مجھے تو یہ بھی اندیشہ ہے کہ کشتی سے اتر کر دریا کے کنارے پر قدم رکھتے ہی ہمیں گولیوں سے چھلنی کردیا جائے گا۔"

"یہی سب کچھ میں بھی سوچ رہا ہوں۔" میں نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ان حالات کے پیش نظر کیا تم اپنے لیے وہاں جانا مناسب سمجھتی ہو؟ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تم یہیں رہ جاؤ۔ سردار تھالوب کے پاس۔ اگر تم رک جاؤ تو سونیا کو بھی روکا جاسکتا ہے۔"

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا۔" جانکی کا جواب میری توقع کے عین مطابق تھا "کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں موت کے اس حصار میں اکیلے جانے دوں گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی "میں، تم اور تھائی۔ ہم تینوں نے ایک ساتھ مرنے جینے کا عہد کیا تھا۔ ہم نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا تھا کہ سچائی کے لیے لڑتے ہوئے جان دے دیں گے لیکن ہمارے قدم پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ہم نے ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیا ہے۔ اب ہمارے راستے الگ کیسے ہوسکتے ہیں۔ ہاں البتہ اگر تم تھائی کو بھول کر اپنا پروگرام بدل دو تو میں بھی بنکاک واپس جانے کو تیار ہوں۔ اگر بنکاک میں ہمارے لیے اب بھی خطرہ ہو تو ہم نہیں اور چلے جائیں گے اور آرام سے زندگی گزار دیں گے۔"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔" تھائی کا نام لے کر جانکی نے میری دکھتی رگ پر انگلی رکھ دی تھی "میں تھائی کو کیسے بھول

سکتا ہوں۔ آج میں زندہ ہوں تو تھائی کی وجہ سے۔ میں تو اسے بھول جانے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔"

"تو پھر تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تھائی کو بھول جاؤں گی یا تمہیں اکیلے موت کے منہ میں جانے دوں گی۔" جانکی نے مسکراتے ہوئے کہا "بس۔ اب اس موضوع کو یہیں ختم کردو۔ آج کے بعد میں اس سلسلے میں کوئی بات نہیں سننا چاہتی۔"

میں لاجواب ہو کر رہ گیا۔

رات کے آخری پہر تک ہم لان ہی میں بیٹھے رہے۔ اس وقت پو پھٹ رہی تھی جب ہم لان سے اٹھ کر کاٹیج کے اندر آگئے۔ سونیا قالین پر آڑی ترچھی پڑی گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ معصومیت تھی۔ میں اس کی طرف دیکھتا ہوا صوفے پر لیٹ گیا اور جانکی' سونیا کے قریب ہی قالین پر لیٹ گئی۔ میرا ذہن اگرچہ اب بھی الجھا ہوا تھا لیکن اس مرتبہ سونے کے لیے مجھے زیادہ جدوجہد نہیں کرنی پڑی۔

میری آنکھ دوپہر بارہ بجے کے قریب کھلی۔ سونیا اور جانکی مجھ سے پہلے ہی جاگ چکی تھیں۔

سردار تھالوب دو بجے کے قریب آیا تھا۔ وہ ہمارے لیے کچھ ایسی چیزیں لے کر آیا تھا جو اس مہم میں ہمارے کام آسکتی تھیں۔ ہاتھی دانت کے دستے والا ایک خوب صورت خنجر جس کے ایک طرف تیز دھار تھی اور دوسری طرف درانتی کی طرح باریک دندانے بنے ہوئے تھے' اس نے سونیا کی طرف بڑھا دیا۔

"میری تو خواہش تھی کہ تم یہیں رہو لیکن تم بضد ہو تو ہم تمہیں روک نہیں سکتے۔ بہرحال' یہ خنجر میری طرف سے تحفہ سمجھ کر رکھ لو۔ کام آئے گا۔"

سونیا کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ وہ کچھ دیر تک خنجر کو الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی پھر مشکرانہ نگاہوں سے تھالوب کی طرف دیکھنے لگی۔ سردار تھالوب نے ایسا ہی ایک خنجر جانکی کو بھی دیا تھا مگر اس کا دستہ ہاتھی دانت کا نہیں' آبنوس کی لکڑی کا تھا۔

سونیا اور جانکی نے فوراً ہی تیاری شروع کردی۔ رنگولی ان کی مدد کررہی تھی۔ ان دونوں نے اپنے اپنے بیگ میں دو تین جوڑے کپڑوں کے رکھ لیے تھے اور کچھ وہ چیزیں جو تھالوب لے کر آیا تھا۔ ان میں مہربند خوراک کے کچھ ڈبے بھی تھے۔ اگر ہم زندہ رہے تو یہ خوراک کم از کم ایک ہفتے ہمارا ساتھ دے سکتی تھی۔

سردار تھالوب اور میں ہال کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اور سردار تھالوب کہہ رہا تھا۔

"کشتی کا بندوبست ہوگیا ہے۔ آج شام تک کشتی ایسی جگہ پہنچ جائے گی جہاں ہم کل کٹ گئے تھے۔ میرا ایک آدمی تم لوگوں کے ساتھ جائے گا۔ وہ تم لوگوں کو دریا کے گولڈن ٹرائی اینگل والے کنارے پر اتار کر اس جزیرے پر واپس آجائے گا اور چوبیس گھنٹے وہاں رکے گا۔ اس دوران میں اگر تم لوگ محسوس کرو کہ آگے نہیں جاسکتے تو اسے سگنل دے دینا۔ وہ تم لوگوں کو واپس لے آئے گا۔"

"اس زمین پر قدم رکھنے کے بعد تو واپسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ فیصلہ تو تم اس زمین پر قدم رکھنے کے بعد کرو گے۔ بہرحال' اگر محسوس کرو کہ ہوا کا رخ تمہارے ساتھ نہیں ہے تو ایسی صورت میں میرا مشورہ ہے کہ....."

"نہیں سردار۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "اب میں کوئی مشورہ نہیں سنوں گا البتہ کچھ باتیں جاننا چاہتا ہوں جن سے مجھے آگے چل کر کچھ فائدہ ہوسکتا ہے۔"

"مثلاً؟" سردار تھالوب نے سوالیہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"جنرل کھوراٹ کون ہے۔ اس نے اس علاقے پر کیسے قبضہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"جنرل کھوراٹ۔" تھالوب نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا "وہ خود ساختہ جنرل ہے۔ برسوں پہلے وہ چینی فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ جیسے تیسے کرکے سیکنڈ لیفٹیننٹ کے عہدے تک تو پہنچ گیا لیکن اس سے آگے نہیں جاسکا۔ وہ اپنے حلقے میں بہت بدتمیز آدمی سمجھا جاتا تھا۔ اپنے سے سینئر افسروں کے ساتھ بھی بدتمیزی سے باز نہیں آتا تھا۔ حکم عدولی' ڈسپلن کی خلاف ورزی پر اسے کئی بار سزا ہوئی تھی پھر ایک مرتبہ یہ انکشاف ہوا کہ وہ ایک خفیہ تنظیم ٹرائیڈ TRIAD کا سرگرم رکن ہے۔ یہ تنظیم ان دنوں حکومت کے خلاف سرگرم تھی۔ کھوراٹ نے ایک مختصر سا گروہ بنالیا تھا اور فوج میں بدنظمی پھیلا رہا تھا۔ یہ انکشاف ہوتے ہی کھوراٹ کو حراست میں لے لیا گیا۔ فوج کے قوانین کے مطابق اس پر مقدمہ قائم کردیا گیا۔ اس کا کورٹ مارشل ہوجاتا لیکن وہ اپنے ساتھیوں کی مدد سے فوج کی حراست سے بھاگ نکلا۔ اس کے گروہ میں پندرہ سولہ آدمی تھے۔ کھوراٹ ان کا سرغنہ تھے۔ پکڑے جانے کے خوف سے وہ بھاگتے رہے۔ ان کا رخ کینٹن کی طرف تھا جہاں سے وہ ہانگ کانگ جانا چاہتے

تھے۔ ہانگ کانگ برطانیہ کے زیر اثر تھا اور کھوراٹ سمجھتا تھا کہ اسے صرف ہانگ کانگ ہی میں پناہ مل سکتی تھی لیکن اسے کینٹن ہی میں پتا چل گیا کہ ہانگ کانگ میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ انہوں نے اپنا رخ بدل دیا اور نان ننگ کی طرف بڑھنے لگے۔ کھوراٹ نے اب دیت نام میں داخل ہونے کا پروگرام بنایا تھا مگر اس طرف بھی رکاوٹیں تھیں۔

"کھوراٹ اور اس کے ساتھیوں کے پاس جو تھوڑی بہت رقم بچی تھی وہ بھی ختم ہوچکی تھی۔ ان کے پاس ایک وقت کی خوراک خریدنے کے لیے پھوٹی کوڑی تک نہیں تھی۔ خوراک کے حصول اور دیگر ضروریات کے لیے انہوں نے لوٹ مار شروع کردی۔ ان کے پاس اسلحہ تھا۔ وہ جس بستی میں بھی جاتے ایک دو آدمیوں کو قتل کرکے دہشت پھیلا دیتے اور لوٹ مار کر آگے نکل جاتے۔

"اسی دوران میں کچھ اور جرائم پیشہ لوگ بھی اس کے گروہ میں شامل ہوگئے تھے۔ لٹیروں اور قاتلوں کا یہ خطرناک گروہ لوٹ مار کرتا اور راستے میں چھوٹی چھوٹی بستیاں اجاڑتا ہوا چیلی کے قریب دریائے میکانگ کے کنارے پر پہنچ گیا۔ یہ دریا چین کے برف پوش پہاڑوں سے شروع ہو کر چین ہی کے وسیع و عریض علاقے کو سیراب کرتا ہوا چیلی کے قریب برما کی سرحد میں داخل ہوجاتا ہے اور پھر سیام اور لاؤس کی سرحدوں کو چھوتا ہوا کمبوڈیا کا سفر کرتے ہوئے جنوبی بحیرہ چین میں جا گرتا ہے۔

"کھوراٹ اور اس کے تقریباً چالیس مسلح آدمی ایک بڑی بادبانی کشتی پر سوار تھے۔ یہ کشتی دریائے میکانگ میں بہتی ہوئی برما کی سرحد سے نکل کر تھائی لینڈ کی سرحد میں داخل ہوگئی۔ یہاں کھوراٹ نے اپنا سفر ختم کردیا۔

"دو دریاؤں کے بیچ میں سیکڑوں مربع میل پر مشتمل یہ تکونی زرخیز خطہ کھوراٹ کو پسند آگیا۔ اس خطے میں تین چار چھوٹے چھوٹے قبائل آباد تھے۔ جو تھوڑی بہت کھیتی باڑی سے اپنی گزر اوقات کررہے تھے۔ کھوراٹ اور اس کے مسلح ساتھیوں نے ان قبائلیوں پر برائی طرف بھگا دیا۔ جنہوں نے مزاحمت کی کوشش کی انہیں بیدردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

"اس علاقے میں پوست کے پودے دیکھ کر کھوراٹ نے ایک اور منصوبہ بنایا۔ پوست کی کاشت کے لیے یہ علاقہ تو بہت زرخیز تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں کی مدد سے پوست کی باقاعدہ کاشت شروع کردی۔ کچھ علاقے میں اپنی ضرورت کے لیے سبزیاں' پھل اور اناج بھی پیدا کیا جانے لگا۔

"وہ افیون کا دور تھا۔ کھوراٹ پوست کی پیداوار سے افیون تیار کرکے برما' چین کے سرحدی علاقوں' لاؤس اور تھائی لینڈ میں بڑی مقدار میں افیون سپلائی کرنے لگا۔ دو طرف دریا ہونے کی وجہ سے یہ تکونی خطہ ہر لحاظ سے محفوظ تھا۔ کھوراٹ نے اپنے گروہ پر مکمل کنٹرول کر رکھا تھا۔ دو چار نے بعض معاملات میں سر اٹھانے کی کوشش کی تو کھوراٹ نے بڑی بے رحمی سے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا تاکہ دوسرے سر اٹھانے کی جرأت نہ کرسکیں۔

"کھوراٹ ہر وقت مسلح اور فوجی وردی میں رہتا۔ اس نے اپنے نام کے ساتھ جنرل کا اضافہ کرلیا۔ اس کی شہرت آہستہ آہستہ آس پاس کے علاقوں میں پھیلنے لگی۔ لاؤس' تھائی لینڈ' برما اور چین کے جرائم پیشہ لوگ فرار ہو کر اس طرف کا رخ کرنے لگے۔ جنرل کھوراٹ انہیں خوش آمدید کہتا۔ اس طرح اس کی طاقت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس نے ان ممالک سے کچھ ایسے ماہرین کو بھی لالچ دے کر بلالیا جو بنیادی طور پر مجرمانہ ذہنیت کے مالک تھے۔ اس طرح افیون کے علاوہ حشیش' مارفین اور دوسری منشیات بھی تیار ہونے لگیں جو بڑی مقدار میں سرحدی علاقوں اور دنیا کے مختلف ممالک کو اسمگل کی جانے لگیں۔ یہاں پوست نہیں سونا پیدا ہوتا تھا اور اس لیے اس علاقے کو گولڈن ٹرائی اینگل کا نام دے دیا گیا۔

"اس پاس کی حکومتوں کو جب جنرل کھوراٹ کی سرگرمیوں کا پتا چلا تو بہت دیر ہوچکی تھی۔ جنرل کھوراٹ بہت بڑی طاقت بن چکا تھا۔ اس نے پوری فوج تیار کرلی تھی جس کے پاس جدید ترین اسلحہ اور گولا بارود موجود تھا۔ گولڈن ٹرائی اینگل آج ایک چھوٹی سی ایسی سلطنت ہے جس کا جنرل کھوراٹ بے تاج بادشاہ ہے۔ اس کی فوج میں حسین اور جوان لڑکیاں بھی شامل ہیں۔ جو اس سنہری تکون میں ڈیوٹی دینے کے علاوہ ہیروئن اور دیگر منشیات کی سپلائی اور سودے بازی کے سلسلے میں مختلف ممالک کے چکر لگاتی رہتی ہیں۔ گولڈن ٹرائی اینگل میں ایک باقاعدہ ہوائی اڈا ہے۔ جنرل کھوراٹ کے اپنے دو تین جہاز ہیں۔ دنیا بھر میں پھیلی ہوئی منشیات کی تنظیموں کے ہوائی جہاز بھی یہاں آتے رہتے ہیں۔

"گولڈن ٹرائی اینگل میں ہیروئن اور دیگر منشیات تیار کرنے کی کئی فیکٹریاں ہیں۔ جن میں ہر وقت مال تیار ہوتا رہتا ہے اور جنرل کھوراٹ کے منشیات کے ماہرین ان منشیات کو زیادہ سے زیادہ نشہ آور بنانے کے لیے ریسرچ میں مصروف

رہتے ہیں۔

"جنرل کھوراٹ تریاڈ TRIAD کا سربراہ ہے جس کا صدر دفتر ہانگ کانگ میں ہے۔ دنیا بھر میں منشیات کی سب سے بڑی منڈی بھی ہانگ کانگ ہی ہے۔ جنرل کھوراٹ گولڈن ٹرائی اینگل سے بہت کم باہر نکلتا ہے لیکن مہینے میں ایک مرتبہ وہ ہانگ کانگ کا چکر ضرور لگاتا ہے اور کسی کو پتا نہیں چلتا کہ وہ کب آیا اور کب واپس چلا گیا۔"

سردار تھالوب خاموش ہوگیا۔ میں بھی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس نے اپنی باتوں میں دو تین مرتبہ TRIAD کا نام لیا تھا۔ یہ نام میں نے ایک دو مرتبہ بنکاک میں بھی سنا تھا لیکن اب پہلی مرتبہ انکشاف ہوا تھا کہ یہ کوئی تنظیم ہے۔

"یہ تریاڈ TRIAD کس قسم کی تنظیم ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے تھالوب کی طرف دیکھا۔

"تریاڈ۔" تھالوب نے ایک بار پھر گہرا سانس لیا "تم نے امریکی ڈرگ مافیا کا نام سنا ہوگا۔ تریاڈ اس سے بھی زیادہ خوفناک تنظیم ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "تریاڈ دراصل چینی قوم پرستوں کی تنظیم تھی جو ۱۹۴۹ء میں معرضِ وجود میں آئی تھی۔"

"اس کی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس تنظیم کی بنیاد پانچ بدھ راہبوں نے چینگ کے شہنشاہ کانگ سی سے اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لیے رکھی تھی۔ شہنشاہ کانگ سی کے دور میں ریاست سیلو SILU کے گورنر نے بغاوت کردی اور شہنشاہ کا تختہ الٹ دینے کی دھمکی دی تو شہنشاہ نے اس بغاوت کو کچلنے کے لیے اپنے حلیفوں اور ہمدردوں سے مدد طلب کرلی۔

سابق شاہی منگ خاندان سے تعلق رکھنے والے چینگ کو ان نامی ایک شخص نے شہنشاہ کانگ سی کی یہ اپیل سنی تو وہ اس کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔ چینگ دنیا کو تیاگ کر راہب بن گیا تھا اور ان دنوں شاؤلن ٹمپل میں باکسنگ کی تربیت حاصل کررہا تھا۔ صدیوں پرانی اس عبادت گاہ میں بدھ بھکشوؤں اور راہبوں کو باکسنگ اور مارشل آرٹ کے مختلف حربی فن سکھائے جاتے تھے تاکہ سفر کے دوران میں لٹیروں اور رہزنوں کا مقابلہ کرسکیں۔

"چینگ کو ان اپنے ایک سو انھائیس راہب ساتھیوں کو لے کر شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ یہ تمام راہب باکسنگ اور دیگر حربی فنون کے ماہر تھے۔ ہر ایک میں خالی ہاتھ ہونے کے باوجود کئی کئی مسلح حریفوں سے مقابلے کی صلاحیت موجود تھی۔

"چینگ کو ان اور اس کے ساتھی اس جرأت، بہادری اور دانش مندی سے لڑے کہ سیلو کا گورنر شہر کا محاصرہ اٹھا کر ناکام و نامراد واپس چلا گیا۔ شہنشاہ کانگ سی، چینگ کو ان اور اس کے ساتھیوں کی بہادری اور خدمات سے بہت خوش ہوا۔ اس نے چینگ اور اس کے ساتھیوں کو اعزازات سے نوازتے ہوئے حکومت میں کلیدی عہدوں کی پیشکش کی لیکن چینگ اور اس کے ساتھیوں کو عہدوں یا جاہ و حشم کی ہوس نہیں تھی۔ وہ شہنشاہ کا شکریہ ادا کرکے شاؤلن عبادت گاہ واپس چلے گئے۔

"شہنشاہ نے چینگ اور اس کے ساتھیوں کو جو عزت بخشی تھی، وہ حکومت کے بعض عہدے داروں سے برداشت نہیں ہوسکی۔ دو وزیر تو حسد و رقابت کی آگ میں اس طرح جل رہے تھے کہ انہوں نے ان راہبوں کے خلاف شہنشاہ کے کان بھرنا شروع کردیے۔ انہوں نے شہنشاہ کو باور کرایا کہ سرکاری عہدے ٹھکرا کر ان راہبوں کا واپس چلے جانا بے معنی نہیں ہے۔ انہوں نے شہنشاہ کی کمزوریوں کا اندازہ لگالیا ہے۔ اب وہ تیاری کرکے پہلے جنوب میں بغاوت کریں گے اور پھر دارالحکومت پر حملہ آور ہوں گے۔ اپنے وزیروں کی باتوں سے متاثر ہوکر شہنشاہ کانگ سی نے شاؤلن عبادت گاہ کو تباہ کردینے اور چینگ کو ان اور اس کے ساتھیوں کے قتل کا حکم جاری کردیا۔

"شہنشاہ کے ایک فوجی دستے نے شاؤلن ٹمپل کو گھیرے میں لے کر آگ لگا دی۔ عبادت گاہ کے اندر عبادت میں مصروف ایک سو دس راہب جل کر راکھ ہوگئے۔ آٹھ راہبوں کی ایک ٹولی نے بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کی مگر ان میں سے تین شہنشاہ کے فوجیوں کے ہاتھوں مارے گئے جبکہ پانچ راہب کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

"شاؤلن ٹمپل سے فرار ہونے والے پانچوں راہب ایک دریا کے کنارے پر پہنچ گئے جہاں انہیں لوہان سانگ نامی ایک تین ٹانگوں والا ایک ایسا برتن ملا جس پر "چینگ کا تختہ الٹ دو۔ منگ سلطنت بحال کرو" کے الفاظ کندہ تھے۔ ان پانچوں راہبوں نے اس "نعرے" کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ ایک فوجی دستہ ان کے تعاقب میں تھا۔ وہ اس سے بچنے کے لیے ایک کشتی پر دریا پار کرکے دوسری طرف پہنچ گئے۔ چند کوس آگے ایک اور دریا ان کے راستے میں حائل تھا۔ یہاں بھی ایک فوجی دستہ پہرا دے رہا تھا لیکن جس طرح غیبی طور پر پہلے دریا کے کنارے پر ایک کشتی مل گئی تھی اسی طرح انہیں یہاں بھی غیبی امداد مل گئی اور وہ محافظوں کی نظروں میں آئے بغیر پل کے قریب سے پتھروں پر چلتے ہوئے دریا پار کرکے دوسری طرف پہنچ گئے اور طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد ریاست فوکین کے ایک چھوٹے سے شہر پہنچ گئے۔ یہیں پر انہوں نے تریاڈ تنظیم کی بنیاد رکھی اور "چینگ سلطنت کا تختہ الٹنے اور منگ سلطنت کی بحالی" کے مشن پر کام شروع کردیا۔

"ان کا مشن کامیابی سے جاری تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ تریاڈ تنظیم میں شامل ہورہے تھے۔ چنگ شہنشاہ کے خلاف غصہ بڑھتا جارہا تھا۔ پورے صوبہ فوکین پر قبضہ کرنے کے بعد پانچ راہبوں نے اپنی تیار کردہ فوج کے ساتھ چنگ پر حملہ کردیا لیکن سرکاری فوجوں کے ہاتھوں ہزاروں لوگ مارے گئے۔

"بغاوت ناکام ہونے کے بعد پانچوں راہب ملک کے مختلف حصوں میں پھیل گئے تاکہ لوگوں کو چنگ شہنشاہ کے خلاف بھڑکا کر اس قسم کی بغاوتیں کروائی جائیں اور شہنشاہ کا تختہ الٹ دیا جائے۔"

سردار تھالوب خاموش ہوگیا۔ اس نے اشارے سے لوما کو کافی یا چائے لانے کے لیے کہا اور میری طرف دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی۔

"تریاڈ تنظیم کا سفر جاری رہا۔ یہ سوفی صد قوم پرستوں کی تنظیم تھی جو مختلف ادوار میں ظالم اور سفاک حکمرانوں کے خلاف برسرپیکار رہی۔ ہر خفیہ تنظیم کی طرح تریاڈ کے بھی اپنے کچھ اصول تھے۔ ہر ممبر کو تنظیم کے وضع کردہ چھتیس اصولوں پر پابند رہنے کا حلف اٹھانا ہوتا تھا۔ تنظیم سے غداری کی سزا موت تھی۔

"یہ تنظیم کئی گروپوں میں منقسم تھی۔ ہر گروپ اپنے اپنے علاقے میں سرگرم تھا لیکن کسی نہ کسی طرح یہ کسی نہ کسی ایک مرکز کے تحت متحد بھی تھے۔ انیسویں صدی کے آخر میں بیرونی ممالک میں بھی اس تنظیم کی لاتعداد برانچیں قائم ہوچکی تھیں۔

"ڈاکٹر سن یات سین بھی تریاڈ کا ایک سرگرم رکن تھا۔ ۱۹۱۱ء میں اس نے چین میں عوامی جمہوریہ کے قیام کی جدوجہد شروع کی تو بیرونی ممالک میں تنظیم کی برانچوں نے دل کھول کر فنڈز فراہم کیے اور پھر چین میں شہنشاہیت کے خاتمے اور عوامی جمہوریہ کے قیام کے بعد تریاڈ تنظیم کو سرکاری طور پر تسلیم کرلیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی تنظیم کی رکن سازی میں اضافہ ہونے لگا۔ یہ تنظیم اس قدر طاقت ور بن گئی کہ اسے پریشر گروپ کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اعلیٰ سرکاری آفیسرز بھی اس کا ممبر بننے میں ہی اپنی عافیت سمجھنے لگے۔ بڑے بڑے صنعت کار اور تاجر بھی اپنے تحفظات کے لیے تریاڈ کے سائے میں آگئے۔

"اس طرح کی کسی تنظیم کو سیاسی پشت پناہی اور قوت مل جائے تو اس کے لیے اپنے اصل مقصد سے ہٹ کر جرائم کی طرف مائل ہونا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ تریاڈ کے پاس طاقت بھی تھی اور سیاسی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔ اس کی سرگرمیوں کا رخ تبدیل ہونے لگا۔ کاروباری لوگوں سے تحفظ فراہم کرنے کے نام پر بھتے، ڈکیتیاں، دہشت گردی اور قتل و غارت کی وارداتوں میں تریاڈ کا نام آنے لگا۔ ری پبلکن انقلاب کے بعد تو تریاڈ کے بعض دھڑے مست ہاتھی کی طرح بے قابو ہوگئے تھے۔ ان دھڑوں سے وابستہ لوگ کھلے عام سنگین جرائم کا ارتکاب کرنے لگے۔ قانون ان کے سامنے بے بس ہوکر رہ گیا تھا۔ تریاڈ کا ہر دھڑا اپنی جگہ خود مختار اور پوری طرح جرائم میں ملوث ہوکر رہ گیا تھا۔ ان کی مرکزیت ختم ہوگئی تھی۔ ان کے سامنے لوٹ مار اور قتل و غارت کے سوا کوئی مقصد نہیں رہ گیا تھا۔ ایسی صورتِ حال میں کوئی بڑا سیاسی مقصد ہی انہیں ایک مرکز پر لاسکتا تھا۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۶ء کے درمیانی عرصے میں ہانگ کانگ میں اینٹی کمیونسٹ کاز کے نام پر تریاڈ کے ان دھڑوں کو متحد کرنے کی متعدد کوششیں کی گئیں مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے اس تنظیم کے لوگ جرائم کے راستے پر اس قدر آگے نکل چکے تھے کہ ان کی واپسی ممکن نہیں رہی تھی۔

"ہانگ کانگ تریاڈ کی جرائم پیشہ ذیلی تنظیموں کا گڑھ بن چکا تھا۔ ۱۹۵۰ء کے عشرے میں یہاں تریاڈ کے سات بڑے گروپ تھے جنہوں نے مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے علاقے بانٹ رکھے تھے۔ ان گروپوں کی برانچیں بھی تھیں جو علاقے میں پھیلی ہوئی تھیں اور انہیں اپنے اپنے ہیڈ کوارٹر سے کنٹرول کیا جاتا تھا۔ بعض گروپ ٹریڈ یونین، رفاہی و سماجی اداروں اور اسپورٹس کلبوں کی آڑ میں اپنی مجرمانہ سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔

"یہ چین کا بدترین اقتصادی دور تھا۔ آبادی میں اضافے کے ساتھ ساتھ روزگار کے مسائل بھی بڑھ رہے تھے۔ ایک عام آدمی کو ایک وقت کی روٹی کمانے کے لیے کڑی محنت کرنی پڑتی تھی۔ روزگار کا حصول ایک سنگین مسئلہ

بن گیا تھا۔ ایک طرف عوام نان شبینہ تک کو محتاج تھے تو دوسری طرف سرکاری ملازمین کرپشن کی دلدل میں دھنس گئے تھے۔ وہ اپنے فرائضِ منصبی کو پس پشت ڈال کر اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دینے لگے۔ زندگی کے عام شعبوں میں بھی کرپشن پھیلنے لگی۔

"صورت حال جب ایسی ہو تو جرائم پیشہ لوگوں کے لیے راہ ہموار ہوجاتی ہے چین کے بڑے بڑے شہروں اور خصوصاً ہانگ کانگ میں نئی جرائم پیشہ تنظیمیں جنم لینے لگیں اور پرانی تنظیمیں اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے ان نئی تنظیموں کا راستہ روکنے کی کوشش کرنے لگیں۔ ایک دوسرے کے علاقے میں مداخلت کے نتیجے میں خونی تصادم روز مرہ کا معمول بن گئے۔ تریاڈ کے بعض گروپ اب بھی پاور میں تھے۔ یہ گروپ لوگوں کو مجبور کررہے تھے کہ وہ اپنی زندگیوں' املاک اور کاروبار کے تحفظ کے لیے ان کے ممبر بنیں اور بھتا ادا کریں۔ انکار کی صورت میں ان کا کاروبار تباہ کردیا جاتا' املاک کو نذرِ آتش کردیا جاتا اور بعض لوگوں کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔

"ہانگ کانگ میں جرائم میں سب سے زیادہ اضافہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد ہوا۔ ۱۹۴۱ء سے پہلے ہانگ کانگ کی آٹھ یا نو فیصد آبادی تریاڈ سے وابستہ تھی۔ ۱۹۵۸ء میں یہ وابستگی پندرہ فی صد سے بھی بڑھ گئی۔

"تریاڈ کے بعض گروپ متحد ہوکر پہلے سے زیادہ طاقت ور ہوگئے تھے۔ طوائفوں کے بزنس' جوئے' منشیات فروشی اور جرائم کے دیگر تمام شعبوں پر ان کی اجارہ داری قائم ہوگئی۔ چین کے اندرونی شہروں کی صورتِ حال بھی کچھ مختلف نہیں تھی عجیب کساد بازاری کا دور تھا۔ جنگِ عظیم کے خاتمے کے بعد جاپانی فوجیں اگرچہ واپس جاچکی تھیں مگر چین میں کمیونسٹوں اور قوم پرستوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔

بالآخر ۱۹۴۹ء میں کمیونسٹوں نے قوم پرستوں کو عملی طور پر سمندر میں دھکیل دیا۔ قوم پرست مہاجروں کے قافلے ہانگ کانگ کا رخ کرنے لگے۔ ان میں جرائم پیشہ بھی تھے اور جو جرائم پیشہ نہیں تھے' وہ بھی ایک وقت کی روٹی کے لیے جرائم کا ارتکاب کرنے لگے۔

"افراتفری کے اس دور میں ہانگ کانگ میں ریڈ پانگ اور گرین پانگ نام کی دو اور تنظیمیں سامنے آئیں۔ ریڈ پانگ نے تو اپنی توجہ لیبر یونین' عورتوں کے کاروبار' جوئے اور منشیات کی فروخت تک محدود رکھی لیکن گرین پانگ ہشت پا کی طرح ہر طرف پھیل رہی تھی۔ بہت مختصر سے عرصے میں اس کے ممبروں کی تعداد اسّی ہزار سے تجاوز کرگئی۔ گرین پانگ کے ممبروں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور مجرمانہ سرگرمیاں دوسری جرائم پیشہ تنظیموں خصوصاً تریاڈ گروپس کے لیے کھلی دھمکی تھی۔ گرین پانگ ان کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ بن گئی تھی۔ تریاڈ نے بھی اپنا اثر قائم رکھنے کے لیے اپنے ممبروں کی تعداد بڑھانا شروع کردی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گرین پانگ اور تریاڈ میں ٹکسل شروع ہوگئی۔ آئے دن چھوٹے موٹے تصادم ہونے لگے اور بالآخر ۱۹۵۶ء میں وہ طوفان پھٹ پڑا جس کا لوگوں کو ایک عرصے سے خوف تھا۔ تریاڈ اور گرین پانگ کے خونی تصادم میں سیکڑوں لوگ مارے گئے۔ جزیرے کی پولیس بے بس تماشائی بنی رہی۔

"اس خونی تصادم میں فتح بالآخر تریاڈ ہی کی ہوئی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ طاقت ور بن گئے۔ اس کے مظالم اور جرائم کا دائرہ کچھ اور وسیع ہوگیا۔ ہر شخص ان سے خوف زدہ تھا۔ کوئی بھی شخص بھتا دیے بغیر کوئی معمولی سا کاروبار بھی نہیں کرسکتا تھا۔ ایک اسٹریٹ ہاکر کو بھی فٹ پاتھ پر اپنا ٹھیا لگانے کے لیے چند فٹ جگہ کا کرایہ دینا پڑتا تھا اور اپنے سامان وغیرہ کی حفاظت کے لیے الگ بھتا دینا پڑتا۔ عدم ادائیگی کی صورت میں تریاڈ کے غنڈے اس کا سامان تس نہس کردیتے اور اس کی جگہ کسی اور کو دے دی جاتی۔ صرف اسٹریٹ ہاکروں سے تریاڈ کو روزانہ دو ہزار امریکی ڈالرز کی آمدنی ہورہی تھی۔ جوتے پالش کرنے والے لڑکوں' طوائفوں' ہوٹلوں میں ڈانس کرنے والی لڑکیوں' ریسٹورنٹس' تھیٹر اور اسپورٹس کلبوں کے فروخت ہونے والے ٹکٹوں پر جگاٹیکس کی آمدنی الگ تھی۔ تاہم تریاڈ کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ منشیات فروشی' جوئے' جرائم پیشہ لوگوں کو تحفظ فراہم کرنا' رکشا ٹیکسی ڈرائیوروں اور عام مزدوروں سے بھتے کی وصولیابی کی صورت میں تھا۔ ۱۹۵۸ء میں ہانگ کانگ کی آبادی تیس لاکھ تھی اور ایک محتاط اندازے کے مطابق اس آبادی سے بھتوں کی صورت میں تریاڈ کی آمدنی ستر لاکھ امریکی ڈالر سے زیادہ تھی۔ تشدد اور دہشت گردی اس آمدنی کے حصول کے لیے تریاڈ کا مؤثر ترین ہتھیار تھی۔

"جنرل کھوراٹ ان دنوں گولڈن ٹرائی اینگل میں قدم جما رہا تھا۔ اس دوران میں وہ وقتاً فوقتاً ہانگ کانگ کے چکر لگاتا اور گہری نظروں سے حالات کا مشاہدہ کرتا رہا۔ کئی سال بعد جب وہ گولڈن ٹرائی اینگل میں اپنی جڑیں مضبوط کرچکا تو اس نے ہانگ کانگ میں تریاڈ کے چند گروپوں کو متحد کیا اور خود ان کا سربراہ بن گیا۔ ہانگ کانگ میں اگرچہ اس وقت اور

بھی بہت سے جرائم پیشہ گروہ سرگرم ہیں مگر ٹرپاڈ کو سب سے زیادہ طاقت ور گروہ سمجھا جاتا ہے۔ ہانگ کانگ منشیات کی دنیا میں سب سے بڑی منڈی ہے اور یہاں اڑتالیس فی صد منشیات گولڈن ٹرائی اینگل سے آتی ہیں۔ اس صورتِ حال کو سامنے رکھتے ہوئے تم جنرل کھوراٹ کی طاقت کا اندازہ لگا سکتے ہو۔" سردار تھالوب خاموش ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔

سردار تھالوب کی باتوں نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ میرے دماغ میں تیز سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ میں بنکاک میں دیکھ چکا تھا کہ منشیات فروشوں کے مختلف گروہ کسی ایک اڈے پر قبضہ جمانے کے لیے کس طرح آپس میں برسرِپیکار رہتے تھے۔ خون کی ندیاں بہا دی جاتی تھیں اور یہ سب کچھ صرف اور صرف دولت کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے۔ اخلاق، شرافت، رواداری اور دوسری انسانی قدریں دم توڑ چکی ہیں۔ اہمیت صرف دولت کی رہ گئی ہے اور اس کے لیے دوسروں کو بڑی بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

لوما بہت دیر پہلے ہمارے سامنے کافی رکھ گیا تھا لیکن ہم دونوں میں سے کسی نے بھی کپ نہیں اٹھایا تھا۔ نتیجتاً کافی ٹھنڈی ہو گئی۔ سردار تھالوب کے اشارے پر لوما نے دونوں کپ اٹھا لیے اور تھوڑی دیر بعد تازہ کافی بنا کر لے آیا۔ کافی کی چسکیاں لیتے ہوئے بھی ہم جنرل کھوراٹ اور ٹرپاڈ کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ پانچ بجے کے قریب سردار تھالوب اٹھ گیا۔

"میں نو بجے تک آجاؤں گا۔ تم لوگ تیار رہنا۔ ہم کھانا کھاتے ہی یہاں سے نکل چلیں گے۔" تھالوب کہتے ہوئے باہر چلا گیا۔

رنگولی اس کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ وہ تینوں کمرے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں، میں اٹھ کر لان میں آگیا۔

سردار تھالوب ٹھیک نو بجے واپس آگیا تھا۔ اس کے آتے ہی لوما نے میز پر کھانا لگا دیا۔

کھانے کے بعد کافی بھی پی گئی اور پھر دس بجے کے قریب ہم لوما سے رخصت ہو کر جیپ میں بیٹھ گئے۔ ہمیں رخصت کرتے وقت لوما کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ پچھلے چند روز کے دوران میں مجھے بھی اس سے کچھ اُنس سا ہو گیا تھا۔

جیپ کاتج کے گیٹ سے نکل کر گولڈن ٹرائی اینگل کی طرف جانے والی سڑک کے بجائے دوسری طرف مڑ گئی۔ دریا تک پہنچنے کے لیے اس مرتبہ سردار تھالوب نے ایک نئے راستے کا انتخاب کیا تھا جو اگرچہ خاصا طویل مگر محفوظ تھا۔

جیپ پہاڑوں میں ایک جگہ چھوڑ دینی پڑی اور ہمیں تقریباً دو کلومیٹر کا فاصلہ پیدل طے کرنا پڑا۔ اگر سردار تھالوب کے پاس ٹارچ نہ ہوتی تو گہری تاریکی میں اس خطرناک پہاڑی راستے پر چار قدم چلنا بھی ممکن نہ ہوتا۔ ٹارچ بھی چھوٹی تھی۔ اس کی روشنی کا مختصر سا دائرہ ہمارے قدموں کے سامنے زمین پر پڑ رہا تھا اور پھر ایک جگہ تھالوب نے ٹارچ بھی بجھا دی، اس سے آگے تقریباً دو سو گز کا فاصلہ ہمیں تاریکی میں ہی طے کرنا پڑا تھا۔ پہلے ہم چھوٹی چھوٹی چٹانوں پر چڑھتے رہے پھر نشیب میں اترنے لگے۔ چٹانوں سے لہروں کے ٹکرانے کی آواز سے اندازہ ہو گیا کہ ہم دریا کے کنارے پر پہنچ چکے ہیں۔

سردار تھالوب ایک جگہ کھڑا چند لمحوں تک تاریکی میں اِدھر اُدھر گھورتا رہا پھر اس کے منہ سے کسی جانور کی عجیب سی آواز نکلی۔ چند سیکنڈ سناٹا رہا اور پھر بائیں طرف تقریباً تیس گز کے فاصلے پر ایسی ہی ایک آواز ابھری۔ سردار کے ساتھ میں نے بھی اس طرف دیکھا۔ مجھے ایک لمحے کو ایسا لگا تھا جیسے اس طرف کوئی جگنو سا چمک کر غائب ہو گیا ہو۔

ہم اس طرف چلنے لگے۔ تاریکی میں پتھروں پر چلنا بھی ایک مسئلہ تھا۔ میں نے سونیا کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ رنگولی اور جانکی نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام رکھے تھے جبکہ سردار تھالوب ہم سب سے آگے تھا۔

ایک بہت بڑے پتھر کے پیچھے نسبتاً ہموار جگہ پر چھ سات آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ قبائلی تھے۔ تھالوب ایک قبائلی سے باتیں کرنے لگا۔ اس نے جواب دیتے ہوئے نیچے کی طرف اشارہ کیا۔ میں بھی سردار تھالوب کے ساتھ اس قبائلی کے ساتھ چلتا ہوا نیچے آگیا۔

یہاں اونچی جھاڑیاں دریا کے اندر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ دریا کے کنارے پر بعض درختوں کی شاخیں بھی پانی پر جھکی ہوئی تھیں اور ان جھاڑیوں کی آڑ میں پانی میں ایک کشتی کھڑی تھی۔ اس کشتی میں کم از کم چھ آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ کشتی میں انجن فٹ تھا اور اس میں کچھ سامان بھی رکھا ہوا نظر آرہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ کشتی تفریح گاہ والے گھاٹ کی طرف سے لائی گئی ہوگی لیکن جب سردار تھالوب نے یہ بتایا کہ قبائلی وہ وزنی کشتی ان دشوار گزار پہاڑیوں میں اپنے کندھوں پر اٹھا کر لائے تھے تو مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی۔

"کشتی میں آٹومیٹک رائفلیں اور اتنا ایمونیشن موجود ہے کہ تم لوگ آسانی سے اٹھا کر اپنے ساتھ لے جاسکو۔" سردار تھالوب بتا رہا تھا اور پھر اس نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا "یہ آدمی تم لوگوں کے ساتھ جائے گا اور گولڈن ٹرائی اینگل والے کنارے پر اتار کر اڑتالیس گھنٹوں تک دریا کے وسط والے جزیرے پر تمہارا انتظار کرے گا۔"

میں نے کشتی میں اتر کر دیکھا۔ اس میں تین آٹومیٹک رائفلوں کے ساتھ بھرے ہوئے کئی میگزین بھی موجود تھے اور پھر اپنے بازو پر پانی کے چھینٹے محسوس کرکے میں چونک گیا۔ میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ آسمان پر گہرے بادل تو صبح ہی سے تھے اور اس وقت ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔

"اچھا شگون ہے۔" سردار تھالوب نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اس طرف اگر گولڈن ٹرائی اینگل کے محافظ گشت پر بھی ہوئے تو بارش سے بچنے کے لیے کسی پناہ گاہ میں دبک جائیں گے اور تم لوگوں کو کسی محفوظ جگہ پر پہنچنے کا موقع مل جائے گا۔ اب زیادہ دیر مناسب نہیں ہوگی۔ تم لوگ روانہ ہو جاؤ۔"

میں کشتی سے باہر آکر سردار تھالوب سے بغل گیر ہو گیا۔

"تمہاری صحبت کو کبھی فراموش نہیں کرسکوں گا تھالوب۔ زندہ رہا تو پھر کبھی نہ کبھی ملاقات ضرور ہوگی۔" میں نے کہا۔

سردار تھالوب نے میرے گال پر بوسہ دیا اور زیرِلب کچھ بڑبڑانے لگا۔ شاید وہ کوئی دعا پڑھ رہا تھا۔ رنگولی، جانکی اور سونیا سے الوداعی ملاقات کرنے کے بعد مجھ سے لپٹ گئی۔ اس نے بھی میرے گال پر بوسہ دیا اور پھر ہم کشتی پر سوار ہو گئے۔

تھالوب کے آدمی نے کشتی پر اپنی سیٹ سنبھال لی اور بٹن دبا کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ انجن کی آواز نہ ہونے کے برابر تھی۔

کشتی حرکت میں آگئی اور جھاڑیوں کی آڑ سے نکل کر دریا کے گدلے پانی کی طرف بڑھنے لگی۔ سونیا، جانکی اور میں تھالوب اور رنگولی کی طرف ہاتھ ہلا رہے تھے۔

میں اس وقت عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھا اور یہ احساس شدید تر ہوتا جا رہا تھا کہ ہم زندگی سے دور اور موت کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔

○☆○

بارش کی بوندیں کچھ تیز ہو گئی تھیں۔

گہری تاریکی میں دریا کے وسط میں وہ چھوٹا سا جزیرہ ایک سیاہ دھبے کی طرح نظر آرہا تھا۔ کشتی آہستہ آہستہ اس طرف بڑھ رہی تھی۔ میں کشتی کے کنارے کے ساتھ لگا بیٹھا گہری نظروں سے کبھی اس جزیرے کی طرف اور کبھی دریا کے اس تاریک کنارے کی طرف دیکھنے لگتا جہاں سے گولڈن ٹرائی اینگل کی سرحد شروع ہوتی تھی۔

میرے ہاتھ میں بھی رائفل تھی اور جانکی اور سونیا نے بھی رائفلیں سنبھال رکھی تھیں۔ وہ دونوں اس طرح پوزیشن لیے بیٹھی تھیں کہ کسی ہنگامی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

کشتی تقریباً پانچ منٹ میں اس جزیرے کے قریب پہنچ گئی۔ قبائلی کشتی کو کنارے کے بالکل قریب لے گیا تاکہ دور سے نظر نہ آسکے۔ اسی وقت بارش بند ہو گئی۔ قبائلی نے کشتی کا انجن بند کر دیا تھا۔ وہ گہری نظروں سے دریا کے کنارے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ موقع ہے باس۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی "نکل چلیں؟"

"ہاں چلو۔" میں نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

انجن اسٹارٹ ہوا اور کشتی حرکت میں آگئی۔ سونیا اور جانکی بھی سامنے کے رخ پر پوزیشن لے کر بیٹھ گئی تھیں۔ میں نے رائفل کی نال کشتی کے کنارے پر ٹکا رکھی تھی اور انگلی ٹریگر پر تھی جبکہ نظریں سامنے تاریکی میں بھٹک رہی تھیں۔

بارش ایک بار پھر شروع ہو گئی۔ اس وقت موٹی بوندوں کے بجائے بالکل ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ میں کنارے پر درختوں کے تاریک ہیولوں کی طرف دیکھتے ہوئے کسی بھی قسم کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ درختوں کے ہیولے لمحہ بہ لمحہ واضح ہوتے جا رہے تھے۔

کنارے سے بیس پچیس گز دور قبائلی نے انجن بند کر دیا۔ کشتی کنارے کی طرف بڑھتی رہی۔ اس کی رفتار خود بخود کم ہوتی چلی گئی تھی اور بالآخر کشتی کنارے پر جھکی ہوئی جھاڑیوں میں پہنچ کر رک گئی۔

قبائلی نے تاریکی میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ دائیں طرف دس بارہ فٹ فاصلے پر ایک بڑا سا پتھر تھا جس پر چڑھ کر کنارے پر پہنچا جا سکتا تھا۔ قبائلی نے کشتی میں پڑی ہوئی ایک رسّی اٹھائی جس کے سرے پر ایک آہنی آنکڑا بندھا ہوا تھا۔ اس نے وہ آنکڑا پتھر کی طرف اچھال دیا۔ کھٹاک کی آواز ابھری، آنکڑا پتھر کے دوسری طرف گرا تھا۔ قبائلی رسّی کو کھینچنے لگا۔ آنکڑا پتھر میں اٹک گیا تھا۔ رسّی ٹائٹ ہوئی تو کشتی آہستہ آہستہ پتھر کی طرف رینگنے لگی اور بالآخر پتھر کے ساتھ ٹک کر

رک گئی۔

کچھ دیر تک ہم بے حس و حرکت کشتی میں بیٹھے رہے۔ میں کسی قسم کی آہٹ لینے کی کوشش کررہا تھا مگر تیز ہوا میں جھاڑیوں کی سرسراہٹ کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

میں نے سونیا اور جانکی کو اشارہ کیا۔ ان دونوں نے اپنے اپنے بیگ اسٹریپ کی مدد سے پشت پر لاد لیے۔ انہوں نے کچھ فاضل میگزین بھی اپنے اپنے بیگ میں ٹھونس لیے تھے۔ دو دو میگزین پتلون کی بیلٹ میں اڑس لیے تھے۔ میں نے بھی دو فاضل میگزین اپنی پتلون کی بیلٹ میں اڑس لیے اور کشتی سے نکل کر پتھر پر آگیا۔ اس وقت میرا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ یہ موت کی وادی میں میرا پہلا قدم تھا۔ میں نے جانکی اور سونیا کو بھی سہارا دے کر پتھر پر کھینچ لیا اور قبائلی کی طرف ہاتھ ہلا دیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے آنکڑے والی رسی اٹھا کر کشتی میں ڈال دی تھی۔

انجن اسٹارٹ ہوا اور کشتی حرکت میں آکر تیزی سے دریا کے کھلے پانی کی طرف تیرنے لگی۔ میں کشتی کی طرف دیکھتا رہا جو بالآخر دور ہو کر تاریکی میں مدغم ہوگئی۔

پھوار بدستور پڑ رہی تھی۔ ہم تینوں رائفلیں سنبھالے بے حس و حرکت اس پتھر پر بیٹھے رہے۔ تقریباً پانچ منٹ بعد جب مجھے اطمینان ہوگیا کہ ہماری آمد کا کسی کو پتا نہیں چل سکا تو میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور تاریکی میں ادھر اُدھر گھورنے لگا۔ اس سے آگے ایک اور پتھر تھا جو کنارے سے ملا ہوا تھا۔ ہم تینوں اس پتھر پر آگئے اور پھر کنارے پر قدم رکھنا زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔

جھاڑیاں کنارے کے اوپر کافی دور تک چلی گئی تھیں۔ ہم تینوں کمانڈوز کی طرح قطار میں چلتے ہوئے ان جھاڑیوں میں کافی دور تک چلے گئے۔ اس سے آگے جھاڑیاں اگرچہ کم ہوتی چلی گئی تھیں لیکن اونچے درختوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

ہم رکے بغیر چلتے رہے۔ رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی اور میں دن کی روشنی پھیلنے سے پہلے پہلے کسی محفوظ مقام پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ ممکن ہے عام حالات میں دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ محافظوں کا گشت رہتا ہو لیکن اس وقت ہلکی بارش ہمارے لیے پناہ بن گئی تھی۔

ہم کنارے سے تقریباً پانچ سو گز اندر آچکے تھے۔ ہمیں واضح طور پر محسوس ہورہا تھا جیسے بتدریج بلندی کی طرف جارہے ہوں۔ سونیا میرے پیچھے تھی اور وہ ہانپنے لگی تھی۔

ہم نے چند ہی گز کا مزید فاصلہ طے کیا تھا کہ دائیں طرف نشیب میں بہت دور روشنی چمکتی دیکھ کر میں چونک گیا۔ وہ روشنی متحرک تھی جو چند سیکنڈ نظر آئی پھر غائب ہوگئی اور ایک منٹ بعد دوبارہ دکھائی دی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کوئی گاڑی تھی جو ناہموار آڑے ترچھے راستے پر دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ اسی طرف آرہی تھی۔

میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ کیا ان لوگوں کو پتا چل گیا ہے؟ اور کیا وہ گاڑی ہماری ہی تلاش میں اس طرف آرہی ہے۔ سونیا اور جانکی نے بھی گاڑی کی روشنی دیکھ لی تھی۔

"باس وہ....." سونیا نے سرگوشی میں غالباً اس گاڑی کے بارے میں کچھ کہنا چاہا تھا مگر آواز اس کے حلق میں اٹک گئی تھی۔

"میں نے دیکھ لیا ہے۔" میں نے کہا اور متجسس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر سونیا اور جانکی کو اشارہ کرتا ہوا تیزی سے ایک درخت کی طرف لپکا جس کے اطراف میں گنجان اور قد آدم جھاڑیاں تھیں۔ ایسی جگہوں پر سانپ بچھو یا دیگر زہریلے کیڑے مکوڑوں کا خوف رہتا ہے لیکن جب اس سے زیادہ خوفناک موت سامنے ہو تو زہریلے کیڑے مکوڑوں کی پروا کون کرتا ہے۔

ہم تینوں جھاڑیوں میں دبک کر بیٹھ گئے۔ رائفلیں ہمارے ہاتھوں میں تیار تھیں اور نظریں اس گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنیوں پر تھیں۔ وہ روشنیاں کبھی نگاہوں سے اوجھل ہوجاتیں اور کبھی سامنے آجاتیں۔ ان روشنیوں سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس گاڑی کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔

فاصلہ کم ہوتا جارہا تھا۔ اب ہمارے اور اس گاڑی کے بیچ کوئی ایسی رکاوٹ نہیں تھی البتہ جھاڑیاں اور درخت تھے لیکن روشنی مسلسل ہماری نگاہوں میں تھی۔

وہ گاڑی دریا کی طرف نشیب میں ہم سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر تھی۔ ایک مرتبہ وہ ذرا سا گھومی تو تیز روشنی ٹھیک ان جھاڑیوں پر پڑی جہاں ہم چھپے ہوئے تھے لیکن ایک لمحے بعد ہی روشنی کا رخ بدل گیا۔

وہ ایک کھلی جیپ تھی جس کی چھت پر بھی ایک چھوٹا بلب جل رہا تھا اور اس بلب کی روشنی میں چھت پر نصب مشین گن صاف نظر آرہی تھی۔ ایک آدمی دونوں ہاتھ مشین گن پر رکھے چوکس کھڑا تھا اور تین آدمی آٹومیٹک رائفلیں لیے جیپ کی پچھلی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ محافظوں کی گشتی جیپ تھی جو دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ گشت کررہی تھی۔ وہ جیپ ہم سے تقریباً سو گز کے فاصلے سے گزر گئی۔ میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"اگر یہ جیپ بیس پچیس منٹ پہلے آجاتی تو؟" جانکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"جب ایسا ہوتا تو اس وقت سوچا جاتا۔" میں نے جواب دیا "فکر فی الحال خطرہ ٹل گیا ہے۔ اس کے باوجود ہم تھوڑی دیر اور یہاں رکیں گے۔"

میں اب بھی اس جیپ کی طرف دیکھ رہا تھا جس کی دور ہوتی ہوئی عقبی سرخ بتیاں کبھی نگاہوں میں آجاتیں اور کبھی غائب ہوجاتیں اور پھر تقریباً پانچ منٹ بعد وہ روشنیاں بالکل غائب ہوگئیں۔ میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"وہ جیپ واپس ضرور آئے گی اور اس سے پہلے ہمیں یہاں سے کچھ دور نکل جانا چاہیے۔" میں نے کہا۔

وہ دونوں بھی کھڑی ہوچکی تھیں۔ ہم جھاڑیوں سے نکل کر تیزی سے بلندی کی طرف چلنے لگے۔ تقریباً سو گز آگے جاکر ڈھلان شروع ہوگئی۔ اب اگرچہ پھوار بھی بند ہوچکی تھی لیکن ڈھلان پر پھسلن تھی اور چلنے میں خاصی دشواری پیش آرہی تھی۔ میں خود کئی مرتبہ گرتے گرتے بچا تھا۔

ہم دو گھنٹوں تک مسلسل چلتے رہے۔ جانکی اور سونیا تھک گئی تھیں اور بری طرح ہانپ رہی تھیں۔

"اب ایک قدم بھی نہیں چلا جاتا۔" جانکی نے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "کوئی جگہ تلاش کرو جہاں کچھ دیر سستایا جاسکے۔"

"وہ آگے چٹانیں نظر آرہی ہیں۔ وہاں شاید کوئی جگہ مل جائے۔" میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔

وہ چٹانیں تقریباً دو سو گز کے فاصلے پر تھیں۔ سونیا اور جانکی جیسے تیسے وہاں تک پہنچ گئیں۔ یہ پہاڑیاں کانٹے دار جھاڑیوں اور اونچے درختوں سے لدی ہوئی تھیں۔ میں آگے بڑھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک جگہ مجھے ان پہاڑیوں میں تنگ سی کھوہ نظر آئی۔ یہ دراڑ اس قدر تنگ تھی کہ ایک آدمی بمشکل گھسٹ کر گزر سکتا تھا۔

میں اس تنگ سی دراڑ میں گھستا چلا گیا۔ سونیا اور جانکی بھی میرے پیچھے ہی آرہی تھیں۔ تقریباً پندرہ فٹ آگے جاکر دراڑ کچھ کشادہ ہوگئی اور پھر میں اچانک ہی کھلی جگہ پر نکل گیا۔

تقریباً سو مربع فٹ جگہ تھی اور اس کے اطراف میں بلند عمودی چٹانیں تھیں جن کے اوپر فلک بوس درختوں نے سایہ کیا ہوا تھا۔ اس جگہ آمد و رفت کا صرف ایک ہی راستہ تھا یعنی وہ دراڑ جس سے ہم گزر کر آئے تھے۔ میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ بہت اوپر درختوں کی جھومتی ہوئی شاخیں اور ان سے ادھر بادلوں سے ڈھکا ہوا تاریک آسمان تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ہم کسی بہت گہرے کنوئیں کی تہ میں کھڑے ہوں۔

پیروں کے نیچے زمین گیلی تھی۔ کسی کسی جگہ پانی بھی کھڑا تھا۔ اندھیرے میں اس جگہ کا ٹھیک سے جائزہ نہیں لیا جاسکتا تھا لیکن سونیا نے میری یہ مشکل حل کردی۔

"میرے پاس ٹارچ موجود ہے۔ بیگ میں رکھی ہوئی ہے۔ میں ابھی نکالتی ہوں۔" سونیا نے کہتے ہوئے اپنی رائفل جانکی کو تھما دی اور بیگ کندھے سے اتار کر زپ کھولی اور اندر ہاتھ ڈال کر ٹٹولنے لگی۔ چند سیکنڈ بعد اس نے دو سیل والی ایک ٹارچ نکال کر میرے ہاتھ میں دے دی۔

میرے خیال میں یہاں اگرچہ کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن میں نے ٹارچ جلانے سے پہلے احتیاطاً چٹانوں پر اوپر کی طرف دیکھ لیا تھا۔ اطمینان ہوجانے کے بعد میں نے ٹارچ جلالی اور اس کی روشنی میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

بائیں طرف تیس پینتیس فٹ کے فاصلے پر ایسی ہی ایک اور دراڑ نظر آئی جو نسبتاً کشادہ تھی۔ میں اس کے اندر گھستا چلا گیا۔ آٹھ دس فٹ آگے جاکر یہ دراڑ بائیں طرف مڑ گئی اور اس طرف ایک مختصر سا غار دیکھ کر میری آنکھیں چمک اٹھیں۔ یہ غار بمشکل دس فٹ لمبا اور چھ فٹ چوڑا ہوگا لیکن ہمارے لیے بہترین پناہ گاہ ثابت ہوسکتا تھا۔ غار کا فرش اگرچہ ناہموار تھا مگر صاف تھا۔ کونے میں تین پتھر چولھے کی طرح رکھے ہوئے تھے جن کے بیچ میں راکھ پڑی ہوئی تھی اور اوپر غار کی دیوار اور چھت کالی ہورہی تھی۔

یہ یقیناً کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جسے خفیہ کہا جاسکتا۔ جنرل کھوراٹ کے آدمی اپنے اس خطے کی ایک ایک انچ زمین سے واقف ہوں گے اور پتھروں کا یہ چولھا اور اس میں پڑی ہوئی راکھ یہ ثابت کررہی تھی کہ یہ غار پہلے بھی کسی کی رہائش کے لیے استعمال ہوچکا تھا۔ میں نے جھک کر چولھے میں پڑے ہوئے کوئلوں اور راکھ کو دیکھا۔ ان پر گرد کی تہ جمی ہوئی تھی جس سے مجھے قدرے اطمینان ہوا کہ یہ غار بہت عرصہ پہلے استعمال کیا گیا تھا۔ فرش پر بھی دھول جمی ہوئی تھی۔

باہر آکر میں نے سونیا اور جانکی کو اس غار میں ٹھہایا اور ٹارچ کی روشنی میں دوسری اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ ایک طرف چٹان کا ایک حصہ سائبان کی طرح آگے کو نکلا ہوا تھا۔

اس سائبان کے نیچے اتنی جگہ تھی کہ چار پانچ آدمی آرام سے لیٹ سکتے تھے۔

اطراف میں چٹانیں بالکل عمودی اور چکنی تھیں۔ بالکل کسی گہرے کنوئیں کی طرح۔ چٹانی سائبان کے نیچے کی جگہ بھی اگرچہ ہمارے لیے محفوظ تھی لیکن ہم نے غار کے اندر بیٹھنے کو ترجیح دی اور کشادہ دراڑ میں سے ہوتے ہوئے غار میں آگئے۔ میں نے ٹارچ کی روشنی میں ایک مرتبہ پھر غار کا جائزہ لیا اور دہانے کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ باہر سے اس کنواں نما جگہ کا جائزہ لیتے ہوئے میرا یہ خیال درست ثابت ہوا تھا کہ یہاں آمدورفت کا صرف ایک ہی راستہ تھا یعنی وہ تنگ سی دراڑ جس سے ہم اندر آئے تھے۔ یہاں ہم محفوظ تو تھے لیکن اگر کسی کو یہاں ہماری موجودگی کا شبہ ہوجاتا تو ہمارے فرار ہونے کا...کوئی راستہ نہ ہوتا۔

میں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ جانکی اور سونیا بھی سامنے والی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ چکی تھیں۔ بارش کی وجہ سے میرے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ قمیص بدن سے چپکی ہوئی تھی اور عجیب سی الجھن محسوس ہورہی تھی۔ میں نے قمیص اتار کر دہانے کے قریب ہی ایک پتھر پر ڈال دی اور ٹارچ بجھا کر رائفل کے قریب ہی رکھ لی۔ ٹارچ جلائے رکھنا مناسب نہیں تھا۔ بعد میں بھی اس کی ضرورت پڑسکتی تھی۔ سیل ختم ہوجاتے تو ٹارچ ہمارے لیے بیکار ہوجاتی۔

پہاڑی راستوں پر پیدل سفر کرنا بڑا تھکن ہوتا ہے۔ کشتی سے اترنے کے بعد ہم نے اگرچہ زیادہ سے زیادہ چار میل کا فاصلہ طے کیا تھا لیکن تھکن سے میری ٹانگیں شل ہوگئی تھیں۔ سونیا اور جانکی کی حالت تو شاید مجھ سے بھی بری تھی۔ ہم کچھ دیر باتیں کرتے رہے پھر جانکی کے خراٹے سنائی دینے لگے۔ سونیا اب بھی مجھ سے باتیں کررہی تھی۔ اس نے شاید بیگ میں سے کوئی کپڑا نکال کر نیچے بچھالیا تھا۔ کپڑوں کی سرسراہٹ مجھے کچھ دیر بعد بھی سنائی دیتی رہی۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہم میں سے کم از کم ایک فرد جاگتا رہتا لیکن تھکن تو ہم تینوں پر سوار تھی۔ میری آنکھیں بند ہونے لگیں اور پھر مجھے پتا نہیں چلا کہ سونیا میرے بعد کتنی دیر تک جاگتی رہی تھی۔

میری آنکھ کھلی تو دن کی مدھم سی روشنی غار کے دہانے اور کچھ اندر تک پہنچ رہی تھی۔ میرے دماغ میں اب بھی سنسناہٹ ہورہی تھی۔ میں نے گردن گھما کر باہر کی طرف دیکھا۔ دراڑ کے باہر کی روشنی دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ آسمان بادلوں سے صاف ہوگیا تھا اور سورج نکلا ہوا تھا۔

دھوپ اگرچہ اس کنوئیں تک نہیں پہنچ رہی تھی مگر اوپر درختوں کی شاخوں پر دھوپ کی چمک صاف نظر آرہی تھی۔

میں اٹھ کر باہر چلا گیا۔ دیکھا تو ایک گڑھے میں پانی نظر آگیا۔ ایک چٹان کی طرف سے تھوڑا تھوڑا پانی آکر اس گڑھے میں جمع ہورہا تھا اور دوسری طرف سے بہہ رہا تھا۔ میں نے چند گھونٹ پیے' منہ ہاتھ دھویا اور اندر آگیا۔ تھوڑی دیر بعد جانکی بھی منہ ہاتھ دھو کر آگئی اور سونیا نے اپنے بیگ میں سے ایک ٹن نکال لیا۔ کٹر سے ڈھکنا کاٹا اور ڈبا سامنے رکھ دیا۔ چکن کے تلے ہوئے نمکین بریسٹ پیس تھے۔ یہی ہمارا ناشتا تھا اور یہی کھانا بھی۔ ہمارے پاس خوراک زیادہ نہیں تھی اور ہم نے فیصلہ کرلیا تھا کہ جب تک کوئی اور بندوبست نہ ہوجائے اس خوراک کو احتیاط سے استعمال کریں گے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ہم غار سے باہر آگئے۔ میں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔ درختوں کی شاخوں پر دھوپ چمک رہی تھی۔ میں رائفل سنبھالے اس تنگ سی دراڑ میں داخل ہوگیا جس سے گزشتہ رات ہم اندر آئے تھے۔ دراڑ سے باہر نکل کر میں نے جیسے ہی سامنے دیکھا' مجھے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ سامنے تاحدِ نگاہ ہر طرف آتشی گلابی رنگ بکھرا ہوا تھا۔ وہ دراصل پوست کی فصل تھی۔ پھول کھلے ہوئے تھے جنہوں نے تاحدِ نگاہ زمین پر شفق کا رنگ بکھیر دیا تھا۔ دنیا کا حسین ترین پھول جس میں خوفناک زہر بھرا ہوا تھا۔

سونیا اور جانکی بھی دراڑ سے باہر آگئی تھیں اور وہ دونوں بھی یہ حسین منظر دیکھ کر اگنشت بدنداں رہ گئی تھیں۔ رات کی تاریکی میں ہم جنہیں جھاڑیاں سمجھتے رہے تھے وہ دراصل یہی پوست کے پودے تھے۔

"ارے۔ وہ دیکھو۔" جانکی نے بائیں طرف اشارہ کیا۔ بہت دور ایک پہاڑی کے عقب سے دھوئیں کی ایک لکیر اٹھ رہی تھی "کہیں آگ لگی ہے یا...."

"آگ نہیں لگی۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "میرا خیال ہے اس طرف کوئی بستی ہے اور ہمیں اس طرف کا رخ کرنا چاہیے۔"

ہم کچھ دیر وہاں کھڑے رہے۔ سونیا اور جانکی غار میں سے اپنے بیگ اٹھالائیں اور ہم نشیب میں اترنے لگے۔ دن کے وقت سفر کرنا اگرچہ خطرناک ہوسکتا تھا لیکن ہمیں خطرہ تو بہرحال مول لینا ہی تھا۔ پوست کے پودے اتنے اونچے تھے کہ ہم آسانی سے چھپ کر چل سکتے تھے۔ بعض جگہوں پر

پودوں کی اونچائی کچھ کم تھی۔ وہاں ہمیں محتاط رہنا پڑتا تھا۔

فضا میں عجب مسحور کن سی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ پوست کے پودوں میں ابھی صرف پھول آئے تھے۔ ان کے نیچے ڈوڈے بننا شروع نہیں ہوئے تھے۔ میں نے کئی پودوں کے پھولوں کو چھو کر دیکھا تھا۔ کتنے خوش رنگ اور حسین پھول تھے مگر کتنے زہریلے۔ انہی سے وہ دوائیں بھی بنتی تھیں جو انسانی زندگی بچانے کے کام آتی تھیں اور افیون' مارفین اور ہیروئن جیسے زہر بھی تیار ہوتے تھے جو دنیا بھر میں نوجوان نسل کو تباہی کے دہانے کی طرف دھکیل رہے تھے۔

ہم پوست کے کھیتوں میں تقریباً ایک گھنٹے تک چلتے رہے۔ سہ پہر سورج چمک رہا تھا۔ اگرچہ ہوا بھی چل رہی تھی مگر تیز دھوپ کی وجہ سے کھیتوں میں حبس کی سی کیفیت تھی۔ ہم پسینے میں تر ہورہے تھے۔ گردن پر پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ لگتا تھا جیسے کیچوے رینگ رہے ہوں۔ پیاس سے حلق بھی خشک ہونے لگا تھا۔ ہم سے بڑی حماقت ہوئی تھی۔ اس مہم کے لیے اور تو سارے انتظام کرلیے گئے تھے مگر پانی ساتھ لانے کا بندوبست نہیں کیا گیا تھا۔ ہم ایک کھیت سے دوسرے کھیت میں چلتے رہے۔ مجھے یقین تھا کہ ان کھیتوں ہی میں کہیں نہ کہیں پانی ضرور مل جائے گا۔

یہ دراصل باقاعدہ کھیت نہیں تھا۔ نشیب و فراز پر مشتمل پتھریلا علاقہ تھا جس میں ہل چلا کر بیج ڈال دیا گیا تھا۔ اس قسم کے علاقے پوست کی پیداوار کے لیے مثالی ہوتے ہیں۔ اس فصل کو زیادہ پانی کی ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی لیکن یہاں تو پانی کی بھی کمی نہیں تھی۔ اس فصل کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ پوست کی کاشت کے لیے یہ دنیا کا زرخیز ترین خطہ تھا۔

وہ پہاڑی ابھی بہت دور تھی جس کے پیچھے سے دھواں اٹھتے ہوئے دیکھا گیا تھا لیکن کھیتوں میں تھوڑا اور فاصلہ طے کرنے کے بعد ہمیں وہ چیز نظر آگئی تھی جس کی ہمیں تلاش تھی۔

وہ پتھروں میں ایک چھوٹا سا چشمہ تھا۔ دو تین فٹ لمبا چوڑا اور ایک فٹ گہرا تالاب سا تھا جس کے اندر سے شفاف پانی پھوٹ رہا تھا۔ تالاب میں جمع ہونے والا یہ پانی ایک نالی کی صورت میں مخالف سمت میں بہہ رہا تھا۔ یہ چشمہ قدرتی تھا مگر وہ نالی انسانی ہاتھوں کی بنائی ہوئی تھی۔ جو ایک فٹ سے زیادہ گہری اور دو فٹ سے زیادہ چوڑی نہیں تھی۔

ہم نے اپنا سامان ایک طرف رکھ دیا۔ میں نے پہلے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور پھر دونوں ہاتھوں کا پیالہ سا بنا کر پانی پینے لگا۔ پانی ٹھنڈا اور شیریں تھا۔ دنیا کی سب سے بڑی نعمت جس کے بغیر انسانی حیات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

کچھ دیر ستانے کے بعد ہم آگے روانہ ہوگئے۔ ہمارا رخ انہی پہاڑیوں کی طرف تھا۔ تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم ایک بار پھر رک گئے۔ میں متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ مجھے حیرت تھی کہ اب تک ہمیں کوئی آدمی نظر نہیں آیا تھا۔ دریا کے کنارے کے ساتھ ساتھ تو وہ لوگ پٹرولنگ کرتے رہتے تھے لیکن اندرونی علاقے میں شاید اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی اور پوست کی فصل بھی ایسی تھی کہ دوسری فصلوں کی طرح اس کی زیادہ دیکھ بھال کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی اور شاید اسی لیے ہمیں کوئی آدمی نظر بھی نہیں آیا تھا۔

وہ پہاڑیاں بظاہر قریب نظر آئی تھیں لیکن درحقیقت بہت دور تھیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا تھا کہ ہم سہ پہر کے قریب وہاں پہنچ پائے تھے۔

پہاڑیوں کے دامن میں' میں کھیت سے باہر نکلا ہی تھا کہ تیزی سے مڑ کر دوبارہ پودوں میں گھس گیا اور سونیا اور جانکی کو بھی پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ ہم تینوں بیٹھ گئے۔

میں گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا ایک بار پھر ذرا آگے نکل گیا اور پودوں میں جگہ بنا کر باہر دیکھنے لگا۔ تقریباً سو گز آگے پہاڑی کے دامن میں وہ کانچ میری نظروں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس کانچ کے سامنے کھلی جگہ پر دو آدمی بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے۔ دونوں نے کمانڈوز قسم کی فوجی وردیاں پہن رکھی تھیں اور دونوں کے کندھوں پر رائفلیں بھی نظر آرہی تھیں۔

سونیا اور جانکی بھی رینگتی ہوئی میرے قریب آگئیں اور سامنے دیکھنے لگیں۔ کچھ ہی دیر بعد ایسے ہی گوریلا ڈریس میں ایک تیسرا آدمی کانچ کے دروازے سے برآمد ہوا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں کافی یا چائے کے مگ رکھے ہوئے تھے۔ اس کے کندھے پر بھی آٹومیٹک رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ اس نے ٹرے زمین پر رکھ دی اور ایک مگ اٹھا کر ان دونوں سے ذرا فاصلے پر ایک پتھر پر بیٹھ کر چسکیاں لینے لگا۔

"یہ.....یہ تو کوئی لڑکی ہے....."

جانکی کی آواز سن کر پہلے میں نے اس کی طرف دیکھا پھر پتھر پر بیٹھے ہوئے اس شخص کی طرف دیکھنے لگا جس کے بارے میں جانکی نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ جانکی نے غلط نہیں کہا تھا۔ وہ واقعی لڑکی تھی۔

"اس طرف سے گھومتے ہوئے پہاڑی پر چلے جائیں۔"

جانکی نے سرگوشی میں بات کرتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں سرہلا دیا "یہ کاٹیج غالباً ان کی کوئی پوسٹ ہے اور یہ تینوں یہاں ڈیوٹی دے رہے ہیں۔ ہمیں تو یہ معلوم کرنا ہے کہ دارا اور اس کے ساتھی کہاں ہیں۔ اور یہ معلومات ہمیں انہی لوگوں سے حاصل ہو سکتی ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے۔" جانکی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی "ہم یہیں بیٹھے ہیں۔ تم جاکران سے معلوم کر آؤ پھر ہم آگے چلیں گے۔"

میں نے گھور کر جانکی کی طرف دیکھا۔

"ہمیں شام ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔" میں نے مدھم لہجے میں کہا "اندھیرا ہونے کے بعد ہی کوئی قدم اٹھا سکیں گے۔ اس وقت تک ہمیں یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ ان کے علاوہ یہاں اور کون کون ہے۔"

جانکی نے جواب نہیں دیا۔ میں نے ایک بار پھر سامنے دیکھا۔ کاٹیج کے سامنے وہ تینوں بیٹھے چائے یا کافی پی رہے تھے۔ شام ہونے میں کم از کم ایک گھنٹا باقی تھا اور اس وقت تک ہمیں یہیں بیٹھنا تھا۔ ہماری کوئی حرکت یہاں ہماری موجودگی کا راز کھول سکتی تھی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور سونیا اور جانکی کو اشارہ کرتے ہوئے پیچھے کی طرف رینگنے لگا۔ ہم تقریباً پانچ فٹ مزید پیچھے آگئے۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا۔ میں بار بار آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سورج جیسے افق پر اٹک کر رہ گیا تھا۔ غروب ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ کاٹیج کی طرف سے باتوں اور کبھی کبھی قہقہوں کی آواز آرہی تھی۔ ایک دو مرتبہ نسوانی قہقہے بھی سنائی دیے تھے جس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس لڑکی کی آواز بہت سُریلی تھی۔

سورج غروب ہونے میں اب چند ہی منٹ باقی تھے اور پھر اچانک کسی گاڑی کے انجن کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ وہ گاڑی غالباً کاٹیج کے سامنے آکر رکی تھی۔ میں نے سونیا اور جانکی کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور بڑی احتیاط سے رینگتا ہوا کھیت کے کنارے کے قریب پہنچ گیا اور پودوں میں راستہ بنا کر کاٹیج کی طرف دیکھنے لگا۔

جیپ میں تین آدمی تھے۔ چھت پر ہلکی مشین گن نصب تھی۔ ایک آدمی جیپ سے اتر کر کاٹیج کی طرف چلا گیا۔ اس کے کندھے پر سب مشین گن اور ایک ہاتھ میں ٹفن تھا۔ وہ ٹفن لے کر کاٹیج کے اندر چلا گیا جبکہ وہاں پہلے سے موجود وہ لڑکی اور دونوں آدمی جیپ میں بیٹھ گئے اور جیپ حرکت میں آگئی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ڈیوٹی تبدیل ہوئی تھی۔ وہ تینوں چلے گئے تھے اور رات بھر کی ڈیوٹی کے لیے صرف ایک آدمی کو چھوڑا گیا تھا۔ میں جیپ کی طرف دیکھنے لگا جو کھیتوں کے درمیان کچے راستے پر چلتی ہوئی بہت دور پہاڑی کی طرف گھوم کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

میں کاٹیج کی طرف دیکھتا رہا۔ کاٹیج کے ایک کمرے میں اب بتی جل گئی تھی۔ چند منٹ بعد کمانڈو ڈریس میں ملبوس وہ آدمی کمرے سے باہر آگیا۔ ٹفن وہ کمرے ہی میں چھوڑ آیا تھا۔ اس نے برآمدے میں کھڑے ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا اور جیب سے ایک سگریٹ نکال کر سلگا لیا۔ کچھ دیر تک وہ کھڑے کھڑے کش لگاتا رہا پھر برآمدے سے نکل کر اس پتھر پر بیٹھ گیا جہاں اس لڑکی نے بیٹھ کر چائے یا کافی پی تھی۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ شام کا سُرمئی دھندلکا اندھیرے میں تبدیل ہونے لگا۔ میں اپنی جگہ پر بے حس و حرکت پڑا کاٹیج کی طرف دیکھتا رہا پھر سونیا اور جانکی کے قریب آگیا اور انہیں صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگا۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔" جانکی نے کہا "وہ اکیلا ہے اور ایک آدمی پر قابو پانے میں ہمیں آسانی رہے گی۔"

"لیکن ہمیں تھوڑا اور انتظار کرنا پڑے گا تاکہ اندھیرا اور گہرا ہو جائے۔" میں نے جواب دیا۔

ہم مزید ایک گھنٹا پودوں میں دبکے رہے اور پھر رینگتے ہوئے ایک بار پھر کھیت کے کنارے پر پہنچ گئے۔ وہ محافظ اب برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے ٹانگیں آگے کو پھیلا رکھی تھیں۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا جس سے آنے والی روشنی میں محافظ کی سب مشین گن بھی اس کے قریب ہی برآمدے کے فرش پر پڑی نظر آرہی تھی۔ محافظ کا رخ اس طرف تھا جس طرف شام سے پہلے وہ جیپ گئی تھی۔

میں چند لمحے صورتِ حال کا جائزہ لیتا رہا۔ کھیت سے باہر دائیں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چند بڑے بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے۔ ہم ان پتھروں کی آڑ لے کر مختصر سا چکر کاٹتے ہوئے کاٹیج تک پہنچ سکتے تھے۔ میں نے جانکی اور سونیا کو اشارہ کیا اور کھیت سے باہر نکل کر سینے کے بل رینگتا ہوا پہلے پتھر کی طرف بڑھنے لگا جو وہاں سے تقریباً پندرہ فٹ کے فاصلے پر تھا۔

پتھر کی آڑ میں پہنچ کر میں نے جانکی اور سونیا کو اشارہ کیا۔ وہ دونوں بھی رینگتے ہوئے میرے قریب پہنچ گئیں۔

ہم اسی طرح رینگتے ہوئے پانچویں پتھر کے پیچھے پہنچ گئے۔ کاٹیج کا فاصلہ بھی کم ہو گیا تھا۔ میں نے سرگوشی میں سونیا کو اس مرتبہ وہیں رکنے کو کہا اور جانکی کو اشارہ کرتا ہوا آگے رینگنے لگا۔

جانکی کو بھی ایک جگہ چھوڑ دیا اور میں خود آگے بڑھتا چلا گیا اور بالآخر اس پتھر کے پیچھے رک گیا جہاں سے کاٹیج کا فاصلہ پندرہ فٹ سے زیادہ نہیں تھا لیکن کاٹیج کا برآمدہ اب میرے بالکل سامنے نہیں، بائیں جانب تھا جبکہ میری پشت پر پہاڑی کا دامن تھا جو ڈھلان کی صورت میں بتدریج بلندی کی طرف چلا گیا تھا۔

میں گہری نظروں سے برآمدے میں بیٹھے ہوئے محافظ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اب اس کی پشت میری طرف تھی۔ میں اگر چاہتا تو بڑی آسانی سے اسے گولی کا نشانہ بنا سکتا تھا لیکن رائفل استعمال کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس ویرانے میں فائر کی آواز دور دور تک پھیل جاتی اور قرب و جوار میں کسی دوسری چوکی کے محافظ متوجہ ہو سکتے تھے جبکہ میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہتا تھا کہ محافظ کو بھی گولی چلانے کا موقع نہ مل سکے۔

میں اپنی جگہ پر بے حس و حرکت پڑا محافظ کی طرف دیکھتا رہا پھر میں نے رائفل ایک طرف رکھ دی اور پتلون کے پائنچے کے نیچے پنڈلی سے بندھا ہوا خنجر نکال لیا۔ دوسرے ہاتھ میں ایک پتھر اٹھا کر پوری قوت سے دائیں طرف اچھال دیا۔

وہ پتھر ڈھائی تین سو گرام وزنی تھا۔ کھٹاک کی آواز سے گرا اور چھوٹے چھوٹے کچھ اور پتھر لڑھکنے لگے۔

محافظ اپنی سب مشین گن اٹھا کر بڑی پھرتی سے اٹھ کھڑا ہوا اور چھلانگ لگا کر برآمدے سے باہر آگیا۔

"کون ہے... ادھر کون ہے؟" وہ چینی زبان میں چیخا۔

اس کی آواز سن کر میرے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔

میں اپنی جگہ پر سینے کے بل بے حس و حرکت لیٹا رہا۔ محافظ دو تین قدم آگے بڑھ آیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں رائفل تانے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ میں نے ایک اور چھوٹا پتھر اٹھا کر اپنے دائیں طرف اچھال دیا۔

"اے۔ کون ہے؟" محافظ پھر چیخا۔ اس کی آواز سن کر میرے کانوں میں ایک بار پھر سیٹیاں سی بجنے لگی تھیں۔

اس مرتبہ محافظ رائفل تانے تقریباً دوڑتا ہوا آگے بڑھا اور جیسے ہی وہ سامنے پہنچا میں نے پتھر کی آڑ سے نکل کر اس پر چھلانگ لگا دی۔

محافظ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی اور میں اسے اپنے ساتھ لیتا ہوا پتھروں پر جا گرا۔

یہ حملہ اس کے لیے یقیناً غیر متوقع رہا ہو گا لیکن اسے حواس پر قابو پانے میں ایک سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگا تھا۔ اس نے فوراً ہی اپنے آپ کو میرے شکنجے سے چھڑانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ وہ پوری طرح میرے نیچے دبا ہوا تھا اور تب مجھے احساس ہوا کہ اس کی آواز سن کر میرے کانوں میں سیٹیاں کیوں بجی تھیں، وہ مرد نہیں عورت تھی۔

میں نے خنجر کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی۔

"اب اگر تم نے بہادری دکھانے کی کوشش کی تو گردن کاٹ دوں گا۔" میں نے غراتے ہوئے تھائی زبان میں کہا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ تھائی زبان بھی سمجھتی ہو گی۔

اس کی مزاحمت ختم ہو گئی تو میں اس کے اوپر سے ہٹ گیا۔ خنجر کی نوک اس کی گردن سے لگائے رکھی اور دوسرے ہاتھ سے اس کی شرٹ کا کالر پکڑ کر اٹھا دیا اور پھر اسی وقت جانکی اور سونیا بھی دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئیں۔ ان دونوں نے رائفلیں تان رکھی تھیں۔

"جانکی۔" میں نے کہا "یہ سب مشین گن انہالو اور اس پتھر کے پیچھے میری رائفل بھی پڑی ہے۔ میں اسے کاٹیج میں لے کر جا رہا ہوں۔ تم لوگ بھی اس طرف آجاؤ۔"

میں اس محافظ لڑکی کو دھکیلتا ہوا کاٹیج کی طرف چلنے لگا۔ جانکی زمین پر پڑی ہوئی اس کی سب مشین گن اٹھا رہی تھی جبکہ سونیا اس پتھر کی طرف لپکی تھی جس طرف میں نے اشارہ کیا تھا۔

ہم کاٹیج میں آگئے۔ سونیا باہر ہی تاریکی میں رک گئی تھی تاکہ اگر کوئی اس طرف آنکلے تو ہمیں بروقت آگاہ کر سکے۔

کمرے میں آکر میں نے اس محافظ عورت کے سر سے ٹوپی اتار دی۔ ٹوپی میں سمٹے ہوئے بال کندھوں پر بکھر گئے۔ اس کی عمر ستائیس اٹھائیس سال کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ وہ خاصی حسین تھی مگر خوف سے اس وقت اس کے چہرے کے تاثرات کچھ بگڑ گئے تھے۔

"مم... مجھے حیرت ہے کہ تم لوگ گولڈن ٹرائی اینگل میں داخل ہونے میں کامیاب کیسے ہوئے۔" اس نے اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے تھائی زبان میں کہا۔ میں نے چونکہ اس سے تھائی میں بات کی تھی اور شاید اس لیے اس نے بھی اسی زبان میں بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا "لیکن تم لوگ جو کوئی بھی ہو، زندہ بچ کر نہیں جا سکو گے۔ بہتر

ہے اپنے آپ کو سرنڈر کردو۔ ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ کچھ رعایت برتی جائے اور تم لوگوں کو زندہ سلامت یہاں سے واپس جانے کا موقع مل جائے۔"

"ہم جانتے ہیں کہ یہاں قدم قدم پر موت گھات لگائے بیٹھی ہے لیکن ہم نے اپنے آپ کو سرنڈر کرنے کے لیے موت کی اس وادی میں قدم نہیں رکھا۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "ہم ٹورسٹ بھی نہیں جو بھول کر اس طرف آگئے ہیں۔ ہمیں کچھ لوگوں کی تلاش ہے جو تھائی لینڈ سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ وہ لوگ اس وقت کہاں ہیں؟"

"اوہ!" وہ چونک سی گئی "اگر تم ان کی تلاش میں آئے ہو تو پھر تو تم لوگوں نے اپنے آپ کو موت کی وادی میں دھکیل دیا ہے۔ وہ جنرل کھوراٹ کے مہمان ہیں۔ یہاں تو تم ان کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکتے چہ جائیکہ ان تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہو۔ مجھے قابو میں کرکے تم کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ موت تم لوگوں کا مقدر بن چکی ہے۔ اس سرزمین پر ممکن ہے آج کی رات تو تاریکی میں چھپ کر گزار لو لیکن صبح چند گھنٹوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکو گے۔"

"یہ سوچنا ہمارا دردِ سر ہے کہ ہم کتنے گھنٹے زندہ رہتے ہیں۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "تم صرف اتنا بتا دو کہ کھوراٹ کے مہمان اس وقت کہاں ہیں؟"

"اس پہاڑی کے دوسری طرف بستی میں۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا "وہ تقریباً ایک ہفتہ اس بستی میں رہیں گے اور پھر انہیں جنرل کھوراٹ کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔"

"اور جنرل کھوراٹ کہاں پایا جاتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں سے تقریباً تیس میل دور اپنے ہیڈ کوارٹر میں۔" لڑکی نے جواب دیا۔

وہ میری باتوں کا جواب بڑے پُرسکون لہجے میں دے رہی تھی۔ اسے شاید یہ یقین تھا کہ ہم چند گھنٹوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکیں گے اور ان معلومات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔

"یہاں کتنے محافظ ڈیوٹی دیتے ہیں اور تمہاری ڈیوٹی کب تک ہے؟" میں نے پوچھا۔

"پورے ٹرائی اینگل میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اس قسم کی چوکیاں بنی ہوئی ہیں۔ ہر چوکی پر چوبیس گھنٹے ایک آدمی موجود ہوتا ہے لیکن دونوں طرف دریا کے کنارے چوکیوں میں تین چار محافظ موجود رہتے ہیں۔"

"لیکن شام کو یہاں تین محافظ تھے۔" میں نے کہا۔

"دو قریبی چوکیوں سے آگئے تھے۔" لڑکی نے جواب دیا "اب میں رات بھر یہاں اکیلی رہوں گی۔ صبح سات بجے دوسرا محافظ آئے گا تو میری ڈیوٹی ختم ہو جائے گی۔"

"لیکن جگہ جگہ محافظوں کی ڈیوٹی کیوں؟ کیا چوری یا لوٹ کا خطرہ ہے؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"یہ حفاظتی انتظامات پوست کی فصل کے دنوں میں ہوتے ہیں کیونکہ ان دنوں لاؤس اور تھائی لینڈ کی طرف سے مسلح مہم جُو یہاں گھس آتے ہیں اور فصل برباد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پچھلے تین سال سے یہ حفاظتی انتظامات کیے جا رہے ہیں۔ اس وقت سے کچھ سکون ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم لوگ یہاں تک پہنچنے میں کیسے کامیاب ہو گئے۔"

"اس لیے کہ ہم موت سے نہیں ڈرتے۔" میں نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "میں تمہارے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا لیکن اگر تم نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو تمہارا گلا کاٹنے میں کوئی ہچکچاہٹ بھی محسوس نہیں کروں گا۔ اس لیے مجھے امید ہے کہ جب تک ہم یہاں ہیں تم شرافت کا ثبوت دو گی۔"

میں نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ وہ کوئی رسّی تلاش کرے۔ جانکی کمرے میں دیکھتے ہوئے باہر نکل گئی۔ یہ کانچ دو کمروں پر مشتمل تھا اور جانکی غالباً دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔

سونیا نے محافظ لڑکی کو اپنی رائفل کی زد پر لے رکھا تھا۔ میں نے خنجر اس کی گردن سے ہٹالیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کمرے میں ایک طرف دیوار کے ساتھ تین فٹ اونچا ایک چھوٹا سا چبوترا بنا ہوا تھا جس پر ایک ٹیلی فون سیٹ رکھا ہوا تھا۔ لڑکی نے پوچھنے پر بتایا کہ تمام چوکیوں میں ٹیلی فون موجود ہیں۔ جنرل کھوراٹ نے ٹرائی اینگل میں اپنا مواصلاتی نظام قائم کر رکھا ہے اور ایک بجلی گھر بھی ہے جہاں سے پورے ٹرائی اینگل کو بجلی فراہم کی جاتی ہے۔ بیرونی دنیا سے رابطے کے لیے نہایت طاقت ور ٹرانسمٹر استعمال کیے جاتے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد جانکی رسّی کا ایک گچھا لے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ میں نے محافظ لڑکی کے ہاتھ پیر باندھ کر فرش پر ڈال دیا۔ اس لڑکی کی زندگی اگرچہ ہمارے لیے خطرناک

ثابت ہو سکتی تھی لیکن فی الحال میں اسے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ہم تینوں برآمدے میں آگئے۔ اس محافظ لڑکی نے بتایا تھا کہ پانچ چھ سو فٹ بلند اس پہاڑی کے پیچھے وہ بستی ہے جہاں تھائی لینڈ سے آنے والے جنرل کھوراٹ کے مہمانوں کو ٹھہرایا گیا ہے۔ میں نے فوراً ہی ایک منصوبہ بنا لیا۔

"اس لڑکی کے کہنے کے مطابق صبح سات بجے سے پہلے یہاں کوئی نہیں آئے گا۔" میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم دونوں یہیں رکو۔ میں پہاڑی پر جا کر دوسری طرف اس بستی کا جائزہ لے کر آتا ہوں اور پھر صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے پہلے ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔ اگر ہمیں بستی کے آس پاس کوئی چھپنے کی جگہ مل جائے تو زیادہ بہتر ہو گا۔"

"میں تمہیں اکیلے تو جانے نہیں دوں گی۔" جانکی جلدی سے بولی "یہاں صبح تک کوئی نہیں آئے گا۔ اس لیے یہاں صرف ایک ہی فرد کی موجودگی کافی ہے یا تو سونیا کو اپنے ساتھ لے جاؤ یا میں تمہارے ساتھ چلوں بلکہ بہتر ہو گا کہ تم سونیا ہی کو ساتھ لے جاؤ۔ میں اکیلی یہاں رہوں گی۔"

"ڈر تو نہیں لگے گا؟ میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں کمرے کی بتی بجھا کر وہاں پتھروں کے پاس اندھیرے میں بیٹھ جاؤں گی۔ تم میری فکر مت کرو۔" جانکی نے جواب دیا۔

پانچ منٹ بعد ہم کانچ کے پیچھے پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ جانکی بھی کمرے کی بتی بجھا کر کچھ دور ایک پتھر پر بیٹھ گئی تھی۔

اندھیرے میں پہاڑی پر چڑھنا خاصا مشکل کام تھا۔ بار بار پتھروں سے ٹھوکریں لگ رہی تھیں۔ اپنے آپ کو سنبھالنے کے ساتھ مجھے سونیا کو بھی سہارا دینا پڑا۔ پہاڑی پر چڑھتے ہوئے وہ بری طرح ہانپنے لگی تھی۔ نصف بلندی طے کرکے ہم رک گئے۔ سونیا ایک پتھر پر بیٹھ گئی تھی۔ دس منٹ بعد ہم پھر آگے روانہ ہو گئے۔

وہ پہاڑی پانچ چھ سو نہیں ہزار فٹ سے بھی زیادہ بلند تھی۔ اوپر فلک بوس درخت تھے جو تیز ہوا سے جھوم رہے تھے۔ ہوا کے شاخوں سے ٹکرانے سے "سائیں سائیں" کی جو آوازیں پیدا ہو رہی تھیں ان سے دل پر خوف سا طاری ہو رہا تھا۔

چوٹی پر پہنچ کر ہم رک گئے۔ میرا سانس بھی پھول گیا تھا کچھ دیر بعد ہم نے ایسی جگہ تلاش کر لی جہاں سے دوسری طرف کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔

نشیب میں بہت دور کچھ بکھری ہوئی روشنیاں ٹمٹماتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ رات کے وقت یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ ہمارے اور ان روشنیوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہو گا لیکن میرے اندازے کے مطابق وہ ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں دو میل سے کم فاصلے پر کسی طرح نہیں ہو سکتی تھیں۔

میں سونیا کا ہاتھ پکڑ کر ڈھلان پر نیچے اترنے لگا۔ ابھی ہم نے تقریباً ڈیڑھ سو گز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ فضا فائرنگ کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ آواز چاروں طرف بازگشت سی پیدا کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ فائرنگ کس طرف ہوئی تھی۔

اچانک میرے ذہن میں جانکی کا خیال ابھرا اور اس کے ساتھ ہی میرے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ میں نے بستی کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور سونیا کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ پہاڑی پر چڑھنے لگا۔

کچھ دیر تک فائرنگ کی آوازیں سنائی دیتی رہیں پھر سناٹا چھا گیا۔ پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر میں نیچے دیکھنے لگا مگر تاریکی میں کچھ دکھائی نہیں دیا۔ سونیا کو تقریباً گھسیٹتا ہوا اوپر لایا تھا۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھی۔

"تم یہیں رکو۔ میں نیچے جا کر دیکھتا ہوں۔" میں نے سونیا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مجھے شبہ ہے کہ فائرنگ اس کانچ میں یا آس پاس ہوئی تھی۔ جانکی کسی مصیبت میں نہ پھنس گئی ہو۔"

"میں اکیلی یہاں نہیں رہ سکتی۔ تمہارے ساتھ چلوں گی۔" سونیا نے کہتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ شاید خوف زدہ تھی۔ میرے ایک ہاتھ میں رائفل تھی۔ دوسرا ہاتھ سونیا نے پکڑ رکھا تھا۔ میں ڈھلان پر تیزی سے نیچے اترنے لگا۔ سونیا میرے ساتھ گھسٹتی ہوئی سی چلی آ رہی تھی۔ اچانک اسے کسی پتھر سے ٹھوکر لگی۔ میرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ ڈھلان پر لڑھکتی چلی گئی۔ میں بڑی تیزی سے اس کی طرف لپکا اور اگر بروقت اسے نہ پکڑ لیتا تو وہ کھڈ میں گر جاتی۔ کھڈ زیادہ گہرا نہیں تھا۔ گرنے سے اس کی موت تو واقع نہیں ہو سکتی تھی لیکن ایک آدھ ہڈی ضرور ٹوٹ جاتی اور یہ نقصان زیادہ خطرناک ہوتا۔

میں نے سہارا دے کر سونیا کو اٹھا دیا۔ وہ ہولے ہولے کراہ رہی تھی۔ اس کی رائفل کہیں گر گئی تھی۔ میں نے رائفل تلاش کرکے اس کے ہاتھ میں تھما دی اور اسے

دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر نیچے اترنے لگا۔ وہ لنگڑا رہی تھی۔ گھٹنے اور کولھے کی ہڈی پر چوٹ لگی تھی۔

ایک جگہ میں رک گیا۔ تقریباً دو سو گز نیچے تاریکی میں کانیج کا ہیولا سا نظر آرہا تھا لیکن آس پاس کسی قسم کی سرگرمی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

میں نے سونیا کا ہاتھ چھوڑ دیا اور آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگا۔ وہ بھی سنبھل سنبھل کر میرے ساتھ ساتھ چلی آرہی تھی۔

کانیج کا ہیولا اب واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔ فاصلہ پچیس تیس گز سے زیادہ نہیں تھا۔ میں چند قدم اور آگے بڑھ گیا۔ ایک پتھر میرے پیر سے ٹکرایا اور پُرشور آواز سے ڈھلان پر لڑھکتا چلا گیا اس پتھر کے ساتھ چھوٹے چھوٹے اور پتھر بھی لڑھک رہے تھے۔ میں سونیا کا ہاتھ پکڑ کر بڑی پھرتی سے زمین پر گر گیا تھا۔

چند لمحے گزر گئے لیکن کوئی ردِعمل سامنے نہیں آیا۔ ایک بار پھر گمبھیر سناٹا چھا گیا تھا۔ میں کچھ دیر تک اپنی جگہ پر پڑا رہا پھر سونیا کے ہاتھ کو ہلکا سا جھٹکا دے کر چھوڑ دیا اور اٹھ کر ڈھلان پر اترنے لگا۔

کانیج اب صرف دس گز کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ ہم ایک بڑے پتھر کی آڑ میں دبک گئے۔ میں گہری نظروں سے کانیج اور اس کے آس پاس دیکھتا رہا لیکن نہ تو کوئی نقل و حرکت محسوس ہوئی اور نہ ہی کوئی آواز سنائی دی۔ گہری تاریکی اور گمبھیر سناٹا تھا۔

یہ تو مجھے معلوم تھا کہ جب ہم یہاں سے روانہ ہوئے تھے تو جانکی کانیج کی بتی بجھا کر کچھ دور تاریکی میں بیٹھ گئی تھی۔ اس وقت بھی گہری تاریکی تھی اور کوئی سرگرمی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ایک لمحے کو میرے ذہن میں خیال آیا کہ شاید وہ فائرنگ یہاں نہیں ہوئی تھی۔ کہیں اور ہوئی ہوگی۔ اگر فائرنگ یہاں ہوئی ہوتی تو جانکی کے پکڑے جانے یا مارے جانے کی صورت میں بھی کانیج کے اندر یا اس کے آس پاس کسی نہ کسی قسم کی سرگرمی ضرور دکھائی دیتی۔ مسلسل خاموشی سے میرا یہ شبہ یقین میں بدلتا گیا کہ فائرنگ یہاں نہیں ہوئی تھی۔

جانکی کو اتنی جلدی ہماری واپسی کی توقع نہیں رہی ہوگی۔ اس نے پتھروں کے لڑھکنے کی آواز سنی ہوگی اور وہ تاریکی میں کہیں گھات لگائے بیٹھی ہوگی۔ میں مزید کچھ دیر تک اِدھر اُدھر تاریکی میں گھورتا رہا پھر سرگوشیانہ لہجے میں جانکی کو پکارنے لگا۔

"جانکی... جانکی... کہاں ہو تم...؟"

میری یہ سرگوشیانہ آواز بھی سناٹے میں دور تک پھیلتی چلی گئی مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے قدرے بلند آواز میں پکارا۔ اس مرتبہ بھی جواب میں خاموشی ہی رہی۔

"کہیں سو نہ گئی ہو۔" سونیا نے میری طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"یہ سونے کا وقت نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا "اور پھر ہم اسے سونے کے لیے تو یہاں چھوڑ کر نہیں گئے تھے۔"

"تھکن نے ہم سب کو نڈھال کر رکھا ہے۔ نیند تو چارپائی کے تختے پر بھی آجاتی ہے۔ ہوسکتا ہے وہ بھی بیٹھے بیٹھے اونگھ گئی ہو۔" سونیا نے کہا۔

اس کی بات میں کچھ وزن تھا۔ ہم سارا دن اونچے نیچے پہاڑی راستوں پر چلتے رہے تھے۔ شام کا اندھیرا پھیلنے سے ڈیڑھ دو گھنٹوں کے لیے پوست کے کھیت میں بیٹھے رہے تھے لیکن یہ وقت بھی ٹینشن میں گزرا تھا۔ جس سے اعصاب میں کچھ اور تناؤ سا پیدا ہوگیا تھا۔ محافظ لڑکی کانیج کے اندر بند کی ہوئی پڑی تھی۔ جانکی کو یہ اطمینان بھی ہوگا کہ کوئی دوسرا محافظ صبح سے پہلے اس طرف نہیں آئے گا اور عین ممکن ہے وہ کسی جگہ بیٹھے بیٹھے اونگھ گئی ہو۔

میں نے سونیا کو اشارہ کیا اور ہم دونوں اٹھ کر محتاط انداز میں کانیج کی طرف بڑھنے لگے۔ کسی بھی ناخوشگوار صورتِ حال سے نمٹنے کے لیے ہم دونوں نے رائفلیں تان رکھی تھیں۔

کانیج کے سامنے پہنچ کر میں نے ایک بار پھر جانکی کو پکارا مگر اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ اب میرا سکون رخصت ہونے لگا۔ ذہن میں طرح طرح کے خیالات اور وسوسے سر ابھارنے لگے۔

برآمدے میں قدم رکھتے ہی کسی چیز کو میرے پیر سے ٹھوکر لگی۔ میں نے جھک کر دیکھا۔ وہ رائفل تھی۔ میرے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ یہ رائفل جانکی کے سوا کسی اور کی نہیں ہوسکتی تھی لیکن وہ اپنی رائفل اس طرح برآمدے میں پھینک کر کہاں جاسکتی تھی۔

کانیج کے دونوں کمروں کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ میں اس کمرے میں داخل ہوگیا جہاں محافظ لڑکی کو باندھ کر ڈالا گیا تھا۔ میں نے بائیں طرف دیوار ٹٹول کر سوئچ آن کردیا۔

کمرے میں روشنی پھیل گئی اور اس کے ساتھ ہی میرا

دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ کمرے میں ہر طرف خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔

سونیا بھی کمرے میں آگئی تھی۔ ہر طرف پھیلا ہوا خون دیکھ کر اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ بھی وحشت زدہ سی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ لگتا تھا جیسے کسی کمرے کی شہ رگ پر چھری چلا کر چھوڑ دیا گیا ہو اور وہ تڑپتا ہوا پورے کمرے میں لوٹتا رہا ہو۔ دو طرف کی دیواروں پر بھی خون کے چھینٹے نظر آرہے تھے۔

اس محافظ لڑکی کو باندھ کر اسی کمرے میں ڈالا گیا تھا لیکن اب وہ غائب تھی۔ اسے جس رسی سے باندھا گیا تھا، وہ ایک طرف پڑی ہوئی تھی اور اس پر بھی خون کے دھبے نظر آرہے تھے۔ جانکی کا بیگ جو اس نے دیوار کے ساتھ چارپائی پر رکھا تھا، غائب تھا۔ برآمدے میں دروازے کے عین سامنے پڑی ہوئی رائفل جانکی ہی کی تھی۔

دائیں طرف فرش پر کوئی چیز چمکتی دیکھ کر سونیا اس طرف بڑھ گئی اور جھک کر وہ چیز اٹھالی۔ میں بھی اس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ جانکی کا خنجر تھا اور یہ وہی خنجر تھا جو تھالوب نے اسے دیا تھا۔ قریب ہی جانکی کا بیلٹ کلپ بھی پڑا ہوا تھا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ جانکی کا انجام کیا ہوا ہوگا۔ کمرے کے کونے میں پڑی ہوئی رسی دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ محافظ لڑکی نے کسی طرح اپنی بندشیں کھول لی ہوں گی اور پھر یہاں اور جانکی میں معرکہ ہوا ہوگا جس میں جانکی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔ اس کا خنجر بیلٹ کلپ اور برآمدے میں پڑی ہوئی رائفل تو یہی کہانی سنا رہی تھی لیکن جانکی کی لاش کہاں گئی؟ اور پھر چپوترے پر پڑے ہوئے ٹیلی فون پر نظر پڑتے ہی ساری بات میری سمجھ میں آگئی۔ محافظ لڑکی نے ٹیلی فون کرکے کسی دوسری پوسٹ سے اپنے ساتھیوں کو بلالیا ہوگا اور وہ جانکی کی لاش بھی اٹھا کر لے گئے تھے۔

اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ پہاڑی پر ہونے کا پروگرام میں نے اس لڑکی کے سامنے ہی بنایا تھا۔ ہوسکتا ہے اپنے ساتھیوں کو ضرور بتایا ہوگا کہ ہم واپس آئیں گے۔

یہ خیال آتے ہی میرے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ وہ لوگ کسی بھی وقت واپس آسکتے تھے۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ خاموش فضا اچانک ہی فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ کمرے کے کھلے ہوئے دروازے سے آنے والی زناٹے کی آواز سے میرے سر کے چند انچ اوپر سے گزری۔ میں نے سونیا کو ایک طرف دھکا دیتے ہوئے سوئچ بورڈ والی دیوار کی طرف چھلانگ لگا دی اور بڑی پھرتی سے سوئچ آف کردیا۔

میرا اندازہ درست نکلا تھا۔ وہ لوگ شاید ابھی ابھی پہنچے تھے۔ اگر پہلے سے کہیں آس پاس موجود ہوتے تو ہمیں کانیج میں داخل ہونے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ پہلی گولی چلنے کے بعد باہر سے شدید فائرنگ شروع ہوگئی تھی۔ گولیاں فرش پر اور سامنے دیوار پر لگ رہی تھیں۔ میں دروازے کے ایک طرف تھا اور سونیا دوسری طرف۔ برستی ہوئی گولیوں میں نہ وہ میری طرف آسکتی تھی اور نہ میں اس کی طرف جاسکتا تھا۔ ہم فائرنگ کا جواب بھی نہیں دے سکتے تھے۔ اس کے لیے دروازے کے سامنے آنا پڑتا اور دروازے کے سامنے آنے کا مطلب تھا کہ اپنے جسم کو چھلنی بنوالیا جائے۔

میں اپنی جگہ پر بے حس و حرکت پڑا کمرے کی تاریکی میں گھورنے لگا۔ اچانک میرے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ مجھے یاد آگیا کہ جس طرف سونیا تھی اس طرف دیوار میں ایک کھڑکی بھی تھی جو غالباً کانیج کے پچھلی طرف کھلتی تھی۔

"سونیا۔" میں نے سرگوشی کی "تمہاری طرف دیوار میں ایک کھڑکی ہے۔ اگر اسے کھول کر باہر نکل سکو تو ہم اس آفت سے پیچھا چھڑا سکتے ہیں۔"

"کوشش کرتی ہوں۔" سونیا نے جواب دیا۔

باہر سے اب بھی فائرنگ ہو رہی تھی۔ میں نے بھی ذرا سا آگے رینگ کر اپنی رائفل کی نال کا رخ دروازے کی طرف کرکے ٹریگر دبا دیا۔ تڑتڑاتی ہوئی کئی گولیاں باہر کی کھلی فضا میں گونج پیدا کرتی چلی گئیں لیکن ظاہر ہے یہ گولیاں حملہ آوروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تھیں۔

باہر سے ہونے والی فائرنگ سے میں نے اندازہ لگایا تھا کہ حملہ آوروں کی تعداد دو تھی اور مجھے ڈر تھا کہ ان کے مزید ساتھی نہ پہنچ جائیں اس لیے میں کسی ایسی صورتِ حال سے پہلے ہی سونیا کو لے کر یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

گولیوں کے شور میں چرچراہٹ کی ہلکی سی آواز سن کر میں چونک گیا۔ مجھے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ سونیا نے کھڑکی کھول لی تھی۔

"میں باہر نکل رہی ہوں۔" مجھے سونیا کی آواز سنائی دی "کوشش کرتی ہوں کہ ان کی توجہ بٹا سکوں تاکہ تمہیں بھی نکلنے کا موقع مل سکے۔"

میں اس طرف دیکھنے لگا۔ مجھے کھلی ہوئی کھڑکی میں سونیا کا ہیولا سا دکھائی دیا اور پھر وہ آہستگی سے باہر کود گئی۔

ٹھیک ایک منٹ بعد کانیج کے دائیں طرف سے فائرنگ

کی آواز سنائی دینے لگی۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ سونیا کانچ کے اوپر سے جھوم کر اس طرف چلی گئی تھی اور اس نے حملہ آوروں پر فائر کھول دیا تھا۔

نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ دروازے کی طرف فائرنگ بند ہوگئی۔ فائرنگ کا رخ بدلتے ہی میں اپنی جگہ سے اچھلا اور دوڑ کر کھڑکی پر چڑھ گیا اور پھر تیس سیکنڈ سے بھی کم وقفے میں' میں سونیا کے پاس پہنچ چکا تھا لیکن میں وہاں رکا نہیں۔ پتھروں کی آڑ لیتا ہوا کانچ سے کچھ دور چلا گیا اور اس طرف سے حملہ آوروں پر فائر کھول دیا۔

مجھے مایوسی نہیں ہوئی۔ پہلا برسٹ مارتے ہی گولیوں کی آواز کے ساتھ ایک انسانی چیخ بھی فضا میں گونج اٹھی تھی۔ ان دونوں حملہ آوروں میں سے ایک یا تو ختم ہوگیا تھا یا زخمی ہو کر گرا تھا کیونکہ جس جگہ سے چیخ سنائی دی تھی' وہاں سے فائرنگ بند ہوگئی تھی لیکن دوسرے نے تابڑ توڑ فائرنگ جاری رکھی تھی۔

میں دوڑتا ہوا ایک بار پھر سونیا کے قریب آگیا اور حملہ آور کی طرف ایک بھرپور برسٹ مار دیا۔ دوسری طرف سے فائرنگ رک گئی۔ حملہ آور یا تو دبک گیا تھا یا اپنی پوزیشن بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سونیا تم....."

میں کہتے کہتے رک گیا۔ میری نظر دائیں طرف متحرک روشنیوں پر پڑ گئی تھی۔ وہ کوئی گاڑی تھی جو ناہموار راستے پر اچھلتی ہوئی اسی طرف آرہی تھی۔

"اب ہم یہاں نہیں رک سکتے سونیا۔" میں نے گاڑی کی طرف اشارہ کیا "اس سے پہلے کہ اس گاڑی پر آنے والے محافظ ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیں ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

میں نے سامنے کی طرف ایک اور برسٹ مار دیا اور سونیا کا ہاتھ پکڑ کر کانچ کے پچھلی طرف دوڑ لگا دی۔ اس طرف پگڈنڈی کی طرح ایک کٹاؤ سا تھا جو پہاڑی پر اوپر تک چلا گیا تھا۔ میں سونیا کا ہاتھ پکڑے اس کٹاؤ میں اوپر کی طرف دوڑتا چلا گیا۔

تقریباً پچاس گز تک یہ کٹاؤ بالکل سیدھا چلا گیا تھا پھر دائیں طرف مڑ گیا۔ میرے خیال میں یہ قدرتی کٹاؤ بارشوں کے پانی کی وجہ سے بن گیا تھا جسے عام حالات میں پگڈنڈی کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ موڑ پر گھومنے سے پہلے میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ جیپ کانچ کے قریب رک چکی تھی اور پانچ چھ محافظ نیچے اتر کر ادھر ادھر دوڑتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ جیپ کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں ان سب کے ہاتھوں میں سب مشین گنیں نظر آرہی تھیں۔

اچانک سونیا کا پیر رپٹ گیا۔ وہ لڑکھڑا کر گری۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ کئی چھوٹے چھوٹے پتھر اس کے پیروں سے نکل کر ڈھلان پر لڑھک رہے تھے۔

سونیا کی چیخ اور پتھروں کے لڑھکنے کی آوازوں سے وہ اس پگڈنڈی پر ہماری موجودگی سے آگاہ ہوگئے اور پھر دوسرے ہی لمحے روشنی کی لاتعداد لکیریں ہماری طرف لپکتی ہوئی نظر آئیں۔ اس کے ساتھ ہی فضا تڑتڑاہٹ کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔ گولیاں ہمارے آس پاس گرنے لگیں۔

میں نے سونیا کا ہاتھ پکڑ کر اوپر گھسیٹ لیا اور کٹاؤ کا موڑ گھوم کر دوڑنے لگے۔ یہ کٹاؤ کسی تنگ سے درّے کی طرح تھا۔ دونوں طرف دیواریں سی اٹھی ہوئی تھیں۔ اس کٹاؤ میں ہم اگرچہ گولیوں سے محفوظ تھے لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ وہ لوگ پہاڑی پر چڑھ کر ہمیں آگے سے گھیرنے کی کوشش نہ کریں۔ اس لیے میں جلد از جلد زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتا تھا۔

ایک گھنٹے میں ہم دوسری مرتبہ اس پہاڑی پر چڑھ رہے تھے۔ سونیا بری طرح ہانپ رہی تھی لیکن وہ میرے ساتھ دوڑتی رہی۔ جب موت تعاقب میں لگی ہو تو رکنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے تعاقب میں پہاڑی پر چڑھتے ہوئے محافظ اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے اور میرے خیال میں وہ اپنا ایمونیشن ضائع ہی کر رہے تھے کیونکہ جس طرف فائرنگ ہو رہی تھی ہم وہاں سے بہت دور تھے۔

ایک جگہ پر ہم اس دراڑ نما پگڈنڈی سے نکل آئے اور بائیں طرف مڑ کر درختوں کی طرف دوڑنے لگے۔ سونیا اب بار بار لڑکھڑا رہی تھی۔ اگر میں نے اس کا ہاتھ نہ پکڑ رکھا ہوتا تو وہ بہت پہلے گر چکی ہوتی لیکن اب اس کی ہمت بالکل جواب دے گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر لڑکھڑائی اور میں کوشش کے باوجود اسے نہ سنبھال سکا۔ وہ ایک جھٹکے سے ہاتھ چھوڑ کر زمین پر جھکتی چلی گئی۔

میرا بھی سانس پھول گیا تھا۔ میں اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ہمارا تعاقب کرنے والے بہت دور رہ گئے تھے اور میرے خیال میں چند منٹ یہاں رک کر سستا لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ میں نے سونیا کی طرف دیکھا۔ وہ دو زانو بیٹھی آگے کو جھکی ہوئی دونوں ہاتھ زمین پر ٹکا رکھے تھے۔ اس کے منہ سے کف بہ رہا تھا۔ میں بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

تین چار منٹ گزر گئے۔ سونیا اپنی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پا چکی تھی اور پھر اچانک نشیب میں پتھروں کے لڑھکنے کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ میں نے ایک دم رائفل اٹھالی اور تاریکی میں گھورنے لگا۔ تقریباً سو گز نیچے جھاڑیوں میں دو ہیولے سے حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیے۔ میرا اندیشہ درست نکلا تھا۔ وہ ہمارے تعاقب میں تو تھے ہی' آگے سے بھی گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"سونیا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی "وہ لوگ اس طرف سے بھی آرہے ہیں۔ آگے روانگی کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

سونیا نے بھی رائفل اٹھالی۔ پتھروں کے لڑھکنے کی آواز اس نے بھی سن لی تھی اور غالباً ان ہیولوں کو دیکھ بھی لیا تھا۔ اس نے جیسے ہی رائفل سیدھی کی' میں نے اسے روک دیا۔

"گولیاں ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نمٹ لیتا ہوں ان سے۔"

وہ دونوں ہیولے جھاڑیوں میں تھے اور جیسے ہی ذرا اوپر آئے میں نے فائر کھول دیا۔ کئی گولیاں سنسناتی ہوئی ان کی طرف لپکیں۔ فائرنگ کی آواز کے ساتھ ہی خوفناک چیخیں بھی سنائی دی تھیں اور وہ دونوں ہیولے ڈھلان پر لڑھکتے چلے گئے۔

سونیا اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ہم تیزی سے ایک طرف دوڑنے لگے۔ فائرنگ سے دوسرے محافظوں کو یہ نشان دہی ہوگئی تھی کہ ہم کہاں ہیں اس لیے میں وہاں سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتا تھا۔ تاریکی میں اس طرح دوڑنے سے کوئی خوفناک حادثہ بھی پیش آسکتا تھا مگر حادثے کی پروا کسے تھی۔

ہم پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ نشیب میں ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ہم اس طرف ڈھلان پر اترنے لگے۔ ہمارا تعاقب کرنے والے محافظ یقیناً یہ سوچیں گے کہ ہم آبادی کی طرف جانے کی حماقت نہیں کریں گے۔ وہ ہمیں دوسرے نواح میں تلاش کرتے رہیں گے۔

وہ آبادی بھی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ بیس بائیس گھر یا جھونپڑے تھے اور روشنیوں سے پتا چل رہا تھا کہ وہ گھر ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر تھے اور انہی میں سے کسی ایک گھر میں وہ ادارا وغیرہ بھی موجود تھے اور یقیناً تھائی بھی ان کی قید میں تھی۔

یہ پہاڑیاں سخت چٹانوں پر مشتمل نہیں تھی۔ بھربھری زمین تھی اور کہیں بڑے بڑے پتھر تھے۔ یہاں جھاڑیوں کی بھی بہتات تھی۔ ہم کسی حادثے سے بے نیاز بڑی تیزی سے نیچے جا رہے تھے۔ میں نے اب بھی سونیا کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا لیکن ایک جگہ میرا پیر رپٹ گیا۔ سنبھلنے کی کوشش میں سونیا کا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ وہ بھی لڑکھڑا کر گری اور بڑی تیزی سے ڈھلان پر لڑھکتی چلی گئی۔ میں سنبھل کر اس کی طرف لپکا اور بروقت اسے پکڑ لیا۔ اگر تھوڑی دیر ہو جاتی تو وہ آگے پڑے ہوئے پتھر سے ٹکراتی۔

پہاڑی کی چوٹی پر سے آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ تین چار ہیولے حرکت کرتے ہوئے نظر آئے۔ میں سونیا کے ساتھ پتھر کے قریب دبک کر بیٹھ گیا۔ ہماری معمولی سی حرکت انہیں ہماری طرف متوجہ کر سکتی تھی۔ وہ سائے دوسری طرف چلے گئے۔ انہوں نے شاید سوچ لیا تھا کہ ہم بستی کا رخ نہیں کرسکتے۔

ہم چند منٹ اپنی جگہ پر بیٹھے رہے پھر مطلع صاف پا کر ڈھلان پر اترنے لگے۔ اس مرتبہ ہم ذرا محتاط ہوگئے تھے۔

ہمارا رخ ان روشنیوں کے دائیں طرف تھا۔ جہاں الگ تھلگ صرف بلب کی روشنی چمکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی اور وہ روشنی اب ہم سے تقریباً دو سو گز دور تھی۔ ہم اس کے دائیں طرف بڑھتے رہے۔ ہم جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے' جھاڑیاں اور درخت گنجان ہوتے جا رہے تھے۔ میرا خیال تھا کہ ہمیں انہی درختوں میں چھپنے کی کوئی جگہ مل جائے تو ہم کچھ دیر وہاں رک کر اپنے اگلے اقدام کی منصوبہ بندی کرسکتے تھے۔

بالآخر ہمیں ایک ایسی جگہ مل گئی اور وہ جگہ بھی محض اتفاق سے ملی تھی۔ ہم گنجان جھاڑیوں کے ساتھ چل رہے تھے کہ سونیا کا پیر پھسل گیا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکا اور وہ جھاڑیوں میں لڑھکتی ہوئی دوسری طرف ڈھلان میں جا گری۔ میں نے بھی اس کے پیچھے ہی چھلانگ لگا دی۔

یہ تقریباً آٹھ فٹ گہری اور کشادہ سی گھاٹی تھی۔ ہمارے ایک طرف پہاڑی کی عمودی بلند دیوار سی تھی اور دوسری طرف آٹھ فٹ اونچی وہ جگہ۔ جہاں سے ہم نیچے آئے تھے۔ ہم اس کھائی سے باہر نکلنے کے بجائے اس کے اندر ہی اندر چلتے رہے۔

بائیں طرف والی بلندی ٹیلے کی طرح بتدریج ڈھلان اختیار کرتی ہوئی زمین کی سطح کے برابر آگئی تھی۔ وہاں سے اب بستی کی روشنیاں پھر صاف نظر آنے لگی تھیں۔ دائیں

طرف پہاڑی کے ساتھ ساتھ گھنی شاخوں والے گنجان درخت تھے اور انہی درختوں کے جھنڈ کے پیچھے وہ تنگ سا غار تھا جو اتفاق سے ہماری نظروں میں آگیا تھا۔ درخت زیادہ اونچے نہیں تھے۔ ان کی گھنی شاخیں اس طرح ایک دوسرے میں الجھی اور پھیلی ہوئی تھیں کہ غار کا دہانہ مکمل طور پر چھپ گیا تھا۔

غار میں داخل ہو کر سونیا نے کندھے سے بیگ اتار کر ٹارچ نکال لی اور میرے ہاتھ میں دے دی۔ میں نے صرف ایک سیکنڈ کے لیے ٹارچ روشن کی اور جائزہ لیتے ہی سونیا کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ ٹارچ کی روشنی میں، میں نے دیکھ لیا تھا کہ چند گز آگے وہ غار دائیں طرف مڑ گیا تھا۔

میں دیوار ٹٹولتا ہوا اس طرف مڑ گیا اور چند قدم آگے بڑھ کر ٹارچ بجھا لی۔ اب باہر سے روشنی دیکھے جانے کا خطرہ نہیں تھا۔ میں ٹارچ کی روشنی میں غار کا جائزہ لینے لگا۔ لمبائی تقریباً دس فٹ اور چوڑائی کہیں سے چھ فٹ اور کہیں سے آٹھ اور نو فٹ بھی تھی۔ چھت زیادہ اونچی نہیں تھی۔ میں ہاتھ اٹھا کر اسے آسانی سے چھو سکتا تھا۔ فرش پر کنکریٹ پتھر وغیرہ نہیں تھے البتہ دھول جمی ہوئی تھی۔ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ غار کبھی استعمال میں رہا ہوگا لیکن فرش پر جمی ہوئی دھول بتا رہی تھی کہ کافی عرصے سے یہاں کوئی نہیں آیا تھا۔

سونیا نے بیگ فرش پر رکھ دیا اور دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس نے ٹانگیں پسار لی تھیں۔ میں بھی اس کے قریب ہی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ جگہ ہمارے لیے محفوظ تھی۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہم بستی کے اتنا قریب کسی جگہ پناہ لیے ہوئے ہوں گے۔ میں نے ایک بار پھر ٹارچ کی روشنی میں غار کا جائزہ لیا۔ یہاں زہریلے کیڑے مکوڑوں کا بھی کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اگر کیڑے مکوڑے ہوتے تو فرش پر بچھی ہوئی دھول پر آڑی ترچھی لکیریں سی ضرور ہوتیں۔

اس بھاگ دوڑ نے ہمیں بری طرح تھکا دیا تھا اور یہ تو ابھی ابتدا تھی۔ ابھی تو کھیل شروع ہوا تھا۔ یہ ابتدائی راؤنڈ تھا اور میری دیرینہ ساتھی جانکی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی۔ حالات و شواہد تو یہی بتاتے تھے کہ اسے ختم کر دیا گیا تھا لیکن نجانے کیوں، مجھے اس کی موت کا یقین کیوں نہیں آ رہا تھا۔

آدھا گھنٹا گزر گیا۔ غار کے باہر والے دہانے کی طرف سے حشرات الارض کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، اس کے سوا اور کوئی آواز نہیں تھی۔

"سونیا۔" میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا "تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی۔ چاہو تو بیگ میں سے کچھ نکال کر کھا لو۔"

"نہیں۔ بالکل دل نہیں چاہ رہا۔" سونیا نے جواب دیا "میں تو جانکی کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں۔ مجھے بھی اس کے ساتھ کانیج میں رہ جانا چاہیے تھا لیکن نجانے کیوں میرا دل نہیں مان رہا۔"

"دل تو میرا بھی نہیں مان رہا لیکن برآمدے میں پڑی ہوئی جانکی کی رائفل، کمرے میں بکھرا ہوا خون اور جانکی کا کلپ۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہو گیا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا "میرا اندازہ ہے کہ اس محافظ لڑکی نے کسی طرح رسّی کھول لی ہوگی اور جانکی نے اس پر قابو پانے کی کوشش کی تو خود اس کی گرفت میں آ گئی۔ وہ محافظ لڑکی تربیت یافتہ ہوگی جبکہ جانکی میں اس طرح دو بدو لڑنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ بے چاری مار کھا گئی۔"

سونیا گہرا سانس لے کر رہ گئی۔ کچھ دیر تک ہم خاموش بیٹھے رہے پھر میں اپنی رائفل اٹھا کر غار کے باہر والے دہانے کے قریب آ گیا۔ دہانے کے سامنے گنجان شاخوں والے درخت تھے۔ جنہوں نے غار کے دہانے کو پوری طرح ڈھانپ رکھا تھا۔ میں نے درختوں کی شاخوں سے دیکھنے کی کوشش کی۔ بستی کے کسی کانیج کی روشنی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ میں نے رائفل کی نال سے شاخیں ایک طرف ہٹا کر تھوڑا سا خلا پیدا کیا تو وہ بکھری ہوئی روشنیاں دکھائی دینے لگیں۔ قریب ترین روشنی غار سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھی۔ اور یہ غالباً اسی کانیج کی روشنی تھی جو دوسروں سے بہت الگ تھلگ تھا اور جسے میں نے شروع ہی سے نگاہ میں رکھا تھا۔ میں چند لمحے شاخوں سے باہر جھانکتا رہا پھر واپس آ گیا۔ اب مجھے اطمینان ہو گیا تھا۔ یہ غار ہمارے لیے سب سے محفوظ جگہ تھی۔ میں واپس آ کر سرگوشیوں میں سونیا کو صورتِ حال سے آگاہ کرنے لگا۔

"اب مجھے اطمینان ہو گیا ہے۔ میں سونا چاہتا ہوں۔ تھکن سے میرا بدن چُور ہو رہا ہے۔ مجھ سے اب بیٹھا نہیں جا رہا۔ میں سو رہا ہوں۔" سونیا نے کہا اور دیوار سے ذرا ہٹ کر لیٹ گئی اور جب اس نے اپنا سر میری گود میں رکھا تو میرے جسم میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑتی چلی گئی۔

سونیا لیٹتے ہی سو گئی تھی۔ میں اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا اور پھر میرا ہاتھ بے اختیار حرکت میں آیا اور میں اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔

سرور اور سنسنی کی ملی جلی سی کیفیت تھی جس نے مجھے

پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا کہ میں کتنی دیر تک اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتا رہا تھا۔ سونیا کسمسائی اور اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے ہاتھ پر اس کے ہاتھ کا ہلکا سا بوجھ محسوس کیا۔ اس نے میرا ہاتھ سر سے ہٹا کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ سانس رکنے لگا اور دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ سینے میں آگ سی بھر گئی تھی۔ میں اپنا ہاتھ پیچھے ہٹانا چاہتا تھا لیکن نیت میں ارادے کو دخل نہیں تھا۔

سونیا نے میری گود سے سر ہٹا لیا اور اس کے ساتھ ہی مجھے پکڑ کر گرا دیا اور پھر میں اپنے حواس کھو بیٹھا۔

طوفان گزر گیا تو میں جیسے ہوش میں آ گیا۔ وہ سب کچھ ہو گیا تھا جس کا میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ عجیب سے جذبات کا تلاطم خیز سیلاب تھا جو مجھے تنکے کی طرح بہا لے گیا تھا۔ جانکی بھی مجھے کسی ایسے ہی طوفان میں دھکیلنے کی کوشش کرتی رہی تھی لیکن جو کام وہ برسوں میں نہیں کر سکی تھی وہ کام سونیا پہلا موقع ملتے ہی کر گزری تھی۔ مجھے اپنے کردار پر بڑا فخر تھا۔ جانکی کی ہر کوشش ناکام رہی تھی۔ تھائی کئی مرتبہ میرے سامنے بے لباس ہوئی تھی۔ کئی اور لڑکیاں میرے کردار کی چوٹی کو سر کرنے کی کوشش کر چکی تھیں مگر انہیں مایوسی اور نامرادی کے سوا کچھ نہیں ملا تھا اور سونیا نے مجھے چاروں خانے چت کر دیا تھا۔ میری اَنا کا بھرم ٹوٹ گیا تھا۔ اگرچہ اس میں میری نیت اور میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں تھا لیکن پھر بھی میں اپنے آپ کو بے قصور اور بے گناہ نہیں سمجھتا تھا۔ سونیا نے جب میری گود میں سر رکھا تھا تو مجھے اسی وقت مزاحمت کرنی چاہیے تھی لیکن وہ سب کچھ ہو گیا جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔

میں یہ سب کچھ سوچتا رہا اور میرے دماغ میں آندھیاں سی چلتی رہیں پھر نجانے کب میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

سونیا نے مجھے جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ غار میں تاریکی تھی۔ میرے خیال میں اب بھی رات ہی تھی لیکن سونیا نے ٹارچ جلا کر میری کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالی تو میں چونک گیا۔ ان کے گیارہ بج رہے تھے۔

میں نے غار سے نکل کر درختوں کی شاخوں سے جھانکا تو باہر میں تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ رات کو روشنیاں دیکھ کر میں نے جو اندازہ قائم کیا تھا وہ درست ثابت ہوا۔ دور دور تک بکھرے ہوئے کانیجز کی تعداد بیس بائیس سے زیادہ نہیں تھی۔ قریب ترین کانیج وہی تھا جس کے بارے میں، میں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ چند ایک کے علاوہ تمام کانیج یہاں سے نظر آ رہے تھے اور وہ مذکورہ کانیج تو میری نظروں کے بالکل سامنے تھا۔ اس کا فرنٹ دوسری طرف تھا اور عقبی حصہ ہماری طرف۔

میں دیر تک اس طرف دیکھتا رہا پھر واپس آ گیا۔ سونیا بیگ میں سے ایک ڈبا نکال کر کھول چکی تھی۔ ٹارچ کی روشنی میں ہم نے کھانا کھایا اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ہم اس اندرونی غار سے نکل کر باہر والے غار کے دہانے کے قریب بیٹھ گئے۔ باہر اگرچہ تیز دھوپ تھی لیکن غار کے سامنے گنجان درختوں کی وجہ سے اندر اندھیرا سا تھا۔

سرگوشیوں میں باتیں کرتے ہوئے ایک موقع پر سونیا نے اشارتاً رات والے واقعے کا ذکر بھی کیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی لیکن میں نے کچھ کہنے کے بجائے منہ پھیر لیا تھا۔

میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد درختوں کی شاخیں ہٹا کر باہر بھی جھانک لیتا تھا اور پھر ایک مرتبہ میں چونک گیا۔ ایک عورت بچے کو گود میں لیے اس کانیج کے عقب میں سبزیوں کی کیاری میں گھوم رہی تھی۔ اس بچے کی عمر چھ مہینے سے زیادہ نہیں تھی۔

اس کے دو گھنٹوں بعد میں نے کمانڈو ڈریس میں ایک آدمی کو بھی وہاں دیکھا تھا۔ سہ پہر پانچ بجے تک وہ دونوں کئی مرتبہ وہاں نظر آئے تھے۔ ہمیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ دونوں میاں بیوی تھے اور ان کے سوا کانیج میں اور کوئی نہیں تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے کے تقریباً ایک گھنٹے بعد میں اور سونیا اس غار سے نکل آئے۔ میں نے جو منصوبہ بنایا تھا، اس میں ناکامی کی صورت میں اذیت ناک موت ہی ہمارے حصے میں آتی لیکن کامیابی کی صورت میں ہم دارا اور اس کے ساتھیوں پر بھی ہاتھ ڈال سکتے تھے۔

کانیج کے سامنے والے رخ پر بتی جل رہی تھی جبکہ پچھلی طرف اندھیرا تھا۔ ہم رائفلیں سنبھالے دبے قدموں آگے بڑھتے رہے۔ کانیج کے عقب میں پہنچ کر ہم رک گئے۔ ایک کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ میں نے کھڑکی کے شیشے سے جھانک کر دیکھا۔ وہ عورت اور مرد بیڈ پر لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان میں بچہ لیٹا ہوا تھا اور وہ دونوں بچے سے کھیل رہے تھے۔ میں نے سونیا کو اشارہ کیا۔ وہ عقبی دروازے کے قریب پہنچ گئی اور ہولے ہولے دستک دینے لگی۔

بیڈ پر لیٹے ہوئے اس آدمی نے چونک کر بیوی کی طرف

دیکھا۔ دونوں کی آنکھوں میں الجھن سی تھی۔ اس آدمی نے بیڈ سے اٹھ کر دائیں طرف والی دیوار پر کپڑوں کے ساتھ لٹکے ہوئے ہولسٹر سے ریوالور نکالا اور اس کمرے سے نکل کر دوسری طرف چلا گیا۔ چند سیکنڈ بعد عقبی دروازے پر اندر سے اس کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں۔ دروازہ کھولو۔" سونیا نے کھانستے ہوئے جواب دیا۔

اس آدمی نے پتا نہیں کیا سمجھ کر دروازہ کھول دیا اور پھر روشنی میں سونیا کو دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ اس نے ریوالور والے ہاتھ کو حرکت دینے کی کوشش کی مگر میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر رائفل کی نال اس کی کھوپڑی سے لگادی۔

"حرکت مت کرنا' کھوپڑی اڑا دوں گا۔" میرے حلق سے غراہٹ نکلی۔ وہ آدمی بری طرح بد حواس ہوگیا۔ سونیا نے بڑے اطمینان سے اس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا اور ہم دونوں اسے دھکیلتے ہوئے اندر آگئے۔ سونیا نے دروازہ بند کردیا۔

جب ہم دوسرے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ عورت بھی ہمیں دیکھ کر اچھل پڑی۔ اس کے چہرے پر خوف کے سائے لہرا گئے۔ اس نے جلدی سے بچے کو اٹھا کر اپنے سینے سے لپٹالیا۔

"ہم تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔" میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہمیں ایک دو روز کے لیے یہاں پناہ چاہیے۔ اگر تعاون کرو گے تو محفوظ رہو گے۔ بصورتِ دیگر....." میں نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اوہ۔" اس آدمی کے منہ سے بے اختیار نکلا "تم دونوں شاید اسی عورت کے ساتھی ہو جو پہاڑی کے دوسری طرف کانیج میں ہمارے ایک گارڈ کو قتل کرکے فرار ہوئی ہے لیکن تم لوگ بچ نہیں سکو گے۔ پورے ٹرائی اینگل میں تم لوگوں کی تلاش ہو رہی ہے۔"

میں اس کی بات سن کر اچھل پڑا۔ وہ یقیناً جانکی کی بات کر رہا تھا۔ اس کی بات سے اندازہ ہوا تھا کہ جانکی زندہ ہے اور اس کانیج میں محافظ لڑکی کو قتل کرکے بھاگ گئی تھی۔ کمرے کے فرش پر بکھرا ہوا خون اس کا نہیں تھا لیکن اس کی رائفل، خنجر اور ہیٹر کلپ..... بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ میں اس آدمی سے سوالات کرتا رہا لیکن وہ زیادہ نہیں جانتا تھا۔ اسے صرف اتنا معلوم تھا کہ محافظ لڑکی نے فون پر بستی کے کنٹرول روم کو اطلاع دی تھی کہ تین افراد نے اسے قیدی بنالیا ہے جن میں ایک مرد اور دو عورتیں ہیں۔ ایک عورت اور ایک آدمی تو کہیں چلے گئے ہیں اور تیسری عورت کانیج کی نگرانی کر رہی ہے اور وہ خود موقع پاکر کنٹرول روم کو اطلاع دے رہی ہے۔ اس آدمی کے کہنے کے مطابق جب قریبی پوسٹ سے دو محافظ وہاں پہنچے تو کانیج کی نگرانی کرنے والی عورت محافظ لڑکی کو قتل کرکے فرار ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ محافظوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہوگئی اور محافظ دیر تک اندھیرے میں گولیاں چلاتے رہے اور بالآخر محافظ لڑکی کی برہنہ لاش لے کر واپس آگئے۔ بعد میں مزید محافظوں کو وہاں بھیجا گیا۔ وہ ٹھیک وقت پر وہاں پہنچے تھے۔ منصور عورت کے دوسرے دو ساتھی وہاں موجود تھے لیکن زبردست مقابلے کے بعد فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ جانکی زندہ ہے لیکن یہ پریشانی لاحق ہوئی کہ وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

یہ دونوں میاں بیوی تھے۔ مرد کا تعلق برما سے تھا اور عورت چینی تھی۔ ان دونوں کا ماضی سنگین جرائم کی گندگی سے آلودہ تھا۔ قانون سے بچنے کی کوشش میں یہ اپنے اپنے ملک میں جنرل کھوراٹ کے ایجنٹوں کے ہاتھ لگ گئے جنہوں نے انہیں یہاں بھیج دیا۔ انہیں بڑے سبز باغ دکھائے گئے تھے مگر یہاں آکر یہ زندگی بھر کے لیے قیدی بن کر رہ گئے تھے۔

گولڈن ٹرائی اینگل میں ایک ساتھ ڈیوٹی دیتے ہوئے انہوں نے ایک دوسرے کو پسند کرلیا اور دو سال پہلے شادی کرلی۔ شادی کی کوئی مذہبی رسم ادا نہیں ہوئی تھی۔ دو چار ساتھیوں کی موجودگی میں انہوں نے ایک دوسرے کو میاں بیوی کی حیثیت سے قبول کرلیا تھا۔ ٹرائی اینگل میں ایسی شادیوں کی کئی اور مثالیں بھی موجود تھیں۔

اس آدمی کا نام بوما اور عمر چالیس کے لگ بھگ تھی جبکہ عورت کی عمر تیس بتیس سال اور نام ہوفا تھا۔ وہ خاصی حسین عورت تھی۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے۔ بیوی اور بچے کو میری رائفل کی زد پر دیکھ کر بوما ہم سے تعاون کرنے پر آمادہ ہوگیا۔

وہ رات ہم نے جس طرح گزاری تھی' میں ہی جانتا ہوں۔ ان دونوں کی طرف سے خطرہ تو بہرحال تھا۔ اسی لیے میں اور سونیا رات کو باری باری جاگ کر ان کی نگرانی کرتے رہے تھے۔

ہوفا نے بچے کی وجہ سے لمبی رخصت لے رکھی تھی لیکن بوما کو بہرحال صبح ڈیوٹی پر جانا تھا۔

"اگر میں ڈیوٹی پر نہیں گیا تو میرے ساتھیوں کو شبہ ہوجائے گا اور کوئی نہ کوئی معلوم کرنے کے لیے اس طرف ضرور آئے گا۔ ایسی صورت میں....."

"تم ڈیوٹی پر ضرور جاؤ گے۔" میں نے کہا "لیکن اگر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو ان دونوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔" میں نے ہوفا اور بچے کی طرف اشارہ کیا "اور تم ہمارا ایک کام بھی کرو گے۔ تمہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ تھائی لینڈ سے آنے والے جنرل کھوراٹ کے مہمان کس کانیج میں مقیم ہیں۔ ان کی تعداد کیا ہے اور یہ کہ ان کے ساتھ تھائی نام کی عورت کس حال میں ہے۔"

بوما نے اثبات میں سر ہلایا اور بیوی اور بچے کی طرف دیکھتا ہوا باہر چلا گیا۔ وہ دن بھی ہم نے بڑی اذیت میں گزارا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ بوما نے اگر ہمارے بارے میں بتا دیا تو ہمیں اس کانیج میں گھیر کر چوہوں کی طرح ختم کردیا جائے گا لیکن بوما کو واقعی بیوی اور بچے سے محبت تھی۔

وہ شام چھ بجے کے قریب واپس آیا۔ اس سے حاصل ہونے والی اطلاعات بڑی تشویش ناک تھیں۔ دارا' لم اور چی فانگ کے ساتھ ایک جوان اور حسین عورت بھی تھی جسے انہوں نے عیاشی کے لیے اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ وہ اسے تھائی لینڈ ہی سے لے کر آئے تھے۔ تھائی کے بارے میں بوما نے بتایا کہ وہ بیمار ہے۔ ہر وقت پڑی رہتی ہے۔ دوسری تشویش ناک اطلاع یہ تھی کہ ہمیں گولڈن ٹرائی اینگل میں دور دور تک تلاش کیا جارہا تھا۔ دونوں طرف دریاؤں کی مکمل طور پر ناکا بندی کروی گئی تھی تاکہ ہم فرار ہونے کی کوشش نہ کرسکیں۔ جنرل کھوراٹ کو بھی اس سارے ہنگامے کی اطلاع مل چکی تھی۔ وہ فون پر بستی میں اپنے نائب کو ہدایات دیتا رہتا تھا۔ اس کی ہدایت پر دارا وغیرہ کی حفاظت کے انتظامات بھی کردیے گئے تھے۔

بوما کے کانیج میں ہمیں پناہ لیے ہوئے تیسرا دن تھا۔ کسی کو شبہ نہیں ہوا' کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جن لوگوں کو تلاش کیا جارہا ہے وہ انہی کے گھر میں گھسے بیٹھے ہیں۔

بوما اور ہوفا سے ہمیں اور بھی بہت سی باتیں معلوم ہوئی تھیں۔ اس بستی کے دوسری طرف ہیروئن اور دیگر منشیات تیار کرنے کی دو فیکٹریاں تھیں۔ ٹرائی اینگل میں ایسی کئی فیکٹریاں تھیں جن میں ہیروئن اور مارفین وغیرہ تیار ہوتی تھی۔

وہ چوتھا روز تھا۔ شام چھ بجے کے قریب بوما واپس آیا تو اس کی چال میں لنگڑاہٹ تھی اور چہرے پر زردی کھنڈ رہی تھی۔ اس کی پنڈلی پر کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا تھا۔ پنڈلی کا وہ حصہ سیاہ پڑ چکا تھا اور ٹانگ سوجتی جارہی تھی۔ درد کی لہریں اسے بے چین کیے دے رہی تھیں۔ چہرے پر کرب نمایاں تھا۔

"اس کا صرف ایک علاج ہے۔" ہوفا نے ایک بوٹی کا نام لیتے ہوئے کہا "اس کا رس متاثرہ حصے پر لگا دیا جائے تو زہر کا اثر ختم ہوجائے گا بصورتِ دیگر زہر پورے جسم میں پھیل جائے گا اور یہ زندہ نہیں بچے گا۔"

ہوفا کے لہجے اور چہرے کے تاثرات سے میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ شوہر کے لیے کتنی پریشان تھی۔

"یہ بوٹی کہاں سے ملے گی؟" میں نے پوچھا۔

"کانیج کے پچھواڑے تھوڑے ہی فاصلے پر مل جائے گی۔ اگر تم اجازت دو تو میں جاکر تلاش کروں؟" ہوفا نے کہا۔

"چلو۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔" میں نے کہا۔

اس وقت شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں نے سونیا کو محتاط رہنے کا اشارہ کیا اور ہوفا کے ساتھ کانیج کے عقبی دروازے سے باہر آگیا۔ میں نے اپنے رائفل کی زد پر لے رکھا تھا۔

کانیج کے عقب میں سبزیوں والی کھیتی سے نکل کر ہم تیس پینتیس گز اور آگے نکل گئے۔ ہوفا درختوں کے نیچے جھاڑیوں میں اپنی مطلوبہ بوٹی تلاش کر رہی تھی۔ وہ جھک کر چل رہی تھی اور مختلف بوٹیوں کے پتوں کو چھو چھو کر دیکھ رہی تھی۔

"مل گئی۔" وہ پُرجوش لہجے میں بولی اور بیٹھ کر اس بوٹی کی پتیاں توڑنے لگی۔

میں قریب کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور پھر عقب میں آہٹ سن کر میں نے پیچھے مڑنا چاہا تو ایک غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"خبردار! اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرو گے۔ رائفل پھینک دو۔"

اس غراہٹ کے ساتھ ہی ایک رائفل کی نال میری پشت سے لگ گئی۔

میرے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہوگئی اور پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

میں نے اپنی رائفل پھینک دی اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔

میرے جسم میں پیدا ہونے والی سنسنی کسی خوف کا نتیجہ نہیں تھی۔ رائفل کی نال اگرچہ میری پشت سے لگی ہوئی تھی اور میں نے اپنی رائفل پھینک کر دونوں ہاتھ اوپر بھی اٹھالیے تھے لیکن میرے دل میں خوف بالکل نہیں تھا۔ اپنے عقب میں آہٹ سن کر اور پشت پر رائفل کی نال کا دباؤ محسوس کرکے جو خوف دل میں پیدا ہوا تھا' وہ اس غراہٹ کو سن کر ختم ہوگیا تھا۔ میں نے ہوفا کی طرف دیکھا۔ وہ بھی ایک جھٹکے سے اٹھ گئی تھی اور اس نے بھی دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھالیے تھے۔ اس کے ایک ہاتھ میں پودے سے توڑی ہوئی پتیاں موجود تھیں۔

"اب تم دونوں میری طرف گھوم جاؤ۔ اگر کسی نے گڑبڑ کی کوشش کی تو گولیوں سے بھون دیے جاؤ گے۔" میرے عقب میں وہ غراتی ہوئی آواز دوبارہ سنائی دی۔

"چاہت کے دعوے کرنے کے بعد گولیوں سے بھون دینے کی دھمکی دے رہی ہو۔" میں اردو میں یہ الفاظ کہتے ہوئے آہستگی سے پیچھے گھوم گیا۔

"تت... تم..." وہ جانکی تھی۔ اس کے حلق سے آواز رک رک کر نکل رہی تھی۔ وہ چند لمحے تاریکی میں مجھے گھورتی رہی پھر دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں رائفل اب بھی موجود تھی اور میں نے اپنے دونوں ہاتھ بدستور اوپر اٹھا رکھے تھے "بھگوان کا شکر ہے تم زندہ ہو۔ میں تو سمجھی تھی کہ تم بے خبری میں ان کی گولیوں کا نشانہ بن گئے ہو۔"

"کانیج کی حالت دیکھ کر میں نے بھی تم پر فاتحہ پڑھ لی تھی۔" میں نے جواب دیا اور ہاتھ نیچے گرا کر اس کی پشت تھپتھپانے لگا۔ وہ بڑی سختی سے میرے سینے سے لپٹی ہوئی تھی جس سے اس کے جوش اور مجھ سے وابستگی کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

"سونیا کہاں ہے۔ کیا وہ بھی..."

"زندہ ہے اور خیریت سے ہے۔" میں نے اس کی بات پوری کردی اور گردن گھما کر ہوفا کی طرف دیکھنے لگا جو ہم سے تین چار قدم کے فاصلے پر کھڑی حیرت سے یہ سب دیکھ رہی تھی۔ ہماری گفتگو کا تو وہ ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکی ہوگی لیکن یہ صورتِ حال دیکھ کر وہ جان گئی ہوگی کہ جانکی بھی ہماری ساتھی ہے۔

ہوفا کے لیے یہ بہترین موقع تھا۔ جانکی مجھ سے لپٹی ہوئی تھی۔ میری رائفل ہوفا کے قریب زمین پر پڑی تھی۔ وہ اگر چاہتی تو میری رائفل اٹھا کر ہم دونوں کو بے بس کرسکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس کی وجہ بھی میں سمجھ رہا تھا۔ اس کا بچہ اور شوہر ہمارے قبضے میں تھے اور شوہر زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس کی جان بچانے کے لیے وہ پتیاں اس وقت زیادہ ضروری تھیں جو وہ جھاڑی سے توڑ رہی تھی۔

اچانک کانیج کی طرف سے بچے کے رونے کی آواز سن کر ہوفا اچھل پڑی۔ میں نے بھی جانکی کو اپنے آپ سے الگ کرکے زمین سے اپنی رائفل اٹھالی۔

"ہوفا۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مزید پتیوں کی ضرورت ہو تو جلدی سے توڑ لو۔ ہم زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتے اور تمہارا بچہ بھی رو رہا ہے۔"

ہوفا ایک بار پھر جھک کر جھاڑی سے جلدی جلدی پتیاں توڑنے لگی۔ وہ بار بار کانیج کی طرف مڑ کر بھی دیکھ رہی تھی۔ بچے کے مسلسل رونے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"یہ عورت کون ہے اور تم لوگ..."

"یہاں نہیں۔" میں نے جانکی کی بات کاٹ دی۔ وہ ہمارے بارے میں جاننا چاہتی تھی اور میں بھی اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن یہاں کھڑے رہ کر باتیں کرنا مناسب نہیں تھا۔ بچہ رو رہا تھا۔ اس کی آواز کہیں اور بھی سنی جاسکتی تھی اور عین ممکن ہے اس بکھری ہوئی بستی کا کوئی آدمی صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے اس طرف آنکلتا اور پھر ہوفا کے شوہر بوما کی حالت خراب تھی۔ اسے فوری طور پر ان پتیوں کی ضرورت تھی جن کی تلاش میں ہوفا اس طرف آئی تھی۔

"بس کافی ہیں۔" ہوفا سیدھی ہوتے ہوئے بولی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں پتیاں بھر رکھی تھیں۔ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی کانیج کی طرف چلنے لگی۔

میں اور جانکی بھی اس کے پیچھے ہی چل پڑے۔ ابھی ہم آدھے ہی راستے میں تھے کہ بچے کے رونے کی آواز بند ہوگئی لیکن ہوفا کی رفتار میں کمی نہیں آئی تھی۔ وہ ہم سے دو تین قدم آگے تھی لیکن جب وہ کانیج کے دروازے کے سامنے پہنچی تو ہم اس کے برابر پہنچ چکے تھے۔

میں بھی ہوفا کے ساتھ ہی دروازے میں داخل ہوا تھا اور جانکی کو دروازہ بولٹ کردینے کی ہدایت دیتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا اور جب میں ہوفا کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تو وہ دلچسپ منظر دیکھ کر میرے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ سی آگئی۔

سونیا نے بچے کو گود میں اٹھا رکھا تھا۔ وہ معصوم اس کے

سینے سے لپٹا اپنے ننھے ننھے ہاتھوں کو حرکت دیتے ہوئے بار بار اس کے سینے پر منہ مار رہا تھا مگر اسے جس چیز کی تلاش تھی وہ اسے نہیں مل رہی تھی۔ سونیا کی رائفل ایک کرسی پر پڑی تھی اور بیڈ پر پڑا ہوا بوما تکلیف میں ہونے کے باوجود دلچسپ نظروں سے سونیا اور اس کی گود میں بچے کو دیکھ رہا تھا۔

ہوفا نے دونوں ہاتھوں میں پکڑی ہوئی پتیاں میز پر رکھ دیں اور کبھی شوہر اور کبھی سونیا کے سینے سے لپٹے ہوئے بچے کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ شاید کوئی فیصلہ نہیں کرپا رہی تھی کہ پہلے کس پر توجہ دے اور پھر اس نے شوہر پر توجہ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ بچہ خاموش تھا۔ وہ اس کی طرف سے مطمئن ہوگئی تھی۔

وہ میز پر پڑی ہوئی پتیاں سمیٹنے لگی۔ اس نے اپنے شوہر سے کچھ کہا اور کمرے سے نکل کر کچن کی طرف چلی گئی اور اس وقت دوسرے دروازے سے جانکی اندر داخل ہوئی۔ جانکی کو دیکھ کر سونیا اچھل پڑی۔ جانکی کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آگئی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کے گالوں پر کس کیا اور ایک دوسرے کو زندہ دیکھ کر اپنی اپنی خوشی کا اظہار کرنے لگیں۔

وہ بچہ اب بھی سونیا کے سینے پر منہ مار رہا تھا۔ اسے شاید بھوک لگی تھی لیکن اس معصوم کو شاید یہ معلوم نہیں تھا کہ ان تلوں میں ابھی تیل نہیں تھا۔ وہ مایوس ہو کر ایک بار پھر رونے لگا۔

چند سیکنڈ بعد ہی ہوفا کمرے میں آگئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں پلیٹ میں دُھلی ہوئی پتیاں رکھی ہوئی تھیں اور دوسرے ہاتھ میں سفید سرامک کا چکنا اور چمکتا ہوا ہاون دستہ تھا جو زیادہ بڑا نہیں تھا۔ بچے کے رونے کی آواز اب تیز ہوگئی تھی۔

"ہمیں بتاؤ کیا کرنا ہے ان پتیوں کا۔" میں نے ہوفا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم بچے کو سنبھالو۔ اسے شاید بھوک لگ رہی ہے۔"

ہوفا نے پتیوں والی پلیٹ اور ہاون دستہ میز پر رکھ دیا اور سونیا کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"ان پتیوں کو کوٹ کر رس نکالنا ہے اور بس۔ باقی کام میں خود کرلوں گی۔"

اس نے تشکرانہ نگاہوں سے سونیا کی طرف دیکھتے ہوئے بچے کو اس سے لے لیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور بچے کو دودھ پلانے لگی۔

یہاں کی صورتِ حال ابھی تک جانکی کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی اور شاید اس نے بیڈ پر پڑے ہوئے بوما کو بھی پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر وہ تیزی سے اس کے قریب پہنچ گئی۔

"ارے۔ یہ کون ہے۔ کیا ہوا اسے؟" اس نے بوما کی سوجی ہوئی ٹانگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کسی زہریلے کیڑے نے کاٹا ہے۔" میں نے جواب دیا "ہوفا کہتی ہے کہ ان پتیوں کا رس نکال کر دیا جائے تو زہر کا اثر زائل ہوسکتا ہے بصورتِ دیگر پورے جسم میں پھیل جائے گا اور اس کی زندگی کا چراغ بجھ جائے گا۔ ہم وہ پتیاں تلاش کرنے ہی باہر گئے تھے کہ ڈرامائی انداز میں تم سے ملاقات ہوگئی۔"

جانکی ڈاکٹر تھی۔ ایسی چیزوں کا علاج بھی جانتی تھی۔ اس نے دو تین چیزوں کا نام لے کر ہوفا سے پوچھا کہ ان میں کوئی چیز گھر میں موجود ہے یا نہیں۔ ہوفا نے بے بسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں ان پتوں کو پیستی ہوں۔" جانکی نے رائفل ایک طرف رکھ دی اور پتیوں والی پلیٹ اور ہاون دستہ لے کر فرش پر بیٹھ گئی "ان جڑی بوٹیوں کی تاثیر میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کا مشاہدہ ہم پہلے بھی کرچکے ہیں۔ سردار تھالوب والے کانیج میں لوما نے..." وہ کہتے کہتے خاموش ہوگئی اور ہاون میں پتیاں ڈال کر دستے سے ہولے ہولے کوٹنے لگی۔

جانکی نے اگرچہ بات ادھوری چھوڑ دی تھی لیکن میں نے نوٹ کرلیا تھا کہ سردار تھالوب کا نام سن کر بوما کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ جانکی کھرل میں پتیاں کوٹتی رہی۔ ہوفا بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ کبھی وہ ہماری طرف دیکھتی اور کبھی بچے کو۔ بچے کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آتے۔ ایسے میں اس کے چہرے پر مامتا کا نور سا بکھر جاتا اور جب وہ ہماری طرف دیکھتی تو آنکھوں میں خوف سا جھلکنے لگتا۔ میں اور سونیا خاموش کھڑے تھے۔ میرے ہاتھ میں رائفل تھی لیکن اس کی نال فرش کی طرف جھکی ہوئی تھی۔ ایسی صورتِ حال میں ان دونوں میاں بیوی کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

بوما بار بار اپنی ٹانگ کو جھٹک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کرب و اذیت کے تاثرات بڑھتے جارہے تھے لیکن میں نے ایک بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ جب وہ ہم تینوں میں سے کسی کی طرف دیکھتا تو اس کے چہرے پر اذیت کے تاثرات کے باوجود آنکھوں میں چمک سی ابھر آتی تھی۔

جانگی پتیوں کو کوٹ چکی تھی۔ اس نے کھرل میں جمع پتیوں کا رس پلیٹ میں انڈیل دیا۔ کھرل میں اب گئی ہوئی پتیوں کا پیسٹ سا رہ گیا تھا۔

ہوفا کی گود میں بچے کا پیٹ بھر گیا تھا اور وہ سو گیا تھا۔ ہوفا نے اپنا بلاؤز درست کرلیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ وہ بچے کو لٹانے کے لیے شاید جگہ تلاش کر رہی تھی۔ بیڈ پر بوما پڑا ہوا تھا۔ سونیا اس کا مطلب سمجھ گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر بچے کو لے لیا۔ ہوفا نے ایک بار پھر متشکرانہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور کرسی سے اٹھ گئی۔ سونیا اس کرسی پر بیٹھ گئی اور بچے کو گود میں لٹالیا۔ اس کا ایک بازو بچے کی گردن کے نیچے تھا اور دوسرے ہاتھ سے وہ بچے کے گھنے گولڈن بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔ اس وقت میں نے سونیا کے چہرے پر بھی کچھ عجیب سے تاثرات دیکھے تھے۔

ہوفا تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ اس کی واپسی میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تیز دھار والی نوک دار چھری تھی۔ وہ پلنگ پر چڑھ گئی اور بوما کی ٹانگ کو ٹٹولنے لگی۔

میں بھی پلنگ کے قریب پہنچ گیا۔ مجھے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہوفا کیا کرنے جارہی ہے۔ میں نے بوما کی ٹانگ کو پکڑلیا۔ ہوفا نے پنڈلی پر ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے شوہر سے کچھ پوچھا۔ بوما نے اثبات میں سرہلا دیا۔ ہوفا نے انگلی ہٹالی۔ اس جگہ پیپر پین کے سرکے برابر ننھا سا سرخ دھبا تھا جبکہ آس پاس کی جلد نیلی ہو رہی تھی۔

ہوفا نے چھری کی تیز نوک اس سرخ دھبے پر رکھ کر تقریباً آدھا انچ لمبا چیرہ لگا دیا۔ دوسرا چیرہ اس نے کراس کی صورت میں لگایا تھا۔ پنڈلی کے زخم سے سیاہی مائل گاڑھا سا خون بہہ نکلا۔ بوما ٹانگ کو جھٹکنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن میں نے اسے مضبوطی سے دبا رکھا تھا۔ اس نے تکلیف ضبط کرنے کے لیے سختی سے دانت بھینچ رکھے تھے۔

ہوفا زخم کے آس پاس کی جگہ کو انگوٹھے سے دباتی رہی اور سیاہی مائل گاڑھا خون رستا رہا۔ تقریباً ایک منٹ بعد اس نے ایک کپڑے سے زخم صاف کیا اور پتیوں کا رس قطرہ قطرہ کرکے زخم پر ڈالتی رہی۔ کچھ ہی دیر بعد زخم سے بہنے والے خون کی مقدار کم ہونے لگی۔ ہوفا نے پتیوں کا پیسٹ اس کے زخم پر رکھ دیا اور بچا ہوا رس اس کی ٹانگ پر ملنے لگی۔ زخم پر پٹی باندھ کر اس نے بوما کی طرف دیکھا۔ اس نے اب بھی دانت سختی سے بھینچ رکھے تھے۔ چہرے پر تکلیف کے آثار نمایاں تھے۔

میں نے اس کی ٹانگ چھوڑ دی۔ اب وہ پیر نہیں جھٹک رہا تھا۔ ہوفا ہاون دستہ اور پلیٹ لے کر کمرے سے چلی گئی تھی۔ اس مرتبہ اس کی واپسی تقریباً پندرہ منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس دوران میں کچن میں سے برتنوں وغیرہ کی آوازیں آتی رہی تھیں اس لیے میں بھی اطمینان سے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا تھا۔ وہ جب کمرے میں داخل ہوئی تو دیر سے اس کی واپسی کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں چائے کے پانچ مگ رکھے ہوئے تھے۔ ان چار دنوں میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ از خود چائے بنا کر لائی تھی۔ اس سے پہلے چائے، کھانا یا کوئی اور چیز طلب کرنے کے لیے اسے حکم دینا پڑتا تھا۔

میں نے اور جانگی نے ٹرے میں سے ایک ایک مگ اٹھالیا۔ سونیا کا مگ اس نے کرسی کے قریب میز پر رکھ دیا تھا اور دوسرے دونوں مگ بھی قریب ہی رکھ کر خالی ٹرے دیوار کے ساتھ ٹکا کر کھڑی کردی تھی۔ اس نے مڑ کر بوما سے کچھ کہا۔ بوما نے اثبات میں سرہلا دیا۔

میں بوما کی طرف دیکھ رہا تھا اور یہ بڑی حیرت کی بات تھی کہ اس کے چہرے پر کرب کے آثار کچھ کم ہوگئے تھے۔ ہوفا بیڈ پر چڑھ گئی اور بوما کو سہارا دے کر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا اور نیچے اتر کر چائے کا ایک مگ اس کے ہاتھ میں تھما دیا اور پھر سونیا کی طرف مڑ کر دونوں ہاتھ بڑھاتے ہوئے بچے کو لینے کے لیے جھکی تو سونیا نے مسکراتے ہوئے تھائی زبان میں کہا۔

"اسے میرے پاس ہی رہنے دو۔ اچھا لگ رہا ہے۔ بہت پیارا بچہ ہے۔"

ہوفا چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر اس کے قریب ہی دوسری کرسی پر بیٹھ گئی اور باری باری ہم تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"بوما کو اب کوئی خطرہ نہیں۔ اگر تم لوگ یہاں نہ ہوتے تو آج مجھ پر قیامت گزر چکی ہوتی۔ میرے پاس تم لوگوں کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔"

"اس میں شکریہ ادا کرنے کی کیا بات ہے۔ یہ تو ہمارا فرض تھا۔" میں نے جواب میں کہا "ویسے تم لوگوں سے ہماری دشمنی تو نہیں۔ ہمارے اصل دشمن تو وہ لوگ ہیں جن کا تعاقب کرتے ہوئے ہم موت کی اس وادی میں چلے آئے ہیں۔ ویسے شکریہ تو ہمیں تم لوگوں کا ادا کرنا چاہیے۔ مرضی کے خلاف اور جان کے خوف سے ہی سہی، تم لوگوں نے ہمیں پناہ تو دے رکھی ہے۔ اگر ہمیں اس کاتج میں پناہ نہ ملتی

تو موت کی اس وادی میں ہمیں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ ہوسکتا ہے کہ اب تک ہم میں سے کوئی ایک یا سب ہی مارے جاچکے ہوتے۔ ہم نے بوما کو بچانے میں تمہاری تھوڑی سی مدد کرکے کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دیا۔"

"میرا خیال ہے یہ تمہاری وہی ساتھی ہے جس نے پہاڑی کے دوسری طرف والے پوسٹ کاتج میں ہماری ایک محافظ لڑکی کو قتل کردیا تھا؟" ہوفا نے جانگی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہ وہی ہے۔ ہم اسے مردہ سمجھ چکے تھے۔ وہاں ہماری عدم موجودگی میں کیا صورت حال پیش آئی تھی اور یہ چار دن تک کہاں چھپی رہی؟ یہ ابھی اس سے معلوم کرنا ہے۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے چائے کی چسکیاں بھی لے رہے تھے۔ ہوفا بار بار کبھی سونیا کی گود میں سوتے ہوئے بچے کو اور کبھی سونیا کے چہرے کو دیکھنے لگتی۔

بوما کی حالت اب کافی بہتر نظر آرہی تھی۔ اس کے چہرے پر اب پہلے کی طرح تکلیف کے آثار نہیں تھے۔ وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے چائے کی چسکیاں لے رہا تھا۔ دونوں ٹانگیں اس نے آگے کو پھیلا رکھی تھیں۔ جنگلی جڑی بوٹیوں کی افادیت میں کوئی شبہ نہیں۔ بعض بوٹیاں تو خطرناک زہر کے لیے بھی تریاق کا اثر رکھتی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا۔ جب میں بنکاک میں زخمی ہوا تھا تو تھائی نے جڑی بوٹیوں ہی سے تیار کردہ کوئی کریم میرے زخم پر لگائی تھی جس سے مجھے فوراً ہی فائدہ ہوا تھا۔ تھائی خود بھی وہ کریم استعمال کرتی تھی۔ میں نے خود کئی مرتبہ اس کے بدن پر کوڑے برسانے کے بعد زخموں پر وہ کریم لگائی تھی اور اس کے زخم دو چار دن میں ہی ٹھیک ہوجاتے تھے اور اب ایک اور مثال ہمارے سامنے تھی۔ ہوفا نے کہا تھا کہ اگر فوراً ہی مخصوص بوٹی کی پتیوں کا رس زہریلے کیڑے کے کاٹے کی جگہ پر نہ لگایا گیا تو بوما چند گھنٹوں کے اندر اندر ختم ہوجائے گا۔ میں نے اس وقت بوما کی حالت بھی دیکھی تھی اور میرا خیال تھا کہ وہ بچے گا نہیں لیکن زخم پر پتیوں کا رس ٹپکانے اور ان کا پیسٹ لگانے کے بعد آدھے گھنٹے کے اندر اندر وہ زندگی کا مزہ اٹھا رہا تھا۔

"کیا میں تم سے ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟" بوما نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ دیر پہلے تمہاری اس ساتھی نے سردار تھالوب کا نام لیا تھا۔ تم لوگ جنرل کھوراٹ کے مہمانوں کا تعاقب کرتے ہوئے تھائی لینڈ سے آئے ہو۔ سردار تھالوب بھی تھائی لینڈ کا رہنے والا ہے بلکہ اس کا قبیلہ تو سرحد کے ساتھ ساتھ وسیع علاقے میں پھیلا ہوا ہے۔ تم لوگ سردار تھالوب کو کیسے جانتے ہو اور جہاں تک میرا خیال ہے تم دونوں کا تعلق تھائی لینڈ سے بھی نہیں ہے۔" اس کا اشارہ جانگی اور میری طرف تھا۔

"جنرل کھوراٹ کے مہمانوں کو جانتے ہو، وہ کون لوگ ہیں؟" میں نے الٹا اس سے سوال کردیا۔

"نہیں۔" بوما نے نفی میں سرہلا دیا "ہم تو معمولی کارندے ہیں ہمیں صرف اپنی ڈیوٹی سے سروکار ہوتا ہے۔ زیادہ باتیں ہم نہیں جانتے اور ہمیں ایسی باتیں بتائی بھی نہیں جاتیں۔ ویسے پچھلے دنوں یہ سننے میں آیا تھا کہ چیانگ سائین میں جنرل کھوراٹ کے آدمیوں اور سردار تھالوب میں کچھ جھڑپیں ہوئی تھیں جن میں جنرل کھوراٹ کا ایک خاص آدمی سین ٹونگ بھی مارا گیا تھا اور یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ دارا ناای کوئی شخص تھائی لینڈ میں جنرل کھوراٹ کے مفادات کے لیے کام کررہا ہے۔ دارا وہی شخص ہے جو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آج کل یہاں آیا ہوا ہے۔ اس نے چیانگ سائین میں جنرل کھوراٹ کے کئی آدمیوں کو سردار تھالوب کے ہاتھوں مرنے سے بچالیا تھا۔ سردار تھالوب سے اسے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہوا تو جنرل کھوراٹ نے اسے ٹرائی اینگل میں آنے کی اجازت دے دی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "یہاں سردار تھالوب کے ساتھ ایک اور نام بھی لیا جارہا ہے۔ عجیب سا نام ہے، جو اس وقت مجھے یاد نہیں آرہا لیکن سنا ہے کہ وہ دارا کا ہم وطن ہے اور دارا کے خون کا پیاسا ہے۔ دارا دراصل سردار تھالوب سے نہیں اس کے خوف سے بھاگ کر یہاں آیا ہے۔"

"تم نے ٹھیک سنا ہے۔" میں نے جواب دیا "سب سے پہلے تو میں یہ وضاحت کردوں کہ جنرل کھوراٹ کے آدمیوں کو مروانے میں دارا ہی کا ہاتھ ہے۔ اس کے ہاتھ کئی بے گناہوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ سردار تھالوب تو اسے جانتا بھی نہیں تھا اس لیے اس سے دشمنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سردار تھالوب سے دشمنی کی ابتدا دارا ہی نے کی تھی۔ اس رات سردار تھالوب کے آدمی اس کے مہمانوں کو چیانگ رائے سے لے کر چیانگ سائین آرہے تھے کہ دارا اور اس کے آدمیوں نے راستے میں ان کی گاڑی

پر حملہ کردیا اور سردار تھالوب کے پانچ آدمی اس حملے میں مارے گئے۔ ایسی صورت میں سردار تھالوب کیسے خاموش رہ سکتا تھا۔" میں ایک بار پھر خاموش ہو کر بوما اور ہوفا کے چہروں کو تکنے لگا۔ ہم نے چار دن سے انہیں اپنا قیدی بنا رکھا تھا۔ اس دوران میں اگر انہیں موقع ملتا تو ہمیں موت کے گھاٹ اتارنے سے نہ چوکتے۔ اب ہم نے ان کی ذرا سی مدد کی تھی تو وہ ہمارے بے حد شکر گزار اور احسان مند نظر آرہے تھے اور میں اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اتفاق سے سردار تھالوب اور دارا کا تذکرہ نکل آیا تھا۔ دارا نے اپنے آپ کو مظلوم اور مجھے اور سردار تھالوب کو انتہائی ظالم اور بے رحم بتایا ہوگا۔ جنرل کھوراٹ کو بھی اس قسم کی اطلاعات دی ہوں گی کہ وہ دارا کا ہمدرد اور میرا اور تھالوب کا دشمن بن جائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جنرل کھوراٹ کے کئی آدمی ہمارے ہاتھوں مارے گئے تھے لیکن میرے خیال میں اس وقت دارا کے مظالم کی مختصر سی داستان سنا کر بوما اور ہوفا کے دلوں میں اپنے لیے نرم گوشہ پیدا کیا جاسکتا تھا۔ میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ میری باتیں ان پر اثر انداز ہونے لگی تھیں۔ میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "بات وہیں پر ختم نہیں ہوگئی۔ دارا اور اس کے ساتھی بے گناہوں کا قتل عام کرتے رہے۔ وہ بڑی ہوشیاری سے جنرل کھوراٹ کے آدمیوں کو آگے کرکے مرواتا رہا۔ وہ انسان نہیں خونی بھیڑیا ہے۔ اس کا دامن لاتعداد بے گناہوں کے خون سے تر ہے۔ وہ سونیا کی ماں کا قاتل ہے۔ اس نے میرے ماں باپ کو میری نظروں کے سامنے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ جانکی ایک معزز ڈاکٹر تھی۔ یہ آج میرے ساتھ ٹھوکریں کھا رہی ہے۔ تھائی کا گھر جلا دیا گیا۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے مجھے پناہ دی تھی۔ ہاں میں ہی وہ شخص ہوں جو دارا کے خون کا پیاسا ہے۔ اگر مجھ پر ظلم نہ ہوا ہوتا تو آج میں ڈاکٹر ہوتا، انجینئر یا سائنس داں ہوتا لیکن آج میں قاتل ہوں، خونی ہوں اور اس کا ذمے دار صرف اور صرف دارا ہے اور میں دارا کا تعاقب دنیا کے آخری سرے تک کروں گا۔"

ان دونوں کے چہروں پر گویا سناٹا سا تھا۔ عجیب سے تاثرات تھے جنہیں میں کوئی نام نہیں دے سکتا لیکن ایک بات طے تھی کہ وہ پوری طرح میری باتوں کے سحر میں آگئے تھے۔ چند لمحے خاموشی رہی اور پھر بوما ہی نے لب کشائی کی۔

"تو تم سردار تھالوب کے وہی دوست ہو جو۔۔۔"

"ہاں۔ میں وہی ہوں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "سردار تھالوب سے میری دوستی اگرچہ چند ہفتوں سے زیادہ پرانی نہیں لیکن وہ ایک سچا اور کھرا آدمی ہے۔"

"میں نے سردار تھالوب کو دیکھا نہیں لیکن یہاں اور برما میں بھی اس کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہے۔ تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ میں بھی اس کے قبیلے سے تعلق رکھتا ہوں۔"

"کیا۔۔۔؟" میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ مجھے اپنی خوش قسمتی پر رشک آنے لگا۔ اب ہمارے لیے راستہ خود بخود ہموار ہو رہا تھا۔

"میں برما کے سرحدی شہر ٹانگیل کا رہنے والا ہوں۔" بوما کہہ رہا تھا "کیرن قبیلے کا بنیادی تعلق دراصل برما ہی سے ہے۔ تقریباً دو سو سال پہلے اس قبیلے کچھ لوگ برما سے ہجرت کرکے تھائی لینڈ کی سرحد پر آباد ہوگئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا اور وہ دور تک پھیلتے چلے گئے۔ آج کیرن قبیلے کو تھائی لینڈ کے اس شمالی خطے کا سب سے بڑا اور طاقت ور قبیلہ سمجھا جاتا ہے۔

"وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اگرچہ برما سے کیرن قبیلے کے کچھ اور لوگ بھی بڑی تعداد میں تھائی لینڈ کا رخ کرتے رہے لیکن کیرن آج بھی بڑی تعداد میں برما کے سرحدی علاقوں میں آباد ہیں اور میرا تعلق بھی اس قبیلے کے ایک معزز گھرانے سے ہے۔۔۔ بلکہ تھا۔"

"کیرن قبیلے کے لوگ تو بڑے محنتی، جفاکش اور رزقِ حلال کے خوگر ہیں لیکن تم۔۔۔" میں نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ میرے حساب سے لوہا پوری طرح گرم ہوچکا تھا اور میں اسے اپنے ڈھب پر لانے کے لیے ہلکی ہلکی چوٹیں لگا رہا تھا۔ زیادہ زوردار ضرب نقصان دہ بھی ہوسکتی تھی۔

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔" بوما نے ہلکے سے پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا "جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ میرا تعلق برما کے سرحدی شہر ٹانگیل سے ہے۔ یہ شہر زیادہ بڑا نہیں ہے لیکن یہاں زندہ رہنے کے تمام مواقع میسر ہیں۔ میرا باپ شہر کا ایک معزز بزنس مین تھا۔ میں نے ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی۔ میرا باپ مجھے بھی ڈاکٹر بنانا چاہتا تھا لیکن بائیس سال کی عمر میں مجھ سے ایک ایسی غلطی ہوگئی جس کی سزا میں آج تک بھگت رہا ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ ایک نظر ہوفا کی طرف دیکھا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "مجھے ایک لڑکی سے عشق ہوگیا۔ کیٹی ایک پولیس آفیسر کی بیٹی تھی۔ ہم میں بے تکلفی بڑھتی گئی اور پھر ایک روز میں نے اس کی مرضی کے خلاف وہ سب کچھ کر ڈالا جو مجھے نہیں کرنا

چاہیے تھا۔ کیٹی نے اپنے گھر والوں کو بتا دیا۔ اس کا باپ میرے خون کا پیاسا ہو گیا۔ ممکن ہے مفاہمت کا کوئی راستہ نکل آتا اور معاملہ رفع دفع ہو جاتا لیکن میں اس قدر خوف زدہ تھا کہ گھر سے بھاگ کھڑا ہوا۔

"چند روز تک شہر سے کئی میل دور ایک خانقاہ میں چھپا رہا۔ میں نے بھکشوؤں کو یہ باور کرا دیا تھا کہ بے یار و مددگار اور بے سہارا ہوں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ زندہ رہنے کے لیے در در کی ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہوں لیکن ایک روز دو پولیس والے میری تلاش میں اس طرف آ نکلے۔ میں پولیس والوں کو دیکھ کر جنگل میں چھپ گیا تھا۔ پولیس والے نجانے ان بھکشوؤں سے میرے بارے میں کیا پوچھتے رہے۔ ان کے واپس چلے جانے کے بعد میں خانقاہ میں واپس آیا تو بھکشو مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ انہیں مجھ پر شبہ ہو گیا تھا۔ مجھے اب وہاں بھی خطرہ محسوس ہونے لگا اور پھر اس سے اگلے روز میں ان بھکشوؤں کے سامان سے رقم چوری کر کے وہاں سے بھی بھاگ نکلا۔

"میں کہیں بھی ٹک کر نہیں بیٹھ سکا۔ کسی پولیس والے کو اپنے آس پاس دیکھ کر میری روح فنا ہو جاتی۔ رنگون میں البتہ مجھے کئی سال رہنے کا موقع ملا۔ میں اپنے ہم عمر جرائم پیشہ لڑکوں کے ایک گروہ میں شامل ہو گیا تھا۔ ہم دکانوں سے چیزیں چُراتے، رہزنی کی وارداتیں کرتے اور جو کچھ بھی ملتا آپس میں بانٹ لیتے۔

"ایک روز ہم تین لڑکے شہر کے ایک دولت مند شخص کے گھر میں گھس گئے۔ اس مکان پر ہماری کئی دنوں سے نظر تھی۔ ایک لڑکا کئی روز سے مکان کی نگرانی کر کے گھر والوں کے معمولات کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ اس نگرانی سے ہمیں پتا چل گیا کہ اس گھر میں صرف تین افراد رہائش پذیر تھے۔ وہ دولت مند شخص، اس کی بیوی اور ان کی نو عمر بیٹی۔ ایک ملازمہ تھی جو رات نو بجے کے بعد چھٹی کر کے چلی جاتی تھی۔

"اور پھر ایک رات ہم تین لڑکوں نے اس مکان پر ہلّہ بول دیا۔ وہاں سے بڑی رقم ملنے کی توقع تھی اور میرا خیال تھا کہ میں اپنا حصہ لے کر کہیں اور چلا جاؤں گا اور شرافت کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کروں گا لیکن انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی۔

"مکان کے اندر اندھیرے میں، میں ایک کرسی سے ٹکرا گیا۔ کرسی الٹ گئی۔ آہٹ سے گھر والوں کی آنکھ کھل گئی۔ دولت مند شخص کی بیوی نے ہمیں دیکھ کر شور مچا دیا۔ میرے ایک ساتھی نے اسے دبوچ لیا۔ پہلے دھکا کر اسے خاموش کرانے کی کوشش کی اور پھر اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا۔ وہ دولت مند شخص اور اس کی بیٹی بھی شور کی آواز سن کر جاگ گئے تھے۔ انہوں نے بھی شور مچا دیا۔ ہم تینوں وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

"صبح پتا چلا کہ اس دولت مند شخص کی بیوی مر گئی تھی۔ میرا اگرچہ اس قتل میں کوئی ہاتھ نہیں تھا لیکن پکڑے جانے کے خوف سے وہ شہر چھوڑ دیا اور ایک بار پھر مختلف قصبوں اور شہروں میں بھٹکتا ہوا منڈالے پہنچ گیا۔

"جو شخص ایک مرتبہ بھٹک جائے اس کا راہِ راست پر آنا مشکل ہی ہوتا ہے۔ اگر وہ کوشش بھی کرے تو بعض عناصر اس کا راستہ روک لیتے ہیں۔ میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہوتا رہا۔ مجھ سے ایک غلطی ہوئی تھی جس کی اگر مجھے سزا مل جاتی تو برائی کے راستے پر میرے قدم رک جاتے مگر میں سزا سے بچنے کے لیے بھاگ نکلا تھا۔ مجھے ایسے لوگ تو بہت ملے جو برائی کے راستے پر میری حوصلہ افزائی کرتے رہے لیکن ایک بھی شخص ایسا نہیں ملا جو مجھے اس راستے پر چلنے سے روکتا۔ میں جرائم کی دلدل میں دھنستا چلا گیا۔

"منڈالے میں ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہو گئی جس کے بارے میں بعد میں پتا چلا کہ وہ ترياڈ کا رکن ہے۔ ترياڈ بہت ہی خطرناک تنظیم ہے۔ ساؤتھ ایشیا کے بیشتر ممالک میں اس کا ہولڈ ہے۔ برما میں بھی تمام جرائم اسی تنظیم کی سرپرستی میں ہوتے ہیں۔ منشیات کے دھندے، عورتوں کی جسم فروشی، جُوا، بھتے وصول کرنا۔ یہ تمام جرائم یہی تنظیم کراتی ہے اور پولیس ان کے سامنے بے بس نظر آتی ہے۔

"گومل نامی وہ آدمی اپنے علاقے میں منشیات کے دھندے کی نگرانی کرتا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ کام کرتا رہا۔ کئی سال گزر گئے۔ اس عرصے کے دوران میں، میں کئی مرتبہ پکڑا گیا تھا لیکن مجھے یاد ہے میں کبھی بھی دو تین گھنٹوں سے زیادہ کسی تھانے میں نہیں رہا تھا۔ جیل جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیس کے عدالت تک پہنچنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔ اس سے پہلے ہی معاملہ طے ہو جاتا تھا اور مجھے تھانے ہی سے عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دیا جاتا تھا۔

"میں منڈالے میں اس گروہ کے اندر بڑی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ میں نہ صرف اس کاروبار کی اونچ نیچ سے بہت اچھی طرح واقف ہو چکا تھا بلکہ گروہ کے بہت سے راز بھی جان چکا تھا۔

"اور پھر ایک روز دو آدمی میرے ہاتھوں مارے گئے۔ ان میں ایک پولیس آفیسر بھی تھا۔ پولیس کے محکمے میں کھلبلی سی مچ گئی۔ اس میں شبہ نہیں کہ پولیس کی سرپرستی کے بغیر جرائم نہیں پنپ سکتے۔ منڈالے کی پولیس اور دیگر متعلقہ محکمے بھی جرائم میں پوری طرح ملوث تھے۔ بھاری رشوت اور بھتے پولیس کو شہر میں ہونے والے جرائم کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے پر مجبور کر دیتے تھے لیکن یہ معاملہ دو آدمیوں کے قتل کا تھا اور ان میں ایک پولیس آفیسر بھی تھا۔ اپنے ایک ساتھی کے قتل پر پولیس کس طرح خاموش رہ سکتی تھی۔ گومل اور ترياڈ کے دوسرے مقامی عہدے داروں نے پولیس کے اعلیٰ افسران سے مل کر معاملے کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن پولیس کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ مجھے ان کے حوالے کر دیا جائے۔

"مجھے پولیس کے حوالے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میرے پاس ترياڈ کے بہت سے راز تھے جو پولیس تشدد کر کے اگلوا سکتی تھی۔ گومل نے مجھے منڈالے سے نکال کر یہاں بھیج دیا۔" بوما خاموش ہو گیا۔ چند لمحے گہرے گہرے سانس لیتا رہا پھر بولا "مجھے یہاں تین سال ہو چکے ہیں۔ منڈالے میں، میں ان کے لیے اہم آدمی تھا لیکن یہاں لگتا ہے مجھے فراموش کر دیا گیا ہے۔ مجھے عام آدمیوں کی طرح یہاں گارڈ کی ڈیوٹی دے دی گئی ہے۔ بہت سی باتیں ہم جیسے لوگوں سے چھپائی جاتی ہیں۔ کچھ باتیں اِدھر اُدھر سے معلوم ہو جاتی ہیں۔ ویسے کوشش اس بات کی ہوتی ہے کہ ہم جیسے لوگ اہم معاملات سے بے خبر ہی رہیں۔ اب دارا کا معاملہ ہے۔ مجھے یہی معلوم ہوا تھا کہ اس نے تھائی لینڈ میں سردار تھالوب کے خلاف جنرل کھوراٹ کے آدمیوں کی مدد کی تھی اور جنرل کھوراٹ نے تھالوب اور تمہارے انتقام سے بچنے کے لیے اسے یہاں پناہ لینے کی اجازت دے دی۔ دارا اور اس کے ساتھیوں کی حیثیت جنرل کھوراٹ کے مہمانوں کی ہے۔ یہاں ان کا ہر طرح سے خیال رکھا جاتا ہے۔"

"بات صرف اتنی سی نہیں ہے۔ معاملہ اس سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔" میں نے اس کے خاموش ہونے پر کہا "دارا شہنشاہ کے خلاف ایک سازش میں بھی ملوث ہے۔ اگر مجھے تھالوب جیسے دوستوں کی مدد حاصل نہ ہوتی تو اس سازش کے نتائج بہت بھیانک ہو سکتے تھے۔ بہرحال، جب بات شروع ہوئی تھی تو تم تھالوب کے بارے میں کچھ کہنا چاہتے تھے؟"

"میں نے تھالوب کو دیکھا نہیں لیکن اس کے بارے میں سنا بہت کچھ ہے۔ اس نے تھائی لینڈ میں اپنے قبیلے کے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ یہاں اس کے بارے میں بہت غلط تاثر پیدا کیا گیا ہے۔ کاش! میں اس کے لیے کچھ کر سکتا؟"

"تم بہت کچھ کر سکتے ہو بوما۔" میں نے کہا۔

"یہاں میں قیدی ہوں۔" بوما نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا "ایک ایسا قیدی جو آزادی سے گھوم پھر سکتا ہے لیکن ٹرائی اینگل کی حدود سے باہر نہیں جا سکتا۔"

"تم قیدی ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ کر سکتے ہو۔" میں نے کہا۔ اپنی کامیابی پر میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ بوما اب مکمل طور پر سرنڈر ہو چکا تھا "دیکھو بوما۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "مجھے دیکھو۔ ان لڑکیوں کو دیکھو۔ ہم نے برائی کے خاتمے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لیے پھرتے ہیں اور۔۔۔"

"خوش قسمت ہو تم کہ تمہیں شروع ہی میں ایسے آدمی مل گئے تھے جنہوں نے تمہیں غلط راستے پر چلنے سے روک دیا تھا اور تمہارے دل میں بدی کے خاتمے کی لگن پیدا کر دی تھی۔ میرے ساتھ ایسا ہوا ہوتا تو۔۔۔"

"اب بھی وقت نہیں گزرا ہے۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "یہ درست ہے کہ ہم دو چار آدمی دنیا بھر سے برائی کا مکمل طور پر خاتمہ نہیں کر سکتے لیکن بدی کے اس تناور درخت کی چند شاخیں کاٹ کر اسے مزید پھیلنے سے تو روک سکتے ہیں۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا "یہ گولڈن ٹرائی اینگل ایسی جگہ ہے جہاں سے دنیا بھر کو منشیات سپلائی کی جاتی ہیں۔ تم منڈالے میں یہ دھندا کر چکے ہو۔ تم نے وہاں اس کے اثرات دیکھے ہوں گے۔ اس وقت تمہیں شاید اس کا احساس نہ ہوا ہو لیکن اب سوچو تو تمہیں احساس ہو جائے گا کہ منشیات کا یہ زہر کس طرح دنیا بھر میں نوجوان نسل کو مفلوج کر رہا ہے۔ انہیں تباہی کے دہانے کی طرف دھکیل رہا ہے۔ دارا کوئی عام مجرم کا غنڈا یا بدمعاش نہیں ہے۔ اس کا اصل مقصد ایک بہت بڑا ڈرگ ریکٹ قائم کرنا ہے اور وہ بہت عرصے سے جنرل کھوراٹ سے رابطے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے ایسے کئی آدمیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جو اس کے لیے آگے بڑھنے کا راستہ ہموار کر رہے تھے اور میں سمجھتا ہوں کہ جنرل کھوراٹ کو بھی ایسے ہی بے رحم اور سفاک آدمیوں کی تلاش رہتی ہوگی جو اس کے ایجنٹ کے طور پر کام کر سکیں۔ اب دارا یہاں تک پہنچ چکا ہے۔ اس سے پہلے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی معاملہ طے ہو ہمیں دارا کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔"

"کاش تم سے بہت عرصہ پہلے ملاقات ہوئی ہوتی۔" بوما نے کہتے ہوئے ہاتھ آگے بڑھا دیا "میں تمہاری طرف دوستی

کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ اب تم مجھے پہلے سے بہت مختلف پاؤ گے۔"

میں نے اٹھ کر بڑی گرم جوشی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ یہ ہماری بہت بڑی فتح تھی۔ ہم نے دشمن کے گھر میں گھس کر اپنے لیے جگہ بنالی تھی۔ جو کام طاقت سے نہیں ہو سکتا تھا' وہ باتوں نے کر دکھایا تھا۔ میں اس زہریلے کیڑے کو بھی دعائیں دے رہا تھا جس نے بوما کو کاٹا تھا اگر وہ زہریلا کیڑا اسے نہ کاٹتا تو انہیں ہماری مدد کی ضرورت بھی نہ پڑتی لیکن ہمارے ایک چھوٹے سے احسان نے ان دونوں میاں بیوی کو ہمارا بے دام غلام بنا دیا تھا اور وہ ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اگر دوسروں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم نے ان کے کانیج میں پناہ لے رکھی ہے تو ہمارے ساتھ انہیں بھی گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔

ہوفا نے بھی اٹھ کر ہم تینوں سے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک ابھر آئی تھی۔

اس واقعے کی ابتدا شام کو ہوئی تھی اور اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔

"اب تم لوگ ہمارے معزز مہمان اور دوست ہو۔" ہوفا نے باری باری ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا "باتیں تو بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔ میں پہلے کچھ کھانے کا بندوبست کرلوں۔"

اس نے سونیا کی گود میں سوئے ہوئے بچے کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے چینی زبان میں بوما سے کچھ کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ جانکی بھی اٹھ کر اس کے پیچھے ہی کمرے سے نکل گئی تھی۔ میں اور بوما ایک بار پھر باتوں میں مصروف ہو گئے۔

کھانا تقریباً ایک گھنٹے میں تیار ہو سکا تھا۔ ہوفا نے کھانا لگانے کے بعد بچے کو سونیا کی گود سے لے کر بوما کے قریب پلنگ پر لٹا دیا تھا۔

کھانے کے بعد بھی ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ہم تینوں کے سونے کے لیے ہوفا نے دوسرے کمرے میں بندوبست کر دیا تھا اور وہ بندوبست یہ تھا کہ کمرے کے فرش پر ایک چٹائی بچھا دی گئی تھی۔ اس کمرے میں فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔

اب مجھے بوما یا ہوفا کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہم تینوں اطمینان سے اس کمرے میں آ کر دری پر بیٹھ گئے اور اس وقت میں نے پہلی بار یہ بات نوٹ کی کہ جانکی کے پاس کوئی عام رائفل نہیں' سب مشین گن تھی۔ اس کی اپنی رائفل تو میں نے کانیج کے برآمدے میں پڑی ہوئی دیکھی تھی اور جانکی کے جسم پر اس کا اپنا لباس بھی نہیں تھا۔ وہ ٹرائی اینگل کے محافظوں والا کمانڈو ڈریس پہنے ہوئے تھی اور اتفاق تھا کہ بوما کی دیکھ بھال اور باتوں میں اب تک ان تبدیلیوں پر توجہ نہیں دے سکا تھا۔

"ہاں۔ اب تم شروع ہو جاؤ۔" میں نے جانکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہم پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ کر دوسری طرف اتر ہی رہے تھے کہ فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ واپس آئے تو کمرے میں خون بکھرا ہوا دیکھا۔ وہ محافظ لڑکی بھی غائب تھی اور تم بھی۔ تمہاری رائفل برآمدے میں پڑی تھی۔ کمرے کے اندر تمہارا خنجر اور ہیئر کلپ بھی مل گیا۔ میں تو تم پر فاتحہ پڑھ چکا تھا۔ اب تم بتاؤ کہ ہماری عدم موجودگی میں اس کانیج میں کیا ہوا تھا اور تم زندہ کیسے بچیں؟"

"موت نے مجھے دبوچنے کی پوری کوشش کی تھی مگر میں اس بار بھی اسے چکما دینے میں کامیاب ہو گئی۔" جانکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تم لوگوں کے جانے کے بعد کچھ دیر تک تو میں کانیج کے باہر پتھر پر ہی بیٹھی رہی پھر میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ میں نے سوچا کہ اگر کسی قریبی پوسٹ کا کوئی اور محافظ اس طرف نکل آیا تو اپنے لباس کی وجہ سے میں فوراً ہی اس کی نظروں میں آ جاؤں گی۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے اس محافظ لڑکی کے ساتھ کپڑے تبدیل کر لینے چاہئیں۔ میرے جسم پر کمانڈو ڈریس ہو گا تو فوری طور پر مجھ پر شبہ نہیں کیا جا سکے گا اور مجھے کچھ نہ کچھ کرنے کا موقع مل جائے گا۔

"میں نے کمرے میں داخل ہو کر اس لڑکی کو بتایا کہ میں کیا کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے اس کی رسیاں کھول دیں اور کپڑے اتارنے کو کہا اور پھر اپنے کپڑے بھی اتار دیے۔

"وہ موقع کی تلاش میں تھی لیکن میں نے خنجر ہاتھ میں لے رکھا تھا لیکن کپڑے پہنتے ہی اسے موقع مل گیا اور اس نے گھوم کر میری کنپٹی پر اس زور کا گھونسا مارا کہ۔ میں چکرا کر گر پڑی۔ میری آنکھوں کے سامنے تاریکی چھا گئی۔ میں شاید ایک ڈیڑھ منٹ کے لیے اپنے حواس سے بیگانہ ہوئی تھی۔ مجھے فرش پر بے حس و حرکت دیکھ کر وہ [illegible] میں بے ہوش ہو گئی ہوں۔ میرے حواس بحال ہوئے تو وہ ٹیلی فون پر کسی کو ہمارے بارے میں بتا رہی تھی۔ میرا خنجر قریب ہی پڑا تھا۔ میں خنجر اٹھانا ہی چاہتی تھی کہ لڑکی نے مجھے دیکھ لیا اور فون کا ریسیور رکھ کر میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔

"وہ کم بخت بہت طاقت ور تھی اور یقیناً اسے لڑائی کی ٹریننگ بھی دی گئی تھی۔ وہ مجھے بری طرح رگیدتی رہی۔ اس نے ایک ہاتھ سے میرے بال جکڑ رکھے تھے اور دوسرے ہاتھ سے میرے پیٹ اور سینے پر گھونسے مار رہی تھی۔

"بالآخر مجھے بھی موقع مل ہی گیا۔ میں اسے رگیدتے ہوئے دیوار تک لے گئی۔ اس وقت وہ میرے نیچے دبی ہوئی تھی اور قریب ہی فرش پر میرا خنجر بھی پڑا ہوا تھا۔ میں نے خنجر اٹھا کر اس کے سینے پر وار کیا اور چیخ اٹھی اور پھر مجھ پر جیسے جنون سا طاری ہو گیا۔ میں خنجر سے اس کے سینے اور پیٹ پر پے در پے وار کرتی رہی۔ میرے ذہن میں صرف ایک بات تھی۔ اگر میں اس کے قابو میں آ جاتی تو وہ میرا بھی یہی حشر کرتی اور پھر اس نے ہمارے بارے میں کسی دوسری جگہ اطلاع دے کر ہماری سلامتی کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

"میں اسے چھوڑ کر اٹھ گئی۔ وہ تڑپتی ہوئی فرش پر ادھر اُدھر لڑھک رہی تھی۔ میں نے اپنا بیگ اٹھا کر کندھے پر لادا۔ اس کی سب مشین گن اٹھائی اور کانیج سے نکل کر سامنے کھیتوں کی طرف دوڑ لگا دی۔" جانکی خاموش ہو کر باری باری ہماری طرف دیکھتی رہی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "تم لوگوں کو گئے ہوئے دیر ہو چکی تھی۔ پہلے میں نے بھی سوچا تھا کہ پہاڑی پر چڑھ جاؤں لیکن پھر اس کا موقع نہیں ملا کیونکہ اسی وقت ایک جیپ کانیج کے سامنے آ کر رکی تھی۔ وہ دو آدمی تھے۔ کانیج کے اندر آ کر انہوں نے صورتِ حال دیکھی تو باہر نکل کر اندھا دھند فائرنگ کرنے لگے اور پھر اس لڑکی کی لاش جیپ میں ڈال کر بھاگ گئے۔ ہو سکتا ہے اس وقت تک اس لڑکی میں کچھ سانس باقی ہوں اور وہ اس لیے اسے لے کر بھاگ گئے ہوں کہ شاید اسے بچایا جا سکے۔

"مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ جلد ہی واپس آئیں گے اور پھر میری تلاش شروع کر دیں گے۔ ان کے آنے سے پہلے میں دور نکل جانا چاہتی تھی۔ میں پوسٹ کے کھیتوں میں دوڑتی رہی۔

"اور پھر یہ چار دن جس طرح گزرے' میں ہی جانتی ہوں۔ اس دوران میں' میں نے کئی محافظوں کو شکاری کتوں کی طرح ہر طرف دوڑتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ مجھے اور تم لوگوں کو تلاش کرتے پھر رہے تھے اور آج رات کے آخری پہر مجھے درختوں کے پیچھے پوشیدہ ایک غار مل گیا۔ میں نے سارا دن اس غار میں گزارا۔ یہ کانیج قریب ترین تھا۔ میں نے دن میں ایک دو مرتبہ ہوفا کو باہر نکلتے دیکھا تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد کوئی قدم ضرور اٹھاؤں گی اور پھر میں نے تمہیں اور ہوفا کو کانیج کے عقبی دروازے سے نکل کر جنگل کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تو کارروائی کا فیصلہ کر لیا۔ اندھیرے کی وجہ سے میں تمہیں پہچان نہیں سکی تھی۔ تم ویسے ہو تو بہت خطرناک لیکن شکر ہے میری وارننگ کے جواب میں تم نے کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔" وہ مسکرا کر میری طرف دیکھنے لگی۔

چند لمحے خاموشی رہی اور پھر میں اسے اپنی روداد سنانے لگا۔ آخر میں میں کہہ رہا تھا۔

"یہ اتفاق ہی کہہ لو کہ ہم نے بھی اسی غار میں پناہ لی تھی اور کارروائی کے لیے اس کانیج ہی کو تاڑا تھا۔ ہم نے ہوفا اور بچے کو یرغمال بنا لیا اور بوما کو باہر آنے جانے کی آزادی دے دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے ہمارے بارے میں کسی کو کچھ بتایا تو اس کی بیوی اور بچے میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ آج ہمیں یہاں چوتھا دن تھا۔ بوما کو زہریلے کیڑے کے کاٹنے کا جو حادثہ پیش آیا تو اس کے بعد ساری صورتِ حال ہی تبدیل ہو گئی اور جو کچھ بھی ہے تمہارے سامنے ہے۔"

"میں دیکھ رہی ہوں کہ تم نے انہیں آزاد چھوڑ دیا ہے۔ کیا یہ خطرناک نہیں؟" جانکی نے کہا۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا "میں کسی کو پہچاننے میں غلطی نہیں کرتا۔ مجھے یقین ہے وہ ہمیں دھوکا نہیں دیں گے بلکہ ہمارے لیے بہت ہی کار آمد ثابت ہوں گے۔ ہم ان کے ذریعے وارا وغیرہ کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر سکتے ہیں۔"

"اگر کوئی دھوکا ہوا تو ہم میں سے کوئی زندہ نہیں بچے گا۔" جانکی نے کہا۔

"خطرات میں تو ہم ویسے ہی گھرے ہوئے ہیں۔ جو بھی صورتِ حال ہو گی' اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

میں اور جانکی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں سونیا خاموشی سے لیٹی رہی تھی۔ میں نے ایک موقع پر اسے مخاطب کیا تو جواب نہیں ملا۔ وہ سو چکی تھی۔ یہاں چار دن ہم نے بڑی ٹینشن میں گزارے تھے۔ بوما اور ہوفا کی نگرانی کے لیے کبھی میں جاگتا اور کبھی سونیا لیکن اب صورتِ حال بدل گئی تھی۔ وہ اعصابی تناؤ ختم ہو گیا تھا جس نے چار دن سے ہمیں اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ سکون ملتے ہی سونیا سو گئی تھی۔

جانکی بھی جمائیاں لینے لگی۔ وہ بھی اعصاب شکن حالات سے گزری تھی۔ اب اس کی آنکھیں بھی بند ہونے لگیں اور پھر میں بھی اس سے کچھ دور ہٹ کر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کرلیں۔

بچے کے رونے کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور اس کے ساتھ ہی میں چونک گیا۔ سونیا میرے بازو پر سر رکھے سو رہی تھی۔ حالانکہ رات کو وہ مجھ سے دور تھی۔ پتا نہیں وہ کس وقت اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آگئی تھی۔ میں نے بڑی آہستگی سے اپنا بازو اس کے سر کے نیچے سے نکالا اور اٹھ کر دروازہ ذرا سا کھول دیا۔

دن کا اُجالا پھیل رہا تھا۔ ساتھ والے کمرے سے بچے کے رونے کی آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ میں نے دونوں کمروں کا درمیانی دروازہ کھول دیا۔ بوا پلنگ پر سو رہا تھا اور ہوفا بچے کے ساتھ فرش پر بچھی ہوئی چٹائی پر تھی۔ بچے کے رونے کی آواز سے وہ جاگ گئی تھی اور ایک طرف سے اپنے بلاؤز کو اوپر کھینچنے کی کوشش کررہی تھی۔ اس نے مجھے بھی دروازہ کھولتے دیکھا تھا مگر میں آگے نہیں بڑھا اور آہستگی سے دروازہ بھیڑ کر واپس آگیا۔ بچے کے رونے کی آواز بند ہوگئی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹا گزر گیا۔ اس وقت شاید سات بجنے والے تھے کہ ہمارے کمرے کا دروازہ کھلا۔

"چائے پیو گے؟" ہوفا نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"مل جائے تو بڑی اچھی بات ہوگی۔" میں نے جواب دیا۔ پچھلے کئی دنوں سے ہم بدذائقہ جیسی عیاشی کو بھول گئے تھے اور آج ہوفا کو خود ہی خیال آگیا تھا۔ میں نے جانکی اور سونیا کو بھی جگادیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوفا چائے لے کر آگئی۔ وہ بھی ہمارے قریب ہی بیٹھ گئی۔ کچھ ہی دیر بعد دوسرے کمرے سے بچے کی قلقاریوں کی آواز سنائی دی۔ ہوفا نے اٹھنا چاہا مگر سونیا اس سے پہلے ہی اٹھ کر دروازے تک پہنچ چکی تھی۔ چند منٹ بعد وہ بچے کو لے آئی اور اسے گود میں لے کر بیٹھ گئی۔ بچہ مسکرا کر اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ سونیا نے اپنا چہرہ جھکالیا۔ بچہ کبھی اس کی ناک کو پکڑتا اور کبھی ٹھوڑی کو اور بالآخر سونیا کے بال اس کی مٹھی میں آگئے۔ وہ بالوں کو کھینچتے ہوئے قلقاریاں بھر رہا تھا۔ ہوفا حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ معصوم سا بچہ کتنی جلدی سونیا سے مانوس ہوگیا تھا۔

"میں نو بجے کے قریب بوا کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جاؤں گی۔ اسے دو تین روز آرام کی ضرورت ہے اور اس کے لیے بستی کے کمانڈر اور ڈاکٹر کو اطلاع دینا ضروری ہے۔" ہوفا میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہاں کوئی ڈاکٹر بھی ہے؟" میرے لہجے میں قدرے حیرت تھی۔

"ٹرائی اینگل میں ایسی کئی بستیاں ہیں اور ہر بستی میں ایک ڈاکٹر موجود ہے کیونکہ یہاں سانپ اور زہریلے کیڑے مکوڑے بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ویسے بھی چھوٹے موٹے حادثات پیش آتے رہتے ہیں۔ جنرل کھوراٹ اپنے آدمیوں کا بہت خیال رکھتا ہے۔ انہیں بہترین خوراک اور علاج معالجے کی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ ان کی تفریح کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ ہر بستی میں ایک بہت شاندار ریکریشن ہال بھی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ ڈاکٹر کے پاس چلے جانا اور اس بچے کے بارے میں پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں۔ میں اسے سنبھال لوں گی۔" سونیا نے کہا۔

"بچے کو ساتھ لے جانا ضروری ہے۔" ہوفا نے کہا "سب ہی لوگ جانتے ہیں کہ ہم بچے کو گھر میں اکیلا نہیں چھوڑتے۔ اتنے چھوٹے بچے کو اکیلا چھوڑا بھی نہیں جاسکتا۔ اگر آج بچہ ہمارے ساتھ نہ ہوا تو کسی کو شبہ ہوسکتا ہے۔"

ہوفا کی بات میں وزن تھا۔ بچہ ساتھ نہ ہونے کی صورت میں کسی قسم کا شبہ کیا جاسکتا تھا۔

"تم لوگوں میں سے کسی کے دل میں شاید کوئی شبہ ہو۔" ہوفا نے باری باری ہم تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لیکن ہم دوستی کا ہاتھ ملا چکے ہیں۔ ہم اپنی بات نبھانے کے لیے جان تو دے دیں گے مگر تم لوگوں کے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کریں گے۔"

"اگر کوئی شبہ ہوتا تو رات کو ہم اطمینان سے نہ سوجاتے۔" میں نے کہا "لیکن تم لوگوں کو میرا ایک کام بھی کرنا ہوگا۔ وہ میں جانے سے پہلے بتادوں گا۔"

ہوفا چائے کے خالی مگ لے کر چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد میں دوسرے کمرے میں بوا کے پاس آگیا۔ رات کو اس کی ٹانگ بہت سوج گئی تھی لیکن اس وقت سوجن آدھی رہ گئی تھی۔

"اس کا بہترین علاج تو یہ بوٹی ہی ہے لیکن ڈاکٹر کے پاس جانا ضروری ہے۔ اگر کمانڈر کو اطلاع نہ دی گئی اور میں ڈیوٹی کے وقت کنٹرول روم نہ گیا تو میرے بارے میں معلوم کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی ادھر آجائے گا۔" بوا نے کہا۔

"میں نے تم لوگوں کے جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔" میں نے کہا "تمہیں ہمارے لیے کچھ کام بھی کرنا ہوگا۔" میں چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر اسے بتانے لگا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

ناشتے کے بعد پونے نو بجے کے قریب وہ کانیچ سے نکل گئے۔ ہوفا نے دروازے کو باہر سے تالا لگا دیا تھا۔ اس نے بچے کو ٹنکوں کی ایک مخصوص باسکٹ میں ڈال کر اسٹریپ کی مدد سے باسکٹ کو پشت پر ڈال لیا تھا۔ ہم کھڑکی میں سے انہیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ درختوں کی آڑ میں ہو کر ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ میں کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گیا اور پردہ برابر کردیا۔ میں سونیا اور جانکی کے چہروں پر واضح طور پر بے چینی کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"اگر ہمارے ساتھ دھوکا ہوا تو؟" جانکی نے خدشے کا اظہار کیا۔

"میرا خیال ہے ایسا نہیں ہوگا۔" میں نے جواب دیا "اگر دھوکا ہوا اور ہمیں گھیرنے کی کوشش کی گئی تو ہم آخری لمحوں تک لڑیں گے اور چار چھ کو مار کر ہی مریں گے۔"

ہم تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی نہ کسی کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا کر باہر جھانک لیتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے بھی بے چینی ہونے لگی اور میں سوچ رہا تھا کہ ان پر بھروسا کرکے کوئی غلطی تو نہیں کی؟ لیکن بہرحال، اب تو تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ ہم نے اپنے آپ کو کسی بھی قسم کی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کرلیا تھا۔

لیکن ہمارے خدشات بے بنیاد نکلے۔ ڈیڑھ بجے کے قریب ہوفا اکیلی واپس آتی ہوئی دکھائی دی تھی۔ اس وقت اس نے بچے کو گود میں اٹھا رکھا تھا۔

"مجھے تو کوئی گڑبڑ لگتی ہے۔" جانکی نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہوفا اکیلی آرہی ہے۔ بوا شاید ٹانگ میں تکلیف کی وجہ سے وہاں رہ گیا ہے اور ہوسکتا ہے کچھ دیر بعد اس کانیچ کو چاروں طرف سے گھیر لیا جائے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔" میں نے کہا "اگر ایسا کوئی منصوبہ ہوتا تو ہوفا اپنے بچے کو ساتھ لے کر نہ آتی۔ کوئی ماں باپ اپنے بچے کی زندگی کو داؤ پر نہیں لگا سکتے۔"

ہوفا قریب آتی جارہی تھی اور پھر وہ برآمدے میں پہنچ گئی۔ اس نے شاید مجھے کھڑکی میں دیکھ لیا تھا کیونکہ اس طرف دیکھتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی تھی۔ چند سیکنڈ بعد وہ دروازہ کھول کر اندر آگئی۔

"بوا کہاں ہے؟" میں نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"گھبراؤ نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ بچہ اس کی گود میں سو رہا تھا۔ اس نے کمرے میں داخل ہو کر بچے کو آہستگی سے پلنگ پر لٹا دیا اور مڑ کر میری طرف دیکھنے لگی "کنٹرول روم میں تم ہی لوگوں کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ تم لوگوں کے ہاتھوں ان کے چار آدمی مارے جاچکے ہیں اور وہ لوگ شکاری کتوں کی طرح تم لوگوں کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ دریائی کناروں کے ساتھ ساتھ گشت میں اضافے کے علاوہ دریاؤں میں بھی کشتیوں پر پٹرولنگ شروع کردی گئی ہے اور ٹرائی اینگل کا چپا چپا چھانا جارہا ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی "پہلے جنرل کھوراٹ سے اس بات کو چھپایا جارہا تھا لیکن اب اسے پتا چل گیا ہے۔ اس نے بستی کے کمانڈر کو چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی ہے کہ تم لوگوں کو زندہ یا مردہ کسی بھی حالت میں اس کے سامنے پیش کیا جائے۔"

"اور دارا وغیرہ کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"سنا ہے کہ وہ بہت خوف زدہ ہیں۔" ہوفا نے جواب دیا "وہ جلد سے جلد جنرل کھوراٹ کے ہیڈ کوارٹر پہنچنا چاہتے ہیں لیکن جنرل کھوراٹ نے انہیں چند روز اور یہیں رکنے کو کہا ہے۔ جنرل کھوراٹ کسی اہم کام میں مصروف ہے ورنہ ایسی سنگین صورتِ حال میں وہ خود یہاں دوڑا آتا۔ بوا اس لیے وہاں رک گیا ہے کہ وہ دارا وغیرہ کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرکے آئے گا۔ اب اگر اجازت ہو تو میں کھانا تیار کرلوں۔ تم لوگوں کو بھوک لگ رہی ہوگی۔"

"پہلے پیٹ کا خیال نہیں تھا لیکن اب بھوک لگنے لگی ہے۔ چلو۔ میں بھی تمہارا ہاتھ بٹاتی ہوں۔" جانکی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں کچن میں چلی گئیں۔ میں اور سونیا وہیں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سونیا کے چہرے اور آنکھوں میں تشویش نمایاں تھی۔

"اگر انہیں شبہ ہوگیا کہ ہم اس کانیچ میں چھپے ہوئے ہیں تو؟" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"رات کو بوا بتا رہا تھا کہ محافظوں کو ہر دو چار مہینوں بعد اِدھر اُدھر تبدیل کردیا جاتا ہے لیکن یہ دونوں میاں بیوی تین سال سے یہاں ہیں۔ گویا دونوں اس بستی کے سب سے قابلِ اعتماد ہیں۔ اگر کانیچز کی تلاشی شروع کی بھی گئی تو ان کے کانیچ پر شبہ نہیں کیا جائے گا۔ ویسے میرے خیال میں اس کی نوبت نہیں آئے گی۔"

چند منٹ بعد سونیا بھی اٹھ کر کچن میں چلی گئی اور میں اکیلا بیٹھا صورتِ حال پر غور کرنے لگا۔ جنرل کھوراٹ نے

مقامی کمانڈر کو چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی تھی اور میرے خیال میں اگلے چوبیس گھنٹے ہمارے لیے بھی بہت اہم تھے۔ ویسے یہ اطلاع میرے لیے خوش آئند تھی کہ دارا اور اس کے ساتھیوں کو اگلے چند روز کے لیے اور یہیں رکنے کو کہا گیا تھا۔ اب مجھے بوما کا انتظار تھا۔ اس کے آنے پر ہی دارا وغیرہ کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔

دوپہر کا کھانا ہم نے تین بجے کے قریب کھایا تھا۔ بوما کی واپسی چار بجے کے قریب ہوئی تھی۔ میں نے کھڑکی سے اسے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ لنگڑاتے ہوئے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

وہ اندر آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں نے اسے کچھ دیر سستانے کا موقع دیا اور پھر اس پر سوالات کی بوچھار کر دی۔

"دھیرج۔۔۔ دھیرج۔۔۔ سب کچھ بتاتا ہوں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہنے لگا "تم لوگوں کی تلاش کے حوالے سے سرگرمیوں کے بارے میں تو ہوفا نے بتا دیا ہوگا۔ میں دارا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں رپورٹ دوں گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "تم تو کہتے تھے کہ دارا بہت ظالم اور سفاک آدمی ہے لیکن وہ تو بہت بزدل نکلا۔"

"ظالم ہمیشہ بزدل ہوتا ہے۔" میں نے کہا "وہ ظلم و ستم جو کچھ بھی کرتا ہے' دوسروں کے بل بوتے پر کرتا ہے لیکن جب اپنے سر پر پڑتی ہے تو یہا تو خارش زدہ کتے کی طرح دُم دبا کر بھاگ نکلتا ہے یا قدموں پر گر کر رحم کی بھیک مانگنے لگتا ہے۔ بہرحال تم اپنی بات جاری رکھو۔"

"چار محافظوں کے قتل اور تم لوگوں کے فرار نے دارا پر دہشت سی طاری کر رکھی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تم شیروں کی کچھار میں گھس کر قتل و غارت کر سکتے ہو تو وہ کیسے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تم کسی بھی وقت اس کی گردن ناپ سکتے ہو اسی لیے وہ جلد سے جلد جنرل کھوراٹ کے ہیڈ کوارٹر پہنچ جانا چاہتا ہے جو اس کے خیال میں سب سے محفوظ جگہ ہے لیکن جنرل کھوراٹ نے اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے اسے مزید چند روز یہیں رکنے کو کہہ دیا ہے۔"

"پہلے تم نے بتایا تھا کہ دارا کے ساتھ دو آدمی اور ایک خوب صورت لڑکی ہے اور اس لڑکی کا حلیہ تھائی سے مختلف ہے۔ وہ لڑکی۔۔۔ مجھے یاد ہے چیانگ سامین میں دریا کے کنارے والے کانیج میں ان کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں جن میں سے ایک کو ان میں سے کسی نے مار ڈالا تھا اور دوسری کو وہ اپنے ساتھ لے آئے تھے لیکن تھائی۔۔۔ وہ بھی ان کے ساتھ تھی۔"

"تھائی اب بھی ان کے ساتھ ہے۔" بوما نے کہا "میں نے پہلے بھی تمہیں بتایا تھا کہ ان کے ساتھ ایک اور عورت بھی ہے۔ میں نے اسے ابھی تک نہیں دیکھا لیکن سنا ہے کہ وہ بیمار ہے اور کانیج سے باہر نہیں نکلتی۔"

مجھے یاد آگیا۔ بوما نے پہلے بھی بتایا تھا کہ دارا وغیرہ کے ساتھ دو عورتیں ہیں جن میں ایک بیمار ہے۔ میں جانتا تھا جس رات جھڑپ میں تھائی دارا کے ہاتھ لگی تھی وہ زخمی تھی اور پریرے نے بتایا تھا کہ اس کے بازو میں گولی لگی تھی۔ علاج نہ ہونے کی وجہ سے اس کا زخم بگڑ گیا ہوگا۔

"وہ کس کانیج میں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کنٹرول روم سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر جو کانیج ہے' وہ لوگ اسی میں ٹھہرے ہوئے ہیں لیکن تم نے تو اس طرف کا علاقہ دیکھا ہی نہیں۔ تمہیں کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔" بوما نے کہا۔

"میں وہ علاقہ دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیا۔۔۔؟" بوما اچھل پڑا۔

"اس کے لیے ہمیں محافظوں کے ڈریس درکار ہوں گے اور میرا خیال ہے تم یہ بندوبست کر سکتے ہو۔" میں نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"کپڑوں کا تو بندوبست ہو جائے گا لیکن۔۔۔"

"اس طرف جانا خطرناک ہوگا۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا؟" میں نے اس کا جملہ مکمل کر دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "رسک تو لینا ہی پڑے گا۔ یہاں تک آگئے ہیں تو ہم اس کانیج میں چھپ کر تو نہیں بیٹھے رہ سکتے۔ جب تک باہر نہیں نکلیں گے ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اگلے چوبیس گھنٹے خطرناک ہو سکتے ہیں مگر اس کے بعد۔۔۔ میں اس کے بعد اپنی کارروائی شروع کرنا چاہتا ہوں۔ تم کپڑوں کا بندوبست کب تک کر سکتے ہو؟"

"کل تک ہو جائے گا۔" بوما نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا "مجھے چھٹی نہیں دی گئی صرف آج کا دن ریسٹ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ کل سے مجھے ڈیوٹی پر جانا ہوگا۔ کمانڈر کا کہنا ہے کہ مداخلت کاروں کی تلاش کے لیے زیادہ سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے۔ میں اگر بھاگ دوڑ نہیں کر سکتا تو کنٹرول روم میں تو بیٹھ کر ڈیوٹی دے سکتا ہوں۔"

"اور میرا خیال ہے یہ اچھی بات ہے۔" میں نے کہا

"اس طرح ان لوگوں کی سرگرمیوں کا پتا چلتا رہے گا۔" پھر کہا۔ "ہمیں چوبیس گھنٹے انتظار کرنا ہوگا۔ اس کے بعد ہی کوئی قدم اٹھایا جا سکے گا۔"

میں دوسرے کمرے میں آگیا۔ میرے دماغ پر عجیب سا بوجھ اور اعصاب میں تناؤ سا تھا۔ میں دری پر لیٹ گیا اور سونیا والا بیگ اٹھا کر تکیے کی طرح سر کے نیچے رکھ لیا۔ کچھ ہی دیر بعد میں سو چکا تھا۔

جانکی نے رات کے کھانے کے وقت مجھے جھنجوڑ کر جگایا۔ مجھ پر نجانے کیوں اتنی تھکن سوار ہو گئی تھی۔ کھانے کے فوراً ہی بعد میں دوبارہ سو گیا اور اس کے بعد میری آنکھ صبح دس بجے ہی کھلی تھی۔ اس سے پہلے کسی نے مجھے جگانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ بوما نو بجے سے پہلے ہی جا چکا تھا۔ دوپہر دو بجے کے قریب میں کمرے میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا اونگھ رہا تھا کہ ہوفا تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی۔ آہٹ سن کر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ ہوفا کے ساتھ سونیا اور جانکی بھی تھی۔ ان کے چہروں پر تشویش کے تاثرات نمایاں طور پر دیکھے جا سکتے تھے۔

"دروازہ بند کر لو۔ تم لوگ اس کمرے سے باہر مت نکلنا۔ پھانگ اس طرف آرہا ہے۔ مجھے اس کی نیت کچھ اچھی نہیں لگتی۔" ہوفا نے کہا۔

"پھانگ کون؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اسے یہاں آئے ہوئے صرف پندرہ دن ہوئے ہیں لیکن پانچ چھ لڑکیوں کو پامال کر چکا ہے۔ ایک مرتبہ مجھ پر بھی ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی لیکن میں اپنے آپ کو بچا گئی۔ میں چونکہ ڈیوٹی پر نہیں جاتی اس لیے میرا خیال تھا کہ وہ مجھے بھول گیا ہے لیکن کل بوما کے ساتھ گئی تو موقع پا کر مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگا۔ بڑا حرامی آدمی ہے۔ بوما ڈیوٹی پر ہے پھانگ سمجھ گیا ہوگا کہ میں گھر میں اکیلی ہوں۔ وہ اس طرف آرہا ہے۔ اس کی نیت اچھی نہیں لگتی۔ میں اسے ٹالنے کی کوشش کروں گی۔ تم لوگ اپنے کمرے کا دروازہ بند رکھنا۔"

میں نے دوسرے کمرے کی کھڑکی کا پردہ ذرا سا سرکا کر دیکھا۔ پھانگ اس وقت تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھا۔ وہ درمیانے قد و قامت کا صحت مند آدمی تھا۔ کمانڈو ڈریس پر بیلٹ میں اڑسا ہوا ریوالور بھی صاف نظر آرہا تھا۔ وہ ادھر اُدھر دیکھے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اسی طرف آرہا تھا۔

"اسے اپنے کمرے میں لے آنا۔ آج اس سے بھی تمہیں نجات مل جائے گی۔" میں نے ہوفا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کھڑکی کا پردہ برابر کر کے دوسرے کمرے میں واپس آگیا۔

سونیا اور جانکی اپنی اپنی رائفلیں لیے کھڑی تھیں۔ میں نے بھی اپنی رائفل اٹھالی اور ہم دروازہ بھیڑ کر دائیں بائیں دیواروں کے ساتھ چپک کر کھڑے ہو گئے۔

تقریباً تین منٹ بعد دستک کی آواز ابھری۔ ہوفا نے دروازہ کھول دیا وہ شاید پھانگ کو باہر روک کر ہی بات کرنا چاہتی تھی مگر وہ زبردستی دروازہ کھول کر اندر آگیا۔

"خیریت مسٹر پھانگ۔" ہوفا کی آواز سنائی دی "تمہارے تیور کچھ۔۔۔"

"میرے تیوروں کی بات مت کرو۔" پھانگ نے اس کی بات کاٹ دی "کل تمہیں دیکھنے کے بعد تو میرے حواس بھی قابو میں نہیں رہے۔ میں ہی سمجھ سکتا ہوں کہ یہ چوبیس گھنٹے میں نے کس طرح گزارے ہیں۔ پچھلی مرتبہ تو تم مجھے چکما دے گئی تھیں مگر آج۔۔۔ میں تم سے اپنی پیاس بجھا کر ہی واپس جاؤں گا۔"

"مسٹر پھانگ۔" ہوفا نے کہا "تم جانتے ہو میں شادی شدہ ہوں' ایک بچے کی ماں ہوں۔ اگر بوما یا کسی اور کو پتا چل گیا تو ان کی نظروں میں میری کیا عزت رہے گی؟"

"میں ہر کام بہت احتیاط سے کرنے کا عادی ہوں۔" پھانگ نے جواب دیا "کسی کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں کہ میں اس طرف آیا ہوں۔ کوئی نہیں جان سکے گا کہ۔۔۔"

"لیکن مسٹر پھانگ۔۔۔" ہوفا بول اٹھی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے اپنے آپ کو بچانا بھی چاہتی ہو اور اس کی حوصلہ افزائی بھی کر رہی ہو۔

"او۔۔۔ کم آن ہوفا۔" پھانگ نے کہا اور پھر کچھ اور آوازیں سنائی دینے لگیں۔

میں نے جانکی اور سونیا کی طرف دیکھا اور درمیانی دروازے میں آدھے انچ کے قریب جھری پیدا کر کے دوسری طرف دیکھنے لگا۔ پھانگ نے ہوفا کو دبوچ رکھا تھا۔ وہ اسے کس کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور ہوفا برائے نام مزاحمت کر رہی تھی۔ پھانگ نے اسے پشت کے بل پلنگ پر گرا دیا۔

ہوفا کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ پلنگ پر سویا ہوا بچہ ہڑبڑا کر جاگ گیا اور رونے لگا۔ پھانگ نے ہوفا کے بلاؤز پر ہاتھ ڈال کر زور دار جھٹکا دیا۔ ہوفا کا سینہ برہنہ ہو گیا۔

میں نے اپنی رائفل سونیا کو تھمادی اور بڑی آہستگی سے دروازہ کھول کر کمرے میں آگیا۔ پھانگ' ہوفا پر جھکا ہوا تھا۔ اس کا رخ دوسری طرف تھا۔ وہ مجھے نہیں دیکھ سکا تھا۔ میں

دبے قدموں چلتا ہوا قریب پہنچ گیا اور پھانگ کا کندھا تھپتھپانے لگا۔

اس پہلی دستک کا پھانگ پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں نے دوبارہ قدرے سخت ہاتھ سے کندھا تھپتھپایا تو اس نے ایک جھٹکے سے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ اس کے ہاتھ ابھی تک ہوفا کو گرفت میں لیے ہوئے تھے لیکن میری شکل دیکھتے ہی وہ بری طرح اُچھلا جیسے بجلی کا زوردار جھٹکا لگا ہو۔ سیدھا ہوتے ہوئے اس کا سیدھا ہاتھ بڑی تیزی سے پتلون کی بیلٹ میں اڑسے ہوئے ریوالور کی طرف بڑھا تھا لیکن ریوالور اس سے پہلے ہی میرے ہاتھ میں آچکا تھا۔

"کون ہو تم۔۔۔؟" پھانگ میری طرف دیکھتے ہوئے غرایا۔

ہوفا نے بتایا تھا کہ پھانگ کو اس بستی میں آئے ہوئے پندرہ دن ہوئے تھے اور ظاہر ہے وہ یہاں پر تعینات تمام محافظوں کو ابھی پوری طرح نہیں پہچانتا ہوگا۔ مجھے بھی وہ اپنے ہی قبیل کا کوئی آدمی سمجھتا تھا جو اس کی طرح بوما کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ہوفا کے حسن و شباب سے فیض یاب ہونے کے لیے یہاں آگیا تھا۔ مجھے خاموش پاکر اس نے جو کچھ کہا' اس سے اس کی تصدیق بھی ہوگئی تھی۔

"دیکھو مسٹر!" وہ خوں خوار نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "تم جو کوئی بھی ہو ابھی یہاں سے چلے جاؤ۔ ابھی تو۔۔۔"

"میں وہ نہیں مسٹر پھانگ جو تم سمجھ رہے ہو۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تو پھر۔۔۔ کون ہو تم؟" اس نے مجھے گھورا۔

"میں وہ ہوں جس کی تم لوگوں کو تلاش ہے۔" میں نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ کون ہو تم۔۔۔؟" وہ ہکلایا۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا تھا۔

"وہی۔۔۔ جس کی تم لوگوں کو تلاش ہے۔" اس مرتبہ میرے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی "اب تک تم لوگوں کے چار آدمی میرے اور میرے ساتھیوں کے ہاتھوں مارے جاچکے ہیں اور اب اس تعداد میں ایک اور اضافہ ہوگا اس کے بارے میں کسی کو پتا نہیں چلے گا۔ تمہاری لاش اس طرح غائب کردی جائے گی کہ اسے تلاش نہیں کیا جاسکے گا۔"

"اوہ۔" پھانگ کے منہ سے بے اختیار نکلا "تو ان غداروں نے تمہیں اپنے کانیج میں پناہ دے رکھی تھی۔ اس لیے تم لوگوں کو اب تک تلاش نہیں کیا جاسکا لیکن اب نہ تو تم لوگ بچ سکو گے اور نہ یہ غدار۔" اس نے گردن گھما کر ہوفا کی طرف دیکھا۔

ہوفا ابھی تک پلنگ پر اسی طرح پڑی ہوئی تھی کہ اس کی ٹانگیں نیچے لٹکی ہوئی تھیں۔ اس سے دو تین فٹ کے فاصلے پر پڑا ہوا بچہ مسلسل رو رہا تھا۔

"ہوفا۔ تمہارا بچہ رو رہا ہے۔ اسے لے کر دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ہوفا ایک ہاتھ سے اپنے پھٹے ہوئے بلاؤز کو سمیٹنے کی کوشش کرتے ہوئے اٹھ گئی۔ اس نے بچے کو اٹھا کر سینے سے لگالیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس وقت پھانگ نے بھی پہلی مرتبہ اس طرف دیکھا تھا۔ دروازے میں جانکی اوز سونیا کو رائفلیں تانے کھڑے دیکھ کر اس کے چہرے پر پہلی مرتبہ خوف کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"ہاں تو مسٹر پھانگ۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "تم ہوفا کو لوٹ کا مال سمجھ کر یہاں چلے آئے تھے۔ پچھلے پندرہ دنوں میں یہاں آکر تم نے جو کچھ بھی کیا ہے' وہ سب مجھے معلوم ہوچکا ہے۔ تم شاید دنیا کی ہر عورت پر اپنا حق سمجھتے ہو اور میرا خیال ہے کہ اپنی ماں یا بہن کو دیکھ کر بھی تمہارے شہوانی جذبات اس طرح بھڑک اٹھتے ہوں گے۔ برے سے برے آدمی میں بھی شرافت اور انسانیت کا تھوڑا بہت مادہ ضرور ہوتا ہے مگر لگتا ہے یہ دونوں چیزیں تو کبھی تمہارے قریب سے بھی نہیں گزریں۔ میرے خیال میں اب وقت آگیا ہے کہ تمہیں ان حرکتوں کی سزا دے دی جائے تاکہ آئندہ شریف عورتیں تمہارے شر سے محفوظ رہیں۔"

"تم خوش فہمی میں مبتلا ہو۔" پھانگ نے کہا "تم لوگ بچ کر نہیں جاسکو گے۔ بہتر ہے۔ اپنے آپ کو میرے حوالے کردو۔"

"ضرور۔" میں نے کہتے ہوئے اس کا ریوالور ایک طرف پھینک دیا۔

وہ شاید یہ سمجھا تھا کہ میں واقعی سرنڈر ہو رہا ہوں اور وہ فرش پر پڑا ہوا ریوالور اٹھانے کے لیے آگے بڑھا بھی تھا لیکن اسی وقت میں کھڑے کھڑے ایک پیر پر گھوم گیا۔ میری دوسری ٹانگ پچھتریا اسی درجے کا زاویہ بناتے ہوئے اٹھ گئی تھی۔ میں کھڑے کھڑے جس قوت سے گھوما تھا' اس سے کہیں زیادہ قوت سے اسپن کک اس کی ٹھوڑی کے نیچے لگی اور وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

مرسکوں گی۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ مجھے ہیروئن سے ادھ موا کرکے کسی طرح تم تک پہنچا دیا جائے۔ وہ صبح شام مجھے انجکشن دیتا تھا پھر اس نے ایک وقت انجکشن دینا بند کردیا اور جب پہلے انجکشن کا اثر زائل ہوجاتا تو میری عجیب حالت ہوجاتی۔ جسم ٹوٹنے لگتا۔ میں اپنے بال نوچنے لگتی اور پھر میں دانتوں سے اپنے آپ کو بھنبھوڑنے لگتی۔ دارا قریب کھڑا میری بے بسی کا تماشا دیکھتا رہتا۔ میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑتی۔ اس کے قدموں پر گر جاتی کہ وہ مجھے انجکشن لگا دے۔ وہ کھڑا قہقہے لگاتا رہتا اور جب میری حالت بہت زیادہ بگڑ جاتی تو مجھے انجکشن لگا دیا جاتا۔

"جب ہم یہاں آئے تو ڈاکٹر نے میرے زخم کا علاج شروع کردیا۔" اس نے دوسرے بازو پر گولی کے زخم کی طرف اشارہ کیا "لیکن تین چار دن بعد دارا نے اسے علاج سے روک دیا۔ میرا زخم بہرحال کسی حد تک مندمل ہوچکا ہے لیکن ہیروئن کی اذیت... بری طرح تڑپایا ہے اس شیطان نے مجھے..."

"وہ شیطان بھی اسی طرح تمہارے سامنے تڑپے گا۔" میں نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔

گیارہ بجے کے قریب ہوفا واپس آگئی۔ اس کی گود میں دیکھتے ہی ننھا سونیا کو دیکھ کر ہمکنے لگا۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ چند ہی روز ابھی تو ں بچہ سونیا سے اس قدر مانوس ہوگیا تھا۔ سونیا نے بچے کو لے لیا اور اسے پیار کرنے لگی۔

ہوفا نے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر تقریباً تین انچ لمبی ایک شیشی اور ایک سرنج نکال کر جانکی کے حوالے کردی۔

"یہ لیکوئیڈ ہیروئن ہے۔" ہوفا نے مسکراتے ہوئے بتایا "ڈاکٹر کے کمرے سے چرا کر لائی ہوں۔"

"اور کیا خبریں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"بڑی گرما گرم خبریں ہیں۔" ہوفا نے جواب دیا "تمہاری رات کی کارروائی سے دارا بری طرح بدحواس ہورہا ہے۔ وہ کمانڈر کو مجبور کررہا ہے کہ انہیں آج شام سے پہلے پہلے جنرل کھوراٹ کے ہیڈ کوارٹر بھیج دیا جائے یا ٹیلی فون پر جنرل کھوراٹ سے اس کی بات کرائی جائے۔ وہ اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا اور جلد سے جلد یہاں سے نکلنا چاہتا ہے۔"

"وہ کہیں بھی چلا جائے میرے انتقام سے نہیں بچ سکے گا۔" میں نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

"اور اس بات کی بھی تصدیق ہوگئی ہے کہ پھانگ غدار ہے اور اسی نے تم لوگوں کو کہیں پناہ دے رکھی ہے۔" ہوفا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا...؟" اس کی بات سن کر میرا دماغ گھوم گیا۔

"کانیج کے ایک کمرے سے انہیں پھانگ کا والٹ ملا ہے جس میں اس کا شناختی کارڈ بھی موجود ہے۔" ہوفا نے بتایا "یہ والٹ ملنے کے بعد انہیں اس بات کا یقین ہوگیا ہے کہ گزشتہ رات اس کانیج پر کارروائی میں پھانگ بھی تمہارے ساتھ تھا۔"

"اوہ!" میرے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ کل جب میں نے پھانگ کا ڈریس پہنا تھا تو شرٹ کی جیب میں اس کا والٹ بھی موجود تھا۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ والٹ نکال کر گھر پر ہی کہیں رکھ دیا جائے لیکن پھر میں نے اسے جیب میں ہی رہنے دیا تھا اور اب مجھے خیال آرہا تھا کہ جب میں تھائی کو کندھے پر لادنے کے لیے جھکا تھا تو کوئی چیز شرٹ کی جیب سے نکل کر گری تھی لیکن اتنا موقع نہیں تھا کہ میں اس پر توجہ دے سکتا۔ کانیج کے باہر فائرنگ ہورہی تھی اور میں ایک لمحہ ضائع کیے بغیر تھائی کو اٹھا کر بھاگا تھا۔

اور اب اس والٹ کے حوالے سے ایک نئی کہانی سامنے آئی تھی اور میرے خیال میں یہ ہمارے حق میں بہتر ہی تھا۔ وہ لوگ پھانگ کو تلاش کرتے رہیں گے اور بوما اور ہوفا پر کسی کو شبہ نہیں ہوگا۔

ہوفا کے کہنے کے مطابق پھانگ اور ہماری تلاش بستی کے دوسری طرف ہی ہورہی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کا کریڈٹ بھی ہوفا ہی کو جاتا تھا۔ اس نے مجھے اور جانکی کو تو وہاں سے اس طرف دوڑا دیا تھا اور خود فائرنگ کرتے ہوئے مخالف سمت میں بھاگی تھی۔ انہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔ تعاقب کرنے والے تو اسی طرف بڑھتے چلے گئے تھے اور ہوفا ایک طویل چکر کاٹ کر اپنے کاٹیج کی طرف آگئی تھی۔

جانکی، تھائی پر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔ اس نے کھانا پینا تو بالکل ہی چھوڑ دیا تھا۔ ہیروئن کے بکثرت استعمال سے اس کی بھوک مرچکی تھی۔ وہ پورا دن خیریت سے گزر گیا مگر شام ہوتے ہوتے وہ بے چین سی ہونے لگی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بے چینی بھی بڑھتی گئی۔ جانکی نے اسے انجکشن دے دیا مگر مقدار بہت کم رکھی تھی۔

چھ بجے کے قریب بوما واپس آگیا۔ اس کی اطلاع کے مطابق ٹرائی اینگل کے دوسری طرف دریا کی ناکابندی کردی گئی تھی کہ ہمارے فرار کی کوشش کو ناکام بنایا جاسکے۔ مزید یہ کہ اگر آج شام کا اندھیرا پھیلنے تک ہم لوگوں کا کوئی سراغ نہ ملا تو کل صبح ہماری تلاش کے لیے ہیلی کوپٹر استعمال کیا جائے گا اور توقع یہ تھی کہ کل صبح جنرل کھوراٹ بھی اپنے سارے کام چھوڑ کر یہاں پہنچ جائے گا۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ہم لوگوں نے ان کے گھر میں گھس کر تھائی کو چھڑا لیا تھا اور چی فانگ کی ساتھی لڑکی بھی میرے ہاتھوں ماری گئی تھی۔

بوما، جانکی کی بتائی ہوئی چیزوں میں سے ایک دو چیزیں کسی طرح چرا کر لے آیا تھا۔ ان میں ایک اہم ترین چیز وہ دوا تھی جو تھائی کے زخموں پر لگانا ضروری تھی۔ ورنہ اس کے زخم بگڑ جاتے اور دونوں ہاتھ بیکار ہوجاتے۔

باہر کے حالات بہت مخدوش ہوگئے تھے۔ ہمارے لیے کانیج سے باہر جھانکنا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اگلے دن صبح سویرے ہی ایک ہیلی کوپٹر فضا میں پرواز کرنے لگا تھا۔ اس ہیلی کوپٹر کو ایک مرتبہ تو میں نے بھی اوپر سے گزرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس میں پائلٹ کے علاوہ دو آدمی تھے جو کوپٹر میں دونوں طرف لائٹ مشین گنوں کے ساتھ مستعد بیٹھے ہوئے تھے۔

اس روز دوپہر کے وقت جنرل کھوراٹ بھی پہنچ گیا تھا۔ وہ اگرچہ صرف ایک گھنٹا یہاں رکا تھا مگر اس ایک گھنٹے میں اس نے جو ہنگامہ کھڑا کیا تھا، اس نے اس یونٹ کے کارکنوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کئی کارکنوں کو دوسرے علاقوں میں بھیج دیا گیا تھا۔ اور ان کی جگہ دوسرے علاقوں سے کچھ نئے... کارکن یہاں طلب کرلیے گئے تھے۔

میرا خیال تھا کہ دارا، جنرل کھوراٹ کے ساتھ چلا گیا ہوگا لیکن کھوراٹ نے اسے مزید دو چار دن یہیں رکنے کو کہا تھا۔ اس کی تفصیلات شام کو بوما نے بتائی تھیں۔ اس کے کہنے کے مطابق جنرل کھوراٹ کے پاس کچھ غیر ملکی مہمان آئے ہوئے تھے اور وہ ان سے کچھ کاروباری معاملات میں مصروف تھا۔ ان کے جانے کے بعد وہ انہیں وہاں بلا لے گا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم دوبارہ ٹرائی کرسکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"مشکل ہے۔" بوما نے جواب دیا "کل رات محض اتفاق تھا کہ دارا اور کم، کمانڈر کے کانیج میں رک گئے تھے۔ آج صبح انہیں کمانڈر کے ساتھ والے کانیج میں منتقل کردیا گیا ہے اور چار محافظ تعینات کردیے گئے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا "کمانڈر کا خیال ہے کہ آپ بیمار عورت کو ساتھ لے کر زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ وہ لوگ قرب و جوار کی پہاڑیوں پر توجہ دیے ہوئے ہیں۔ اس طرف کی پہاڑیوں میں لاتعداد غار ہیں اور کمانڈر سمجھتا ہے کہ پھانگ تم لوگوں کے ساتھ کسی غار ہی میں چھپا ہوا ہے۔"

"اچھا ہے۔ وہ لوگ اسی طرف مصروف رہیں۔" میں نے کہا۔

دو دن اور گزر گئے اور ان دو دنوں کے دوران میں ہیلی کوپٹروں کے وقت مسلسل فضا میں پرواز کرتا رہا تھا۔ میرے خیال میں انہوں نے چپا چپا چھان مارا تھا لیکن انہیں مایوسی اور نامرادی کے سوا کچھ نہیں ملا تھا۔

"یہاں ہیروئن تیار کرنے کی دو لیبارٹریاں بھی تو ہیں۔" تیسرے روز میں نے بوما سے باتیں کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تم کسی لیبارٹری کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی سوچ رہے ہو تو یہ خیال ذہن سے نکال دو۔" بوما نے کہا "جس روز پھانگ کے غائب ہونے کا پتا چلا تھا اسی روز دونوں لیبارٹریوں پر سخت پہرا لگا دیا گیا تھا۔ اس طرف جانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔"

"ہم ان وردیوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔" میں نے کہا "ویسے بھی کچھ نئے گارڈ یہاں بلائے گئے ہیں۔ وہ سب لوگ ایک دوسرے کو اچھی طرح تو نہیں پہچانتے ہوں گے۔ اگر رات کے وقت یہ وردیاں پہن کر کسی لیبارٹری میں داخل ہونے کی کوشش کی جائے تو میرا خیال ہے کہ..."

"تم موت کے منہ میں جانے کی بات کررہے ہو۔" بوما نے میری بات کاٹ دی۔

"موت تو ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔" میں نے کہا "ہم اگر ایک قدم اور آگے بڑھ جائیں گے تو میرا خیال ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تمہیں صرف اتنا معلوم کرنا ہے کہ کسی ایک لیبارٹری پر محافظوں کی تعداد کتنی ہے اور ان کی ڈیوٹیاں کب تبدیل ہوتی ہیں۔ یہ ساری تفصیلات معلوم ہوجائیں تو ہمیں کچھ آسانی ہوجائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" بوما نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا "میں کل یہ ساری معلومات حاصل کرلوں گا۔ میرا خیال ہے وو نمبر والی لیبارٹری مناسب رہے گی۔ وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔"

"کس طرف ہے اور کتنے فاصلے پر ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں سے تقریباً ایک میل شمال کی طرف تین چار

چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں ہیں اور لیبارٹری ان کے دامن میں ہے۔" بوما نے جواب دیا۔

اسی رات میں، جانگی اور سونیا سے بھی اس منصوبے پر بات کرتا رہا۔ انہوں نے بھی میری مخالفت کی تھی۔

"ہم تو پہلے ہی موت کے اس جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔" جانگی نے کہا "اب تک ہم نے جو کچھ بھی کیا ہے دارا کے خلاف کیا ہے۔ جنرل کھوراٹ کے خلاف ہم نے براہِ راست کچھ نہیں کیا۔ اس کے چند آدمی اگر مارے گئے ہیں تو دارا کی وجہ سے لیکن لیبارٹری میں کسی قسم کی کارروائی جنرل کھوراٹ سے براہِ راست دشمنی مول لینے کے مترادف ہوگی۔ اس لیے۔۔۔"

"دشمنی۔" میں نے جانگی کی بات کاٹ دی "اتنا کچھ ہونے کے بعد اب کیا باقی رہ گیا ہے۔ جنرل کھوراٹ تھائی لینڈ میں شہنشاہ کے خلاف براہِ راست سازش میں ملوث رہا ہے۔ تھائی لینڈ میں دارا کو بھی اس کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ جس کی بنا پر دارا قتل وغارت کرتا رہا اور اب جنرل کھوراٹ ہی اسے یہاں پناہ دیے ہوئے ہے۔ یہ سب کچھ ہونے کے بعد بھی تم یہ سمجھتی ہو کہ جنرل کھوراٹ سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اس کے کئی آدمی اب تک ہمارے ہاتھوں مارے جاچکے ہیں لیکن اس کی نظروں میں انسانی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ انسان اور کتے کا مرجانا اس کے لیے ایک برابر ہے لیکن۔۔۔ وہ اپنا مالی نقصان برداشت نہیں کرسکے گا۔"

"میں سمجھی نہیں؟" جانگی نے الجھی ہوئی نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ہم ایک یا دو لیبارٹریاں تباہ کرکے دنیا کو پوری طرح ہیروئن کی لعنت سے نجات نہیں دلا سکتے لیکن۔۔۔ جنرل کھوراٹ یہ نقصان برداشت نہیں کرسکے گا۔ یہ نقصان چونکہ دارا کی حمایت کی وجہ سے ہوگا اور ہوسکتا ہے وہ اس حمایت سے دستبردار ہوکر دارا کو ٹرائی اینگل سے نکال دے۔"

"یہ ہے نکتے کی بات۔" جانگی نے کہا "تمہارا مطلب ہے وہ دارا کو گولڈن ٹرائی اینگل سے نکال دے گا تو ہم بھی۔"

"تم ٹھیک سمجھیں۔" میں نے اس کی بات کاٹ دی "ہم بھی یہاں سے نکل جائیں گے اور پھر دارا اور اس کے ساتھیوں کی گردن ناپنا آسان ہوگا۔"

"مگر تھائی۔" جانگی بولی "کیا اسے ساتھ لے کر ہم خطرناک اور کٹھن سفر کرسکیں گے؟"

"یہ اس وقت دیکھا جائے گا۔ بہرحال، پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم لیبارٹری والے پروگرام پر عمل کرہی سکتے ہیں یا نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

سونیا ہماری گفتگو کے دوران میں خاموش ہی رہی تھی۔

اگلے روز بوما کی رپورٹ خاصی امید افزا تھی۔ ہم سے قریب والی لیبارٹری میں چار محافظ دن میں اور چار محافظ رات میں ڈیوٹی دیتے تھے۔ ڈیوٹیاں صبح آٹھ بجے اور رات آٹھ بجے تبدیل ہوتی تھیں۔ رات کی ڈیوٹی دینے والے محافظ سوا سات بجے کے قریب کنٹرول روم سے نکلتے تھے۔ کنٹرول روم سے لیبارٹری کا فاصلہ ایک میل کے لگ بھگ تھا اور وہ آٹھ بجے تک وہاں پہنچ جاتے تھے۔

میں نے اس رات ایکشن لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ سونیا اور جانگی ڈریس تبدیل کرکے فوراً ہی تیار ہوگئیں۔ بوما بھی ہمارے ساتھ جانے کو تیار ہوگیا تھا۔ اس کی مدد کے بغیر ہم اس منصوبے پر عمل نہیں کرسکتے تھے۔

کانیج کے عقبی دروازے سے نکل کر ہم درختوں میں تیز تیز قدموں سے چلتے رہے۔ اس وقت اندھیرا پھیل چکا تھا۔ ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ ہم وہ راستہ روک کر کھڑے ہوجائیں جہاں سے کنٹرول روم سے آنے والے محافظوں کو گزرنا تھا۔

بوما کی ٹانگ میں معمولی سی تکلیف تھی لیکن وہ ہمارا ساتھ دے رہا تھا۔ ہم تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس راستے پر پہنچ گئے اور ایک مناسب جگہ دیکھ کر گھات لگا کر بیٹھ گئے۔

ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چند منٹ بعد ہی باتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں نے جانگی کو اشارہ کیا۔ وہ گھات سے نکل کر راستے کے بیچ میں آگئی اور کراہتے اور لڑکھڑاتے ہوئے چلنے لگی۔ صرف ایک منٹ بعد کنٹرول روم کی طرف سے آنے والے محافظ اس کے قریب پہنچ گئے۔

"اے۔ خبردار۔ اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔ کون ہو تم؟" ایک محافظ کی بارعب آواز سنائی دی۔ شاید ان چاروں نے جانگی کو رائفلوں کی زد پر لے لیا تھا۔

اس دلچسپ ترین داستان کے بقیہ واقعات تیسرے حصے میں ملاحظہ فرمائیں جو کہ دسمبر 2002ء میں شائع ہوگا